قرآنِ کریم اور سنتِ رسول پر عمل
بدعاتِ سیئہ سے اجتناب اور اعمال میں میانہ روی اپنانے کا درس
نیز اچھے اور برے اخلاق کی تعریفات، شرعی احکام، اسباب اور علاج کا بیان

﴿ مجددِ اعظم، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے نادر عربی حواشی اور ان کے ترجمہ کے ساتھ ﴾

ترجمہ بنام

اِصلاحِ اعمال

جلد اوّل

مُصنِّف

عارِف باللہ، ناصِحُ الاُمَّہ، علّامہ عبدُالغنی بن اسماعیل نابُلُسی دِمشقی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی

اَلْمُتَوَفّٰی ۱۱۴۳ھ

قرآنِ کریم اور سنتِ رسول پر عمل، بدعاتِ سیئہ سے اِجتناب اور اَعمال میں میانہ روی اپنانے کا درس نیز اچھے اور برے اَخلاق کی تعریفات، شرعی اَحکام، اَسباب اور علاج کا بیان

﴿ مجددِ اعظم، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے حواشی کے ساتھ ﴾

اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃُ شَرْحُ الطَّرِیْقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃ

ترجمہ بنام

اِصلاحِ اَعمال (جلد اوّل)

مُصنِّف

عارف باللہ، ناصح الامہ، علامہ عبد الغنی بن اسماعیل نابُلُسی دِمَشْقی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی

اَلْمُتَوَفّٰی ۱۱۴۳ھ

پیش کش: مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

شعبۂ تراجم کتب

ناشر

مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ   وعلی الک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب : اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّةُ شَرْحُ الطَّرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّة

ترجمہ بنام : اِصلاحِ اَعمال (جلد اوّل)

مؤلف : عارف باللہ، علامہ عبدالغنی بن اسماعیل نابُلُسی دِمشقی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی

مترجمین : مدنی علما (شعبہ تراجمِ کتب)

سِن طباعت : جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ بمطابق اپریل 2010ء

قیمت : روپے

تصدیق نامہ

تاریخ: ۱۷ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ   حوالہ نمبر: ۱۶۸

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سید المرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین

تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب ''اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة شَرْحُ الطَّرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّة'' کے ترجمہ

''اِصلاحِ اَعمال (جلد اوّل)''

(مطبوعہ مکتبۃ المدینہ) پر مجلسِ تفتیشِ کتب ورسائل کی جانب سے نظرِ ثانی کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلس نے اسے مطالب ومفاہیم کے اعتبار سے مقدور بھر ملاحظہ کرلیا ہے۔ البتہ! کمپوزنگ یا کتابت کی غلطیوں کا ذمہ مجلس پر نہیں۔

مجلسِ تفتیشِ کتب ورسائل (دعوتِ اسلامی)

04 - 01 - 2010

E.mail.ilmia@dawateislami.net

تفصیلی فہرست

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

……تعریف اور سعادت……

حضرت سیِّدُنا امام عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی فرمانبرداری کرتا ہے دُنیا میں اس کی تعریفیں ہوتی ہیں اور آخرت میں سعادت مندی سے سرفراز ہوگا۔''

(تفسیر البیضاوی، پ ۲۲، الاحزاب، تحت الآیۃ: ۷۱، ج ۴، ص ۳۸۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

''فیضانِ اعلیٰ حضرت جاری رہے گا'' کے 22 حُروف کی نسبت سے اس کتاب کو پڑھنے کی ''22 نیّتیں''

فرمانِ مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلَّم: **نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ** یعنی مسلمان کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی،الحدیث: ۵۹۴۲ ، ج ۶ ،ص ۱۸۵)

دومَدَنی پھول: ﴿۱﴾ بغیر اچّھی نیّت کے کسی بھی عملِ خیر کا ثواب نہیں ملتا۔
﴿۲﴾ جتنی اچّھی نیّتیں زِیادہ، اُتنا ثواب بھی زِیادہ۔

﴿۱﴾ ہر بار حمد و ﴿۲﴾ صلوٰۃ اور ﴿۳﴾ تعوُّذ و ﴿۴﴾ تَسمِیہ سے آغاز کروں گا۔(اسی صَفْحَہ پر اُوپر دی ہوئی دوعَرَبی عبارات پڑھ لینے سے چاروں نیّتوں پر عمل ہوجائے گا)۔﴿۵﴾ رِضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ کیلئے اس کتاب کا اوّل تا آخِر مطالعہ کروں گا۔﴿۶﴾ حتَّی الْوَسْع اِس کا باوُضُو اور ﴿۷﴾ قِبلہ رُو مُطالَعہ کروں گا ﴿۸﴾ قرآنی آیات اور ﴿۹﴾ اَحادیثِ مبارَکہ کی زِیارت کروں گا ﴿۱۰﴾ جہاں جہاں ''اَللّٰہ'' کا نام پاک آئے گا وہاں عَزَّوَجَلَّ اور ﴿۱۱﴾ جہاں جہاں ''سرکار'' کا اِسمِ مبارَک آئے گا وہاں صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلَّم پڑھوں گا۔﴿۱۲﴾ اس کتاب کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے اس کے مؤلف کو ایصالِ ثواب کروں گا۔﴿۱۳﴾ (اپنے ذاتی نسخے پر) عِندَ الضرورت خاص خاص مقامات پر انڈر لائن کروں گا۔﴿۱۴﴾ (اپنے ذاتی نسخے کے) ''یادداشت'' والے صَفْحہ پر ضَروری نِکات لکھوں گا۔﴿۱۵﴾ اولیاء کی صفات کو اپناؤں گا۔﴿۱۶﴾ دوسروں کو یہ **کتاب** پڑھنے کی ترغیب دلاؤں گا۔﴿۱۷،۱۸﴾ اس حدیثِ پاک ''تَہَادَوْا تَحَابُّوْا'' ایک دوسرے کو تحفہ دو آپس میں محبت بڑھے گی۔﴿مؤطاامام مالک،الحدیث:۱۷۳۱،ج۲،ص۴۰۷﴾ پر عمل کی نیت سے (ایک یا حسبِ توفیق) یہ کتاب خرید کر دوسروں کو تحفۃً دوں گا۔﴿۱۹﴾ اس کتاب کے مطالَعہ کا ثواب ساری اُمّت کو ایصال کروں گا۔﴿۲۰﴾ اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے لئے روزانہ فکرِ مدینہ کرتے ہوئے مَدَنی انعامات کا رسالہ پر کیا کروں گا اور ہر اسلامی ماہ کی دس تاریخ تک اپنے یہاں کے ذمہ دار کو جمع کروادیا کروں گا۔اور ﴿۲۱﴾ عاشقانِ رسول کے مَدَنی قافلوں میں سفر کیا کروں گا۔﴿۲۲﴾ کتابت وغیرہ میں شَرْعی غلَطی ملی تو ناشرین کو تحریری طور پر مُطّلع کروں گا (ناشِرین وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرْف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

المدینۃ العلمیۃ

از: شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علّامہ

مولٰینا ابو بلال **محمد الیاس عطار** قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ

الحمد للّٰہ علٰی اِحْسَا نِہٖ وَ بِفَضْلِ رَسُوْلِہٖ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم **تبلیغِ قرآن وسنّت کی عالمگیر** غیر سیاسی تحریک ''**دعوتِ اسلامی**'' نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحسنِ خوبی سر انجام دینے کے لئے متعدد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس ''**المدینۃ العلمیۃ**'' بھی ہے جو **دعوتِ اسلامی** کے عُلماء و مُفتیانِ کرام کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ تعالٰی پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

(۱) شعبۂ کتبِ اعلٰیحضرت رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ (۲) شعبۂ تراجمِ کتب (۳) شعبۂ درسی کُتُب
(۴) شعبۂ اصلاحی کُتُب (۵) شعبۂ تفتیشِ کُتُب (۶) شعبۂ تخریج

''**المدینۃ العلمیۃ**'' کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلٰیحضرت اِمامِ اَہلسنّت، عظیم البَرَکت، عظیمُ المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجدِّدِ دِین ومِلّت، حامیٔ سنّت، ماحیٔ بِدعت، عالِمِ شَرِیْعت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیْر و بَرَکت، حضرتِ علّامہ مولٰینا الحاج الحافظ القاری شاہ امام اَحمد رَضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن کی گراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الْوُسع سَہْل اُسلُوب میں پیش کرنا ہے۔ تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اِس علمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خود بھی مطالعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ ''**دعوتِ اسلامی**'' کی تمام مجالس بَشُمُول ''**المدینۃ العلمیۃ**'' کو دن گیارہویں اور رات

بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عملِ خیر کو زیورِ اِخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت، جنّت البقیع میں مدفن اور جنّت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم

رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

مدنی انقلاب

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو!

اللہ ورسول عزّوجلّ وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خوشنودی کے حصول اور باکردار مسلمان بننے کے لئے ''**دعوتِ اسلامی**'' کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** سے ''**مدنی انعامات**'' نامی رسالہ حاصل کرکے اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کیجئے۔ اور اپنے اپنے شہروں میں ہونے والے **دعوتِ اسلامی** کے ہفتہ وار سنتوں بھرے اجتماع میں پابندیٔ وقت کے ساتھ شرکت فرما کر خوب خوب سنتوں کی بہاریں لُوٹئے۔ **دعوتِ اسلامی** کے سنتوں کی تربیت کے لیے بے شمار **مدنی قافلے** شہر بہ شہر، گاؤں بہ گاؤں سفر کرتے رہتے ہیں، آپ بھی سنتوں بھرا سفر اختیار فرما کر اپنی آخرت کے لئے نیکیوں کا ذخیرہ اکٹھا کریں۔ **اِنْ شَاءَ اللّٰہ** عزّوجلّ آپ اپنی زندگی میں حیرت انگیز طور پر ''**مدنی انقلاب**'' برپا ہوتا دیکھیں گے۔

اللہ کرم ایسا کرے تجھ پہ جہاں میں اے **دعوتِ اسلامی** تیری دھوم مچی ہو!

”پیش لفظ “

پیارے اسلامی بھائیو!

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی بے شمار مخلوقات میں سے اشرف وافضل مخلوق ہونے کا شرف انسان کو عطا فرمایا اور وہ یوں کہ اسے اچھی صورت، علم وادب، فہم وفراست اور کامل عقل عطا فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾** (پ ۳۰،التین :۴) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔“ لیکن اس کے باوجود انسان نقصان وخسران کے خطرہ سے دوچار ہے۔ اس خطرہ کو اوراس سے نجات کے طریقہ کو قرآن کریم نے انتہائی واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ (پ ۳۰،العصر:۱تا۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اس زمانۂ محبوب کی قسم بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

یقیناً انسان، حقیقی طور پر انسان اور اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق اسی وقت ہوگا جب وہ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہو کیونکہ شرفِ انسانی کا اصل معیار ایمان اور تقوی ہے اور ایمان کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری اور پھر اس میں اضافہ اس لئے ضروری ہے کہ تقوی ہی کی بدولت ایک مسلمان اپنے مالک ومولیٰ، اپنے پیارے پروردگار، خدائے غفار عَزَّوَجَلَّ کے ہاں مراتب عالیہ اور عزت وعظمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (پ ۲۶،الحجرات :۱۳)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

صدرالافاضل، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، حضرت سیِّدُ نا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) اس آیت مبارکہ کے تحت تفسیر ”**خزائن العرفان**“ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں: ”اس سے **معلوم ہوا** کہ مدار، عزّت و فضیلت کا پرہیز گاری ہے، نہ کہ نسب۔ **شانِ نزول:** رسولِ کریم صلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلَّم نے بازارِ مدینہ میں ایک حبشی غلام

ملاحظہ فرمایا جو یہ کہہ رہا تھا کہ جو مجھے خریدے اس سے میری یہ شرط ہے کہ مجھے رسولِ کریم صلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلَّم کی اقتداء میں پانچوں نمازیں ادا کرنے سے منع نہ کرے۔ اس غلام کو ایک شخص نے خرید لیا۔ پھر وہ غلام بیمار ہوگیا تو سیّدِ عالمین صلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلَّم اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ پھر اس کی وفات ہوگئی اور رسولِ کریم صلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلَّم اس کے دفن میں تشریف لائے۔ اس پر لوگوں نے کچھ کہا۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔''

تقوی و پرہیزگاری کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ اور وہ کون ہے جسے ''صاحبِ ایمان'' ہونے کے ساتھ ''صاحبِ تقوی'' بھی کہا جاسکے؟ قرآن کریم اس کا جواب یوں ارشاد فرماتا ہے:

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ الۡکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَ السَّآئِلِیۡنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِہِمۡ اِذَا عٰہَدُوۡا ۚ وَ الصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾ (پ۲، البقرۃ: ۱۷۷)

ترجمۂ کنزالایمان: کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھوڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔

پیارے اسلامی بھائیو!

معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ایمان اور پھر عمل ہے تو جو انسان ان دونوں کا جامع ہو وہی صاحب ایمان اور صاحب تقوی ہوتا ہے اور یہ مقام صرف اس بندے کو حاصل ہوتا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا اطاعت شعار اور فرمانبردار ہو۔ قرآن کریم میں جابجا اس اطاعت کا حکم موجود ہے۔ دو فرامین باری تعالٰی ملاحظہ کیجئے:

﴿1﴾

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول

الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠(۵۹) (پ۵،النساء: ۵۹)

کا اوران کا جوتم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

﴿2﴾

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ(۳۲) (پ۳،ال عمران:۳۲)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

صدرالافاضل، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، حضرت سیِّدُنا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) اس آیت مبارکہ کے ابتدائی حصہ کے تحت تفسیر **''خزائن العرفان''** شریف میں ارشاد فرماتے ہیں: یہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بغیر اطاعتِ رسول نہیں ہوسکتی بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے: ''جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی۔''

الغرض اطاعتِ خدا و مصطفیٰ عَزَّوَجَلَّ وَصَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تقوی کے حصول کا ذریعہ ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ صحیح وکامل اطاعت بغیر علم کے ممکن نہیں۔ لہٰذا علم کا حصول ضروری ٹھہرا۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ معلّمِ کائنات، شاہِ موجودات صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' (1)

پیارے اسلامی بھائیو!

جن مسائل کا علم ہر مسلمان عاقل وبالغ مرد وعورت پر اس کی موجودہ حالت کے مطابق سیکھنا لازم ہے، بنیادی طور پر ان کی پانچ اقسام بنائی جاسکتی ہیں: (۱) **عقائد** (۲) **عبادات** (۳) **معاملات** (۴) **مُنْجِیَات (یعنی اچھے اخلاق)** (۵) **مُھْلِکَات (یعنی برے اخلاق)**۔

﴿1﴾......**عقائد:** سب سے پہلے بنیادی عقائد کا سیکھنا فرض ہے۔ عقائد کی صحیح معلومات کا ہونا اس لئے ضروری ہے

(1)......المعجم الاوسط، الحدیث: ۲۰۰۸، ج۱، ص۵۴۵۔

کہ عمل عقیدے کی درستی کے بغیر کسی طرح بھی مفید نہیں۔ نیز حق و باطل میں فرق کے لئے بھی عقائد کا علم سیکھنا ناگزیر ہے۔ مثلاً اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات کا قدیم ہونا۔ حضرات انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا معصوم اور شافع ہونا، حضرت محمد مصطفٰی، احمد مجتبیٰ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا آخری نبی اور صاحبِ معراج ہونا نیز جنات وملائکہ، کرامات اولیا، عذاب قبر، منکر نکیر کے سوال، مرنے کے بعد اٹھنے، میزان، حوض کوثر، پل صراط اور جنت ودوزخ کا حق ہونا۔ حضرت سیِّدُ نا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرات انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد سب سے افضل ہونا وغیرہ۔ ان سب کا اتنا علم ضروری ہے کہ صحیح وغلط عقیدے کی پہچان ہو سکے۔

﴿2﴾......**عبادات:** ان کا علم سیکھنا بھی ضروری ہے کہ بغیر علم کے نہ صرف یہ کہ عبادات عموماً درست طریقہ پر ادا ہونے سے رہ جاتی ہیں بلکہ بسا اوقات بندہ سخت گنہگار رہوتا ہے۔

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ 651 صفحات پر مشتمل کتاب **"ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت"** صفحہ 355 پر مجدد اعظم، امام اہلسنّت حضرت سیِّدُ نا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں: "حدیث میں ارشاد ہوا: اَلْمُتَعَبِّدُ بِغَیْرِ فِقْہٍ کَالْحِمَارِ فِی الطَّاحُوْن. (بغیر فقہ کے عابد بننے والا ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا۔ت)[1] بغیر فقہ کے عابد بننے والا (فرمایا)، عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بننے والا فرمایا یعنی بغیر فقہ کے عبادت ہو ہی نہیں سکتی۔ جو (بغیر فقہ کے) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا۔ کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔"

نیز فقیہِ ملّت، حضرتِ علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۴۲۱ھ) اس حدیث پاک کے تحت یوں تحریر فرماتے ہیں: "مطلب یہ ہے کہ جیسے پہلے زمانہ میں آٹا کی چکی کو گدھا چلایا کرتا تھا مگر آٹا کھانے کے لئے اس کو نہیں ملتا تھا ایسے ہی بغیر فقہ یعنی مسائل شرعیہ کی رعایت کے بغیر جو عبادت کی مشقت اٹھاتا ہے اسے کچھ ثواب نہیں ملتا۔"[2]

عبادات کے علم میں ترتیب یہ ہے کہ نماز کے فرائض وشرائط ومفسدات کا سیکھنا ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے۔ پھر رَمَضانُ المبارَک کی تشریف آوری پر فرض ہونے کی صورت میں روزوں کے ضروری مسائل، جس پر زکوٰۃ فرض ہو اس کے لئے زکوٰۃ کے ضروری مسائل، اسی طرح حج فرض ہونے کی صورت میں حج کے مسائل سیکھنا فرض عین ہے۔

---

[1] ...... کنزالعمال، کتاب العلم، الباب الاول فی الترغیب فیہ، الحدیث: ۲۸۷۰۵، ج۵، الجزء العاشر، ص ۶۱.

[2] ......علم اور علماء، ص ۵۸.

﴿3﴾......**معاملات:** ان کا صحیح علم سیکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔معاملہ کہتے ہیں ایسے کام کو جودو یا دو سے زیادہ افراد کے مابین واقع ہواوراس سے مراد امورِ دنیا سے **متعلق شرعی احکام** ہیں۔جیسے نکاح وطلاق،اجارہ (ملازم رکھنا) اورخرید وفروخت وغیرہ ۔پس اگرکوئی **نکاح** کرنا چاہے تواس پر نکاح کے، **تاجر**کوخرید وفروخت کے،**نوکری** کرنے والے کونوکری کے،نوکرر کھنے والے کواجارے کے مسائل سیکھنا فرض ہے۔یوں ہی ہرایک کے لئے مسائل حلال و حرام بھی سیکھنا فرض ہے۔

﴿4﴾...... **مُنْجِیَات (یعنی اچھے اخلاق)**:ہر مسلمان کواچھے اخلاق کے بارے میں جاننا اورانہیں اختیارکرنا بھی ضروری ہے کیونکہ اچھے اخلاق جیسے عاجزی وانکساری،اخلاص وتوکل وغیرہ تکمیل ایمان کا سبب ہیں۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''مؤمنین میں کامل ترین ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔''[1] **اخلاقیات** سنوارنے کی ترغیب کے متعلق مزید دوفرامین مصطفٰی صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم ملاحظہ کیجئے:

(۱)......''حَسِّنُوْا اَخْلَاقَکُمْ. ترجمہ:اپنے اخلاق کوسنوارو۔''[2]

(۲)......''اِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ یُذِیْبُ الْخَطِیْئَۃَ کَمَا تُذِیْبُ الشَّمْسُ الْجَلِیْدَ. ترجمہ:بے شک اچھے اخلاق گناہ کواس طرح مٹا دیتے ہیں جس طرح سورج برف کوپگھلا دیتا ہے۔''[3]

﴿5﴾...... **مُھْلِکَات (یعنی برے اخلاق)**:ان کی معلومات بھی بے حد اہم ہے کیونکہ برے اخلاق مثلاً جھوٹ،غیبت، چغلی وغیرہ نہ صرف قبر وحشر میں ہلاکت وتباہی کا سبب بن سکتے ہیں بلکہ جہنم میں دھکیل سکتے ہیں۔لہٰذاان کے بارے میں علم کا ہونا ضروری ہے تا کہ ان گناہوں سے بچا جاسکے۔**دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **''مکتبۃ المدینہ''** کی مطبوعہ **417** صفحات پرمشتمل کتاب **''احیاء العلوم کا خلاصہ''** صفحہ **266** پر **حُجَّۃُ الْاِسْلَام** حضرت سیِّدُ ناامام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) نقل فرماتے ہیں کہ حضرت **سیِّدُ ناعیسٰی روح اللہ** علٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشادفرمایا: ''بخیل، مکار، خیانت کرنے والا اور بداخلاق (یعنی برے اخلاق والا) جنت میں نہیں جائیں گے۔''

---

[1] ......الترغیب والترھیب، الحدیث:۷ ، ج ۳ ، ص ۲۷۱ .

[2] ......جامع الترمذی ، ابواب البر والصلۃ ، باب ماجاء فی معاشرۃ الناس ، الحدیث:۱۹۸۷، ص۱۸۵۱مفھوماً .

[3] ......شعب الایمان للبیھقی ، باب فی حسن الخلق ، الحدیث:۸۰۳۶ ،ج۶ ،ص۲۴۷۔۲۴۸ .

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **504** صَفحات پر مشتمل کتاب، ''**فیضانِ سنت**'' جلد دوم کے باب ''**غیبت کی تباہ کاریاں**'' صَفْحَہ **5** پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی **حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطّار قادری** دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَۃ فرماتے ہیں: ''فرائضِ قَلْبِیَہ (باطنی مسائل) مثلاً عاجزی واخلاص اور توکل وغیرہا اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ، **باطنی گناہ مثلاً تکبر، ریاکاری، حسد** وغیرہا اور ان کا علاج سیکھنا ہر مسلمان پر اَہم فرائض سے ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے! فتاوٰی رضویہ ج ۲۳ ص ۶۲۳، ۶۲۴)

الغرض ان پانچوں بنیادی مسائل یعنی **عقائد، عبادات، معاملات، اچھے اخلاق اور برے اخلاق** کا علم حاصل کرنا لازم ہے تاکہ بندہ صحیح معنوں میں **اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی اطاعت بجالاسکے اور جب وہ اطاعت خدا و مصطفٰی عَزَّوَجَلَّ وصَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم بجالائے گا تو اسے تقوی کی دولت عظمی نصیب ہوگی اور جسے یہ دولت نصیب ہو جائے حقیقت میں وہی انسان اور اشرف المخلوقات ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''**اصلاحِ اعمال**'' (جلد اول) عالم اسلام کی عظیم ہستی، عارف باللہ، ناصح الامہ، امام علامہ **عبد الغنی بن اسماعیل نابُلُسی** دِمشقی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) کی تصنیف جلیل ''**اَلْحَدِیقَۃُ النَّدِیَّۃ شَرحُ الطَّرِیقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃ**'' (الجزء الاول) سے پہلے باب کا اردو ترجمہ ہے۔ **اَلْحَمْدُلِلّٰہ** عَزَّوَجَلَّ! شعبہ تراجم کتب میں جن کتب کا ترجمہ ہوتا ہے ان کے اردو نام قبلہ شیخ طریقت، امیر اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال **محمد الیاس عطّار قادری** دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَۃ عطا فرماتے ہیں۔ **اَلْحَدِیقَۃُ النَّدِیَّۃ** دراصل ایک شرح ہے اور اس کا متن ''**اَلطَّرِیقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃ وَالسِّیرَۃُ الْاَحْمَدِیَّۃ**'' ہے جس کے مصنف عالمِ باعمل، فاضلِ کامل حضرت سیِّدُنا امام **محمد آفندی رومی برکلی** علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۹۸۱ھ) ہیں۔ علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی اس کتاب ''**اَلطَّرِیقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃ**'' کے بارے میں فرماتے ہیں: ''یہ کتاب شریعت وطریقت کا معتدل ومتوسط راستہ اور علم طریقت کے موضوع پر اعلیٰ تصنیفات میں سے ایک ہے۔''[1] اور ''**اَلْحَدِیقَۃُ النَّدِیَّۃ شَرحُ الطَّرِیقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃ**'' کی شانِ ثقاہت اور بلند پایہ کتاب ہونے کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ مجدد اعظم، **فَقِیہِ اَفْخَم**، امام اہلسنّت حضرت سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے ''**فتاوی رضویہ**'' شریف (مخرجہ) میں **162** سے زائد مقامات پر اس کتاب سے عقائد، مسائل

[1] ......الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، خطبۃ الکتاب، ج ۱، ص ۳.

اوراحکام بیان فرمائے ہیں۔ نیز سیِّدُ نا اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحْمَۃُ ربِّ الْعِزَّت نے اس کتاب پر حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں جو کتاب میں شامل ہیں (تفصیل آگے ملاحظہ کیجئے)۔ کتاب لکھنے کا اصل مقصد تو تقوی و پرہیز گاری کا بیان ہے جس کے تحت اچھے اور برے اخلاق واعمال کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں مگر ضمنی طور پر ''اَلطَّرِیْقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃ'' اوراس کی شرح ''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ'' میں سینکڑوں قرآنی آیات اور نبوی احادیث مبارکہ کی تفسیر وتشریح، عقائد وعبادات اور (بعض جگہ) معاملات کا بیان اوراحکام ومسائل موجود ہیں۔ کتاب کے مضامین کی تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلا باب:

یہ باب قرآن وسنت اوران کے تابع اشیاء کومضبوطی سے تھامنے یعنی ان پرعمل کے بارے میں ہے، اس میں تین فصلیں ہیں: (1)...... **پہلی فصل** دو انواع پر مشتمل ہے: (i) قرآن کریم پرعمل کا بیان اور (ii) سنت پرعمل کا بیان۔ (2)...... **دوسری فصل** بدعات کے متعلق ہے اور (3)...... **تیسری فصل** میں اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان ہے۔

ضمنی مسائل ومعلومات:

(۱)...... مُصَنِّفِ طریقہ محمدیہ کے حالاتِ زندگی (۲)...... کیا اسم مسمّٰی کا عین ہے؟ (۳)...... اسمِ جلالت ''اَللّٰہ'' کے متعلق اہلسنّت اورقدیم فلاسفہ کا نظریہ (۴)...... شرفِ صحابیت کی فضیلت وعظمت (۵)...... درودِ پاک کا بیان (۶)...... مناقبِ سرکار دوعالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم (۷)...... حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی مبارک آل اور قرابت داروں کا بیان (۸)...... صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ذکرِ خیر (۹)...... آسمان وزمین کے متعلق تفصیلات (۱۰)...... عقل ونقل (۱۱)...... دنیا کی فانی اور آخرت کی باقی نعمتوں کا بیان (۱۲)...... اتباعِ رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے چار طریقوں کی تفصیل (۱۳)...... شیطان کا تعارف اوراس کے مقاصد (۱۴)...... حروفِ مقطعات کی تفسیر واحکام (۱۵)...... قرآن کریم اوراس کی تلاوت کے فضائل وفوائد (۱۶)...... اصولِ شرع کی حجیت وغیرہ (۱۷)...... جنات کا بیان (۱۸)...... اُولِی الْاَمْرِ کی تفسیر وتوضیح (۱۹)...... سابقہ شریعتوں کی سختیاں اور شریعتِ مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم میں آسانیاں (۲۰)...... خلیفہ وخلافت کے بارے میں (۲۱)...... سنت کی تفصیل (۲۲)...... تہتر 73 فرقے؟ (۲۳)...... بدعات کی جملہ اقسام اوران کے احکام (۲۴)...... بناوٹی صوفیاء کی مذمت، ان کے باطل اقوال اوران

کے احکام(۲۵)......الہام وخواب کی شرعی حیثیت (۲۶)......شریعت وطریقت کے ایک ہونے پر حقیقی صوفیاء کے فرامین (۲۷)......رہبانیت کا بیان (۲۸)...... رخصت وعزیمت کی تفصیلات (۲۹)...... حیلوں کے شرعی احکام (۳۰)......کسب کی اقسام واحکام(۳۱)......سَلَف صالحین رحمہم اللہ المبین کی سخت ریاضتیں اور مجاہدے(۳۲)...... تعظیم اولیاء کا بیان وغیرہ۔

دوسرا باب:

یہ باب اہم شرعی امور پر مشتمل ہے،اس میں تین فصلیں ہیں:(1)......**پہلی فصل** عقائد کی اصلاح کے بارے میں ہے۔(2)......**دوسری فصل** ان علوم کے بارے میں ہے جن کا مقصود ان کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا ہے،اس میں تین انواع ہیں:(i) **پہلی نوع** ان علوم کے بارے میں ہے جن کا سیکھنا ضروری ہے۔ یہ نوع مزید دو عنوانات میں منقسم ہے: یعنی فرض عین اور فرض کفایہ۔(ii) **دوسری نوع** ان علوم کے بارے میں ہے جن کا سیکھنا منع ہے۔(iii) **تیسری نوع** ان علوم کے بارے میں ہے جن کا سیکھنا مستحب ہے۔(3)......**تیسری فصل** تقویٰ کے بارے میں ہے اوراس کی بھی مزید تین انواع ہیں:(i) **پہلی نوع** تقویٰ کی فضیلت کے بارے میں ہے۔(ii) **دوسری نوع** تقویٰ کی وضاحت کے بارے میں ہے۔(iii) **تیسری نوع** ظہورِ تقویٰ کے بارے میں ہے یعنی مکلّف بندے کے جن اعضاء سے تقوے کا ظہور ہوتا ہے،اس نوع کے تحت مزید 9 عنوانات ہیں:

پہلا عنوان: یہ عنوان ''دل'' کے لئے ناپسندیدہ ومکروہ باتوں کے متعلق ہے۔اس کی مزید دو اقسام ہیں یعنی خُلق کی وضاحت اور برے اخلاق۔اسی موضوع کے ضمن میں مزید 10 عنوانات ہیں:(1)......کفر کی تین انواع (i) کفر جہلی (ii) کفر جحودی اور(iii) کفر حکمی۔(2)......ریا کے عنوان کے تحت **سات ابحاث** ذکر کی گئی ہیں:(i) ریا کی تعریف اوراقسام (ii) جن چیزوں سے ریا ہوتی ہے(iii) جن کی خاطر ریا ہوتی ہے(iv) ریاءِ خفی اوراس کی علامات (v) ریا کے احکام (vi) ریا واخلاص کے درمیان متردد امور اور (vii) ریا کا علاج۔(3)......تکبر کے تحت **پانچ ابحاث** ہیں:(i) تکبر کی وضاحت،اس کی ضد اور حکم (ii) تکبر کی اقسام (iii) اسبابِ تکبر (iv) علاماتِ تکبر (v) عاجزی وانکساری کے اسباب۔(4)......حسد کے تحت **چار ابحاث** ہیں:(i) حسد کی وضاحت اوراس کی ضد (ii) حسد کی

مصیبتیں (iii) علمی و عملی علاج (iv) علاجِ قلعی (یعنی جڑ سے اکھیڑنے والا علاج)۔ **(5)**...... **کینہ کے بارے میں تین مقالے** ہیں: (i) کینہ کی وضاحت اور حکم (ii) کینہ کی آفات (iii) کینہ کا سبب۔ **(6)**...... **غضب** کے تحت **پانچ ذیلی عنوانات** قائم کئے گئے ہیں: (i) غضب کی وضاحت اور اقسام (ii) علمی علاج (iii) عملی علاج (iv) علاجِ قلعی (v) بردباری۔ **(7)**...... **بردباری** کے بارے میں **تین مقاصد** ذکر کئے گئے ہیں: (i) بردباری کے فوائد (ii) اس کے ثمرات کے فوائد (iii) بردباری کے حصول کا طریقہ۔ **(8)**...... **بخل کی دو ابحاث مذکور** ہیں: (i) بخل کی مصیبتیں، سبب اور آفات (ii) حب مال کا سبب اور اس کا علاج۔ **(9)**...... **حبِّ دُنیا** کے بارے میں **دو مقالے** ہیں: (i) حبِّ دُنیا کی مذمت اور اس کی مصیبتیں (ii) حب دنیا کے نتائج، اس کی مذمت، ضد اور تعریف۔ **یہاں حبِّ دُنیا کے دو مقام مزید مذکور ہیں:** (i)...... اس کے ثمرات (ii)...... حب دنیا کی ضد۔ **(10)**...... **اسراف** کے بارے میں **پانچ مباحث** ہیں: (i) اسراف کی مذمت اور اس کی مصیبتیں (ii) اسراف کے مذموم ہونے کا اصلی سبب اور راز (iii) اسراف کی اقسام (iv) کیا صدقہ میں بھی اسراف ہوسکتا ہے؟ (v) اسراف کا علاج۔ **دوسرا عنوان:** یہ عنوان ''زبان'' کی آفات کے بارے میں ہے۔ اس کی بھی دو اقسام ہیں : **(1) پہلی قسم** زبان کی حفاظت اور اس کے جُرم کے بڑے ہونے کے متعلق ہے **(2) دوسری قسم** زبان کی آفات کے متعلق ہے اور اس میں **مزید چھ ابحاث** ہیں: (i) وہ کلام جس میں اصل ممانعت ہے (ii) جس میں اصل ان عادات کی اجازت ہے جن کا تعلق نظام معاش سے نہیں (iii) جس میں اصل، ان عادات کی اجازت ہے جن کا تعلق نظام معاش سے ہے (iv) جس میں اصل، عباداتِ متعدیہ کی اجازت ہے (v) جس میں اصل، عباداتِ قاصرہ کی اجازت ہے (vi) زبان کی خاموشی کی وجہ سے جو آفات لاحق ہوتی ہیں۔ **تیسرا عنوان:** ''کان'' کی آفات (برائیوں) کے متعلق ہے۔ **چوتھا عنوان:** ''آنکھ'' کی، **پانچواں عنوان:** ''ہاتھ'' کی، **چھٹا عنوان:** ''پیٹ'' کی، **ساتواں عنوان:** ''شرم گاہ'' کی، **آٹھواں عنوان:** ''پاؤں'' کی اور **نواں عنوان:** ''بدن'' کے کسی غیر معین عضو کی آفات کے بارے میں ہے۔

تیسرا باب:

اس باب میں وہ امور بیان کئے گئے ہیں جن کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ ورع وتقویٰ میں سے ہیں،

اس کی بھی تین فصلیں ہیں: (1)......**پہلی فصل** میں امورِطہارت کی باریکیوں اور نزاکتوں کا بیان ہے جبکہ یہ فصل مزید چار انواع پر مشتمل ہے: (i) وہ امور جن میں نرمی، بدعت ہے۔ان کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ جو خاتَمُ الْمُرْسَلِین، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اور خیرالقرون (یعنی زمانۂ صحابہ وتابعین) کے افراد سے مروی ہیں۔ دوسرے وہ امور جو ہمارے حنفی آئمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہیں (ii) وسوسے کی مذمت اور اس کی آفات (iii) وسوسے کا علاج (iv) طہارت ونجاست کے معاملہ میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اختلاف کا بیان ۔(2)......**دوسری فصل** میں اہلِ وظائف کے کھانے سے بچنے اور پرہیز کرنے کا بیان ہے۔(3)......**تیسری فصل** بدعاتِ باطلہ کے بارے میں ہے جنہیں لوگ عبادت خیال کر کے بغیر سوچے سمجھے انجام دے رہے ہیں۔

الغرض یہ کتابِ مستطاب علوم کے بے بہا خزانوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ بالخصوص اچھے اور بُرے اخلاق واعمال کے شرعی احکام تفصیل کے ساتھ اس میں درج ہیں۔کتاب کی انہی خوبیوں اور علم کے رنگا رنگ موتیوں سے مالا مال ہونے کے سبب دعوتِ اسلامی کی مجلس اَلْمَدِیْنَةُ الْعِلْمِیَّة نے اس بابرکت کتاب کے ترجمہ کا ارادہ کیا۔ ترجمہ، تحقیق اور حواشی پر کس طرح کام کیا گیا، آیئے! اب آئندہ صفحات پر اس کی تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

......جنت میں لے جانے والے اعمال......

حضرت سیِّدُنا ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص حلال کھائے، سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: ''یارسولَ اللہ عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! ایسے لوگ تو اِس وقت بہت ہیں۔'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''عنقریب میرے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے۔'' (المستدرك، الحدیث:٧١٥٥، ج٥، ص١٤٢)

الحدیقة الندیة اور المدینة العلمیة

﴿1﴾......کام کرنے والوں کاانتخاب:

کسی بھی کام کوبحسن خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے متعلقہ کام کے ماہرین درکار ہوتے ہیں، زیرنظر کتاب کے ترجمہ کا کام کس قدراہمیت کا حامل ہے اس کا اندازہ اسے پڑھ کرہی کیا جاسکتا ہے۔اس کتاب میں جگہ بہ جگہ حضرت مصنف عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) نے فقہی اورفنی ابحاث ذکرفرمائی ہیں جن کے حل وترجمہ کے لئے تجربہ کارعلماءکرام کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ، مجلس نے اس عظیم المنافع کتاب کے ترجمہ کی ذمہ داری شعبہ تراجم کتب (عربی سے اردو) کوسونپی۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ! المدینة العلمیه کے اس شعبہ میں فی الوقت 6مدنی علماءکرام کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہیں جوایک عرصہ سے ترجمہ، تقابل، تفتیش اورتخریج وغیرہ کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ کےفضل وکرم اوراپنی مسلسل کاوشوں کے نتیجہ میں ان کاموں میں غیرمعمولی مہارت وممارست (تجربہ) رکھتے ہیں۔علمیہ کے دیگرشعبہ جات میں ضرورت کی بناپراس تعدادمیں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ'' کےترجمہ بنام''اصلاحِ اعمال'' کےمختلف کاموں کے لئے شعبہ کےموجودہ 6اورسابقہ علماءکرام دَامَتْ فُیُوْضُھُمْ، سبھی نے بھرپورکوشش فرمائی۔ نیزاس کے لئے وقتاًفوقتاً مفتیان عظام وعلمائے کرام دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَۃ سےبھی رہنمائی لی گئی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

﴿2﴾......ترجمہ میں مشکلات:

پاکستان میں سب سے پہلے''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ''کو''مکتبہ نوریہ رضویہ۔لائلپور''(فیصل آباد) نے 1977 عیسوی میں شائع کیااوریہ غالباًاسی نسخہ کاعکس ہے جومکتبہ ''اَلْعَامِرَۃ دَارُالطِّبَاعَۃ.اَوْلَشْمَنْد'' نے 1290ھجری میں شائع کیا تھا۔اوراب اسی کاعکس پشاورسےبھی چھپ رہاہے۔مگرافسوس کہ اس کی تصحیح کے لئے کسی نے کوشش نہیں

کی۔جس کے سبب اس نسخہ کی کتابت میں کثیر اغلاط موجود ہیں۔اسی وجہ سے ترجمہ کرتے وقت بے حد دشواریوں کا سامنا ہے۔حتی المقدور کوشش کی گئی کہ مزید کوئی نسخہ مل جائے، علمائے اہلسنّت دَامَتْ فُیُوْضُھُمْ سے رابطے کئے، لائبریریوں سے رجوع کیا حتی کہ **المدینۃ العلمیہ** کے شعبہ نشرو اشاعت کے ایک **مدنی عالم** مَدَّظِلُّهُ الْعَالِی **ملک شام** کی لائبریریوں میں تلاش کرتے رہے۔انتہائی کوشش کے باوجود گوہر مراد ہاتھ نہ آیا۔پھر انہی اسلامی بھائی کی کوشش سے (جلد اول کے ترجمہ کی تکمیل سے کچھ عرصہ قبل) ایک اور اسکین شدہ نسخہ انٹرنیٹ سے حاصل ہوا مگر وہ بھی تصحیح کا متقاضی ہے۔اہل فن بخوبی آگاہ ہیں کہ کسی تحقیقی کتاب کا ترجمہ کرنے میں کس قدر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے اور جب صورتِ حال ایسی ہو کہ کتابت میں کثیر اغلاط ہوں تو یہ دشواریاں دوچند ہو جاتی ہیں۔بہر حال **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اور اس کے **پیارے حبیب** صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی عطاؤں، **اولیائے کرام** رحمہم اللہ السلام کی عنایتوں اور شیخ طریقت، امیر اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال **محمد الیاس عطّار قادری** دَامَتْ بَرَکَاتُهُمُ الْعَالِیَة کی پرخلوص دعاؤں کے سائے میں **مذکورہ دونوں نسخوں** کو نیز کتاب میں جن کتب (یعنی تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابوں) کے حوالہ جات **مذکور** ہیں، ان کی حتی المقدور تخریج کروا کے ان کو سامنے رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے اور مزید اسی انداز پر ترجمہ جاری ہے۔**اللہ** عَزَّوَجَلَّ اپنے **مدنی حبیب** صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے طفیل قبول فرمائے۔ (**اٰمِین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین** صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم)

﴿3﴾......ترجمہ اور کام کا انداز:

ابتدائی طور پر یہ طے پایا تھا کہ اس کتاب کا خلاصہ بصورتِ ترجمہ پیش کر دیا جائے اور مشکل و پیچیدہ ابحاث وغیرہ کو ترک کر دیا جائے۔چنانچہ، اس انداز پر تقریباً ایک ہزار (1000) سے زائد عربی صفحات کا خلاصہ تیار ہو گیا تھا لیکن دیگر کتب پر کام کے سبب کچھ عرصہ تعطل کا شکار رہا۔اس دوران کئی علماء کرام دَامَتْ فُیُوْضُھُمْ اور جامعۃ المدینۃ کے طلباء عظام شدت سے اس بات کا اظہار فرما چکے تھے اور اب بھی فرما رہے ہیں کہ ''ہم حدیقہ ندیہ کے ترجمہ کے منتظر ہیں۔'' چنانچہ، اس عظیم الشان، کثیر المنافع اور عدیم المثال کتاب میں علماء وطلباء کی اس دلچسپی اور کتاب کی افادیت کو دیکھتے ہوئے یہ عزم کیا گیا کہ ''سوائے لغوی ابحاث کے از اول تا آخر پوری کتاب کا ترجمہ کیا جائے گا۔'' اور پھر اس انداز پر کام شروع کر دیا گیا۔اس انداز پر کام کی صورت میں ترجمہ کی تقریباً 5 ضخیم جلدیں بن جائیں گی (اِنْ شَآءَ اللّٰه

عَزَّوَجَلَّ)۔اس سلسلہ کی پہلی کڑی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب چونکہ متن (اَلطَّرِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّة) اورشرح (اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة) کی صورت میں ہےاور عام طور پر ایسی کتب میں متن اورشرح کا ترجمہ جدا جدا کیا جاتا ہےمگر آپ کے ہاتھوں میں موجود ترجمہ کا انداز اس سے مختلف ہے۔مطالعہ کرنے والوں کی سہولت وآسانی کے پیش نظر، یہ ترجمہ متن وشرح کو ملاکر کیا گیا ہے۔اوراس طریقہ کار میں بعض اوقات کسی جگہ متن وشرح کو جوڑ کر کسی عبارت یا جملہ معترضہ ومستانفہ کے ترجمہ میں دشواری محسوس ہوئی تو اس عبارت کا ترجمہ یا تو ہلالین میں یا پھر حاشیہ میں دے دیا ہے (اور یہ گنتی کے چند مقامات ہیں)۔البتہ متن وشرح میں بعض جگہ تھوڑا بہت فرق ملحوظ رکھا گیا کہ متن (اَلطَّرِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّة) میں مذکور آیات مقدسہ،احادیث مبارکہ اوراقوال علماء کی نمبرنگ منقش بریکٹ ''﴿......﴾''میں دی گئی ہے جبکہ شرح (اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة) میں مذکور آیات واحادیث اوراقوال کی نمبرنگ ہلالین ''(......)''میں۔نیز جہاں ماتن اورشارح کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلافِ رائے تھا اسے واضح کردیا گیا ہے۔نیز بہت زیادہ مشکل وپیچیدہ عبارات اورابحاث کے ترجمہ میں، ماہر علماء کرام دَامَتْ فُیُوْضُهُمْ سے بھی مدد لی گئی ہے اور یہ کوشش بھرپور طریقہ پر کی گئی ہے کہ سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا جائے تاکہ کم پڑھے لکھے اسلامی بھائی بھی سمجھ سکیں۔

﴿4﴾......الحدیقة الندیة اورفتاوی رضویه:

اہل علم حضرات اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اپنے اپنے زمانے کے جلیل القدر ائمہ وعلماء عظام رحمہم اللہ السلام نے ''اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة'' کو مستندترین کتابوں کی فہرست میں نہ صرف شامل فرمایا بلکہ اس مبارک کتاب کے حوالہ جات سے اپنی اپنی تصانیف جلیلہ کو مدلل ومبرہن بھی فرمایا اوریہی بات فتاوی رضویہ شریف میں بھی جلوے لوٹا رہی ہے۔ جیسا کہ ماقبل بیان ہوا کہ ''فتاوی رضویہ''شریف میں 162 سے زائد مقامات پر اس کتاب سے عقائد، مسائل اور احکام بیان ہوئے ہیں۔لہٰذا ترجمہ کرتے وقت اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ امام اہلسنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''فتاوی رضویہ''میں منقول ''حدیقہ ندیہ'' کی ان عبارات کا ترجمہ کیا فرمایا۔چنانچہ،ان عبارات کا ترجمہ، مجدد اعظم ،فَقِیْہِ اَفْخَم، امام اہلسنّت حضرت سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) کے مبارک الفاظ کی رہنمائی میں کیا گیا ہے۔

﴿5﴾......ترجمۂ قرآنی آیات وتفسیری عبارات:

کتاب میں موجود قرآن کریم کی آیات مقدسہ کا ترجمہ خصوصیت کے ساتھ ، مجددِ اعظم ، سیِّدُنا اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) کے شہرۂ آفاق ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' سے لیا گیا ہے۔ نیز کتاب کی عبارت میں اگر کہیں قرآنی آیات مبارکہ سے اقتباس (اس کی تفصیل اسی کتاب کے صفحہ 86 تا 87 پر ملاحظہ کیجئے) کیا گیا ہے تو اس کا ترجمہ کرتے وقت بھی ''کنزالایمان'' کے ترجمہ کو پورے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور تفسیری عبارات وغیرہ کا ترجمہ کرتے ہوئے ان کتب سے بھی مدد لی گئی: (1) اَلْاِتْقَان فِیْ عُلُوْمِ الْقُرْآن (3) زُبْدَۃُ الْاِتْقَان فِیْ عُلُوْمِ الْقُرْآن (4) تَفْسِیْرُ الْمَظْھَرِی (مترجم) (5) تَفْسِیْرُ رُوْحِ الْبَیَان (6) اَلتَّفْسِیْرُ الْکَبِیْر (7) اَلدُّرُّ الْمَنْثُوْر فِی التَّفْسِیْرِ الْمَاْثُوْر (8) تَفْسِیْرُ الْجَلَالَیْن (9) تَفْسِیْرُ الْخَازِن (10) تَفْسِیْرُ الْبَیْضَاوِی (11) تَفْسِیْرُ رُوْحِ الْمَعَانِی وغیرہ۔

﴿6﴾......ترجمۂ احادیث طیبہ:

حدیث شریف کا ترجمہ کرتے وقت ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس حدیث شریف کے ورود کا سبب کیا تھا، وہ کس موقع پر ارشاد فرمائی گئی اور حضرات شارحین رحمہم اللہ المبین نے اس کی شرح میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ، احادیث طیبہ کا ترجمہ کرتے وقت یہ کوشش رہی ہے کہ اس حدیث شریف کی شرح تلاش کی جائے اور شرح کے آئینہ میں اس کا ترجمہ کیا جائے نیز اکابرینِ اہلسنّت دَامَتْ فُیُوْضُھُمْ کے تراجم کو بھی خصوصیت کے ساتھ دیکھا گیا۔ ''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور اکثر احادیث طیبہ کا ترجمہ اس کی شرح ''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ'' کی تشریح وتوضیح کے مطابق کیا گیا ہے۔ جن شروحات کو مدنظر رکھا گیا ان کے نام یہ ہیں: (1) فَتْحُ الْبَارِی شَرْحُ الصَّحِیْحِ الْبُخَارِی (2) عُمْدَۃُ الْقَارِی شَرْحُ الصَّحِیْحِ الْبُخَارِی (3) نُزْھَۃُ الْقَارِی شَرْحُ الصَّحِیْحِ الْبُخَارِی (اردو) (4) شَرْحُ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ لِلنَّوَوِی (5) فَیْضُ الْقَدِیْر شَرْحُ الْجَامِعِ الصَّغِیْر (6) مِرْقَاۃُ الْمَفَاتِیْح شَرْحُ مِشْکٰوۃِ الْمَصَابِیْح (7) مِرْاٰۃُ الْمَنَاجِیْح شَرْحُ مِشْکٰوۃِ الْمَصَابِیْح (اردو)۔ (8) اَلنِّھَایَۃ فِیْ غَرِیْبِ الْحَدِیْثِ وَالْاَثَر (9) بَحْرُ الْفَوَائِد الْمُسَمّٰی بِمَعَانِی الْاَخْیَار لِلْکَلَابَاذِی (11) شَرْحُ الزُّرْقَانِی عَلَی الْمَوَاھِبِ اللَّدُنِّیَّۃ

(12)شَرْحُ السُّیُوْطِی عَلٰی مُسْلِم (13)فَتْحُ الْبَارِی لِاِبْنِ رَجَب حَنْبَلِی (14)فُیُوْضُ الْبَارِی شَرْحُ الصَّحِیْحِ الْبُخَارِی(اردو)(15)اَشِعَّۃُ اللَّمْعَات وغیرہ۔

نیز''سیرت طیبہ'' سے متعلق مضامین وغیرہ کے ترجمہ میں ان کتب کو بھی سامنے رکھا گیا:(1)اَلشِّفَاء (2)اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِّیَّۃ(3)اَلرَّوْضُ الْاُنُف(4)اَلْخَصَائِصُ الْکُبْرٰی(5)مَدَارِجُ النُّبُوَّۃ 6)حُجَّۃُ اللّٰہِ عَلَی الْعَالَمِیْن وغیرہ۔

﴿7﴾......ترجمہ اعتقادی وفقہی جزئیات:

کتاب میں ضمنی طور پر کئی مقامات پر اعتقادی وفقہی جزئیات نیز اصول فقہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ان مقامات کا ترجمہ کرتے وقت متعلقہ عقائد وفقہی جزئیات کے پیش نظر کتب عقائد اور کتب فقہ واصول فقہ مثلاً:(1)اَلْفِقْہُ الْاَکْبَر (2)مِنَحُ الرَّوْضِ الْاَزْھَرفِی شَرْحِ الْفِقْہِ الْاَکْبَر (3)اَلْمُعْتَقَدُ الْمُنْتَقَدمَعَ شَرْحِہٖ اَلْمُسْتَنَدُ الْمُعْتَمَد (4)شَرْحُ الْمَوَاقِف (5)شَرْحُ اُصُوْلِ اِعْتِقَادِاَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃ (6)شَرْحُ الْعَقَائِدِ النَّسَفِیَّۃ (7)اَلنِّبْرَاس شَرْحُ شَرْحِ الْعَقَائِد (8)اَلْفُیُوْضَاتُ الْمَلَکِیَّۃ (9)کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب (10)اَلتَّوْضِیح مَعَ التَّلْوِیح (11)نُوْرُالْاَنْوَار (12)رَدُّالْمُحْتَارعَلَی الدُّرِالْمُخْتَار (13)جَدُّ الْمُمْتَار عَلٰی رَدِّالْمُحْتَار(14)اَلْھِدَایَۃ(15)فَتْحُ الْقَدِیْر(16)بَدَائِعُ الصَّنَائِع (17)اَلْمَبْسُوْط لِلسَّرَخْسِی (18)اَلنَّھْرُالْفَائِق(19)مَجْمَعُ الْاَنْھُر (20)حَلْبِی کَبِیْر (غُنْیَۃُ الْمُتَمَلِّی) (21)اَلْاِخْتِیَارفِی شَرْحِ الْمُخْتَار (22)اَلْعَطَایَاالنَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوَی الرَّضَوِیَۃ(المعروف: فتاوی رضویہ)(23)فتاوی نوریہ (24)فتاوی فیض الرسول(25)فتاوی فقیہ ملت(26)بہار شریعت اور(27)نماز کے احکام وغیرہ کتب کو سامنے رکھا گیا تاکہ کسی مسئلہ کے بیان میں غلطی کا امکان کم سے کم ہو۔اہل علم حضرات کی خدمت میں مدنی التجا ہے کہ اگر وہ غلطی پائیں تو تحریری صورت میں ضرور مطلع فرمائیں۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرَالْجَزَاء(اٰمین)

﴿8﴾......ترجمہ عباراتِ تصوف:

بنیادی طور پر یہ کتاب تصوف وطریقت سے تعلق رکھتی ہے،اس میں جابجا تصوف اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ السلام سے

متعلق مضامین وعبارات موجود ہیں۔لہٰذاان کا ترجمہ کرتے وقت تصوف کی ان کتب کوبھی زیرِنظر رکھا گیا:(1)اِحْیَاءُ عُلُوْمِ الدِّیْن (2)اِتِّحَافُ السَّادَۃِ الْمُتَّقِیْن (3)اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّۃ (4)اَلْفُتُوْحَاتُ الْمَکِّیَّۃ (5)رَوْضُ الرِّیَاحِیْن (6)اَلطَّبَقَاتُ الْکُبْرٰی لِلشَّعْرَانِی (7)اَلْاِبْرِیْز (8)کَشْفُ الْمَحْجُوْب (9)عَوَارِفُ الْمَعَارِف (10)جامِعُ کَرَامَاتِ الْاَوْلِیَاء وغیرہ۔

﴿9﴾......عنوانات وبندسازی:

مطالعہ کرنے والوں کی دلچسپی برقرار رکھنے اورذوق بڑھانے کی غرض سے متعلقہ مضمون کے مطابق عنوانات (درمیانی وبغلی سرخیوں) کا اہتمام کیا گیاہے اورایک مضمون کی تکمیل کے بعد دوسرا مضمون نئے پیرے اورنئی سطر سے شروع کیا گیاہے کیونکہ عنوانات وبندسازی (یعنی پیراگرافنگ)،کسی بھی کتاب کے حُسنِ صوری کی عکاسی کرتے ہیں۔

﴿10﴾......مشکل الفاظ کے معانی واعراب:

اس بات کااہتمام کیا گیاہے کہ ترجمہ میں جہاں کہیں عربی عبارات یامشکل الفاظ آئے ہیں ان پراعراب بھی لگایا گیاہےاور ہلالین''(......)''میں مرادی معانی بھی لکھ دیئے گئے ہیں تا کہ پڑھنے والوں کوآسانی رہے۔ہلالین میں اکثر جگہوں پرعلمیہ کی طرف سے مرادی معانی دیئے گئے ہیں۔البتہ!بعض مقامات پرشارحِ''طریقہ محمدیہ'' حضرت سیدی علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے بیان کردہ معانی ومفاہیم بھی ہلالین میں لکھے گئے ہیں۔

﴿11﴾......آیات مبارکہ کی پیسٹنگ:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کمپیوٹر(COMPUTER)نے انسانی ترقی میں بڑااہم کردارادا کیاہے۔اسی کمپیوٹر کی بدولت اب کتابوں کی ہاتھ سے کتابت کے کٹھن،جاں سوزاوروقت طلب مرحلہ سےنجات مل گئی اوراب کتابوں کو ان پیج (INPAGE)یامائیکروسوفٹ آفس ورڈ(MICROSOFT OFFICE WORD)سے کمپوز کرلیا جاتا ہےمگراس کاایک نقصان(SIDE EFFECT)یہ ہوا کہ کتابت کی غلطیاں اردوکتب کا مقدربن کے رہ گئیں جو کہ ہاتھ سے کتابت کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہیں کیونکہ یہ تجربہ سے ثابت ہے کہ ہاتھ سے کتابت میں غلطیاں بہت کم ہوتی ہیں۔مسئلہ صرف عام جملوں کانہیں بلکہ عقائداورفقہی مسائل کاہے کہ ان میں''ناجائز''کا''جائز''اور''جائز''سے

''ناجائز'' ہوجاتا ہے۔اسی طرح قرآنی آیاتِ مبارکہ کا مسئلہ تھا کہ کمپوزنگ کی صورت میں اس میں بھی کہیں کوئی حرف رہ جاتا اور کہیں کوئی حرکت (یعنی زبر، زیر وغیرہ) چھوٹ جاتی ہے۔ ہماری خوش قسمتی کہ کچھ عرصہ قبل **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** نے قرآن کریم شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔اس کی چھپائی کے لئے ایک دردمند اسلامی بھائی نے مکتبہ المدینہ کو تین لاکھ روپے کی مالیت کا Q.P.S (قرآن پبلشنگ سوفٹ ویئر) اور اس کی ڈیوائس (DEVICE) خرید کر ہدیہ (DONATE) کیا جس کی مدد سے قرآن کریم کا مسودہ تیار کیا گیا۔**قبلہ شیخ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطّارؔ قادری** دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَۃ کی خواہش تھی کہ **اَلْـمَـدِیْـنَۃُ الْعِلْمِیَّۃ** کی کتب میں بھی اس سوفٹ ویئر سے آیات پیسٹ کی جائیں۔چنانچہ، مکتبۃ المدینہ کی مجلس نے کرم فرماتے ہوئے ایک دن کے لئے وہ سوفٹ ویئر اور قیمتی ڈیوائس **المدینۃ العلمیہ** کے حوالے کی، علمیہ میں موجود کمپیوٹر کے ماہر ایک مدنی عالم مدظلہ العالی نے اس سوفٹ ویئر سے مختلف سائز کی P.D.F فائلز بنالیں اور اب اس کی مدد سے ''**اَلْـمَـدِیْـنَۃُ الْعِلْمِیَّۃ**'' کی کتب میں آیاتِ مبارکہ پیسٹ (PASTE) کی جاتی ہیں۔کیونکہ قبلہ امیرِ اہلسنّت مدظلہ العالی کی خواہش کے اِحترام میں ''**اَلْـمَـدِیْـنَۃُ الْعِلْمِیَّۃ**'' کی مجلس نے یہ اُصول بنالیا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کی کمپوزنگ کے بجائے ہر آیتِ طیبہ کو پیسٹ کیا جائے گا اور اس کے بغیر وہ کتاب نامکمل تصوُّر کی جائے گی۔پیش نظر کتاب پر بھی تقریباً تمام آیاتِ مبارکہ پیسٹ کی گئی ہیں۔

﴿12﴾......حواشی اَز اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

مُجَدِّدِ اَعْظَم، فَقِیْہِ اَفْخَم، امام اہلسنّت، سیِّدُنا اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ١٣٤٠ھ) کی ذات والا صفات کسی تعارُف کی محتاج نہیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مختلف عنوانات اور علوم وفنون پر کم وبیش ایک ہزار کتابیں لکھی ہیں۔جن میں ''**اَلْعَطَایَاالنَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوَی الرَّضَوِیَۃ**''المعروف ''**فتاوی رضویہ**'' ایک خاص مقام رکھتا ہے۔فتاوی رضویہ (مُخَرَّجَہ) کی 30 جلدیں ہیں جن کے کل صفحات: 21656، کل سوالات وجوابات: 6847 اور کل رسائل: 206 ہیں۔(فتاوی رضویہ، ج٣٠، ص١٠، رضا فاؤنڈیشن مرکز الاولیاء لاہور) **سیِّدُنا اعلیٰ حضرت** عَلَیْہِ رَحْمَۃُ رَبِّ الْعِزَّت نے جہاں مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں وہیں مختلف عُلُوم وفنون سے متعلّق کثیر کتب پر شروح وحواشی بھی تحریر فرمائے۔

جن میں سے بیشتر عربی وفارسی میں ہیں۔ ''اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة شَرْحُ الطَّرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّة '' بھی ان کتب میں سے ایک ہے جس پر سیِّدُ نا اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحْمَةُ رَبِّ الْعِزَّت نے حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی کہ ہمیں ایک ویب سائٹ (WEB SITE) سے یہ حواشی مل گئے مگر یہ قلمی یعنی مخطوطے کی صورت میں تھے جو تصحیح کا متقاضی تھا۔ علمیہ کے مدنی علماء کرام دامت فیوضھم نے انتھک کوششیں کر کے اولاً اس کی تصحیح کی پھر اردو میں ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ البتہ! مخطوطے کے چند ایک مقامات سے الفاظ مٹے ہوئے تھے جو بہت غور وفکر کے باوجود اور اصل صورت سمجھ نہ آنے کی وجہ سے حل نہ ہو سکے (اس جگہ لفظ...... بیاض...... سے نشاندہی کر دی گئی ہے)۔ قلمی نسخوں کی تصحیح وتنقیح کرنے والے احباب اس کام کی دشواریوں کو خوب جانتے ہیں۔ بہر حال اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کروڑ ہا کروڑ شکر کہ ''اَلْمَدِیْنَةُ الْعِلْمِیَّة '' کی طرف سے ''اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة شَرْحُ الطَّرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّة '' کے ترجمہ کے ساتھ سیِّدُ نا اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحْمَةُ رَبِّ الْعِزَّت کے یہ حواشی مع ترجمہ پہلی بار شائع ہو رہے ہیں۔ اس ''جلد اول'' میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے 27 حواشی شامل ہیں اور دیگر حواشی سے امتیاز کے لئے یہ حواشی منقش بریکٹس ''﴿......﴾'' میں دیئے گئے ہیں۔

﴿13﴾......حواشی اَز علمیہ:

سیِّدُ نا اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحْمَةُ رَبِّ الْعِزَّت کے حواشی کے علاوہ متعدد مقامات پر توضیح، تطبیق، تشریح اور تسہیل کی غرض سے ''اَلْمَدِیْنَةُ الْعِلْمِیَّة '' کی طرف سے بھی تقریباً 129 حواشی دیئے گئے ہیں۔ نیز کتاب میں جہاں کہیں کسی آیت مقدسہ، حدیث پاک یا حکایت کی طرف اشارہ تھا اسے بھی حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ جس کے لئے مختلف علوم وفنون کی کثیر کتب سے مدد لی گئی ہے۔

﴿14﴾......کلمۃ التقدیم:

1977ء کو جب مکتبہ نوریہ رضویہ۔ سردار آباد (فیصل آباد) نے ''اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة شَرْحُ الطَّرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّة'' کو شائع کیا تو اس کے ساتھ قبلہ شرفِ ملت حضرت علامہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۴۲۸ھ) کا عربی میں تحریر کردہ ''کَلِمَةُ التَّقْدِیْم'' (مقدمہ) بھی شائع ہوا جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''اَلطَّرِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّة '' کے مصنف حضرتِ سیِّدُ نا علامہ محمد آفندی برکلی (متوفی ۹۸۱ھ) اور شارح حضرتِ سیِّدُ نا علامہ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی

رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما (متوفی ۱۱۴۳ھ) کا تعارف نیز متن وشرح کا تعارف بڑے شاندار اور محققانہ انداز میں کروایا ہے۔

اس ''کَلِمَۃُ التَّقْدِیْم'' کے بارے میں رئیس التحریر حضرتِ سیِّدُ نا علامہ ارشد القادری علیہ رحمۃ اللہ القوی، استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی کے نام اپنے ایک مکتوب محررہ 13 فروری 1979ء میں لکھتے ہیں: ''کل ''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ'' کی زیارت سے نگاہیں شاداب ہوئیں، دل مسرور ہوا۔ مولانا اشرف قادری (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کا ''کلمۂ تقدیم''، اپنے معاصرین کے لیے بھی کلمۂ تقدیم ہے......خدا، پردۂ غیب سے اس امام کا مقتدی پیدا کرے...... بڑا ہی پُر مغز، جاندار، فکر انگیز اور معلوماتی مقدمہ ہے......زبان سے بھی عجمیت نہیں ٹپکتی......خدائے قدیر آپ حضرات کو جزائے خیر عطا کرے اور آپ لوگوں پر غیبی وسائل کے دروازے کھول دے......علم ودانش کے اعزاز وتکریم کی بڑی اچھی طرح ڈالی ہے آپ حضرات نے............''(1)

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ! اس ''مقدمہ'' کا ترجمہ بھی کتاب کی ابتدا میں شامل کر دیا ہے۔ نیز علمیہ کی طرف سے اس میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا اور اضافہ کو منقش بریکٹس ''﴿......﴾'' میں دیا گیا ہے۔

﴿15﴾......علامات ترقیم:

تحریر کے معیار، ظاہری حسن اور اس کی تفہیم میں آسانی کے لئے تقریباً ہر زبان میں کچھ نہ کچھ علامات ضرور استعمال ہوتی ہیں تاکہ بیان کردہ معانی ومفاہیم سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ اسی طرح اردو جو ایک عالمگیر زبان ہے، کی علامات بھی اہل زبان نے مقرر کیں جنہیں ''علاماتِ ترقیم'' یا ''رموز اوقاف'' کہا جاتا ہے جیسے کاما (،) اور فل اسٹاپ (۔) وغیرہ۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ! اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّۃ کی تقریباً تمام کتب میں حتی المقدور اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ'' کے اس ترجمہ بنام ''اصلاحِ اعمال'' میں بھی اس کا التزام کیا گیا ہے۔

﴿16﴾......تخریج کا اہتمام:

تخریج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ احادیث، اقوال یا حکایات کو ان کتب کی طرف منسوب کیا جائے جن میں وہ ابتداءً بیان ہوئی ہوں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث، قول یا حکایت کو کن ائمۂ فن نے اپنی کتابوں میں کن

(1)......تذکرۂ اکابر اہلسنّت، ص ۲۴.

مقامات پر بیان کیا ہے۔علمیہ کی کتب میں حتی المقدور کوشش کی جاتی ہے کہ روایات کو ان کے اصل ماخذ سے تلاش کر کے اس کا حوالہ درج کیا جائے۔اور جب مقدور بھر کوشش کے باوجود اصل ماخذ سے نہ ملے تو دیگر مستند و معتبر کتب سے حوالہ لکھا جاتا ہے۔چنانچہ، زیرِ نظر کتاب میں بھی تفسیری عبارات،احادیث مبارکہ،فقہی مسائل،اقوالِ بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین اور حکایات کے حوالہ جات' کتاب،باب،فصل،جلد اور صفحہ نمبر کی قید کے ساتھ درج کئے گئے ہیں (مثلاً:صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اِثبات حوض نَبِیِّنَا صلّی اللّٰہ تعالی علیہ وسلّم وَصِفَاتِہٖ، الحدیث ۵۹۷۱، ص۱۰۸۳) اور ہر کتاب کا مطبوعہ حوالے میں درج کرنے کے بجائے آخر میں ماٰخذ و مراجع کی فہرست، مصنفین و مؤلفین کے ناموں اور ان کے سن وفات کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔نیز آخر میں ''**مَجْلِس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّۃ**'' کی طرف سے پیش کردہ کتب ورسائل کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ایک کام یہ بھی کیا گیا ہے کہ کتاب میں جن شخصیات کا تذکرہ صرف کنیت یا نسبت سے کیا گیا ہے حتی المقدور کتب اعلام وغیرہ سے تلاش کر کے ان کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں نیز سن وفات بھی تحریر کیا گیا ہے اور جن علما،مشائخ،اولیا،صوفیا اور شخصیات کا تذکرہ طریقہ وحدیقہ میں آیا ہے ان کے ناموں کی ایک فہرست سنِ وفات کی ترتیب سے کتاب کے آخر میں دے دی ہے۔

﴿17﴾......فہرست کتاب:

کسی بھی کتاب کی اہمیت اور یہ جاننے کے لئے کہ اس میں کیا بیان ہوا ہے،فہرست بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔اور اس کی مدد سے مطالعہ اور تحقیقی کام کرنے والے اپنے مطلوب تک جلد رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔اس چیز کا خیال رکھتے ہوئے کم و بیش علمیہ کی تمام کتب میں فہرست کا اہتمام ہوتا ہے۔چنانچہ،حدیقہ ندیہ کے ترجمہ''**اصلاح اعمال**'' میں دیئے گئے عنوانات و موضوعات کی مفصل فہرست بھی شروع میں بنادی گئی ہے۔

﴿18﴾......ضمنی فہرست:

''طریقہ محمدیہ'' کی اپنی ایک خاص ترتیب اور ابواب بندی ہے اور شارح حضرت سیِّدُنا علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) نے اسی کے مطابق متعلقہ مقام پر اس کی شرح فرمائی ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دورانِ شرح موضوع سے متعلق جابجا عقائد،عبادات،معاملات اور فقہی مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔لہٰذا ان کی کوئی

فنی ترتیب قائم نہ ہوسکی۔ علمی ذوق رکھنے والوں کی آسانی کے لئے کتاب کے آخر میں موضوعات کے مطابق ایک ضمنی فہرست بھی شامل کردی ہے تاکہ مسئلہ تلاش کرنا آسان رہے۔

﴿19﴾...... آیات واحادیث کی فہارس:

حضرت سیِّدُنا امام **محمد آفندی رومی برکلی** علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۹۸۱ھ) **''طریقہ محمدیہ''** میں کثیر آیات واحادیث لائے ہیں اور حضرت سیِّدُنا علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) نے **''حدیقہ ندیہ''** میں بڑے محققانہ انداز پر ان آیات واحادیث کی مفصل تفسیر وتشریح فرمائی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی عام عادت مبارکہ ہے کہ ہر آیت خواہ ''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور ہو یا خود بیان کی ہو، کی تفسیر میں مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کئی اقوال ذکر فرماتے ہیں۔ اور یہی انداز حدیث شریف کی تشریح کا ہے۔ لہٰذا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی جدا جدا دو فہرستیں بھی کتاب کے آخر میں دی گئی ہیں تاکہ تفسیر قرآن اور تشریح احادیث سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے راحت کا سامان ہو نیز درسِ قرآن کریم اور درسِ حدیث شریف دینے والے علماء کرام مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِبَرَکَاتِھِم بھی مستفیض ہوں۔

﴿20﴾...... مبلغین کے لئے فہرست:

نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے کا حکم، قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بکثرت وارد ہے اور بیانات اس کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ علما کرام، واعظین وخطبا حضرات، بالخصوص دعوتِ اسلامی کے مبلغین اسلامی بھائی بکثرت اس ذریعہ سے نیکی کی دعوت دینے کی سعادت پاتے ہیں۔ اس بات کے پیشِ نظر ایک فہرست مزید بنائی گئی ہے جس کی مدد سے اصلاحی موضوعات کے لئے باآسانی موادلیا جاسکتا ہے اور موضوع سے مناسبت رکھنے والی آیات مبارکہ، احادیث طیبہ، اقوالِ بزرگانِ دین رَحِمَھُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن اور واقعات وحکایات کو کم سے کم وقت میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔

﴿21﴾...... شماریاتی جائزہ:

کتاب کی پہلی جلد میں جو آیات مبارکہ، احادیث طیبہ، تفسیری اقوال، اقوالِ فقہاء وبزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین، حواشی اور تخاریج وغیرہ شامل ہیں ان کی تعداد کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱)......آیات مبارکہ: **331** (۲)......احادیث طیبہ: **332** (۳)......تفسیری اقوال: **428**

(۴)......اقوالِ فقہاء وسلف صالحین رحمہم اللہ المبین وغیرہ:527(۵)......حکایات:53(۶)......مختلف فہارس:07

(۷)......تخاریج:925(۸)......حواشی از اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:27(۹)......حواشی از علمیہ:129

﴿22﴾......شعبہ تراجم کتب:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ! قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **''دعوتِ اسلامی''** کی متعدد مجالس میں سے ایک **''مَجلِس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّۃ''** بھی ہے جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔اس کے شعبہ جات میں سے ایک **''شعبہ تراجم کتب''** بھی ہے۔جس کی ذمہ داری اپنے اکابرین علمائے اسلام کی عربی میں لکھی گئی کتب اور رسائل کے اردو زبان میں تراجم کرنا ہے۔محض لفظی ترجمہ نہیں بلکہ تحقیقی و بامحاورہ ترجمہ کیا جاتا ہے۔شعبہ تراجم میں بالترتیب ہونے والے کاموں کی تفصیل یہ ہے:(1)......سلیس اور بامحاورہ ترجمہ(2)......حتی الامکان آسان وعام فہم الفاظ کا استعمال(3)......ترجمہ کی کمپوزنگ(4)......ترجمہ کا تقابل(5)......نظر ثانی بلحاظ اُردو ادب (6)......علاماتِ ترقیم (رُموزِ اَوقاف) کا اہتمام(7)...... پروف ریڈنگ۔کم از کم دوبار خصوصاً آیات قرآنیہ کی تین بار (8)......ضروری ومفید حواشی کا اہتمام(9)......فارمیشن (بڑی و ذیلی سرخیوں اور عربی وارد و عبارات کے لئے جدا جدا فونٹ کا استعمال وغیرہ)(10)......شرعی تفتیش(11)......بیان کردہ تفسیری عبارات،احادیث مبارکہ،اقوال اور واقعات کی تخریج کا حتی المقدور اہتمام(12)......تخاریج کی کمپوزنگ، تفتیش اور پیسٹنگ وغیرہ وغیرہ۔اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کروڑہا کروڑ شکر کہ **ذُوالْحَجَّۃِ الْحَرَام** (۱۴۳۰ھ) تک شعبہ تراجم کتب کے **مدنی علماء کرام** کَثَّرَھُمُ اللہُ تَعَالٰی کی **مسلسل** کاوشوں اور انتھک کوششوں سے اب تک سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کی **19** کتب ورسائل زیورِ ترجمہ سے آراستہ ہوکر شائع ہوچکی ہیں جو **4967** صفحات پر مشتمل ہیں۔جبکہ **566** صفحات پر مشتمل **5** کتب ورسائل کا ترجمہ طباعت کے لئے پریس میں جاچکا ہے اور پیش نظر کتاب (صفحات 866) اس کے علاوہ ہے۔نیز عنقریب آنے والی کتب پر کام جاری ہے جن میں **(1)**......قُوْتُ الْقُلُوْب (مترجم) جلد اول،**(2)**......جہنم میں لے جانے والے اعمال (اَلزَّوَاجِر عَنْ اِقْتِرَافِ الْکَبَائِر) جلد دوم **(3)**......شکر کے فضائل (اَلشُّکْرُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ) **(4)**......اللہ والوں کی باتیں (حِلْیَۃُ الْاَوْلِیَاء وَطَبَقَاتُ الْاَصْفِیَاء) جلد اول (مکمل) اور **(5)**......فضائلِ علم (کِتَابُ الْعِلْم از کَنْزُ الْعُمَّال) شامل ہیں جو تقریباً **3426** صفحات پر مشتمل ہوں گی اور مستقبل کے اہداف ان کے علاوہ ہیں۔فَالْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی ذَالِک

﴿23﴾......شرعی تفتیش:

''شعبہ تراجم کتب'' جب اپنے حصے کا کام مکمل کرلیتا ہے تو پھر ''ترجمہ'' کو ''مجلسِ تفتیش کتب ورسائل'' سے متعلقہ دارالافتاء کے مدنی علما کرام دَامَتْ فُیُوْضُھُمْ کے سپرد کردیتا ہے اور وہ اس ترجمہ کو عقائد، کفریہ عبارات، اخلاقیات، فقہی مسائل، اور عربی عبارات وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر ملاحظہ فرماتے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں میں موجود ''حدیقہ ندیہ'' کا ترجمہ بنام ''اصلاحِ اعمال'' (جلداول) بھی اس مرحلہ سے ہوکر آپ تک پہنچا ہے۔

میٹھے میٹھے اسلامی بھائی:

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن! آج اس کتاب کی پہلی جلد سے پہلا باب پہلی بار زیورِ ترجمہ سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے اور مزید کام جاری ہے۔ اس ترجمہ میں جو بھی خوبیاں ہیں وہ یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے پیارے حبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی عطاؤں، اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام کی عنایتوں اور شیخ طریقت، امیر اہلسنّت، بانئ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطّار قادری دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ کی پرخلوص دعاؤں کا نتیجہ ہے اور جو خامیاں ہیں ان میں ہماری کوتاہ فہمی کا دخل ہے۔

علم دین اور تقویٰ کے حصول اور اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت وفرمانبرداری پر استقامت پانے اور ''اپنی اور ساری دُنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش'' کا مقدس جذبہ اُجاگر کرنے کے لئے خود بھی اس کتاب کا مطالعہ کیجئے اور حسبِ استطاعت ''دعوتِ اسلامی'' کے اشاعتی ادارے ''مکتبۃ المدینہ'' سے ہدیۃً حاصل کرکے دوسرے اسلامی بھائیوں بالخصوص مفتیانِ کرام اور علمائے اہلسنّت دَامَتْ فُیُوْضُھُمْ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیجئے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کرم ایسا کرے تجھ پہ جہاں میں
اے دعوتِ اسلامی! تیری دھوم مچی ہو

(اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم)

شعبہ تراجم کتب (مجلس المدینۃ العلمیۃ)

کلمۃ التقدیم

(از:شرَفِ مِلّت حضرت علامہ عبدالحکیم شرَف قادری علیہ رحمۃ اللہ القوی،متوفی ۱۴۲۸ھ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

(حضرت شرفِ ملت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا عربی زبان میں تحریر کردہ یہ ''کلمۃ التقدیم'' (مقدمہ) 1977 عیسوی کو مکتبہ نوریہ رضویہ سردار آباد (فیصل آباد) پاکستان سے ''الحدیقۃ الندیۃ'' کے ساتھ شائع ہوا تھا۔اس کا ترجمہ کچھ اضافہ کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔علمیہ)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد وثنا بجالانے اور حضور تاجدارِ رِسالت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر دُرُود وسلام پیش کرنے کے بعد میں کہتا ہوں کہ ''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ شَرْحُ الطَّرِیْقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃ'' ایک عظیم المرتبت کتاب ہے، جسے پڑھنے کے بڑے فوائد ہیں۔اس کتاب کے لکھنے والے عارِف باللہ حضرت علامہ مولانا عبدالغنی نابُلُسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) ہیں۔اس کتاب کا موضوع عِلْمِ کلام،فقہ اور تصوُّف ہے۔یہ کتاب اپنے عظیم المنفعت ہونے کے باوجود ایک عرصے سے ناپید (غیر مطبوع) تھی اور اہلِ علم حضرات سعی پیہم کر کے بھی اسے حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے تھے پاکستان کے ایک قدیم شہر لائل پور (فیصل آباد) میں واقع ''مکتبۂ نوریہ'' والوں نے اس کی طباعت کا عظیم الشان بیڑا اٹھایا۔اس بات میں شک نہیں کہ اس کتاب کی طباعت کا کام ایک زبردست کام ہے جو ان کے حصے میں آیا۔ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا گو ہیں کہ وہ ''مکتبۂ نوریہ'' والوں کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔(اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) مَیں اس کتاب مستطاب کا مطالعہ کرنے والوں کو کتاب کے مُصَنِّف اور شارح کا تعارُف پیش کرنا چاہتا ہوں۔

تعارُفِ مُصنّف

اس کتاب ''اَلطَّرِیْقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃ'' کے مصنف حضرتِ سیِّدُنا علامہ محمد بن پیر علی المعروف برکلی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۹۸۱ھ) بڑے امام اور علوم کے مشہور فاضل ہیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے حُصُولِ علم کے لئے حضرتِ سیِّدُنا محی الدین اخی زادہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی خدمت میں زانوئے تلمُّذ تہ کیا اور شرعی علوم میں اتنی مہارت تامہ حاصل کی کہ اپنے ہم عصر اہلِ علم پر فوقیت لے گئے۔ابتداءً آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شاہ سلیمان کے زمانے میں ایک فوجی قاضی عبدالرحمٰن کے

ہاں ملازم رہے پھر جب زہدوتقوی اورنیکی کے حصول کا شوق دامن گیر ہوا تو یہ شوق انہیں حضرتِ سیِّدُ نا شیخ عبداللہ قرمانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی کی بارگاہ میں لے آیا۔ کچھ عرصہ ان کی صحبت میں گزرا۔ پھر شیخ نے انہیں شرعی علوم کولوگوں میں عام کرنے کا مشورہ دیا۔ جس کے نتیجے میں خلق کثیر ان کے علوم وفیوض سے مستفیض ہوئی۔ پھر سلطان سلیم کے معلم عطاء اوران کے درمیان محبت قائم ہوگئی اوراس کا ظہور کچھ یوں ہوا کہ عطاء نے ''برکی'' کے علاقے میں ان کے لئے ایک دینی درسگاہ قائم کی اوران کے لئے روزانہ کے ساٹھ درہم وظیفہ مقرر کیا۔

علمی اثاثہ:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کئی کتب یادگار چھوڑی جونافع خلائق اورمقبول عام ہیں نیز حدیث، تجویداورفقہ کی کتب پرآپ کی تعلیقات بھی ہیں۔ان میں سے چندیہ ہیں: (۱)شَرْحُ مُخْتَصَرِ الْکَافِیَّۃ لِلْبَیْضَاوِی (۲)مَتَنٌ فِی عِلْمِ الْفَرَائِض (۳)جَلاءُ الْقُلُوْب، اس میں توبہ اوررد مظالم کوتحقیق سے بیان کیا گیاہے (۴)اَلدُّرُّ الْیَتِیْم، اس میں تجوید کاتحقیقی بیان ہے (۵)اِنْقَاذُ الْھَالِکِیْن (۶)تَنْبِیْہُ النَّائِمِیْن (۷)مَعْدِلُ الصَّلٰوۃ فِی مَسَائِلِ تَعْدِیْلِ الْاَرْکَان (۸)اَلطَّرِیْقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃ فِی السِّیْرَۃِ الْاَحْمَدِیَّۃ.

الطریقۃ المحمدیۃ فی سیرۃ الاحمدیۃ:

اس کتاب میں عقائد،فقہ اورتصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں،اسے تین ابواب پرتقسیم کیاہے،

(1)...... **پہلاباب**:اس میں تین فصلیں ہیں (۱) پہلی فصل کتاب وسنت پرعمل کرنے کے بارے میں ہے (۲) دوسری فصل بدعات کے بیان میں ہے اور (۳) تیسری فصل میں میانہ روی کا درس ہے۔ (2)......**دوسراباب**: اس میں بھی تین فصلیں ہیں (۱) پہلی فصل عقائد کی درستی میں ہے (۲) دوسری فصل میں مقصودلغیرہ علوم کا بیان ہے جوکہ تین انواع پرمشتمل ہے اور (۳) تیسری فصل تقوی کے بیان میں ہے۔ (3)......**تیسراباب**: یہ ان امورکے متعلق ہے جنہیں تقوی وپرہیز گاری میں شمار کرنے کی غلطی کی گئی۔اس میں بھی تین فصلیں ہیں (۱) پہلی فصل میں طہارت کی باریکیوں کو بیان کیا گیاہے (۲) دوسری فصل میں اہلِ وظائف کے ہاں کھانے سے پرہیز کا بیان ہے اور (۳) تیسری فصل ان امور پر مشتمل ہے جوبدعت کے زمرہ میں آتے ہیں۔

حضرتِ سیِّدُ نا علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے بدھ کی شب، 17 شعبان المعظم 980 ہجری کو اس کتاب کی تکمیل فرمائی اور حضرتِ سیِّدُ نا محمد تیروی المعروف عیشی زادہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۱۰۱۶ھ) نے اس کا خلاصہ لکھا۔

طریقہ محمدیہ کی شروحات:

جب یہ کتاب ''اَلطَّرِیْقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃ'' اکابر علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کی توجہ کا مرکز بنی تو انہوں نے اس کی شروحات لکھنے کا تہیہ کیا۔ اس کے نتیجے میں اس کتاب کی کئی شروحات زیورِ کتابت سے آراستہ ہوئیں۔ ''کَشْفُ الظُّنُوْن وذَیْلُہٗ'' میں چودہ شروحات بتائی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض تو بہت مختصر ہیں اور کچھ میں بہت طوالت و تفصیل ہے۔ انہیں میں سے ایک بہترین شرح ''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ'' بھی ہے جو دو جلدوں میں ہے جس کی طباعت و اشاعت کی سعادت ''مکتبۂ نوریہ'' والوں کے حصہ میں آئی۔ فَالْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ (پس اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ہے)

وصال:

حضرت مصنف سیِّدُ نا علامہ محمد بن پیر علی آفندی رومی برکلی علیہ رحمۃ اللہ الولی ماہِ جمادی الاولٰی 981 ہجری بمطابق 1573 عیسوی میں دنیائے فانی سے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔

تَعَارُفِ شارح

نام ونسب:

''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ'' جیسی عظیم الشان شرح تحریر کرنے والے، علوم کے بحرِ ذخار قطب الاقطاب عارف باللہ سیدی شیخ کا نامِ نامی اسمِ گرامی اور نسب شریف یوں ہے: **عبدالغنی بن اسماعیل** بن عبدالغنی بن اسماعیل بن احمد بن ابراہیم نابلسی دمشقی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی وِلادت باسعادت 5 ذوالحجۃ الحرام 1050 ہجری بمطابق 19 مارچ 1641 عیسوی کو دمشق (ملک شام) میں ہوئی۔

ولادت کی بشارت:

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی پیدائش سے پہلے جبکہ آپ کے والدِ محترم روم کے سفر پر تھے۔ ایک مجذوب بزرگ حضرتِ سیِّدُ نا شیخ صالح محمود علیہ رحمۃ اللہ الوَدُود نے آپ کی والدۂ ماجدہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہا کو بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دی۔

اورایک درہم بھی دیا اور کہا کہ ''اس کا نام ''عبدالغنی'' رکھنا، اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس کا حامی وناصر ہوگا'' وہ مجذوب بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی ولادت سے کچھ دن پہلے انتقال فرماگئے تھے اورآپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادتِ باسعادت اسی تاریخ کو ہوئی جس کی پیش گوئی انہوں نے فرمائی تھی۔علمیہ

علمی زندگی اوراساتذہ کرام:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کاتعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جس کے افق پر علم وفضل کے کئی درخشاں ستارے اپنی چمک دمک سے جہالت کے اندھیروں کو کافور فرماتے رہے۔آباء واجداد حضرت سیِّدُنا امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۲۰۴ھ) کے مقلد تھے جبکہ خود آپ (اور والدِ ماجد) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما، کاشف الغمہ حضرتِ سیِّدُنا امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے مقلد تھے۔جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کچھ بڑے ہوئے تو والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد نے قرآن پاک سیکھنے میں مشغول کیا۔**1062** ھجری کو ابھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارہ سال ہی کے تھے کہ سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا۔لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا علمی سفر جاری وساری رہا یہاں تک کہ ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد مروجہ علوم صرف ونحو، علم معانی وبیان، علم فقہ وتفسیر اورعلم حدیث کے حصول کی خاطر اپنے زمانہ کے مشہور علما کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے۔چنانچہ، **علم فقه و اصولِ فقه** حضرتِ سیِّدُنا شیخ **احمد قلعی حنفی** علیہ رحمۃ اللہ الولی سے، **علم نحو، معانی، بیان اورعلم صرف** حضرتِ سیِّدُنا شیخ **محمود کردی** علیہ رحمۃ اللہ القوی سے، **حدیث و اصولِ حدیث** حضرتِ سیِّدُنا شیخ **عبدالباقی حنبلی** علیہ رحمۃ اللہ الغنی سے حاصل کیا اور **علم تفسیر** کے لئے **مدرسۂ سلیمیه** میں حاضر ہوئے۔نیز حضرتِ سیِّدُنا **نجم الغزی** علیہ رحمۃ اللہ القوی کی مجلس علم میں بھی شریک ہوئے۔ان کے علاوہ جن علما وفضلا سے مستفیض ہوئے ان میں سے چند کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: حضرتِ سیِّدُنا شیخ محمد بن احمد اسطوانی، حضرتِ سیِّدُنا شیخ ابراہیم بن منصور فتال، حضرتِ سیِّدُنا شیخ عبدالقادر بن مصطفٰی صفوری شافعی، حضرتِ سیِّدُنا محمد بن کمال الدین حسنی حسینی بن حمزہ، حضرتِ سیِّدُنا شیخ محمد عیثاوی، حضرتِ سیِّدُنا شیخ حسین بن اسکندر رومی، حضرتِ سیِّدُنا شیخ کمال الدین عرضی حلبی دمشقی، حضرتِ سیِّدُنا شیخ محمد محاسنی اورحضرتِ سیِّدُنا شیخ محمد بن برکات کوافی حمصی دمشقی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔علمیہ

سلسلۂ طریقت وعلم معرفت:

مصر کے شیخ حضرتِ سیِّدُ ناعلی شرا ملسی علیہ رحمۃ اللہ الولی سے اجازت حاصل ہوئی۔ حضرتِ سیِّدُ نا **شیخ عبدالرزاق حموی جیلانی** قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کے ذریعے سے **سلسلۂ عالیہ قادریہ** میں اور حضرتِ سیِّدُ نا **شیخ سعید بلخی** علیہ رحمۃ اللہ الولی کے واسطے سے **سلسلۂ نقشبندیہ** میں شامل ہوئے۔ نوجوانی ہی میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر تصوف کا غلبہ تھا۔ چنانچہ، سات برس تک جامع اموی کے قریب واقع اپنے گھر میں گوشہ نشین رہے اور باہر نہ نکلے۔ حتی کہ حاسدین نے ان کی نسبت غلط باتیں بیان کرنا شروع کر دیں کہ ''وہ تارِک نماز ہیں۔'' ''اپنے اشعار سے لوگوں کی برائی بیان کرتے ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ حالانکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان باتوں سے بالکل بَری تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرتِ سیِّدُ نا شیخ اکبر علامہ محی الدین ابن عربی، حضرتِ سیِّدُ نا ابن سبعین اور حضرتِ سیِّدُ نا عفیف الدین تلمسانی وغیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن کا شمار مشائخ صوفیہ میں ہوتا ہے، کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور علم ومعرفت کے خزانوں کو دل کے دامن میں بسا لیا۔

منقول ہے کہ بعض متعصب لوگوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ابتدائی کتاب ''**نَسَمَاتُ الْاَسْحَارِ فِیْ مَدْحِ النَّبِیِّ الْمُخْتَار**'' (اسے بدیعیۃ بھی کہتے ہیں) جو سرورِ کائنات، شاہِ موجودات، سراپا معجزات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں لکھے گئے اشعار کا مجموعہ ہے، پر اعتراضات کئے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی شرح (بنام) ''**نَفَحَاتُ الْاَزْھَارِ عَلٰی نَسَمَاتِ الْاَسْحَار**'' لکھنا شروع کی اور صرف ایک مہینے کی قلیل مدت میں ایک جلد پر مشتمل شرح لکھ کر ان کے منہ بند کر دیئے۔

درس وتدریس:

20 سال کی عمر میں مسند تدریس پر جلوہ آرا ہوئے اور ساتھ ہی میدان تصنیف میں بھی اتر آئے۔ بے شمار لوگوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ظاہری وباطنی فیوض وبرکات سے اپنے دامن بھرے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نیکی کی دعوت اور پاکیزہ خیالات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ کے اجل تلامذہ میں سے حضرتِ سیِّدُ نا **شیخ مصطفٰی بکری** علیہ رحمۃ اللہ الولی کا نام بہت مشہور ہے۔

وعظ و نصیحت:

ناصح الامہ سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی ''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ''میں بیان فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ میں ملک شام کے شہر دمشق کی جامع مسجد ''جامع بنوامیہ'' میں درس دے رہا تھا۔ کہ اس دوران کچھ لوگ میرے اردگرد دنیاوی باتیں کرنے اور قہقہے لگانے لگے۔ میں نے عمومی طریقے پر(یعنی بغیر نام لئے)ان کی اصلاح وخیر خواہی کی غرض سے قدرے بلند آواز سے پیارے آقا، مکی مدنی مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمانِ حقیقت بنیاد بیان کیا کہ'' آخری زمانے میں کچھ لوگ مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں گے۔''[1] منجملہ میں نے یہاں تک کہا کہ: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندو! یہود ونصاریٰ کے گرجا گھروں اور کنیسوں کو دیکھو وہ کس طرح ان کو دنیا کی باتوں سے بچاتے ہیں جبکہ ان کے گرجا گھر شیاطین کے ٹھکانے ہیں۔ تو اے مسلمانو! تم اپنی مسجدوں کو دنیا کی باتوں سے کیوں نہیں بچاتے ، حالانکہ تم اللہ ربّ العزت کا یہ ارشاد بھی پڑھتے ہو﴿فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ ..الایۃ (پ۱۸،النور:۳۶) ترجمۂ کنزالایمان: ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔﴾ لیکن بجائے اس کے کہ وہ میری بات پر توجہ دیتے اور اس پر عمل کرتے ،انہوں نے مجھ سے اعراض کیا بلکہ اپنے جاہلوں کے ذریعے مجھے اذیت دینے پر اتر آئے ،جس کی وجہ سے میں نے وہاں درس دینا ترک کر دیا اور اب میں ''جامع بنوامیہ'' (مسجد) کے قرب میں واقع اپنے گھر پر درس دیتا ہوں اور مسجد میں جمعہ وعیدین کے علاوہ نہیں جاتا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہماری اوران کی اصلاح فرمائے۔ [2]

علمی اسفار:

حضرتِ سیِّدُنا علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے سب سے پہلے 1075ہجری/ 1664 عیسوی میں دارالخلافہ ''استنبول''کا سفر اختیار کیا اور وہاں کچھ زیادہ عرصے قیام نہ کیا۔ پھر 1100ہجری/ 1688 عیسوی میں ''بِقاع'' اور ''لبنان'' تشریف لے گئے۔ اس کے بعد 1101ہجری/ 1689 عیسوی میں ''الخلیل'' اور ''بیت المقدس'' کی جانب روانہ ہوئے۔ 1105ہجری/ 1693 عیسوی میں ''مصر'' اور ''حجاز مقدس'' کا سفر اختیار کیا یہ ایک بڑا

[1] ......الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب اخبارہ عمایکون......الخ، فصل ذکر الاخبار بان من الامارۃ آخر......الخ، الحدیث:۶۷۲۳، ج۶، جز۸، ص۲۶۷.

[2] ......الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، النوع الاربعون من الانواع الستین کلام الدنیافی المساجد بلاعذر، ج۲، ص۳۱۷ ملخصًا.

سفر تھا۔ پھر 1112 ہجری/ 1700 عیسوی میں ''طرابلس'' (شام) کا سفر کیا اور وہاں چالیس دن قیام فرمایا اور 1119 ہجری/ 1707 عیسوی میں اپنے اسلاف کے شہر دمشق سے اس کے دارالحکومت منتقل ہو گئے اور تمام عمر وہیں مقیم رہے۔

سیرت وکمالات:

﴿ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ خود کو لغو باتوں اور فحش کلامی سے بچاتے، نہ تو فضول گفتگو کرتے اور نہ ہی کسی سے بغض وعداوت رکھتے، نیک لوگوں، فقرا اور طالب علموں سے محبت کرتے، ان کی تعظیم وتوقیر کرتے، اپنے مرتبہ وحیثیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کسی معاملہ میں حکمرانوں سے جائز سفارش کرتے تو ان کی سفارش قبول کر لی جاتی، حرام کردہ چیزوں کی طرف دیکھنے سے بچتے، علم پھیلانے اور اس کی کتابت کے خواہش مند رہتے، فراخ دلی کے ساتھ کثرت سے سخاوت کرتے۔ عمر کے آخری ایام میں آپ کو ایسی شہرت، عزت اور بلند مرتبہ ملا کہ جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ 60 سال کی عمر میں بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو ایسی قوت وعقل سے نواز تھا کہ اس عمر میں بھی آپ کھڑے ہو کر نوافل ادا فرماتے، اپنے گھر میں لوگوں کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھاتے اور (نظر کا یہ عالم تھا کہ) باریک سے باریک لکھائی بھی پڑھ لیا کرتے اور اس عمر میں بھی کتب تصنیف فرماتے جیسا کہ بیضاوی شریف کی شرح وغیرہ۔ علمیہ ﴾

ایک دلچسپ واقعہ:

حضرتِ سیِّدُنا علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) ''**حدیقہ ندیہ**'' میں بیان کرتے ہیں کہ ''مجھے بعض عالم کہلانے والے کوتاہ بین شوافع کی طرف سے آزمائش کا سامنا ہوا۔ وہ پیٹھ پیچھے میری برائی (یعنی غیبت) کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فاسق کی غیبت جائز ہے اور میری عزت دری کے لئے میرے متعلق ایسی بری باتیں کہتے تھے جن سے میرا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس پر میں نے یہ دو اشعار کہے:

سَمِعتُ بِقَوْمٍ عَلَّلُوْا حَلَّ غِیْبَتِیْ ۔۔۔ بِفَھْمٍ رَکِیْکٍ فِی الْحَدِیْثِ مِنَ الطَّبعِ

فَقُلْتُ وَلَاعَتَبَ فَقَدْ حَلَّ عِنْدَ ھُمْ ۔۔۔ لَھُمْ اَکْلُ اِنْسَانٍ بِوَاسِطَۃِ الضَّبْعِ

ترجمہ: (۱)......میں نے سنا کہ کچھ لوگوں نے فہم حدیث میں کوتاہی کی عادت کے باعث میری غیبت کو جائز قرار دیا ہے۔

(٢)......تو میں نے (جواباً) کہا: ''ان سے شکایت کیسی؟ ان کے نزدیک تو بجو کے واسطے سے انسان کا گوشت کھانا جائز ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ بجو کا گوشت شوافع کے نزدیک حلال ہے اور بجو انسان کا گوشت کھاتا ہے لہٰذا جب شوافع بجو کا گوشت کھاتے ہیں تو وہ اُس کے واسطے سے انسان کا گوشت کھاتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک جائز وحلال ہے۔ تو اگر انہوں نے میری غیبت کو جائز سمجھ لیا ہے تو ان سے شکایت کس بات کی۔'' [1]

تعریفی کلمات:

حضرتِ سیِّدُنا علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی جلیل القدر اہلِ معرفت میں سے تھے، علوم دینیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ عوام سے لے کر علما تک میں آپ کی مقبولیت تھی۔ اکابرین، محققین اور مدققین علما ومشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے درج ذیل تعریفی کلمات اس پر شاہد عدل ہیں:

﴿1﴾......حضرتِ سیِّدُنا **علامہ مرادی** علیہ رحمۃ اللہ الہادی اپنی کتاب ''**سِلْکُ الدُّرَر فِی أَعْیَانِ الْقَرْنِ الثَّانِیْ عَشَر**'' میں فرماتے ہیں: ''علم وولایت، زہد وتقوی، شہرت ودرایت کے حوالے سے ان کے متعلق جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ الغنی اس سے بڑھ کر ہیں۔ استادوں کے استاد، ماہرین کے ماہر، ولیٔ کامل، عارف باللہ، معارف کے سرچشمے، قطب الاقطاب، اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھنے والے، مقرب ومحبوب بندے ہیں اور اس کے علاوہ کئی چھوٹے بڑے، باطنی وظاہری اعزازات وکمالات کے حامل ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بے شمار کرامات ہیں لیکن ان کا ظہور و بیان آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پسند نہیں تھا اس کے باوجود لوگ ان کے در پر پڑے رہتے، ان سے بے پناہ محبت وعقیدت رکھتے تھے۔''

حتی کہ ''**اَلْاُسْتَاذُ الْاَعْظَم، اَلْمَلَاذُ الْاَعْصَم، اَلْعَارِفُ الْکَامِل، اَلْعَالِمُ الْکَبِیْرُ الْعَامِل، اَلْقُطْبُ الرَّبَّانِی وَالْغَوْثُ الصَّمَدَانِی**'' جیسے عظیم الشان القابات سے یاد کرنے کے بعد علامہ مرادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے فرمایا کہ ''میری تاریخ، کمالِ فخر کو جا پہنچی کہ وہ ایک ایسے امام کے تذکرے پر مشتمل ہے، زمانہ جن کا عقیدت مند ہے۔'' [2]

---

[1] ......الحدیقۃالندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ،الخلق التاسع و الاربعون من الاخلاق الستین المذمومۃ المداھنۃ ،ج٢،ص١٥٩.

[2] ......جامع کرامات الاولیاء،ج٢،ص ٢٠٠.

﴿2﴾......حضرتِ سیِّدُ نا شیخ عبدالقادر رافعی فاروقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے انہیں ''بلادِ مصر کا مفتی'' فرمایا۔

﴿3﴾......تفسیر ''روح البیان'' میں ﴿اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ (پ١٠، التوبۃ:١٨) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں﴾ کے تحت لکھا ہے: شیخ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ١١٤٣ھ) ''کَشْفُ النُّوْرِ عَنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْر'' میں فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جو بدعت حسنہ مقصودِ شرع کے موافق ہو وہ سنت ہوتی ہے۔ چنانچہ، علماء دین، اولیاء کاملین اور صالحین رحمھم اللہ المبین کی قبور پر گنبد بنانا، چادریں چڑھانا، سر کی جانب عمامے کے تاج رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ اس سے مقصود عوام کی نظروں میں ان کی عظمت وجلالت بٹھانا ہوتا ہے تاکہ وہ صاحب مزار کی تحقیر نہ کریں اور اسی طرح اولیا وصالحین رحمھم اللہ المبین کی قبور کے پاس موم بتیاں جلانا، قندیلیں روشن کرنے کا مقصد بھی عوام کی نظروں میں اولیا کی عظمت بٹھانا ہوتا ہے۔ پس ان کا مقصود اچھا ہے اور اسی طرح اولیاء کرام رحمھم اللہ السلام کی قبور پر تعظیم ومحبت کی غرض سے موم بتیاں جلانے کی منت ماننا بھی جائز ہے، اس سے منع نہ چاہئے۔'' (1)

﴿4﴾......مُحَقِّقُ عَلَی الْاِطْلَاق حضرتِ سیِّدُ نا علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی (متوفی ١٢٥٢ھ)، علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ١١٤٣ھ) کے رسالہ ''کَشْفُ النُّوْرِ عَنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْر'' سے اس عبارت کا خلاصہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: ''نَفَعَنَا اللّٰهُ بِهٖ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں ان کی برکتوں سے مالا مال فرمائے (آمین)۔''

﴿5﴾......حضرتِ سیِّدُ نا شیخ سید احمد طحطاوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ١٢٣١ھ) ''حَاشِیَۃُ الطَّحْطَاوِی عَلٰی مَرَاقِی الْفَلَاح'' میں حضرتِ سیِّدُ نا علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ١١٤٣ھ) کے کلام کو بطور دلیل ذکر کرتے ہوئے ان القابات سے یاد فرماتے ہیں: ''عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی (علیہ رحمۃ اللہ الغنی)۔''

﴿6﴾......14ویں صدی ھجری کے مجدد حضرتِ سیِّدُ نا علامہ مولٰینا شاہ امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ١٣٤٠ھ) جنازے کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کے مسئلہ میں حضرتِ سیِّدُ نا علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ الولی کے کلام کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے ان القابات سے یاد فرماتے ہیں: ''امام، علامہ، عارف باللہ، ناصح الامہ، سیدی

---

(1)......ماخوذ من کشف النور عن اصحاب القبور مع الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، ج٢، ص١٣تا١٦۔
تفسیر روح البیان، پ١٠، التوبۃ، تحت الآیۃ١٨، ج٣، ص٤٠٠۔

عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی اپنی کتاب مستطاب ''اَلْحدِیْقَةُ النَّدِیَّة شَرحُ الطَّرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّة'' میں فرماتے ہیں۔''

﴿7﴾......حضرتِ سیِّدُ نا امام علامہ **شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی** قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی اپنی کتاب **''جامع کراماتِ اولیاء''** میں فرماتے ہیں: ''**شیخ عبدالغنی نابلسی دمشقی حنفی** علیہ رحمۃ اللہ القوی اپنے زمانے سے اب تک کے اہل معرفت اولیاء کرام رحمہم اللہ السلام میں بہت مشہور ہیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بے شمار ائمۂ دین وعلماء کاملین کے علوم سے فیض پایا اور بے شمار علماء دین آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علوم سے فیضیاب ہوئے اور میں نے اس کتاب (جامع کراماتِ اولیاء) میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فیض یافتہ علما کی کئی کرامات بیان کی ہیں (جبکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی کثیر الکرامات بزرگ ہیں اور) اگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوئی اور کرامت نہ ہوتب بھی تمام علوم میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مہارتِ کاملہ اور تمام فنون میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بے شمار تصانیف کا ہونا کسی کرامت سے کم نہیں۔لیکن جب اس کے ساتھ ساتھ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حیات میں اور بعد وفات بکثرت کرامات وقوع پذیر ہوئیں تو اندازہ کیجئے کہ یہ کس قدر عظمت وجلالت کے مالک ہوں گے۔''(1)

تصنیف وتالیف:

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تقریباً **250** سے زائد کتب یادگار چھوڑیں جو بہت مفید وعمدہ ہیں اور اہلسنّت وجماعت کی تائید میں ہیں۔وہ تصانیف ان علوم پر مشتمل ہیں: علم تفسیر، علم حدیث، علم کلام، علم فقہ، علم تجوید، تصوف، شعر اور سفر نامے وغیرہ۔تصوف میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرتِ سیِّدُ نا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور حضرتِ سیِّدُ نا عبدالکریم جیلی اور حضرتِ سیِّدُ نا شیخ ابن الفارض رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی کتب کی شروحات تحریر فرمائیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان شروحات میں متقدمین شارحین کے انداز کو نہیں اپنایا بلکہ بڑی مجتہدانہ تعبیرات سے آراستہ کیا ہے۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک تصنیف **''دیوان الدواوین''** چار جلدوں میں ہے۔پہلی جلد کا موضوع **''تصوف''** ہے۔یہ 1302 ہجری میں قاہرہ سے چھپی تھی۔لیکن اس کے علاوہ کوئی اور جلد زیورِطبع سے آراستہ نہ ہوسکی۔اس کی دوسری جلد نعت پاک مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر مشتمل ہے۔تیسری جلد تعریفی قصائد اور مکتوبات کا مجموعہ ہے اور چوتھی جلد میں

---

(1)......جامع کرامات الاولیاء، ج٢، ص ١٩٤.

غزلیں ہیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے سفرناموں کو بھی تحریر کا جامہ پہنایا مگران میں مقامات کی تفصیلات بیان نہیں فرمائیں بلکہ دورانِ سفر جوروحانی احوال پیش آئے انہیں بیان فرمایا جومعروف سیاحین مصطفیٰ بکری دمشقی اوراسعد تیمی مصری رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کے لئے قابلِ تقلید نمونہ بن گئے۔اب ہم آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتب کی فہرست پیش کرتے ہیں جو ہم تک پہنچی ہے:

(1)......اَلتَّحرِيرُالْحَاوِى بِشَرحِ تَفْسِيرِالْبَيْضَاوِى (2)...... بَوَاطِنُ الْقُرآن وَمَوَاطِنُ الْعِرفَان (3)......كَنزُالْحَقِّ الْمُبِين فِىْ اَحَادِيثِ سَيِّدِ الْمُرسَلِين (4)...... اَلْحدِيْقَةُ النَّدِيَّة شَرحُ الطَّرِيقَةِ الْمُحَمَّدِيَّة (5)......ذَخَائِرُالْمَوَارِيث فِى الدَّلَالَةِ عَلَى مَوَاضِعِ الْاَحَادِيث (6)......جَوَاهِرُ النُّصُوص فِىْ حَلِّ كَلِمَاتِ الْفُصُوص (7)...... كَشفُ السِّرِّالْغَامِض شَرحُ دِيوَانِ ابنِ الْفَارِض (8)......زَهرُ الْحَدِيقَة فِىْ تَرجَمَةِ رِجَالِ الطَّرِيقَة (9)......خَمرَةُ الْحَانِ وَرَنَّةُ الْاَلحَان شَرحُ رِسَالَةِ الشَّيخ اَرسَلَان (10)...... تَحرِيكُ الْاَقْلِيد فِىْ فَتحِ بَابِ التَّوحِيد (11)...... لَمعَانُ الْبَرقِ النَّجدِى شَرحُ تَجَلِّيَاتِ مَحمُود آفَندِى (12)...... اَلْمَعَارِفُ الْغَيبِيَّة شَرحُ الْعَينِيَّةِ الْجَلِيلِيَّة (13)......اِطلَاقُ الْقُيُودشَرحُ مِرآةِ الْوُجُود (14)......اَلظِّلُّ الْمَمدُودفِىْ مَعنَى وَحدَةِ الْوُجُود (15)......رَائِحَةُ الْجَنَّة شَرحُ اِضَاءَةِ الدَّجنَة (16)......فَتحُ الْمُعِينِ الْمُبدِى شَرحُ مَنظُومَةِ سَعدِى آفَندِى (17)......دَفعُ الْاِختِلَاف مِنْ كَلَامِ الْقَاضِى وَالْكَشَّاف (18)......اِيضَاحُ الْمَقصُود مِنْ مَعنَى وَحدَةِ الْوُجُود (19)...... كِتَابُ الْوُجُودِ الْحَقّ وَالْخِطَابِ الصِّدْق (20)...... نِهَايَةُ السُّول فِىْ حُلْيَةِ الرَّسُول صلَّى اللّٰه تعالیٰ علیه وآله وسلَّم (21)......مِفتَاحُ الْمَعِيَّة شَرحُ الرِّسَالَةِ النَّقْشبَندِيَّة (22)......بَقِيَّةُ اللّٰهِ خَير بَعدَ الْفَنَاءِ فِى السَّير (23)......اَلْمَجَالِسُ الشَّامِيَّة فِىْ مَوَاعِظِ اَهلِ الْبِلَادِ الرُّومِيَّة (24)......تَوفِيقُ الرُّتبَة فِىْ تَحقِيقِ الْخُطبَة (25)......طُلُوعُ الصَّبَاحِ عَلٰى خُطبَةِ الْمِصبَاح (26)......اَلْجَوَابُ التَّام عَنْ حَقِيقَةِ الْكَلَام (27)......تَحقِيقُ الْاِنتِصَارفِىْ اِتِّفَاقِ الْاَشعَرِى وَالْمَاتُرِيدِى عَلَى الْاِختِيَار (28)...... كِتَابُ الْجَوَاب عَنِ الْاَسئِلَةِ الْمِائَةِ وَالْاِحدَى وَالسِّتِّين (29) ......بُرهَانُ الثُّبُوت فِىْ تُربَةِ هَارُوت وَمَارُوت (30)......لَمعَانُ الْاَنوَارفِى الْمَقطُوعِ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ وَالْمَقطُوعِ لَهُمْ بِالنَّار (31)......تَحقِيقُ

الذَّوْق وَالرَّشْف فِىْ مَعْنَى الْمُخَالَفَةِ بَيْنَ اَهْلِ الْكَشْف (32)......رَوْضُ الْاَنَام فِىْ بَيَانِ الْاِجَازَةِ فِىْ الْمَنَام (33)......صَفْوَةُ الْاَصْفِيَاء فِىْ بَيَانِ الْفَضِيْلَةِ بَيْنَ الْاَنْبِيَاء (34)...... اَلْكَوْكَبُ السَّارِى فِىْ حَقِيْقَةِ الْجُزْءِ الْاِخْتِيَارِى (35)......اَنْوَارُ السُّلُوْك فِىْ اَسْرَارِ الْمُلُوْک (36)......رَفْعُ الرَّيْب عَنْ حَضْرَةِ الْغَيْب (37)......تَحْرِيْكُ سِلْسِلَةِ الْوِدَادفِىْ مَسْئَلَةِ خَلْقِ اَفْعَالِ الْعِبَاد (38)......زُبْدَةُ الْفَائِدَة فِىْ الْجَوَابِ عَنِ الْاَبْيَاتِ الْوَارِدَة (39)...... اَلنَّظْرُ الْمُشْرَفِى فِىْ مَعْنَى قَوْلِ الشَّيْخ عُمَرَبْنِ الْفَارِض: عَرَفْتَ اَمْ لَمْ تَعْرِف (40)...... اَلسِّرُ الْمُخْتَبِى فِىْ ضَرِيْحِ اِبْنِ الْعَرَبِى رضى اللّٰه تعالٰى عنه (41)......اَلْمَقَامُ الْاَسْمٰى فِىْ اِمْتِزَاجِ الْاَسْمَاء (42) ......قَطْرَةُ السَّمَاء وَ نَظْرَةُ الْعُلَمَاء (43)......اَلْفُتُوْحَاتُ الْمَدَنِيَّة فِىْ الْحَضْرَاتِ الْمُحَمَّدِيَّة (44)......اَلْفَتْحُ الْمَكِّى وَالْمِنَحُ الْمَلَكِى (45)......اَلْجَوَابُ الْمُعْتَمَدعَنْ سُوَالَاتِ اَهْلِ صَفَد (46)......لَمْعَةُ النُّوْرِ الْمُضِيَّة شَرْحُ الْاَبْيَاتِ السَّبْعَةِ الزَّائِدَةِ مِنَ الْخَمْرِيَّةِ الْفَارِضِيَّة (47)......اَلْحَامِلُ فِىْ الْمَلَک وَالْمَحْمُوْلُ فِىْ الْفَلَک فِىْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّة وَالرِّسَالَةِ وَالْخِلَافَة فِىْ الْمُلْک (48)......اَلنَّفَحَاتُ الْمُنْتَشَرَة فِىْ الْجَوَابِ عَنِ الْاَسْئِلَةِ الْعَشَرَة (49)......اَلْقَوْلُ الْاَبْيَن فِىْ شَرْحِ عَقِيْدَةِ اَبِىْ مَدْيَن (50) ...... كَشْفُ النُّوْر عَنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْر (51)......بَذْلُ الْاِحْسَان فِىْ تَحْقِيْقِ مَعْنَى الْاِنْسَان (52)...... اَلْقَوْلُ الْعَاصِم فِىْ قِرَاءَةِ حَفْص عَنْ عَاصِم نَظْمًاعَلٰى قَافِيَةِ الْقَاف وَشَرْحُ هٰذَا النَّظْم (53)...... صَرْفُ الْعِنَان اِلٰى قِرَاءَةِ حَفْص بْنِ سُلَيْمَان (54)......اَلْجَوَابُ الْمَنْثُوْر وَالْمَنْظُوْم عَنْ سُوَالِ الْمَفْهُوْم (55)......كِتَابُ عِلْمِ الْمَلَاحَة فِىْ عِلْمِ الْفَلَاحَة (56)......تَعْطِيْرُ الْاَنَام فِىْ تَعْبِيْرِ الْمَنَام (57) ......اَلْقَوْلُ السَّدِيْد فِىْ جَوَازِ خَلْفِ الْوَعِيْد وَالرَّدُّ عَلَى الرَّجُلِ الْعَنِيْد (58)......رَدُّالتَّعْنِيْف عَلَى الْمُعَنِّف وَاِثْبَاتُ جَهْلِ هٰذَا الْمُصَنِّف(59)......هَدِيَّةُ الْفَقِيْر وَتَحِيَّةُالْوَزِيْر (60)......اَلْقَلَائِدُ الْفَرَائِدفِىْ مَوَائِدِ الْفَوَائِد(فِىْ فِقْهِ الْحَنَفِيَّةِ عَلٰى تَرْتِيْبِ اَبْوَابِ الْفِقْه) (61)...... كِتَابُ رَيْعِ الْاِفَادَات فِىْ رَبْعِ الْعِبَادَات (62)......كِتَابُ الْمَطَالِبِ الْوَفِيَّة شَرْحُ الْفَرَائِدِالسَّنِيَّة (63)......دِيْوَانُ الْاِلٰهِيَاتِ الَّذِى سَمَّاهُ دِيْوَانَ الْحَقَائِق وَمَيْدَانَ الرَّقَائِق (64)......دِيْوَانُ الْمَدَائِحِ النَّبَوِيَّة اَلْمُسَمّٰى بِنَفْحَةِ الْقُبُوْل فِىْ مِدْحَةِ الرَّسُوْل وَهُوَ

مُرَتَّبٌ عَلَى الْحُرُوْف(65)......دِيْوَانُ الْمَدَائِحِ الْمُطْلَقَةِ وَالْمُرَاسَلاتِ وَالْاَلْغَازِوَغَيْرِذٰلِك (66)......دِيْوَانُ الْغَزْلِيَات اَلْمُسَمّٰى خَمْرَةَ بَابَل وَغِنَاءَ الْبَلابَل(67)......غَيْثُ الْقَبُوْل هُمٰى فِيْ مَعْنٰى "جَعَلا لَهُ شُرَكَاءَ فِيْمَا آتَاهُمَا" (68)......رَفْعُ الْكِسَاء عَنْ عِبَارَةِ الْبَيْضَاوِى فِيْ سُوْرَةِ النِّسَاء (69)......جَمْعُ الْاَشْكَال وَمَنْعُ الْاَشْكَال عَنْ عِبَارَةِ تَفْسِيْرِ الْبَغْوِى (70)...... اَلْجَوَابُ عَنْ عِبَارَةٍ فِيْ الْاَرْبَعِيْنَ النَّوَوِيَّة فِيْ قَوْلِهِ رَوَيْنَاهُ (71)......رَفْعُ السُّتُوْرعَنْ مُتَعَلَّقِ الْجَارِوَ الْمَجْرُوْر فِيْ عِبَارَةِ خُسْرُو (72)......اَلشَّمْسُ عَلٰى جَنَاحِ طَائِرفِيْ مَقَامِ الْوَاقِفِ السَّائِر (73)...... اَلْعَقْدُ النَّظِيْم فِيْ الْقَدْرِ الْعَظِيْم فِيْ شَرْحِ بَيْتٍ مِنْ بُرْدَةِ الْمَدِيْح (74)......عُذْرُالْاَئِمَّة فِيْ نُصْحِ الْاُمَّة (75)...... جَمْعُ الْاَسْرَارِفِيْ مَنْعِ الْاَشْرَارعَنِ الظَّنّ فِى الصُّوْفِيَةِ الْاَخْيَار (76)......جَوَابُ سُوَالٍ وَرَدَّ مِنْ طَرْفِ بَطْرَكِ النَّصَارىٰ فِى التَّوْحِيْد (77)......فَتْحُ الْكَبِيْر بِفَتْحِ رَاءِ التَّكْبِيْر (78)......رِسَالَةٌ فِيْ سُوَالٍ عَنْ حَدِيْثٍ نَبوِى (79)......تَحْقِيْقُ النَّظَر فِيْ تَحْقِيْقِ النَّظَر فِيْ وَقْفِ مَعْلُوْم (80)......جَوَابُ سُوَالٍ فِيْ شَرْطِ وَاقِف مِنَ الْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَة (81)...... كَشْفُ السِّتْرعَنْ فَرِيْضَةِ الْوِتْر (82)...... نُخْبَةُ الْمَسْئَلَة شَرْحُ التُّحْفَةِ الْمُرْسَلَة(فِيْ التَّوْحِيْد) (83)......بَسْطُ الذِّرَاعَيْن بِالْوَصِيْد فِيْ بَيَانِ الْحَقِيْقَةِ وَالْمَجَاز فِيْ التَّوْحِيْد (84)......رَفْعُ الْاِشْتِبَاه عَنْ عَلَمِيَّةِ اِسْمِ اللّٰه(85)......حَقُّ الْيَقِيْن وَهِدَايَةُ الْمُتَّقِيْن(86)......رِسَالَةٌ فِيْ تَعْبِيْرِ رُؤْيَا سُئِلَ عَنْهَا (87)......اِرْشَادُ الْمُتَمَلّى فِيْ تَبْلِيْغِ غَيْرِ الْمُصَلّى (88)...... كِفَايَةُ الْمُسْتَفِيْد فِيْ عِلْمِ التَّجْوِيْد (89)......رِسَالَةٌ فِيْ نِكَاحِ الْمُتْعَة (90)......صَدْحُ الْحَمَامَة فِيْ شُرُوْطِ الْاِمَامَة (91)......تُحْفَةُ النَّاسِك فِيْ بَيَانِ الْمَنَاسِك (92)......بُغْيَةُ الْمُكْتَفِى فِيْ جَوَازِ الْخُفّ الْحَنَفِى(93)...... اَلرَّدُّالْوَفِى عَلَى جَوَابِ الْحَصْكَفِيْ فِيْ رِسَالَةِ اَلْخُفُّ الْحَنَفِى(94)......حِلْيَةُ الذَّهَبِ الْاِبْرِيْز فِيْ رِحْلَةِ بَعْلَبَكّ وَالْبُقَاعِ الْعَزِيْز(95)......رَنَّةُ النَّسِيْم وَغَنَّةُ الرَّخِيْم (96)......فَتْحُ الْاِنْغِلاق فِيْ مَسْئَلَةِ عَلَى الطَّلَاق (97)......اَلْخَضْرَةُ الْاِنْسِيَّة فِيْ الرِّحْلَةِ الْقُدْسِيَّة (98)......رَدُّ الْمَتِيْن عَلٰى مُنْتَقِصِ الْعَارِفِ مُحْيِى الدِّيْن (99)......اَلْحَقِيْقَةُ وَالْمَجَاز فِيْ رِحْلَةِ بِلادِ الشَّام وَمِصْرِوَ الْحِجَاز (100)......وَسَائِلُ التَّحْقِيْق فِيْ رَسَائِلِ التَّدْقِيْق (فِىْ مَكَاتَبَاتِ عِلْمِيَّة)

(101)......اِیْضَاحُ الدَّلَالَات فِیْ سَمَاعِ الْآلَات (102)......تَخْیِیْرُ الْعِبَاد فِیْ سَکَنِ الْبِلَاد (103)......رَفْعُ الضَّرُوْرَۃ عَنْ حَجِّ الصَّرُوْرَۃ (104)...... رِسَالَۃٌ فِی الْحَثِّ عَلَی الْجِھَاد (105)......اِشْتِبَاکُ الْاَسِنَّۃ فِی الْجَوَابِ عَنِ الْفَرْضِ وَالسُّنَّۃ (106)......اَلْاِبْتِھَاج فِیْ مَنَاسِکِ الْحَاج (107)......اَجْوِبَۃُ الْاُنْسِیَّۃ عَنِ الْاَسْئِلَۃِ الْقُدْسِیَّۃ (108)......تَطْیِیْبُ النُفُوْس فِیْ حُکْمِ الْمَقَادِمِ وَالرُّؤُس (109)......اَلْغَیْثُ الْمُنْبَجِس فِیْ حُکْمِ الْمَصْبُوْغِ بِالنَّجِس (110)......اِشْرَاقُ الْمَعَالِم فِیْ اَحْکَامِ الْمَظَالِم (111)......رِسَالَۃٌ فِیْ اِحْتِرَامِ الْخُبْز (112)......اِتِّحَافُ مَنْ بَادَر اِلٰی حُکْمِ النَوْشَادَر (113)......اَلْکَشْفُ وَالتِّبْیَان عَمَّا یَتَعَلَّقُ بِالنِّسْیَان (114)......اَلنِّعَمُ السَّوَابِغ فِیْ اِحْرَامِ الْمَدَنِی مِنْ رَابِغ (115)......سُرْعَۃُ الْاِنْتِبَاہ لِمَسْئَلَۃِ الْاِشْتِبَاہ (فِیْ فِقْہِ الْحَنَفِیَّۃ) (116)......رِسَالَۃٌ فِیْ جَوَابِ سُوَالٍ مِنْ بَیْتِ الْمُقَدَّس (117)......تُحْفَۃُ الرَّاکِعِ السَّاجِد فِیْ جَوَازِ الْاِعْتِکَاف فِیْ فِنَاءِ الْمَسَاجِد (118)......جَوَابُ سُوَالٍ وَرَدٌّ مِنْ مَکَّۃِ الْمُشَرَّفَۃ عَنِ الْاِقْتِدَاءِ مِنْ جَوْفِ الْکَعْبَۃ (119)......خُلَاصَۃُ التَّحْقِیْق فِیْ حُکْمِ التَّقْلِیْدِ وَالتَّلْفِیْق (120)......اِبَانَۃُ النَّص فِیْ مَسْئَلَۃِ الْقَص (اَیْ قَصِّ اللِّحْیَۃ) (121)......اَلْاَجْوِبَۃُ الْبَتَّۃ عَنِ الْاَسْئِلَۃِ السِّتَّہ (122)......رَفْعُ الْعِنَاد عَنْ حُکْمِ التَّفْوِیْض وَالْاِسْنَاد فِیْ نَظْمِ الْوَقْف (123)......تَشْحِیْذُ الْاَذْھَان فِیْ تَطْھِیْرِ الْاَدْھَان (124)...... تَحْقِیْقُ الْقَضِیَّۃ فِی الْفَرْقِ بَیْنَ الرِّشْوَۃِ وَالْھَدِیَّۃ (125)......نَقُوْدُ الصُّوَر شَرْحُ عُقُوْدِ الدُّرَر فِیْمَا یُفْتٰی بِہٖ عَلٰی قَوْلِ زُفَر (126)......اَلْکَشْفُ عَنِ الْاَغْلَاطِ التِّسْعَۃ مِنْ بَیْتِ السَّاعَۃ مِنَ الْقَامُوْس (127)...... رِسَالَۃٌ فِیْ حُکْمِ التَّسْعِیْرِ مِنَ الْحُکَّام (128)......تَقْرِیْبُ الْکَلَام عَلَی الْاِفْھَام (فِیْ مَعْنٰی وَحْدَۃِ الْوُجُوْد) (129) ......اَلنَّسِیْمُ الرَّبِیْعِی فِی التَّجَاذُب الْبَدِیْعِی (130)......تَنْبِیْہُ مَنْ یَلْھُوْ عَنْ صِحَّۃِ الذِّکْرِ بِالْاِسْمِ ھُوَ (131)......اَلْکَوَاکِبُ الْمَشْرِقَۃ فِیْ حُکْمِ اِسْتِعْمَالِ الْمَنْطِقَۃِ مِنَ الْفِضَّۃ (132)......نَتِیْجَۃُ الْعُلُوْم وَنَصِیْحَۃُ عُلَمَاءِ الرُّسُوْم فِیْ شَرْحِ مَقَالَاتِ السَّرْھَنْدِی الْمَعْلُوْم (133)......رِسَالَۃٌ فِیْ مَعْنَی الْبَیْتَیْنِ "رَاتْ قَمَرَ السَّمَاءِ فَاذْکَرَتْنِی" اِلٰی آخِرِہٖ (134)......تَکْمِیْلُ النُّعُوْت فِیْ لُزُوْمِ الْبُیُوْت (135)...... سُوَالٌ وَرَدٌّ فِیْ بَیْتِ الْمُقَدَّس وَمَعَہٗ جَوَابٌ مِنْہُ (136)...... اَلْجَوَاب

الشَّرِيْف لِلْحَضْرَةِ الشَّرِيْفَة اِنَّ مَذْهَبَ اَبِی یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ هُوَمَذْهَبُ اَبِی حَنِیْفَة (137)......تَنْبِیْهُ الْاِفْهَام عَلٰی عِدَّةِ الْحُکَّام (138)......شَرْحُ مَنْظُوْمَةِ الْقَاضِی مُحِبُّ الدِّیْنِ الْحَمَوِی (139)......اَنْوَارُالشُّمُوْس فِیْ خُطَبِ الدُّرُوْس (140)......مَجْمُوْعُ خُطَبِ التَّفْسِیْر (وَصَلَ فِیْهِ اِلٰی سِتِمِائَةِ خُطْبَةٍ وَاثْنَیْنِ وَثَلَاثِیْنِ) (141) ......اَلْاَجْوِبَةُ الْمَنْظُوْمَة عَنِ الْاَسْئِلَةِ الْمَعْلُوْمَة مِنْ جِهَّةِ بَیْتِ الْمُقَدَّس (142)......اَلتُّحْفَةُ النَّابُلُسِیَّة فِی الرِّحْلَةِ الطَّرَابُلُسِیَّة (143)......اَلتَّعْبِیْزفِی التَّعْبِیْر (نَظْماً مِنْ بَحْرِالرِّجْز) (144)......تَحْصِیْلُ الْاَجر فِیْ حُکْمِ اَذَانِ الْفَجْر (145)...... قَلَائِدُ الْمَرْجَان فِیْ عَقَائِدِالْاِیْمَان (146)......اَلْاَنْوَارُالْاِلٰهِیَّة شَرْحُ الْمُقَدَّمَةِ السَّنُوْسِیَّة (147)......غَایَةُ الْوِجَازَة فِیْ تَکْرَارِ الصَّلَاةِ عَلَی الْجَنَازَة (148)......شَرْحُ اَوْرَادِالشَّیْخ عَبْدُالْقَادِرِالْکِیْلَانِی (149)......کِفَایَةُ الْغُلَام فِیْ اَرْکَانِ الْاِسْلَام (150)......مَنْظُوْمَةُ مِائَةٌ وَّخَمْسُوْنَ بَیْتاً (151)...... رَشَحَاتُ الْاَقْدَام شَرْحُ کِفَایَةِ الْغُلَام (152)......اَلْفَتْحُ الرَّبَّانِی وَالْفَیْضُ الرَّحْمَانِی (153)......بَذْلُ الصَّلَاة فِیْ بَیَانِ الصَّلَاة (عَلٰی مَذْهَبِ الْحَنَفِیَّة) (154)......نُوْرُ الْاَفْئِدَة شَرْحُ الْمُرْشِدَة (155)......اِسْبَاغُ الْمِنَّة فِیْ اَنْهَارِالْجَنَّة (156)......نِهَایَةُ الْمُرَادشَرْحُ هَدْیَةِ اِبْنِ الْعِمَاد (فِی فِقْهِ الْحَنَفِیَّة) (157)......اِزَالَةُ الْخِفَاعَنْ حِلْیَةِ الْمُصْطَفٰی صلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم (158)......نُزْهَةُ الْوَاجِد فِی الصَّلَاةِ عَلَی الْجَنَائِزِفِی الْمَسَاجِد (159)......صَرْفُ الْاَعِنَّة اِلٰی عَقَائِدِ اَهْلِ السُّنَّة (160)...... سَلْوَی النَّدِیْم وَتَذْکِرَةُ الْعَدِیْم (161)......اَلنَّوَافِحُ الْفَائِحَة بِرَوَائِحِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَة (162)......اَلْجَوْهَرُالْکُلِّی شَرْحُ عُمْدَةِ الْمُصَلِّی (وَهِیَ الْمُقَدَّمَةُ الْکِیْدَانِیَة) (163)...... حِلْیَةُ الْقَارِی فِیْ صِفَاتِ الْبَارِی (164)......اَلْکَوْکَبُ الْوَقَاد فِیْ حُسْنِ الْاِعْتِقَاد (165)...... کَوْکَبُ الصُّبْح فِیْ اِزَالَةِ لَیْلَةِ الْقُبْح (166)......اَلْعُقُوْدُاللُّؤْلُؤِیَّة فِیْ طَرِیْقِ الْمَوْلَوِیَّة (167)...... اَلصِّرَاطُ السَّمَوِی شَرْحُ دِیْبَاجَاتِ الْمَثْنَوِی (168)......بِدَایَةُ الْمُرِیْدوَنِهَایَةُ السَّعِیْد (169)...... نَسَمَاتُ الْاَسْحَارفِیْ مَدْحِ النَّبِیِّ الْمُخْتَار (وَهِیَ الْبَدِیْعِیَّة) (170)......شَرْحُهَانَفَحَاتُ الْاَزْهَارعَلٰی نَسَمَاتِ الْاَسْحَار (171)......اَلْقَوْلُ الْمُعْتَبرفِیْ بَیَانِ النَّظْر (172)......رِسَالَةٌ فِی الْعَقَائِد (173) ......حَلَاوَةُ الْاَلَافِی (التَّعْبِیْرُاِجْمَالا) (174)......اَلْمَقَاصِدُ

الْـمُـمْحِصَة فِیْ بَیَانِ کَیِّ الْحِمْصَة (175)......رِسَالَةٌ اُخْرٰی فِیْ کُلِّ الْحِمْصَة (176)......زِیَادَةُ الْبَسْطَة فِیْ بَیَانِ الْعِلْمِ نُقْطَة (177)......اَللُّؤْلُؤُ الْمَکْنُوْن فِیْ حُکْمِ الْاَخْبَارِ عَمَّاسَیَکُوْن (178)...... رَدُّالْجَاهِلِ اِلَی الصَّوَاب فِیْ جَوَازِ اِضَافَةِ التَّاْثِیْرِ اِلَی الْاَسْبَاب (179)......اَلْقَوْلُ الْمُخْتَارفِی الرَّدِّ عَلَی الْجَاهِلِ الْمُحْتَار (180)......دَفْعُ الْاِیْهَام جَوَابُ سُوَال (181)...... اَلْکَوْکَبُ الْمَتَلَالِئ شَرْحُ قَصِیْدَةِ الْغَزَالِی (182)......رَدُّ الْمُفْتَرِی عَنِ الطَّعْنِ فِی الشُّشْتَرِی (183)......اَلتَّنْبِیْهُ مِنَ النَّوْم فِیْ حُکْمِ مَوَاجِیْدِ الْقَوْم (184)......اِتِّحَافُ السَّارِی فِیْ زِیَارَةِ الشَّیْخ مُدْرَکِ الْفَزَارِی (185)......دِیْوَانُ الْخُطَب اَلْمُسَمّٰی بِیَوَانِعِ الرُّطَب فِیْ بَدَائِعِ الْخُطَب (186)......اَلْحَوْضُ الْمَوْرُوْد فِیْ زِیَارَةِ الشَّیْخ یُوْسُف وَالشَّیْخ مَحْمُوْد (187)......مَخْرَجُ الْمُلْتَقٰی وَمَنْهَجُ الْمُرْتَقٰی (188)......مَنْظُوْمَةٌ فِیْ مُلُوْکِ بَنِی عُثْمَان (189)......ثَوَابُ الْمُدْرَک لِزِیَارَةِ السِّتِّ زَیْنَب وَالشَّیْخ مُدْرَک (190)......عُیُوْنُ الْاَمْثَال اَلْعَدِیْمَةُ الْمِثَال (191)......غَایَةُ الْمَطْلُوْب فِیْ مَحَبَّةِ الْمَحْبُوْب(192)......مُنَاغَاةُ الْقَدِیْم وَمُنَاجَاةُ الْحَکِیْم(193)......اَلطَّلْعَةُ الْبَدْرِیَّة شَرْحُ الْقَصِیْدَةِ الْمُضَرِیَّة (194)......اَلْکِتَابَةُ الْعُلْیَة عَلَی الرِّسَالَةِ الْجَنْبَلَاطِیَة (195)...... رَکُوْبُ التَّقْیِیْد بِالْاِذْعَان فِیْ وُجُوْبِ التَّقْلِیْدِ فِی الْاِیْمَان (196)......رَدُّالْحِجَجِ الدَّاحِضَة عَلٰی عِصْبَةِ الْغَیِّ الرَّافِضَة (197)......شَرْحُ نَظْمِ قُبْضَةِ النُّوْر اَلْمُسَمّٰی نَفْخَةَ الصُّوْروَنَفْحَةَ الزَّهُوْر (198)......مِفْتَاحُ الْفُتُوْح فِیْ مِشْکَاةِ الْجِسْم (199)...... زُجَاجَةُ النَّفْسِ وَمِصْبَاحُ الرُّوْح (200)......صَفْوَةُ الضَّمِیْرفِیْ نُصْرَةِ الْوَزِیْر (201)......شَرْحُ نَظْمِ السَّنُوْسِیَّة اَلْمُسَمّٰی بِاللَّطَائِفِ الْاُنْسِیَّة عَلٰی نَظْمِ الْعَقِیْدَةِ السَّنُوْسِیَّة (202)......تَحْقِیْقُ مَعْنَی الْمَعْبُوْد فِیْ صُوْرَةِ کُلِّ مَعْبُوْد (203)......رِسَالَةٌ فِیْ قَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَام مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْراً (204)......اُنْسُ الْخَاطِر فِیْ مَعْنَی مَنْ قَالَ اَنَا مُؤْمِنٌ فَهُوَ کَافِر(205)...... تَحْرِیْرُ عَیْنِ الْاِثْبَات فِیْ تَقْرِیْرِعَیْنِ الْاِثْبَات (206)......تَشْرِیْفُ التَّقْرِیْب فِیْ تَنْزِیْهِ الْقُرْآنِ عَنِ التَّعْرِیْب(207)...... اَلْجَوَابُ الْعَلِی عَنْ حَالِ الْوَلِی (208)......فَتْحُ الْعَیْنِ عَنِ الْفَرْقِ بَیْنَ التَّسْمِیَتَیْنِ یَعْنِیْ تَسْمِیَةَ

اَلْـمُسْلِمِیْنَ وَتَسْمِیَۃَ النَّصَارٰی (209)...... اَلـرَّوْضُ الْمُعْطَاربِرَوَائِقِ الْاَشْعَار (210)...... اَلصُّلْحُ بَیْنَ الْاِخْوَان فِیْ حُکْمِ اِبَاحَۃِ الدُّخَان.

اس کے علاوہ بھی علامہ موصوف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کئی کتب وتصانیف اور منظومات ہیں۔

وصال شریف:

1143ھجری بمطابق **1731** عیسوی کو حضرت سیِّدُ نا امام، علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے **24 شعبان المعظم** بروز اتوار بوقت عصر) دمشق میں انتقال فرمایا (علم وعمل کا یہ سورج تو دمشق میں غروب ہوگیا مگر اس کے علمی انوار اب تک پورے عالم کو جگمگا رہے ہیں۔**25 شعبان المعظم** بروز پیر) آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ''صَـالِحِیَّـہ'' میں دفن کیا گیا۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے دن شہر بھر کے بازار بند کر دیئے گئے اور صـالـحیـہ میں لوگوں کا بہت زیادہ ہجوم ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے حضرتِ سیِّدُ نا **شیخ مصطفیٰ نابلسی** علیہ رحمۃ اللہ الولی نے آپ کے مزار شریف کے ایک جانب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام سے ایک خوبصورت جامع مسجد تعمیر کروائی۔آج بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ فائض الانوار سے برکت حاصل کی جاتی اور اس کی زیارت کی جاتی ہے، بالخصوص ہفتہ کے دن صبح کے وقت اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پڑنواسے علامہ کمال الدین محمد الغزی العامری علیہ رحمۃ اللہ القوی نے آپ کے حالات زندگی پر ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے، جس کا نام انہوں نے **''اَلْوِرْدُ الْقُدُسِی وَالْوَارِدُ الْاِنْسِی فِیْ تَرْجَمَۃِ الْعَارِف عَبْدُالْغَنِی نَابُلُسِی''** رکھا ہے۔رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ وَاَرْضَاہُ۔

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

محمد عبدالحکیم شرف القادری

خادم الطلبۃ بالجامعۃ النظامیۃ الرضویۃ

لاھور، باکستان

﴿اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ان پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔اٰمین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن﴾

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

’’اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ‘‘ کا خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَحَ بِالطَّرِیْقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ صُدُوْرَعِبَادِہِ الْاَبْرَار۞ حَتّٰی شَرَحَ طَرْفَ قُلُوْبِھِمْ فِی الْحَدَائِقِ الْیَانِعَۃِ مِنْ تِلْکَ الْمَعَارِفِ وَالْاَسْرَار۞وَاَذَاقَھُمْ حَلَاوَاتِ مُنَاجَاتِہٖ فِیْ خَلَوَاتِ عِبَادَاتِہٖ وَکَشَفَ عَنْ وُجُوْھِھِمْ اَسْتَارَالْاَغْیَار۞فَتَسَابَقُوْافِیْ مَیْدَانِ التَّوْحِیْدِ عَلٰی خَیْلِ التَّجْرِیْدِمُسَرَّجَۃً بِالتَّفْرِیْدِ فَلَمْ یُدْرِکْ لَھُمْ غُبَار۞وَجَعَلَھُمْ حُجَّۃً عَلٰی اَھْلِ الْغَفْلَۃِ الْمُکَبَّلِیْنَ فِیْ قُیُوْدِالْاِغْتِرَار۞وَمَحَجَّۃً وَاضِحَۃً اِلٰی عِنَایَۃِ الْمَالِکِ الْجَلِیْلِ وَحِمَایَۃِ الْمَلِکِ الْجَبَّار۞

وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَاوَسَنَدِنَامُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْمُخْتَار۞اَلَّذِیْ اِھْتَدٰی بِاَنْوَارِشَرَائِعِہٖ وَارْتَوٰی بِاَنْوَاءِ ذَرَائِعِہٖ ذُوالْغَوَایَۃِ الْمُحْتَار۞صَاحِبِ اللِّوَاءِ الْمَعْقُوْدِ وَالْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِالْمُوْصِلِ کُلَّ مَنِ اتَّبَعَہٗ اِلٰی رُؤْیَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ دَارِالْقَرَار۞وَعَلٰی آلِہِ السَّادَۃِ الْاَطْھَار۞الطَّالِعِیْنَ فِیْ سَمٰوَاتِ السُّلَالَۃِ الشَّرِیْفَۃِ طُلُوْعَ الشُّمُوْسِ وَالْاَقْمَار۞وَعَلٰی اَصْحَابِہِ الْاَئِمَّۃِ الْکَامِلِیْنَ فِیْ جَمِیْعِ الْاَطْوَار۞اَھْلِ الزُّھْدِ وَالتَّوَکُّلِ وَالْاِسْتِقَامَۃِ وَالْاِیْثَار۞ خُصُوْصًاالْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَۃِ مِنْھُمْ وَالْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَار۞وَعَلَی التَّابِعِیْنَ لَھُمْ بِاِحْسَانٍ مَاتَعَاقَبَ اللَّیْلُ وَالنَّھَار۞(اَمَّا بَعْدُ)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ تمام تعریفیں اس اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے اپنے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنّتوں کے ذریعے اپنے نیک بندوں کے دلوں کو اطمینان وقرار بخشا۔ حتی کہ اسرار ومعارف کے پھلوں سے لدے ہوئے باغات کے لئے ان کی قلبی نگاہوں کو کشادہ کر دیا۔ انہیں خلوتوں میں کی جانے والی عبادات میں اپنی مناجات کی مٹھاس کا ذائقہ چکھایا اور ان کے سامنے سے غیر خدا کے حجابات اٹھا دیئے۔ پس

(ان انعامات اِلٰہیہ کے سبب) وہ میدانِ توحید میں ہر قسم کی خواہشات سے دوری والی زندگی کی سواریوں پر تمام لوگوں سے جدائی والی زین ڈال کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔ تو ان کی گردِ راہ تک نہ پائی جا سکی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان خاص بندوں کو، مکر وفریب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے غافل انسانوں کے لئے حجت اور اپنی عنایت ونصرت (مدد) کے حصول کا واضح راستہ بنا دیا (یعنی اولیاء کرام، بارگاہ الٰہی عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں)۔

اور درود وسلام ہو ہمارے سردار، ہمارے سہارے، بِـاِذْنِ پروردگار دوعالَم کے مالک ومختار حضرت محمد مصطفٰی عَزَّوَجَلَّ وصَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر، جن کے انوار شریعت سے گمراہوں نے ہدایت پائی، جن کا دامنِ کرم تھام کر بے فیض لوگ سیراب ہوگئے، جو لِوَاءُ الْحَمْد اور مقامِ محمود کے مالک ہیں اور اپنی پیروی کرنے والوں کو جنّت میں دیدارِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ سے مشرَّف فرمانے والے ہیں۔

اور درود وسلام ہو ان کی آلِ اطہار پر جو شریف النسب خاندانوں کے اُفق پر شمس وقمر بن کر طلوع ہوئی اور درود وسلام ہو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے صحابہ کرام پر جو ہر معاملہ میں کامل راہنما ہیں اور زُہد وتوکُّل اور استقامت و ایثار کے پیکر ہیں، خصوصاً چاروں خلفائے راشدین اور مہاجرین وانصار (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نیز رہتی دنیا تک ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں پر درود وسلام ہو۔

اَمَّا بَعْدُ!

عاجز، فقیر پُرتقصیر عبدالغنی بن اسماعیل بن عبدالغنی بن اسماعیل بن احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن سعدالدین بن جماعۃ نابلسی دمشقی حنفی (اللہ عَزَّوَجَلَّ اِسے شرفِ قبولیت بخشے اور اس کی خاص مدد فرمائے، اِس کے آباؤ اجداد پر رحم فرمائے اور اِس کے اسلاف کو جنت الفردوس میں شرابِ طہور سے سیراب فرمائے) کہتا ہے: ''جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سرکارِ ابد قرار، شافعِ روزِ شمار صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو دینِ برحق اور ہدایت کا سرچشمہ عطا فرما کر اور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو دین کے تمام چھوٹے بڑے جزئیات کا سرتاپا مظہرِ کامل بنا کر مبعوث فرمایا تو ان کے ماننے والوں کے لئے دین تین چیزوں کا مجموعہ بن گیا:

(۱)......شریعت (۲)......طریقت اور (۳)......حقیقت۔

شریعت:

شریعت سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے وہ اقوال و افعال ہیں جو مجتہدین کے سامنے ظاہر ہوئے۔

طریقت:

طریقت سے مراد شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے وہ اخلاق و احوال ہیں جو راہِ سلوک طے کرنے والوں پر واضح ہوئے۔

حقیقت:

رحمتِ عالم، نورِ مجَسَّم، شہنشاہِ دوعالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے وہ معاملات جن کے بارے میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو مکاشفات ہوئے اور براہِ راست قلبِ اَطہر پر ان کا نزول ہوا۔ پس جب یہ معاملات واصلینِ حق پر ظاہر ہوئے تو انہیں حقیقت کا نام دیا گیا۔

شریعت کے پاسدار فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے شرعی مسائل کو جمع کر کے کتابی شکل دینا شروع کی، فضلائے طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ نے سالکینِ طریقت کی راہنمائی کے لئے اس موضوع پر کتب تصنیف کرنا شروع کیں اور علمائے حقیقت رحمہم اللہ تعالیٰ نے حقیقت کے موضوع پر راہنمائی کرنے والی کُتُب کی تدوین شروع کردی۔

اور یہ کتاب یعنی ''اَلطَّرِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّة وَالسِّیْرَةُ الْاَحْمَدِیَّة ''شریعت وطریقت کا معتدل ومتوسط راستہ اور علم طریقت کے موضوع پر اعلیٰ تصنیفات میں سے ایک ہے۔ اس کتاب کے مصنف الشیخ، امام، عالمِ باعمل، فاضلِ کامل **محمد آفندی رومی برکلی** علیہ رحمۃ اللہ الولی ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں اپنی رحمت اور رضا کی دولت سے نوازے، نیز ان کا ٹھکانا اپنی جنت میں بنائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم.

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

مُصَنِّفِ طَرِیْقہ مُحمّدِیّہ کے حالاتِ زندگی

حضرت سیدی امام محمد آفندی رومی برکلی علیہ رحمۃ اللہ الولی کے والدِ گرامی بھی ایک جیّد عالم تھے، اس لئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نشوونما علوم ومعارف کی طلب میں ہوئی یہاں تک کہ علم وفضل میں یکتائے روزگار بن گئے اور حضرت سیّدُ نا محی الدین اخی زادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ پھر حضرت سیّدُ نا عبدالرحمٰن علیہ رحمۃ اللہ المنّان کے دامنِ کرم سے وابستہ ہوگئے جوکہ سلطان سلیمان کے عہدِ حکومت میں عسکری قاضی تھے۔ اس کے بعد آپ پر زُہد اور اصلاحِ نفس کا غلبہ طاری ہوا تو حضرت سیّدُ نا شیخ المرشد عبداللہ قرمانی بیرامی علیہ رحمۃ اللہ الوالی کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ پیرومرشد اور شیخ نے انہیں حکم دیا کہ ''وہ دوبارہ علوم کی تدریس میں مشغول ہوجائیں اور متلاشیانِ علم کو فائدہ پہنچائیں۔'' یوں اُن کی ذات سے خلقِ کثیر نے نفع اٹھایا۔

مدرسہ برکلی کا قیام:

حضرت سیّدُ نا امام محمد آفندی رومی برکلی علیہ رحمۃ اللہ الولی اور سلطان سلیم کے استاذ حضرت سیّدُ نا عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دوسرے کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ لہٰذا حضرت سیّدُ نا عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''برکل'' نامی قصبہ میں ایک مدرسہ بنوا کر آپ کو اس کا مدرس مقرر کردیا اور آپ کے لئے ایک دن کی اجرت **60** درہم (183 گرام 708 ملی گرام چاندی) مقرر فرمائی۔

آپ کی تصانیف:

❁......حضرت سیّدُ نا امام محمد آفندی رومی برکلی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی تصانیف میں سے ایک تو یہی کتاب ہے جس کا نام ''اَلطَّرِیْقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃ وَالسِّیْرَۃُ الْاَحْمَدِیَّۃ'' ہے۔

❁......علمِ نحو کے موضوع پر حضرت سیّدُ نا امام عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۶۸۵ھ) کی کتاب ''مُخْتَصَرُ الْکَافِیَۃ'' کی شرح لکھی۔

❁......علم الفرائض میں بھی ایک مختصر اور جامع متن لکھا۔

❁......اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کئی تعلیقات اور رسائل بھی ملتے ہیں مثلاً حدیث، قراءَت اور فقہ وغیرہ۔

وصال:

حضرت سیِّدُ ناامام محمد آفندی رومی برکلی علیہ رحمۃ اللہ القوی ساری زندگی حق کی ترویج پر کمر بستہ رہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے معاملے میں کسی کی ملامت کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی۔ ہمیشہ احکامِ شریعت کی سربلندی کے لئے کوشاں رہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زُہد وتقوی میں کمال کی بنا پر ہر چھوٹا بڑا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا گرویدہ تھا۔ بالآخر رُشدو ہدایت کی علامت یہ ہستی جمادی الاُولیٰ ۹۸۱ھ میں دارِ دنیا سے رخصت ہوگئی۔

(اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ان پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔ اٰمِیْن بِجَاہِ االنَّبِیِّ الْاَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم)

’’حدیقہ ندیہ‘‘ لکھنے کی وجہ

حضرت سیِّدُ ناامام محمد آفندی رومی برکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب (یعنی اَلطَّرِیْقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃ وَالسِّیْرَۃُ الْاَحْمَدِیَّۃ) ایک پُر لطف تصنیف ہے جس میں انہوں نے فقہی مسائل کو مقاماتِ زہد کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ خالص علمی اور عقائد کی ابحاث کو بھی یکجا کر دیا ہے۔ ان کی تحریر انتہائی شُستہ اور واضح ہے، انہوں نے اپنی تالیف میں جہاں اُمّتِ مسلمہ کی خیر خواہی فرمائی تو وہیں قلوب واذہان سے شکوک وشبہات کے بادل بھی ہٹائے ہیں۔

انہی خوبیوں کی بنا پر چند رفقاء اور احباب نے مجھ سے اس کتاب کی شرح لکھنے پر اصرار کیا۔ ’’اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی خاص عنایت سے میرا اور ان کا شمار تائید یافتہ لوگوں میں فرمائے۔‘‘ اس لئے میرے پیشِ نظر کوئی ایسی شرح لکھنا نہیں جو پیچیدہ عبارات کی گتھیاں سلجھائے اور جو لوگ اشاروں میں کئے گئے کلام کو سمجھنے سے قاصر ہوں ان کے اشکالات کا ازالہ کرے بلکہ میرا مقصد تو ایک ایسی شرح لکھنا ہے جس میں الفاظ کم اور معانی جامع ومانع ہوں اور وہ بذاتِ خود اہلِ کمال کے دلوں کو اپنے محاسن کی طرف کھینچ لے اور وہ جاہل متعصب افراد کی بچوں جیسی حرکات کا منہ توڑ جواب بھی ہو۔

میں نے اپنی اس شرح کا نام ’’اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃُ شَرْحُ الطَّرِیْقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃ‘‘ رکھا ہے۔ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی سے ہدایت اور توفیق طلب کرتا ہوں اور اسی سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھے مقاماتِ لغزش سے محفوظ فرمائے اور حق بیانی میں میری تائید فرمائے۔ میں اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ اس شرح کو اُمّتِ مصطفٰی عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَام کے لئے باعثِ نفع بنائے اور انہیں اس کا علم حاصل کر کے اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ میرا اور ساری اُمّتِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِھَاالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا ایمان پر خاتمہ فرمائے، ہمارے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کافی ہے اور وہ کتنا اچھا کارساز ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان حق ہے اور وہی سیدھے راستے کی جانب رہنمائی فرماتا ہے۔ (آمین)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

حدیث قدسی

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اے ابن آدم! تعجب ہے اس شخص پر جو موت پر یقین رکھتا ہے پھر بھی خوش ہوتا ہے۔

❁......تعجب ہے اس پر جو حساب و کتاب پر یقین رکھتا ہے پھر بھی مال جمع کرنے میں مصروف ہے۔

❁......تعجب ہے اس پر جو قبر پر یقین رکھنے کے باوجود ہنستا ہے۔

❁......تعجب ہے اس پر جسے آخرت پر یقین ہے پھر بھی پُرسکون ہے۔

❁......تعجب ہے اس پر جو دُنیا (کی حقیقت کو جانتا) اور اس کے زوال پر یقین رکھتا ہے پھر بھی اس پر مطمئن ہے۔

❁......تعجب ہے اس پر جو گفتگو تو عالموں جیسی کرتا ہے لیکن اس کا دِل جاہلوں جیسا ہے۔

❁......تعجب ہے اس شخص پر جو پانی کے ذریعے پاکی تو حاصل کرتا ہے مگر اس کا دِل آلودہ ہے۔

❁......تعجب ہے اس پر جو لوگوں کے عیوب تلاش کرنے میں تو مصروف رہتا ہے لیکن اپنے عیوب سے غافل ہے۔

❁......تعجب ہے اس شخص پر جو جانتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ میرے ہر عمل سے باخبر ہے پھر بھی اس کی نافرمانی کرتا ہے۔

❁......تعجب ہے اس پر جو جانتا ہے کہ اسے اکیلے مرنا، اکیلے قبر میں داخل ہونا اور اکیلے ہی حساب دینا ہے پھر بھی لوگوں سے اُنسیت رکھتا ہے۔

(**اے ابن آدم! سن!**) میں ہی معبودِ حقیقی ہوں اور محمد (صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم) میرے خاص بندے اور رسول ہیں۔

(مجموعۃ رسائل الامام الغزالی، المواعظ فی الاحادیث القدسیۃ، ص ۵۶۵)

''اَلطَّرِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّة'' کا خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ۞اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَا اُمَّةً وَّسَطًا خَیْرَ اُمَمٍ ۞وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ مَنْ اُوْتِیَ النُّبُوَّةَ وَالْحِکَم ۞وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْمُقْتَدِیْنَ بِہٖ فِی الْقَصْدِوَالشِّیَم ۞مَادَامَتِ السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْض ۞وَمَاتَعَاقَبَتِ الْاَضْوَاءُ وَالظُّلَم ۞(اَمَّا بَعْدُ)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا، سب خوبیاں اس ربِّ قدوس کے لئے جس نے ہمیں افضل اور سب سے بہتر اُمَّت بنایا اور درود وسلام ہو نبوت وحکمت پانے والے تمام انبیا (علیہم الصلوۃ والسلام) سے افضل ہستی (حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) پر اور اخلاق ومیانہ روی میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع کرنے والے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے آل واصحاب (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) پر، جب تک زمین وآسمان قائم ہیں اور دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے آ جا رہے ہیں۔(اَمَّا بَعْدُ)

خطبہ کی شرح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

﴿اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا﴾

اسم کی تعریف:

اسم ایک ایسا کلمہ ہے جسے عربوں نے کسی خاص ذات پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا ہے یعنی جب بھی یہ بولا جائے تو اس سے مراد وہی خاص ذات ہو۔

اس تعریف کی بنا پر مندرجہ ذیل چار چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے: (۱)اسم (۲) مسمّٰی (۳) مُسمِّی اور (۴) تسمیہ

(۱)......اسم سے مراد وہ لفظ ہے جسے کسی ذات کی پہچان یا اسے دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہو، مثلاً لفظِ زید۔

(۲)......مسمّٰی سے مراد وہ ذات ہے جس کو اسم سے ممتاز کرنا مقصود ہوتا ہے مثلاً زید کی ذات۔

(۳)......مسمّٰی سے مراد وہ فرد ہے جو اس لفظ کو وضع کرنے والا ہوتا ہے۔

(۴)......تسمیہ سے مراد اس لفظ کو اسی ذات کے ساتھ خاص کرنا ہے۔

لفظ کو وضع کرنے کی تعریف:

ایک لفظ کو کسی معنی کے ساتھ خاص کرنا کہ جب بھی وہ لفظ بولا جائے یا اس کا احساس ہو تو فوراً وہی معنی سمجھ میں آئے ''لفظ کا وضع کرنا'' کہلاتا ہے۔

کیا اسم مسمّٰی کا عین ہے؟

اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اسم سے مراد عینِ مسمّٰی ہی ہے یا کوئی دوسری چیز بھی مراد ہوسکتی ہے، یہ ایک طویل بحث ہے جس میں جدید وقدیم علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے۔ بعض علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسم سے مراد مسمّٰی ہی ہے اور پہلی دلیل کے طور پر قرآن کریم کی یہ آیتِ مبارکہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے۔ (پ ۳۰، الاعلیٰ: ۱)

یہاں تسبیح چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہی مراد ہے پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا اسم مبارک بھی یہی ہے اور دوسری دلیل کے طور پر انہوں نے قرآنِ کریم کی دو آیاتِ مبارکہ بھی پیش کی ہیں۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ ذیشان ہے:

بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ (پ ۱۶، مریم: ۷) ترجمۂ کنزالایمان: ایک لڑکے کی جن کا نام یحییٰ ہے۔

﴿۲﴾

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ (پ ۱۶، مریم: ۱۲) ترجمۂ کنزالایمان: اے یحییٰ! کتاب مضبوط تھام۔

یہاں نام لے کر پکارا گیا ہے اور یہ اسم اپنے مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے۔

پہلے استدلال کا جواب:

جو علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اسم سے مسمّٰی کی ذات مراد نہیں لیتے وہ ان بیان کردہ دلیلوں کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''پہلی دلیل میں سَبِّحْ، اُذْکُرْ کے معنی میں ہے، گویا عبارت یوں تھی: ''اُذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ'' جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے رب کا نام صبح وشام یاد کرو۔

(پ۲۹، الدھر:۲۵)

کبھی کبھار اس کے برعکس بھی ہوتا ہے یعنی اُذْکُرْ، سَبِّحْ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا (پ۳، ال عمران:۴۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے رب کی بہت یاد کر۔

یہاں وَاذْکُرْ رَبَّکَ سے مراد وَسَبِّحْ رَبَّکَ ہے۔ عام طور پر عربوں کے کلام میں ایسا اسلوب پایا جاتا ہے کہ دو ہم معنی افعال ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس مفہوم کی بنا پر ایک اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ مسمّٰی چونکہ وہی ہے جس کی جانب اسم کی اضافت کی جارہی ہے اور اس سے شے کی اپنی ہی ذات کی طرف اضافت لازم آتی ہے (جو کہ درست نہیں)۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اسم، تسمیہ کے معنی میں ہے اور تسمیہ اسم کے علاوہ دوسری چیز ہے کیونکہ تسمیہ تو ایسا لفظ ہے جس کا تعلق اسم سے ہے۔ البتہ اسم، مسمّٰی کو لازم ہے لہٰذا دونوں ایک دوسرے کا غیر ہیں۔ تو اس سے فرق بالکل واضح ہو گیا اور کوئی اشکال بھی باقی نہ رہا۔

دوسرے استدلال کا جواب:

یہاں بھی اصل عبارت اس طرح ہے: ''یٰاَیُّھَا الْغُلَامُ الَّذِیْ اِسْمُہٗ یَحْیٰی.'' کیونکہ اگر اسم سے مراد مسمّٰی لیں تو پھر جو شخص آگ کہے تو اس کی زبان کو جلنا چاہئے اور اسی طرح اگر کوئی شھد کا تذکرہ کرے تو اس کا منہ مٹھاس سے بھر جانا چاہیے۔

حضرت سیِّدُنا امام احمد بن محمد قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) نے بھی اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِّیَّۃ بِالْمِنَحِ الْمُحَمَّدِیَّۃ میں اسی طرح ارشاد فرمایا ہے[1] اور ہم نے اپنی کتاب ''اَلْمَطَالِبُ الْوَفِیَّۃ'' میں اس کو بیان کیا، نیز اسم، مسمّٰی اور تسمیہ کے بارے میں علما کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے 42 اقوال نقل کئے ہیں۔ البتہ! یہاں ہم نے اس مسئلہ کی کچھ وضاحت کر دی ہے۔

اسمِ جلالت ''اللہ'' کی وضاحت

حضرت محی الدین شیخ زادہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۹۵۱ھ) حاشیہ بیضاوی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جمہور اہلِ لغت کا اسم جلالت ''اللہ'' کے بارے میں یہ کہنا ہے: ''یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور مشتق ہے، نیز کثرتِ استعمال کی وجہ سے علم بن گیا ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے تمام اسما صفت کے صیغے ہیں تاکہ انسان ان کے معانی جان کر ان کے ذریعے بارگاہِ ربوبیت میں وسیلہ پیش کر سکے۔''

قدیم فلاسفہ کا نظریہ:

قدیم فلسفی اس کے منکر ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذاتِ مخصوصہ کے اعتبار سے اس کا کوئی اسم بھی ہو، اس بنا پر کہ لفظ ''اللہ'' وضع کرنے سے مراد یہ ہوگی کہ یہ لفظ جس ذات پر دلالت کرے اس کی پہچان اور تعارف کرانے کے لئے کسی کے سامنے یہ لفظ بول دیا جائے، حالانکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جس کے سامنے بھی اس کا ذکر کیا جائے گا وہ اس کی مخلوق ہی میں سے کوئی فرد ہوگا جو اس کی ذاتِ مخصوصہ کا عرفان نہ رکھتا ہوگا لہٰذا کس طرح محض ایک اسم سے اس ربِّ قدوس کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ جب کسی اسم سے اس وحدہٗ لاشریک کی جانب اشارہ کرنا صحیح نہیں تو پھر اس کی ذاتِ مخصوصہ کے لئے کسی اسم کے وضع کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا کوئی ایسا اسم نہیں پایا جاتا جو اس کی ذاتِ مخصوصہ پر دلالت کرتا ہو، البتہ! تمام کے تمام اسماء الٰہیہ صفات کے صیغے ہیں جو مختلف افعال وغیرہ سے مشتق ہیں اور وہ سب ایک مخصوص معنی کے اعتبار سے کسی مُبْہَم (یعنی پوشیدہ) ذات پر دلالت کرتے ہیں۔

---

[1] ......المواھب اللدنیۃ، المقصد الثانی، الفصل الاول، ج۱، ص۳۶۳۔۳۶۴.

اہلسنّت وجماعت کا نظریہ:

اس بارے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ربِّ قدوس عَزَّوَجَلَّ کی ذاتِ مخصوصہ کا ادراک ہر ایک کی عقل سے بالاتر ہے کیونکہ جب ہم اپنی عقل کے دروازے پر دستک دیتے ہیں تو معرفتِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے چار امور کے علاوہ کچھ نہیں پاتے اور وہ حسب ذیل ہیں:

(۱)......اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجود ہے۔

(۲)......اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کا وجود دائمی ہے جسے زوال نہیں۔

(۳)...... یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ صفاتِ جلال یعنی اعتباراتِ سلبیہ کا مالک ہے۔

(۴)......اس بات کا ادراک بھی ہو جاتا ہے کہ وہ صفاتِ اکرام یعنی اعتباراتِ اضافیہ کا بھی مالک ہے۔

دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس کی ذاتِ مخصوصہ ان چاروں امور سے جدا ہے، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اس کی حقیقت اس کے وجود کی غیر ہے (کیونکہ وجود ایک صفت ہے اور صفات، ذات کا غیر ہیں) اور جب معاملہ ایسا ہے تو اس کی حقیقت اس کے وجود کے دوام کی بھی غیر ہو گی اور یہ بھی ثابت ہے کہ اس کی حقیقت اعتباراتِ سلبیہ اور اضافیہ کی بھی غیر ہے۔

چونکہ یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ معرفتِ الٰہیہ مذکورہ چار امور ہی سے عقل کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے نیز یہ چاروں امور بھی اس کی مخصوص حقیقت کا غیر ہیں۔ اس گفتگو سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس کی مخصوص حقیقت انسانی عقل میں نہیں آ سکتی نیز جیسا وہ ہے اِس اعتبار سے اس کی حقیقت کے ادراک کا کوئی راستہ ہے اور یہی معرفتِ ذاتیہ کہلاتی ہے۔

البتہ چند خارجی امور سے ہم کچھ عرفان حاصل کر سکتے ہیں یعنی جسے معرفتِ عرضیہ کہا جاتا ہے اور اس کی وضاحت اس مثال سے ہو سکتی ہے مثلاً ہم کسی عمارت کو دیکھیں تو آنکھوں سے دیکھتے ہی یہ جان لیتے ہیں کہ یقیناً کوئی اس عمارت کا بنانے والا بھی ہے، پس اس صورت میں معلوم بالذّات عمارت ہے اور معلوم بالعرض اس عمارت کا بنانے والا ہے لیکن محض بنانے والے کے بارے میں جاننے سے کہ وہ اس عمارت کو بنانے والا ہے، یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی خصوصیات

اور حقیقت بھی ہمیں معلوم ہو جائے کیونکہ معرفتِ عرضیہ دراصل ماہیت اور معرفتِ ذاتیہ ہی کی ایک نوع ہے۔

اسی طرح ہم کسی خاص رنگ کو آنکھوں سے دیکھ کر پہچان لیتے ہیں، حرارت کو چھو کر جان لیتے ہیں اور آواز کو سن کر سمجھ لیتے ہیں حالانکہ سوائے اس چھونے کی کیفیت کے حرارت و برودت کی کوئی حقیقت نہیں اور ظاہری آنکھوں سے نظر آنے والی اس ہیئت (ہے۔اَت) کے علاوہ سیاہی وسفیدی کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ یہی حال بقیہ ان تمام اشیا کا ہے جن کو ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں اور ہمیں اس بات کا علم دیتی ہیں کہ یقیناً کوئی ان کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا بھی ہے۔ لہٰذا اس طرح ہمیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جو معرفت حاصل ہوگی اسے معرفتِ عرضیہ کہیں گے اور دنیا میں کسی بشر کے لئے ایسی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے۔

اگرچہ ہمارے اس نظریے کا بعض علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے کہ قدرتِ الٰہی میں یہ بات ممتنع نہیں کہ وہ اپنے مقرب بندوں کو اپنے جلووں سے مشرف فرمائے اور اس طرح انہیں اپنی حقیقتِ مخصوصہ کے عرفان کی دولت سے سرفراز فرمائے۔

بعض علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تو اسمِ جلالت ''اللّٰہ'' کے مأخذ اور اس کے معنی کا ذکر کرنے سے اجتناب کیا۔ جبکہ دوسرے بعض علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ممکن ہے یہ کسی سے مشتق ہو لیکن ہم نہیں جانتے کہ یہ کس سے مشتق ہے، نیز ہم اس کی حقیقت جاننے کے مکلّف بھی نہیں۔''

امام خلیل نحوی (متوفی ۱۷۰ھ) اور ابراہیم بن سری بن سہل، المعروف امام زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) کہتے ہیں: ''اسمِ جلالت ''اللّٰہ'' عربی زبان میں اسم ہے اور عَلَم ہے، مگر کسی لفظ سے مشتق نہیں۔'' اور بعض کہتے ہیں: ''یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جو بعد میں عربی میں استعمال ہونے لگا۔'' پھر انہوں نے اس کے مشتقات بھی ذکر کئے اور اس بارے میں طویل کلام کیا۔ (1)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کی وضاحت:

یہ دونوں اسم ہیں جو کہ مبالغہ کے لئے لفظ ''رُحْم'' سے بنائے گئے ہیں جیسا کہ غَضْبَان، غَضَب سے اور

......حاشیۃ محی الدین شیخ زادہ مع تفسیر البیضاوی، الفاتحۃ، تحت الایۃ: ۱، ج ۱، ص ۴۵ تا ۵۵.

عَلِیْم ،عِلْم سے بنا ہے اور یہ یوں کہ فعل متعدی کو انسانی طبیعتوں کے اعتبار سے فعل لازم بنایا گیا ہے تا کہ یہ مبالغے کا فائدہ دے پس اس کو ایسے فعل کی طرف منتقل کیا گیا جس کے عین کلمہ پر ضمہ (یعنی پیش) ہے (یعنی رَحُمَ) اور اس سے صفتِ مشبہ کا صیغہ مشتق کر لیا گیا۔

بِسْمِ اللّٰہ شریف سے آغازِ کتاب کی وجہ:

اس کی ایک وجہ قرآنِ کریم کے اسلوب کی پیروی کرنا اور دوسری وجہ اس وعید سے بچنا مقصود تھا جو حدیثِ پاک میں ہے، چنانچہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَولاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جو بھی اہم کام بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم سے شروع نہیں کیا جاتا وہ برکت سے خالی رہتا ہے۔''(1)

یہاں اہم کام سے مراد شرعاً اس کا قابلِ اہتمام ہونا ہے پس حرام اور مکروہ اس سے خارج ہیں جبکہ مباح میں کلام ہے۔

......نیکیوں کا ذخیرہ......

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو!

اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی خوشنودی پانے اور باکردار مسلمان بننے کے لئے ''دعوتِ اسلامی'' کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** سے ''**مدنی انعامات**'' نامی رسالہ حاصل کر کے اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کیجئے۔ اور اپنے اپنے شہروں میں ہونے والے **دعوتِ اسلامی** کے ہفتہ وار سنتوں بھرے اجتماع میں پابندیٔ وقت کے ساتھ شرکت فرما کر خوب خوب سنتوں کی بہاریں لوٹئے۔ **دعوتِ اسلامی** کے سنتوں کی تربیت کے لیے بے شمار **مدنی قافلے** شہر بہ شہر، گاؤں بہ گاؤں سفر کرتے رہتے ہیں، آپ بھی سنتوں بھرا سفر اختیار فرما کر اپنی آخرت کے لئے ''**نیکیوں کا ذخیرہ**'' اکٹھا کریں۔ **اِنْ شَاءَ اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ آپ اپنی زندگی میں حیرت انگیز طور پر ''مدنی انقلاب'' برپا ہوتا دیکھیں گے۔

1……الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ٦٢٨٤، ص ٣٩١، ''اجزم'' بدلہ ''اقطع''.

نبئ مُکَرَّم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اُمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَا اُمَّۃً وَّسَطًا خَیْرَ اُمَمٍ

﴿تمام خوبیاں اس ربِّ قدوس عَزَّوَجَلَّ کے لئے جس نے ہمیں افضل اور سب سے بہتر اُمّت بنایا﴾

حمد، مدح اور شکر میں فرق:

''حَمْد'' کا لغوی معنی یہ ہے کہ بطورِ تعظیم اپنے اختیار سے کسی کی اچھی تعریف کرنا خواہ انجام کے اعتبار سے ہو۔ جبکہ عرف میں اس سے مراد وہ فعل ہے جو مُنْعِم (یعنی انعام فرمانے والے) کی عظمت کے بارے میں آگاہ کرتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ اس تعریف کرنے والے پر یا کسی اور پر اپنا انعام فرمانے والا ہے۔ لہٰذا اس کا مَوْرَد فعل کی شمولیت کی وجہ سے عام ہے اور اس کا متعلق یعنی نعمت خاص ہے۔

''مدح'' کا لغوی معنی بطورِ تعظیم کسی اچھی خوبی پر زبان سے مطلقاً تعریف کرنا خواہ وہ خوبی اختیاری ہو یا غیر اختیاری۔ اور عرف میں اس سے مراد وہ فعل ہے جو ممدوح (یعنی جس کی تعریف کی جاتی ہے اس) کے عظیم ہونے کی خبر دیتا ہے۔

''شکر'' لغوی طور پر اس فعل کو کہتے ہیں جو مُنْعِم کے عظیم ہونے کی خبر دیتا ہے اس اعتبار سے کہ وہ شکر ادا کرنے والے پر یا کسی دوسرے پر انعام فرمانے والا ہے جبکہ عرف میں اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ ہر وہ نعمت خرچ کر ڈالے جس سے اس کے پروردگار عَزَّوَجَلَّ نے اسے نوازا ہے مثلاً سننے اور دیکھنے کی قوت وغیرہ یہاں تک کہ اس کے لئے تخلیق کی گئی ہر چیز راہِ خدا عَزَّوَجَلَّ میں صرف کر دے۔ (جہاد کر کے اپنی ''جان'' اور دیگر نیکی کے کاموں میں ''مال'' قربان کر دے)

(سیدی عبد الغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) اس کی مکمل تفصیل میرے والدِ ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد کی تصنیف ''کِتَابُ الْاَحْکَام'' میں ہے۔

بِسْمِ اللّٰہ کے بعد حمد کو ذکر کرنے کی وجہ:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے اسلوب کی اتباع ہو جائے اور دوسری یہ کہ رسولِ اَکرم، شفیعِ معظم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمانِ عالیشان پر عمل بھی ہو جائے۔ چنانچہ،

شَفِیعُ الْمُذْنِبِین، اَنِیسُ الغَرِیبِین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ شفاعت نشان ہے: ''جو بھی اہم کام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد سے شروع نہیں کیا جاتا ہے وہ نامکمل رہ جاتا ہے۔''(1)

بِسْمِ اللّٰہ شریف اور حمد دونوں سے ابتدا کرنے کی دونوں مختلف روایتوں میں باہم کوئی تعارض (یعنی ٹکراؤ) نہیں کیونکہ یہاں مراد حمدِ عرفی بیان کرنا ہے اور یہ زبان کے فعل سے زیادہ عام ہے کہ یہ دل سے بھی ہوسکتی ہے، لہٰذا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں زبان سے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھی جائے اور دل سے حمد کہہ لی جائے جیسا کہ **تفسیرِ بیضاوی** کے آغاز میں ہے۔ پس بندے کا زبان سے ذکر کرنا دل میں موجود شے سے آگاہ کرنے اور اس کی تاکید بیان کرنے کے لئے ہے۔

اُمَّت کی اَقسام:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اُمَّت دو طرح کی ہے:

(۱)......**اُمَّتِ اِجابت:** اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضور نبی کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر ایمان لائے۔

(۲)......**اُمَّتِ دعوت:** اس میں ہر وہ مخلوق شامل ہے جس کی طرف رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم مبعوث ہوئے ہیں۔

ہم اُمَّتِ وسط ہیں:

اُمَّتِ وسط سے مراد یہ ہے کہ پروردگار عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں یعنی اس امت کو نیک و عادل بنایا اور علم وعمل سے مزین فرمایا۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں جہاں **اُمَّتِ وسط** کا ذکر کیا تو اس کے فوراً بعد ارشاد فرمایا:

لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (پ۲، البقرۃ:۱۴۳) ترجمۂ کنزالایمان: کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔

اور یہ اس لئے کہ شہادت و گواہی کا منصب عدالت (یعنی قابل گواہی ہونے) کا محتاج ہے، اسی سے حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ہر مسلمان کو عادل قرار دینے کی دلیل مضبوط ہوتی ہے جبکہ شوافع رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ یہ حکم کُل کے اعتبار سے ہے نہ کہ افراد کے اعتبار سے۔ کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (پ۲۸، الطلاق:۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کرلو۔

---

(1)......السنن الکبری للسنائی، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب ما یستحب من الکلام عند الحاجۃ، الحدیث: ۱۰۳۲۸، ج۶، ص۱۲۷.

جب اطراف (یعنی دونوں جانبیں) ایسی ہوں کہ ان میں خلل بہت جلد پیدا ہوسکتا ہو اور وسط حد درجہ محفوظ مقام ہو تو وسط کی تفسیر **عدل** سے کی جائے گی کیونکہ عدل اطراف کے درمیان ایک توازن کا نام ہے کہ کسی بھی ایک طرف اس کا جھکاؤ نہیں ہوتا۔ یہ بات حضرت سیِّدُنا ابنِ اقبرس رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۸۶۲ھ) نے اپنی کتاب **فَتْحُ الصَّفَا شَرْحُ الشِّفَا** میں بیان فرمائی۔

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''وسط درحقیقت اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے کسی میدان کے قرب وجوار کا علاقہ ایک جیسی مسافت پر ہو۔ اس کے بعد یہ لفظ بطورِ استعارہ اچھی عادات کے لئے استعمال ہونے لگا کیونکہ یہ عادات بھی افراط وتفریط کی دونوں اطراف کے درمیان واقع ہوتی ہیں، مثلاً اسراف اور بخل کی درمیانی حالت جود وسخا ہے اور ظلم اور بزدلی کی درمیانی حالت شجاعت ہے۔ پھر باقی اسمائے صفات کی طرح اس کا اطلاق بھی ہر اس فرد پر ہونے لگا جو ایسی صفات کا حامل ہو خواہ وہ اکیلا ہو یا بہت سے افراد ہوں، مذکر ہوں یا مؤنث۔'' (1)

قرآن وحدیث سے الفاظ کا اقتباس:

ماقبل میں **اُمَّتِ وسط** کے الفاظ بیان ہوئے، درحقیقت یہ قرآنِ کریم کی ایک آیتِ مبارکہ سے اقتباس ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (پ۲، البقرۃ: ۱۴۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب اُمّتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان وگواہ۔

اور **خَیْرَ اُمَمٍ** بھی قرآنِ کریم کی اس آیتِ مبارکہ کا اقتباس ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (پ۴، ال عمران: ۱۱۰)

ترجمۂ کنز الایمان: تم بہتر ہو ان سب اُمّتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

---

(1) ......تفسیر البیضاوی، سورۃ البقرۃ ۔تحت الایۃ: ۱۴۳ جعلنکم امۃ وسطا، ج۱، ص۴۱۵.

اقتباس اور اس کا شرعی حکم:

اقتباس اصل میں وہ کلام ہے جو قرآن وحدیث کے کچھ الفاظ کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہو لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ کلام قرآن وحدیث کا ہی ایک جزو ہے۔ جیسا کہ علمائے علم البدیع رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''(بطورِ اقتباس) الفاظ میں تبدیلی یا کمی نقصان نہیں دیتی۔''

حضرت سیِّدُنا کازرونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی بعد ۱۱۰۲ھ) حاشیہ بیضاوی میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اقتباس میں قرآن وحدیث کے چند الفاظ استعمال کرنا ضروری ہے مگر بغیر کسی کمی بیشی کے قرآن وحدیث کا اقتباس ہی ذکر کر دینے میں کچھ الفاظ لانا ضروری نہیں۔''

خَیْرَ اُمَّۃ سے مراد کون ہیں؟

اس سے مراد یہ ہے کہ اُمَّتِ محمدیہ کا سب سے بہتر اُمَّت ہونا لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے یا یہ مراد ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم میں ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ اُمَّتوں کے درمیان یہی سب سے بہتر ہے۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمان ''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ'' سے مراد یہ ہے کہ ''تم لوح محفوظ میں یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم میں یا گذشتہ اُمَّتوں سے بہترین اُمَّت ہو اور یہ زمانہ ماضی کی تمام امتوں سے اس امت کے بہتر ہونے پر دلیل ہے، ہاں! یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ فضیلت عارضی طور پر ملی اور ختم ہوگئی۔ جیسا کہ یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾ (پ۵، النسآء ۹۶)　ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابنِ اقبرس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۶۲ھ) فرماتے ہیں: ''خَیْرَ اُمَّۃٍ سے مراد افضل اُمَّت ہے۔ اس کی وجوہات یہ ہیں کہ،

حضور رحمتِ عالم، نورِ مجسم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا دین تمام دینوں سے بہتر ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف　ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ (پ۳، ال عمران: ۱۹)

اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ، ملائکہ اور اہلِ علم کی شہادت (گواہی) ہے اور بطورِ گواہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کافی ہے۔اور یہ دین اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے پیارے آقا، مدینے والے مصطفےٰ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے وسیلہ سے بندوں پر بہت بڑی نعمت ہے۔''

حضرت سیِّدُنا سلمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی ۴۱۲ھ) اپنی کتاب ''حقائق'' میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: ''یہ اس اُمَّت کی مدح ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یہ شان نہیں کہ پہلے کسی ایک قوم کی تعریف فرمائے اور پھر اسے عذاب میں مبتلا کرے۔''

حضرت سیِّدُنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''ہم جو نیکی کا حکم دیتے ہیں وہ قرآن وسنت کے موافق ہے (لہٰذا ہم افضل اُمت ہیں)۔''

حضرت سیِّدُنا امام احمد بن محمد قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) کی کتاب ''اَلْمَوَاہِبُ اللَّدُنِّیَّة'' میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا امام ابوحجاج مجاہد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۱۰۴ھ) نے ارشاد فرمایا: ''تم لوگوں میں ظاہر ہونے والی اُمَّتوں میں سب سے بہتر اُمَّت اسی وقت کہلاؤ گے جب تمہارے اندر آیت مبارکہ میں بیان کردہ شرائط پائی جائیں یعنی جب تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو۔''

ایک قول یہ بھی منقول ہے:

''اُمَّتِ محمد یہ سب سے بہترین اُمَّت اس لئے ہے کہ ان میں سے جو مسلمان ہیں ان کی اکثریت نیکی کا حکم دیتی ہے اور اپنے درمیان ظاہر ہونے والی برائی سے منع کرتی ہے۔''

ایک قول یہ ہے کہ ''یہ فضیلت حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے لئے ہے۔ جیسا کہ رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ورضی اللہ تعالٰی عنہا کا فرمانِ غیب نشان ہے: ''سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں اور پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں اور پھر ان کے بعد والے لوگ سب سے بہتر ہیں۔'' (1)

یہ حدیثِ پاک اس بات پر دلیل ہے کہ اس اُمَّت کے ابتدائی لوگ اپنے بعد والوں سے افضل ہیں۔ بعض علما

(1)......صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ، الحدیث: ۳۶۵۱، ص ۲۹۷.

کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی بات کواختیار فرمایا ہے۔ [1]

شرفِ صحابیت کی فضیلت وعظمت:

جمہور علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ ''جس (مسلمان) نے بھی (ظاہری حیات شریفہ میں) حضور نبئ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی صحبت اختیار کی یا جو زندگی میں صرف ایک ہی دفعہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی زیارت سے مشرَّف ہوا وہ اپنے بعد کے تمام افراد (یعنی صحبت وزیارت سے محروم لوگوں) سے افضل ہے، کیونکہ سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی صحبت کی فضیلت کے مقابلے میں کوئی عمل شمار نہیں کیا جاسکتا۔''

بن دیکھے ایمان لانے والوں کی شان:

حضرت سیِّدُ نا امام ابوعمر ابن عبد البَر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد والے لوگ ان میں سے بعض سے افضل ہوسکتے ہیں اور شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، اَنِیْسُ الغَرِیْبِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمانِ عالیشان کہ ''بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں۔'' سے عام حکم مراد نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ زمانہ، فاضل (یعنی فضیلت رکھنے والے) اور مفضول (یعنی جس پر فضیلت دی گئی ہو) دونوں پر مشتمل ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ مَحبوبِ ربُّ العلمین، جنابِ صادق وامین عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک زمانے میں منافقین کی جماعت بھی تھی جو ظاہراً ایمان والے تھے اور اسی طرح کچھ کبیرہ گناہوں کے مرتکب بھی ہوئے جن پر حدود قائم کی گئیں۔ اس بات کی تائید احادیثِ شریفہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُ نا ابواُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سراجُ السَّالِکِیْن، مَحبوبِ ربُّ العٰلَمِیْن عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے میری زیارت کی اور ایک مرتبہ مجھ پر ایمان لایا اور مبارک ہو اس کو جس نے میری زیارت نہیں کی پھر بھی مجھ پر سات مرتبہ ایمان لایا۔'' [2]

---

[1] ......المواھب اللدنیة ،المقصدالرابع، الفصل الثانی، ج۲، ص۳۱۹.

[2] ......المسند للامام احمد بن حنبل ، حدیث ابی امامة الباھلی ، الحدیث: ۲۲۲۷۷، ج۸ ،ص ۲۸۵تا۲۸۶،بتقدم و تاخر.

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ ناعمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مَیں رحمتِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ سراپا عظمت میں حاضر تھا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو ایمان کے لحاظ سے سب سے افضل کون لوگ ہیں؟'' ہم نے عرض کی: ''فرشتے۔'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''یہ ان کا حق ہے، لیکن میری مراد کچھ اور لوگ ہیں۔'' ہم نے عرض کی: ''انبیا کرام عَلَیۡہِمُ السَّلَام۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اگرچہ یہ ان کا حق ہے لیکن یہ وہ نہیں۔'' پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے خود ہی ارشاد فرمایا: ''ایمان کے لحاظ سے سب سے افضل وہ لوگ ہیں جو ابھی مَردوں کی صُلبوں میں ہیں، وہ مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے لہٰذا ایمان کے اعتبار سے سب سے افضل وہی لوگ ہیں۔''

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُ ناعمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت سیِّدُ ناسالم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ پیغام لکھا کہ ''مجھے حضرت سیِّدُ ناعمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرتِ طیبہ لکھ کر بھیجیں تاکہ میں اس پر عمل کروں۔'' چنانچہ، حضرت سیِّدُ ناسالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں یہ تحریر روانہ کی: ''اگر آپ نے حضرت سیِّدُ ناعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرتِ طیبہ پر عمل کیا تو آپ کا مرتبہ ان سے بلند ہوگا کیونکہ آپ کا زمانہ حضرت سیِّدُ ناعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے جیسا نہیں اور نہ ہی آپ کے رفقا حضرت سیِّدُ ناعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفقا جیسے ہیں۔'' اس تحریر کے بعد حضرت سیِّدُ ناعمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے کے تمام فقہا کرام رحمہم اللہ السلام کو حضرت سیِّدُ ناسالم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجے گئے مکتوب کی طرز پر ایک ایک مکتوب روانہ کیا تو ان سب نے بھی حضرت سیِّدُ ناسالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل جواب لکھا۔''

حضرت سیِّدُ ناابو عمر ابن عبد البر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۶۳ھ) ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ان سب روایات کا حدِّ تواتر تک پہنچا ہوا ہونا اور حَسَن ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اصحابِ بدر و حُدَیبیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علاوہ اس اُمَّت کے پہلے اور بعد والے افراد عمل کی فضیلت میں برابر ہیں۔ **الغرض!** جو بھی اس میں غور و فکر کرے گا اس پر حقیقت واضح ہو جائے گی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے۔[1]

......التمہید لابن عبدالبر، العلاء بن عبد الرحمن، تحت الحدیث: ۵۷۲، ج۸، ص ۳۱۹ و ۳۲۴ و ۳۲۷.

حضرت سیِّدُ نا ابوداوٗد طیالسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حضرت سیِّدُ نا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک بیان کردہ حدیث کی اسناد ضعیف ہیں لہٰذا قابلِ حجت نہیں۔ البتہ حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل، حضرت سیِّدُ نا امام دارِمی اور حضرت سیِّدُ نا امام طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سیِّدُ نا ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: ''یارسول اللہ عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! ہم نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا تو کیا ہم سے بھی کوئی افضل ہے؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! وہ ایک قوم ہے جو تمہارے بعد ہوگی اور مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائے گی۔'' (1)

اس روایت کی سند حَسَنُ ہے اور حضرت سیِّدُ نا امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

قولِ فیصل:

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) مگر حق وہی ہے جو جمہور علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مؤقف ہے کہ ''**صحبت وزیارتِ رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے مشرّف ہو کر مرتبۂ صحابیت پر فائز ہونے کی فضیلت کا مقابلہ کوئی بھی نیک عمل نہیں کرسکتا۔**'' نیز صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی دیگر مسلمانوں پر افضلیت ظاہر کرنے والے بہت سے دلائل ہیں جن کو ذکر کر کے ہم بحث کو طویل نہیں کرنا چاہتے۔ ہاں! جمہور علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضرت سیِّدُ نا ابوعمر بن عبد البر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۶۳ھ) کے مؤقف میں تطبیق (یعنی موافقت) ہوسکتی ہے اور وہ اس طرح کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فضیلت اس صحبت کی وجہ سے ہو جس کے مقابل کوئی بھی نیک عمل نہیں ہوسکتا اور ان کے علاوہ بقیہ افراد کی فضیلت کسی دوسری وجہ سے ہو۔ اگر یہ توجیہہ مان لی جائے تو پھر احادیثِ مبارکہ میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَم.

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

......سنن الدارمی، کتاب الرقاق، باب فی فضل آخر ھذہ الامة، الحدیث: ۲۷۴۴، ج۲، ص ۳۹۸۔
المواھب اللدنیة، المقصد الرابع، الفصل الثانی، ج۲، ص۳۱۹۔۳۲۰۔

دُرودِ پاک کا بیان

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ مَنْ اُوْتِیَ النُّبُوَّۃَ وَالْحِکَم

﴿اور درود وسلام ہو نبوت وحکمت پانے والے تمام انبیاء (عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) سے افضل ہستی

(حضرت محمد مصطفٰی، احمد مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) پر﴾

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درود بھیجنے کا مطلب:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درود بھیجنے سے مراد اس کا رحمت فرمانا ہے اور اس کا معنی ہے: ''آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی شریعت کی عظمت بیان کرنا، قیامت تک اس کو باقی رکھنا اور آخرت میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی شفاعت اُمت کے حق میں قبول فرمانا۔''

فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب:

اس سے مراد فرشتوں کا آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے حق میں استغفار کرنا ہے اور یہ اسی باب سے ہے جیسا کہ حضور نبیٔ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے خود ارشاد فرمایا: ''بعض اوقات میرے دل پر پردہ[1] آجاتا ہے اور میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں روزانہ 100 مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔''[2]

---

1 ...... مذکورہ حدیثِ پاک میں ''لَیُغَانُ'' کا لفظ آیا ہے، اس کی وضاحت اور شرح کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ اللہ المنّان ارشاد فرماتے ہیں: ''یُغَانُ، غَیْن سے بنا بمعنی پردہ، اسی لئے سفید بادل کو غین کہا جاتا ہے۔ اس پردے کے متعلق شارحین نے بہت خامہ فرسائی کی ہے۔ (پھر کچھ اقوال نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں) حق یہ ہے کہ یہاں ''غَیْن'' سے مراد اپنی امت کے گناہوں کو دیکھ کر غم فرمانا ہے، اور اِسْتِغْفَار سے مراد ان گنہگاروں کے لئے اِسْتِغْفَار کرنا ہے، حضور انور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم تا قیامت اپنی امت کے سارے حالات پر مطلع ہیں، ان گناہوں کو دیکھتے ہیں، دل کو صدمہ ہوتا ہے، اس صدمہ کے جوش میں انہیں دعائیں دیتے ہیں (لمعات، مرقات، اشعہ وغیرہ) اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے: ''عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَاعَنِتُّمْ (التوبہ: ۱۲۸) اے مسلمانو! تمہاری تکلیفیں ان پر گراں ہیں۔

(مراۃ المناجیح، ج۳، ص۳۵۳)

2 ......سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار، الحدیث: ۱۵۱۵، ص۱۳۳۵.

مؤمنین کے درود بھیجنے کا مطلب:

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشادفرماتے ہیں) میرے والدمحترم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "اَلْاَحْکَام" میں ارشادفرمایا کہ مؤمنین کے درودِ پاک پڑھنے سے مراد ان کا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے مقامِ محمود پر مبعوث ہونے کی دعا مانگنا ہے۔ مگر ہمارے لئے اس سے وہی معنی مراد لینا بہتر ہے جس کا حکم خود محبوبِ ربُّ العزت، محسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہمیں اپنے اس ارشاد پاک میں فرمایا: "میرے لئے وسیلہ، فضیلت اور ارفع واعلیٰ درجات کا سوال کیا کرو۔"[1]

درود بھیجنے کے متعلق اقوال:

"اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّيَّة" میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابوالعالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درود بھیجنے سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرشتوں کے سامنے حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تعریف وثنا کرنا ہے اور فرشتوں کے درود بھیجنے سے مراد فرشتوں کا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے حق میں دُعا کرنا ہے۔"

حضرت سیِّدُنا احمد بن علی بن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۸۵۲ھ) "فَتْحُ الْبَارِی شَرْحُ صَحِیْحِ الْبُخَارِی" میں فرماتے ہیں: "یہ قول سب اقوال سے بہتر اور مناسب ہے پس اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درود بھیجنے کا معنی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تعریف وثنا اور عظمت بیان کرنا ہے اور فرشتوں اور دیگر کے درود بھیجنے کا معنی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے تعریف وعظمت (میں زیادتی) کا سوال کرنا ہے۔"

حضرت سیِّدُنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ "فرشتوں کے درود بھیجنے سے مراد برکت کی دُعا کرنا ہے۔"

حضرت سیِّدُنا ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت سیِّدُنا مقاتل بن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ "اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درود بھیجنے سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے مغفرت فرمانا اور فرشتوں کے درود بھیجنے سے مراد استغفار ہے۔"

---

[1] ......المعجم الاوسط، الحدیث: ٦٣٣، ج١، ص١٩٠، مختصرًا۔ المعجم الکبیر، الحدیث: ٩٧٩٠، ج١٠، ص١٤ مفهومًا.

حضرت سیِّدُ نا ضحاک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درود بھیجنے سے مراد اس کی رحمت ہے۔'' جبکہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درود بھیجنے سے مراد اس کا مغفرت فرمانا ہے اور فرشتوں کے درود بھیجنے سے مراد دُعا کرنا ہے۔''

یہ دونوں اقوال حضرت سیِّدُ نا اسماعیل قاضی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۲۸۲ھ) نے حضرت سیِّدُ نا ضحاک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت کیے ہیں اور گویا انہوں نے مغفرت وغیرہ سے دُعا مراد لی ہے۔

امام مبرد (متوفی ۲۸۶ھ) کہتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے درود بھیجنا ہو تو اس کا معنی رحمت فرمانا ہے اور ملائکہ کی طرف سے ہو تو اس سے مراد ایسی رقت ہے جو رحمت کی دعا مانگنے پر ابھارتی ہے۔''

نیز وہ اس طرف بھی گئے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے خود اپنی لاریب کتاب قرآنِ کریم میں صلوۃ اور رحمت کو الگ الگ بیان فرمایا ہے تو پھر صلوۃ سے رحمت کس طرح مراد لی جا سکتی ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف (پ۲، البقرۃ ۱۵۷)

ترجمۂ کنز الایمان: یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت۔

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان: ''صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴿۵۶﴾ (پ۲۲، الاحزاب: ۵۶) ترجمۂ کنز الایمان: ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔'' سے صلوۃ اور رحمت میں فرق سمجھا تو اس کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا حالانکہ ان کو سلام یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهٗ[1] کی تعلیم دینے میں رحمت کا ذکر ہو چکا تھا پھر بھی شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کی اس بات کی وضاحت فرما کر تصدیق فرما دی، پس اگر لفظ ''صلوۃ'' رحمت کے معنی میں ہوتا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم یقیناً ارشاد فرماتے کہ سلام کے ضمن میں تمہیں اس کی تعلیم دی جا چکی ہے۔

اور حضرت سیِّدُ نا حلیمی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۴۰۳ھ) نے صلوۃ کو سلام کے معنی میں استعمال کرنا جائز قرار دیا ہے حالانکہ یہ بات محلِ نظر ہے۔

---

[1] ......ترجمہ: اے نبی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! آپ پر سلامتی ہو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

اور یہ بھی منقول ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کا اپنی مخلوق پر درود بھیجنا کبھی تو خاص ہوتا ہے اور کبھی عام۔ پس انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر اس کے درود بھیجنے سے مراد اُن کی ثنا وعظمت بیان کرنا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر افراد پر درود بھیجنے سے مراد ایسی رحمت فرمانا ہے جو ہر شے پر حاوی ہے۔''

حضرت سیِّدُنا قاضی عیاض مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۵۴۴ھ) حضرت سیِّدُنا بکر قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۳۴۴ھ) کا فرمان نقل فرماتے ہیں کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے اپنے نبی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر درود بھیجنے سے مراد ان کے شرف اور مقام ومرتبہ میں زیادتی فرمانا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر افراد پر درود بھیجنے سے مراد اُن پر رحم فرمانا ہے۔''

اور اس بات سے حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اور سارے مؤمنین کے درمیان فرق واضح ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّؕ (پ۲۲،الاحزاب:۵۶)

ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔

جبکہ اسی سورۂ مبارکہ میں اس سے قبل ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ (پ۲۲،الاحزاب:۴۳)

ترجمۂ کنز الایمان: وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے۔

اور یہ بات سورج سے زیادہ واضح ہے کہ **صاحبِ معطر پسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ، فیض گنجینہ** صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی **قدر و منزلت ہر مؤمن کے مقام و مرتبہ سے حد درجہ ارفع واعلیٰ ہے۔**

درودِ پاک کے مقاصد وفوائد:

حضرت سیِّدُنا حلیمی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۴۰۳ھ) فرماتے ہیں: ''شفیعِ روزِ شمار، بِاِذْنِ پروردگار دوعالَم کے مالک ومختار عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر درودِ پاک پڑھنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم بجالاتے ہوئے اس کا قرب حاصل کیا جائے اور دوسرا یہ کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا ہم پر جو حق ہے اسے ادا کیا جائے۔''

حضرت سیِّدُنا ابنِ عبد السلام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۶۶۰ھ) نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''ہمارا

حضور نبیٔ اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم پر درودِ پاک بھیجنا ان کے لئے قطعاً کسی قسم کی سفارش کا باعث نہیں بنتا کیونکہ ہم جیسے انسان ان جیسی ہستی کی شفاعت کیسے کرسکتے ہیں؟ البتہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے محسنِ اعظم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے احسانات کا بدلہ دیں اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو ان کے حق میں دُعا کریں۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہماری حالت کے پیشِ نظر کہ ہم اپنے نبی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے احسانات کا بدلہ دینے سے عاجز ہیں تو ہمیں ان پر درودِ پاک بھیجنے کی تعلیم فرمائی۔'' حضرت سیِّدُنا شیخ ابومحمد مرجانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی سے بھی کچھ اسی طرح کا کلام منقول ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۵۴۳ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمَّت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم پر درودِ پاک پڑھنے کا فائدہ خود پڑھنے والے کو ہوتا ہے کیونکہ یہ بات اچھے عقیدے، خالص نیت، اظہارِ محبت، ہمیشہ فرمانبردار رہنے اور سرکارِ ابدِ قرار، شافعِ روزِ شمار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے واسطہ مبارکہ کو محترم جاننے پر رہنمائی کرتی ہے۔'' (1)

غیرِ نبی پر دُرُوْدِ پاک پڑھنے میں اختلاف:

حضرات انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر درود بھیجنے کے ضمن میں غیر نبی پر درود بھیجنا بالاجماع (یعنی بالاتفاق) جائز ہے۔ البتہ! اختلاف اس میں ہے کہ مستقل طور پر الگ سے غیرِ نبی پر درود بھیجا جائے۔

علیحدہ سے دُرُوْد بھیجنے کے دلائل:

جو علما کرام رحمہم اللہ تعالٰی غیرِ نبی پر علیحدہ مستقل طور پر دُرُوْد پڑھنے کو جائز کہتے ہیں وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان فرامینِ مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ (پ۲۲، الاحزاب: ۴۳)

ترجمۂ کنز الایمان: وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے۔

(1) ......المواهب اللدنية للقسطلانی، المقصد السابع، الفصل الثانی، ج۲، ص ۵۰۴ تا ۵۰۶.

﴿۲﴾

اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ قف (پ۲،البقرۃ:۱۵۷)

ترجمۂ کنز الایمان: یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت۔

﴿۳﴾

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَیْهِمْ ط (پ۱۱،التوبۃ:۱۰۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو، جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔

نیز انہوں نے اس حدیثِ پاک کو بھی دلیل کے طور پر پیش کیا جو حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شہنشاہِ ابرار، ہم غریبوں کے غمخوار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس جب کوئی گروہ اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرماتے: ''**یا اللہ** عَزَّوَجَلَّ! ان پر دُرُوْد بھیج۔'' میرے والدِ ماجد بھی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ بابرکت میں اپنی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوئے تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے یوں دُعا کی: ''**یا اللہ** عَزَّوَجَلَّ! **اَبی اَوْفٰی** کے گھر والوں پر دُرُوْد بھیج۔''[1] **(یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے)**

جمہور علما کا مذہب:

جمہور علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غیرِ نبی پر علیحدہ سے **مستقل** طور پر دُرُوْدِ پاک پڑھنا جائز نہیں کیونکہ جب بھی انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا ذکرِ خیر ہو تو یہ (درودِ پاک) ان کی پہچان بن چکا ہے، لہٰذا غیرِ نبی کو اس حکم میں ان کے ساتھ نہیں ملایا جا سکتا۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا: ''**ابوبکر** صلَّی اللہ علیہ وسلَّم یا **علی** صلَّی اللہ علیہ وسلَّم۔'' اگرچہ معنی کے اعتبار سے ایسا کہنا صحیح ہے۔ جیسا کہ یہ نہیں کہا جاتا: ''**محمد** عَزَّوَجَلَّ۔'' اگرچہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم عزّت وجلال کے مالک ہیں مگر پھر بھی ایسا نہیں کہا جاتا کیونکہ یہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے ذکرِ خیر کی پہچان ہے اور قرآن و حدیث میں غیر نبی پر دُرُوْد بھیجنے کا جو ذکر ہے، جمہور علما رحمہم اللہ تعالیٰ اس کو دعا پر محمول کرتے ہیں۔

[1] ......صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، الحدیث:۴۱۶۶، ص ۳۴۲.

بعض علما کرام رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: ''غیرِ نبی پر دُرُوْد بھیجنا جائز نہیں کیونکہ یہ اہلِ ہوا (یعنی اہل بدعت) کی علامت و پہچان بن چکی ہے اور وہ جن کو معصوم سمجھتے ہیں ان پر دُرُوْد بھیجتے ہیں۔ پس اس میں ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔''

حضرت سیِّدُنا امام یحیٰی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے اپنی کتاب ''اَلْاَذْکَار'' میں نقل کیا ہے: ''جو علما کرام رحمہم اللہ السلام غیر نبی پر دُرُوْدِ پاک بھیجنے سے منع فرماتے ہیں ان کا باہم اس بات پر اختلاف ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے یا مکروہِ تنزیہی یا صرف خلافِ اَولیٰ؟ یہ تین اقوال ذکر کرنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''صحیح قول وہی ہے جس پر اکثر علما کرام رحمہم اللہ السلام کا اتِّفاق ہے کہ یہ مکروہِ تنزیہی ہے، کیونکہ یہ بدعتیوں کا شعار ہے اور ہمیں ان کا شعار اپنانے سے منع کیا گیا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم یعنی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ بہتر جانتا ہے۔''[1]

سلام بھیجنے کا مفہوم:

''ہر نقصان دہ چیز سے سلامتی کی دعا'' کو سلام کہتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے سلامت رکھے۔ درودِ پاک کی طرح غیرِ نبی پر سلام بھی مستقل طور پر نہیں بھیجا جا سکتا۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں: ''علی عَلَیْہِ السَّلَام'' اور سلام بھیجنے میں زندہ اور مردہ دونوں برابر ہیں مگر جس حاضر فرد سے کلام کیا جارہا ہو اسے عَلَیْکَ السَّلَام کہہ سکتے ہیں۔

صلوٰۃ وسلام اکٹھا پڑھنا چاہیے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مبارک فرمان پر عمل کرتے ہوئے درود وسلام کو اکٹھا پڑھنا چاہیے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (پ۲۲، الاحزاب ۵۶)

ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

نیز اس لئے بھی ایک کو دوسرے سے الگ کر کے نہ پڑھے کہ یہ مکروہ ہے اگرچہ غلطی سے پڑھا ہو اور علما کرام رحمہم اللہ السلام نے اس بات کی وضاحت وصراحت فرمائی ہے کہ ''درود وسلام کو ترک کرنا یا ان میں سے کسی ایک پر اکتفا

[1] ......الاذکار للنووی، کتاب الصلاۃ علی رسول اللہ ﷺ، باب الصلاۃ علی الانبیاء علیہم السلام......الخ، ص ۱۰۰.

کرنا مکروہ ہے۔''بعض کے نزدیک یہاں مکروہ سے مراد خلافِ اولیٰ ہے جو کہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ درود وسلام پڑھنا باعثِ اجر ہے اور دونوں کے ترک کرنے یا کسی ایک کے ترک کرنے سے حاصل ہونے والا اَجروثواب نہیں ملتا اور یہ اَوْلٰی وافضل شیئ کا ترک ہے۔ (سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں) یہ ساری گفتگو میرے والدِ ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد نے اپنی کتاب ''اَلْاَحْکَام''میں بیان فرمائی ہے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ اور رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کا استعمال:

صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ اور تابعین عظام، ان کے بعد والے علما کرام، عبادت گزاروں اور تمام اولیا کرام کے ناموں کے ساتھ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کہنا مستحب ہے۔

سوال: کیا اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے؟ یعنی اولیا وعلما کرام کے لئے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ اور صحابہ کرام کے لئے رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کہہ سکتے ہیں؟

جواب: بعض علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ صحابۂ کرام کے ساتھ خاص ہے اور ان کے علاوہ باقی سب کے ساتھ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کہا جائے گا۔'' جبکہ حضرت سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''یہ صحیح نہیں، بلکہ صحیح وہی ہے جو جمہور علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ ایسا کہنا مستحب ہے اور اس کے بے شمار دلائل ہیں۔

سوال: وہ مبارک ہستیاں جن کے نبی ہونے میں اختلاف ہے مثلاً حضرت سیِّدُنا ''ذوالقرنین'' اور حضرت سیِّدُنا ''لقمان'' ان کے نام کے ساتھ کیا استعمال کیا جائے؟

جواب: بعض علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں جو کلام فرمایا ہے اس سے تو یہی سمجھ آتا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ بھی درود وسلام پڑھا جائے گا۔ جبکہ حضرت سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ ان کے نام کے ساتھ بھی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کہا جائے کیونکہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کہنا غیرِ نبی کا مقام ومرتبہ ہے اور ان کا نبی ہونا ثابت نہیں۔''[1]

[1] ......الاذکار للنووی، کتاب الصلاۃ علی رسول اللہ ﷺ، باب الصلاۃ علی الانبیاء علیہم السلام......الخ، ص ۱۰۱.

سوال: کیا ملائکہ پر بھی مستقل طور پر درود و سلام بھیجا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت سیِّدُ نا امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۷۱۰ھ) اپنی کتاب ''کَنْزُ الدَّقَائِق'' کے آخر میں **مسائلِ شَتّی** (یعنی مختلف مسائل) کے باب میں فرماتے ہیں: ''حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر دُرُود وسلام پڑھے بغیر مستقل طور پر نہ تو کسی غیرِ نبی انسان پر دُرُود و سلام بھیج سکتے ہیں اور نہ ہی کسی فرشتے پر۔'' (1)

اذکارِ نووی میں حضرت سیِّدُ نا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے ان تمام دلائل کو جمع فرمایا ہے جو انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام اور فرشتوں پر مستقل طور پر درود و سلام کے جائز اور مستحب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

لفظ نُبُوَّت کی تحقیق

لغوی معنی:

لفظ نُبُوَّت ہمزہ کے ساتھ ہو تو نَبَأ سے ماخوذ ہوگا جس کا لغوی معنی ''خبر دینا'' ہے اور کبھی سہولت کی خاطر اسے ہمزہ کے بغیر بھی پڑھا جاتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جس ہستی کو اپنے غیب پر آگاہ فرمایا اور اسے بتایا کہ وہ اس کا نبی ہے۔ پس وہ ایسا نبی ہے جو دوسروں کو غیب کی خبریں دینے والا ہے یا اس چیز کی خبر دینے والا ہے جس کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے مبعوث فرمایا اور جن امور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے آگاہ فرمایا وہ ان کو آگے بتانے والا ہے۔

اگر ہمزہ کے بغیر ہو تو **نُبُوَّۃٌ** سے مشتق ہوگا جس کا معنی بلند زمین ہے یعنی نبی، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اعلیٰ وارفع مقام پر فائز اور شریف المرتبہ ہوتا ہے۔

حضرت سیِّدُ نا امام بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۹۴ھ) فرماتے ہیں: ''حضرت سیِّدُ نا نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پورے قرآنِ کریم میں اس لفظ کو ''النبیء'' ہمزہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔''

مختار قول یہ ہے کہ ہمزہ کو ترک کر دیا جائے کیونکہ حضور نبی کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی لغت بھی یہی ہے۔ مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یا نبیء اللّٰہ.'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے

(1) ...... کنز الدقائق، کتاب الخنثی، باب فی مسائل شتّٰی، ص۴۹۷.

اس سے ارشاد فرمایا: ''میں نبیءُ اللّٰہ نہیں بلکہ نبیُّ اللّٰہ[1] ہوں۔'' [2]

اس حدیثِ پاک میں نبیٔ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس بات کا انکار فرمایا کہ انہیں نبیءُ اللّٰہ کہا جائے کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی لغت میں یہ لفظ اس طرح نہیں تھا۔ [3]

حضور نبیٔ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے انکار فرمانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لغت کے امام، امام جوہری (متوفی ۳۹۳ھ) اور امام صاغانی فرماتے ہیں: اس لفظ سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس لئے انکار فرمایا کیونکہ اس لفظ سے اعرابی کی مراد یہ تھی کہ ''اے وہ ذات جس نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی!'' کیونکہ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتا ہے تو کہتا ہے: ''نَبَأْتُ مِنْ اَرْضٍ اِلٰی اَرْضٍ یعنی میں نے ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کی۔''

شرعی معنی:

نُبُوَّت کا شرعی معنی یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کسی آزاد مرد (جو غلام نہ ہو) کی طرف شرعی حکم وحی کرنا خواہ اس کی تبلیغ کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ لہٰذا یہ رسالت سے عام ہے کیونکہ بیان کردہ تعریف کے علاوہ رسالت میں تبلیغ کا حکم لازمی طور

---

[1]......اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد حضرت سیدنا امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''ابو علی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (اس کے بعد آپ فرماتے ہیں) اس حدیث کے ضعیف ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی مدح کرنے والے شاعر (صحابی) نے سرکارِ مدینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو مخاطب کرکے یاخاتمَ النباء (یعنی اے آخری نبی) کہا (اور ہمزہ کے ساتھ نباء لفظ نبیء بالھمزہ کی جمع ہے) اور سرکارِ مدینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا اس بات سے انکار منقول نہیں۔''

(الجامع لاحکام القران للقرطبی تحت الایة:٦١ ''لاتدخلوا بیوت النبی..... الایة، ج ١، ص٣٤٩)

[2]......المستدرک، کتاب التفسیر، باب القراء ت، الحدیث:٢٩٦١، ج٢، ص٦٠٥.

[3]......اس بات کا علماء نے انکار فرمایا کہ لفظ نبیء بالھمزہ سرکار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی لغت میں نہیں تھا۔ چنانچہ ''تاج العروس'' میں ہے کہ ''حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس بناء پر انکار نہیں فرمایا کہ لفظ نبی بالھمزہ سرکار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی لغت میں نہیں تھا جیسا کہ بعض علماء نے گمان کیا اس کی تائید اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان ''لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا (پ١، البقرة، ١٠٤) ترجمۂ کنزالایمان: راعنا نہ کہو۔'' سے ہوتی ہے۔ کیونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو رَاعِنَا کہنے سے اس لئے منع فرمایا گیا کیونکہ یہودی اسے رِعَایَۃ کے بجائے رَعُوْنَۃ سے مشتق کرکے حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو رَاعِنَا کہتے تھے۔'' (تاج العروس، باب الھمز، تحت نبأ، ص٢٣١)

اس مسئلہ کی تفصیل جاننے کے لئے ''مقالات کاظمی''، حصہ سوم، ''لفظ نبی کی تحقیق'' کا مطالعہ فرمالیجئے۔

پر پایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں (یعنی نبوت اور رسالت) کے درمیان مساوات (برابری) پائی جاتی ہے۔جیسا کہ ہم نے اس پر مفصَّل بحث اپنی کتاب اَلْمَطَالِبُ الْوَفِیَّة میں کی ہے۔

انبیاورُسُل عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کی تعداد:

احادیثِ مبارکہ میں انبیا کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کی جو تعداد مروی ہے وہ (کم وبیش) ایک لاکھ چوبیس ہزار (1,24,000) ہے، جن میں سے تین سوتیئس (323) رسول ہیں۔جن میں کفار کی طرف مبعوث ہونے والے سب سے پہلے رسول حضرت سیِّدُ نا نوح عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام ہیں۔اپنی اولاد کی جانب مبعوث ہونے والے سب سے پہلے رسول حضرت سیِّدُ نا آدم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام ہیں۔ان کی اولاد کافر نہ تھی اور حضرت سیِّدُ نا آدم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کی رسالت محض اپنی اولاد کو ایمان کی تبلیغ کرنا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت پر ابھارنا تھا اسی طرح ان کے بعد حضرت سیِّدُ نا شیث عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام آئے۔

قلم اِیجاد کرنے والے رسول عَلَیۡہِ السَّلَام:

حضرت سیِّدُ نا ادریس عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام وہ پہلے رسول ہیں جنھوں نے سب سے پہلے قلم ایجاد کیا۔آپ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُوَ السَّلَام نے علمِ نجوم اور حساب میں غور وفکر کیا۔نیز آپ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام نے ہی سب سے پہلے کپڑے سی کر پہنے حالانکہ لوگ چمڑے کے ٹکڑوں کو بطورِ لباس پہنا کرتے تھے۔یہ ساری تفصیل ''فَتْحُ الصَّفَا لِاِبْنِ اَقْبَرَس'' سے لی گئی ہے۔(جائز و ناجائز علوم کا بیان اسی کتاب کی دوسری جلد میں آئے گا۔اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ۔علمیہ)

لفظ ''حِکَم'' کی وضاحت

طریقہ محمدیہ کے خطبہ میں استعمال ہونے والا لفظ ''حِکَم'' یہ لفظ ''حِکْمَة'' کی جمع ہے۔اس کی شرح میں علما کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے کئی اقوال ہیں۔جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱)......حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:''حکمت سے مراد علم کی تحقیق اور عمل کی پختگی ہے۔''

(۲)......حقائقِ سلمی میں ہے کہ ''حکمت علمِ لَدُنی[1] کا نام ہے۔''

(۳)......حکمت! ایک ایسے اشارے کا نام ہے جس میں کوئی علّت نہ ہو۔

(۴)......حکمت! ہر حالت میں حق کی گواہی دینے کا نام ہے۔

(۵)......حکمت! دل کو الہام کے لئے تمام اشیاء سے خالی کرنے کا نام ہے۔

(۶)......حضرت سیِّدُنا ابوعثمان علیہ رحمۃ اللہ المنّان فرماتے ہیں: ''حکمت سے مراد الہام اور وسوسوں کے درمیان فرق کرنے والا نور ہے۔ کیونکہ میں نے حضرت سیِّدُنا منصور بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سیِّدُنا کتانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام کو اپنی مخلوق کے نفوس کی اصلاح کرنے کے لئے مبعوث فرمایا اور ان کے دلوں کی راہنمائی کے لئے کتاب اُتاری اور مخلوق کی ارواح کی تسکین کے لئے حکمت نازل فرمائی۔ پس رسول، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اوامر کی دعوت دینے والے، کتاب اس کے احکام کی طرف بلانے والی اور حکمت اس کے فضل تک رسائی کا طریقہ بتانے والی ہے۔''

(۷)......حکمت یہ ہے کہ ''حق تجھ پر اپنے فیصلے نافذ کرے نہ کہ نفسانی شہوات تجھ پر اپنا تسلط جمالیں۔''

(۸)......حضرت سیِّدُنا عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''حکمت، **کتابُ اللہ** (یعنی قرآن کریم) میں فہم وادراک پیدا کرنے کا نام ہے اور جسے **کتابُ اللہ** میں غور وفکر کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قرب کا وافر حصہ مل گیا۔''

(۹)......حکمت سے مراد نبوت ہیں۔

(۱۰)......حکمت سے مراد خشیتِ الٰہی (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف) ہے۔

سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم:

رسولِ اکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان تمام سے افضل ہیں جنہیں نبوت وحکمت عطا فرمائی گئی یعنی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تمام انبیا واولیا سے افضل ہیں اور فرشتے اولیا کرام میں شامل ہیں۔

---

[1]......علم لدُنی سے مراد ہے: ''وہ علم جو محض فیضِ الٰہی والقائے ربّانی سے حاصل ہوا ہو اور اس میں اپنی محنت یا کسی استاذ کی تعلیم کا دخل نہ ہو۔'' (اردو لغت، ج۱۳، ص۵۱۷)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کافرمانِ عالیشان ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (پ۳،البقرۃ:۲۵۳)

ترجمۂ کنز الایمان: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

اس آیت کے تحت **مفسرینِ کرام** رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَ السَّلَام سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔لیکن اس آیتِ مبارکہ میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کلام فرمانا صرف حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کے ساتھ ہی خاص ہے کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَولاک، سیّاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے بھی (بلاواسطہ) کلام فرمایا اور یہ ضروری نہیں کہ جس ہستی میں یہ وصف پایا جائے اسے ویسا ہی نام بھی دیا جائے (یعنی کلیم اللہ کہا جائے)۔

تین اعتبار سے رفعت:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو تین اعتبار سے رفعت عطا فرمائی: (۱)......جسمانی معراج کی رفعت عطا فرمائی (۲)......تمام انسانوں کی سرداری کا شرف عطا فرمایا اور (۳)......ایسے معجزات عطا کئے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے۔

حضرت سیِّدُنا قاضی عیاض مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۵۴۴ھ) نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی دیگر انبیا کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام پرفضیلت کے بارے میں جو روایات ذِکر کی ہیں ان کے بارے میں علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اس فضیلت سے مراد دنیاوی فضیلت ہے جس کی تین حالتیں ہیں: (۱)......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے معجزات واضح و مشہور ہیں (۲)......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اُمّت کثیر اور پاک دامن ہے اور (۳)......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بذاتِ خود سب سے افضل ہیں۔

شہنشاہِ خوش خصال، پیکرِ حسن و جمال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ذاتِ مبارکہ میں پایا جانے والا فضل وکمال اس بنا پر ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو عزت وشرافت، کرامت و بزرگی سے خاص فرمایا، اپنے کلام،

خِلّت اور دیدار کی خصوصیت عطا فرمائی اور اپنی منشا ومرضی کے مطابق اپنے لطف وکرم اور اپنی اعلیٰ ولایت سے نوازا۔ لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے معجزات کثیر، حد سے زیادہ واضح، ہمیشہ باقی رہنے والے اور قوی ہیں۔

آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا منصب اعلیٰ اور ذات سب سے افضل و پاکیزہ ہے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خصوصیات تمام انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے فضائل سے اس قدر مشہور ہیں کہ بیان کی محتاج نہیں۔ پس آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا مرتبہ تمام مرسلین عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے اَرفع اور ذاتِ گرامی ساری مخلوق سے بڑھ کر پاکیزہ اور افضل ہے۔ چنانچہ،

اولادِ آدم کے سردار:

(۱)......حدیث پاک میں ہے کہ سردارِ دوجہان، رحمتِ عالمیان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور بروزِ قیامت سب سے پہلے میں ہی اپنی قبر (شریف) سے نکلوں گا۔''[1]

(۲)......حضرت سیِّدُنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''بروزِ قیامت میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میرے ہاتھ میں لِوَآءُ الْحَمْد ہوگا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور تمام انسان میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔''[2]

(۳)......حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ خَاتَمُ الْمُرْسَلِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔''[3]

یہ حدیثِ پاک اس بات پر دلیل ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور ان کی تمام اولاد سے افضل ہیں۔

---

[1] ......سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر شفاعة، الحدیث: ۴۳۰۸، ص۲۷۳۹.

[2] ......جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنی اسرائیل الحجر، الحدیث: ۳۱۴۸، ص۱۹۷۰.

[3] ......صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله عزوجل: ولقد ارسلنا نوحا الی قومه، الحدیث: ۳۳۴۰، ص ۲۶۹.

عرب کا سردار:

(۴)......حضرت سیِّدُ ناامام احمد بن حسین بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) فضائل صحابہ کے باب میں روایت کرتے ہیں کہ حضور سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ ناعلی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم کودور سے آتا ہوا ملاحظہ فرمایا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''یہ عرب کا سردار ہے۔'' اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! کیا آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم عرب کے سردار نہیں؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''میں سارے جہانوں کا سردار ہوں اور یہ عرب کا سردار ہے۔'' (1)

یہ حدیثِ پاک بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تمام انبیا کرام عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام سے افضل ہیں بلکہ ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ یہاں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے دوسرے انسانوں پر فخر کرتے ہوئے اور خود پسندی کے تحت اپنی برتری کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمانِ عالیشان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کا اظہار کرنے کے لئے تھا اور دوسرا اس لئے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اُمَّت یہ جان لے کہ ان کا امام کس قدر و منزلت والا اور اُن کا پیش رو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں کتنے اعلیٰ مقام و مرتبہ والا ہے تاکہ وہ خود پر اور اپنے نبی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے انعامات واکرامات کو پہچان سکیں۔

ظاہر میں فخر اور باطن میں عجز:

سوال: جب بندہ ظاہراً فخر کا اظہار کرے لیکن باطن میں وہ عجز وانکسار کا پیکر ہو تو کیا یہ ایک دوسرے کے منافی نہیں؟

جواب: جب بندہ اپنی ذات میں پایا جانے والا نصرتِ الٰہی کا پھوٹتا ہوا کوئی چشمہ ملاحظہ فرمالے اور شکر واحسان کی نگاہ اور خالص جود وسخا سے اس فیضان کا مشاہدہ بھی کرلے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر لمحہ اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں اپنی محتاجی کو ملاحظہ کرتا رہے اور اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھے کہ اس کا پالنے والا مالکِ حقیقی پلک جھپکنے کی دیر بھی اس سے بے پرواہ نہیں تو اس وقت اس کے دل میں سرور کے بادَل اُمڈ آتے ہیں اور جب یہ بادل اس کے دل کے آسمان

---

(1)......المستدرک، کتاب معرفة الصحابة، باب انا سید ولد آدم، الحدیث: ٤٦٨٣، ج٤، ص٩٢، بتغیرٍ.

پر پھیل کر سارے افق کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اوراس کے بعد دل پر سرور کی لذتوں سے بھر پور موٹے موٹے قطروں والی بارش برستی ہے یا اگر موسلا دھار بارش نہ بھی ہو تو کم از کم شبنم ضرور راحت پہنچاتی ہے تو اس وقت اس شخص کی زبان پر اس کی عزت وشان کو ظاہر کرنے والے ایسے کلمات جاری ہو جاتے ہیں جن میں کسی قسم کی خود پسندی اور فخر شامل نہیں ہوتا بلکہ یہ تو اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ کے بے پایاں فضل ورحمت پر خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ (پ۱۱،یونس:۵۸)

ترجمۂ کنز الایمان: تم فرماؤ اللہ کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں۔

پس اگر کوئی ظاہری طور پر فخر کا اظہار کرے لیکن باطن میں عجز وانکسار کا پیکر ہو تو یہ ایک دوسرے کے منافی نہیں۔

کیا انسان فرشتوں سے افضل ہے؟

جمہور اہلِ سنت رحمہم اللہ السلام کہتے ہیں: ''خاص انسان یعنی انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام، خاص فرشتوں یعنی جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، حاملینِ عرش اور سردار ومقرب فرشتوں سے افضل ہیں۔ جبکہ خاص فرشتے، عام انسانوں سے افضل ہیں اور عام انسان، عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہاں عام انسانوں سے مراد صالحین ہیں نہ کہ فساق۔ جیسا کہ حضرت سیّدنا ابنِ ابی شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۰۶ھ) نے اس پر توجہ دلائی ہے اور حضرت سیّدنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) نے ''شُعَبُ الْاِیْمَان'' میں اس پر نص قائم فرمائی۔ آپ کی عبارت یہ ہے: ''متقدمین ومتأخرین علما نے فرشتوں اور انسانوں کے متعلق کلام فرمایا، بعض علما کرام رحمہم اللہ السلام کے نزدیک انسانوں میں سے رسول، رسول فرشتوں سے افضل ہیں اور انسانوں میں سے جو افراد مرتبۂ ولایت پر فائز ہیں وہ اولیا فرشتوں سے بہتر ہیں۔''[1] نیز ''الْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّیَّة لِلْقَسْطَلَانِی'' میں بھی اسی طرح ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

[1] ......شعب الایمان للبیهقی، باب فی الایمان بالملائکة، الحدیث: ۱۴۸، ج۱ ص۱۷۰ تا ۱۷۱۔
المواهب اللدنیة، المقصد السادس، النوع الاول، ج۲، ص۴۰۵.

نبیٔ مُکَرَّم صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اَھل بیت

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْمُقْتَدِیْنَ بِہٖ فِی الْقَصْدِ وَالشِّیَم

﴿اور (درودوسلام ہو) اخلاق ومیانہ روی میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی اتباع کرنے والے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے آل واصحاب (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) پر﴾

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی مبارک آل:

کسی بھی انسان کی آل سے مراد اس کے اہل وعیال ہوتے ہیں لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی آل سے مراد اُن کے تمام ماننے والے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔اس اعتبار سے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی آل دوطرح کی ہے۔ایک کا تعلق نسب سے ہے اور دوسری کا تعلق دین سے ہے۔

نسبی اولاد کے بارے میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے خود ارشاد فرمایا: ''اس سے مراد حضرت علی المرتضٰی، حضرت جعفر، حضرت عقیل، حضرت عباس اور حضرت حارث بن عبدالمطلب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اولاد ہے۔''

دینی اولاد کے متعلق جب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم سے دریافت کیا گیا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''ہر مومن میری آل میں ہے۔'' یا یہ ارشاد فرمایا: ''ہر مُتَّقِی مومن میری آل میں ہے۔'' (1)

بہرحال ان دونوں روایات میں الفاظ کا اختلاف ہے۔

قرابت داروں کی محبت:

مروی ہے کہ جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰىؕ (پ۲۵، الشوری۲۳) ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

توحضور نبیٔ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی بارگاہ میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی:

---

(1)......تفسیر روح البیان، پ٤، النساء تحت الآیۃ: ۱۱، ج۲، ص۱۷٤.

''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ! آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے یہ قرابت دار کون ہیں؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت علی المرتضٰی، حضرت فاطمۃ الزہرا اور ان کے دونوں بیٹے (یعنی امام حسن اور امام حسین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین)۔'' (1)

اہل بیت کون ہیں؟

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝۳۳ (پ۲۲، الاحزاب: ۳۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اہلِ بیتِ اطہار کا جو تذکرہ ہے اس کی مراد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ ''یہ آیتِ مبارکہ شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ازواجِ مطہرات رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عَنْھُنَّ کے بارے میں نازل ہوئی۔'' (2)

حضرت سیِّدُنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ''ایک مرتبہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تشریف لائے، آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم بھی تھے اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم حضرت سیِّدُنا حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت سیِّدُنا حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم اور حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اپنے سامنے بالکل قریب کر لیا اور حسنَین کریمَین رضی اللہ تعالٰی عنہما میں سے ہر ایک کو اپنی ران مبارک پر بٹھا لیا اور پھر ان سب پر اپنی چادر مبارک تان لی پھر یہی آیتِ مبارکہ یعنی ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝۳۳'' تلاوت فرما کر یہ دُعا فرمائی: ''اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! یہ

......المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۲۲۵۹، ج۱۱، ص ۳۵۱۔

المواھب اللدنیۃ للقسطلانی، المقصد السابع، الفصل الثالث، ج۲، ص ۵۲۷.

......تفسیر القران العظیم لابن کثیر، پ۲۲، الاحزاب، تحت الآیۃ: ۳۳، ج۶، ص ۳۶۵.

میرے اہلِ بیت ہیں اور میرے اہلِ بیت ہی (اس فضیلت کے) زیادہ حق دار ہیں۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا محمد بن جریر طبری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۳۱۰ھ) کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ''(حضرت سیِّدُنا واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! میں بھی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اہل بیت میں سے ہوں؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اور تم بھی میرے اہل بیت میں سے ہو۔'' حضرت سیِّدُنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''یہ فضیلت اس کے لئے ہے جو ایسی اُمید کرے جو میں نے کی۔'' (2)

اہل بیت سے محبت کرو:

حضرت سیِّدُنا امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۲۷۹ھ) روایت نقل فرماتے ہیں کہ دافعِ رنج و مَلال، صاحبِ جُود و نوال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں غذا عطا فرماتا ہے اور محبتِ الٰہی کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت میں میرے اہلِ بیت سے محبت کرو۔'' (3)

حضرت سیِّدُنا امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۲۴۱ھ) کی کتاب ''اَلْمَنَاقِب'' میں ہے: ''جس نے اہل بیت سے بغض رکھا وہ منافق ہے۔'' (4)

حضرت سیِّدُنا ابنِ سعید علیہ رحمۃ اللہ المجید سے مروی ہے کہ رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جس نے میرے اہل بیت میں سے کسی کے ساتھ کوئی نیکی کی اور وہ دنیا میں اس کا بدلہ نہ دے سکا تو قیامت کے دن میں اس کی جانب سے اس (نیکی کرنے والے) کو بدلہ دوں گا۔'' (5)

---

(1) ......المسند للامام احمد بن حنبل ، حدیث واثلۃ بن الاسقع ، الحدیث: ۱۶۹۸۵، ج٦، ص٤٥.

(2) ......تفسیر الطبری، پ۲۲، الاحزاب، تحت الایۃ: ۳۳، ج۱۰، ص۲۹۷.

(3) ......جامع الترمذی ، ابواب المناقب ، باب فی مناقب اھل بیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم، الحدیث: ۳۷۸۹، ص۲۰۴۱.

(4) ......سبل الھدی والرشاد، الباب الثانی فی بعض فضائل اھل بیت......الخ، ج۱۱ ، ص ۸.

(5) ......المجروحین لابن حبان ، الرقم ۷۰۷ عیسٰی بن عبداللّٰہ بن محمد بن علی بن ابی طالب ، ج۲، ص۱۰۳.

آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے قرابت دار:

ہر وہ رشتے دار جس کا تعلق آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے داداجان حضرت عبدالمطلب کی اولاد سے ہے بشرطیکہ اس نے (بحالتِ ایمان) آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی صحبت کا شرف پایا ہو اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی زیارت سے سرفراز ہوا ہو خواہ مرد ہو یا عورت، وہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا قرابت دار ہے۔

ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

❁......حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم اور آپ کی اولاد جو حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی یعنی حضرت سیِّدُنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرت سیِّدُنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرت سیِّدُنا محسن رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

❁......حضرت سیِّدُنا جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کی اولاد یعنی حضرت سیِّدُنا عبداللہ، حضرت سیِّدُنا عون اور حضرت سیِّدُنا محمد رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک بیٹا حضرت سیِّدُنا احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نامی بھی تھا۔

❁......حضرت سیِّدُنا عقیل بن ابی طالب اور ان کے صاحبزادے یعنی حضرت سیِّدُنا مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

❁......حضرت سیِّدُنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کی اولاد یعنی حضرت سیِّدُنا یعلٰی، حضرت سیِّدُنا عمارہ، حضرت سیِّدُنا اُمامہ رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

❁......حضرت سیِّدُنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے دس بیٹے یعنی حضرت سیِّدُنا فضل، حضرت سیِّدُنا عبداللہ، حضرت سیِّدُنا قُثَم، حضرت سیِّدُنا عبیداللہ، حضرت سیِّدُنا حارث، حضرت سیِّدُنا معبد، حضرت سیِّدُنا عبدالرحمٰن، حضرت سیِّدُنا کثیر، حضرت سیِّدُنا عون اور حضرت سیِّدُنا تَمَّام رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ حضرت سیِّدُنا تَمَّام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پیدائش پر حضرت سیِّدُنا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ دُعائیہ شعر بھی کہا ہے:

تَمُّوْا بِتَمَّامٍ فَصَارُوْا عَشَرَةً ۔۔۔ یَا رَبِّ! فَاجْعَلْهُمْ کِرَامًا بَرَرَةً

ترجمہ: تَمَّام کی پیدائش سے سلسلۂ اولاد مکمل ہوا اور یہ دس ہوگئے ہیں۔ اے میرے پروردگار عَزَّوَجَلَّ! انہیں معزز اور نیک بنا۔

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُ نا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان تمام بیٹوں کی اولاد تھی اور اس کے علاوہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چند صاحبزادیاں بھی تھیں ان کے نام یہ ہیں: حضرت سیِّدَ تُنا اُمِّ حبیبہ، آمنہ اور حضرت سیِّدَ تُنا صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اکثر اولاد حضرت سیِّدَ تُنا لُبابہ اُمِّ فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھی۔

❁......حضرت سیِّدُ نا معتب بن ابی لہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

❁......حضرت سیِّدُ نا عباس بن عتبہ بن ابی لہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حضرت سیِّدَ تُنا آمنہ بنتِ عباس کے خاوند تھے۔

❁......حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بہن حضرت سیِّدَ تُنا ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت سیِّدُ نا مِقداد بن اَسْوَد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں۔

❁......حضرت سیِّدُ نا ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت سیِّدُ نا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیِّدُ نا نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دو بیٹے حضرت سیِّدُ نا مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیِّدُ نا حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

❁......حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن حارث بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

❁......امیمہ، اروی، عاتکہ، اور حضرت سیِّدَ تُنا صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ یہ چاروں حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادیاں ہیں جن میں سے حضرت سیِّدَ تُنا صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمان ہوئیں اور صحابیہ بننے کا شرف حاصل کیا جبکہ باقیوں کے بارے میں اختلاف ہے۔[1]

مذکورہ بالا تمام افراد کے بارے میں چار قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں:

(۱)......آل (۲)......اَہلِ بیت (۳)......ذُوالقُربٰی (۴)......عِتْرت

آل: ان سے مراد وہی افراد ہیں جن کا ذکرِ خیر پہلے گزر چکا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اس سے مراد وہ افراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور اس کے بدلے ان کے لئے خمس کا پانچواں حصہ مقرر ہے۔''

......فتح الباری لابن حجر العسقلانی، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب قرابة رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ......الخ، تحت الحدیث: ۳۷۱۶، ج۸، ص۶۷۔

المواهب اللدنية، المقصد السابع، الفصل الثالث، ج۲، ص۵۳۰.

اہل بیت: ان سے کیا مراد ہے؟اس کے متعلق چند اقوال ہیں:

(i)......وہ جن کا نسبی تعلق آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے دادا جان سے ہے۔

(ii)......وہ جن کا تعلق آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے رشتہ داری کا ہے۔

(iii)......وہ جن کا تعلق آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے خواہ نسبی ہو یا کسی بھی سبب سے ہو۔

ذُوالقُربٰی: ان سے مراد حضرت سیِّدُ نا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم ،حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اوراُن کے دونوں صاحبزادے ہیں۔

عِتْـرَت: اس سے مراد آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالٰی عنہن ہیں اور ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ذُرِیَّت اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالٰی عنہن ہیں اور ذُرِیَّت سے کسی شخص کی نسل مراد ہوتی ہے۔ نیز بیٹی کی اولاد بھی ذُرِیَّت ہی کہلاتی ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

دودن اوردوراتیں

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **84** صفحات پر مشتمل کتاب،''**دنیا سے بے رغبتی اورامیدوں کی کمی**'' صَفْحَہ **76** پر ہے: حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''کیا میں تمہیں ان دودنوں اوردوراتوں کے بارے میں نہ بتاؤں جن کی مثل مخلوق نے نہیں سنی (۱) ایک دن وہ ہے جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آنے والا تیرے پاس رضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ کا مژدہ لے کرآئے گا یا اس کی ناراضگی کا پیغام۔اور(۲) دوسرا دن وہ جب تو اپنا نامۂ اعمال لینے کے لئے بارگاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں حاضر ہوگا اوروہ نامۂ اعمال تیرے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں میں۔(اور دوراتوں میں سے) (۱) ایک رات وہ ہے جو میت اپنی قبر میں گزارے گی اوراس سے پہلے اس نے ایسی رات کبھی نہیں گزاری ہوگی۔اور(۲) دوسری رات وہ ہے جس کی صبح کو قیامت کا دن ہوگا اور پھر اس کے بعد کوئی رات نہیں آئے گی۔''

نبیٔ مُکَرَّم صَلّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلّم کے اَصحَاب

اَصحاب کی لغوی تحقیق:

امام جوہری (متوفی ۳۹۳ھ) کہتے ہیں کہ ''ایک رائے کے مطابق صَاحِب کی جمع اَصْحَاب آتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ اسم جو''فَاعِلٌ'' کے وزن پر ہو اس کی جمع اَفْعَالٌ کے وزن پر نہیں آتی بلکہ یہ لفظ صَحْب کی جمع ہے جو کہ صَاحِب کی تخفیف ہے جیسا کہ نَھْر کی جمع اَنْھَار ہے، یا پھر یہ صَحَب کی جَمْعُ الْجَمْع ہے جیسا کہ تَمر اور اَتْمَار ہیں۔ لیکن مفرد حالت میں یہ صَحَابِی استعمال ہوتا ہے جو صَحَابَۃ کی طرف منسوب ہے جو صُحْبَۃٌ مصدر کے معنی میں ہے اور یہی لفظ اَصْحَاب کے معنی میں آیا ہے۔''

اور جمع کے طور پر صَحْبٌ، صُحْبَۃٌ، صُحْبَان، صَحَابَۃ اور اَصْحَاب کہا جاتا ہے۔

صحابی کی تعریف:

صحابی سے مراد جن وانس میں سے ہر وہ فرد ہے جس نے ایمان کی حالت میں خَاتَمُ الْمُرْسَلِین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے ملاقات کی (خواہ لمحے بھر کے لئے ہو) اور اسلام کی حالت میں ہی اسے موت آئی۔ اگر درمیان میں وہ مرتد ہوگیا (یعنی اسلام سے پھر گیا) تو دوبارہ اسلام لانے کے بعد مرتبۂ صحابیت پر فائز ہو جائے گا۔

تعریف میں قیودات کے فوائد:

(۱)......تعریف میں ''ملاقات'' کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ ملاقات، زیارت وہم نشینی سے زیادہ عام ہے تاکہ مرتبۂ صحابیت میں نابینا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شامل رہیں اور وہ بھی جنہیں شرفِ ملاقات تو نصیب ہوا مگر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ہم نشینی نصیب نہ ہوئی (۲)......تعریف میں ملاقات کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے اس قید سے وہ افراد نکل گئے جنہیں معراج کی رات آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ملاحظہ فرمایا اور انہوں نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے ملاقات نہ کی (۳)......تعریف میں مذکور ''جن واِنس'' کی قید سے فرشتے نکل گئے یعنی فرشتے صحابی نہیں ہوسکتے اور (۴)......''اسلام کی حالت ہی میں موت'' کی قید سے وہ مرتد نکل گیا جس نے اپنے ارتداد سے

توبہ نہ کی جیسے ''ابن جحش''۔ البتہ! وہ شخص جو مرتد ہونے کے بعد دوبارہ ایمان لے آیا اور اس کی موت اسلام پر واقع ہوئی وہ صحابی ہی رہے گا جیسے حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن ابوسرح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کیا ورقہ بن نوفل اور بحیرا راہب صحابی تھے؟

ورقہ بن نوفل اور بحیرا راہب کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے ان کی ملاقات اعلانِ نبوت سے پہلے ہوئی تھی۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعداد:

آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے وصال ظاہری کے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار (1,14,000) تھی جو سب اہلِ علم تھے۔[1] (سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے والدِ گرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''اَلْاَحْکَام'' میں اسی طرح ذکر فرمایا ہے۔

کیا جِنّات بھی صحابہ میں شامل ہیں؟

حضرت سیِّدُ نا امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۲۳ھ) ''اَلْمَوَاہِبُ اللَّدُنِّیَّة'' میں فرماتے ہیں: کیا شرفِ صحابیت بنی آدم (یعنی بشر) کے ساتھ خاص ہے یا ان کے علاوہ دیگر اہل عقل مثلاً جنات اور فرشتے اس میں داخل ہیں؟ زیادہ راجح و صحیح قول یہ ہے کہ جِنّات بھی اس تعداد میں شامل ہیں کیونکہ سَیِّدُ الثَّقَلَیْن ، نَبِیُّ الْحَرَمَیْن، اِمَامُ الْقِبْلَتَیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بلاشبہ ان کی طرف بھی مبعوث ہوئے اور وہ بھی اَحکامِ شریعت کے مکلّف (یعنی پابند) ہیں۔ ان میں نافرمان بھی ہیں اور فرمانبردار بھی۔ پس جو شخص بھی جِنّات میں سے کسی صحبت رسول رکھنے والے کا نام جانتا ہے اسے اُس جِنّ کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے شمار کرنے میں تردد نہیں کرنا چاہیے۔

کیا فرشتے بھی صحابی ہیں؟

فرشتوں کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں شامل ہونے کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے کیونکہ علمائے

[1] ......شرح العلامة الزرقانی علی المواھب، ج۹، ص۳۰۸۔
المواھب اللدنیة، المقصدالسابع، الفصل الثالث، ج۲، ص۵۴۴۔

اصول کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا مَحبوبِ ربُّ العٰلمین، جنابِ صادق وامین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم فرشتوں کی جانب بھی رسول مبعوث ہوئے یا نہیں؟ کچھ علما نے اس کے ثبوت پر اجماع نقل کیا ہے جبکہ کچھ نے اس کے خلاف پر اجماع ثابت کیا ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مرتبۂ صحابیت پر فائز ہونے کے لئے دنیاوی زندگی میں زیارت شرط ہے۔

زیارت تو کی مگر صحابی نہیں:

۞......جس شخص نے سراجُ السَّالِکِیْن، مَحبوبِ ربُّ العٰلَمِیْن عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے وصالِ ظاہری کے بعد اور تدفین سے پہلے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی زیارت کی اس کے بارے میں بھی راجح قول یہی ہے کہ وہ بھی صحابی نہیں۔

۞......اسی طرح وہ بھی صحابی نہیں جس نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے جسدِ اطہر کی زیارت اس دنیاوی زندگی میں کی ہو حالانکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اپنی قبرِ اقدس میں محوِ آرام ہیں اگرچہ اس نے اس زمانے میں زیارت کی ہو۔

۞......اولیا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی ولی اگر بطورِ کشف وکرامت آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی زیارت سے مشرف ہو یا خواب میں زیارت کرے اگرچہ وہ حق ہی کو دیکھتا ہے مگر وہ بھی صحابی نہیں ہوسکتا اور اس کا تعلق امورِ معنویہ سے ہے۔ دنیوی اَحکام سے نہیں۔ [1]

حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی آلِ اطہار اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ہر حال میں اچھی نیّت کے ساتھ ظاہری و باطنی طور پر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی پیروی کی اور وہ دینِ حنیف کی نصرت وحمایت، اُمّت کی خیر خواہی، اچھائی سے محبت اور برائی سے نفرت پر ہر لمحہ کمربستہ رہے۔ یہ سب انہیں محض آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی صحبت کی برکت سے نصیب ہوا۔ ان کی سیرت میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سیرت شامل ہوگئی اور ان پر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی نگاہِ کرم ہوئی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی صحبت کے فیضان سے ان میں اخلاص پیدا ہوگیا۔ پس انہوں نے عشقِ رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم میں اپنے جان و مال تک قربان کردیئے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی رضا کی خاطر اپنے اہل وعیال اور وطن کو چھوڑ دیا (اور راہِ خدا عَزَّوَجَلَّ کے مسافر بن گئے) اور اتباعِ رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی

---

[1] ......المواهب اللدنية،المقصدالسابع،الفصل الثالث، ج۲، ص ۵۴۱.

برکت سے ان کے اعمال میں اعتدال[1] اور میانہ روی پیدا ہوگئی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنا فضل نہیں روکتا جب تک تم (عبادت سے) نہ اُکتا جاؤ۔''[2]

نیز تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوَّت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی عاداتِ مبارکہ میں بھی میانہ روی ہی ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ، حدیثِ پاک میں ہے کہ جب صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے ہمیشہ روزہ رکھنے اور اپنی ازواج کو چھوڑ دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میں کبھی روزہ رکھتا ہوں تو کبھی نہیں رکھتا، نماز پڑھتا ہوں تو سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔''[3]

اس کے بعد ان صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو ارادہ فرمایا تھا اسے ترک کر دیا اور اپنے آقا و مولیٰ، مکی مدنی مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع میں اپنے عمل میں میانہ روی کو اپنایا۔ نیز وہ اپنی عادات و اخلاق میں بھی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی پیروی کیا کرتے تھے۔ درج ذیل سطور میں عادات و اخلاق کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔

حُسنِ اَخلاق کی تعریف:

اَخلاق خُلُق یا خُلْق کی جمع ہے اور حسنِ اخلاق سے مراد ایسا نفسانی ملکہ ہے جس سے متصف انسان کے لئے اچھے افعال بجالانا آسان ہوجاتا ہے۔

حسن اَخلاق، فطری ہے یا کسبی؟

اس میں اختلاف ہے کہ کیا حسن اخلاق فطری (یعنی خود بخود حاصل ہونے والا) اَمر ہے یا کَسْبی جو بتکلف (یعنی کوشش کرکے) حاصل ہوتا ہے؟ حسن خلق کو فطری کہنے والے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث

---

[1]......یعنی اعمال میں میانہ روی اختیار کی جائے تاکہ عمل کی انتہائی زیادتی کی وجہ سے وہ عمل چھوٹ نہ جائے جیسا کہ فرمایا گیا''أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ ترجمہ: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا پسندیدہ ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ قلیل ہو۔''

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضیلۃ العمل الدائم......الخ، الحدیث: ۱۸۳۰ ص ۸۰۱)

[2]......صحیح البخاری، کتاب التھجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، الحدیث: ۱۱۵۱، ص ۹۰.

[3]......صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، الحدیث: ۵۰۶۳، ص ۴۳۸.

سے دلیل لاتے ہیں۔

حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رحمتِ کونین، ہم غریبوں کے دل کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہارے درمیان اخلاق کو ایسے ہی تقسیم فرمایا جیسے تمہارے رزق تقسیم فرمائے۔'' (1)

حضرت سیِّدُ نا امام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''خُلُق ایک انسانی فطرت ہے اور اس اعتبار سے ایک انسان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ پس جس پر یہ غالب آجائے تو وہ محمود یعنی قابلِ تعریف ہوجاتا ہے ورنہ اسے قابلِ تعریف بننے کے لئے مجاہدہ وکوشش کا حکم دیا جائے گا اور یوں ہی اگر یہ فطری قوت کمزور ہو تو اس شخص کو ریاضت سے کام لینا ہوگا یہاں تک کہ وہ قوت قوی ہوجائے۔'' (2)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اَخلاق:

حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خصوصیات سے تعلق رکھنے والے امور کے علاوہ تمام افعال، اقوال اور احوال میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع کی کوشش کیا کرتے اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ ان کے اخلاق بھی اسی طرح کامل ہوجائیں جیسے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کامل اَخلاق کے پیکر ہیں۔

حضرت سیِّدُ نا امام سنوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۹۵ھ) اپنے مقدمہ کی شرح میں فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک لازمی طور پر دین اسی چیز کا نام تھا کہ عقل کو درمیان میں لائے بغیر بلاتوقف محبوبِ ربُّ العزت، محسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع کی جائے۔ سوائے وہ عمل جس کے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ خاص ہونے پر دلیل قائم ہوجائے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے جوتے اس لئے کسی مقام پر اتار دیئے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم

---

(1) ......الادب المفرد للبخاری، باب حسن الخلق ، الحدیث:۲۷۵،ص۷۹.

(2) ......فتح الباری لابن حجر العسقلانی، کتاب الادب،باب حسن الخلق......الخ،تحت الحدیث:۶۰۳۸،ج۱۱،ص۳۸۸.

نے وہاں اپنے نَعلَین مبارک اتارے تھے......[1] اپنی انگوٹھیاں اس لئے ہاتھوں سے اتار دیں کہ ان کے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ایسا کیا تھا......امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محض اس لئے ایک کنوئیں پر بیٹھتے ہوئے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھالیا کہ ان کے آقا ومولیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ایسا کیا تھا۔[2]

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کا احرام کھول کر سر کے بال منڈاتے دیکھا تو سر مونڈنے والے کے پاس ان کا ایسا اِزدہام ہوا گویا کہ وہ ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے[3]......یہی نہیں بلکہ وہ تو ہر لمحہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے بیٹھنے اور سونے کی حالت اور کھانے پینے کا طریقہ جاننے کی جستجو میں رہتے تاکہ ان پر عمل کر سکیں۔

حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حج کے موقع پر چند ایسے افعال سرانجام دیئے کہ کسی نے ان پر یہ اعتراضات کئے کہ ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رنگے ہوئے کپڑے پہنے......بند جوتے پہنے......احرام ذوالحجۃ الحرام کا چاند نظر آتے ہی نہیں باندھا بلکہ یَوْمُ التَّرْوِیَۃ کو باندھا اور......دونوں رکنوں یعنی رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کو چھوا؟''تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ''میں نے یہ سارے افعال اس لئے کئے ہیں کہ مَیں نے حضور نبیٔ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔'' نیز حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت سے محبت کے بارے میں تو یہاں تک مروی ہے کہ ''ایک بار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سواری کو ایک جگہ پر چکر لگوائے صرف اس لئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو اس جگہ پر ایسا کرتے دیکھا تھا۔

اَمیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو ''حجرِ اسود'' سے مخاطب ہو کر یہاں تک کہہ دیا: ''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے (بذاتِ خود) نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر مَیں نے رسول اللہ

[1]......المسند للامام احمد بن حنبل ، مسند ابی سعید الخدری ،الحدیث: ۱۱۸۷۷،ج۴، ص ۱۸۴، ملخصاً.

[2]......صحیح مسلم،کتاب فضائل الصحابة،باب من فضائل عثمان بن عفان،الحدیث: ۶۲۱۴،ص ۱۱۰۰،ملخصاً.

[3]......المصنف لعبدالرزاق،غزوة الحدیبیة،الرقم:۹۷۸۳،ج۵،ص ۲۳۱،مفهوما.

صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔''[1]

خربوزہ نہیں کھاتے تھے:

ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ خربوزہ نہیں کھاتے تھے۔ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے ارشاد فرمایا:''مجھے اس کے کھانے سے صرف یہ چیز روکتی ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ حضور نبئ رحمت، شفیعِ اُمَّت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اسے کس طرح تناول فرمایا تھا۔''[2]

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے گمان کے مطابق وہ بزرگ حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۲۴۱ھ) تھے۔ بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اسلاف اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین کے نزدیک دین اس چیز کا نام ہے کہ اپنے آقاء ومولیٰ، مکی مدنی مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی خصوصیات کے علاوہ باقی تمام افعال میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع کی جائے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

......ہلاکت میں ڈالنے والے اعمال......

فرمانِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم:

''ہلاکت میں ڈالنے والے سات گناہوں سے بچتے رہو، وہ یہ ہیں: (۱) اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شریک ٹھہرانا (۲) جادو کرنا (۳) اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ جان کو ناحق قتل کرنا (۴) یتیم کا مال کھانا (۵) سود کھانا (۶) جہاد کے دن میدان سے فرار ہونا اور (۷) سیدھی سادی، پاک دامن، مومنہ عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔''

(صحیح البخاری، الحدیث: ۲۷۶۶، ص ۲۲۲)

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب الحج، باب ماذکر فی الحجر الاسود، الحدیث: ۱۵۹۷، ص ۱۲۶، بتصرف قلیل.

[2] ......فیض القدیر للمناوی، باب العین، تحت الحدیث: ۵۶۱۸، ج ۴، ص ۴۷۷.

آسمان و زمین کا تعارف

مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَاتَعَاقَبَتِ الْاَضْوَاءُ وَالظُّلَمُ

﴿یعنی (حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے آل واصحاب پر اس وقت تک درود وسلام ہو) جب تک زمین وآسمان قائم ہیں اور دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے آ جا رہے ہیں﴾

آسمان سے مراد ہر وہ چیز ہے جو کسی کے سر سے بلند تر ہو اور اس کو سایہ مہیا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ گھر کی چھت کو بھی **سماء** کہا جاتا ہے۔ یہ امام جوہری (متوفی ۳۹۳ھ) کا قول ہے اور **زمین** سے مراد وہ چیز ہے جس پر قدم قرار پکڑ سکیں۔ چنانچہ،

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جنت کی چھت رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کا عرش ہے۔''[1]

یقیناً چھت کے مقابل جو چیز ہوگی اسے زمین ہی کہیں گے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''جنت کی زمین زعفران کی ہے۔''[2]

آسمانوں اور زمینوں کی تعداد:

زمین بعض علماکرام رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک صرف ایک ہی ہے جبکہ آسمان سات ہیں۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (پ۷، الانعام: ۱)

ترجمۂ کنز الایمان: سب خوبیاں اللہ کو جس نے آسمان اور زمین بنائے۔

اس کے علاوہ بھی کئی ایسی آیاتِ مبارکہ ہیں جو اس مفہوم پر دلالت کرتی ہیں کہ آسمان زیادہ ہیں جبکہ زمین ایک ہی ہے۔

---

[1] ......فردوس الاخبار للدیلمی، باب السین، الحدیث: ۳۳۴۴، ج۱، ص ۴۴۹.

[2] ......ماخوذ من جامع الترمذی، ابواب صفه الجنة، باب ماجاء فی صفة الجنة ونعیمها، الحدیث: ۲۵۲۶، ص ۱۹۰۵.

حضرت سیِّدُ نا لاقانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ(متوفی ۱۰۷۸ھ) فرماتے ہیں: ''صحیح بات یہ ہے کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہی ہیں جیسا کہ تاجدارِ مدینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ظلماً زمین غصب کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔''(1)

اِختلاف کا حل:

حضرت سیِّدُ نا امام عبداللہ بن عمر بیضاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ(متوفی ۶۸۵ھ) اس اختلاف کا حل یوں پیش فرماتے ہیں: ''آیاتِ قرآنیہ میں لفظ ''سَمٰوٰت'' کو جمع اور ''اَرْض'' کو واحد ذکر کیا گیا حالانکہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح ہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمینوں کے طبقات ذات اور آثار و حرکات کے اعتبار سے مختلف اور جدا جدا ہیں اور آیاتِ قرآنیہ میں زمین سے پہلے آسمانوں کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان شرف اور قدر ومنزلت میں ارفع ہیں۔ نیز یہ زمینوں سے پہلے وجود میں آئے ہیں۔''(2)

صاحبِ طریقۂ محمدیہ علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''**وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْمُقْتَدِیْنَ بِہٖ فِی الْقَصْدِ وَالشِّیَمِ مَادَامَتِ السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْض** (یعنی اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی مکمل پیروی کرنے والے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے آل واصحاب پر درود وسلام ہو جب تک آسمان وزمین رہیں گے)

سوال: اس جملے سے کیا مراد ہے کہ ''جب تک آسمان وزمین رہیں گے؟''

جواب: اس سے دنیا اور آخرت دونوں کے آسمان وزمین مراد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ترجمۂ کنز الایمان: وہ اس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین رہیں۔ (پ۱۲، ھود:۱۰۷)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان میں آخرت کے آسمان اور زمین ہی مراد ہیں:

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

تفسیرِ واحدی میں ہے کہ حضرت سیِّدُ نا ضحاک علیہ رحمۃ اللہ الرزاق ارشاد فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ جب

(1)......ماخوذ من صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب اثم من ظلم شیئامن الارض، الحدیث:۲۴۵۲، ص۱۹۳.

(2)......تفسیر البیضاوی، پ۷، الانعام، تحت الایة: الحمدللّٰہ الذی خلق السموت والارض، ج۲، ص ۳۸۷.

تک جنت ودوزخ کے آسمان وزمین رہیں گے اور ہر وہ شے جو آپ کے اوپر ہے اس کو ''آسمان'' اور ہر وہ شئے جو آپ کے قدموں تلے ہے اس کو ''زمین'' کہتے ہیں۔'' [1]

البتہ! اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالٰی اس سے طویل مدّت مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُ نا اِبْنِ قُتَیْبَہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور حضرت سیِّدُ نا اِبْنُ الْاَنْبَارِی علیہ رحمۃ اللہ الباری فرماتے ہیں: عام طور پر عرب ''طویل مدّت'' کا مفہوم ادا کرنے کے لئے ایسے ہی الفاظ بولتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں: ''اَنَـا لَا اَفْعَلُ ذٰلِکَ مَـا اخْتَلَفَ اللَّیْلُ وَالنَّھارُ وَمَادَامَتِ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ وَمَااخْتَلَفَتِ الْجِرَّۃُ وَالدِّرَّۃُ وَمَااَطَتِ الْاِبِلِ یعنی مَیں یہ کام نہیں کروں گا جب تک دن رات آتے رہیں گے، جب تک زمین وآسمان قائم رہیں گے، جب تک اوپر اور نیچے کی سمتیں قائم رہیں گی اور جب تک اونٹ بولتے رہیں گے۔'' اس طرح کی کئی مثالیں ہیں اور اس کی وجہ، زمانہ جاہلیت کے عربوں کا گمان تھا کہ ''یہ اشیا کبھی تبدیل نہ ہوں گی۔'' تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہی کی زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ سے ان کو مخاطب فرمایا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

……علم سیکھنے سے آتا ھے……

فرمانِ مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم:

''علم سیکھنے سے ہی آتا ہے اور فقہ غور وفکر سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔'' (المعجم الکبیر، ج۱۹، ص۵۱۱، الحدیث:۷۳۱۲)

[1] ……تفسیر البغوی، پ۱۲، ھود، تحت الآیۃ: ۱۰۸، ج۲، ص ۳۳۸.

لفظ ''اَمَّا بَعْدُ'' کا لغوی و اصطلاحی استعمال

حضرت علامہ برجندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۹۳۵ھ) ''شرح وقایہ'' میں بیان فرماتے ہیں: ''وَبَعْدُ'' اصل میں ''اَمَّا بَعْدُ'' ہے اس میں ''واو'' ''اَمَّا'' کے قائم مقام ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس طرح کے مقام پر ''وَاَمَّابَعْدُ'' (واو کے ساتھ) مستعمل نہیں ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ''اَمَّا'' اس بات پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے کہ اس کے بعد والا کلام اس کے ماقبل کلام سے الگ ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے ''فصل الخطاب'' کا نام دیا جاتا ہے اور جن دو جملوں کے درمیان کمال اتصال ہو ان میں ''واو عاطفہ'' کے ذریعے سے فرق نہیں کیا جاتا اور چونکہ ''اَمَّا'' اپنے مابعد کلام کے ماقبل کلام سے جدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے انفصال پر دلالت کرنے والے ''اَمَّا'' کے لئے استعارتاً ''واو'' استعمال کیا جاتا ہے۔'' (1)

اور ''بَعْدُ'' کا لفظ ''ظروف'' میں سے ہے جو اضافت سے منقطع ہو گیا ہے۔ اس میں ''مُضَاف اِلَيْه'' کے معنی کا ارادہ کیا جاتا ہے اور مبنی برضمہ ہے یعنی اس پر پیش (ـُـ) ہی آتی ہے اور پوری عبارت یوں بنے گی: ''بَعْدُ مَاتَقَدَّمَ مِنَ الْحَمْدَلَةِ وَالصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ. یعنی حمدِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ بجالانے اور حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور آپ کی آل واصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم پر درود وسلام بھیجنے کے بعد۔''

اسی کتاب میں ہے کہ ''دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اپنے خطبات اور خطوط میں اس لفظ (یعنی اَمَّابَعْدُ) کو استعمال فرمایا کرتے تھے۔''

سب سے پہلے ''اَمَّا بَعْدُ'' کس نے کہا؟

اس کے بارے میں چند اقوال ہیں:

(۱)......امام دارقطنی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی ۳۸۵ھ) نے ''غَرائِبُ مَالِک'' میں نقل فرمایا کہ جب مَلَکُ الْمَوْت حضرت سیِّدُنا عزرائیل عَلَیْہِ السَّلام حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اپنی گفتگو میں اس لفظ (یعنی اَمَّابَعْدُ) کو ذکر فرمایا۔ اگر یہ صحیح ہو تو

......النقاية شرح المختصر الوقاية للبرجندی، دیباچه، ص۷.

آپ عَلَیْہِ السَّلَام ہی وہ سب سے پہلی ہستی ہیں جس نے اس لَفْظ کو اِستعمال فرمایا (۲)......اس کی اِبتدا حضرت سیِّدُنا **داوٗد** عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے کی (۳)......**قِس بن ساعدہ** نے اس کی اِبتدا کی (۴)......**کَعب بن لُؤی** سے اس کی اِبتدا ہوئی (۵)......**یُعْرَبُ بِنْ قَحْطَان** نے سب سے پہلے اِستعمال کیا اور (۶)......ایک قول کے مطابق سب سے پہلے **سَحْبَان** نے یہ لفظ بولا۔ [1]

عَقْل ونَقْل اورکتاب وسنّت

(سیدی علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) فرماتے ہیں) **فَاِنَّ الْعَقْلَ وَالنَّقْلَ مُتَوَافِقَانِ وَالْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ مُتَطَابِقَانِ اِنَّ الدُّنْيَافَانِيَةٌ سَرِيْعَةُ الزَّوَالِ وَالْخَرَابِ عِزُّهَاذِلٌّ وَنِعَمُهَانِقَمٌ وَشَرَابُهَا سَرَابٌ**

ترجمہ: بے شک عقل ونقل اور کتاب وسُنَّت اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا فانی ہے، بہت جلد زوال پزیر اور خراب ہونے والی ہے۔اس کی عزت ذلت، اس کی نعمتیں آفت اوراس کے مشروبات دھوکا ہیں۔

کسی شے کا ثُبُوت عُمُوماً دو طرح سے ہوسکتا ہے یا تو اس کو عَقْل کے ترازو میں تولا جاتا ہے یا پھر نقل کے پلڑے میں رکھ کر پرکھا جاتا ہے اور نقل سے مراد شریعت میں بیان کردہ نصوص ہیں خواہ قطعی ہوں یا ظنّی۔

عقل سے مراد کے بارے میں اقوال:

(۱)......اَشیاء کی صفات کا جاننا یعنی ان کے اچھے اور برے اور کامل وناقص ہونے کو جاننا۔

(۲)......دو اچھائیوں میں سے بہتر کو جاننا یا دو برائیوں میں سے بدتر کو پہچاننا۔

(۳)......مطلق چند ایسے اُمُور کو پہچاننا جن کی قوت کی بنا پر کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے کے درمیان اِمتیاز کیا جاسکے۔

(۴)......ذہن میں موجود ان معانی ومفہوم کو عَقْل کہتے ہیں جن کے مقدمات سے اَغراض ومصالح ثابت ہوتے ہیں۔

(۵)......انسان کی اپنی حرکات اور گفتگو میں قابلِ تعریف حالت وکیفیت کا نام ہے۔

(۶)......(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) صحیح اور حق بات یہ ہے کہ عَقْل ایک ایسی روحانی شے ہے جس سے نفوس علومِ ضروریہ سیکھتے ہیں اور بچے کے رحمِ مادر میں قرار پکڑنے کے ساتھ ہی عَقْل کے وجود کا بھی آغاز ہوجاتا

[1] ......عمدة القاری، کتاب الجمعة، باب من قال فی الخطبة ......الخ، ج۵، ص۸۷، بتقدم و تأخر.

ہے۔ پھر بچہ جیسے جیسے جوانی کی حدود کی طرف بڑھتا اور بالغ ہوجاتا ہے تو عَقْل بھی کامل ہو جاتی ہے۔جیسا کہ ''اَلْقَامُوْسُ الْمُحِیْط''میں ہے۔ (1)

عقل کے بارے میں علما کا اختلاف:

حضرت سیِّدُنا علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٨٥٥ھ) نے ''عُمْدَۃُ الْقَارِی شَرْحُ صَحِیْحِ الْبُخَارِی''میں عَقْل کے متعلق علما کرام رحمہم اللہ تعالٰی کا درج ذیل اختلاف بیان کیا ہے:

❁...... ''عَقْل'' اصل میں ''عِلْم'' ہی کا دوسرا نام ہے کیونکہ عقل اور علم دونوں لغوی طور پر ہم معنی ہیں اور اہلِ لغت عربوں کے اس قول: ''عَقَلْتُ اور عَلِمْتُ (یعنی میں نے جان لیا)''میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

❁...... ''عَقْل'' چند علومِ ضروریہ کو کہتے ہیں۔

❁...... ''عَقْل'' سے مراد وہ قوت ہے جس کے ذریعے معلومات کی حقیقت پہچانی جاتی ہے۔

عقل کا محل کہاں ہے؟

اس میں بھی علما کرام رحمہم اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے کہ عقل کا محل کہاں ہے یعنی عقل کہاں ہوتی ہے؟ چنانچہ متکلمین علما کرام رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: ''عَقْل، دل میں ہوتی ہے۔'' جبکہ بعض علما کرام رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: ''عَقْل سَر میں ہوتی ہے۔'' (2)

عقل افضل ہے یا عِلْم؟

''عَقْل'' اگر ''عِلْم'' کا نام ہو تو اس صورت میں یہ بھی ایک علم رکھنے والی قوت ہی ہوگی۔ لہٰذا اُمُوْرِ مَعلُومہ کے اعتبار سے عِلْم اور عَقْل کے درمیان فضیلت کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ٧١٠ھ) فرماتے ہیں: ''علم، عقل سے افضل ہے۔'' جبکہ اَلتَّمْھِیْد فِیْ مَعْرِفَۃِ التَّوْحِیْد میں ہے: ''صحیح قول یہ ہے کہ عُلُوْم کئی طرح کے ہیں مثلاً عِلْمِ الٰہی، عِلْمِ دین اور عِلْمِ

(1) ......القاموس المحیط، فصل العین، ج٢، ص١٣٦٥.

(2) ......عمدۃ القاری، کتاب الایمان، باب کفران العشیرۃ، تحت الحدیث: ٢٩ ج١، ص٣٠٤.

شریعت، یہ علوم عَقْل سے افضل ہیں کیونکہ انسان عَقْل کے بغیر تو نجات پا سکتا ہے لیکن عِلْمِ دِین کے بغیر اس کی نجات ناممکن ہے۔ نیز اس کے علاوہ عِلْم کے عَقْل سے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہر عقلمند انسان کو علمِ دین سیکھنے اور اس کو طلب کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ! علمِ معرفت اور علمِ دین کے علاوہ دیگر جتنے علوم ہیں جیسے عِلْمُ الحُرُ ف، عِلْمُ الاکتساب (اِکْ۔تِ۔سَاب)، علم النحو اور علمِ طِبّ وغیرہ ان سب سے عَقْل افضل ہے۔

حضرت سیِّدُنا امام احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں: ''عَقْل روح کی زبان اور بصیرت کی ترجمان ہوتی ہے جبکہ بصیرت روح کے لئے دل اور عَقْل اس کے لئے زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔''

منقول ہے کہ ''**ہر شے کا ایک جوہر ہوتا ہے اور انسان کا جوہر عَقْل ہے جبکہ عَقْل کا جوہر بَصَر (یعنی سمجھ بوجھ) ہے۔**'' (1)

عقل ونقل ایک دوسرے کے موافق ہیں:

شریعت میں وارد نصوص کو نقل کہتے ہیں خواہ قطعی ہوں یا ظنی۔ عقل کی نقل سے موافقت یہ ہے کہ انسان میں پائی جانے والی قوتِ عالمیہ کسی غیر کی رہنمائی اور اُس سے آگاہی کے بغیر بذاتِ خود کوئی حکم لگانے میں (نقل کے) موافق ہے حالانکہ رہنمائی اور آگاہی غیر سے ہوتی ہے (یعنی عقل اور نقل حکم لگانے میں غیر کے محتاج نہ ہونے میں باہم موافق ہیں)۔

نقل کہنے کی وجہ تسمیہ:

اس کو نقل اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کی نسبت صادق متکلم (یعنی سچے قائل) کی جانب ہوتی ہے اور عقل کو نقل پر اس لئے مقدم کیا کیونکہ یہ نقل کے ثبوت کے لئے اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

کتاب وسنت سے مراد:

''کتاب'' سے مراد قرآنِ عظیم ہے اور ''سنت'' سے مراد سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا قول، فعل اور تقریر یعنی وہ کام جو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی موجودگی میں کسی اُمَّتی نے کیا اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے سُکُوت اختیار فرمایا۔ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرتِ طیبہ بھی سنت کے ضمن میں آتی ہے

(1)......المواهب اللدنية،المقصد الثالث ،الفصل الثانی ،ج۲،ص۸۵،باختلاف بعض الالفاظ.

کیونکہ شفیعِ روزِ شُمار، باذنِ پروردگارِ دو عالَم کے مالک و مختار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''**تم پر میری اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت اپنانا لازم ہے۔**'' (1)

روایات میں حَدِیْث اور خَبَر کے الفاظ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلَّم کے فرمانِ مبارک کے ساتھ خاص ہیں جبکہ اَثَر سے بھی یہی مراد ہے لیکن کبھی کبھار اس کا اطلاق سُنَّت پر بھی ہوتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ چاروں الفاظ (یعنی سُنَّت، حَدِیْث، خَبَر اور اَثَر) ہم معنی ہیں...... اور یہاں سنت کو کتاب سے موخر کیا، کیونکہ اس کا حجت ہونا قرآن کریم سے ہی ثابت ہے جیسا کہ سورۃ الحشر، آیت 7 میں ہے...... نیز کتاب وسنت ہمیشہ ایک دوسرے کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان اصولوں سے بڑھ کر کوئی چیز بھی حُجَّت نہیں ہوسکتی یعنی دلیلِ عقلی اور دلیلِ نقلی اور پھر اس کی دو اقسام یعنی کتاب وسنت۔

دُنیا اور اُس کی فانی نعمتیں

دُنیا کو دُنیا کہنے کی وجہ:

امام جوہری (متوفی ۳۹۳ھ) کہتے ہیں: ''دُنیا کا لغوی معنی ہے ''قریب'' اور دُنیا کو دُنیا اس لئے کہتے ہیں کہ یہ آخرت کی نسبت انسان سے زیادہ قریب ہے یا اس وجہ سے کہ یہ اپنی خواہشات ولذات کے سبب دل سے زیادہ قریب ہے۔''

دُنیا کی تعریف:

دُنیا کی تعریف کے بارے میں مُتَکَلِّمِین (یعنی علمائے عِلْمِ کلام) رحمہم اللہ تعالٰی کے دو اقوال ہیں:

(۱)...... ہوا اور فضا کے ساتھ روئے زمین پر موجود ہر چیز دُنیا ہے۔

(۲)...... دارِ آخرت سے پہلے تمام مخلوق دُنیا ہے خواہ وہ جوہر (یعنی خود قائم رہ سکے) ہو یا عَرَض (یعنی غیر کے ذریعے قائم ہو)۔

دوسرے قول کے بارے میں حضرت سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''زیادہ ظاہر قول یہی ہے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۸۵۵ھ) نے بخاری شریف کی شرح میں ذکر فرمایا۔'' (2)

---

(1)......سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، الحدیث: ٤٦٠٧، ص ١٥٦١، بدون "من بعدی".

(2)......عمدة القاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ج١، ص٥٢.

پس اس اعتبار سے سونا چاندی اور ان سے خریدی جانے والی تمام ضروری وغیر ضروری اشیا دنیا میں داخل ہیں۔ نیز ضرورت کی وہ اشیا جن کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ جیسا کہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَلَا تَنۡسَ نَصِیۡبَكَ مِنَ الدُّنۡیَا (پ ۲۰، القصص: ۷۷) ترجمۂ کنز الایمان: اور دُنیا میں اپنا حصہ نہ بھول۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا قتادہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں حلال کو نہ بھول۔ حلال کو تلاش کرتا رہ۔''[1] اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ تم دُنیا میں رزقِ حلال سے اپنا حصہ تلاش کرنا نہ چھوڑو۔

حضرت سیِّدُنا حسن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: ''اس آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے مال سے صرف زندگی بسر کرنے کی مقدار کچھ حصہ لے لے اور بقیہ کو اپنی آخرت کے لئے آگے بھیج دے۔''[2]

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہی سے منقول ہے کہ ''زائد مال کو آگے بھیج دے اور جو تجھے پہنچے اس کو روک لے۔''

بیان کردہ اقوال کی روشنی میں مذکورہ آیت کے لفظ ''نَصِیْب'' سے مراد یہ ہے کہ دنیا سے بقدرِ کفایت حصہ لے۔

دُنیا کے فنا ہونے کا بیان:

فنا ہونے کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کا گھل گھل کر ناپید ہو جانا یا ختم ہو جانا۔

حضرت سیِّدُنا امام ابو محمد خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان:

كُلُّ مَنۡ عَلَیۡهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ (پ۲۷ الرحمٰن: ۲۶) ترجمۂ کنز الایمان: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے۔

کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''یہاں فنا سے مراد ''ہلاک ہونے والا'' ہے کیونکہ دنیا میں انسان کا وجود عرض کی حیثیت رکھتا ہے اور عرض کو بقا نہیں ہے اور جس کو بقا نہ ہو وہ فانی ہے۔ پس اس آیت میں انسان کو عبادت پر ابھارا گیا

[1] ......تفيسر عبدالرزاق، پ ۲۰، القصص، تحت الاية: ۷۷، الحديث: ۲۲۳۰، ج ۲، ص ۴۹۷.

[2] ......المرجع السابق، ص ۴۹۸، بتصرفٍ قليلٍ.

ہےاور دنیا کے قلیل عرصے میں اطاعت کی ترغیب دلائی گئی ہے۔'' (1)

اس تفسیر پر دنیا کے فانی ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ دنیا باقی نہ رہنے والا عَرَض (یعنی قائم بالغیر) ہے اور جو باقی نہ رہے وہ فانی ہے۔

حضرت سیِّدُنا امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۲۳ھ) اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ ذیشان:

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (پ۲۰، القصص۸۸) ترجمۂ کنزالایمان: ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یہاں اِلَّا وَجْهَهٗ سے مراد اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی ذاتِ والاصفات ہے کیونکہ اس کے علاوہ ہر ممکن الوجود چیز، اپنی ذات کے اِعتبار سے ہلاک ہونے والی اور مَعْدُوم ہے (یعنی جس کا وجود نہ ہو)۔'' (2)

امام الائمہ، سراج الامہ، امام اعظم حضرت سیِّدُنا نعمان بن ثابت علیہ رحمۃ ربِّ العزّت (متوفی ۱۵۰ھ) کے وصایا شریف کی شرح میں ہے: ''اس آیتِ مبارکہ ''كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ'' کا معنی یہ ہے کہ ذاتِ الٰہی کے اِعتبار سے اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر شے فی نفسہٖ مَعْدُوم ہے، اس حیثیت سے وہ شے ممکن ہے قطعِ نظر اس کے مُوجِد (وجود دینے والے) کے۔ کیونکہ اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز ممکن ہے اور ممکن اپنی ذات کے اعتبار سے وجود کو نہیں چاہتا۔ پس ممکن اپنی ذات کے اعتبار سے موجود بھی نہیں رہے گا۔''

حضرت سیِّدُنا شیخ عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) حدیث شریف (کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: ''اے میرے پروردگار عَزَّوَجَلَّ! حضرت آدم (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) نے تیرا شکر کیسے ادا کیا؟'') کے تحت فرماتے ہیں: ''جس نے بھی خالص نگاہِ توحید سے دیکھا تو اس نے جان لیا کہ اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ شاکر بھی ہے اور مشکور بھی، وہ محبّ بھی ہے اور محبوب بھی۔ یہ مقام و مرتبہ صرف اسی عارف کا ہے جسے اس بات کا عرفان حاصل ہو چکا ہو کہ اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی کا کوئی وجود نہیں اور اس کی ذات کے علاوہ ہر شے فانی ہے۔ اس لئے کہ غیر سے مراد ہر وہ ذات ہے جس کے بارے میں یہ تصور کیا جائے کہ وہ قائم بنفسہٖ ہے اور یہ محال ہے۔ کیونکہ موجود کا تَحَقُّق یہی قائم بنفسہٖ ہونا ہے اور جو قائم بنفسہٖ نہیں ہوتا تو اس کا بذاتِ خود وجود بھی نہیں ہوتا بلکہ وہ غیر کے سبب سے قائم ہوتا ہے۔ پس

(1)......تفسیر الخازن، پ۲۷، الرحمٰن، تحت الآیة: ۲٦، ج٤، ص ۲۱۰.

(2)......المواھب اللدنیة للقسطلانی، المقصدالعاشر، الفصل الثالث، ج۳، ص ٤۳۵، ملخصاً.

اس کا موجود ہونا بھی غیر کے سبب سے ہوگا۔تو اگر موجود بالغیر کی ذات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے لئے قطعاً کوئی وجود ہے ہی نہیں۔

اور موجود تو وہی ہوتا ہے جو قائم بنفسہٖ ہو اور جو قائم بنفسہٖ ہوتا ہے اس کے وجود کے سبب اس کے غیر کا وجود بھی قائم ہوتا ہے۔پس ایسی ذات ہی قَیُّوم ہوتی ہے۔اس سے تصور پیدا ہوتا ہے کہ قَیُّوم صرف ایک ہی ہوتا ہے اور اُس واحد و یکتا اور حَیٌّ قَیُّوْمٌ کے علاوہ کسی کا کوئی وجود ہی نہیں، وہی تمام وجودوں کو قائم رکھنے والا ہے اور وہی سب کا مرجع ہے۔صوفیا کرام اسی کو فناءِ نفس کا نام دیتے ہیں یعنی بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا اپنے آپ سے اور ہر شے سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور اسے ہر شے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے جلوے نظر آتے ہیں۔اور جو اس حقیقت کو سمجھ نہیں پاتا وہ اس ''فنا فی اللہ'' کے مقام پر فائز ہونے والوں کی باتوں کو جھٹلا کر ان کا مذاق اڑاتا ہے اور یہ تجلیاتِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے انوار میں گم ہستیاں اس کی نادانی پر مسکرا دیتی ہیں۔ یہ سارا کلام حضرت سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) کا ہے۔''[1]

مسئلۂ وَحْدَتُ الوُجود:

صوفیا کرام رحمہم اللہ تعالٰی جس کو ''فناءِ نفس'' کا نام دیتے ہیں ''**وَحْدَتُ الوُجود**'' اور ''**وَحْدَتِ مطلقہ**'' سے بھی وہی معنی مراد ہیں۔ اور اہلِ تحقیق عارفین کرام رحمہم اللہ تعالٰی کی اس قسم کی بیان کردہ تمام عبارتوں سے بھی یہی فناءِ نفس کا معنی مراد ہے اور وہ اس سے زندیقوں اور ملحدوں کی طرح فاسد عقیدہ ونظریہ مراد نہیں لیتے بلکہ علما کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے تو ایسے باطل نظریات کے حامل افراد کا سختی سے انکار کیا ہے اور مَیں (یعنی حضرت مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) نے اپنے رسالے ''**اِیْضَاحُ الْمَقْصُوْدِ مِنْ مَعْنٰی وَحْدَۃِ الْوُجُوْد**'' میں ان ساری باتوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔

اے پیارے اسلامی بھائی! جب تو نے ماقبل میں بیان کردہ باتوں کو سمجھ لیا تو اس اعتبار سے دنیا کے فانی ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ حق تبارک وتعالٰی جو باقی ہے اس کے وجود کے اعتبار سے دُنیا معدوم ہے، اپنے محسوسات ومعقولات کے اعتبار سے دُنیا معدوم نہیں یا وہ دُنیا اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم ہے اگرچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس کو پیدا کرنے کے اعتبار سے اس کا ایک ظاہری وجود ہے۔ نیز عقل ونقل کے ''باہم موافق'' ہونے کا مدار بھی اسی معنی پر ہے اور یوں

---

[1] ......الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ۶۰۸۱، ص ۳۷۸۔
فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۶۰۸۱، ج۴، ص ۶۵۷.

ہی کتاب وسنت سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے دو آیاتِ مبارکہ مع تفسیر بیان کیں۔ اب دو احادیث طیبہ بیان کرتے ہیں۔

(۱)......سرکارِ ابد قرار، شافعِ روزِ شمار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اَزل میں صرف **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ہی تھا اوراس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اوراب بھی وہ اسی طرح ہے جس شان کے ساتھ پہلے تھا۔'' (1)

(۲)......حسنِ اخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اکبر عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''عربوں کی کہی ہوئی باتوں میں بہترین بات وہ ہے جو لبید نے کہی کہ **اَلَا کُلُّ شَیْئٍ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ** (یعنی آگاہ رہو! **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز باطل ہے)۔'' (2)

حدیثِ پاک کی شرح:

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں: ایک روایت میں یوں ہے کہ ''سچی ترین بات وہ ہے جو کسی شاعر نے کہی۔'' جبکہ دوسری روایت میں یوں ہے کہ ''شعرا نے سچا ترین شعر یہ کہا ہے۔'' (3)

لفظ ''بَاطِل'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''باطل سے مراد (**اللہ** کے سوا ہر شے) فانی یا غیر ثابت یا نفع کی تعریف سے خارج یا بطلان کی طرف لے جانے والی ہے یا پھر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر شئے اس لئے باطل ہے کیونکہ وہ دو معدوموں کے درمیان واقع ہے اور یہاں صفات باری تعالٰی کے ذریعے اشکال وارد نہیں ہوسکتا کہ ''وہ بھی تو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ ہیں'' کیونکہ جب ذات کو ذکر کردیا تو صفات کی بقا کا علم خود بخود ہوگیا اس لئے کہ صفاتِ باری تعالٰی، ذاتِ باری تعالٰی سے جدائی کو قبول نہیں کرتیں اور یہ معنی مراد لینا **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان ''**کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ**ؕ (پ ۲۰، القصص: ۸۸)'' سے زیادہ قریب ہے۔

حضرت سیِّدُنا امام احمد بن محمد سلفی اصبہانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۵۷۶ھ) اپنی کتاب ''**اَلْمَشْیَخَةُ الْبَغْدَادِیَّة**'' میں حضرت سیِّدُنا یعلٰی بن جراد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ''لبید نے اپنا یہ شعر ''**اَلَا کُلُّ شَیْئٍ مَا خَلَا**

(1)......فتح الباری لابن حجر العسقلانی، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللّٰہ: وھو الذی......الایة، ج۷، ص۲۳۷.

(2)......صحیح مسلم، کتاب الشعر، باب فی انشاد الاشعار،......الخ، الحدیث: ۵۸۸۸، ص ۱۰۷۸.

(3)......صحیح مسلم، کتاب الشعر، باب فی انشاد الاشعار......الخ، الحدیث: ۵۸۸۹-۵۸۹۱، ص ۱۰۷۸.

اللّٰـہَ بَاطِلٌ (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز باطل ہے)''جب حضور نبیٔ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی بارگاہ میں پڑھا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے اس سے ارشاد فرمایا:''تو نے سچ کہا۔'' پھر اس نے یہ شعر پڑھا:''وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ (یعنی یقیناً ہر نعمت کو زوال ہے)۔''تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے اس سے ارشاد فرمایا:''تو نے جھوٹ کہا کیونکہ اُخروی نعمتوں کو زوال نہیں۔'' (1)

جس نے بھی کتاب وسنت میں انتہائی غور وفکر سے کام لیا اس پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے موافق اور مطابق ہیں۔ نیز اس کے دل میں یہ بات پختہ ہو جائے گی اور اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ اس بحث میں جو مذکور ہوا اور آئندہ جو کچھ ذکر کیا جائے گا وہ اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ کر سکے مثلاً دارِ آخرت ہی ہمیشہ کی زندگی ہے اور دارِ آخرت میں کامیابی کا حصول صرف اور صرف خَاتَمُ الْمُرْسَلِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی اتباع کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے اور یہ کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ٘ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ (۳۹) (پ۲۴، المؤمن ۳۹)

ترجمۂ کنز الایمان: یہ دنیا کا جینا تو کچھ برتنا ہی ہے اور بے شک وہ پچھلا ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:''دنیاوی زندگی اس سازو سامان کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ایک مخصوص مدت تک نفع اٹھایا جا سکتا ہو اور بالآخر وہ مدت ختم ہو جائے۔ جبکہ اُخروی زندگی کو زوال نہیں اور آیت کا مرادی معنی یہ ہوگا کہ دنیا فانی ہے، اس میں کوئی منفعت نہیں اور آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ باقی، فانی سے بہتر ہے۔

کسی عارف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا قول ہے:''اگر دنیا فنا ہو جانے والا سونا (Gold) ہوتی اور آخرت باقی رہنے والا مٹی کا ٹھیکرا ہوتی تو بھی آخرت دنیا سے بہتر ہوتی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا فنا ہونے والا مٹی کا ٹھیکرا اور آخرت باقی

______

(1)......فیض القدیر للمناوی، حرف الھمزۃ، تحت الحدیث: ۱۰۶۷، ج۱، ص ۶۷۰.

رہنے والا سونا (Gold) ہے تو پھر یہ کیسے دنیا سے بہتر نہ ہوگی۔'' [1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (۲۴) (پ ۱۱، یونس ۲۴)

ترجمۂ کنز الایمان: دنیا کی زندگی کی کہاوت تو ایسی ہی ہے جیسے وہ پانی کہ ہم نے آسمان سے اُتارا تو اس کے سبب زمین سے اُگنے والی چیزیں سب گھنی ہوکر نکلیں جو کچھ آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آگئی، ہمارا حکم اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کر دیا کاٹی ہوئی گویا کل تھی ہی نہیں، ہم یونہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں غور کرنے والوں کے لئے۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس آیتِ مبارکہ کی تاویل اس طرح کی جائے گی کہ دنیا کی زندگی مال جمع کرنے کا سبب ہے اور اس کی تازگی وفرحت ہر اس چیز سے حاصل ہوتی ہے جو خوش کرنے والی اور تعجب میں ڈالنے والی ہوتی ہے یہاں تک کہ جب کسی دنیادار کے پاس یہ حد سے زیادہ ہو جائے اور وہ اس سے لطف اندوز ہونے کا خیال کرنے لگے تو اچانک یہ اس سے چھین لی جاتی ہے مثلاً اسے موت آجائے یا کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو اس کی ہلاکت کا باعث بن جائے۔ جیسا کہ پانی نباتات کی زیادتی کا سبب ہوتا ہے اور ہریالی کے سبب زمین آراستہ وپیراستہ ہو جاتی ہے اور اس کا حسن وجمال واضح دکھائی دینے لگتا ہے اور لوگ اس سے لطف اندوز ہونے کا خیال کر رہے ہوتے ہیں کہ اچانک اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کو برباد فرما دیتا ہے اور اس کا

[1] ......تفسیر الخازن، پ ۲۴، غافر، تحت الآیة: ۳۹، ج ۴، ص ۷۲.

نام ونشان وہاں سے اس طرح مٹ جاتا ہے جیسے یہاں کبھی کچھ تھا ہی نہیں۔'' [1]

غفلت کی مختلف صورتیں:

اہلِ دنیا نے عزت کا معیار یہ قائم کر رکھا ہے کہ جو شخص دنیا میں جاہ وحشمت، مال ومنصب اور حکومت وریاست وغیرہ کا مالک ہو وہی معزز ومحتشم ہوگا حالانکہ حُبِّ دنیا کی شراب کے نشہ میں مدہوش یہ لوگ اس بات کا شعور نہیں رکھتے کہ ان کے نزدیک جو معزز ہے وہ بہت جلد ذلیل ورسوا ہونے والا ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى (پ۵، النسآء ۴۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا ابو عبد الرحمٰن محمد بن حسین سلمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (متوفی ۴۱۲ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''علما کرام رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ نشہ ومدہوشی کی کئی صورتیں ہیں: (۱)......شراب کا نشہ، یہ سب سے جلد اُتر جاتا ہے (۲)......غفلت کا نشہ (۳)......خواہشات کا نشہ (۴)......دنیا کا نشہ (۵)......مال کا نشہ (۶)......اہل وعیال کا نشہ (۷)......گناہوں کا نشہ اور (۸)......(غیر اللہ کی) طاعات کا نشہ۔ یہ اور ان سے مشابہ تمام نشے، مدہوش انسان کو نماز مکمل کرنے یا قائم کرنے سے روکتے ہیں اس طرح کہ وہ بندگی اور بارگاہِ ربوبیت عَزَّوَجَلَّ میں مناجات کے سلیقے کی شرائط کو پورا نہیں کرتا اور نماز قائم کرنے کی شرط یہ ہے کہ بندہ نماز کے علاوہ شے سے توجہ ہٹا کر اس میں داخل ہو جائے۔'' [2]

دنیاوی نعمتوں کی حقیقت:

دنیاوی نعمتیں ختم ہو جانے والی اور مٹ جانے والی ہیں اور ان سے مراد وہ اشیا ہیں جن سے انسان اور دوسری مخلوقات نفع حاصل کرتی اور لطف اندوز ہوتی ہیں۔ لیکن ان سے مراد انسان کو حاصل ہونے والی معرفت اور طاعات جیسی انمول چیزیں نہیں کیونکہ ان سے لطف اندوز ہونا آخرت میں ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ بلکہ یہاں ایسی نعمتیں مراد ہیں

---

1 ......زاد المسیر فی علم التفسیر، پ۱۱، یونس، تحت الآیة:۲۴، ج۳، ص۲۶٦.

2 ......تفسیر سلمی، پ۵، النساء، تحت الآیة:۴۳، ج۱، ص۱۴۹.

جو دُنیا کی شہوات اور اس کی لذات سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً ہر وہ شے جو کھائی اور پی جاتی ہے یا پہنی جاتی ہے یا جس کا تعلق نکاح سے ہو یا سواری ومکان سے ہو نیز ان جیسی دیگر چیزیں۔

ایک کامل بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ہے: دنیا میں کسی قسم کی کوئی لذت نہیں اور جو لذات ظاہری طور پر نظر آتی ہیں وہ حقیقت میں تکالیف کو دور کرنے والی اشیا ہیں، حقیقی معنوں میں لذّات نہیں کیونکہ کھانے کی لذّت اصل میں بھوک کی تکلیف کو دور کرنے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ صرف بھوک کے بعد ہی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح پینے کی لذت پیاس کی تکلیف دور کرنے کا نام ہے۔ جماع کی لذت مادۂ منویہ سے پیدا ہونے والی گرمی سے شہوت کی تکلیف کو دور کرنے کا نام ہے۔

دنیاوی اشیا کو دو شقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: (۱)......تکالیف میں مبتلا کرنے والی اشیا اور (۲)......تکالیف کا خاتمہ کرنے والی اشیا۔ اہلِ دنیا اسی دوسری قسم یعنی تکالیف کا خاتمہ کرنے والی اشیا کو دنیوی لذتوں کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ اخروی اشیا اس کے برعکس ہیں کیونکہ اہلِ جنت کو جب کوئی تکلیف ہی نہ ہو گی تو اس سے چھٹکارا دینے والی اشیا کا وجود کہاں سے ہو گا۔ لہٰذا ان کی لذات حقیقی ہوں گی یعنی ان کی کھانے پینے کی لذات اصل ہوں گی، محض بھوک اور پیاس ختم کرنے کے لئے نہ ہوں گی۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَ لَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ (پ١٦، طٰہٰ:١١٨، ١١٩)

ترجمۂ کنز الایمان: بیشک تیرے لئے جنت میں یہ ہے کہ نہ تو بھوکا ہو اور نہ ننگا ہو اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے نہ دھوپ۔

اہلِ جنت کی تمام لذات اسی طرح ہوں گی اور دنیا میں ان میں سے کسی لذت کا ذائقہ چکھنا تو درکنار اس کا مفہوم سمجھنا بھی ممکن نہیں۔

شیطان کی بیٹی اور اُس کا داماد:

حضرت سیِّدُنا شیخ شعراوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ٩٧٣ھ) نے ''اَلْعُهُوْدُ الْمُحَمَّدِیَّۃ'' میں ذکر فرمایا کہ میں نے حضرت سیِّدُنا علی خوَّاص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''تمام دنیا ابلیس لعین کی بیٹی ہے اور اس سے محبت

کرنے والا ہر شخص اس کی بیٹی کا خاوند ہے لہٰذا ابلیس اپنی بیٹی کی خاطر اس دنیادار شخص کے پاس آتا رہتا ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید ارشاد فرمایا کہ ''شیطان اس شخص کے پاس بار بار آتا رہتا ہے جو اس کی بیٹی کو پیغامِ نکاح دیتا ہے اگرچہ وہ سسرالی تعلق قائم ہونے کی امید کی بنا پر گھر کے اندر داخل نہ بھی ہو۔ لہٰذا اے میرے بھائی! اگر تو اس سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو اس سے نہ تو رشتۂ مصاہرت قائم کر اور نہ ہی اس کی بیٹی سے یہ رشتہ قائم کرنے کے لئے پیغامِ نکاح دے۔'' [1]

حضرت سیِّدُنا شیخ محی الدین ابنِ عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) اپنی کتاب ''**رُوْحُ الْقُدُس**'' میں فرماتے ہیں: ''وہ دو عارف جن میں سے ایک کے پاس دو درہم اور دوسرے کے پاس ایک درہم ہو تو (حصولِ معرفتِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے لئے) ان دونوں کی فراغت برابر نہیں بلکہ ایک درہم والا دو درہم والے شخص سے زیادہ (حصولِ معرفتِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے لئے) فارغ ہوگا۔''

شیطان کا مال:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابو مدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یا سیدی! شیطان مجھے تکالیف پہنچاتا رہتا ہے، امید ہے کہ آپ مجھ سے اس کا شَر دور فرما دیں گے۔'' حضرت سیِّدُنا ابو مدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے ارشاد فرمایا: ''شیطان تم سے پہلے آ کر مجھ سے تمہاری شکایت بیان کر چکا ہے۔'' اس شخص نے دریافت کیا: ''اس نے آپ سے کیا کہا؟'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: اس نے مجھ سے کہا کہ ''اے شیخ! تم جانتے ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ دنیا میرے لئے پیدا فرمائی، اسے میرا پھندہ وجال اور حصہ دار بنا کر مجھے اس کا مالک بنایا، اب فلاں شخص آیا اور مجھ سے دنیا کے بارے میں جھگڑنے لگا اور پھر کچھ حصہ بھی مجھ سے چھین لیا، لہٰذا میں اپنا حق واپس لینے کے لئے اس کے پیچھے پڑ گیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نے کبھی کسی انسان کا خود ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کسی سے کچھ مطالبہ کیا ہے بلکہ میں تو اپنی جگہ اپنے مال ومتاع کی حفاظت کرتا رہتا ہوں اور پھر جب کوئی شخص مجھ سے کوئی چیز چھینتا ہے تو میں اس کا پیچھا کرتا ہوں تاکہ اپنا حق اس سے لے سکوں، مجھے معلوم ہوا کہ فلاں شخص تمہارے پاس میری

[1] ......العہود المحمدیۃ ، قسم المامورات، ص۱۲۵.

شکایت لے کرآنے والا ہے تو میں نے اس سے پہلے آ کر تمہیں سارے واقعے سے آگاہ کر دیا ہے، میں اپنا حق لئے بغیر اسے نہیں چھوڑوں گا اور جس قدر ممکن ہوسکا اس سے اس کا دین چھین لوں گا یا پھر وہ میرا مال ومتاع مجھے واپس کر دے جیسا کہ دنیا سے بے رغبت اور ہدایت دیئے گئے لوگ کرتے ہیں۔اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (پ۱۴،الحجر:۴۲)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

لہٰذا ان پر مجھے کوئی حجت اور حق حاصل نہیں کیونکہ انہوں نے میرا مال ومتاع میرے لئے چھوڑ دیا،لیکن اس شخص نے مجھ پر ظلم وزیادتی کی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ۪ (پ۲، البقرۃ۱۹۴)

ترجمۂ کنز الایمان: جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی۔

پس اے شیخ! تم ہی فیصلہ کرو کہ ''ظالم کون ہے؟'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بات سن کر شکایت کرنے والا شخص بولا: ''ظالم میں ہی ہوں (یعنی خود پر ظلم کرنے والا ہوں)۔''تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے ارشاد فرمایا: **''تم شیطان کو اس کی دُنیا واپس کر دو وہ تمہاری آخرت تمہیں لوٹا دے گا۔''**

دُنیاوی مشروبات کی حقیقت:

دنیاوی مشروبات سے مراد دو چیزیں ہیں:(۱)وہ مشروبات جو محسوسات سے تعلق رکھتے ہیں یعنی جن کو پیتے ہوئے لوگ لذیذ اور میٹھا سمجھتے ہیں اور(۲)وہ مشروبات جو صرف عقل سے تعلق رکھتے ہیں یعنی لوگ جن مزاجوں اور حالتوں کو اچھا خیال کرتے ہیں اور مشروباتِ دُنیا کی یہ دونوں اقسام سراب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سراب کی تعریف:

امام فراء نحوی(متوفی ۲۰۷ھ) کہتے ہیں: ''سراب سے مراد وہ شے ہے جو زمین سے چمٹی ہوئی ہو اور چمک دار ہو جیسا کہ آسمان اور زمین کے درمیان پانی محسوس ہوتا ہے۔''

ابنِ سکیت (متوفی ۲۴۴ھ) کہتے ہیں: ''سراب سے مراد وہ چیز ہے جو نصف النہار کے وقت پانی کی طرح زمین پر چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ نیز وہ زمین سے چپکی ہوتی ہے۔''

ابوالہیثم (متوفی ۲۰۷ھ) کہتے ہیں: ''سراب کو سراب اس وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ یہ پانی کی طرح چلتا ہے۔''[1]

تفسیر واحدی میں ہے: ''مشروباتِ دُنیا اور اہل دُنیا کے احوال کی لذّتوں کو ایسے سراب سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جب کوئی پیاسا شخص اس کو پانی سمجھ کر قریب آتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لذتیں بہت جلد ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔''

قرآن پاک میں سراب کا ذکر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان میں ہے:

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْــٴًـا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَ اللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ (پ۱۸،النور:۳۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جو کافر ہوئے ان کے کام ایسے ہیں جیسے دھوپ میں چمکتا ریتا کسی جنگل میں کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک جب اس کے پاس آیا تو اسے کچھ نہ پایا اور اللہ کو اپنے قریب پایا تو اس نے اس کا حساب پورا بھر دیا اور اللہ جلد حساب کر لیتا ہے۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا ابوعبدالرحمٰن سلمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی ۴۱۲ھ) اس آیت مبارکہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: ''یَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً سے مراد وہ دل ہے جو اپنے اندر انوارِ الٰہیہ میں سے کچھ نہ ہونے کی وجہ سے مفلس ہے اور اس کا اسباب کی طرف رجوع کرنا شرک ہے جبکہ اس کے لئے یہ ظاہر ہو کہ حق تعالٰی کی طرف رجوع کرنا ہی ایمان ہے۔'' اور ''وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ'' کے بارے میں فرمایا: ''اس سے مراد بارگاہِ ربُّ العزت تک رسائی حاصل کرنا ہے۔'' نیز ''حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْــٴًـا'' کے متعلق ارشاد فرمایا: ''مخلوق کی رسائی صرف مخلوق تک ہی ہوسکتی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی ذاتِ حق تک مخلوق کی

[1] ......تهذيب اللغة، حرف بسر، ج ٤، ص ٢٨٢.

رسائی کے کسی بھی راستے یا ذریعے کی نفی کردی ہے کیونکہ اُس کی حقیقت نہ تو اُس کے سوا کوئی جانتا ہے اور نہ ہی اُس کی ذات کے علاوہ کوئی اُس کا مشاہدہ کرنے کی تاب رکھتا ہے۔''

حضرت سیِّدُنا جعفر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''غیروں کی صحبت کے اندھیروں نے انہیں گمراہ کردیا۔ اب ان کے دلوں پر سراب جیسی کیفیت طاری ہے اور کوئی چیز بھی انہیں فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ ہی ان کا گزر کسی حق بات پر ہوسکتا ہے۔ البتہ! اگر وہ بارگاہِ ربوبیت تک پہنچنے کا کوئی راستہ پالیں تو ان کے پوشیدہ معاملات روشن ہوجائیں گے اور ان کی حالت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان کے مطابق ہوجائے گی: ''نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ (پ۱۸، النور: ۳۵) ترجمۂ کنزالایمان: نور پر نور ہے۔''

بعض علماکرام رحمہم اللہ تعالٰی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد وہ دل ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی اور شے میں لگا رہے۔ ایسا دل مفلس ہے کیونکہ مفلسی نام ہے الجھاؤ میں مبتلا ہونے کا جبکہ غنا کی تعریف یہ ہے کہ مخلوق سے کنارہ کش ہوکر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضر ہوجائے۔''

حضرت سیِّدُنا ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر شے مفلسی ہے اور ہر وہ شخص جس کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی غیر کی محبت سمائی ہو وہ مفلس ہے۔''[1]

دُنیا اور اس کے احوال میں منہمک انسان ایسا شخص ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو چھوڑ کر اغیار اور دوسرے اسباب کے ساتھ مشغول ہے اور اس کا کسی معاملہ میں انہماک باطل ہے اور اپنے دین سے غفلت میں مشغولیت وبال ہے۔ تو ایسا شخص اپنے ان معاملات کے سبب دھوکے میں مبتلا ہے۔

سیِّدُنا عبداللہ قطان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے حالاتِ زندگی:

حضرت سیِّدُنا محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۶۳۸ھ) اپنی کتاب ''رُوْحُ الْقُدُس'' میں اپنے شیخ حضرت سیِّدُنا ابو محمد عبداللہ قطان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قرآنِ کریم کی تفسیر کرتے ہوئے معاملات کو حد درجہ وضاحت سے بیان فرماتے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام بیان کرنے کے معاملے میں

[1] ......تفسیر السلمی، پ۱۸، النور، تحت الآیۃ: ۳۹، ج۲، ص۵٤، باختلاف بعض الالفاظ.

کبھی کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے، سلاطین کی غلط باتوں کوان کے سامنے ہی انتہائی سخت طریقے سے رد کر دیتے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے پاس طاقت تھی، جسے چاہتے حق بات بتاتے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے۔ سلاطین زمانہ کے خلافِ شرع کاموں کی بہت زیادہ مذمت کے سبب آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے خود کو قتل ہونے کے لئے پیش کر رکھا تھا۔ مگر وہ خلافِ شرع کاموں میں مبتلا ہونے کے باعث آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے قتل پر قدرت نہ پاتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بادشاہوں کے ساتھ کئی مذاکرے فرمائے وقت جن کے بیان کی گنجائش نہیں رکھتا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قرآنِ کریم ہی کے ذریعے کلام فرماتے اوراس کے مخالف پر یقین نہ رکھتے اور آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کوئی کتاب تحریر نہیں فرمائی۔ چنانچہ،

(حضرت سیِّدُ نا محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ ھ) فرماتے ہیں) ایک دفعہ میں نے آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو شہر ''قرطبہ'' میں مساکین کی ایک جماعت میں یہ ارشاد فرماتے سنا: ''قرآن مجید اوراحادیث کریمہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے (فلسفے وغیرہ کی) کتابیں تصنیف وتالیف کرنے والوں کا کل قیامت میں عذاب کتنا طویل ہوگا۔''

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے مُصاحِبِین کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے مگر خود کبھی آسودہ حالی اختیار نہ فرمائی اور کبھی دو درہم بھی اپنے پاس جمع نہ ہونے دیئے۔

ایک دفعہ بادشاہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے قتل کے درپے ہو گیا تو سپاہی آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو گرفتار کر کے وزیر کے پاس لے گئے۔ وزیر نے آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو اپنے سامنے بٹھایا تو آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے ظالم انسان! اے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اپنے نفس کے دشمن! مجھے کیوں تکلیف پہنچا رہا ہے؟'' وزیر بولا: ''اللہ (عَزَّوَجَلَّ) نے جو زندگی تمہیں دی ہے اس کے بعد اب تم کبھی زندہ نہیں رہ سکتے۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس سے ارشاد فرمایا: ''تو موت کو قریب نہیں لاسکتا اور تقدیر کا لکھا ٹال نہیں سکتا بلکہ یہ سب کچھ جو تُو کہہ رہا ہے نہیں ہوگا۔ البتہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں تمہارے جنازے میں ضرور شریک ہوں گا۔'' وزیر نے اپنے محافظوں کو حکم دیا: ''اسے قید کر دو یہاں تک کہ میں اس کے قتل کے بارے میں بادشاہ سے مشورہ کر لوں۔'' پس اس رات آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو قید کر دیا گیا اور آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قید خانے کی طرف جاتے ہوئے فرما رہے تھے: ''مومن کا قید خانے میں مسلسل رہنا انتہائی تعجب کی بات ہے بلکہ یہ بھی قید خانے (یعنی دُنیا) کے بعض گھروں میں سے ایک گھر ہے۔''

دوسرے دن جب بادشاہ تخت پر بیٹھا تو وزیر نے شیخ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بادشاہ نے آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو دربار میں بلا لیا، پس اس نے ایسی وضع قطع کے ایک انسان کو دیکھا جس کی طرف کوئی توجہ نہ کرے اور نہ ہی اہل دنیا میں سے کوئی اس کی بھلائی چاہتا ہو۔ یہ سب کچھ ان کی حقیقت بیانی اور لوگوں کے عیوب کو ظاہر کر دینے کے سبب تھا اور وہ لوگ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ پر ظلم و جبر کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ بہر حال بادشاہ نے آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے نام ونسب پوچھنے کے بعد کہا: ''کیا آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی وحدت کا اقرار کرتے ہیں؟'' تو آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مختلف جگہوں سے قرآنِ کریم کی تلاوت فرمائی جس سے بادشاہ کو بہت تعجب ہوا اور وہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے بے تکلف ہو کر اپنی سلطنت اور اس کی وسعت کے بارے میں پوچھنے لگا کہ ''آپ میری سلطنت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟'' تو آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہنسنے لگے۔ بادشاہ نے کہا: ''آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟'' آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جواب دیا: ''جس یا وہ گوئی کا تو شکار ہے اسے تو بادشاہی وسلطنت کا نام دیتا ہے جبکہ تو خود کو بادشاہ وسلطان کہہ رہا ہے حالانکہ تمہاری حیثیت اس بادشاہ کی سی ہے جس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ ارشاد فرمایا:

وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ يَأۡخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصۡبٗا ﴿٧٩﴾ (پ۱۶، الکھف ۷۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا۔

وہ بادشاہ تو آج آگ کی مشقت جھیل رہا ہوگا یا اسے آگ سے جزا دی جارہی ہوگی اور تو ایسا شخص ہے جس کے لئے روٹی پکائی گئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ''اسے کھائیے۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بادشاہ پر اپنی گفتگو کو مزید سخت کرتے ہوئے ہر وہ بات کہہ ڈالی جو اسے ناپسند ہو اور غضب میں مبتلا کر دے۔

دربار میں وزرا اور فقہا کرام کی ایک کثیر تعداد موجود تھی، بادشاہ چپ ہو گیا اور شرمندہ ونادم ہو کر کہنے لگا ''یہ شخص ہدایت یافتہ ہے۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے عرض کی: ''اے عبد اللہ! آپ ہماری مجلس میں آتے رہا کریں۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: ''یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ تیری مجلس زبردستی کی ہے اور جس محل میں تو رہتا ہے یہ بھی تم نے ناحق چھینا ہوا ہے۔ اگر میں مجبور نہ ہوتا تو کبھی بھی یہاں نہ آتا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ میرے اور تمہارے اور تم جیسے ہر فرد کے درمیان (اپنی شان کے مطابق) حائل رہے۔''

ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہی وزیر فوت ہو گیا اور آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہوئے

ارشاد فرمایا: ''میں اپنی قسم سے بری ہوگیا۔'' یہ واقعہ اہلِ حق کے دنیاداروں سے اپنائے گئے طرزِ عمل پر مبنی واقعات میں سے ایک ہے جو ایک فانی شے پر غرور وتکبر کرتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۱۸۵ ترجمۂ کنزالایمان: اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے۔

(پ ٤، ال عمران: ١٨٥)

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٨٥ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اَلْحَیٰوةُ الدُّنْیَا سے مراد دنیا کی لذات اور اس کی چمک دمک ہے اور ''مَتَاعُ الْغُرُوْرِ'' سے دنیا کو اُس سامان سے تشبیہ دی گئی ہے کہ بیچنے والا خریدار کے قیمت پوچھنے پر جس کے عیوب چھپا لیتا ہے یہاں تک کہ خریدار وہ سامان خرید لیتا ہے اور دنیا ''دھوکے کا مال'' صرف اسی کے لئے ہے جو اسے آخرت پر ترجیح دیتا ہے لیکن جو دنیا کے بجائے آخرت کا طلب گار ہو تو یہ اس کے لئے زادِ راہ کا کام دیتی ہے۔''(1)

ایک دوسرے مقام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ترجمۂ کنزالایمان: اور جو کچھ چیز تمہیں دی گئی ہے وہ دنیاوی زندگی کا برتاوا۔

(پ ٢٠، القصص: ٦٠)

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا عز بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السّلام (متوفی ٦٦٠ھ) ''وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ جو سامانِ دنیا (یعنی مال واولاد) تمہیں عطا کیا گیا ہے تم اس سے صرف دنیاوی زندگی میں ہی لطف اندوز ہو سکتے ہو۔ نہ تو یہ سفرِ آخرت کا زادِ راہ ہے اور نہ ہی تمہیں انجام سے بچانے میں کوئی نفع پہنچا سکتا ہے۔''(2)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(1)......تفسیر البیضاوی، پ ٤، آل عمران، تحت الآیة: ١٨٥، ج٢، ص ١٢٧.

(2)......تفسیر الطبری، پ ٢٥، الشوریٰ، تحت الآیة: ٣٦، ج ١١، ص ١٥٤.

دارِ آخرت اوراس کی حقیقت

(سیدی علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی۹۸۱ھ) فرماتے ہیں) وَاِنَّ الدَّارَالْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ مِنْ اَهْلِ الْاِیْمَانِ عِزَّتُهَابَاقِیَةٌ اَبَدِیَّةٌ وَنِعَمُهَاصَافِیَةٌ سَرْمَدِیَّةٌ وَشَرَابُهَاخَالِیَةٌ عَنْ اِثْمٍ وَّلَاغِیَةٌ فِیْهَاحُوْرٌمَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ نَاعِمَاتٌ مُّطَهَّرَاتٌ عَنِ الْاَقْذَارِوَعَنِ الْاٰلَامِ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَاجَانٌّ ۔ترجمہ:اور آخرت کا گھر (یعنی جنت) ہی سچی زندگی ہے، پرہیزگار مومنوں کے لئے تیار رکھی ہے۔اس کی عزت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اوراس کی نعمتیں کدورتوں سے پاک ہمیشہ کے لئے ہوں گی اوراس کے مشروبات گناہ اور بیہودگی سے خالی ہوں گے۔اس کے اندرخیموں میں پردہ نشین بڑی آنکھ والی حوریں ہیں۔چین وآرام میں ہیں۔ہرطرح کی گندگیوں اورامراض سے پاک وصاف ہیں۔گویاوہ لعل ومونگا ہیں۔ان (کے شوہروں) سے پہلے انہیں کسی آدمی اورجن نے نہ چھوا۔

دارِآخرت ہی اصل زندگی ہے جوابدی ہے اوراہل ایمان میں سے ان متقین کے لئے ہے جوظاہراًاور باطناً اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ کے احکامات اورنواہی (منع کردہ باتوں) میں اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔

تقوٰی کی اقسام:

حضرت سیِّدُنا امام مناوی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی۱۰۳۱ھ) اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر کی شرح میں فرماتے ہیں: ''تقوٰی کی تین اقسام ہیں: (۱)......نفس کوکفر سے بچانا۔ یہ عوام کا تقوٰی ہے (۲)......نفس کوگناہوں سے بچانا۔ یہ خواص کا تقوٰی ہے اور (۳)......نفس کو مَاسِوَی اللّٰه عَزَّوَجَلَّ سے بچانا۔ یہ اخص الخواص لوگوں کا تقوٰی ہے۔'' [1]

معلوم ہوا کہ آخرت کا گھر انہی تین طرح کے افراد کے لئے حسبِ مراتب تیار کیا گیا ہے۔ نیز اس بات کوسمجھ لینا چاہیے کہ تقوٰی ایمان کے بغیر نہیں پایا جاسکتا۔

ایمان کی تعریف:

حضور نبیٔ کریم، رء وف رحیم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اپنے رب عَزَّوَجَلَّ سے جو اعتقادات اوراعمال لے کرتشریف

[1] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ٢١٧٠، ج٢، ص٥٢٠.

لائے اُن کی ظاہر و باطن (یعنی زبان اور دل) سے اس طرح تصدیق کرنا جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے بتایا ہے اور یہی ایمان بالغیب ہے جو ہر مکلّف پر فرض ہے اور یہ انسانوں کے حسب مراتب یعنی عوام، خواص اور اخص الخواص کے اعتبار سے مختلف نہیں۔ جبکہ مراتبِ کشف کا ظہور انسان کی صلاحیت و استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ البتہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے کسی بندے کو کشف کا مکلّف نہیں بنایا۔ یہ تو یقین کی حقیقت تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُ نا محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۶۳۸ھ) نے ''کِتَابُ الْعِبَادَلَة'' کے شروع میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اخروی نعمتوں کا بیان

دارِ آخرت کی عزت دائمی اور باقی رہنے والی ہے۔ اس کی نہ تو کوئی حد ہے اور نہ ہی یہ دنیاوی عزت کی طرح فانی ہے۔ جس کی مفصل بحث گزر چکی ہے کہ دنیاوی عزت حقیقت میں ذلت ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ آخرت میں اپنے مومن بندوں کو جن انعامات و اکرامات سے نوازے گا وہ ہر طرح سے پاک صاف، خالص اور غیر محدود ہوں گے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴿۱۷﴾ (پ ۳۰، الاعلی ۱۶، ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا فانی اور آخرت باقی رہنے والی ہے اور باقی رہنے والی چیز فنا ہو جانے والی شے سے بہتر ہے جبکہ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم فانی کو باقی پر ترجیح دیتے ہو۔

حضرت سیِّدُ نا عَرْفَجَہ اَشَجّ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے، آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ (یعنی مذکورہ) آیتِ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے دنیاوی زندگی کو آخرت پر کیوں ترجیح دے دی؟'' ہم نے عرض کی: ''نہیں۔'' تو آپ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:''کیونکہ دنیا موجود ہے اور اس کی کھانے پینے کی اشیا، عورتیں، لذّتیں اور رونقیں ہمارے سامنے ہیں۔ جبکہ آخرت ہم سے مخفی اور غائب ہے۔ اسی لئے ہم نے جلد حاصل ہونے والی شے (دنیا) کو پسند کیا اور دیر سے حاصل ہونے والی شے (آخرت) کو چھوڑ دیا۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٤٦٨ھ) اس آیتِ مبارکہ کے میں لفظ ''اَلْاٰخِرَۃُ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس سے مراد دارِ آخرت ہے یعنی جنت دنیا سے زیادہ بہتر، افضل اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ چنانچہ،

شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جس نے آخرت طلب کی اُس کی دنیا کو نقصان ہوگا اور جس نے دنیا طلب کی اس کی آخرت کو نقصان ہوگا۔ تو تم باقی رہنے والی شے (آخرت) کو فنا ہونے والی شے (دنیا) پر ترجیح دو۔'' (2)

تفسیر سلمی میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو العباس احمد بن محمد دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ٣٤٠ھ) فرماتے ہیں: ''جس شخص کی فطرت گھٹیا اور حوصلہ پست ہو وہ دنیا کو اس کے گھٹیا پن اور پستی کی وجہ سے (آخرت پر) ترجیح دیتا ہے اور جس کا حوصلہ بلند اور قدر و منزلت عظیم ہو وہ آخرت کو (دنیا پر) ترجیح دیتا ہے اور جس کا ظاہر شریف اور باطن صحیح ہو وہ دُنیا و آخرت اور ان میں موجود ہر شے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ترجیح دیتا ہے۔'' (3)

جنتی شراب کی پاکیزگی:

جنتی شراب دنیاوی شراب جیسی نہیں ہوگی بلکہ وہ حلال و پاکیزہ ہوگی نہ کہ حرام۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا یُنْزِفُوْنَۙ﴿۱۹﴾ (پ٢٧، الواقعۃ: ١٩)

ترجمۂ کنز الایمان: اس سے نہ انہیں دردِ سر ہو اور نہ ہوش میں فرق آئے۔

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ٧٤١ھ) جنتی شراب کے بارے میں فرماتے ہیں: ''جنتی شراب

(1) ......تفسیر الخازن، پ٣٠، الاعلی، تحت الآیۃ: ١٦-١٧، ج٤، ص٣٧١.

(2) ......المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی موسی الاشعری، الحدیث: ١٩٧١٧، ج٧، ص١٦٥، بتغیرٍ.

(3) ......تفسیر السلمی، پ٣٠، الاعلی، تحت الآیۃ: ١٦-١٧، ج٢، ص٣٩٠.

پینے سے جنتیوں کو نہ سر درد ہوگا، نہ ان کی عقلیں مغلوب ہوں گی اور نہ ہی اس سے انہیں نشہ آئے گا۔‘‘ [1]

نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جنتی شراب کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا فِیْهَا غَوْلٌ (پ۲۳، الصّٰفّٰت: ۴۷) ترجمۂ کنزالایمان: نہ اس میں خمار ہے۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس آیتِ مبارکہ کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ’’وہ شراب جنتیوں کی عقلوں کو ایسا کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی جس سے ان کی عقلیں ضائع ہو جائیں۔‘‘

ایک قول کے مطابق اس شراب کے پینے سے نہ کوئی گناہ ہوگا، نہ پیٹ درد اور نہ ہی سر درد۔

دنیاوی شراب کے بہت سے نقصانات ہیں مثلاً نشہ، پیٹ درد، سر درد، پیشاب، قے اور بداخلاقی وغیرہ جیسی ناپسندیدہ حالتیں۔ جبکہ جنتی شراب میں ان جیسا کوئی نقص نہیں۔ [2] چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ (پ۲۹، الدھر: ۲۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی۔

شرابِ طہور سے مراد:

اس بارے میں کئی اقوال مروی ہیں:

(۱)......اس سے مراد ایسی شراب ہے جو گندگی اور ذرّات سے پاک ہوگی اور دُنیوی شراب کی طرح نہ ہاتھوں نے اُسے چھوا ہوگا اور نہ قدموں نے اُسے آلودہ کیا ہوگا۔

(۲)......شرابِ طہور سے مراد وہ شراب ہے جو پیشاب میں تبدیل نہ ہوگی بلکہ جنتیوں کے جسموں سے کستوری کی مثل خوشبودار پسینہ بن کر نکل جائے گی۔ یہ اس وقت ہوگا جب جنتیوں کو کھانے کے بعد شرابِ طہور پیش کی جائے

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۲۷، الواقعة، تحت الاٰية: ۱۹، ج۴، ص ۲۱۸.

[2] ......تفسیر الخازن، پ۲۳، الصّافات، تحت الاٰية: ۴۷، ج۴، ص۱۸، باختلاف بعض الالفاظ.

گی اور وہ اسے پئیں گے تو ان کے پیٹ صاف ہو جائیں گے اور جو کچھ انہوں نے کھایا ہو گا وہ سب مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ پسینہ بن کر ان کے اجسام سے خارج ہو جائے گا۔ نیز ان کے پیٹ سمٹ جائیں گے اور کھانے کی خواہش دوبارہ لوٹ آئے گی۔

(۳)......شرابِ طہور سے مراد جنت کے دروازے پر پانی کا ایک چشمہ ہے۔ اس سے جو بھی پانی پیئے گا اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل کا کھوٹ، حسد اور کینہ دور فرما دے گا۔ (1)

(۴)......حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) شرابِ طہور کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وہ پاک ہو گی نجس نہ ہو گی جیسا کہ دنیا میں اسے نجاست شمار کیا جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوا کہ وہ شراب پاک ہو گی، دنیا کی شراب کی طرح نہ ہو گی۔''

جنت میں کوئی لغوبات نہ ہوگی:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ﴿۱۱﴾ (پ ۳۰، الغاشیة: ۱۰، ۱۱)

ترجمۂ کنز الایمان: بلند باغ میں کہ اس میں کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے۔

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''یعنی جنت میں نہ کوئی لغوبات ہو گی، نہ باطل۔'' (2)

ایک دوسرے مقام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِیْمًا ﴿۲۵﴾ (پ ۲۷، الواقعة: ۲۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اس میں نہ سنیں گے، نہ کوئی بیکار بات، نہ گنہگاری۔

---

1 ......تفسیر الخازن، پ ۲۹، الانسان، تحت الایة: ۲۱، ج ٤، ص ۳٤۱.

2 ......تفسیر الخازن، پ ۳۰، الغاشیة، تحت الایة: ۱۱، ج ٤، ص ۳۷۲.

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یعنی جنت میں کوئی لغو بات نہ ہوگی کہ کوئی سنے اور نہ ہی جنّتی ایک دوسرے کو ایسی بات کہیں گے: ''تم نے گناہ کیا۔'' کیونکہ وہ باہم ایسی گفتگو ہی نہیں کریں گے جس میں کوئی گناہ ہو۔[1] یہی معنی حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس فرمان کا ہے کہ ''وہ آپس میں دنیاداروں کی طرح گناہ کی باتیں نہیں کریں گے۔''

ایک قول یہ ہے کہ ''جنتی شراب کے لغویات سے پاک ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ شراب فحش گوئی اور گانے باجے کے لئے نہیں پی جائے گی بلکہ یہ حق گوئی اور لطائفِ الٰہیہ سے لطف اندوز ہونے کے لئے پی جائے گی۔''

جنتی حوروں کا بیان

حور کسے کہتے ہیں؟

اس کے بارے کئی اقوال ہیں جن میں سے بعض یہاں بیان کئے جاتے ہیں:

(۱)......جنتی حوریں انتہائی گوری عورتیں ہیں۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے چہروں کی رنگت انتہائی سفید ہو۔''

(۲)......حضرت سیِّدُ نا ابوعبیدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''حور ایسی عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھ کی سفیدی انتہا درجے سفید اور سیاہی انتہا درجے سیاہ ہو۔''

(۳)......تفسیرِ خازن میں ہے: ''حور سے مراد وہ عورت ہے جس کے گورے پن اور صاف ستھری رنگت سے آنکھیں حیرت میں ڈوب جائیں۔''[2]

(۴)......حوروں سے مراد ایسی عورتیں ہیں جو گھروں میں پردہ نشین رہتی ہیں اور اپنے شرف اور کرامت کی وجہ سے باہر نہیں نکلتیں۔ چنانچہ،[3]

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۲۷، الواقعة، تحت الایة: ۲۵، ج۴، ص۲۱۸.

[2] ......تفسیر الخازن، پ۲۵، الدخان، تحت الایة: ۵۴، ج۴، ص ۱۱۷.

[3] ......تفسیر الخازن، پ۲۷، الرحمن، تحت الایة: ۷۲، ج۴، ص۲۱۵.

حدیث شریف میں ہے کہ دافعِ رنج ومَلال، صاحبِ جُود ونوال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اگر جنتی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو زمین وآسمان کے درمیان ہر چیز چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے۔ اس کے سر کی اوڑھنی دُنیا اور اس میں موجود تمام چیزوں سے بہتر ہے۔'' [1]

(۵)...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ'' اُن کی آنکھیں اور بدن صرف اپنے شوہروں کے لئے ہوں گے اور وہ اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کو نہ چاہیں گی۔''

حوروں کے خیمے:

حضرت محمد بن زیاد ابن اعرابی (متوفی ۲۳۱ھ) کہتے ہیں: ''خیمہ چار لکڑیوں کے ساتھ بنایا جاتا ہے پھر اس پر چھت بنائی جاتی ہے۔ جبکہ حوروں کے خیمے لؤلؤ، زبرجد (جیسے قیمتی پتھروں) اور موتیوں کے ہوں گے جو درمیان سے خالی اور جنتی محلات سے ملے ہوں گے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ورضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمانِ عالیشان ہے: ''مومن کے لئے موتی کا ایک خیمہ ہوگا جو اندر سے خالی ہوگا، جس کی لمبائی آسمان میں ساٹھ میل ہوگی'' ایک روایت میں ہے کہ اس کی چوڑائی ساٹھ میل ہوگی'' اس خیمہ میں مومن کی بیویاں ہوں گی، وہ ان کے پاس آیا جایا کرے گا لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے گی۔'' [2]

حضرت سیِّدُنا امام واحدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۶۸ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں: ''(جنت میں) خولدار موتی کا خیمہ ہوگا اور درمیان سے ایک فرسخ (یعنی تین میل) لمبا اور ایک فرسخ چوڑا ہوگا اور اس کے 4000 ہزار سونے کے دروازے ہوں گے۔'' [3]

رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ورضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی اس بارے میں فرمانِ عالیشان

---

[1] ......جامع الترمذی، ابواب فضائل الجهاد......الخ،باب ماجاء فی الغدو......الخ،الحدیث:۱۶۵۱،ص۱۸۲۱.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الجنہ، باب فی صفه خیام الجنة ......الخ، الحدیث: ۷۱۵۸/۷۱۶۰،ص ۱۱۷۱۔

[3] تفسیر الخازن، پ۲۷،الرحمن، تحت الایة: ۷۲،ج۴، ص۲۱۵.

......المصنف لابن ابی شیبة، کتاب الجنة، باب ماذکر فی الجنة ......الخ، الحدیث: ۱۰۵،ج۸،ص ۸۳.

ہے: ''جنتی خیمہ کھوکھلے موتی کا ہوگا۔اس کی لمبائی آسمان میں ساٹھ (60) میل ہوگی۔اس کے ہر کونے میں مومن کے گھر والے ہوں گے جن کو دوسرے نہیں دیکھ سکیں گے[1]۔''[2]

حضرت سیِّدُ نا امام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ ھ) ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' میں حضرت سیِّدُ نا اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضور خاتَمُ الْمُرْسَلین، رَحْمَۃٌ لّلْعٰلمین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''معراج کی رات جب میں جنت میں بَیْدَخ نامی ایک مقام پر پہنچا تو وہاں موتیوں، سبز زبرجد اور سرخ یاقوت کے خیمے دیکھے۔(اس وقت) یہ آواز آئی: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔'' تو میں نے جبرائیل (عَلَیْہِ السَّلَام) سے دریافت کیا: ''یہ آواز کیسی تھی؟'' عرض کی: ''یہ ان خیموں میں بسنے والی پردہ نشین عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ سے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ اقدس میں نذرانۂ سلام پیش کرنے کی اجازت طلب کی تو انہیں اجازت دے دی گئی۔'' (حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم فرماتے ہیں) پھر وہ سب حوریں مل کر کہنے لگیں: ''ہم راضی رہنے والیاں ہیں، کبھی ناراض نہ ہوں گی اور ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، کبھی کوچ نہ کریں گی۔'' (راوی بیان کرتے ہیں) اس کے بعد سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَۃٌ لّلْعٰلمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ (پ ۲۷، الرحمن ۷۲) ترجمۂ کنزالایمان: حوریں ہیں خیموں میں پردہ نشین۔[3]

---

[1] ......حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی ۱۳۹۱ھ) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''یعنی اس موتی کے مکان کے چاروں گوشوں میں اس کے مختلف گھر والے آباد ہوں گے کبھی اپنی دنیاوی بیوی بچے کہیں وہ دنیاوی عورتیں جن کے خاوند کا فرمرے اوران کے نکاح میں دی گئیں کہیں وہ کنواری لڑکیاں جو دنیا میں بغیر شادی فوت ہوئیں کہیں حوریں، خدام ان کے علاوہ انہیں ایک دوسرے کو نہ دیکھنا فاصلہ کی وجہ سے نہ ہوگا کہ جنتی مومن کی نگاہ بہت دور سے دیکھے گی بلکہ ان جگہوں میں عمارتیں مختلف ہوں گی کوٹھیاں، بنگلے، خیال رہے کہ جنت میں پردہ ہوگا رب فرماتا ہے: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ (ترجمۂ کنزالایمان: حوریں ہیں خیموں میں پردہ نشین) اور فرماتا ہے: قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ (ترجمۂ کنزالایمان: وہ عورتیں ہیں کہ شوہر کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں) پردہ اس لئے نہیں ہوگا کہ وہاں لوگ فاسق و فاجر ہوں گے بلکہ اس لئے کہ شرم و حیاء اچھی چیز ہے بے پردگی میں بے شرمی ہے ہاں دوزخ میں پردہ نہیں ہوگا وہاں ننگے مرد و عورت ایک ہی تنور میں جلیں گے۔

(مراۃ المناجیح، جنت کا بیان، ج۷، ص۴۷۹)

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب فی صفۃ خیام الجنۃ......الخ، الحدیث: ۷۱٦۰، ص ۱۱۷۱، دون قولہ "مجوفۃ".

[3] ......اتحاف السادۃ المتقین، کتاب ذکر الموت و ما بعدہ، صفۃ الحور العین و الولدان، ج ۱٤، ص ٦۰۱.

جنتی کو ملنے والی حوروں کی تعداد:

شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، اَنِیْسُ الْغَرِیْبِیْن، سِرَاجُ السَّالِکِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''یقیناً جنتی مرد 500 جنتی حوروں، 4000 باکرہ (یعنی کنواری) اور 8000 ثَیِّبَہ (یعنی شوہر سے جدا ہونے والی) عورتوں سے شادی کرے گا اور وہ اُن عورتوں میں سے ہر ایک سے دُنیوی زندگی کی مقدار معانقہ کرے گا۔'' (1)

جنتی حوروں کی پاکیزگی:

جنتی حوریں انتہائی نرم و نازک، ہر قسم کے مرض اور درد واَلم سے پاک ہوں گی یعنی نہ انہیں کوئی دکھ ہوگا، نہ کبھی کوئی تکلیف ہوگی، نہ کبھی کوئی مرض لاحق ہوگا، نہ کبھی ان کے چہروں پر زردی چھائے گی اور نہ ہی کبھی ان کا حسن و جمال ماند پڑے گا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی صحت و عافیت اور حسن و جمال میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (پ۱، البقرۃ ۲۵) ترجمۂ کنز الایمان: اور ان کیلئے ان باغوں میں ستھری بیبیاں ہیں۔ (2)

حوریں بُرے اَخلاق سے پاک ہوں گی:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''جنت میں ایسی بیویاں ہوں گی جو ہر اس گندگی اور بری چیز سے پاک وصاف ہوں گی جن سے عورتیں عموماً دوچار ہوتی ہیں۔ مثلاً حیض، میل، گندی فطرت اور برے اخلاق وغیرہ کیونکہ پاک صاف ہونا صرف جسم ہی کا نہیں بلکہ اخلاق اور افعال کا بھی خاصّہ ہے۔'' (3)

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) لفظ ''مُطَهَّرَةٌ'' کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں: ''وہ نہ بول و براز کریں گی، نہ انہیں احتلام ہوگا اور نہ ہی حیض آئے گا، بلکہ وہ حیض، بول و براز، رینٹھ، تھوک، مادۂ منویہ اور بچوں سے پاک ہوں گی نیز ہر قسم کی گندگی اور آلائشوں سے بھی پاک وصاف ہوں گی۔''

---

(1) ......الترغيب والترهيب، كتاب صفة الجنة والنار، الحديث: ٥٧٧٦، ج٤، ص٣٢٧.

(2) ......احياء العلوم الدين، كتاب الذكر الموت ومابعده، باب صفة الحور العين، ج٥، ص٣٠٧.

(3) ......تفسير البيضاوى، پ١، البقرة، تحت الاية: ٢٥، ج١، ص ٢٥١.

ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ برے اخلاق سے پاک ہوں گی کیونکہ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت میں انتہائی اچھی ہوں گی اور اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمانِ عالیشان دلالت کرتا ہے:

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ (پ۲۷، الواقعة: ۳۶، ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تو انہیں بنایا کنواریاں اپنے شوہر پر پیاریاں انہیں پیار دلاتیاں، ایک عمر والیاں۔

بڑی آنکھوں والی حوریں:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''کہا گیا ہے کہ ''اَبْكَارًا'' سے مراد بڑی بڑی آنکھوں والی وہ حوریں ہیں جن کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب سے پیدا فرمایا ہے انہوں نے کوئی بچہ نہیں جنا۔ یعنی ارشاد فرمایا کہ ہم نے انہیں کنواریاں بنایا اور جنت میں کسی قسم کا کوئی درد نہیں۔''

عُرُبًا کی تفسیر:

(۱)......حضرت سیِّدُنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں: ''عُرُبًا کا معنی ہے اپنے شوہروں سے انتہائی محبت کرنے والی عورتیں۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ ''اس سے مراد انتہائی مہربان عورتیں ہیں۔'' جبکہ ایک قول کے مطابق ''اس سے مراد اچھی ادا والی عورتیں ہیں۔''

(۲)......حضرت سیِّدُنا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد حضرت سیِّدُنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ ''عُرُبًا'' سے مراد خوش گفتار عورتیں۔'' اور ''اَتْرَابًا'' سے مراد بلند اخلاق کی مالک عورتیں ہیں۔''[1]

(۳)......حضرت سیِّدُنا عزبن عبدالسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں: ''عُرُبًا سے مراد اپنے شوہروں پر فریفتہ ہونے والی عورتیں ہیں۔''

(۴)......ایک قول یہ بھی ہے کہ ''اس کا معنی یہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والیاں ہیں۔ دُنیاوی سوتنوں کی طرح (باہم بغض وکینہ رکھنے اور جھگڑا کرنے والیاں) نہیں۔''

(۵)......یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اس سے مراد اچھی اداؤں والی عورتیں ہیں۔''

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۲۷، الواقعة، تحت الاية: وجعلنا هن ابكارا، ج۴، ص ۲۱۹.

(۶)......ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اچھا کلام کرنے والی عورتیں ہیں۔ چنانچہ،

حدیث پاک میں ہے مالک دوجہان، رحمتِ عالمیان، مکی مدنی سلطان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اُن (حوروں) کی زبان صاف اور فصیح ہوگی۔''

اور ایک روایت میں یوں ہے: ''جنتی عورتوں کا کلام عربی میں ہوگا۔''[1]

جنتی حوروں کا حسن و جمال:

جنتی حوروں کو ان کے حسن و جمال اور رنگ روپ کی وجہ سے یاقوت و مرجان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ۚ﴿۵۸﴾ (پ۲۷، الرحمٰن: ۵۸) ترجمۂ کنز الایمان: گویا وہ لعل اور مونگا، ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں حوروں کو سرخ یا سفید رنگ کے یاقوت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

یاقوت کی اقسام:

(سیدی عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں) یاقوت کی بہت سی اقسام ہیں جن کی تفصیل میرے والدِ محترم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے اپنی کتاب ''اَلْاَحْکَام'' کے باب الزکوٰۃ میں کچھ اس طرح بیان فرمائی ہے:

یاقوت کی چار اقسام ہیں: (۱) سرخ (۲) زرد (۳) آسمانی اور (۴) سفید رنگ۔

سرخ یاقوت کی مزید چار اقسام: (۱) گلابی (۲) شرابی (۳) انتہائی سرخی مائل زرد رنگ سے ملا ہوا اور (۴) مہندی رنگ جو خالص سرخ ہوتا ہے۔ انتہائی خالص سرخ رنگ جس میں کسی دوسرے رنگ کی آمیزش کا شائبہ تک نہ ہو، سب سے قیمتی اور اعلیٰ ہوتا ہے جس کے بارے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ ''بعض اوقات جب یہ انتہائی خالص اور اچھی کیفیت کا ہو تو اس کے ایک مثقال کی قیمت 100 دینار تک بھی ہوتی ہے۔''

---

[1] ......الجامع لاحکام القران للقرطبی، پ۲۷، الواقعة، تحت الاية:۳۷، ج ۹، ص۱۵۵۔
تفسیر الطبری، پ۲۷، الواقعه، تحت الاية:۳۷، الحديث: ۳۳۴۱۰۔۳۳۴۱۵ ج ۱۱، ص۶۴۲۔
تفسیرابن عبد السلام، الواقعة، تحت الاية:۳۷، ج۶، ص ۳۷۰.

زَرْد یاقوت کی مزید تین اقسام: (۱) جس کا زرد پن قدرے ہلکا ہو (۲) زعفرانی رنگ جو زردی میں پہلی قسم سے زیادہ گہرا ہوتا ہے اور (۳) گلِ انار جیسا رنگ (بغیر پھل والے انار کے درخت کے پھولوں کو گلِ انار کہتے ہیں) یہ زعفرانی رنگ سے بھی زیادہ گہرا ہوتا ہے اور زَرْد یاقوت میں یہ سب سے قیمتی ہے۔

آسمانی رنگ کے یاقوت کی مزید چار اقسام: (۱) نیلا (۲) لاجوردی (۳) نیلگوں اور (۴) سرمگیں۔ یہ رنگ نیلگوں سے زیادہ گہرا ہوتا ہے اور اسے زیتونی رنگ بھی کہتے ہیں۔

سفید یاقوت کی مزید دو اقسام: (۱) **مـائـی** جو انتہائی سفید ہوتا ہے اور (۲) **ذکـر** جو پانی سے قدرے ثقیل ہوتا ہے۔ یاقوت کی یہ قسم سب سے ادنی اور سستی ہے۔

مرجان اصل میں چھوٹے سائز کے موتی کو کہتے ہیں۔

علامہ جوہری (متوفی ۳۹۳ھ) کہتے ہیں: ''لؤلؤ (یعنی موتی) کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ موسمِ بہار کی بارش کا قطرہ جب سیپ پر گرتا ہے تو وہ لؤلؤ بن جاتا ہے۔'' اور ایک قول یہ ہے کہ ''سیپ ایک جاندار شے ہے جس سے لؤلؤ پیدا ہوتے ہیں۔''

یاقوت ومرجان کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان ''**كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ۚ﴿۵۸﴾**'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یہاں مرجان کی سفیدی میں یاقوت کے صاف (سرخ) رنگ کی آمیزش مراد ہے جبکہ مرجان سے مراد انتہائی سفید رنگ کا چھوٹا موتی ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں حوروں کے رنگ روپ کو یاقوت کی سرخی کے ساتھ ساتھ مرجان کی سفیدی سے بھی تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ سب سے خوبصورت وہ سفید رنگ ہے جس میں سرخ رنگ بھی قدرے ملا ہوا ہو اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ''یاقوت کے صاف شفاف اور خالص ہونے کی بنا پر حوروں کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔'' کیونکہ یہ ایک ایسا صاف شفاف پتھر ہے کہ اگر آپ اس میں دھاگا پروئیں، پھر اس دھاگے کی کیفیت جاننے کے لئے اس پتھر کے باہر سے دیکھیں تو پتھر کے انتہائی صاف ہونے کی وجہ سے وہ دھاگا آپ کو نظر آئے گا۔''

حضرت سیِّدُ نا عمرو بن میمون رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: ''حورِعین نے 70 لباس پہنے ہوں گے۔اس کے باوجوداس کی پنڈلی کا گودانظر آئے گا جیسا کہ شیشے کی صراحی میں سرخ رنگ کی شراب دکھائی دیتی ہے۔'' (1)

اس قول کے صحیح ہونے پر وہ حدیث شریف دلالت کرتی ہے جوحضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رحمتِ کونین، ہم غریبوں کے دل کے چین صلَّی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جنتی حور کی پنڈلی کی سفیدی 70 جبوں کے اندر سے بھی واضح طور پر جھلک رہی ہوگی حتی کہ پنڈلی کے اندر کا گودا بھی دکھائی دے گا اور یہ اس لئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ ''(ترجمۂ کنزالایمان: گویا وہ لعل اور مونگا، ہیں) اور یاقوت ایک پتھر ہے کہ اگر آپ اسے دھاگے میں پروئیں گے تو دھاگا پتھر کے باہر سے بھی دکھائی دے گا۔'' (2)

حضرت سیِّدُ نا ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے اسی مفہوم کی ایک اور غیر مرفوع مگر صحیح روایت بھی مروی ہے۔ (3)

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''اس آیتِ مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ مرجان کی سفیدی میں صاف شفاف یاقوت کی آمیزش۔'' (4)

حضرت سیِّدُ نا عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السَّلام (متوفی ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں: ''حوریں نکھار اور خالص پن میں یاقوت کی طرح اور جھلملاہٹ میں مرجان کی طرح ہیں کیونکہ مرجان، سچے موتی سے بھی زیادہ سفید ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حوروں کو ان کے نکھار اور حسن و جمال کی بنا پر یاقوت و مرجان سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ ان کی پنڈلیوں کا گودا ان کے جسموں کے باہر سے اسی طرح دکھائی دیتا ہے جس طرح وہ دھاگا دکھائی دیتا ہے جس میں یاقوت و مرجان پروئے ہوئے ہوں۔''

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

---

(1) ......تفسير الخازن ،پ۲۷، الرحمن ، تحت الاية: ۵۸، ج۴، ص۲۱۴.

(2) ......جامع الترمذی ،کتاب صفة الجنة ،باب ماجاء فی صفة ......الخ ، الحديث: ۲۵۳۳، ص ۱۹۰۶.

(3) ......المرجع السابق۔ تفسير الخازن ،پ۲۷، الرحمن ، تحت الاية: ۵۸، ج۴، ص۲۱۴.

(4) ......موسوعة لابن ابن الدنيا ،کتاب صفة الجنة ، الحديث: ۳۱۵ ، ج۶، ص ۳۸۴.

لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ (پ۲۷،الرحمٰن:۵۶)

ترجمۂ کنزالایمان: ان سے پہلے انہیں نہ چھوا کسی آدمی اور نہ جن نے۔

حوروں کو اہلِ جنت سے پہلے جن وانس میں سے کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا ہوگا کیونکہ حوریں جنت ہی میں پیدا کی گئی ہیں اور قیامت سے پہلے کسی کا جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ ان کے شوہروں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوسکیں۔ (1)

''بسم اللہ'' شریف کی برکات وفوائد

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1548** صفحات پر مشتمل کتاب، **''فیضانِ سنّت''** صفحہ **134** تا **135** پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا **ابوبلال محمد الیاس عطّار** قادری دامت برکاتہم العالیہ نقل فرماتے ہیں: ﴿۱﴾ جو کوئی سوتے وقت **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم** 21 بار (اول آخر ایک بار درود شریف) پڑھ لے **اِنْ شَاءَ اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ اس رات شیطان، چوری، اچانک موت اور ہر طرح کی آفت وبلا سے محفوظ رہے۔ ﴿۲﴾ جو کسی ظالم کے سامنے **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم** 50 بار (اول آخر ایک بار درود شریف) پڑھے اس ظالم کے دل میں پڑھنے والے کی ہیبت پیدا ہو اور اُس کے شر سے بچا رہے۔ ﴿۳﴾ جو شخص طلوعِ آفتاب کے وقت سورج کی طرف رخ کر کے **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم** 300 بار اور (کوئی بھی) درود شریف 300 بار پڑھے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہوگا اور (روزانہ پڑھنے سے) **اِنْ شَاءَ اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ ایک سال کے اندر اندر امیر وکبیر ہوجائے گا۔ ﴿۴﴾ کند ذہن اگر **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم** 786 بار (اول آخر ایک بار درود شریف) پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لے تو **اِنْ شَاءَ اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ اس کا حافظہ مضبوط ہوجائے اور جو بات سنے یاد رہے۔ (شمس المعارف مترجم، ص ۷۳)

---

1 ...... تفسیر البغوی، پ۲۷، الرحمن، تحت الآیۃ: ۵۶، ج۴، ص ۲۵۰۔
تفسیر الخازن، پ۲۷، الرحمٰن، تحت الآیۃ: ۵۶، ج۴، ص ۲۱۴۔

اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے دیدار کی سعادت

(سیدی علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ عِنْدَهٗ مَرْضِيَّةٌ مُّطْمَئِنَّةٌ وَّعَنْهُ رَاضِيَةٌ شَاكِرَةٌ وَهٰذِهٖ هِيَ النِّعْمَةُ وَاللَّذَّةُ الْعُظْمٰى وَالْفَوْزُ وَالْفَلَاحُ وَالسَّعَادَةُ الْكُبْرٰى وَاِنَّ الظَّفَرَ بِهَا لَا يَحْصُلُ اِلَّا بِمُتَابَعَةِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ سَيِّدِنَا وَسَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فِي الْعَقَائِدِ وَفِي الْاَقْوَالِ وَفِي الْاَخْلَاقِ وَفِي الْاَفْعَال ۔ترجمہ: کچھ چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کو دیکھتے ہوں۔ وہ ان سے راضی ہو اور یہ اس سے راضی اس طرح کہ اطمینان والے اور صلہ پانے والے ہوں گے اور یہی حقیقی نعمت، عظیم لذت، کامیابی ونجات اور بڑی سعادت ہے اور یہ کامیابی صرف اور صرف عقائد واقوال اور اخلاق وافعال میں خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ، ہمارے اور تمام اولین وآخرین کے سردار حضرت محمد مصطفٰی، احمد مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع سے نصیب ہوگی۔

تر وتازہ چہرے:

اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ (پ۲۹، القیمة: ۲۲، ۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: کچھ منہ اس دن تر وتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں: ”جنتی جنت میں بلاحجاب اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کا دیدار کریں گے۔“

حضرت سیِّدُنا امام حسن بصری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: ”چہروں کا تر وتازہ ہونا جنتیوں کا حق ہے اس حال میں کہ وہ اپنے خالق ومالک عَزَّوَجَلَّ کا دیدار کر رہے ہوں گے۔“ [1] حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ

---

[1] ......تفسیر الحسن البصری، پ۲۹، القیامة، تحت الآیة: ۲۳، ج۵، ص۲۳۰.

علیہ (متوفی ۱۴۱۷ھ) کا بھی یہی قول ہے۔ [1]

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۶۸ھ) ابو اسحاق زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) کا قول نقل فرماتے ہیں: ''اہل جنت کے چہرے جنت کی نعمتوں کی وجہ سے تروتازہ ہوں گے اور وہ دیدارِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں مگن ہوں گے۔''

تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اہل جنت جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ان سے ارشاد فرمائے گا: ''اگر تمہیں مزید کسی چیز کی خواہش ہو تو میں وہ زیادہ فرما دوں۔'' جنتی عرض کریں گے: ''(اے ہمارے پروردگار عَزَّوَجَلَّ!) کیا تو نے ہمارے چہروں کو تابانی نہیں بخشی؟ کیا تو نے ہمیں جہنم سے نجات عطا فرما کر اپنی جنت میں داخل نہیں فرمایا؟'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ''اس کے بعد ربِّ قدُّوس عَزَّوَجَلَّ ان کے سامنے سے پردے اٹھا دے گا۔ پس انہیں اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے دیدار سے بڑھ کر محبوب کوئی چیز عطا نہیں کی جائے گی۔'' [2]

دوبار دیدارِ الٰہی:

حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ مَخْزنِ جود و سخاوت، پیکرِ عظمت و شرافت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''از رُوئے درجہ سب سے ادنی جنتی وہ ہوگا جو ایک ہزار (1000) برس کے پھیلاوے میں اپنی ملکیت کو دیکھے گا۔ [3] وہ جس طرح اس کی ابتدا کو دیکھے گا اسی طرح اس کی انتہا دیکھے گا اور وہ اپنے تختوں، بیویوں اور خُدَّام (یعنی خدمت گاروں) کو دیکھتا ہوگا اور ان میں سے بلند مرتبہ جنتی روزانہ دو مرتبہ دیدارِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ [4]

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۲۹، القیامۃ، تحت الآیۃ:۲۳، ج۴، ص۳۳۵.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربھم، الحدیث:۴۴۹، ص۷۰۹.

[3] ...... حکیم الامت حضرت سیدنا مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْحَنَّان ''مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح'' جلد 7، صفحہ 520 پر فرماتے ہیں: یعنی ادنیٰ جنتی کا اپنا رقبہ اور اس رقبہ میں اپنا سامان پھیلا ہوا اتنا وسیع ہوگا کہ اس کنارہ سے اس کنارہ تک انسان ایک ہزار سال میں پہنچے یہ تو ادنیٰ درجے کے جنتی کا رقبہ ہے تو سوچو کہ اعلیٰ درجے کا جنتی کا رقبہ کتنا ہوگا۔ پھر غور کرو کہ جنت کیسی وسیع ہے۔

[4] ...... جنتیوں کو رب (عَزَّوَجَلَّ) کا دیدار حسب مراتب ہوگا کسی کو ہفتہ میں ایک بار کسی کو روزانہ دوبار کسی کو ہر وقت جیسے دنیا میں بعض لوگ ہر وقت عشق الٰہی (عَزَّوَجَلَّ) میں محو رہتے ہیں۔ (اور) بعض کبھی کبھی (دیدار کریں گے)۔ (مراۃ المناجیح، ج۷، ص۵۲۰)

سے مشرف ہوگا۔'' [1]

تفسیر بیضاوی میں ہے: ''جنتی ربِّ قدوس عَزَّوَجَلَّ کے جمال میں حد درجہ کھو کر اس کے سوا ہر چیز سے غافل ہو جائیں گے لیکن ان کی یہ کیفیت ہر وقت نہ ہوگی کہ ان کا کسی دوسری نعمت کی طرف دیکھنا ہی ثابت نہ ہو۔'' [2]

حقائق سلمی میں حضرت سیِّدُنا ابو قاسم ابراہیم بن محمد نصر آبازی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۳۶۹ھ) کا فرمان ہے: کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو صرف رؤیتِ باری تعالیٰ کے طالب اور مشتاق ہوں گے اور ان میں سے وہ عارفینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی ہیں جو صرف اور صرف رؤیتِ باری تعالیٰ پر ہی اکتفا کریں گے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ''ہمارا اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کا دیدار کرنا اور اس کی ذات میں غور وفکر کرنا کئی وجوہات کی بنا پر ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ہمیں اپنا دیدار کروانا اور ہم پر نظر کرم فرمانا بغیر کسی وجہ کے محض کمالِ مہربانی ہے اور یہ برکت پانے کے اعتبار سے کامل اور نفع بخش ہونے میں سہل ترین ہے۔''

حضرت سیِّدُنا عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ القدیر فرماتے ہیں: ''رؤیتِ باری تعالیٰ کے معاملے میں مخلوقِ خدا کی چند اقسام ہیں:

(۱) جو دیدارِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کی طلب تو رکھتے ہیں لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت و کبریائی سے یکسر غافل رہتے ہیں۔

(۲) جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت و کبریائی کو جانتے ہیں اور جرأت کرتے ہوئے اس کے دیدار کی خواہش کرتے ہیں۔

(۳)...... جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہیبت کے سبب قطعاً رؤیت باری تعالیٰ کی خواہش نہیں کرتے۔

یہ آخری قسم کے لوگ ہی سب سے افضل و اشرف ہیں اور قوی اُمید ہے کہ یہی لوگ رؤیتِ باری تعالیٰ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔'' [3]

حضرت سیِّدُنا شیخ عبد الوہاب شعرانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۷۳ھ) اپنی کتاب ''اَلطَّبَقَاتُ الْکُبْریٰ'' میں اپنے شیخ حضرت سیِّدُنا شیخ علی خواص علیہ رحمۃ اللہ الرزاق کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

---

[1] ......المستدرك، كتاب التفسير، القيامة، باب ذكر ادنى اهل الجنة ......الخ، الحديث: ۳۹۳۵، ج۳، ص۳٤۳.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۲۹، القيامة، تحت الاية: ۲۳، ج۵، ص٤۲۳.

[3] ......تفسیر السلمی، پ۲۹، القيامة، تحت الاية: ۲۲-۲۳، ج۲، ص۳٦۲.

''اہل جنت کی زندگی اِس دنیوی زندگی سے صورت اور معنی کے اعتبار سے بالکل مختلف ہے جو اِس وقت ہم گزار رہے ہیں جیسا کہ اس حدیثِ پاک میں اس جانب اشارہ ہے کہ'' جنت میں ایسی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے ان کے متعلق سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا گمان ہوا۔'' [1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک کسی شخص میں بشری حجاب موجود رہتا ہے وہ جنت کے احوال سے بے خبر رہتا ہے کیونکہ جنت کی تخلیق شہود و اطلاق کے اعتبار سے کی گئی۔ حجاب وتقیید کے اعتبار سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنت کے احوال کا علم عارفینِ کرام رحمہم اللہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: جاننا چاہیے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمارے لئے سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا، چھونا، نکاح میں لذت اور ادراک کو اس طرح مقرر فرمایا کہ یہ حکم ومحل کے اعتبار سے مختلف حقائق ہیں باوجود یہ کہ باطن میں سب متحد ہیں۔ کیونکہ ادراک (یعنی جاننا اور سمجھنا) صرف نفس کو ہوتا ہے اور یہ مخصوص منافذ (یعنی سوراخوں) کے واسطے سے ایک ہی حقیقت ہے۔ اور ان حقائق میں آثار کی مختلف اقسام ہو جانا ان کے محل ومقامات کی مختلف اقسام کے سبب ہوتا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا: اور یہ بھی یاد رہے کہ دنیا میں حکم ومحل کے اعتبار سے باہم مختلف یہ صفات آخرت میں حکم ومحل کے اعتبار سے متحد ہوں گی۔ پس بندہ وہاں دیکھنے، بولنے، کھانے اور چکھنے والے اعضا کے ذریعے سن سکے گا اور باقی اوصاف میں بھی بغیر کسی تضاد کے یہی حکم ثابت ہے۔ لہٰذا وہ اپنے پورے جسم کے ساتھ دیکھے گا۔ یوں ہی سنے گا، اسی طرح کھائے گا، ایسے ہی نکاح کرے گا، اسی طرح سونگھے گا، اسی طرح گفتگو کرے گا اور یوں ہی ادراک کرے گا۔ یہ اہل جنت کے احوال میں سے ادنی سی شان ہے جس کا پایا جانا عقل کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ جو بھی اس کو سنے گا اس کی عقل ایسا ہونے کو محال قرار دے گی تو پھر ان عظیم شانوں کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جو اس ادنی شان سے بڑھ کر ہیں۔ مَیں (یعنی شیخ علی خواص علیہ رحمۃ اللہ الرزاق) نے حضرت سیِّدُنا عمر بن فارض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے علاوہ کسی کو اس موضوع پر لب کشائی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ گفتگو اپنے'' قصیدہ تائیہ'' میں فرمائی ہے تو اس کی طرف رجوع کیجئے۔ [2]

---

[1] ......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرۃ، الحدیث: ٩٩٦٤، ج٣، ص٤٨٨.

[2] ......الطبقات الکبریٰ للشعرانی، الرقم: ٦٣، سیدی علی الخواص البرلسی رضی اللّٰہ تعالی عنہ، ج٢، ص٢١٩.

حضرت سیِّدُ نا شیخ محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہالقوی (متوفی ۶۳۸ھ) فرماتے ہیں: ''جنتی مرد بلا تقدیم وتاخیر ایک ہی وقت میں اپنی تمام بیویوں اور لونڈیوں سے قربت کریں گے۔ نیز وہ ہر عورت سے جماع کی خاص لذت بھی پائیں گے۔'' مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''یہی دائمی نعمتیں اور قدرتِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ ہے۔ عقلِ محض اپنی سوچ و بچار سے اس کی حقیقت نہیں پاسکتی بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پسندیدہ بندے کا دل ہی اس کی عطا کردہ قوت سے اس چیز کا ادراک کرسکتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر چاہے پر قادر ہے۔''

راضی و مطمئن لوگ:

اہل جنت اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں مطمئن اور اس سے راضی ہوں گے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں ان کے چہروں پر کیفیتِ اطمینان کی کئی وجوہات ہیں:

حضرت سیِّدُنا امام عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرنے کی بدولت اطمینان میں ہوں گے، کیونکہ نفس ہمیشہ اُن اسباب اور نتائج کے سلسلے میں ترقی کرتا رہتا ہے جو اسے واجب الوجود ذات تک پہنچانے والے ہوتے ہیں تا کہ اس ذات کی معرفت پر قرار حاصل کر کے اس کے علاوہ ہر چیز سے بے پرواہ ہو جائے یا نفس اس لئے ترقی کی منازل طے کرتا رہتا ہے تا کہ حق تعالیٰ تک اتنی رسائی حاصل کر لے کہ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اہل جنت امان میں ہوں گے۔ انہیں کوئی خوف اور غم پریشان نہ کرے گا۔''(1)

حضرت سیِّدُنا عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السَّلام (متوفی ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ جنتی اللہ عَزَّوَجَلَّ کو اپنا پروردگار ماننے والے اور اس کے احکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے والے ہیں۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''جنت والے اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں لَبَّیْک کہنے والے اور اس کا وعدہ پورا کرنے والے ہیں یا اس کا ذکر کرنے والے ہیں۔''

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''ان کے مطمئن ہونے سے مراد یہ ہے

(1)......تفسیر البیضاوی، پ ۳۰، الفجر، تحت الآیۃ: ۲۷، ج۵، ص ۴۹۰.

کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو ان کے مقدر میں لکھ دیا ہے وہ اس پر راضی ہیں۔ انہوں نے جان لیا کہ انہیں حاصل ہونے والی چیز انہیں ہی ملے گی اور جو ان کے مقدر میں نہیں وہ اسے کبھی نہیں پا سکتے۔''

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''ان اطمینان والوں سے مراد ایمان و یقین پر ثابت قدم رہنے والے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرامین کی تصدیق کرنے والے ہیں۔''

ایک قول یہ ہے کہ ''اس سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عذاب سے مامون لوگ ہیں۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''یہاں وہ مراد ہیں جو اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرنے کی بدولت اطمینان میں ہیں۔''[1]

اور اپنے رب عَزَّوَجَلَّ سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ''جو نعمتیں انہیں دی جائیں گی وہ ان پر راضی ہوں گے۔'' جبکہ ایک قول یہ ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے لئے جو انعامات تیار کر رکھے ہیں وہ انہیں پا کر اس سے خوش ہو جائیں گے۔''

جنتی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ نہ تو کسی کے محبوب ہوں گے کیونکہ دنیا میں اہلِ اِخلاص پر مخلوق بگڑی ہی رہتی ہے اور نہ ہی وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی سے راضی ہوں گے کیونکہ وہ تو پہلے ہی اس کے سوا ہر چیز سے لاتعلق ہو چکے ہوں گے۔

جنتیوں کا شکرِ الٰہی:

جنتیوں کے شکر ادا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان پر جو انعامات فرمائے وہ ان پر اس کا شکر بجا لائیں گے۔

حضرت سیِّدُنا امام قشیری علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۴۶۵ھ) ''رسالہ قشیریہ'' میں فرماتے ہیں: ''شکر کی تین اقسام ہیں:

(۱)......زبان کا شکر عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے نعمت کا اعتراف کرنا ہے۔

(۲)......جسم اور اعضا کا شکر فرماں برداری اور خدمت سے متصف ہونا ہے۔

(۳)......دل کا شکر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرمت کی دائمی پاسداری کے ساتھ اس کی بارگاہ میں حاضر رہنا ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابو بکر وراق محمد بن عمر ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی (کان حیا قبل سنة ۲۴۰ھ) فرماتے ہیں: ''نعمت کا شکر

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ ۳۰، الفجر، تحت الایۃ: ۲۷، ج ۴، ص ۳۷۸.

احسان ونعمت کوملحوظِ خاطر رکھنا اوراس کی حرمت کی حفاظت کرنا ہے۔''

حضرت سیِّدُ نا ابو صالح حمدون قصَّار علیہ رحمۃ اللہ الغفَّار (متوفی ۲۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت کے معاملے میں تُو خود کو ایک طفیلی (یعنی تابع) سمجھے (یعنی کسی کے طفیل تجھے بھی نعمت مل گئی)۔''

حضرت سیِّدُ نا ابو عثمان سعید حیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۹۸ھ) فرماتے ہیں: ''شکر کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی حقیقت کو جاننے کا نام شکر ہے۔''

حضرت سیِّدُ نا شیخ ابو بکر بن جحدر شبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۳۳۴ھ) فرماتے ہیں: ''شکر، نعمت کو مدِّ نظر رکھنے کا نام نہیں بلکہ نعمت عطا فرمانے والے کو پیشِ نظر رکھنے کا نام ہے۔''[1]

الحاصل اہل جنت کی کامل نعمتیں اوران پر عام احسانات ایسے ہیں جن کا تعلق قطعاً فانی اُمورِ دُنیا سے نہیں اور وہ ایسی ابدی عظیم لذَّتیں ہیں کہ ان کے مقابلے میں دنیا کی تمام لذتیں وہم وگمان کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کو پالینا ایسی کامیابی وکامرانی اور سعادتِ کبریٰ ہے جس کے بعد کبھی بدبختی نہیں۔

شانِ رسولِ عربی

کامیابی صرف اتباعِ رسول میں ہے:

ماقبل مذکورہ تمام اُخروی نعمتوں کے حصول کی صرف اور صرف یہی صورت ہے کہ اقوال وافعال اور عقائد واخلاق میں کامل طور پر حضور **خَاتَمُ النَّبِیِّیْن، سَیِّدُنَا وَسَیِّدُ الاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْن** صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا اتباع وپیروی کی جائے۔

(یہاں سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے طریقہ محمدیہ کے اس جملے کے ہر ہر لفظ کی شرح بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ جس میں درج ذیل امور کا بیان ہے (۱) **خَاتَمُ النَّبِیِّیْن** کا معنی ومفہوم (۲) آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے **سَیِّدُ الْاَوَّلِیْنَ وَالآخِرِیْن** ہونے سے مراد اور (۳) کامل اتباع وپیروی سے مراد کیا ہے؟)

خَاتَمُ النَّبِیِّیْن کا معنی ومفہوم:

ابراہیم بن سری بن سہل، المعروف امام زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) ''معانی القرآن'' میں بیان کرتے ہیں: ''خاتم کو

---

[1] ......الرسالۃ القشیریۃ، باب الشکر، ص ۲۱۱۔۲۱۲.

دوطرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔ایک ''خَاتِم'' (زیر کے ساتھ) جس کا معنی ہے،نبیوں کی مہر اورنشانی۔جبکہ دوسرا ''خَاتَم'' (زَبر کے ساتھ) جس کا مفہوم ہے،حضور رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سب سے آخری نبی ہیں،آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے بعد کوئی نبی نہیں۔''[1]

حضرت سیِّدُنا امام عبد اللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٨٥ھ) فرماتے ہیں:''قرآنِ کریم میں یہ لفظ ''خاتم'' حضرت سیِّدُنا عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قراءت کے مطابق ''خَاتَم'' (زَبر کے ساتھ) ہے جس کا معنی ہے،آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں جنہوں نے سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا یا یہ معنی ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ذریعے نبیوں (کی بعثت) کا سلسلہ ختم کیا گیا کیونکہ اگر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے کوئی بالغ شہزادے ہوتے تو یقیناً وہ نبی ہوتے جیسا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے لختِ جگر حضرت سیِّدُنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر ارشاد فرمایا:''اگر یہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے[2]۔''[3]

یہاں حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے بعد حضرت سیِّدُنا عیسیٰ علٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کے نزول کی وجہ سے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ''خَاتَمُ النَّبِیِّین'' ہونے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ جب حضرت سیِّدُنا عیسیٰ علٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام (زمین پر) نزول فرمائیں گے تو دینِ محمدی کے پیروکار بن کر تشریف لائیں گے۔[4]

......ابراز المعانی،ج٢،ص٣٦٦.

......سرکارابدِ قرار،شافعِ روزِ شمار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے شہزادوں کے زندہ نہ رہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ **مولانا محمد اشرف سیالوی** دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:''اگر رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی اولاد نرینہ باقی رکھی جاتی تو مطلوب ومقصود صرف آنحضرت (صلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلَّم) کی ذاتِ اقدس نہ رہتی اور محبوب معظم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی یکتائی برقرار نہ رہتی نیز اگر صاحبزادوں کو نبوت ورسالت عطا نہ کی جاتی تو سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی اولادِ پاک اس شرف وفضیلت سے محروم رہ جاتے جس سے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی اولاد حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق عَلَیْہِمَا السَّلَام کو نوازا گیا یا حضرت اسحاق عَلَیْہِ السَّلَام کی اولاد حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام اور دوسرے انبیاء کرام (عَلَیْہِمُ السَّلَام) کو مشرف فرمایا گیا اور اگر نہیں (یعنی اولادِ پاک مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو) خلعتِ رسالت اور تاجِ نبوت سے سرفراز فرمایا جاتا تو خَاتَمُ النَّبِیِّین صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی شانِ امتیازی یعنی ختمِ نبوت ورسالت میں فرق آتا۔'' (کوثر الخیرات،ص٣٤۔٣٥)

......ماخوذ من سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء فى الصلاة......الخ، الحديث: ١٥١١، ص٢٥٦٧.

......تفسير البيضاوى، پ٢٢، الاحزاب، تحت الاية: ٤٠، ج٤، ص٣٧٨.

سیِّدُ الْاَوَّلین و الآخِرین کا مفہوم:

حضور سیّدُ العٰلمین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تمام انبیا کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام ، ان کی اُمّتوں اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں سے افضل واعلیٰ ہیں اور سیِّد (یعنی سردار) وہ ہوتا ہے جو مرتبے میں دوسروں سے افضل واعلیٰ اور بلند وبالا ہو۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب سابقہ انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے یہ حکم تھا کہ اگر وہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا زمانہ پائیں تو آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا اتباع وپیروی کریں تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اُمّت کو یہ حکم کیوں نہ ہوگا جو انبیا بھی نہیں؟

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے عہد لیا گیا:

اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِّیَّۃ میں ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دیگر انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر فضل واحسان فرماتے ہوئے ان سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر وہ تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان کی حمایت ونصرت بھی کریں۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

(پ٣، اٰل عمران: ٨١)

ترجمۂ کنز الایمان: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا قتادہ، حضرت سیِّدُنا حسن اور حضرت سیِّدُنا طاءُوس رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اس آیتِ مبارکہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ اُس نے حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے لے کر حضرت سیِّدُنا محمد مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تک مبعوث ہونے والے تمام انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے کا عہد لیا ہے۔''

ایک قول کے مطابق اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انبیا کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اوران کی امتوں سے عہد لیا تھا۔لیکن یہاں آیتِ مبارکہ میں انبیا کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا تذکرہ کر دینے سے ان کی امتوں کا ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہی۔''

حضرت سیِّدُنا علی بن ابی طالب کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم اورحضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمام انبیا کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو یہ عہد لے کر مبعوث فرمایا کہ اگر ان کی زندگی میں نبی آخرالزماں، حضرت محمدِ مصطفٰی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بعثت ہوتو وہ ضرور ان پر ایمان لائیں گے اوران کی حمایت ومدد بھی کریں گے۔''

تنبیہ: حضرت سیِّدُنا قتادہ، حضرت سیِّدُنا حسن اورحضرت سیِّدُنا طاءُوس رحمہم اللہ تعالیٰ تینوں حضرات کا قول، حضرت سیِّدُنا علی المرتضی اورحضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول کے معارض ومنافی نہیں بلکہ ان کے فرمان کولازم ہے اوراس کا متقاضی ہے۔

بعض کا قول یہ ہے کہ ''اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انبیا کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اپنی اپنی امتوں سے یہ عہد لیا کرتے تھے کہ جب حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰی، احمد مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بعثت ہوتو وہ ان پر ایمان بھی لائیں اوران کی مدد بھی کریں (یعنی یہ عہد انبیا کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے نہیں لیا گیا بلکہ صرف امتوں سے لیا جاتا تھا)۔''

اس قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جن افراد سے یہ عہد لیا اُن پر صاحبِ معطر پسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بعثت کے وقت آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر ایمان لانا واجب تھا۔ حالانکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بعثت کے وقت تمام انبیا کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام اس جہانِ فانی سے وصال ظاہری فرما چکے تھے اور جو ظاہری طور پر زندہ نہ ہو وہ احکامات کا مکلّف (پابند) نہیں رہتا۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ عہد امتوں سے لیا گیا تھا۔

نیز اپنے مؤقف کی تائید میں یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جن لوگوں سے عہد لیا تھا ان کے بارے میں یہ فیصلہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر انہوں نے اس عہد سے روگردانی کی تو وہ فاسق ہو جائیں گے اوراس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ وصف انبیا کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے شایانِ شان نہیں بلکہ ان کی امتوں کا ہوسکتا ہے۔

اس قول اور دلیل کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس آیت مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ اگر حضرات انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ظاہری حیات شریف میں حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تشریف لے آتے تو (اس وقت) ان پر واجب ہوتا کہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر ایمان لائیں اور ایسی کئی مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

لَىٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (پ۲۴،الزمر۶۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔

حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ جانتا ہے کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے کبھی بھی شرک جیسا فعل سرزد نہیں ہوسکتا لیکن اس کے باوجود یہ ارشاد فرمایا۔ تو یہ ایک فرضی اور تقدیری کلام ہے۔ (اسی طرح عہد والی آیت میں بھی کلام فرضی وتقدیری ہے)

﴿۲﴾

وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ﴿۴۶﴾ (پ۲۹،الحاقۃ۴۴تا۴۶)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے، ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے، پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے۔

﴿۳﴾ ایک جگہ فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ (پ۱۷،الانبیاء۲۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے۔

حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرشتوں کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے ذرّہ بھر انحراف نہیں کر سکتے۔ نیز وہ تو ہر لمحہ اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والے ہیں۔ لہٰذا ان فرامین سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ یہ ایک فرضی اور تقدیری کلام ہے۔

اور اگر یہ آیت مبارکہ اس تقدیر پر نازل ہوئی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمام انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر واجب

فرمایا کہ اگر وہ نبیِ آخر الزماں صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا زمانہ پائیں تو ان پر ضرور ایمان لائیں اور پھرنے والے ضرور فاسقوں میں سے ہوجائیں گے۔ پھر یہ تو زیادہ اولیٰ ہوگا کہ ان کی امتوں پر حضور نبیِ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر ایمان لانا لازم نہ ہو(یعنی اگر بالفرض ایسا ہے) پس ثابت ہوا کہ حصولِ مقصود کے لئے اس میثاق وعہد کا تعلق انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے ساتھ ہی خاص کرنا زیادہ قوی ومضبوط ہے۔

ساری کائنات کے رسول:

حضرت سیِّدُنا امام تقی الدین سبکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۵۶ھ) اس آیت میثاق کے بارے میں فرماتے ہیں: ''آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک زمانے میں انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے موجود ہونے کو فرض کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم، انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بھی رسول ہیں اور یہ اس لئے کہ تاجدارِ رسالت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی نبوت ورسالت حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام افراد کے لئے ثابت ہوجائے اور تمام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور ان کی امتیں بھی آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اُمَّت میں شمار ہوں اور حضور رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمان کہ ''مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔''[1] صرف آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے زمانے سے لے کر قیامت تک آنے والے لوگوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بعثت سے پہلے کے انسانوں کو بھی شامل ہے۔

اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے عہد لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ جان لیں کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ان سب سے مقدَّم اور ان سب کے نبی ورسول ہیں اور یہ عہد لینا خلیفہ بنانے کے معنی میں ہے اسی لئے ''لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ'' میں دونوں جگہ پر لامِ قسم داخل ہے جس میں ایک انتہائی باریک نکتہ یہ ہے کہ گویا یہ عہد اس بیعت کا حلف اٹھانا ہے جو خلفا سے لیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس عہد کے ذریعے تمام انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے خلیفہ ہونے کا حلف لیا گیا ہو۔ اے بندے! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے حضور نبیِ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو دی جانے والی اس عظمت ورفعت کو پہچان اور جب یہ جان لیا تو تجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرت محمد مصطفٰی،

[1] ......ماخوذ من صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعلت لی الارض......الخ، الحدیث: ۴۳۸، ص ۳۷.

احمد مجتبٰی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ آخرت میں اس کا اظہار تمام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے جھنڈے تلے جمع ہونے سے ہوگا جیسا کہ دُنیا میں اس کا اظہار معراج کی رات ہوا جب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے تمام انبیا کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو نماز پڑھائی۔

اگر حضرت سیِّدُنا آدم، حضرت سیِّدُنا نوح، حضرت سیِّدُنا ابراہیم، حضرت سیِّدُنا موسیٰ اور حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے زمانے میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تشریف آوری یکساں طور پر ہوتی تب بھی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم معنوی اعتبار سے ان سب کے نبی اور رسول ہوتے۔ البتہ! آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا امرِ شریعت اِن انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ جمع ہونے پر موقوف رہتا اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے امرِ شریعت کا موخر ہونا اس امر کی وجہ سے ہے جو دیگر انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے وجود کی طرف راجع ہے اور اس طرف راجع نہیں کہ وہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی شریعت کے تقاضوں سے متصف نہیں اور قاعدہ واصول ہے کہ ''فعل کے قبولیت محل پر موقوف ہونے اور اس فعل کے اہلیت فاعل پر موقوف ہونے میں فرق ہے۔'' جبکہ یہاں نہ تو فاعل کی جہت سے توقف ہے اور نہ ہی حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ذات مبارکہ کی جہت سے۔ بلکہ توقف تو زمانے کے وجود کی جہت سے ہے جو توقف پر مشتمل ہے۔

پس اگر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے زمانے میں تشریف لے آتے تو یقیناً ان سب پر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع لازم ہوجاتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام آخری زمانے میں جب دوبارہ واپس تشریف لائیں گے تو وہ اس وقت بھی بدستور ایک محترم نبی ہی ہوں گے، ایسے نہیں ہوگا جیسے بعض لوگوں کا گمان ہے کہ آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ایک امتی بن کر تشریف لائیں گے۔ البتہ! آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اس اعتبار سے اس امت کے ایک فرد ہوں گے کہ امام الانبیا صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع کریں گے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی شریعت یعنی قرآن وسنت کے اوامر ونواہی کے مطابق فیصلے کریں گے۔ ان کا تعلق آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے ایسا ہی ہوگا جیسے بقیہ تمام امت کا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے ہے اور وہ بدستور نبی بھی ہوں گے۔ ان کی نبوت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ ہوگی۔ اسی طرح سرکارِ ابد قرار، شافعِ روزِ شمار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم

حضرت سیِّدُ نا عیسیٰ یا حضرت سیِّدُ نا موسیٰ، حضرت سیِّدُ نا ابراہیم، حضرت سیِّدُ نا نوح یا حضرت سیِّدُ نا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے زمانے میں تشریف لاتے تو وہ بدستور اپنی اپنی امتوں کے نبی اور رسول رہتے اور محبوب ربُّ العلمین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بھی ان سب کے نبی اور اُن کی طرف رسول ہوتے۔ لہٰذا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی نبوت و رسالت ان سب سے عظیم اور عام ہے اور سب کو شامل ہے نیز دیگر تمام شریعتوں میں جو اُصول تھے ان سے متفق ہے کیونکہ اصول کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔

اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی شریعت کے گذشتہ شریعتوں سے تقدم میں جو فرق ہے وہ فروعی اعتبار سے ہے۔ اور اس کی تین صورتیں ہیں (۱) بعض احکام کا اس امت کے ساتھ خاص ہونا (۲) گزشتہ احکام کا منسوخ ہو جانا (۳) احکام کا خاص ہونا نہ منسوخ ہونا بلکہ اُس زمانے کی اُمَّتوں کے اعتبار سے اُن کے انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی لائی ہوئی شریعت ہی حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی شریعت ہے اور آج اِس زمانے میں اِس اُمَّتِ مرحومہ کے اعتبار سے ہے اور (یہ بات واضح ہے کہ) شرعی احکام افراد اور زمانے کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں۔

نیز اس وضاحت سے ہمیں ان دو احادیثِ مبارکہ کا مفہوم بھی واضح طور پر معلوم ہو گیا جو ظاہراً مخفی تھا۔ ایک وہ جس میں ارشاد فرمایا: ''مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔'' ہمارا اس سے گمان یہ تھا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی نبوت صرف آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے زمانے سے قیامت تک کے لئے ہے۔ لیکن مذکورہ وضاحت سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اوّلین و آخرین تمام انسانوں کے نبی ہیں۔ دوسری حدیثِ پاک وہ جس میں ارشاد فرمایا: ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام روح اور جسم کے درمیان تھے۔''[1] ہمارا اس سے گمان یہ تھا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس وقت علم کے اِعتبار سے نبی تھے جبکہ اس وضاحت سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس وقت آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی حیثیت اس سے بھی بڑھ کر تھی۔

اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس دُنیا میں ظاہری وجودِ مسعود اور عمر مبارک کے چالیس سال مکمل ہونے کے بعد کی حالت اور اس سے قبل کی حالت میں فرق دو اعتبار سے ہے: (۱) ان افراد کے اعتبار سے جن کی طرف آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم مبعوث ہوئے اور (۲) اُن کے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے کلامِ مبارک کو سننے (سمجھنے) کی اہلیت

[1]......التاریخ الکبیر للبخاری، باب المیم، باب میسرة، الحدیث: ۱۰۹۴٤، ج۷، ص ۲۵۱.

وصلاحیت کے اعتبار سے۔ اور یہ فرق آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے کلام کے اعتبار سے اور بوقتِ اہلیت ان امتوں کی ذوات کے اعتبار سے نہیں اور احکام کا شرائط پر معلق ہونا کبھی ان کو قبول کرنے والے محل کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی فاعل کے اعتبار سے۔ یہاں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے نبی ہونے کا حکم قبول کرنے والے محل کے اعتبار سے معلق ہے یعنی ان کی طرف آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کا مبعوث ہونا اور ان کا آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے مقدّس کلام کو سن کر قبول کرنا اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے جسدِ اطہر کو قبول کرنا جو اپنی زبانِ حق ترجمان سے ان کو مخاطب فرماتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے باپ کا کسی شخص کو اپنی بیٹی کے نکاح کا وکیل بنانا کہ جب کفو پایا جائے (تو نکاح کردے) پس وکیل بنانا صحیح، وہ شخص وکالت کا اہل اور اس کی وکالت ثابت ہے اور نکاح کفو[1] کے پائے جانے پر موقوف رہے گا جو کچھ مدت کے بعد ہی دستیاب ہوتا ہے اور یہ چیز نہ اس کی وکالت پر اثر انداز ہوگی اور نہ ہی اس کے وکیل ہونے کی اہلیت متاثر ہوگی۔[2]

اتباعِ رسول کا بیان

حضور نبیٔ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی کامل اتباع کی چار صورتیں ہیں:

(۱)......عقائد میں اتباع (۲)......اقوال میں اتباع (۳)......اخلاق میں اتباع (۴)......افعال میں اتباع۔

---

[1] ......**دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ 1182 صفحات پر مشتمل کتاب، ''**بہارِ شریعت**'' جلد دوم صفحہ 53 پر صدر الشریعہ، بدر الطریقہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷) کفو کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''کفو کے یہ معنی ہیں کہ مرد، عورت سے نسب وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح، عورت کے اولیا کے لئے باعث ننگ وعار (یعنی بے عزتی ورسوائی کا سبب) ہو۔ کفاءت (یعنی حسب ونسب میں ہم پلہ ہونا) صرف مرد کی جانب سے معتبر ہے عورت اگرچہ کم درجہ کی ہو اس کا اعتبار نہیں۔'' (الدر المختار ورد المحتار، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ، ج۴، ص۱۹۴) تین سطر بعد مزید فرماتے ہیں: ''کفاءت میں چھ چیزوں کا اعتبار ہے: ① نسب، ② اسلام، ③ حرفہ (یعنی پیشہ)، ④ حریت (یعنی آزاد ہونا)، ⑤ دیانت، ⑥ مال۔ قریش میں جتنے خاندان ہیں وہ سب باہم کفو ہیں یہاں تک کہ قرشی غیر ہاشمی، ہاشمی کا کفو ہے اور کوئی غیر قرشی، قریش کا کفو نہیں۔ قریش کے علاوہ عرب کی تمام قومیں ایک دوسرے کی کفو ہیں انصار ومہاجرین سب اس میں برابر ہیں۔ عجمی النسل، عربی کا کفو نہیں مگر عالم دین کہ اس کی شرافت، نسب کی شرافت پر فوقیت رکھتی ہے۔''

(الفتاوی الخانیۃ، کتاب النکاح، فصل فی الاکفاء، ج۱، ص۱۶۳۔

الفتاوی الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الاکفاء، ج۱، ص۲۹۰، ۲۹۱)

[2] ......المواھب اللدنیۃ، المقصد السادس، النوع الثانی، ج۲، ص۴۱۴ تا ۴۱۷۔

(۱) عقائد میں اِتباع

عقیدہ کی تعریف:

عقیدہ ان دینی امور کا نام ہے جن پر دل بغیر کسی شک وشبہ اور تر دد کے پختہ ہو جائے۔ کیونکہ دین کے کسی معاملے میں شک وشبہ اور تر دد کفر ہے۔ یوں ہی ظن بھی ہے، اس کی تعریف یہ ہے کہ (دو چیزوں میں تر دد کے وقت) کوئی ایک طرف راجح ہو تو اسے ظن کہتے ہیں۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْــٴًـا ؕ (پ۱۱، یونس ۳۶) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ترجمۂ کنزالایمان: جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے ربّ سے ملنا ہے۔ (پ۱، البقرۃ: ۴۶)

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یعنی خوفِ خدا رکھنے والے لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ملاقات اور اس کے ہاں ملنے والے انعامات کی توقع رکھتے ہیں یا وہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا اور وہ انہیں (اعمال کے مطابق) بدلہ عطا فرمائے گا۔ لفظ ''ظن'' سے یہی مراد ہونے کی تائید حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس آیتِ مبارکہ کے الفاظ یَظُنُّوْنَ کے بجائے یَعْلَمُوْنَ ہیں اور ظن جب راجح ہونے میں علم کے درجے میں پہنچ جائے تو اس وقت یہ تَوَقُّع (یعنی کسی چیز کے ملنے کی امید رکھنا) کے معنی میں ہوتا ہے۔'' (1)

اس سے معلوم ہوا کہ ظن کی دو اقسام ہیں: (۱) جس میں تر دد کی دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک راجح ہو، ایسا ظن ایمان کے معاملے میں کفر ہے (۲) دوسری صورت میں یہ توقع اور یقین کے معنی میں ہوتا ہے اور یہ خالص ایمان ہے۔

---

1 ......تفسیر البیضاوی، پ۱، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۴۶، ج۱، ص۳۱۷.

ہر اتباع کی اصل:

حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَو لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع اور پیروی میں سب سے پہلے عقائد کا ذکر اس لئے کیا گیا کیونکہ یہ ہر اتباع کی اصل ہے اور اس پر تمام اعمال کا دار و مدار ہے نیز اس کا تعلق دل سے ہے اور دل کے اعمال کا بھی مؤاخذہ ہوگا۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ ترجمۂ کنزالایمان: ہاں! اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کئے۔ (پ۲، البقرۃ:۲۲۵)

نیز عقائد کو پہلے ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نظرِ رحمت فرمانے کی جگہ (یعنی دل) کو پاک کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ ''رِیَاضُ الصَّالِحِین'' میں حضرت سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ الولی نے ایک طویل حدیثِ پاک ذکر کی۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارے جسموں، تمہاری صورتوں (ایک روایت میں ہے) اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کی طرف نظر فرماتا ہے۔''[1]

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو ملاحظہ فرماتا ہے۔''[2]

(۲) اَقوال میں اِتباع

اقوال میں اتباع کا معنی:

اس سے مراد یہ ہے کہ نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مبنی ان فرامین کی پیروی کرنا جو سب کے لئے عام ہیں نہ کہ وہ جو حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ خاص

[1] ......صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم ظلم المسلم ......الخ، الحدیث: ۴۳۔۶۵۴۲، ص ۱۱۲۷.

[2] ......المرجع السابق، الحدیث:۶۵۴۳، ص ۱۱۲۷.

ہیں جیسا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا عمل تھا اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کبھی کسی امتی کا (نام لے کر) عیب ظاہر نہ فرماتے بلکہ یوں ارشاد فرمایا کرتے: ''مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَّفْعَلُوْنَ کَذَا یعنی لوگوں کو کیا ہو گیا جو ایسے کام کرتے ہیں۔''

فرمانِ باری تعالیٰ ''وَلَا تَجَسَّسُوْا'' کے تحت تفسیر خازن میں یہ حدیث شریف موجود ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم منبر اقدس پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے ارشاد فرمایا: ''اے وہ لوگو جو زبان سے تو اسلام لائے ہو مگر تمہارے دلوں میں ابھی تک ایمان داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کو ایذا مت دو۔ انہیں برا بھلا نہ کہو اور نہ ہی ان کے پوشیدہ معاملات کی ٹوہ (یعنی تلاش) میں رہو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے پوشیدہ معاملے میں تجسس کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا پردہ فاش کر کے اس کے پوشیدہ راز کو ظاہر فرما دیتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے تہہ خانے میں ہو۔'' (1)

خلاصۂ کلام:

خَاتَمُ الْمُرْسَلِین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع فرمانا ہمیشہ عمومی انداز میں ہوتا اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے متعلق یہ ثابت نہیں کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے کسی معین فاسق شخص کو یہ فرمایا ہو کہ ''لَا تَفْعَلِ الْفِسْقَ یعنی تم فسق کا ارتکاب نہ کرو۔'' بلکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہر مسلمان کے بارے میں اچھا گمان ہی رکھتے تھے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے ایسی بات صادر ہو اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اپنے مسلمان بھائی کے پوشیدہ معاملات کی ٹوہ میں نہ رہو۔'' تو کیا ایسا ہو سکتا تھا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم خود تو لوگوں کے پوشیدہ معاملات کی ٹوہ میں رہتے لیکن دوسروں کو اس سے منع فرماتے اور خود ان کے عیوب بھی نہ چھپاتے؟ (ایسا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا)۔

تفسیر خازن، سورۃ الحجرات، تحت الآیۃ 12، جلد 4، صفحہ 171 پر اسی آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، اَنِیْسُ الْغَرِیْبِیْن، سِرَاجُ السَّالِکِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص دنیا میں کسی کا عیب چھپاتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ بروزِ قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔'' (2)

---

1 ......جامع الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن، الحدیث: ۲۰۳۲، ص ۱۸۵۵۔
تفسیرالخازن، پ ۲۶، الحجرات، تحت الآیة: ۱۲، ج ۴، ص ۱۷۱.

2 ......صحیح مسلم، کتاب البر، باب بشارة من ستر اللّٰہ تعالٰی ......الخ، الحدیث: ۶۵۹۴، ص ۱۱۳۰.

پس حضور سیِّدُ الْمُبَلِّغِین، جنابِ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے فرامین مبارکہ کی اتباع کرتے ہوئے اَمر بِالْمَعْرُوْف وَنَھی عَنِ الْمُنْکَر (یعنی نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے) کا یہی طریقہ ہے۔

(۳) اَخلاق میں اِتباع

خُلُقِ عظیم کے مالک:

مَحبوبِ ربُّ العلمین، جنابِ صادق وامین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے تمام اَخلاقِ مبارکہ انتہائی عظیم تھے۔آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اخلاق کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴿۴﴾ (پ۲۹،القلم:۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک تمہاری خوبو (خلق) بڑی شان کی ہے۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر یوں کرتے ہیں: ''کیونکہ (اے محبوب!) تم اپنی قوم کی طرف سے ایسا برا سلوک برداشت کرتے ہو جو دوسرے انسان برداشت نہیں کرسکتے۔''

اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ارشاد فرمایا: ''حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا خُلُق قرآنِ کریم ہے، کیا تم قرآنِ پاک نہیں پڑھتے؟ (پھر یہ آیت تلاوت فرمائی) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ (پ۱۸،المؤمنون:۱) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے۔'' (1)

تفسیرِ خازن میں ہے: ''رحمتِ کونین، ہم غریبوں کے دل کے چین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اَخلاقِ حسنہ اور افعالِ جمیلہ بہت زیادہ ہیں اس لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کو عظیم قرار دیا اور خلق سے مراد ایسی قوائے نفسانیہ (یعنی جسمانی قوتیں) ہیں جن سے متصف انسان کے لئے قابلِ تعریف افعال اور پسندیدہ آداب کا بجالانا آسان ہوجاتا ہے گویا یہ اس کی فطرت وعادت ہیں۔

(1)......تفسیر البیضاوی، پ۲۹،القلم،تحت الآیۃ:۴، ج۵، ص ۳۶۹.

حسنِ اَخلاق میں داخل اشیا:

(امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) مزید فرماتے ہیں) حسن اخلاق میں یہ چیزیں داخل ہیں: خودغرضی، کنجوسی اور معاملات میں شدت اختیار کرنے سے اجتناب کرنا، قول وفعل کے ذریعے لوگوں سے محبت کرنا، سخاوت کرنا، اپنوں اور بیگانوں سے اچھے انداز میں میل جول رکھنا، تمام امور میں نرمی کا پہلو مدِّنظر رکھنا، دوسروں پر لازم اپنے حقوق کے معاملے میں نرمی کرنا، قطع تعلقی اور لڑائی جھگڑا ترک کرنا اور ہر چھوٹے بڑے کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو خندہ پیشانی اور خوش مزاجی سے برداشت کرنا۔ یہ خصائل حمیدہ تمام محاسن اخلاق اور مکارمِ افعال کے جامع ہیں۔ بے شک یہ سب رحمتِ کونین، ہم غریبوں کے دل کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ذاتِ اقدس میں موجود ہیں۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان الفاظ میں اپنے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تعریف فرمائی:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴿۴﴾ (پ ۲۹، القلم: ۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک تمہاری خوبو (خلق) بڑی شان کی ہے۔

خُلُقِ عَظِیْم کا مفہوم:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ''خلق کا معنی یہ ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ایک ایسے عظیم دین پر ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک اُس سے زیادہ محبوب دین کوئی نہیں اور نہ وہ کسی دین سے اس سے زیادہ راضی ہے اور وہ دین، دین اسلام ہے۔''

حضرت سیِّدُنا امام حسن بصری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: ''خلق سے مراد قرآنِ کریم کے آداب (یعنی اس میں بیان کئے گئے اخلاق) ہیں۔''

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اخلاقِ عالیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا: ''آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا خلق قرآنِ کریم ہے۔''[1]

حضرت سیِّدُنا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے خلق سے مراد یہ ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اوامر بجالاتے اور نواہی سے مکمل اجتناب فرماتے۔ تو اس اعتبار سے آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ

[1] ......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدة عائشة، الحدیث: ۲۵۸۷۱، ج ۱۰، ص ۳۸.

ہوگا کہ ''اے محبوب! بے شک آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اُس خُلق پر ہیں جس کا حکم قرآنِ کریم میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو دیا ہے۔''

ایک قول یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے خلق کو اس لئے عظیم فرمایا کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان پر عمل پیرا ہیں:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ (پ۹، الاعراف: ۱۱۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔ [1]

تمام خوبیوں کے مالک:

حضرت سیِّدُنا عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۶۶۰ ھ) فرماتے ہیں: ایک قول یہ بھی ہے کہ ''آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اس فطرتِ کریمہ پر تھے جس میں تمام انبیا کرام عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی عمدہ خوبیاں جمع تھیں، کیونکہ ان کی خوبیاں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو بیان کردی گئی تھیں اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو حکم فرمایا گیا:

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (پ۷، الانعام: ۹۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تم انہیں کی راہ چلو۔

اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّیَّۃ میں ہے، حضرت سیِّدُنا حلیمی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۴۰۳ ھ) فرماتے ہیں: ''رسولِ اَکرم، شفیعِ معظم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے خلق کو ''عظیم'' فرمایا گیا حالانکہ عموماً خلق کو ''کریم'' کہا جاتا ہے، کیونکہ خلق کے کریم ہونے سے مراد بردباری، امانت اور نرم مزاجی ہے اور حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَولاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اَخلاق صرف انہی اوصاف پر مشتمل نہیں بلکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم مومنین کے لئے رحیم ومہربان اور کفار پر سخت تھے، دشمنوں کے دلوں میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ہیبت تھی نیز کفار پر ایک ماہ کی مسافت سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا رعب ودبدبہ بٹھا کر آپ کی مدد فرمائی گئی۔ لہٰذا آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے خلق کو ''عظیم'' کہنا ہی بہتر ہے تاکہ یہ خلق انعام وانتقام دونوں کو شامل ہوجائے۔'' [2]

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۲۹، القلم، تحت الایة: ٤، ج٤، ص ۲۹٤.

[2] ......المواهب اللدنیة، المقصد الثالث، الفصل الثانی، ج۲، ص ۸٤.

حضرت سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۲۹۷ ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا خلقِ عظیم تھا کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا مقصد صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا تھی۔''

ایک قول یہ بھی ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے اخلاق کے ساتھ مخلوق میں زندگی گزاری لیکن انہیں اپنے دل سے جدا کئے رکھا۔''

ایک قول یہ بھی ہے کہ ''آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ذاتِ ستودہ صفات میں تمام اخلاقِ حسنہ جمع ہونے کی بنا پر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے خلق کو عظیم کہا گیا۔''

حضرت سیِّدُ نا حافظ سلیمان بن احمد طبرانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۶۰ ھ) مُعْجَمُ الْاَوْسَط میں نقل فرماتے ہیں، حضرت سیِّدُ نا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے تمام مکارمِ اخلاق اور محاسن افعال سے نواز کر مبعوث فرمایا۔'' (1)

مؤطا امام مالک میں ہے کہ دافِعِ رنج و مَلال، صاحبِ جُود و نوال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔'' (2) اس سے معلوم ہوا کہ تمام اخلاقِ حمیدہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ذاتِ مبارکہ میں جمع تھے اس لئے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اخلاقی تربیت قرآنِ کریم کے ذریعے کی گئی۔

ایک لطیف اشارہ:

''عَوَارِفُ الْمَعَارِف'' میں ہے: اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس فرمان: ''کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن یعنی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا خلق قرآنِ کریم تھا۔'' (3) میں اخلاقِ ربانیہ کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہِ ربوبیت عَزَّوَجَلَّ میں یہ کہنے سے حیا محسوس کی کہ ''رسولِ بے مثال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اخلاق سے متصف تھے۔'' تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے فرمان ''کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن'' سے یہ معنی مراد لیا تاکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جلالت سے حیا بھی برقرار رہے اور اس لطیف کلام کے ذریعے حقیقت

......المعجم الاوسط ، الحدیث: ۶۸۹۵، ج۵، ص۱۵۳.

......المؤطا لامام مالک ، کتاب حسن الخلق ، باب ماجاء فی حسن الخلق، الحدیث: ۱۷۲۳، ج۲، ص۴۰۴ ''مکارم'' بدلہ ''حسن''.

......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدة عائشة رضی اللہ عنہا، الحدیث: ۲۵۸۷۱، ج۱۰، ص۳۸ .

سے پردہ بھی اٹھ جائے اور یہ فرمان اُمُّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی انتہائی عقلمندی اور باادب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔
پس جس طرح قرآنِ کریم کے معانی کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح خَاتَمُ الْمُرْسَلِین، جنابِ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اخلاقِ عظیمہ پر دلالت کرنے والے اوصاف کی بھی کوئی حد نہیں، کیونکہ تمام احوال میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے عمدہ اخلاق اور اچھی عادات کی نئی جھلک سامنے آتی ہے۔ [1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے علوم ومعارف میں سے جن کے ساتھ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو نوازا، ان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا حضور محبوب ربُّ العٰلمین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اخلاقِ حمیدہ کو تفصیلی طور پر شمار کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی نفیس طبیعت میں پیدائشی طور پر ہی خصائل حمیدہ شامل کر دیئے گئے تھے جو کسی ذاتی مشقت سے حاصل نہیں ہوئے بلکہ محض اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عطا وبخشش سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے قلبِ اطہر میں علم ومعرفت کے انوار لگاتار جگمگاتے رہے یہاں تک کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم انتہائی بلند مقام پر فائز ہو گئے۔ ان تمام خصائلِ حمیدہ کی اصل کمالِ عقل ہے کیونکہ اسی کے ذریعے باعثِ فضیلت کاموں کا انتخاب کیا جاتا ہے اور رذیل وگھٹیا کاموں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ [2]

نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی عقل شریف:

حضرت سیِّدُنا امام حافظ ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۳۰ھ) ''حِلْیَۃُ الْاَوْلِیَاء'' میں اور امام ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے 71 کتابیں پڑھیں اور سب میں یہ پایا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا کی ابتدا سے انتہا تک تمام انسانوں کو جو عقل عطا فرمائی اس کی حیثیت تاجدارِ دوجہاں، مکی مدنی سلطان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی عقل کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے ساری دُنیا کی ریت کے مقابلے میں ریت کا ایک ذرّہ۔ یقیناً مَحبوبِ ربُّ العٰلمین، جنابِ صادق وامین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم عقل کے لحاظ سے بھی تمام انسانوں سے بہتر ہیں اور رائے کے لحاظ سے بھی سب سے افضل ہیں۔'' [3]

---

[1] ......عوارف المعارف ،التاسع والعشرون فی اخلاق الصوفیۃ،ص۱۳۸ .

[2] ......المواھب اللدنیۃ،المقصد الثالث،الفصل الثانی، ج۲،ص۸۵ .

[3] ......حلیۃ الاولیاء ، وھب بن منبہ ، الحدیث: ۴۶۵۲، ج۴، ص ۲۹ .

بعض علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے ''عَوَارِفُ الْمَعَارِف'' میں منقول ہے کہ ''عقل کے 100 حصے ہیں۔ 99 حصے حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو عطا فرمائے گئے اور ایک حصہ باقی تمام مومنین کو دیا گیا۔'' [1]

(٤) اَفعال میں اِتباع

پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی پیاری پیاری 40 سنتیں:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب، منزہٌ عن العیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ساری زندگی محبوب اور پسندیدہ کام ہی کیے (یہاں مختصراً چند بیان کیے جاتے ہیں۔ اے کاش ہمیں بھی حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنتوں پر عمل کا جذبہ مل جائے۔ آمین)۔

﴿۱﴾......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اپنے نعلین مبارک خود سی لیتے۔ ﴿۲﴾......اپنے کپڑوں کو پیوند خود لگا لیتے۔

﴿۳﴾......اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے اور ان کے ساتھ مل کر گوشت کاٹتے۔

﴿۴﴾......(دورانِ گفتگو) اپنی نگاہیں کسی کے چہرے پر نہ گاڑتے۔

﴿۵﴾......غلام ہو یا آزاد ہر شخص کی دعوت قبول فرماتے۔

﴿۶﴾......تحفہ قبول فرماتے اگرچہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ران جتنا ہوتا اور تحفے پر بدلہ بھی عطا فرماتے۔

﴿۷﴾......تحفے میں ملنے والی چیز تناول فرما لیتے لیکن صدقے کی چیز نہ کھاتے۔

﴿۸﴾......بھوک کی شدت میں اپنے مبارک پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔

﴿۹﴾......جو کھانا موجود ہوتا تناول فرما لیتے۔

﴿۱۰﴾......جو شئے کھانے کو میسر آتی اسے نہ لوٹاتے۔

﴿۱۱﴾......کسی بھی حلال کھانے سے پرہیز نہ فرماتے، خواہ بھنا ہوا گوشت یا گندم یا جو کی روٹی یا کوئی میٹھی چیز یا صرف شہد ہی میسر آتا تو تناول فرما لیتے۔

---

[1] ......عوارف المعارف، الباب الثانی فی تخصیص الصوفیة بحسن الاستماع، ص۱۹۔

المواھب اللدنیة، المقصد الثالث، الفصل الثانی، ج۲، ص۸۶۔

﴿۱۲﴾......اگر صرف دودھ دستیاب ہوتا، روٹی نہ ہوتی تو اسی پر اکتفا فرماتے۔

﴿۱۳﴾......اگر صرف خربوزہ یا تر کھجوریں کھانے کو پاتے تو وہی کھا لیتے۔

﴿۱۴﴾......کبھی بھی ٹیک لگا کر کچھ نہ کھاتے۔

﴿۱۵﴾......اس دنیائے فانی سے تشریف لے جانے تک کبھی تین دن متواتر پیٹ بھر کر گندم کی روٹی نہ کھائی اور ایسا محض اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دینے کے لئے کیا کرتے نہ کہ فقر ومحتاجی یا بخل کی بنا پر۔

﴿۱۶﴾......آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تمام لوگوں سے زیادہ عاجزی فرماتے اور سب سے زیادہ خاموشی اختیار فرماتے اور ایسا تکبر کی وجہ سے نہیں تھا (یعنی ایسا نہیں تھا کہ جس طرح بعض لوگ تکبر کی وجہ سے کسی سے بات کرنا گوارا نہیں کرتے بلکہ خاموش رہتے ہیں)۔ پھر یہ کہ دنیا کا کوئی معاملہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو خوف میں مبتلا نہ کر سکتا تھا۔

﴿۱۷﴾......جو کپڑا ملتا زیبِ تن فرما لیتے کبھی شَمْلَہ (پورے جسم کو ڈھانپنے والی چادر، عباء وغیرہ)، کبھی یمنی چادر اور کبھی اون کا جبہ، الغرض! جو بھی مباح کپڑا مل جاتا پہن لیتے۔

﴿۱۸﴾......آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اَنگوٹھی شریف چاندی کی تھی جو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم دائیں یا بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی میں پہنا کرتے۔

﴿۱۹﴾......سواری پر اپنے پیچھے اپنے غلام یا کسی اور کو بٹھا لیتے۔

﴿۲۰﴾......جتنا ممکن ہوتا کبھی گھوڑے، کبھی اونٹ، کبھی بھورے رنگ کے خچر اور کبھی دراز گوش پر سوار ہوتے اور بعض اوقات چادر، عمامہ اور ٹوپی کے بغیر برہنہ پا پیدل ہی چل پڑتے۔

﴿۲۱﴾......مزاح بھی فرمایا کرتے لیکن کبھی بھی حق کے علاوہ کوئی بات نہ فرماتے۔

﴿۲۲﴾......تبسم فرمایا کرتے مگر کبھی قہقہہ نہ لگایا۔

﴿۲۳﴾......مباح کھیلوں کو دیکھ لیتے، انہیں ناپسند نہ فرماتے اور کبھی اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ دوڑ بھی لگا لیتے۔

﴿۲۴﴾......آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس دودھ دینے والی اونٹنیاں اور بھیڑ بکریاں تھیں جن کے دودھ سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اہلِ خانہ غذا حاصل کرتے۔

﴿۲۵﴾......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے چند غلام اور لونڈیاں تھیں۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان کے کھانے اور پہننے کا خاص اہتمام نہ فرماتے (کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم خود بھی سادگی پسند تھے)۔

﴿۲۶﴾......کبھی کبھار آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے باغات میں بھی تشریف لے جاتے۔

﴿۲۷﴾......کسی مسکین کو اس کی محتاجی کی وَجہ سے حقیر نہ سمجھتے اور نہ ہی کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے مرعوب ہوتے۔

﴿۲۸﴾......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہر شخص کو یکساں طور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی وحدانیت کی طرف بلاتے۔

﴿۲۹﴾......جب کسی صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ملاقات ہوتی تو مصافحہ کرنے میں پہل فرماتے، پھر اپنے دستِ اَقدس میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر دباتے۔

﴿۳۰﴾......دورانِ نماز اگر کوئی شخص آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس آ کر بیٹھ جاتا تو نماز مختصر کر کے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور استفسار فرماتے: ''کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟'' اس کی حاجت روائی فرمانے کے بعد دوبارہ نماز میں مشغول ہو جاتے۔

﴿۳۱﴾......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اکثر اس طرح تشریف فرما ہوتے کہ اپنی پنڈلیوں کو اکٹھا کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں سے ان کے گرد حلقہ بنا لیتے (دوزانو اور علاوہ کھانے کے چار زانو بیٹھنا بھی سنت ہے)۔

﴿۳۲﴾......اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محفل میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی نشست نہ پہچانی جاتی تھی کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم مجلس کے پیچھے تشریف فرما ہو جایا کرتے تھے۔

﴿۳۳﴾......اکثر قبلہ رو تشریف فرما ہوتے۔

﴿۳۴﴾......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم جب خاموش ہوتے تب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں بات چیت کرتے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی موجودگی میں کسی بات پر نہ جھگڑتے۔

﴿۳۵﴾......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم گرم چیز تناوُل نہ فرماتے بلکہ یوں ارشاد فرمایا کرتے: ''گرم شے برکت والی نہیں

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی، پس تم اسے ٹھنڈا کرلیا کرو۔''

﴿۳۶﴾......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہمیشہ اپنے قریب سے کھانا تناول فرمایا کرتے۔

﴿۳۷﴾......آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے اور کبھی کبھار چوتھی انگلی سے بھی مدد لیتے لیکن کبھی بھی دو انگلیوں سے کھانا نہ کھاتے بلکہ اس کے متعلق ارشاد فرماتے: ''اس طرح کھانا شیطان کا طریقہ ہے۔''

﴿۳۸﴾......ایک دفعہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ اقدس میں فالودہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس میں سے تناول فرمایا اور استفسار فرمایا: ''اے ابوعبداللہ! یہ کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''میرے ماں باپ، آپ (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) پر قربان! ہم گھی اور شہد کو پتھر کی ہنڈیا میں ڈال کر آگ پر خوب پکاتے ہیں۔ پھر گندم کا گودہ پیس کر اُسے گھی اور شہد پر ڈال دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ پک جاتا ہے اور اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک یہ ایک بہترین کھانا ہے۔''

﴿۳۹﴾...... جب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم لوگوں کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تو اگر وہ آخرت کے متعلق باتیں کر رہے ہوتے تو ان باتوں میں شریک ہو جاتے اور اگر وہ کھانے پینے کے بارے میں گفتگو کر رہے ہوتے تب بھی ان کے ساتھ شاملِ گفتگو رہتے اور اگر وہ دنیا کے معاملہ میں گفتگو کرتے تو ان پر شفقت و مہربانی فرماتے ہوئے کچھ دیر تو ان کا ساتھ دیتے لیکن پھر وہاں سے تشریف لے جاتے۔

﴿۴۰﴾......بعض اوقات لوگ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے سامنے اشعار پڑھتے اور زمانۂ جاہلیت کی بہت سی باتیں بیان کر کے ہنستے، جب وہ ہنستے تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بھی مسکرا دیتے لیکن انہیں کسی حرام فعل پر ہی جھڑکتے۔

الغرض! حضور رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ان کے علاوہ بھی بہت سے افعالِ عظیمہ اور احوالِ شریفہ ہیں۔ اُن سب کا تفصیلی بیان حجۃ الاسلام حضرت سیِّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) کی کتاب ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' میں ہے۔ (1)

......احیاء علوم الدین، کتاب آداب المعیشۃ وأخلاق النبوۃ، بیان جملۃ من محاسن أخلاقہ ﷺ......الخ، ج۲، ص۴۴۲تا۴۵۷، ۴۶۹، باختلاف بعض الالفاظ.

قوم کے بڑوں کوعزت دینا سنت ہے:

حضرت سیِّدُ نا شیخ محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ ھ) کی کتاب ''اَلْمُسَامَرَات''میں ہے: ''تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے سامنے کمینے اور گھٹیا لوگوں کا تذکرہ نہ کیا جاتا۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہر قوم کے مکرّم ومعزز شخص کی عزت افزائی فرماتے اور اسے ان کا والی مقرر فرماتے۔ لوگوں سے محتاط رہتے اور ان سے اجتناب فرماتے لیکن کسی سے خندہ پیشانی سے پیش آنے میں کمی نہ کرتے اور نہ ہی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا اخلاق آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے دوستوں میں کمی کرتا۔ لوگوں سے ان کی ضروریات کے متعلق دریافت فرمایا کرتے۔ اچھی چیز کو اچھا سمجھتے اور اسے صحیح قرار دیتے جبکہ بری شے کو برا قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس کی حوصلہ شکنی بھی فرماتے۔''[1]

پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی شیریں مقالی:

حضرت سیِّدُ نا امام جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' میں ہے: ''مخزنِ جودوسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم جب صبح کا کھانا تناول فرماتے تو رات کا نہ کھاتے اور اگر رات کا تناول فرماتے تو صبح کا نہ کھاتے۔[2] اور آبِ زمزم پر گزارا کر لیتے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ایسی گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی الفاظ مبارک شمار کرنا چاہتا تو شمار کر لیتا۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو سبزہ اور جاری پانی کو دیکھنا پسند تھا۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اوصاف اس سے کہیں زیادہ ہیں جن کا مفصل بیان آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے خصائص واخلاق پر مشتمل کتابوں میں ہے۔'' (مثلاً شفاء شریف، احیاء العلوم، خصائص الکبری اور شمائل ترمذی وغیرہ)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

1 ......محاضرة الابرار و مسامرة الاخيار لابن عربی، خلقه وشمائله وحالته صلی اللہ علیہ وسلم، ج۱، ص۳۱.

2 ......الجامع الصغير للسيوطی، الحديث: ۶۶۱۷، ص۴۱۱.

شیطان کا تعارف

(سیدی علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی متوفی ۹۸۱ھ فرماتے ہیں) وَاِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ یَصُدُّعَنْہُ صَدًّا بِاَقْصٰی جُھْدِہٖ اِنَّمَا یَدْعُوْ حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ فَخُذُوْا حِذْرَکُمْ وَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا فَاِنَّہٗ کَلْبٌ مُّبِیْرٌ فَغَایَۃُ بُغْیَتِہٖ سَلْبُ الْاِیْمَانِ وَالْخُلُوْدُ الدَّائِمُ فِی النِّیْرَانِ ثُمَّ الْفِسْقُ الظَّاھِرُ وَالظُّلْمُ الْقَاھِرُ وَاَدْنَاھَا التَّثْبِیْطُ فِی الْخَیْرَاتِ وَالْحِطُّ فِی الْمَرَاتِبِ وَالدَّرَجَاتِ وَلَا یَرْضٰی بِہٖ اِلَّا عِنْدَ الْیَأْسِ مِنْ غَیْرِہٖ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ثُمَّ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّہٖ ترجمہ: بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے وہ اپنی انتہائی کوشش سے بندے کو اُخروی کامیابی سے روکتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو اس لئے اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ وہ جہنمی ہوجائیں۔ لہٰذا تم ہوشیار رہو اور اسے اپنا دشمن ہی رکھو کیونکہ وہ ہلاک کرنے والا کتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی چاہت یہ ہے کہ بندے کا ایمان چھن جائے اور وہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بن جائے یا پھر وہ ظاہری فسق اور اپنی جان پر ظلم (یعنی گناہ) کرنے والا ہوجائے اور شیطان کی ادنیٰ چاہت یہ ہے کہ (اگر بندہ سلبِ ایمان اور ظاہری فسق سے بچ جائے تو کم ازکم) وہ بھلائی کے کاموں سے رک جائے اور بلند مراتب اور عملی درجات حاصل نہ کرے اور شیطان ان آخری دو باتوں کی طرف اسی وقت آتا ہے جب سلبِ ایمان اور ظاہر فسق میں مبتلا کرنے سے مایوس ہوجائے۔ ہم اس کے شر سے بار بار اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان کون ہے؟ اور وہ انسان کا دشمن کیوں ہے؟

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۹۸﴾ (پ ۱۴، النحل ۹۸)

ترجمۂ کنز الایمان: تو جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود سے۔

شیطان کون ہے؟

حضرت سیِّدُنا ابو محمد خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) مذکورہ آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''شیطان سے مراد ابلیس ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ اسمِ جنس ہے جس کا اطلاق تمام سرکش شیاطین پر ہوتا ہے کیونکہ انہیں تمام

انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی قدرت حاصل ہے۔''[1]

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس ارشادِ باری تعالیٰ: '' فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ (پ۱، البقرة:۳٤) ترجمۂ کنز الایمان: توسب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔'' کے تحت بیان کرتے ہیں: ''اکثر اہل لغت و اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ ابلیس کو یہ نام اس وجہ سے دیا گیا کیونکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے مایوس ہوگیا تھا۔''[2]

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ''ابلیس نافرمانی کے ارتکاب سے پہلے ملائکہ میں سے ایک ملک تھا جس کا نام عزازیل تھا لیکن وہ زمین کا رہنے والا تھا اور زمین پر رہنے والے ملائکہ کو جن کہا جاتا ہے اور ملائکہ میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو اجتہاد اور علم میں اس سے بڑھ کر ہوتا پس جب اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں تکبر کیا اور حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے دھتکار دیا اور ملعون قرار دے کر شیطان بنا دیا اور اس کا نام ابلیس رکھ دیا۔''[3]

شیطان، انسان کا دشمن کیوں؟

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، جیسا کہ اس نے حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور حضرت سیِّدَتُنا حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنت سے لغزش دے کر اس سے الگ کر دیا اور کہنے لگا:

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ (پ۱۵، بنی اسرائیل:٦٢) ترجمۂ کنز الایمان: تو ضرور میں اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا۔

تفسیر خازن میں ہے: یعنی اس نے اپنی دشمنی واضح کی کیونکہ اس کی دشمنی بہت پرانی ہے۔ حضرت سیِّدُنا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''مجھے ایک خواب دکھائی دیتا جو مجھے بیمار کر دیتا یہاں تک کہ میں نے سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''اچھا خواب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے اور بُرا خواب شیطان کی طرف سے، پس جب تم میں سے کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو صرف اس سے بیان کرے جسے پسند کرتا ہو اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز خواب میں دیکھے تو اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھے

[1] ......تفسیر الخازن،پ١٤،النحل،تحت الآیة:٩٨،ج٣،ص١٤٢.

[2] ......تفسیر الخازن،پ١،البقرة،تحت الآیة:٣٤،ج١،ص٤٥.

[3] ......تفسیر الطبری،پ١،البقرة،تحت الآیة:٣٤،الحدیث:٦٨٦،ج١،ص٢٦٢.

اور اس خواب کے شر سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگے تو یہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"[1]

اور یہ شیطان کی دشمنی ہے جس سے انسان محفوظ نہیں رہ سکتا حتی کہ نیند کی حالت میں بھی نہیں بچ پاتا۔

حضرت سیِّدُنا شیخ عبدالرءُوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) "**اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر**" کی شرح "**فَیْضُ الْقَدِیْر**" میں فرماتے ہیں: "مومن سے حسد کیا جاتا ہے اور اس کا شیطان اپنی شدید دشمنی کی بنا پر ہمیشہ اسے اذیت پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس وہ اُسے ہر طریقے سے دھوکا دیتا اور ذلیل ورسوا کرتا ہے اور اس کے معاملات اس پر خلط ملط کر دیتا ہے پس جب وہ کوئی اچھا خواب دیکھتا ہے تو شیطان اس پر وہ خواب مشتبہ کر دیتا ہے تا کہ اس پر خواب (میں دیکھی جانے) والی بشارت یا تنبیہ یا مشاہدہ صحیح نہ رہے اور انسان کا نفس بھی شیطان ملعون کا مددگار رہے۔ تو وہ بھی انسان پر (خواب میں) وہ چیزیں گڈ مڈ کر دیتا ہے جن کا وہ حالتِ بیداری میں اہتمام کرتا ہے۔"[2]

اے میرے بھائی! یاد رکھ! شیطان اگرچہ تیرا کھلا دشمن ہے مگر وہ تجھ سے صرف وہی برائی ظاہر کر سکتا ہے جو تیرے اندر موجود ہو اور تجھ سے سرزد ہونے والی برائی میں اس کا مکمل دخل نہیں ہوتا جیسا کہ اُس برائی میں تیرا مکمل دخل نہیں ہوتا، بلکہ اس سرزد ہونے والے فعل کی نسبت تیری طرف کر دی جاتی ہے اور اس کے سبب یعنی وسوسے کی نسبت شیطان کی جانب کر دی جاتی ہے، حالانکہ ہر شے کا خالق ومالک اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے، وہی ہر شے کو بہتر جانتا ہے، اسی کے لئے حجت ہے، اگر وہ چاہے تو سب کو ہدایت عطا فرما دے[3]۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۱۱ھ) "**اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر**" میں حدیث شریف نقل فرماتے ہیں کہ مَخْزنِ جود وسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: "مجھے

---

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب فی کون الرؤ یامن اللّٰہ تعالی......الخ، الحدیث: ۵۹۰۲۔۵۹۰۳، ص ۱۰۷۹، بتغیرٍقلیلٍ۔
تفسیر الخازن، پ ۱۲ یوسف، تحت الایۃ: ۵، ج۳، ص ۴.

[2] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۴۴۹۷، ج۴، ص ۶۲.

[3] ......**دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1250** صفحات پر مشتمل کتاب، "**بہارِ شریعت**" جلد اوّل صَفْحَہ 19 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولٰینا **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: "بُرا کام کرکے تقدیر کی طرف نسبت کرنا اور مشیتِ الٰہی کے حوالہ کرنا بہت بُری بات ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے اسے منجانب اللہ کہے، اور جو بُرائی سرزد ہو اس کو شامتِ نفس تصوّر کرے۔"

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف بلانے والا اور اس کا پیغامِ حق لوگوں تک پہنچانے والا بنا کر مبعوث فرمایا گیا مگر ہدایت دینا میرے ذمہ نہیں اور شیطان کو (گناہوں کو) آراستہ کرنے والا بنایا گیا لیکن گمراہ کرنا اس کے ہاتھ میں نہیں۔'' [1]

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۱۰۳۱ھ) اس حدیثِ پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: ''پس رُسل کرام عَلَیْھِمُ الصلوٰۃُ وَالسَّلَام مخلوق کی جبلت اور فطرت سے واقف ہوتے ہیں۔ تو جس کی فطرت اچھی ہو اسے (ثواب کی) بشارت دیتے ہیں اور جس کی فطرت بُری ہو اسے (عذاب سے) ڈراتے ہیں اور شیطان بھی اپنی فطری خباثت کو مخلوق میں پھیلاتا رہتا ہے۔ اس طرح (خیر و شر کے) یہ دونوں فریق کسی نئے کام کو سر انجام نہیں دیتے بلکہ وہ تو ایک ایسے معاملے کو ظاہر کرتے ہیں جو آنکھوں سے اوجھل یعنی پوشیدہ تھا اور یہی حال اپنے وقت کے ہر عالم و امام اور دجال وضلّال (یعنی گمراہ کرنے والے) کا ہے یعنی ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک خبیث کو پاک سے جدا کرتا ہے (مطلب یہ ہے کہ عالم، پاک چیز کو ظاہر کرتا ہے جبکہ دجال، خبیث کو ظاہر کرتا ہے)۔'' [2]

تو اے بندے! یہ عقیدہ رکھنے سے بچ کہ شیطان ملعون کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے امور میں سے کوئی حصہ ہے، کیونکہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو (بعض باتوں کے بارے میں) یہ ارشاد فرمایا:

لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ (پ۴، اٰل عمران ۱۲۸) ترجمۂ کنزالایمان: یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں۔

تو اس کے ملعون دشمن کا کسی معاملے میں کوئی حصہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بلکہ ہر معاملہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے اور یہ تو محض کلمات و الفاظ ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اسمِ **مُضِلُّ** اور اسمِ **ھَادِیْ** کے وہ معانی ظاہر کرتے ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک ہیں، پس جسے جس کے ذریعے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے یعنی اس کے ساتھ میل جول کے سبب نہ کہ اس سے مدد لیتے ہوئے اور اسی طرح جسے جس کے ذریعے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

شیطان انسان کو اُخروی کامیابی یا بھلائی سے روکنے کے لئے بے حد کوشش کرتا ہے، بے شک وہ تو اپنے پیروکاروں کو اسی لئے بلاتا ہے کہ وہ بھی دوزخیوں میں سے ہوں۔

حضرت سیِّدُنا امام عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''یہ اس کی دشمنی کا ثبوت

[1] ......الجامع الصغیر، الحدیث: ۳۱۵۳، ص ۱۸۹.

[2] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۳۱۵۳، ج۳، ص۲۶۷.

ہے، اور انسان کو دُنیا کی طرف مائل کرنے اور خواہشات کی پیروی کرانے کے لئے اپنے پیروکاروں کو بلانے کے شیطانی مقصد کا بیان ہے۔'' [1]

قرآنِ کریم میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ (۶) (پ ۲۲، الفاطر ۶)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو وہ تو اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا سلمی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۴۱۲ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت سیِّدُنا واسطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں: ''پس تم بھی کسی ایسی ہستی کی مدد لے کر شیطان کو اپنا دشمن سمجھو جو اس کے خلاف تمہاری مدد فرمائے، لیکن جہاں تک ممکن ہو اس سے بچو کہ وہ تمہارے مقابلے میں آجائے کیونکہ وہ اپنی مدد کے لئے اپنے گروہ کو بھی بلا لیتا ہے اور اس کے مددگار دنیادار، دنیا سے محبت کرنے والے اور دنیا پر اِترانے والے ہیں۔''

حضرت سیِّدَتُنا رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہا فرماتی ہیں: ''میرے نزدیک قرآنِ کریم میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمانِ عالیشان '' اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ '' سب سے زیادہ امید افزا ہے۔'' گویا ہمارا پروردگار عَزَّوَجَلَّ ہمیں یوں خطاب فرما رہا ہے: ''(چونکہ شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا تم بھی اُسے اپنا دشمن بنا لو اور) میں تمہارا حبیب ہوں پس مجھے اپنا حبیب بنا لو۔''

حضرت سیِّدُنا سہل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: ''شیطان کے گروہ سے مراد بدعتی، گمراہ، فاسد خواہشات کے مالک اور ایسی باتیں سننے والے لوگ ہیں۔''

حضرت سیِّدُنا واسطی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ''شیطانی وسوسوں کو جھٹلا کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کو ترجیح دینے، اس کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنے اور وفاداری کے وعدوں کو نبھانے کے ساتھ شیطان کو دھتکارنے کا حکم فرمایا گیا

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ ۲۲، فاطر، تحت الآیۃ: ۶، ج ۴، ص ۴۱۱.

ہے جیسا کہ دن کی روشنی میں کتوں کو لوگوں کے بیٹھنے کی جگہوں سے دور بھگایا جاتا ہے۔‘‘ اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ شعر پڑھا:

وَ مَنْ رَعٰی غَنَمًا فِی اَرْضٍ مَسْبَعَۃٍ   وَنَـامَ عَـنْـھَـا تَوَلّٰی رَعْیَھَا الْاُسُدُ

ترجمہ: جو اپنی بھیڑ بکریوں کو درندوں والی زمین میں چرائے اور پھر غافل ہو کر سو یا رہے تو وہ جانور شیروں کے سپرد ہو جاتے ہیں۔[1]

اے ایمان والو! شیطان سے ہوشیار رہو تاکہ وہ تمہارے اندر بھلائی کے لبادے میں کوئی برائی نہ داخل کر دے اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو۔ یہ برائی داخل کرنا اس قدرت کے سبب ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے دی ہے کہ وہ سیدھے راستے سے روکنے میں اس کی مددگار ہے کیونکہ شیطان کی تخلیق جس بات کا تقاضا کرتی تھی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وہ صفت اسے دے دی اور وہ ہے بندوں کو گمراہ کرنا جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہر شے کو اچھی یا بری صفات عطا کی ہیں اور پھر تمام چیزوں کی صفات کے تقاضے بھی تمہارے سامنے بیان فرما دیئے، لیکن ہر شے کو دی گئی قدرت کو بیان نہیں کیا جو کہ اس شے میں مذکورہ امداد کا سبب ہے۔

اے بندو! اپنے عقائد و افعال میں شیطان کو ہمیشہ دشمن جانو اور ہر حال میں اس سے بچتے رہو کیونکہ وہ ہلاکت میں ڈالنے والے کتے کی طرح ہے جو تمہیں ہلاک کرنے کا بہت حریص ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) اپنی کتاب ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' کے باب ''عَجَائِبُ الْقَلْب'' میں حضرت سیِّدُنا جریر بن عبید عدوی علیہ رحمۃ اللہ القوی سے نقل فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت سیِّدُنا علاء بن زیاد علیہ رحمۃ اللہ الجواد کی بارگاہ میں شکایت کی کہ میں اپنے دل میں کوئی وسوسہ نہیں پاتا۔'' تو انہوں نے مجھے فرمایا: ''دل کی مثال اس گھر کی ہے جس کے پاس سے چور گزرتے ہیں، اگر اس میں کچھ ہو تو اسے چوری کر لیتے ہیں ورنہ اس گھر کو چھوڑ کر آگے چلے جاتے ہیں۔'' یعنی شیطان نفسانی خواہشات سے خالی دل میں داخل نہیں ہوتا، اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ

(پ۱۵، بنی اسرائیل:۶۵)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

[1] ......تفسیر السلمی، پ۲۲، الفاطر، تحت الآیۃ:۶، ج۲، ص۱۵۸.

لہٰذا جو شخص خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی کرتا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بندہ نہیں بلکہ خواہشات کا بندہ ہے، لہٰذا شیطان اس پر غالب آجاتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (پ۲۵،الجاثیة:۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا۔

یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانیہ ہی اس کا خدا و معبود ہیں پس وہ شیطان کا بندہ ہے نہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا۔

شیطان کو دور کرنے کا طریقہ:

حضرت سیِّدُنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ اقدس میں عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! شیطان میرے اور میری نماز و قراءت کے درمیان حائل ہوجاتا ہے تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''یہ خَنْزَب نامی شیطان ہے، جب تم اسے محسوس کرو تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم'' پڑھ لیا کرو اور بائیں طرف تین دفعہ تھوک دیا کرو۔'' حضرت سیِّدُنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: ''جب میں نے ایسا کیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے مجھ سے دور فرمادیا۔''[1]

ایک حدیثِ پاک میں ہے: ''وضو کا ایک شیطان ہے جس کا نام ''وَلْهَان'' ہے۔ اس کے شر سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ طلب کرو۔''[2]

وسوسوں کا علاج:

وسوسہ ڈالنے والی چیزوں کے ماسوا کا ذکر ہی دل سے شیطانی وسوسہ مٹا سکتا ہے کیونکہ جب دل میں کسی کا ذکر آتا ہے تو اس سے پہلا خیال خود بخود ختم ہوجاتا ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس سے تعلق پیدا کرنے والی چیزوں کے علاوہ دنیا کی ہر شے شیطان کا پھندا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا

---

1 ......صحیح مسلم، کتاب السلام، باب التعوذ من شیطان الوسوسة فی الصلاة، الحدیث: ۵۷۳۸، ص ۱۰۶۹، بلفظ زیادة.

2 ......جامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب ماجاء فی کراهیة......الخ، الحدیث: ۵۷، ص۱۶۳۶، دون قوله فاستعیذوا باللّٰه منه.

ذکر ہی محفوظ جانب ہے اور اس صورت میں شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا۔

کسی چیز کا علاج اس کی ضد سے ہی کیا جا سکتا ہے اور شیطانی وسوسوں کی ضد ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' پڑھنے کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرنا اور ''وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ'' پڑھنے کے ساتھ اپنی قوت سے براءت کا اظہار کرنا ہے۔ ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' اور ''وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ'' کا یہی معنی ہے لیکن ایسا کرنے پر صرف متقی لوگ ہی قدرت رکھتے ہیں جن پر ہر لمحہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر کا غلبہ رہتا ہے اور شیطان لغزش کے وقت صرف جھپٹنے کے طور پر ان کے دلوں کے گرد چکر لگا تا رہتا ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (۲۰۱)

(پ۹، الاعراف: ۲۰۱)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۴)

(پ۳۰، الناس: ۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اس کے شر سے جو دل میں برے خطرے ڈالے اور دبک رہے۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام مجاہد علیہ رحمۃ اللہ الواحد (متوفی ۱۰۴ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''شیطان انسان کے دل پر چھایا رہتا ہے۔ جب انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو دوبارہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔[1]'' اور یوں ذکرِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ اور شیطانی وسوسوں کے درمیان روشنی و تاریکی اور دن و رات کے درمیان کشمکش کی طرح ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے (یعنی ایک کی موجودگی میں دوسری چیز غائب) اور ان دونوں کے ایک دوسرے کا متضاد ہونے کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ

(پ۲۸، المجادلة: ۱۹)

ترجمۂ کنز الایمان: ان پر شیطان غالب آ گیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی۔

---

[1] ......بحر العلوم للسمرقندی، پ۳۰، الناس، تحت الآیة: ۵، ج۴، ص ۴۵۱.

حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضورنبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے:''شیطان اپنی تھوتھنی (منہ اورناک) انسان کے دل پرڈالے رکھتا ہے۔ اگر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مصروف ہوجائے تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اوراگراللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرنا بھول جائے تو اس کے دل میں سرگوشیاں کرتا ہے۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا ابن وضاح علیہ رحمۃ اللہ الفتّاح ایک حدیثِ پاک بیان کرتے ہیں کہ''جب انسان کی عمرچالیس سال ہو جائے اور وہ توبہ نہ کرے تو شیطان اس کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیر کر کہتا ہے:''اس چہرے پرقربان! یہ کبھی کامیاب و کامران نہیں ہوگا۔'' (2)

وسوسے دل کوگھیر لیتے ہیں:

جس طرح شہوات انسان کے خون اور گوشت میں رچی بسی ہوتی ہیں اسی طرح شیطان کی وسوسہ اندازی بھی انسان کے خون اور گوشت میں جاری رہتی ہے اوروہ ہرجانب سے دل کوگھیرے ہوئے ہے۔ چنانچہ،

مروی ہے کہ دو جہاں کے تاجوَر، سلطانِ بَحر و بَرصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے:''شیطان انسان (کے جسم) میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔تم اس کی گزرگاہوں کوبھوک سے تنگ کردو۔'' (3)

آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ بات اس لئے فرمائی کیونکہ بھوک شہوت کوختم کر دیتی (4) ہے اورشیطان کی گزر گاہیں شہوات ہیں اوروہ شہوات ڈالنے کے لئے انسان کوتمام اطراف سے گھیرلیتا ہے۔ چنانچہ،اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ حکیم میں ابلیس کا ایک قول اس طرح ذکرفرمایا:

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ

ترجمۂ کنزالایمان: میں ضرور تیرے سیدھے راستے پران کی تاک

1 ......موسوعة لابن ابی الدنيا ،كتاب مكائد الشيطان ، الباب الثانی ، الحديث: ۲۲،ج۴، ص ۵۳۶.

2 ......التحاف السادةالمتقين، كتاب عجائب القلب،بيان تسلط الشيطان......الخ،ج۸،ص۴۹۷.

3 ......المسند للامام احمد بن حنبل،مسندانس بن مالك،الحديث:۱۲۵۹۳،ج۴،ص۳۱۳،دون قوله: فضيقوامجاربة بالجوع.

4 ...... قرآن وسنت اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین کے اقوال وافعال کی روشنی میں بھوک کے مزید فوائد جاننے کے لئے **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1548** صَفحات پر مشتمل شیخ طریقت،امیر اہلسنّت ،بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ **مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار** قادری رضوی دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَہ کی مایہ نازتصنیف''**فیضانِ سنّت**'' جلداول کے باب''**پیٹ کا قفلِ مدینہ**'' صَفحہ643 تا842 کا مطالعہ فرمالیجئے۔ اِنْ شَاءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ دُنیاوآخرت میں اس کی برکتیں نصیب ہوں گی۔

لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ

میں بیٹھوں گا پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے۔

(پ٨،الاعراف:١٦،١٧)

شیطان کا بائیکاٹ کرنے پر انعام:

سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''شیطان انسان (کو بھٹکانے) کے ہر راستے پر گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ اسلام کے راستے پر بیٹھا تو اس سے کہنے لگا: ''کیا تو اپنا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر مسلمان ہو جائے گا؟'' انسان نے اس کی بات نہ مانی اور اسلام لے آیا تو وہ ہجرت کے راستے پر آبیٹھا اور کہنے لگا: ''کیا تو اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرے گا؟'' پھر بھی ابن آدم نے اس کی بات نہ مانی اور ہجرت کر لی تو جہاد کے وقت راستے میں آبیٹھا اور کہنے لگا: ''کیا تو جہاد کرے گا؟ حالانکہ یہ تو محض جان و مال کا ضیاع ہے۔ تو جنگ کرے گا تو مارا جائے گا اور تیری بیویاں آگے نکاح کر لیں گی اور تیرا مال ومتاع تقسیم کر لیا جائے گا۔'' اس کے باوجود ابن آدم نے اس کی بات نہ مانی اور جہاد میں مصروف ہو گیا۔'' شفیعِ روزِ شُمار، باذنِ پروردگار دو عالَم کے مالک و مختار صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ''جس نے ایسا کیا اور اسے موت نے آلیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذمۂ کرم پر ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمادے۔''(1)

حسنِ اخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اکبر صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس حدیثِ پاک میں وسوسے کا مفہوم واضح فرما دیا اور یہ وہ خیالات ہیں جو ایک مجاہد کے دل میں کھٹکتے ہیں مثلاً وہ قتل کر دیا جائے گا اور اس کی بیویاں نکاح کر لیں گی اور اس جیسے دیگر خدشات جو اسے جہاد سے پھیرتے ہیں۔ یہ خدشات معلوم ہیں تو وسوسہ ڈالنے والا یعنی شیطان مشاہدہ سے معلوم ہو گیا اور دل میں کھٹکنے والی ہر بات کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اور انسان کو اس سبب کا نام جاننے کی ضرورت ہے جس سے وہ اس وسوسہ ڈالنے والے کو پہچان سکے۔ پس اس کے سبب کا نام شیطان ہے جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں۔ البتہ! لوگ شیطان کی اتباع کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چنانچہ،

(1) ......سنن النسائی ،کتاب الجهاد ، باب مالمن اسلم وهاجر و جاهد ، الحدیث: ٣١٣٦، ص٢٢٨٩.

سرکارِ ابدقرار، شافعِ روزِ شمار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''کوئی انسان ایسا نہیں جس کے ساتھ شیطان نہ ہو۔'' (1)

انسانوں اور جنّوں کے شیاطین:

یادرکھئے! ہم نے شیطان کی کمینگی اور ملتِ اسلامیہ سے اس کی دُشمنی کے متعلق جو وضاحت کی ہے اس کے مطابق جس طرح شیاطین جنّوں میں ہوتے ہیں اسی طرح انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (پ۸،الانعام۱۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''شیاطین سے مراد انسانوں اور جنّوں میں سے سرکش افراد ہیں اور ہر متکبر وسرکش انسان اور جنّ کو شیطان کہتے ہیں۔''

حضرات علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''شیاطین جنّات میں بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں بھی۔ جب بندۂ مومن کسی جِنُّ الشَّیْطَان (یعنی جنّوں میں سے شیطان) کو عاجز کردے اور اُس پر شیطان کا کوئی بس نہ چلے تو وہ کسی سرکش انسان کے پاس چلا جاتا ہے جو حقیقت میں شَیْطَانُ الْاِنْس (یعنی انسانوں میں سے شیطان) ہوتا ہے اور وہ اس کو اُس بندۂ مومن کو فتنے میں مبتلا کرنے پر ابھارتا ہے (جس نے اس جِنُّ الشَّیْطَان کو عاجز کردیا تھا)۔ حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی حدیثِ مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ،

مروی ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار فرمایا: ''کیا تو نے شیطانی انسانوں اور جنوں کے شر سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ طلب کی؟'' حضرت سیِّدُنا ابوذر

...... کنزالعمال، کتاب الایمان والسلام، الفصل الرابع، الحدیث:۱۲۷۳، ج۱، ص۱۳۸۔

احیاء علوم الدین، کتاب شرح عجائب القلب، بیان تسلط الشیطان ......الخ، ج۳، ص ۳۴،۳۵.

غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں، مَیں نے عرض کی: ''کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! وہ شیطانی جنوں سے بھی زیادہ شریر ہوتے ہیں۔''[1]

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار علیہ رحمۃ اللہ الغفار نے ارشاد فرمایا: ''شیطانی انسان مجھ پر شیطانی جنّوں سے زیادہ سخت ہیں اس لئے کہ جب میں شیطانی جنّ کے شر سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ طلب کرتا ہوں تو وہ تو مجھ سے دور بھاگ جاتا ہے لیکن شیطانی انسان میرے پاس آجاتا ہے اور کھلے عام مجھے نافرمانی کی طرف کھینچتا ہے۔''[2]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) تفسیر خازن میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمانِ عالیشان: ''**مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ**۝۶ (پ ۳۰، الناس: ۶)'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''وسوسے ڈالنے اور دُبک کر رہنے والا کبھی تو شیطانی جنّوں میں سے ہوتا ہے کبھی شیطانی انسانوں میں سے اور جس طرح شیطانی جنّ کبھی وسوسے ڈالتا ہے اور کبھی پیچھے ہٹ جاتا ہے اسی طرح شیطانی انسان بھی بظاہر ناصح بن کر انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔ اگر وہ اس کی باتوں میں آجائے تو مزید وسوسہ اندازی کرتا ہے اور اگر اس کی باتیں سننے والا اسے ناپسند کرے تو وہ بھی پیچھے ہٹ جاتا ہے۔''[3]

شیطان کے مقاصد:

شیطان کے مقاصد یہ ہیں:

- ......انسان کا ایمان چھیننا۔ ......ہمیشہ کے لئے اسے جہنم میں دھکیلنے کی کوشش کرنا۔
- ......ظاہری فسق و فجور میں مبتلا کرنا۔ ......ظلم و زیادتی کا مجسمہ بنانا۔
- ......نیکی کے کاموں سے روک کر اعلٰی مراتب و درجات سے گرا دینا۔

شیطان کا پہلا مقصد:

شیطان کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کا اللہ عَزَّوَجَلَّ، اس کے رسولوں یا ان کی طرف سے لازم کردہ ان باتوں پر ایمان زائل کردے یعنی جن پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ پھر اگرچہ اسے یہ مقصد ان چیزوں میں محض شک

[1] ......تفسیسر الطبری، پ۸، الانعام، تحت الایة: ۱۱۲، الحدیث: ۱۳۷۷۳، ج۵، ص۳۱۵.

[2] ......الجامع لاحکام القران، پ۸، الانعام، تحت الایة: ۱۱۲، ج۴، ص۴۹.

[3] ......تفسیر الخازن، پ ۳۰، الناس، تحت الایة: ۶، ج۴، ص ۴۳۱.

پیدا کرنے سے حاصل ہو جائے، تاکہ انسان مرتبۂ کفر میں اس کے مساوی ہو جائے اور واضح حق میں شک وشبہ کا شکار ہو کر اس کے برابر ہو جائے۔

شیطان اور فرشتوں کا مناظرہ:

حضرت سیِّدُنا علی بن محمد ابن اقبرس شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۸۶۲ھ) ''**فَتْحُ الصَّفَاء شَرْحُ الشِّفَاء**'' میں فرماتے ہیں: ''اس بات میں مُتَکَلِّمِیْن (یعنی علماءِ کلام) کا اختلاف ہے کہ شیطان جب عبادت میں مصروف تھا تو کیا وہ اس وقت کافر تھا یا نہیں؟ جن علما کا مؤقف یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ سے کافر ہے۔ انہوں نے صاحبِ ''شَرْح اَنَاجِیْل اَرْبَعَۃ'' کے نقل کردہ اس واقعے سے استدلال کیا ہے کہ ''ایک دفعہ فرشتوں اور ابلیس کے درمیان مناظرہ ہوا۔ ابلیس فرشتوں سے کہنے لگا: ''میں اس بات کو مانتا ہوں کہ اللہ (عَزَّوَجَلَّ) میرا اور ساری مخلوق کا خالق ہے لیکن میرے اس کی حکمت پر چند اعتراضات ہیں:

(۱)...... پہلا یہ کہ مخلوق کی پیدائش میں کون سی حکمت ہے؟ خصوصاً جب وہ بہتر جانتا تھا کہ کافر اس کی حکمت کے مطابق برائی کے علاوہ کسی شے کا مستحق نہیں۔

(۲)......دوسرا یہ کہ بندوں کو مکلّف (یعنی احکام کا پابند) بنانے کا کیا فائدہ ہے؟ حالانکہ اللہ (عَزَّوَجَلَّ) اس بات سے پاک ہے کہ اُسے بندوں سے کسی قسم کا فائدہ ہو اور مُکَلَّفِیْن کو جو فائدہ ملتا ہے، اللہ (عَزَّوَجَلَّ) انہیں مکلّف بنائے بغیر بھی وہ فائدہ دینے پر قادر ہے۔

(۳)......تیسرا یہ کہ فرض کرو اگر اللہ (عَزَّوَجَلَّ) نے مجھے اپنی معرفت واطاعت کے لئے پیدا کیا تو پھر آدم (عَلَیْہِ السَّلَام) کو سجدہ کرنے کا مکلّف کیوں کیا؟

(۴)...... چوتھا یہ کہ پھر جب میں نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور آدم (عَلَیْہِ السَّلَام) کو سجدہ نہ کیا تو اللہ (عَزَّوَجَلَّ) نے مجھے کیوں مَلْعُوْن قرار دیا اور عذاب کا مستحق کیوں ٹھہرایا؟ حالانکہ مَلْعُوْن و مستحقِ سزا قرار دینے میں اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کا کوئی فائدہ ہے نہ اُس کے علاوہ کسی دوسرے کا۔ البتہ! میرا اس میں بہت نقصان ہے۔

(۵)...... پانچواں یہ کہ فرض کرو اگر اس نے یہ بھی کر دیا تو پھر مجھے جنت میں داخل ہونے اور آدم (عَلَیْہِ السَّلَام)

کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی قدرت کیوں دی؟

(۶)......چھٹا یہ کہ جب اس نے یہ کر دیا تو مجھے اولادِ آدم پر کیوں مسلط کیا اور انہیں راہِ راست سے بھٹکانے اور گمراہ کرنے کی قدرت کیوں دی؟

(۷)......ساتواں یہ کہ پھر جب میں نے انسان کو گمراہ کرنے کے لئے اللہ (عَزَّوَجَلَّ) سے طویل مدت کی مہلت مانگی تو اس نے مجھے مہلت کیوں دی؟ اور یہ بات معلوم ہے کہ اس سے پہلے دنیا شر سے خالی تھی۔

(حضرت سیِّدُنا ابن اقبرس شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۸۶۲ھ) فرماتے ہیں) اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جلال وکبریائی کے حجابات سے اس کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے ابلیس! تجھے میرے عرفان کی دولت نصیب نہ ہوئی۔ اگر تو مجھے پہچانتا تو میرے افعال پر کبھی اعتراض نہ کرتا کیونکہ میں ہی سب کا خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مَیں جو کرتا ہوں اس کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھا جا سکتا۔''

بعض محققین علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''شیطان کی طرف سے قائم کردہ ان شبہات کا جواب وہی ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے دیا۔'' اور مَیں (یعنی ابن اقبرس) کہتا ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے یہی جواب دینا کافی سمجھا کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی حکمت سے شیطان کے اندر جو صفتِ جہالت رکھی تھی وہ خود تو اسے جانتا تھا مگر شیطان اسے سمجھنے سے قاصر تھا، کیونکہ جو شبہات اس نے وارد کئے ان سے (اللہ عَزَّوَجَلَّ کے) افعال کا بیکار ہونا لازم آتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں فرمائی۔ اس کے افعال کی حکمت کبھی تو پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کو سمجھنے میں مختلف افراد کے اعتبار سے حالت مختلف ہوتی ہے اور کبھی وہ حکمت ظاہر ہوتی ہے۔ میرے خیال میں شیطان کے ان تمام شبہات کا جواب زیادہ مخفی امر نہیں۔ البتہ! اس مقام پر طوالت کی گنجائش نہیں کہ ہر سوال میں کارفرما حکمت کا تذکرہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں ہم اپنے مقصد سے ہٹ جائیں گے۔

حاصلِ کلام:

کلام کا حاصل یہ ہے کہ جب اس قسم کے شبہات واعتراضات شیطان کے سامنے ظاہر ہوئے جن کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کی آزمائش فرمائی تو وہ ملعون اپنی جہالت وعناد کے سبب کافر ہو گیا۔ تو اب وہ لوگوں کے دلوں میں

وسوسہ اندازی کرتا ہے تا کہ جس فتنے میں وہ مبتلا ہوا لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جائیں اور وہ بھی اس کی طرح کفر کرنے لگ جائیں۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ (پ۲۸، الحشر:۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: شیطان کی کہاوت جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر پھر جب اس نے کفر کر لیا بولا میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا رب۔

عورت کا فتنہ:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہاں ''اِنْسَان'' سے مراد قومِ بنی اسرائیل کا ''بَرْصِیْص'' نامی عابد (یعنی عبادت گزار) ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں: ''بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے کئی سال اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کی، یہاں تک کہ اس کے پاس جنون میں مبتلا افراد کو علاج کے لئے لایا جاتا تھا۔ وہ انہیں دم کرتا تو وہ شفایاب ہو جاتے۔ ایک دفعہ ایک معزز گھرانے کی عورت کو جنون کا مرض لاحق ہو گیا۔ عورت کے بھائی اسے اس عابد کے پاس لے آئے۔ چنانچہ، وہ خاتون اس عابد کے پاس رہنے لگی۔ شیطان عابد کے سامنے اس عورت کی خوبیاں بیان کرتا رہا یہاں تک کہ وہ عابد اس عورت سے زنا کر بیٹھا جس سے وہ حاملہ ہو گئی۔ جب اس کا حمل ظاہر ہوا تو عابد نے اس عورت کو قتل کر کے دفن کر دیا۔

جب وہ ایسا کر چکا تو شیطان وہاں سے چلا گیا اور اس عورت کے کسی بھائی سے ملاقات کر کے اسے عابد کے فعل کی خبر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ اس نے تمہاری بہن کو فلاں فلاں جگہ میں دفن کیا ہے۔ پھر فرداً فرداً دوسرے بھائیوں کے پاس آیا اور انہیں بھی سارا ماجرا کہہ سنایا۔ جب ایک بھائی دوسرے سے ملا اور اسے بتایا کہ ''ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھے ایسی بات بتائی جس کو بیان کرنا بھی مشکل ہے۔'' سب بھائی ایک دوسرے سے ایسی باتیں کرنے لگے۔ کسی طرح یہ خبر بادشاہ کو بھی پہنچ گئی۔ لہٰذا بادشاہ اور دیگر لوگ اس عابد کی طرف چل دیئے اور اس سے حقیقتِ حال جاننے کی کوشش کرنے لگے۔ عابد نے اپنے فعل کا اقرار کر لیا جس کے سبب اسے پھانسی دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ جب اسے تختہ

دار پرلٹکایا جانے لگا تو شیطان اس کے سامنے ظاہر ہو کر کہنے لگا: ''میں وہی ہوں جس نے تیرے لئے اس معاملے کو آراستہ کیا اور تجھے یہاں تک پہنچایا۔اب اگر تُو میری بات مان لے تو مَیں تجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہوں۔'' عابد نے کہا: ''مجھے منظور ہے۔'' تو شیطان نے کہا: ''بس ایک مرتبہ مجھے سجدہ کر دو۔'' چنانچہ، جب عابد نے شیطان کو سجدہ کیا تو ساتھ ہی اسے قتل کر دیا گیا۔'' اسی کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمانِ عالیشان ہے:

کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ (پ۲۸،الحشر۱۶)

ترجمۂ کنز الایمان: شیطان کی کہاوت جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر پھر جب اس نے کفر کر لیا بولا میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا رب۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ (پ۱۰،الانفال۴۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جب کہ شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے کام بھلے کر دکھائے اور بولا آج تم پر کوئی شخص غالب آنے والا نہیں اور تم میری پناہ میں ہو۔

شیطان نے اعمال اچھے کر دکھائے:

حضرت سیِّدُنا امام عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان نے ان (کفّار) کی نگاہ میں ان کی رسول سے دشمنی وغیرہ اعمال کو اچھا کر کے دکھایا اور انہیں اس طرح وسوسہ ڈالا وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ یعنی اس نے کفار کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور ان کی عددی برتری کے باعث کوئی اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ نیز انہیں اس وہم میں مبتلا کر دیا کہ اپنے جن افعال کو وہ عبادت سمجھتے ہیں ان میں شیطان کی پیروی ان کو بچانے والی ہے یہاں تک کہ انہوں نے یہ دعا مانگی: ''اے پروردگار! دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ اور دونوں دینوں میں سے افضل دین والوں کی مدد فرما۔'' [1]

......تفسیر البیضاوی، پ۱۰، الانفال، تحت الآیۃ:۴۸، ج۳، ص۱۱۳.

شیطان ابن آدم پر بہت زیادہ حیلے استعمال کرتا ہے تا کہ اسے کفر کی آگ میں ڈال دے جس طرح وہ خود اس میں مبتلا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی سب سے بہتر محافظ اور سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

شیطان کا دوسرا مقصد:

شیطان کا دوسرا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان سے اس کا ایمان چھین لینے کے بعد کفر وشرک کی آگ کو اس کا دائمی ساتھی بنا دے۔

سوال: حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) نے "اَلْفِقْهُ الْاَكْبَر" میں ارشاد فرمایا: "ہمارا یہ کہنا جائز نہیں کہ شیطان کسی مردِ مومن سے اس کا ایمان زبردستی چھین سکتا ہے۔"[1] تو پھر صاحب طریقہ محمدیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۹۸۱ھ) نے ایسی بات کیوں لکھی کہ شیطان کا سب سے بڑا مقصد ایمان سلب کرنا ہے؟

جواب: مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی مراد یہ نہیں کہ شیطان کسی مومن کا ایمان زبردستی چھین لیتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتو شیطان کے کسی بندے کو کفر پر مجبور کرنے کی وجہ سے وہ بندہ کافر نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس بندے نے ایسا اپنے اختیار و ارادہ سے نہیں کیا؟ بلکہ سلبِ ایمان سے مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے اختیار و ارادہ سے ایمان چھوڑے یہاں تک کہ وہ احکامِ شریعت کا مکلَّف (یعنی پابند) بھی رہے تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ چونکہ سلبِ ایمان کا سبب شیطان کی وسوسہ کاری ہے لہٰذا سلب کی نسبت بھی شیطان کی جانب کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انسان سے کہتا ہے: "کافر ہو جا۔" یعنی اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کافر ہو جائے اور جب وہ کفر اختیار کر لیتا ہے تو شیطان اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: "میں تجھ سے بریٔ الذمہ ہوں۔" اور حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) نے "اَلْفِقْهُ الْاَكْبَر" میں اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا کہ "مگر ہم یہ کہیں گے کہ بندہ اپنے اختیار اور ارادہ سے ایمان چھوڑتا ہے کیونکہ شیطان اس کے دل میں کفر کا وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ پس جب وہ اس کی بات مانتا ہے تو اس وقت اس بندے سے اس کا ایمان چھین لیا جاتا ہے۔"[2]

چنانچہ، ارشادِ باری تعالٰی ہے:

---

[1] ......الفقه الاكبر مع شرحه منح الروض الازهر، ص ۲۹۱.

[2] ......المرجع السابق، مفصلاً.

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ (پ ۱۳، ابراھیم ۲۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور شیطان کہے گا جب فیصلہ ہو چکے گا بے شک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا تم نے میری مان لی تو اب مجھ پر الزام نہ رکھو خود اپنے اوپر الزام رکھو۔ نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں، نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکو۔ وہ جو پہلے تم نے مجھے شریک ٹھہرایا تھا میں اس سے سخت بیزار ہوں۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''جب اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن حساب و کتاب مکمل فرمالے گا اور جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل فرما دے گا تو دوزخی شیطان کو لعن طعن کرنا شروع کر دیں گے۔ پس شیطان ان کے درمیان ایک خطیب کی طرح کھڑا ہو جائے گا۔''

حضرت سیِّدُنا امام مقاتل بن سلیمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں: ''شیطان کے لئے جہنم میں ایک منبر رکھا جائے گا اور تمام دوزخی اُس کے پاس جمع ہو کر اسے لعنت و ملامت کریں گے تو وہ ان سے وہی بات کہے گا جس کی خبر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس آیتِ مبارکہ میں دی ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ (ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا۔) اور یقیناً وہ پروردگار عَزَّوَجَلَّ اپنے وعدے میں سچا ہے، جبکہ ''وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ (ترجمۂ کنز الایمان: اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا۔)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ان سے کہے گا: ''میں نے تم سے کہا تھا کہ نہ تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور نہ ہی کوئی جنت اور جہنم ہے۔'' پھر کہے گا: ''وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ (ترجمۂ کنز الایمان: اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا۔)

ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ کہے گا: ''میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کی کوئی حجت اور دلیل لے کر تمہارے پاس نہیں آیا تھا۔'' اس کے بعد کہے گا: ''اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ (ترجمۂ کنز الایمان:

مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا تم نے میری مان لی تو اب مجھ پر اِلزام نہ رکھو خود اپنے اوپر اِلزام رکھو۔) یعنی میں نے تو بس تمہیں بلایا اور وسوسہ ڈالا جبکہ تم اللہ کے اَحکام سن چکے اور تمہارے پاس مرسلین (عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) آ چکے تھے، تم پر واجب تھا کہ نہ تم میری طرف مائل ہوتے اور نہ ہی میری بات سنتے۔ لہٰذا جب تم نے روشن و واضح دلائل پر میری بات کو ترجیح دی تو اب بغیر کسی حجت اور دلیل کے میری بات ماننے اور میری پیروی کرنے کے سبب تم ہی ملامت و اِلزام کے زیادہ مستحق ہو۔ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِکُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِیَّ ؕ (ترجمۂ کنز الایمان: نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں، نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکو۔) یعنی میں نہ تو تمہاری مدد کر سکتا ہوں اور نہ ہی نجات دِلا سکتا ہوں اور مَیں جس معاملہ میں گرفتار ہوں اس میں تم میری مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہی مجھے بچا سکتے ہو۔ اِنِّیۡ کَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَکۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ (ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو پہلے تم نے مجھے شریک ٹھہرایا تھا میں اس سے سخت بیزار ہوں۔) یعنی تم نے مجھے اللہ کی عبادت میں شریک ٹھہرایا مَیں اس سے بیزار اور بری ہوں۔ مطلب یہ کہ کفار نے جس معاملہ میں یہ اعتقاد رکھا کہ ''ابلیس (یعنی شیطان) اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شریک ہے۔'' شیطان اس کا انکار اور اس سے برأت کا اِظہار کر دے گا۔''[1]

شیطان کا تیسرا مقصد:

شیطان کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ جب اس کا کوئی حیلہ انسان کو کافر بنانے کے لئے کارگر ثابت نہ ہو تو وہ انسان کو کم از کم فسق وفجور میں ضرور مبتلا کر دے یعنی انسان کا اِیمان تو برقرار رہے لیکن وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت وفرمانبرداری سے نکل جائے مثلاً گناہوں کا اِرتکاب کرے اور جن اَحکام پر اسے عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ترک کر دے۔ شیطان انسان کے پاس کئی دروازوں سے آتا ہے تاکہ اسے سرکشی پر اُبھارے۔ یہ دروازے اگرچہ بہت زیادہ ہیں لیکن ان میں سب سے بڑا دروازہ ''دُنیا'' ہے۔

حُجَّۃُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' میں نقل فرماتے ہیں: ''حضرت سیِّدُنا ثابت بنانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی فرماتے ہیں کہ جب رسولِ اَنور، صاحبِ کوثر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم مبعوث ہوئے تو ابلیس لعین نے اپنے شیاطین سے کہا: ''کوئی نیا معاملہ پیدا ہو چکا ہے۔ ذرا دیکھو! وہ کیا ہے؟'' پس وہ سب

[1] ......تفسیر الخازن، پ۱۳، ابرھیم، تحت الآیۃ:۲۲، ج۳، ص۸۰.

پھیل گئے۔ پھر اس کے پاس واپس آئے اور کہنے لگے: ''ہم نہیں جان سکے۔'' تو ابلیس کہنے لگا: ''میں خود تمہارے پاس اس کی خبر لاتا ہوں۔'' لہٰذا وہ خود گیا اور جب واپس آیا تو انہیں بتایا کہ ''محمد (صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم) کی بعثت ہو چکی ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مزید فرمایا: ''شیطان اپنے ساتھیوں کو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے پاس بھیجنے لگا لیکن وہ سب خائب وخاسر ہو کر وہاں سے لوٹتے اور کہتے: ''اپنی حاجات پوری کرنے (یعنی وساوس ڈالنے) کے لئے ہم آج تک ان جیسی کسی قوم کے مصاحب نہیں بنے۔'' پھر وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی نمازوں کی جانب متوجہ ہوئے تو وہاں سے بھی منہ کی کھانی پڑی تو ابلیس نے ان سے کہا: ''ابھی انہیں چھوڑ دو، عنقریب اللہ (عَزَّوَجَلَّ) ان پر دُنیا کے دروازے کھول دے گا تو اس وقت تم ان سے اپنی حاجات پوری کرلو گے۔''

حُجَّةُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے ایک روایت یہ بھی نقل فرمائی ہے کہ ''حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَاوَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ایک دفعہ پتھر کا تکیہ بنا رکھا تھا کہ شیطان کا آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے پاس سے گزر ہوا، تو اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگا: ''اے عیسیٰ (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام)! آپ بھی دُنیا میں رغبت رکھتے ہیں۔'' تو حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَاوَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے وہی پتھر سر کے نیچے سے نکال کر اسے دے مارا اور ارشاد فرمایا: ''دُنیا کے ساتھ ساتھ یہ بھی تیرے ہی لئے ہے۔''[1]

حُجَّةُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: ''ہر گناہ کے لئے ایک شیطان مخصوص ہے جو خاص اسی گناہ کی دعوت دیتا ہے۔''

شیطان کی اَولاد اور اُن کے کام:

حضرت سیِّدُنا امام مجاہد علیہ رحمۃ اللہ الواحد (متوفی ۱۰۴ھ) سے منقول ہے: ابلیس کی پانچ قسم کی اولاد ہے۔ اس نے ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ معاملہ سونپ رکھا ہے اور پھر ان کے نام ذکر کئے: (۱) ثَبْر (۲) اَلْاَعْوَر (۳) مَبْسُوْط (۴) دَاسِم (۵) زَلَنْبُوْر۔

(۱)......ثَبْر: یہ مصائب کی طرف لے جاتا ہے جو ہلاکت و بربادی، گریبان چاک کرنے، رخسار پیٹنے اور زمانۂ جاہلیت کے کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

[1] ......احیاء علوم الدین، کتاب شرح عجائب القلب، بیان تفصیل مداخل الشیطان الی القلب، ج۳، ص ۴۱.

(۲)......اَلْاَعْوَر: یہ زنا پر ابھارتا اور زنا کا حکم دیتا ہے، نیز اُسے آراستہ و پیراستہ کرتا ہے۔

(۳)......مَبْسُوْط: یہ جھوٹ پر اُکسانے پر مقرر ہے۔

(۴)......دَاسِم: یہ آدمی کے ساتھ اس کی زوجہ (یعنی بیوی) کے پاس جاتا ہے اور اُسے زوجہ میں عیب دکھا کر اس پر غضب دلاتا ہے۔

(۵)......زَلَنْبُوْر: یہ بازار میں مقرر ہے۔ اسی کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کی حق تلفی کرتے ہیں۔

نماز میں وسوسہ ڈالنے والا شیطان:

نماز میں وسوسے ڈالنے والے شیطان کا نام ''خَنْزَب'' ہے اور وضو میں وسوسے ڈالنے والے شیطان کو ''وَلْھَان'' کہتے ہیں۔ اس بارے میں بہت سی روایات مروی ہیں۔[1]

حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز سے مروی ہے کہ ''ایک شخص نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں سوال کیا کہ ''وہ اسے انسان کے دل میں شیطان کی جگہ دکھائے۔'' تو اس شخص نے خواب میں ایک شخص کا جسم دیکھا جو شیشے کی مثل تھا اور اس کے آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔ پس اس نے ایک مینڈک کی شکل میں اس (جسم) کے بائیں کندھے اور کان کی درمیانی جگہ پر شیطان کو بیٹھے ہوئے پایا جس نے اپنی لمبی تھوتھنی (منہ اور ناک) بائیں کندھے کی جانب سے اس شخص کے دل تک داخل کر رکھی تھی اور وسوسے ڈال رہا تھا اور جب وہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا تو وہ پیچھے ہٹ جاتا۔''

اس قسم کا مشاہدہ بیداری کی حالت میں بھی ممکن ہے اور بعض صاحبِ کشف بزرگوں نے شیطان کو مردار سے چمٹ کر بیٹھے ہوئے ایک کتے کی شکل میں دیکھا جو اس مردار کی جانب لوگوں کو بلا رہا تھا اور وہ مردار دُنیا تھی۔[2]

شیطان کا چوتھا مقصد:

شیطان کا چوتھا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ظلم وزیادتی کا مجسمہ بنا دے، کیونکہ ظلم دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) اپنی جان پر ظلم۔ یوں کہ خود کو بھلائی سے روک کر نقصان دہ برائی کا ارتکاب کرنا اور (۲) کسی دوسرے پر ظلم۔ اس طرح کہ اس کا حق اس سے روک کر کوئی ایسا کام کرنا جس سے اُسے نقصان ہو۔

---

[1] ......احیاء علوم الدین، کتاب شرح عجائب القلب، ج۳، ص۴۷.

[2] ......المرجع السابق، ص۴۹.

شیطان کا پانچواں مقصد:

شیطان کا سب سے کم تر مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کو کم از کم نیکی و بھلائی کے کام کرنے سے روک دے۔اس طرح اسے اعلیٰ علمی و عملی مراتب و درجات سے گرا دے۔مثلاً وہ انسان سے کہتا ہے: ''نعمتوں اور لذتوں کو نہ چھوڑ و ابھی تو ایک طویل زندگی باقی ہے اور ایک لمبی عمر تک شہواتِ نفسانیہ پر صبر (یعنی کنٹرول) کئے رکھنا ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔''

اگر اس لمحے بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عظیم حق اور ثواب وعقاب کو یاد کرے اور کہے: ''شہواتِ نفسانیہ سے رکنا اگرچہ کافی سخت ہے لیکن جہنم کی آگ برداشت کرنا اس سے بھی شدید ہے اور ان میں سے کوئی ایک شے لازم ہے۔'' لہٰذا جب بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے وعدے اور وعید کو یاد کرتا ہے اور اپنے ایمان و یقین کو تازہ کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے کیونکہ وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ ''آگ گناہوں سے اجتناب کرنے سے شدید نہیں۔'' اور نہ ہی اس کے لئے یہ کہنا ممکن ہے کہ ''نافرمانی جہنم میں نہیں پہنچا سکتی۔'' اس لئے کہ بندے کا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کتاب پر ایمان اس چیز کو دور کر دیتا ہے اور اس کے وسوسوں کی کاٹ کر دیتا ہے۔پس بندہ جب گناہ چھوڑ کر نیکی کے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے تو شیطان ملعون ذلیل و رسوا ہو کر اس سے بھاگ جاتا ہے۔

شیطان کبھی کبھار انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے اور اس کی رحمت بھی وسیع ہے لہٰذا تو جو گناہ چاہے کر کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان سب کو معاف فرما دے گا۔جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاٙ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ (پ۲۲،الفاطر ۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچ ہے تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی اور ہرگز تمہیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''دنیاوی زندگی سے لطف اندوز ہونا نہ تو تمہیں طلبِ آخرت اور اس کی خاطر کوشش کرنے سے غافل کرے اور نہ ہی شیطان تمہیں گناہوں پر ڈٹے

رہنے کے ساتھ ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مغفرت کی امید دِلا کر دھوکے میں مبتلا کرے۔ اگر چہ ایسا ممکن ہے لیکن مَغْفِرَت کی اُمید پر گناہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اس یقین پر زہر کھائے کہ وہ بیماری سے نجات دے سکتا ہے۔''[1]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''دنیاوی زندگی تمہیں ہرگز اپنی لذات اور جو کچھ اس میں ہے، کے ذریعے آخرت کے کاموں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے ملنے والے انعامات سے غافل نہ کردے اور نہ ہی شیطان تمہیں یہ کہہ کر دھوکے میں مبتلا کرے کہ ''جو چاہو کرتے رہو کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر گناہ اور غلطی کو معاف فرمانے والا ہے۔'' اس آیتِ مبارکہ کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ نے شیطان کے اس فریب کی وضاحت بھی اپنے اس فرمانِ عالیشان سے فرما دی:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ (پ ۲۲، الفاطر ۶) ترجمۂ کنز الایمان: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے۔[2]

حاصلِ کلام:

شیطان کے پاس یادِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ سے غافل انسانوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ انہیں کفر پر ابھارتا ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے ایمان کی حفاظت فرمائے تو وہ انہیں ایسے گناہوں پر ابھارتا ہے جو نہ صرف ان کی اپنی جانوں کی ہلاکت کا باعث بنیں بلکہ دوسرے بھی ان سے متاثر ہوں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر انہیں عبادات و طاعات میں سستی پر ابھارتا ہے اور اس طرح انہیں اعلیٰ مراتب و درجات پر فائز ہونے سے روکتا ہے۔ اس کا ہر انسان کو بہکانے کا یہی طریقہ ہے۔ وہ کسی بھی انسان کو بھٹکانے کے ادنیٰ طریقے پر اسی وقت اکتفا کرتا ہے جب وہ کسی اعلیٰ طریقے سے عاجز آ جاتا ہے یعنی شیطان جب کسی انسان کے کافر ہونے سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس کے فاسق ہونے پر ہی راضی ہو جاتا ہے اور اگر اس کے فاسق ہونے سے بھی مایوس ہو جائے تو پھر اسے نیکی کے کام کرنے سے روکتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اعلیٰ مراتب و درجات پر فائز نہ ہو سکے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں شیطان مردود کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

---

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ ۲۲، فاطر، تحت الآیة: ۵، ج ۴، ص ۴۱۱.

[2] ......تفسیر الخازن، پ ۲۲، فاطر، تحت الآیة: ۶، ج ۳، ص ۵۲۹.

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾

ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر تجھے شیطان کا کوئی کونچا (تکلیف) پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔

(پ ۲۴، حٰم السَّجدة ۳۶)

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''شیطان، انسان کو ممنوع کاموں کے ارتکاب پر ابھارتا ہے۔ لہٰذا اس کے شر سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگو کہ تمہاری پناہ مانگنے کی پکار کو وہی سننے والا ہے اور تمہارے احوال سے باخبر ہے۔'' (1)

شیطان سے بچاؤ کا طریقہ:

حضرت سیِّدُ نا امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) ''اِحیَاءُ الْعُلُوم'' میں فرماتے ہیں: ''اگر پوچھا جائے کہ شیطان سے بچاؤ کا کیا طریقہ ہے؟ نیز کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر اور کسی انسان کا ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه'' پڑھنا کافی نہیں؟'' تو اس کا جواب سمجھ لیں کہ شیطان سے چھٹکارے کا حقیقی طریقہ یہ ہے کہ دل میں داخل ہونے والے اس کے تمام راستوں کو بند کر دیا جائے اور دل کو تمام صفاتِ مذمومہ سے پاک وصاف کر لیا جائے۔ اس لئے کہ انسان میں پائی جانے والی ہر مذموم صفت شیطان کا اسلحہ اور دل میں داخلے کا راستہ ہوتی ہے۔ جب دل سے ان مذموم صفات کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے تو شیطان دل میں وسوسے ڈالتا تو ضرور ہے لیکن اس کو مستقل جگہ نہیں ملتی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر اس کے آڑے آ جاتا ہے کیونکہ ذکر کی حقیقت صرف اسی وقت دل میں قرار پکڑتی ہے جب دل میں تقویٰ آباد ہو جائے اور وہ مذموم صفات سے پاک وصاف ہو جائے۔ ورنہ ذکر تو محض حدیثِ نفس کی حیثیت رکھتا ہے جس کی دل میں کوئی سلطنت نہیں۔ لہٰذا وہ شیطان کی عمل داری سے بچاؤ نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس فرمان میں ذکر کو خوفِ خدا عَزَّوَجَلَّ رکھنے والے پرہیزگاروں کے ساتھ خاص کر دیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی

---

(1)......تفسیر الخازن، پ ۲۴، فصلت، تحت الآیة: ۳۶، ج ۴، ص ۸۶۔

الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

(پ۹،الاعراف ۲۰۱)

شیطان تمہارے قریب آنے والے ایک بُھو کے کتے کی طرح ہے۔ اگر تمہارے سامنے روٹی یا گوشت کا کوئی ٹکڑا نہ پڑا ہو تو وہ تمہارے اتنا کہنے سے ہی ڈر جائے گا: ''ہٹ، دور ہو جا۔'' اس صورت میں صرف آواز ہی اس کو دور بھگا دیتی ہے لیکن اگر وہ بھوکا ہو اور آپ کے سامنے گوشت کا کوئی ٹکڑا بھی پڑا ہو تو وہ گوشت پر جھپٹ پڑے گا اور صرف آواز سے دور نہیں بھاگے گا۔ یوں ہی وہ دل جو شیطان کی غذا سے خالی ہو اُس سے تو شیطان صرف ذکر کی آواز سن کر ہی بھاگ جاتا ہے۔ لیکن جب اس دل پر شہوات غالب ہو جائیں تو ذکر کی حقیقت اس دل کے اندر نہیں ٹھہرتی بلکہ وہاں سے نکل کر دل کے اطراف میں چلی جاتی ہے اور شیطان دل کے اندر اپنا ٹھکانا بنا لیتا ہے۔ البتہ! جن متقی لوگوں کے دل خواہشاتِ نَفْسَانِیَّہ اور صفاتِ مَذْمُومہ سے خالی ہوتے ہیں شیطان ان کے دلوں پر کبھی کبھی دستک تو دیتا ہے لیکن شہوات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ان کے دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے کسی لمحے غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ دوبارہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں تو شیطان فوراً دُم دبا کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمانِ عالیشان: ''فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (پ۲۴،حم السجدۃ ۳۶)'' اور وہ تمام آیاتِ بینات و احادیثِ طیبات ہیں جو ذکر کے بارے میں آئی ہیں۔

مومن اور کافر کے شیاطین کی ملاقات:

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک مومن اور ایک کافر کے شیطان کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ کافر کا شیطان ہٹا کٹا، بالوں میں تیل لگا ہوا اور لباس پہنے ہوا تھا جبکہ مومن کا شیطان دُبلا پتلا، پراگندہ بال اور برہنہ تھا۔ کافر کے شیطان نے مومن کے شیطان سے پوچھا: ''تجھے کیا ہوا؟'' اس نے بتایا: ''میں ایک ایسے بندے کے ساتھ ہوں کہ جب وہ کھانا کھاتا ہے بِسْمِ اللّٰه پڑھ لیتا ہے لہٰذا میں بھوکا رہ جاتا ہوں۔ جب کچھ پینے لگتا ہے بِسْمِ اللّٰه پڑھ لیتا ہے لہٰذا میں پیاسا رہ جاتا ہوں۔ جب وہ سر میں تیل لگانے لگتا ہے بِسْمِ اللّٰه پڑھ لیتا ہے اور میں ایسے ہی پراگندہ بال رہ جاتا ہوں اور اسی طرح جب وہ لباس پہننے لگتا ہے بِسْمِ اللّٰه پڑھتا ہے اور میں برہنہ رہ

جاتا ہوں۔'' یہ سن کر کافر کا شیطان بولا: ''میں تو ایک ایسے شخص کے ساتھ ہوں جو ایسا کچھ نہیں کرتا جو تم نے بیان کیا (یعنی بِسْمِ اللہ نہیں پڑھتا) لہٰذا میں اس کے کھانے، پینے اور پہننے کے تمام کاموں میں شریک ہو جاتا ہوں۔'' [(1)]

شیطان کو تکلیف دینے والی دُعا:

حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روزانہ نمازِ فجر کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ سَلَّطْتَ عَلَیْنَا عَدُوًّا بَصِیْرًا بِعُیُوْبِنَا، یَرَانَا ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا نَرَاھُمْ، اَللّٰھُمَّ فَاٰیِسْہُ مِنَّا کَمَا اٰیَسْتَہٗ مِنْ رَحْمَتِکَ وَقَنِّطْہُ مِنَّا کَمَا قَنَّطْتَہٗ مِنْ عَفْوِکَ وَ اَبْعِدْ بَیْنَنَا وَبَیْنَہٗ کَمَا اَبْعَدْتَّ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ جَنَّتِکَ، اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (**ترجمہ**: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! بے شک تو نے ہم پر ایک ایسا دشمن (شیطان) مسلَّط فرما دیا ہے جو ہمارے عیبوں کو دیکھ لیتا ہے۔ وہ اور اس کا قبیلہ ہمیں ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اسے ہم سے ایسے ہی مایوس فرما دے جیسے تو نے اسے اپنی رحمت سے مایوس کیا اور اسے ہم سے اسی طرح نا اُمید کر دے جیسے تو نے اسے اپنے عفو و درگزر سے نا اُمید کیا اور اس کے اور ہمارے درمیان اسی طرح دُوری پیدا فرما دے جس طرح تو نے اس کے اور اپنی جنت کے درمیان دوری پیدا فرمائی ہے۔ بیشک تجھے ہر چیز پر قدرت ہے۔'') ایک دن شیطان آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مسجد کے راستے میں انسانی شکل میں ملا اور کہنے لگا: ''اے ابن واسع! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ''تم کون ہو؟'' کہنے لگا: ''شیطان لعین۔'' تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے پوچھا: ''کیا چاہتا ہے؟'' بولا: ''میں بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگنے کی یہ دعا کسی دوسرے کو نہ سکھائیں۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے جواب دیا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! جس نے بھی اس کو سیکھنے کا ارادہ کیا میں اسے ہرگز منع نہ کروں گا۔ تو جو چاہے کر لے۔''

سیِّدُنا فاروقِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت وشان:

مروی ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَولاک، سیّاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جس راستے پر چلتے ہیں شیطان اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے'' [(2)]

(1)......احیاء علوم الدین، کتاب شرح عجائب القلب، بیان تفصیل المداخل......الخ، ج۳، ص ۴۵.

(2)......صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب، الحدیث: ۳۶۸۳، ص ۳۰۰، بتغیرٍ قلیلٍ۔
احیاء علوم الدین، کتاب شرح عجائب القلب، بیان تفصیل المداخل ...... الخ، ج۳، ص ۴۶.

شیطان حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا راستہ کیوں چھوڑتا تھا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ دل شیطان کی چراگاہ اور خوراک نہیں بلکہ اس کی چراگاہ اور خوراک تو شہوات ہیں۔ تو اے لوگو! تم جب محض اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر کے ذریعے شیطان کو بھگانا چاہو گے جیسا کہ حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شیطان دور بھاگ جاتا تھا تو ایسا ناممکن ہے۔ کیونکہ تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جو پرہیز سے پہلے دوائی پینا چاہتا ہے حالانکہ معدہ مرغن غذاؤں سے بھرا ہوا ہے۔ نیز وہ ایسا کر کے اس شخص کی طرح نفع حاصل کرنا چاہتا ہے جو پرہیز اور معدہ خالی کرنے کے بعد دوائی پیتا ہے۔

جان لو! اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر دوا ہے اور تقویٰ پرہیز ہے جو دل کو شہوات سے خالی رکھتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر شہوات سے خالی دل میں اُترتا ہے تو وہاں سے شیطان ایسے بھاگتا ہے جیسے غذا سے خالی معدہ میں دوا اُترنے سے بیماری بھاگتی ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (پ۲۶، قٓ ۳۷)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

كُتِبَ عَلَیْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ وَ یَهْدِیْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۴﴾ (پ۱۷، الحج ۴)

ترجمۂ کنز الایمان: جس پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اسے گمراہ کر دے گا اور اسے عذاب دوزخ کی راہ بتائے گا۔

جس نے اپنے عمل سے شیطان کی مدد کی تو گویا وہی اس کا آقا و مولا ہے۔ اگرچہ زبان سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

سوال وجواب:

اگر آپ یہ کہیں کہ حدیثِ پاک میں تو مطلقاً آیا ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر شیطان کو بھگا دیتا ہے۔'' (مگر آپ نے تقویٰ و پرہیزگاری کی قیودات لگا دیں؟) تو ہم کہیں گے کہ'' آپ نے حدیثِ پاک کا مفہوم صحیح طور پر نہیں سمجھا کیونکہ بہت سے شرعی احکام ایسے ہیں جن کا ظاہری حکم تو عام ہوتا ہے لیکن ان میں چند مخصوص شرائط ہوتی ہیں جو صرف علما کرام ہی

جانتے ہیں۔آپ اپنے آپ ہی کو دیکھیں کیونکہ خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتی اور غور وفکر کریں۔ چونکہ آپ کے ذکر اور عبادت کی انتہا نماز ہے۔ لہٰذا جب آپ حالتِ نماز میں ہوں تو اپنے دل کی کڑی نگرانی کریں اور دیکھیں کہ کیسے شیطان اسے بازاروں، دُنیا بھر کے حساب وکتاب اور دشمنوں کو جوابات دینے کی جانب کھینچ کر لے جاتا ہے؟ اور کیسے آپ کو دنیا بھر کی مختلف وادیوں اور ہلاکت خیزیوں کی سیر کراتا ہے؟ یہاں تک کہ فضولیاتِ دُنیا میں سے جو چیز آپ کو یاد نہیں آتی وہ بھی حالتِ نماز میں یاد آجاتی ہے۔تو شیطان آپ کے دل پر یلغار اسی وقت کرتا ہے جبکہ آپ نماز اس حالت میں ادا کر رہے ہوں کہ دل بحث ومباحثہ میں مشغول ہو۔اس لمحے دل کی خوبیاں وخامیاں سب ظاہر ہوجائیں گی۔آپ اگر واقعی شیطان سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تقویٰ کے ساتھ پہلے پرہیز اپنائیں پھر اس کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر کی دوا استعمال کریں تو شیطان آپ سے ایسے ہی بھاگے گا جیسے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھاگتا تھا۔

حضرت سیِّدُنا وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''تقویٰ اختیار کرو اور شیطان کو اعلانیہ برا بھلا نہ کہو جبکہ تنہائی میں تم اس کے دوست یعنی اطاعت گزار ہو۔'' (1)

جب تمہارا دل ہی فاسد ہو۔ظاہر وباطن میں تقویٰ وپرہیزگاری کا نام ونشان تک نہ ہو تو شیطان کو بھگانے کے لئے صرف اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھ لینا کچھ مؤثر نہ ہوگا بلکہ بعض اوقات تو یہ کلمہ اس بات پر شیطان کی مزید مدد کرتا ہے کہ وہ تمہیں فریب میں مبتلا رکھے کیونکہ تم اپنے گمان میں محض زبان کی تھوڑی سی حرکت سے اسے بھگا چکے ہو لیکن اس کے باوجود غفلت ومعاصی کا شکار ہو۔وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم.

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(1)......احیاء علوم الدین، کتاب شرح عجائب القلب، بیان تفصیل المداخل ...... الخ، ج۳، ص ۴۷.

مومن کی شان

اللہ عَزَّوَجَلَّ، اس کے رسولوں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھنے والے کو مومن کہتے ہیں اور اس کی شان یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن سے محض اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت اور دارِ آخرت کا طالب ہو اور جو ان دونوں کا طالب ہو اس کا شمار نیکوکاروں اور راہِ طریقت کے مسافروں میں ہوتا ہے۔

باعتبارِ ایمان مومن کے درجات:

ایمان کے اعتبار سے مومن کے دو درجے ہیں:

ادنیٰ درجہ: یہ درجہ عام مسلمانوں کا ہے جو معرفت وآخرت کی طلب سے دور رہتے ہیں۔

اعلیٰ درجہ: یہ درجہ ان کاملین کا ہے جو نہ صرف وصل کی لذتوں سے آشنا ہوتے ہیں بلکہ مقرّبینِ بارگاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ بھی ہوتے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر صرف اور صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہوتی ہے اور وہ ہر لمحہ اسی کی جستجو میں رہتے ہیں۔

جو معرفتِ خداوندی اور آخرت دونوں کا طالب ہو اس پر نہ تو معرفت مخفی رہتی ہے اور نہ ہی آخرت، کیونکہ اصولِ فطرت ہے کہ ''جو شخص کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے وہ اسے جانتا بھی ہوتا ہے کیونکہ ایسی شے کا مطالبہ کرنا ناممکن ہے جسے بندہ نہ جانتا ہو۔'' لہٰذا جو طالبِ حق ہو اور طالبِ معرفت ہونے کی حالت میں اگر وہ کسی بھی اعتبار سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عرفان نہیں رکھتا تو نہ اس کی طلب صحیح ہوگی اور نہ ہی اس کے دل میں بارگاہِ ربوبیت عَزَّوَجَلَّ تک رسائی حاصل کرنے کا کوئی بہترین راستہ دکھائی دے گا۔ اسی طرح طالبِ آخرت بھی اگر کسی بھی اعتبار سے آخرت کی حقیقت نہیں جانتا تو اُس کا مطالبہ کرنا اِس کے لئے ممکن نہیں اور اُس کے حسن کے بارے میں اِس کے دل میں کوئی کھٹکا پیدا نہ ہوگا۔

عارِف ومُرید کی تعریف:

جس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور دارِ آخرت کی طلب آسان ہو وہ اپنی اس الہامی معرفت کی وجہ سے ''عارف'' کہلاتا ہے اور یہ معرفت اُسے محض اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل وکرم سے حاصل ہوتی ہے۔ صوفیا کرام رحمہم اللہ تعالٰی کی اصطلاح میں اسی عارف کو ''مُرید'' کہتے ہیں۔ لیکن جس شخص کا مقصد بغیر کسی سعی وکوشش کے معرفتِ الٰہیہ اور دارِ آخرت تک رسائی حاصل

کرنا ہوتو وہ اپنی اس دنیاوی زندگی میں دھوکے وفریب میں مبتلا ہے اور اُسے حقیقی معنوں میں مرید بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے شہر جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ وہ دل میں تو اس کا ارادہ رکھے لیکن اپنے شہر سے باہر بھی نہ نکلے تو وہ حقیقتاً مسافر ہی نہیں۔ البتہ! یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ سفر کا خواہش مند ہے۔ بلکہ مسافر تو وہ ہے جو اپنے وطن کو چھوڑ کر اور اپنے تمام اہل وعیال اور بہن بھائیوں سے جدا ہو کر چل پڑے، اپنے مطلوب تک پہنچنے کے مقصد کو عملی جامہ پہنائے اور اپنے محبوب کی جانب مکمل طور پر متوجہ ہو جائے۔ لہٰذا جس کی کیفیت ایسی ہو اس پر کوئی بھی راستہ مخفی نہیں رہتا۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ وہ راستے سے ناواقف ہے تو پھر بھی اپنی توجہ میں صادق ہونے کی وجہ سے اسے ہزاروں دوست مل جائیں گے۔

اسی لئے حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۲۹۷ھ) نے ارشاد فرمایا: ''مریدِ صادق علما کے علم سے بے نیاز ہوتا ہے۔''(1)

اوراسی طرح حضرت سیِّدُنا امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۶۵ھ) نے ''اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّۃ'' میں نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو بندہ ہر عالم سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کو کافی سمجھتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اُسے ہر قسم کی مخلوق کے ذریعے علم سکھاتا ہے خواہ اس کا تعلق انسان سے ہو یا حیوان سے، جمادات سے ہو یا نباتات سے اور اس کی علامت ونشانی اس کے پاس علم کا پایا جانا ہے اور وجود رکھنے والی ہر شئے کے پاس علم اور عقل دونوں ہوتے ہیں۔ مَیں (یعنی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی) نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب ''لَمَعَاتُ الْبَرْقِ النَّجْدِی شَرْحُ تَجَلِّیَاتِ مَحْمُوْد آفَنْدِی'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

شبہات اور خناس کے وسوسے:

جاہل عبادت گزاروں اور غافل علما کو جو التباس واشتباہ لاحق ہوتا ہے نیز خناس (یعنی دل میں وسوسہ ڈالنے والے شیطان) کے جن وسوسوں کا دل پر گزر ہوتا ہے وہ ذاتِ حق تعالیٰ اور آخرت کے علاوہ دیگر امور میں ہوتا ہے اور اشتباہ کا معنی ہے شے کا اپنے جیسی صورت میں داخل ہو جانا یوں کہ پہچان نہ ہو سکے اور التباس کا مطلب ہے کہ شے کا اپنے

(1)......الرسالۃ القشیریۃ، باب الارادۃ، ص۲۳۸.

مشابہ کسی دوسری شکل کواختیار کرلینا اس طرح کہ امتیاز نہ ہوسکے۔(یہاں ''طریقہ محمدیہ'' میں ''وَسْوَاسُ الْخَنَّاس'' کے الفاظ آئیں ہیں۔صاحبِ حدیقہ ندیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی شرح یوں فرمائی ہے)۔''وَسْوَاس''وسوسہ کی طرح اسم مصدر ہے جیسے ''زَلْزَال''،بمعنی زلزلۃ آتا ہے جبکہ مصدر کسرہ (یعنی زیر) کے ساتھ آتا ہے جیسے ''زِلْزَال''اور وسوسہ کے لغوی معنی غیر محسوس حرکت اور مخفی آواز کے ہیں۔چنانچہ،

(۱)......حضرت سیِّدُنا عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی ۶۶۰ ھ) اپنی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''وَسْوَاس'' سے مراد شیطان ہے اور وسوسہ کی اصل حرکت اور پوشیدہ آواز ہے اور ''وَسْوَاس'' سے مراد واضح آواز اور دل کی بات ہے۔''

(۲)......حضرت سیدنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ ھ) اس فرمانِ باری تعالیٰ ''الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں'' کے تحت فرماتے ہیں:''یعنی ایسے مخفی کلام کے ساتھ (وسوسے ڈالتے ہیں) جس کا مفہوم بغیر سنائی دیئے دل تک پہنچتا ہے۔''

(۳)......حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) فرماتے ہیں:''خَنَّاس''اس کو کہتے ہیں جس کی عادت پیچھے رہنا ہو یعنی جب انسان اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کو یاد کرتا ہے تو یہ اس کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔''

(۴)......حضرت سیِّدُنا عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی ۶۶۰ ھ) فرماتے ہیں:''خَنَّاس اسے کہتے ہیں جو آنکھوں سے پوشیدہ رہے۔''

(۵)......ایک قول یہ ہے کہ ''خَنَّاس وہ ہے جو ایک بار پیچھے پڑے اور دوسری بار وسوسہ ڈالے۔''

(۶)......ایک قول یہ ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر کے وقت پیچھے پڑنے والے کو ''خَنَّاس'' کہتے ہیں۔''

(۷)......یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''خَنَّاس ابن آدم کے دل سے چمٹا رہتا ہے۔پس اگر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرے تو یہ پیچھے لگ جاتا (تاکہ ذکر میں رکاوٹ ڈالے) اور اگر وہ غافل ہو تو یہ وسوسہ ڈالتا ہے۔''

(۸)......حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ ھ) فرماتے ہیں: خَنَّاس کہتے ہیں بہت زیادہ رجوع کرنے والے کو۔چنانچہ،حضرت سیِّدُنا قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا:''خَنَّاس کی کتے جیسی تھوتھنی (ناک) ہوتی ہے۔ایک قول کے مطابق خنزیر جیسی ہوتی ہے جو انسان کے دل میں ہوتی ہے۔جب بندہ اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کو یاد کرتا

ہے تو یہ پیچھے پڑ جاتا ہے۔‘‘

(۹)......ایک قول یہ ہے کہ ’’اس کا سر سانپ کے سر کی مانند ہوتا ہے جسے دل کے پھل (یعنی سچے اقرار) پر رکھے ہوئے اسے امیدیں دلاتا اور باتیں کرتا رہتا ہے۔ پس جب بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا ہے تو یہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور جب ذِکرِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ نہیں کرتا تو یہ واپس (اپنے مقام پر) لوٹ آتا ہے اور اپنا سر دل پر رکھ دیتا ہے۔‘‘

غافل علما اور جاہل عبادت گزار:

جاہل عبادت گزاروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خود پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے واجب کردہ احکامِ شرعیہ کے علم اور اس پر عمل سے بے خبر ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی عبادت (کے علم) سے جاہل رہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اور مخلوق میں ایسے لوگ بہت سارے ہیں مگر ان کا معین ہونا معلوم نہیں کیونکہ کمال پر محمول کرنا، مسلمانوں کی ستر پوشی کرنا، ان سے بدگمانی نہ کرنا اور ان کی ٹوہ میں نہ پڑنا واجب ہے۔ جیسا کہ صراحت کے ساتھ آیاتِ مبارکہ اور احادیث طیبہ میں مذکور ہے اور (جاہل عبادت گزاروں اور غافل علما سے) حضرت مصنف (علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی) کی مراد کوئی خاص گروہ نہیں کیونکہ اچھا گمان رکھنا واجب ہے۔ انہوں نے عام کلام اس لئے فرمایا تا کہ اس کا نفع وفائدہ عام ہو۔ لہٰذا واجب ہے کہ ہر زمانے کے ہر مدرس (یعنی پڑھانے والے) اور واعظ (مبلغ، ناصح) کا کلام ایسا ہی ہوتا کہ اس کا ظاہر و باطن گناہوں کی آلودگیوں سے پاک رہے اور اس کا کلام دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔

غافل علما سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم کی صِفَت سے متصف ہونے کے باوجود اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر، اسرارِ توحید اور لطائفِ عبادت سے غافل ہیں اور یہ وہ ہی علما ہوتے ہیں جو نفسانی شہوات اور دُنیا کی پُرفریب اور لبھانے والی چیزوں میں مصروف و منہمک ہیں۔ ان کے ظاہر سے ان کی پہچان نہیں ہوتی کیونکہ ان کو معین کر کے بیان نہیں کیا گیا جیسا کہ ’’جاہل عبادت گزاروں‘‘ کو مطلق بیان کیا گیا۔ مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ (پ۲، البقرة: ۲۲۰)

اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کے علاوہ امور میں اشتباہ والتباس (یعنی کسی چیز میں شبہ پڑنا) اور شیطانی وساوس غافل علما اور جاہل عبادت گزاروں پر یکساں اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ غیب مطلق ہے اور آخرت غیبِ مقید۔ اور غیب پر اس سے آگاہ ہونے سے پہلے ہی ایمان لانا واجب ہے اور اس سے آگاہ ہونے کے بعد اس پر ایمان لانا قابلِ قبول نہیں۔ اس لئے کہ بعد اطلاع ایمان اختیاری نہیں رہا بلکہ وہ شہود ضروری ہو گیا ہے۔ تو اس حال میں وہ اُس ایمان کا مکلّف ہی نہ رہے گا کہ جو قبول ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کافر جب قیامت میں ایمان لانا چاہے گا تو اس کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ (پ۸، الانعام: ۱۵۸)

ترجمۂ کنز الایمان: جس دن تمہارے رب کی وہ ایک نشانی آئے گی کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لائی تھی۔

ایمان ہی وہ واحد شے ہے جو جاہل و عالم اور غافل و بیدار کے درمیان قدرِ مشترک ہے۔ جیسا کہ حضرت سیّدُنا امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کا فرمان ہے کہ ''آسمان اور زمین والوں کا ایمان یکساں ہے۔ البتہ! تفاوت و فرق ان آیات اور نشانیوں کے علاوہ میں ہے جو آفاق و نفوس میں پائی جاتی ہیں۔ جاہل انہیں ظلمات خیال کر کے ان میں تحریف کر لیتا ہے اور سننے کے بعد بھی ان کو بدل کر رکھ دیتا ہے اور اس کی یہ حالت غافل عالم پر بھی غالب آجاتی ہے اور وہ بھی اس معاملے میں اس کی پیروی کرتا ہے۔''

چونکہ یہ شے جاہل اور غافل عالم میں سے ہر ایک کے حق میں شر کا باعث ہے اس لئے صاحبِ طریقہ محمدیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کو ''شرور'' کا نام دیا۔

سوال: عبادت گزار جہلا اور غافل علما کو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کی معرفت حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ باعمل کامل علما رحمہم اللہ تعالٰی کو ہوتی ہے تو پھر کیونکر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کے معاملے میں اِشْتِبَاہ و اِلْتِبَاس سے بچ سکیں گے؟

جواب: اشتباہ والتباس کا تصور کسی ایسے امر میں نہیں کیا جا سکتا جس کو سمجھنے سے وہ تمام افراد عاجز ہوں جو اس پر ایمان لانے میں مشترک ہیں۔ نیز اس پر کسی ایسی بات کے ذریعے حکم نہ لگایا گیا ہو جو بغیر کسی وصف کے وارد ہوئی ہو اور رہا عاجز رہنے والوں کا عجز تو یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کی جہت کے اعتبار سے نہیں، ان کے غیر کی جہت سے ہے۔ تو یہ اُن

''شرور'' سے ہے کہ جب ان میں کوئی مشغول ہوتا ہے تو وہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر بھلا دیتے ہیں اوراس کے پاس ہر قسم کی برائی وعیب حاضر کر دیتے ہیں اور اسے اس بات پر ابھارتے ہیں کہ وہ ان کی نسبت اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کی طرف کرے حالانکہ وہ اس سے بری ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جاہل اور غافل عالم کے نزدیک ''اشتباہ اور التباس'' ظاہری طور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کی طرف منسوب ہیں۔لیکن حقیقت میں یہ دونوں اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کے علاوہ دیگر امورِ دُنیا میں واقع ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ''جس نے اپنے نفس کو نہ پہچانا اس نے اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ کو بھی نہ پہچانا اور جو اپنے نفس کے احوال سے آگاہ نہ ہوا وہ آخرت کے معاملات بھی نہ جان سکا۔'' پس انسانی فطرت اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے اور ''اشتباہ والتباس'' ان کے علاوہ معاملات میں واقع ہوتے ہیں۔تو جب ان دونوں کے علاوہ بقیہ امور کے اسباب ختم ہو جائیں گے تو انسان کی اصلی فطرت خود بخود ظاہر ہو جائے گی اور چونکہ اس کا یہ ظہور اضطراری ہوگا اختیاری اور کسبی نہ ہوگا اس لئے نفع بھی نہ دے گا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۬ۚ لَىٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ(۲۲) فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّؕ (پ۱۱،یونس ۲۲،۲۳)

ترجمۂ کنز الایمان: یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے انہیں لے کر چلیں اور اس پر خوش ہوئے، ان پر آندھی کا جھونکا آیا اور ہر طرف لہروں نے انہیں آلیا اور سمجھ لئے کہ ہم گھر گئے۔ اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں نِرے اس کے بندے ہو کر کہ اگر تو اس سے ہمیں بچالے گا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے۔ پھر جب انہیں بچا لیتا ہے جبھی وہ زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگتے ہیں۔

مشروعیتِ جہاد کا ایک سبب:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) '' دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۬ۚ '' کی تفسیر میں

فرماتے ہیں: ''شرک کئے بغیر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خالص بندے بن کر اسے پکارتے ہیں تاکہ فطرت لوٹ آئے اور شدتِ خوف کی رکاوٹ زائل ہوجائے۔'' (1)

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) مَیں کہتا ہوں: ''اسی لئے ان میں جہاد مشروع کیا گیا تاکہ ان کی فطرت لوٹ آئے اور ان پر سختی اور ڈرانے کے سبب حقیقت امر سے رکاوٹ بننے والی شے زائل ہوجائے۔ نیز وہ حق کو حق اور باطل کو باطل جانیں اور کفر و جہالت ان سے دور ہوجائے۔''

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) مذکورہ آیت کی تفسیر میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ''اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے شرک چھوڑ دیا اور خالص طور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ربّ مان لیا اور کہنے لگے: ''اگر تو نے ہمیں اس آندھی سے نجات عطا فرمادی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار، موَحِّد اور تابع فرمان بندے بن جائیں گے۔'' پھر جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں نجات عطا فرمادی تو وہ دوبارہ زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگے اور نافرمانی، فساد اور سرکشی پر اُتر آئے۔'' (2)

حضرت سیِّدُنا امام ابومحمد خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''انہوں نے (شدتِ خوف میں) اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اخلاص کے ساتھ دعا کی اور اپنے (باطل) معبودوں کو چھوڑ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کو پکارنے لگے۔''

آیت میں اخلاص سے مراد:

''مُخْلِصِيْنَ'' کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ''یہاں اخلاص سے مراد علمِ حقیقی ہے نہ کہ ایمان کا اخلاص۔ کیونکہ انہیں اس بات کا حقیقی علم تھا کہ انہیں ان تمام مصائب و مشکلات سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کوئی نجات نہیں دلا سکتا۔ لہٰذا جب وہ ایسی ہی کسی مصیبت و بلا کا شکار ہوئے تو خلوص سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں دُعائیں کرنے لگے۔'' (3)

افراط وتفریط:

سابقہ گفتگو سے واضح ہوا کہ جاہل عبادت گزار اور غافل علما ہی ''اشتباہ و التباس'' میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پس جب

(1)......تفسیر البیضاوی، پ ۱۱، یونس، تحت الآیۃ: ۲۲، ج۳، ص ۱۹۲.

(2)......الوجیز للواحدی، پ ۱۱، یونس، تحت الایۃ: ۲۲، الجز ۱، ص ۳۱۳.

(3)......تفسیر الخازن، پ ۱۱، یونس، تحت الایۃ: ۲۲، ج ۲، ص ۳۰۹.

ایسا ہوتا ہے تو شیطان ان دونوں گروہوں یعنی جاہل عبادت گزاروں اور غافل علما کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے اور یوں وہ ''افراط وتفریط'' کا شکار ہو جاتے ہیں۔

افراط کے شکار:

اسحاق بن ابراہیم بن حسین فارابی (متوفی ۳۵۰ھ) ''دِیْوَانُ الْاَدَب'' میں کہتے ہیں: ''افراط کا معنی ہے کسی معاملے میں حد سے تجاوز کر جانا۔'' اور جاہل عبادت گزار اس کے شکار ہوتے ہیں یوں کہ وہ احکامِ شرعیہ سے جہالت کی بنا پر اپنی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں اور جو مقدار حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ان پر مقرر کر رکھی ہے اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور پھر گمان کرتے ہیں کہ ان کا یہ فعل شریعت کے نزدیک اچھا ہے۔ پس وہ ظاہری عبادات کی کثرت کرتے ہیں بلکہ بدعات اور خلافِ شرع امور کے مرتکب بھی ہوتے ہیں اور انہیں اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔

تفریط کے شکار:

تفریط کے شکار غافل علما ہوتے ہیں۔ یعنی وہ علما جن کے قلوب پر شہواتِ نفسانیہ میں منہمک ہونے اور دنیا کے دھوکے میں مبتلا ہونے کی وجہ سے حد درجہ غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ برا ہے اور انہیں کامیابی وکامرانی کا راستہ بھی خوب معلوم ہے مگر پھر بھی انہوں نے حقوق اللہ کو ہلکا جانتے ہوئے ضائع کر دیا اور اپنے متعلق حقوق العباد بھی ضائع کر دیئے اور محض اپنے علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس بات کی بالکل پرواہ نہ کی کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ حالانکہ ان کا علم اُنہی کے خلاف حجت ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ (پ ۳۰، الماعون ۴،۵)

ترجمۂ کنز الایمان: تو اُن نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں۔

نماز سے غفلت و بے پرواہی:

حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَولاک، سیّاحِ اَفلاک صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے خود مذکورہ آیتِ مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو بغیر کسی عذر کے اس کے وقت سے

مؤخر کرتے ہیں۔'' [1]

سَاھُوْنَ کی تفسیر میں مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے بہت سے اقوال ہیں۔جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱)......حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۶۸۵ ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''وہ غافل ہیں اور نمازوں کی پرواہ بالکل نہیں کرتے۔'' [2]

(۲)......حضرت سیِّدُ نا عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۶۶۰ ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''وہ غافل ہیں یعنی اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ انہوں نے ابھی نماز ادا کی ہے یا نہیں۔'' [3]

(۳)......''وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں لیکن خلوت میں اسے چھوڑ دیتے ہیں۔''

(۴)......''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سستی کی حالت میں اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔''

(۵)......''وہ نماز میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتے ہیں نہ قراءت۔ بلکہ اسے ترک کر دیتے ہیں۔''

(۶)......''وہ یہ نہیں جانتے کہ تین رکعت پڑھ کر سلام پھیرا ہے یا چار پڑھ کر۔''

مومن اور منافق کے بھولنے میں فرق:

(۷)......حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان ''عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاھُوْنَ ۝'' میں لفظ ''عَنْ'' (عربی میں لفظ ''عَنْ'' دوری کے لئے آتا ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منافقین کے بارے میں ہے۔ کیونکہ مومن بھی اپنی نماز میں کبھی کبھار بھول جاتا ہے لیکن ان دونوں کے بھولنے میں بہت فرق ہے۔ اگر منافق بھول جائے تو اسے یاد نہیں آتا اور وہ نماز سے فارغ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن مومن جب اپنی نماز میں بھولتا ہے تو وہ فوراً سمجھ جاتا ہے اور (بھولنے کے سبب نماز میں ہونے والی) اِس کمی کو سجدہ سہو سے پوری کر لیتا ہے۔''

منافق کا فعل:

(۸)......ایک قول یہ ہے کہ ''نماز سے بھولنے کا معنی یہ ہے کہ بندہ نماز کے تمام ارکان میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر

---

[1] ......تفسیر الطبری، پ ۳۰، الماعون، تحت الایۃ: ۵، الحدیث: ۳۸۰۵۴، ج ۱۲، ص ۷۰۸، دون قولہ "بلاعذر".

[2] ......تفسیرالبیضاوی، پ ۳۰، الماعون، تحت الایۃ: ۵، ج ۵، ص ۵۳۴.

[3] ......تفسیر العزبن عبدالسلام، پ ۳۰، الماعون، تحت الایۃ: ۵، ج ۱، ص ۱۳۷۳.

کو بھولا رہے۔ ایسا فعل کسی منافق ہی سے صادر ہوسکتا ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ نماز کا کوئی فائدہ نہیں حالانکہ یہ اس پر فرض ہے اور وہ اس کی ادائیگی پر ثواب کی امید نہ رکھے اور نہ ہی اس کے چھوڑنے پر سزا سے ڈرے۔'' [1]

پروردگار عَزَّوَجَلَّ سے رابطہ:

(۹)......حضرت سیِّدُنا ابوعبدالرحمٰن سلمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۱۲ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں بعض علما کرام رحمہم اللہ السلام کا یہ قول نقل فرماتے ہیں: ''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو دل کی حاضری، مناجات کے حقوق کی رعایت اور اعضا کے خشوع کے ساتھ ادا نہیں کرتے۔ وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ نماز بندوں اور ان کے پروردگار عَزَّوَجَلَّ کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ پس جب وہ اس کے حقوق کی حفاظت نہیں کریں گے تو یہی نماز جدائی کا باعث بن جائے گی۔''

نماز کیا ہے؟

(۱۰)......حضرت سیِّدُنا ابوالعباس بن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۳۰۹ھ) فرمایا کرتے تھے: ''قرآنِ کریم میں اس آیتِ مبارکہ (فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ﴿۵﴾) کے علاوہ ہر مقام پر سخت وعید کے بعد ایک پُر لطف وعدہ کیا گیا ہے اور جب دل کی حضوری کے بغیر نماز پڑھنے والے کے لئے ہلاکت و بربادی کی وعید ہے تو اس شخص کی حالت کیسی ہوگی جو سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتا؟'' جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے استفسار کیا گیا: نماز کیا ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا: ''بندے کا اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس طرح ملاقات کرنا کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی کو نہ جانتا ہو۔'' [2]

پس یہ نماز اور دیگر تمام عبادات وطاعات میں غفلت کے شکار اور جاہل لوگوں کا حال ہے جو کبھی تو حدود سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور کبھی معمولی چیزوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اور افراط وتفریط میں مبتلا ہو کر خیال کرتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ مگر ان کے اعمال ناقص ہوتے ہیں۔ چنانچہ،

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ ۳۰ الماعون، تحت الآیۃ: ۵، ج ٤، ص ٤١٣.

[2] ......تفسیر السلمی، پ ۳۰، الماعون، تحت الآیۃ: ٤، ٥، ج ٢، ص ٤٢١.

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِیۡنَ اَعۡمَالًا ﴿۱۰۳﴾ (پ۱۶،الکھف ۱۰۳)

ترجمۂ کنز الایمان: تم فرماؤ! کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں۔

خسارے والی قوم:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد مخلوق میں اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے والی قوم ہے۔ وہ کہ جن کی زندگی کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔ دنیا میں کئے گئے اعمال باطل ہوگئے اور حالت یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کو اچھا خیال کررہے ہیں یعنی وہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے اعمال بہت پختہ ہیں۔'' (1)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

گناھوں سے نفرت کرنے کا ذھن

''دعوتِ اسلامی'' کے سنتوں کی تربیت کے ''مدنی قافلوں'' میں سفر اور روزانہ ''فکرِ مدینہ'' کے ذریعے ''مدنی انعامات'' کا رسالہ پر کرکے ہر مدنی (اسلامی) ماہ کے ابتدائی دس دن کے اندر اندر اپنے یہاں کے (دعوتِ اسلامی کے) ذمہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے ''پابندِ سنت'' بننے، ''گناہوں سے نفرت'' کرنے اور ''ایمان کی حفاظت'' کے لئے کُڑھنے کا ذہن بنے گا۔

(1) ......الوجیز للواحدی، الکھف، تحت الآیة: ۱۰۳، الجزء ۱، ص ۴۸۲، مفهوما.

کُچھ ''طریقہ محمدیہ'' کے بارے میں

کتابیں لکھنا اُمت کی خصوصیت:

حضرت سیِّدُ نا امام قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) ''اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِّیَّة ''میں بعض علما سے نقل کرتے ہیں کہ ''اس اُمت محمدی عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ ان کو کتابیں لکھنے کی سعادت عطا کی گئی ہے۔''اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''اس امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا حتی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم (یعنی قیامت) آجائے۔'' (1)

(عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) ہم نے اس حدیث پاک کی شرح میں کچھ کلام کیا ہے جس کی تفصیل ہماری کتاب ''نِهَایَةُ الْمُرَادشَرْحُ هَدِیَّةِ اِبْنِ الْعِمَاد'' میں ہے۔

طریقہ محمدیہ کا تعارف:

حضرت علامہ محمد آفندی برکلی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) فرماتے ہیں: ''میرا ارادہ تھا کہ میں ایک کتاب ''اَلطَّرِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّة '' تصنیف کروں (یعنی انواع واقسام بناؤں اور یہ تالیف سے اخص ہے کہ تالیف میں مسائل کو یکجا کیا جاتا ہے اگرچہ ایک ہی نوع کے ہوں) اور اس میں ''سیرتِ احمدیہ'' یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسَلَّم کی سنتوں اور سیرتِ طیبہ کے روشن پہلوؤں کی وضاحت وتفصیل بیان کروں۔

(عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) صاحبِ طریقہ محمدیہ کی مراد یہ ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسَلَّم کے وہ مبارک اعمال بیان کریں جو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسَلَّم کی شریعت کا تقاضا ہیں اور قرآن وسنت، سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہیں اور ''سیرتِ احمدیہ'' میں لفظ ''احمدیہ'' احمد کی طرف منسوب ہے اور یہ ہمارے پیارے آقا ومولیٰ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسَلَّم کے بابرکت ناموں میں سے ایک مبارک نام ہے۔

1......صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم......الخ، الحدیث: ۷۳۱۱، ص۶۰۹۔

المواهب اللدنیة، المقصد الرابع، الفصل الثانی، ج۲، ص۳۳۰.

حضرت سیِّدُ نا امامِ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۲۳ھ) نے ''اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِیَّة'' میں حضور نبی کریم، رءوف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے 400 سے زائد اسما گرامی ذکر کئے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُ نا محمد بن عبداللہ بن محمد معافری، قاضی ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۵۴۳ھ) کی تفسیر اَحْکَامُ الْقُرآن میں بعض صوفیا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا ہے کہ ''جس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ایک ہزار اسمائے حسنٰی ہیں اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، شہنشاہ دو جہاں صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے بھی ایک ہزار اسماء گرامی قدر ہیں[1]۔''[2]

طریقہ محمدیہ لکھنے کی وجہ:

صاحبِ ''طریقہ محمدیہ'' فرماتے ہیں: ''اس کتاب کی تصنیف سے مقصود یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا اور جنت تک رسائی چاہنے والے راہِ طریقت پر گامزن ہر شخص کا ظاہری و باطنی عمل اس کتاب پر پیش کیا جائے تا کہ درست عمل کرنے والے کا خطا کار سے اور نجات پانے والے کا ہلاک ہونے والے سے امتیاز ہو جائے۔ (یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ کس کے ظاہری و باطنی اعمال درست اور نجات دلانے والے ہیں اور کس کے اعمال غلط اور ہلاکت میں مبتلا کرنے والے ہیں)

(صاحبِ حدیقہ ندیہ فرماتے ہیں) یہ کتاب محض عمل کے لئے ہے، اس لئے نہیں کہ کوئی عالم اس کے الفاظ زبانی یاد کرکے اور اس کے معانی کو سمجھ کر لطف اندوز ہوتا رہے اور اپنی مجالس کو عبارات کے حسن سے آراستہ کرتا رہے۔ جبکہ ان کا دل وسوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہو۔ یہ کتاب تو عمل کرنے والوں کے لئے تحفہ، غافلوں کے لئے حسرت، سالکینِ راہِ طریقت کے لئے ترازو اور صالحین اُمّت کے لئے معراج ہے۔ پس اس پر عمل کر کے راہِ حق پانے والا عمل میں کوتاہی کرنے والے سے اسی دنیا میں ممتاز ہو جائے گا، کیونکہ صحیح اور غلط آج دنیا ہی میں ظاہر ہو جائیں گے لہٰذا غلطیوں کا ازالہ کرنے والے شرعی اسباب پر عمل کر کے ان کا تدارک ممکن ہے۔ نیز نجات پانے والا ہلاک ہونے والے سے

---

[1] ......امام اہلسنّت، امام عشق و محبت، سیدی اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) سے سوال ہوا کہ ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کتنے نام ہیں اور شہنشاہ دو جہاں صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے کتنے؟'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ناموں کا شمار نہیں اس کی شانیں غیر محدود ہیں۔ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ کثرتِ اسماء شرفِ مسمّی (یعنی بلندیٔ ذات) سے ناشی (یعنی ظاہر) ہے، آٹھ سو سے زیادہ مواہب وشرح مواہب میں ہیں اور فقیر نے تقریباً چودہ سو پائے اور حصر ناممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ احکامِ شریعت، ص۱۶۹، بك كارنر جهلم پاكستان.

[2] ......المواهب اللدنية، المقصد الثاني، الفصل الاول، ج۱، ص۳۶۶.

ممتاز وجدا ہو جائے گا اور یہ ممتاز ہونا آخرت میں ہوگا کیونکہ نجات اور ہلاکت دونوں بروزِ قیامت ظاہر ہوں گے۔ دنیا میں نجات وہلاکت کی پہچان یہ ہے کہ بندہ طریقۂ محمدیہ کی پیروی کرنے میں درست راہ پر گامزن ہوگا یا پھر غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہوگا اور طریقۂ محمدیہ سے مراد وہ راستہ ہے جس پر علم وعمل اور عقیدے کے لحاظ سے شریعت ودین اسلام کی کتب مشتمل ہیں۔

کتاب کی ترتیب وتفصیل:

حضرت سیِّدُ نا علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے اس کتاب یعنی''**اَلطَّرِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّة**'' کو حسبِ ذیل تین ابواب پر مرتب فرمایا ہے:

پہلا باب

یہ باب قرآن وسنت اوران کے تابع اشیا کو مضبوطی سے تھامنے یعنی ان پر عمل کے بارے میں ہے۔اس میں تین فصول ہیں: (۱)......**پہلی فصل** دوانواع پر مشتمل ہے: (i) قرآن کریم پر عمل کا بیان اور (ii) سنت پر عمل کا بیان۔ (۲)......**دوسری فصل** بدعات کے متعلق ہے اور (۳)......**تیسری فصل** میں اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان ہے۔

دوسرا باب

یہ باب اہم شرعی امور پر مشتمل ہے، جس میں تین فصلیں ہیں:

(۱)......**پہلی فصل** عقائد کی اصلاح کے بارے میں ہے۔

(۲)......**دوسری فصل** ان علوم کے بارے میں ہے جن کا مقصود ان کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا ہے، اس میں تین انواع ہیں:

(i) **پہلی نوع** ان علوم کے بارے میں ہے جن کا سیکھنا ضروری ہے۔ یہ نوع مزید دوعنوانات میں منقسم ہے: یعنی فرض عین اور فرض کفایہ۔

(ii) **دوسری نوع** ان علوم کے بارے میں ہے جن کا سیکھنا منع ہے۔

(iii) **تیسری نوع** ان علوم کے بارے میں ہے جن کا سیکھنا مستحب ہے۔

(۳)......**تیسری فصل** تقویٰ کے بارے میں ہے اور اس کی بھی مزید تین انواع ہیں:

(i) **پہلی نوع** تقویٰ کی فضیلت کے بارے میں ہے۔

(ii) **دوسری نوع** تقویٰ کی وضاحت کے بارے میں ہے۔

(iii) **تیسری نوع** ظہورِ تقویٰ کے بارے میں ہے یعنی مکلّف بندے کے جن اعضا سے تقوے کا ظہور ہوتا ہے، اس کے تحت مزید 9 عنوانات ہیں:

پہلا عنوان:...... یہ عنوان ''دل'' کے لئے ناپسندیدہ ومکروہ باتوں کے متعلق ہے۔ اس کی مزید دو اقسام ہیں یعنی خُلق کی وضاحت اور برے اخلاق۔ اسی موضوع کے ضمن میں مزید چند عنوانات بھی ہیں:

(۱)...... **کفر** کی تین انواع (i) کفر جہلی (ii) کفر جحودی اور (iii) کفر حکمی۔

(۲)...... **ریا** کے عنوان کے تحت **سات ابحاث** ذکر کی گئی ہیں:

(i) ریا کی تعریف اور اقسام (ii) جن چیزوں سے ریا ہوتی ہے (iii) جن کی خاطر ریا ہوتی ہے (iv) ریاءِ خفی اور اس کی علامات (v) ریا کے احکام (vi) ریا واخلاص کے درمیان متردد امور اور (vii) ریا کاری کا علاج۔

(۳)...... **تکبر** کے تحت **پانچ ابحاث** ہیں:

(i) تکبر کی وضاحت، اس کی ضد اور حکم (ii) تکبر کی اقسام (iii) اسبابِ تکبر (iv) علاماتِ تکبر (v) عاجزی وانکساری کے اسباب۔

(۴)...... **حسد** کے تحت **چار ابحاث** ہیں:

(i) حسد کی وضاحت اور اس کی ضد (ii) حسد کی مصیبتیں (iii) علمی وعملی علاج (iv) علاجِ قلعی (یعنی جڑ سے اکھیڑنے والا علاج)۔

(۵)...... **کینہ** کے بارے میں **تین مقالے** ہیں:

(i) کینہ کی وضاحت اور حکم (ii) کینہ کی آفات (ii) کینہ کا سبب۔

(۶)...... **غضب** کے تحت پانچ ذیلی عنوانات قائم کئے گئے ہیں:

(i) غضب کی وضاحت اور اقسام (ii) علمی علاج (iii) عملی علاج (iv) علاجِ قلعی (v) بردباری۔

(۷)...... **بردباری** کے بارے میں **تین مقاصد** ذکر کئے گئے ہیں:

(i) بردباری کے فوائد (ii) اس کے ثمرات کے فوائد (iii) بردباری کے حصول کا طریقہ۔

(۸)......**بُخل کی دو ابحاث مذکور ہیں:**

(i) بُخل کی مصیبتیں، سبب اور آفات (ii) حبِّ مال کا سبب اور اس کا علاج۔

(۹)......**حبِّ دُنیا کے بارے میں دو مقالے ہیں:**

(i) حبِّ دُنیا کی مذمت اور اس کی مصیبتیں (ii) حبِّ دنیا کے نتائج، اس کی مذمت، ضد اور تعریف۔

یہاں حبِّ دُنیا کے دو مقام اور مذکور ہیں:

(i)......اس کے ثمرات (ii)......حبِّ دنیا کی ضد۔

(۱۰)......**اسراف کے بارے میں پانچ مباحث ہیں:**

(i) اسراف کی مذمت اور اس کی مصیبتیں (ii) اسراف کے مذموم ہونے کا اصلی سبب اور راز (iii) اسراف کی اقسام (iv) کیا صدقہ میں بھی اسراف ہوسکتا ہے؟ (v) اسراف کا علاج۔

دوسرا عنوان:...... یہ عنوان ''زبان'' کی آفات کے بارے میں ہے۔ اس کی بھی دو اقسام ہیں **(۱) پہلی قسم** زبان کی حفاظت اور اس کے جُرم کے بڑے ہونے کے متعلق ہے **(۲) دوسری قسم** زبان کی آفات کے متعلق ہے اور اس میں مزید چھ ابحاث ہیں:

(i) وہ کلام جس میں اصل ممانعت ہے (ii) جس میں اصل ان عادات کی اجازت ہے جن کا تعلق نظامِ معاش سے نہیں (iii) جس میں اصل ان عادات کی اجازت ہے جن کا تعلق نظامِ معاش سے ہے (iv) جس میں اصل عباداتِ متعدیہ کی اجازت ہے (v) جس میں اصل عباداتِ قاصرہ کی اجازت ہے (vi) زبان کی خاموشی کی وجہ سے جو آفات لاحق ہوتی ہیں۔

تیسرا عنوان:...... یہ عنوان ''کان'' کی آفات کے متعلق ہے۔

چوتھا عنوان:...... یہ عنوان ''آنکھ'' کی آفات کے متعلق ہے

پانچواں عنوان:...... یہ عنوان ''ہاتھ'' کی آفات کے متعلق ہے۔

چھٹا عنوان:...... یہ عنوان ''پیٹ'' کی آفات کے متعلق ہے۔

ساتواں عنوان:...... یہ عنوان ''شرم گاہ'' کی آفات کے متعلق ہے۔

آٹھواں عنوان:...... یہ عنوان ''پاؤں'' کی آفات سے متعلق ہے۔

نواں عنوان:...... یہ عنوان ''بدن'' کے کسی خاص عضو کو متعین کئے بغیر اس کی آفات کے بارے میں ہے۔

تیسرا باب

اس باب میں وہ امور بیان کئے گئے ہیں جن کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ ورع وتقویٰ میں سے ہیں۔ اس کی بھی تین فصلیں ہیں:

(۱)...... **پہلی فصل** میں امورِ طہارت کی باریکیوں اور نزاکتوں کا بیان ہے جبکہ یہ فصل مزید چار انواع پر مشتمل ہے:

(i) وہ امور جن میں نرمی بدعت ہے۔ ان کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ جو **خاتَمُ الْمُرْسَلِین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِین** صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اور خیر القرون (یعنی زمانۂ صحابہ وتابعین) کے افراد سے مروی ہیں۔ دوسرے وہ امور جو ہمارے حنفی آئمہ کرام رحمہم اللہ تعالٰی سے مروی ہیں (ii) وسوسے کی مذمت اور اس کی آفات (iii) وسوسے کا علاج (iv) طہارت و نجاست کے معاملہ میں فقہا کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے اختلاف کا بیان۔

(۲)...... **دوسری فصل** میں اہلِ وظائف (یعنی اوقاف اور بیت المال سے وظیفہ پانے والوں) کے کھانے سے بچنے اور پرہیز کرنے کا بیان ہے۔ **(۳)**...... **تیسری فصل** بدعاتِ باطلہ کے بارے میں ہے جنہیں لوگ عبادت خیال کر کے بغیر سوچے سمجھے انجام دے رہے ہیں۔

یہ اس کتاب میں بیان کردہ تمام امور میں سے آخری ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞۞

باب نمبر1: قرآن وسنت پر عمل ،بدعت سے اجتناب اوراعمال میں میانہ روی کابیان

یہ تین ابواب میں سے پہلا باب ہے جس میں قرآنِ عظیم اور حضور نبی ٔکریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنتوں (یعنی طریقوں) پر عمل ،شریعت میں منع کردہ بری عادات وبدعات سیِّئہ سے اجتناب ،شریعت کے پسندیدہ اعمال میں میانہ روی اپنانے اورافراط وتفریط (یعنی انتہائی زیادتی اورانتہائی کمی) سے دور رہنے کا بیان ہے۔اس میں تین فصلیں ہیں جن میں مذکورہ تینوں اعمال میں سے ہر عمل کی وضاحت کے لئے ایک فصل قائم کی گئی ہے۔پہلی فصل دوانواع (یعنی حصوں) پر مشتمل ہے۔اب یہاں نوعِ اوّل کو بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی فصل (نوعِ اوّل): قرآن کریم پر عمل کا بیان

ہر مسلمان مُکَلَّف پر لازم ہے کہ وہ قرآنِ مجید،فرقانِ حمید کے ذریعے اپنی جان، عقل، مال، دین اورعزت کی حفاظت کرے اور حفاظت سے مراد قرآنِ حکیم پر ایمان لائے اوراس کے احکام کو بخوشی تسلیم کرے یہاں تک کہ مذکورہ پانچوں چیزیں اُس کے لئے شریعت کے قلعے میں آکر ہر تعارض کرنے والے سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔قرآنِ مجید کی متعدد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن کریم پر عمل کے متعلق (12) آیات مبارَکہ

صاحبِ ''طریقہ محمدیہ'' حضرتِ سیِّدُنا علامہ آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے یہاں مختلف سورتوں کی ایسی بارہ آیاتِ مقدَّسہ ذکر فرمائی ہیں جو قرآنِ کریم پر ایمان لاکر اس پر عمل کرنے کا تقاضا کرتی ہیں۔

پہلی آیت مبارکہ:

﴿1﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾ (پ۱،البقرۃ ۱،۲)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈروالوں کو۔

الٓمّٓ کی تفسیر:

''الٓمّٓ''، یہ قرآن مجید کے حروفِ مقطعات سے ہے اور حروفِ مقطعات کی تفسیر میں مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مختلف اقوال ہیں بعض علما فرماتے ہیں کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کسی کو بھی ان کے معانی کا علم نہیں دیا بلکہ ان کی مراد کو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی جانتا ہے اور ہم اس کے ظاہر پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے علم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سپرد کرتے ہیں[1]۔ چنانچہ، حضرت سَیِّدُنا امام شعبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳ھ) فرماتے ہیں: ''ہر کتاب کا کوئی راز ہوتا ہے اور قرآنِ مجید کا راز سورتوں کی ابتداء میں حروفِ مقطعات ہیں تو ان کی جستجو چھوڑ دو اور اس کے علاوہ کے متعلق سوال کرو۔''[2]

قرآن پاک کا راز:

حضرت سَیِّدُنا ابو محمد خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ان کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورتوں کے ابتداء میں جو حروفِ تہجی (یعنی حروفِ مقطعات) ہیں یہ متشابہ کی وہ قسم ہے کہ جس کا علم فقط اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ہے اور یہ قرآنِ مجید میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا راز ہیں تو ہم اس کے ظاہر پر ایمان لاتے ہیں اس کے علم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سپرد کرتے ہیں اور ان کو قرآن مجید میں ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے تاکہ جانچ ہو سکے کہ کون ان پر ایمان لاتا ہے۔ چنانچہ، امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''ہر کتاب میں ایک راز ہوتا ہے اور قرآن حکیم میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا راز سورتوں کے ابتدائی حروف ہیں۔'' اور امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا مولیٰ مشکل کشا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے ارشاد فرمایا: ''ہر کتاب کا ایک خلاصہ و نچوڑ ہوتا ہے اور اس قرآن مجید کا خلاصہ و نچوڑ حروف تہجی (یعنی حروفِ مقطعات) ہیں۔''[3]

حضرت سَیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت

---

[1] ...... صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: ''ان کی تفسیر میں قول راجح یہ ہی ہے کہ ''وہ (یعنی حروف مقطعات) اسرار الٰہی عَزَّوَجَلَّ اور متشابہات سے ہیں ان کی مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ اور رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم جانیں ہم اس کے حق ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔'' (تفسیر خزائن العرفان علی ترجمۃ القرآن کنز الایمان، البقرۃ، تحت الایۃ: ۱)

[2] ...... تفسیر البغوی، پ ۱، البقرۃ، تحت الایۃ: ۱، ج ۱، ص ۱۷.

[3] ...... تفسیر الخازن، پ ۱، البقرۃ، تحت الایۃ: ۱، ج ۱، ص ۲۰.

سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: الٓمّٓ کا معنی ہے: ''اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ یعنی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ہوں سب سے زیادہ جاننے والا۔''(1) اوران میں ہر حرف کی کوئی نہ کوئی تفسیر ہے اوراس پر دلیل یہ ہے کہ اہلِ عرب کبھی ایک حرف بولتے ہیں اوراس سے مراد پورا کلمہ ہوتا ہے اوروہ حرف اسی کلمہ کا کوئی حرف ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے: قُلْتُ لَهَا قِفِیْ فَقَالَتْ قَافُ یعنی میں نے اس سے کہا: ''رُک جا۔'' تو اس نے کہا: ''میں رُکتی ہوں۔'' پس اس نے فقط حرفِ ''قَاف'' کے ساتھ کلام کیا اوراس سے مراد ''اَقِفُ'' لیا۔'' سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ ھ) مزید فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''قرآنِ مجید میں مذکور الٓمّٓ اور تمام حروفِ تہجی، سورتوں کے نام ہیں۔''

بعض تفسیری اقوال:

اس باب میں اور بھی تفسیریں منقول ہیں۔ چنانچہ، دیگر اہلِ علم فرماتے ہیں: ''ان حروف کے معانی معروف ومعلوم ہیں پھراس کی تفسیر میں اختلاف واقع ہوا۔ چنانچہ،

بعض نے یہ فرمایا: ''ان میں سے ہر حرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ناموں میں سے کسی نام کے لئے کُنجی (یعنی اس کی معرفت کی چابی) کی حیثیت رکھتا ہے پس ''اَلِف'' اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مبارک نام ''اَللّٰہ'' کے لئے، ''لَام'' اس کے مبارک نام ''لَطِیْف'' کے لئے اور ''مِیْم'' اس کے مقدس نام ''مَجِیْد'' کے لئے کُنجی ہے۔''

یہ بھی کہا گیا ہے: ''پہلے حرف ''اَلِف'' سے مراد ''آلَاءُ اللّٰہ'' (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتیں)، ''لَام'' سے مراد ''لُطْفُہٗ'' (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی توفیق وحفاظت)، اور ''مِیْم'' سے مراد ''مُلْکُہٗ'' (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بادشاہی) ہے۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جدا جدا نام ہیں، اگر لوگ ان کی ترتیب وتالیف (یعنی باہم ملانے) کو جان لیں تو انہیں اسمِ اعظم کا پتا چل جائے گا کیا تم غور نہیں کرتے جب یہ کہتے ہو ''الٓر، حٰمٓ اور ''نٓ'' تو یہ سارے مل کر لفظ ''اَلرَّحْمٰن'' بن جاتا ہے اوراسی طرح ان تمام حروف کا معاملہ ہے، لیکن ان سارے حروف کو ایک ساتھ باہم ملانا ممکن نہیں۔''

حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ حروفِ قسم ہیں۔'' چنانچہ، کہا گیا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان حروف کے شرف ومرتبہ کی وجہ سے ان کے ساتھ قسم یاد فرمائی ہے کیونکہ یہ حروفِ مقطعات آسمانی کتابوں، اللہ عَزَّوَجَلَّ

---

(1)......تفسیر البغوی، پ ۱، البقرۃ، تحت الایۃ: ۱، ج ۱، ص ۱۷.

عَزَّوَجَلَّ کے مقدس ناموں اور بلند و بالا صفات کے ابتدائی حروف ہیں، صرف بعض کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا اگر چہ مراد ان سے پورے حروف ہیں جیسا کہ تم یہ کہتے ہو: ''میں نے اَلْحَمْدُلِلّٰہ پڑھی'' اور اس سے تمہاری مراد پوری سورۃ الفاتحہ ہوتی ہے پس گویا کہ اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے ان حروف (الف، لام ،میم) کے ساتھ قسم یاد فرمائی کہ ''بے شک یہ کتاب وہ کتاب ہے جو لوح محفوظ پہ لکھی ہوئی ہے۔''

کفار کی بے بسی:

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ''جب اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے کفار کو اپنے ان فرامین ''فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۪ (پ۱، البقرۃ:۲۳) ترجمۂ کنزالایمان: اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ۔'' اور ''فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ (پ۱۲،ھود:۱۳) ترجمۂ کنزالایمان: تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ'' کے ذریعے چیلنج فرمایا پس وہ اس سے عاجز رہے تو اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے ان حروف کو نازل فرما دیا اور اس کا مطلب تھا کہ قرآن پاک انہی الفاظ کا مجموعہ ہے اور کفار ان حروف پر قادر بھی ہیں تو انہیں چاہئے تھا کہ وہ اس جیسا کلام بنا کر لائیں پس جب ایسا کلام لانے سے ان کو عاجز کر دیا تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ قرآن عظیم اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے، کسی بشر کا کلام نہیں۔''

بعض یہ کہتے ہیں کہ ''کفار قرآن حکیم کو سننے سے اعراض کرتے تھے۔ اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے بعض کفار کی اصلاح کا ارادہ فرمایا تو ان حروف کو نازل فرما دیا کہ جب کفار اسے سنیں گے تو متعجب ہو کر کہیں گے: ''اِسے سنو جو (حضرت) محمد (صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم) لے کر آئے ہیں۔'' پس جب وہ اس کی طرف توجہ کریں گے اور اسے سنیں گے تو قرآنِ حکیم ان کے دلوں میں قرار پکڑ جائے گا اور یہی ان کے ایمان لانے کا سبب بن جائے گا۔'' کچھ نے یہ بھی کہا ہے کہ ''اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک کی ابتداء میں اپنے خطاب سے مخلوق کی عقلوں کو حیران کر دیا تا کہ لوگ جان لیں کہ اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے خطاب کو سمجھنے کی طرف کسی کے لئے کوئی راہ نہیں سوائے یہ کہ مخلوق اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے خطاب کی معرفت سے عاجزی کا اعتراف کرے۔'' [1]

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس حصۂ آیت ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' کے تحت فرماتے ہیں:

(1)......تفسیر الخازن ،پ۱،البقرۃ ، تحت الآیۃ: ۱،ج۱، ص۲۱.

یہ اشارہ ہے ''الٓمّٓ '' کی طرف کہ ان حروف کے یکجا ہونے سے سب سے پہلے بننے والا لفظ یہی ہے۔یا کتاب سے مراد سورت ہے یا قرآن پاک کیونکہ جب اس کے ساتھ کلام فرمایا گیا اور یہ ختم ہوا (یعنی کلام پورا ہوا) یامُرسِل (یعنی بھیجنے والے) کی طرف سے مُرسَل اِلَیہ (یعنی جس کی طرف بھیجا گیا اس) تک پہنچا تو یہ دور ہوا تو اس کی طرف ایسے لفظ سے اشارہ کیا گیا جس سے بعید کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور اس کو یاد دلایا جاتا ہے۔اگر ''الٓمّٓ '' سے سورت مراد لیں تو ''الْکِتٰبُ'' مذکر ہونے کے اعتبار سے اس (یعنی ذٰلِکَ) کی خبر بنے گی یا صفت ہوگی۔(1)

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴٦٨ ھ) ''ذٰلِکَ'' کے متعلق فرماتے ہیں: کثیر مفسرین رحمہم اللہ المبین فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ''ھٰذَا'' کے معنی میں ہو اور کلام (یعنی عربی زبان) میں اس کی مثال یہ ہے کہ تم کسی سے کہتے ہو: ''قَدِمَ فُلَانٌ یعنی فلاں شخص آ گیا ہے۔'' تو سننے والا جواب دیتا ہے: ''قَدْبَلَغَنَاذٰلِک یعنی ہمیں یہ بات پہنچ چکی ہے'' یا یوں کہتا ہے: ''بَلَغَنَاھٰذَاالْخَبَر یعنی ہمیں یہ خبر پہنچ گئی ہے۔''

غائب شے کی طرف اشارہ:

مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہاں ذٰلِکَ الْکِتٰبُ فرما کر غائب شئے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔وہ یوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کلمات سے ارادہ فرمایا: ''اے محبوب یہ وہ کتاب ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہاری طرف وحی کروں گا۔'' اس لئے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پیارے نبی مُکَرَّم،نُورِ مُجَسَّم،رسولِ اَکرم،شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر یہ آیت مبارکہ ''اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا﴿۵﴾ (پ٢٩، المزمل:٥)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔'' نازل فرمائی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے وعدہ فرمانا (اور اسے پورا کرنا) ایک یقینی بات تھی۔پھر جب یہ آیت مبارکہ ''الٓمّٓ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ'' نازل فرمائی تو یہ اس سابقہ وعدے پر دلیل ہوگئی۔''

لَارَیْبَ فِیْهِ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٨٥ ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''لَارَیْبَ فِیْهِ (یعنی اس میں کوئی

---

(1)......تفسیر البیضاوی، پ١، البقرة، تحت الآیة: ٢، ج١، ص٩٥.

شک کی جگہ نہیں) کا مطلب یہ ہے کہ ''یہ کتاب اپنے واضح بیان اور پھیلے ہوئے دلائل کی بنا پر شک وشبہ سے پاک ہے اس حیثیت سے کہ عقلمند انسان جب اس کتاب کے یکتا اور حدِ اعجاز [1] کو پہنچے ہونے میں دُرست غور وفکر کرتا ہے تو پھر اس میں شک نہیں کرتا۔ یہ مطلب نہیں کہ کوئی اس میں شک ہی نہیں کرتا۔'' [2]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''اس کا معنی ہے اس کلام میں شک نہیں کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے اور یہ حق و سچ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''یہ خبر نفی کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ ''لَا تَرْتَابُوْا فِیْہِ'' یعنی اس کلام میں شک نہ کرو۔'' [3]

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ کہنا کیونکر دُرست ہے کہ ''لَا رَیْبَ فِیْہِ یعنی اس کلام میں شک کی گنجائش نہیں۔'' حالانکہ شک کرنے والے (مثلاً کفار ومشرکین) تو اس میں شک کرتے ہیں؟'' اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ''اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ کلام فی نفسہٖ حق اور سچ ہے اگرچہ گمراہ لوگ اس میں شک کرتے رہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

لَیْسَ فِی الْحَقِّ یَااِمَامَةُ الرَّیْبُ   اِنَّمَاالرَّیْبُ مَایَقُوْلُ الْکَذُوْبُ

ترجمہ: اے سردار! حق بات میں شک نہیں، شک تو اس بات میں ہے جو جھوٹے کہتے ہیں۔

پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حق سے شک کی نفی فرمائی ہے اگرچہ علم سے کورا شخص شک کرتا رہے۔''

متقین کو ہدایت:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس حصۂ آیت ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''اس کتاب (یعنی قرآن پاک) کا متقین کے لئے ہدایت ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہ کتاب ان کو حق کی طرف ہدایت کرنے والی ہے اور ''هُدٰی'' کا معنی ہے رہنمائی اور یہ بھی کہا گیا ہے: ''هُدٰی ایسی رہنمائی کو کہتے ہیں جو مقصود تک پہنچانے والی ہو کیونکہ ''هُدٰی'' یعنی ہدایت کو ''ضَلَالَة'' یعنی گمراہی کا مقابل بنایا گیا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا

[1] ......حدِّ اعجاز یعنی ایسا کلام جو اپنی بلاغت میں اس انتہا کو پہنچ جائے کہ بشری طاقت سے باہر ہو جائے۔ (المختصر المعانی، ص۲۹)

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۱، البقرة، تحت الایة: ۲، ج۱، ص ۹۶.

[3] ......تفسیر الخازن، پ۱، البقرة، تحت الایة: ۲، ج۱، ص ۲۲.

فرمان ہے: ''لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ (پ ۲۲، سبا: ۲۴) ترجمۂ کنزالایمان: یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔'' اسی لئے ''مَھْدِی'' یعنی ہدایت یافتہ اسی شخص کو کہتے ہیں جو مقصود و مطلوب تک پہنچ جائے۔''[1]

متقی کون ہے؟

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) لفظ ''مُتَّقِیْنَ'' کے تحت فرماتے ہیں: ''دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ یا آڑ کو لغت میں ''اِتِّقَاءٌ'' کہتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''اِتَّقَاہُ بِتُرْسِہٖ یعنی اس نے ڈھال سے اپنا بچاؤ کیا۔'' یعنی ڈھال کو اپنے اور اس کے درمیان رکاوٹ و آڑ بنالیا۔ پس متقی وہ ہوتا ہے جو اطاعت وعبادت کے سبب خود کو عذاب وسزا سے بچائے اور ممنوعاتِ شرعیہ سے اجتناب اور احکاماتِ شرعیہ پر عمل کو اپنے اور اُس عذاب وسزا کے درمیان رکاوٹ و آڑ بنالے جن کا کفار سے وعدہ کیا گیا ہے اور ''هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ'' میں متقین سے مراد وہ مسلمان ہیں جنہوں نے خود کو شرک سے بچایا اور اپنے ایمان کو اپنے اور شرک کے درمیان رکاوٹ و آڑ بنالیا گویا کہ یہ فرمایا گیا ہے: ''قرآن پاک بیان اور ہدایت ہے اس شخص کے لئے جو شرک سے بچا۔'' اور وہ مومنین ہیں۔

مؤمنین کو خاص کرنے کی وجہ:

پھر یہ کہ مومنین کو خاص کیا گیا ہے کہ قرآن مجید صرف ان کے لئے بیان ہے اور ان کفار کے لئے نہیں جو اس کے ذریعے ہدایت نہیں پاتے، اس لئے کہ مومنین اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور کفار محروم رہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان عالیشان ہے: ''اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ (پ ۳۰، النّٰزعت: ۴۵) ترجمۂ کنزالایمان: تم تو فقط اُسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے۔'' حالانکہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہر شخص کو ڈرسنانے والے ہیں خواہ وہ ڈرتا ہو (جیسے مسلمان) یا نہ ڈرتا ہو (جیسے کافر)۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: ''یہاں ''هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ'' کا معنی ''هُدًى لِلْمُتَّقِیْنَ وَالْکَافِرِیْنَ'' ہے (یعنی یہ کتاب ڈروالوں اور کفار کے لئے ہدایت) مگر صرف ایک ہی فریق (یعنی متقین) کو ذکر کیا جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ''سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ (پ ۱۴، النحل: ۸۱) ترجمۂ کنزالایمان: پہناوے، کہ تمہیں گرمی سے بچائیں۔'' اور مراد یہاں گرمی

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ ۱، البقرۃ، تحت الایۃ: ۲، ج ۱، ص ۹۸.

اور سردی دونوں ہیں۔''

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں ''اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ''یہ کیوں کہا گیا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (یعنی ہدایت ہے متقین کے لئے) حالانکہ متقین ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں؟'' تو میں جواب دوں گا کہ یہ فرمان اسی طرح ہے کہ جب تم کسی عزت و بزرگی والے شخص کو کہتے ہو ''اَعَزَّکَ اللّٰہُ وَ اَکْرَمَکَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں عزت اور بزرگی سے نوازے۔'' تو اس وقت تمہاری مراد یہ ہوتی کہ جو چیز اس میں موجود ہے اس میں اضافہ و زیادتی ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان ہے: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ(الفاتحۃ ۵) ترجمۂ کنزالایمان: ہم کو سیدھا راستہ چلا۔'' (مطلب یہ کہ ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ)[1]

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کرنا انجام کے اعتبار سے ہے اور تقویٰ سے مشرف و مزین ہونے والے کو متقی کا نام دینا اختصار اور اس کی شان کو بڑھانے کے لئے ہے۔''[2]

دوسری آیت مبارکہ:

﴿2﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (پ ٤، ال عمران:۱۰۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا (فرقوں میں نہ بٹ جانا)۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رسی سے کیا مراد ہے؟

مذکورہ آیت مبارکہ میں حَبْلُ اللّٰہِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رسی سے مراد یا تو دین اسلام ہے یا قرآنِ مجید جیسا کہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے کہ ''اَلْقُرْاٰنُ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ یعنی قرآنِ پاک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مضبوط رسی ہے۔''[3]

[1] ......تفسیر الخازن، پ۱، البقرۃ، تحت الایۃ: ۲، ج۱، ص۲۳.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۱، البقرۃ، تحت الایۃ: ۲، ج۱، ص۱۰۴.

[3] ......ماخوذ من جامع الترمذی، ابواب فضائل القران، باب ماجاء فی فضل القران، الحدیث:۲۹۰۶، ص۱۹۴۳۔

تفسیر البیضاوی، پ٤، آل عمران، تحت الایۃ: ۱۰۳، ج۲، ص ۷۳.

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رسی سے مراد (مسلمانوں کی) جماعت ہے۔''

حضرت سیِّدُ نا ابوقتادہ، حضرت سیِّدُ نا سدی اور حضرت سیِّدُ نا ضحاک رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں: ''اس سے مراد قرآنِ مجید ہے۔''

رسی کو مضبوط تھامنے کا مطلب:

(۱)...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے سے مراد (باطل) فرقے کو چھوڑ کر قرآنِ مجید کی اتباع کرنا ہے اس لئے کہ جب مومن قرآنِ حکیم کی اتباع کرتا ہے تو وہ عذاب سے مامون ہوجاتا ہے۔''

(۲)...... حضرت سیِّدُ نا امام مجاہد (متوفی ۱۰۴ھ) اور حضرت سیِّدُ نا امام عطاء رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عہد اور اس کے حکم کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عہد کو رسی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا عہد نجات کا سبب ہے جس طرح وہ رسی کنویں وغیرہ سے نجات کا سبب ہے جس کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے۔''

تفرقہ پھیلانے کی ممانعت:

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''مذکورہ آیت میں ''وَلَا تَفَرَّقُوْا یعنی آپس میں فرقوں میں بٹ نہ جانا'' سے مراد یہ ہے کہ آپس کے اختلافات کی وجہ سے دینِ حق سے دور نہ ہوجانا جس طرح اہلِ کتاب (یعنی عیسائی و یہودی) دین سے دور ہوکر فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ یا یہ مراد ہے کہ ایسی چیز کا تذکرہ نہ کرو جس سے تفرقہ پھیلے اور محبت والفت ختم ہوجائے۔'' (1)

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''دینِ اسلام پر باہم مدد کرو اور تفرقہ نہ پھیلاؤ۔''

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) نقل فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے: ''ایسی باتیں نہ کرو جس سے تفرقہ پھیلے اور مسلمانوں کی اجتماعیت اور آپس کی محبت والفت ختم ہوجائے۔ (جیسا کہ بدمذہب

---

(1)......تفسیر البیضاوی، پ٤، آل عمران، تحت الایۃ: ۱۰۳، ج۲، ص ۷۳.

کرتے رہتے ہیں)اوراس آیت مبارکہ میں تفرقہ بازی اوراختلاف سے منع کیا گیا ہے اوراتفاق واتحاد کاحکم دیا گیا ہے کیونکہ حق بات تو ایک ہی ہوتی ہے اور جو اس کے علاوہ ہوتا ہے وہ جہالت وگمراہی ہے اور جب معاملہ ایسا ہے تو دین میں اختلاف وتفرقہ بازی سے ممانعت، واجب ہے اور یہ برائی زمانۂ جاہلیت والوں کی عادت تھی پس ان کو اس سے روکا گیا۔'' وَاللّٰہُ اَعْلَمُ یعنی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی بہتر جانتا ہے۔[1]

تیسری آیت مبارکہ:

﴿3﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَ یَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۶﴾ (پ۶،المائدۃ ۱۵،۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب، اللہ اِس سے ہدایت دیتا ہے اُسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے ساتھ اور انہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

نور کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''اس آیت مبارکہ میں نور سے مراد سیِّدِ عالم، نورِ مجسم، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہیں کیونکہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے تمام اشیاء کو واضح وروشن کر دیا۔''

نورانیت مصطفیٰ:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے محبوب نبی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا نام ''نور'' اس لئے رکھا کہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ذریعے سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جس طرح اندھیرے میں روشنی کے ذریعے راستہ تلاش کیا جاتا ہے۔''[2]

---

[1]......تفسیرالخازن، پ۴، آل عمران، تحت الایۃ: ۱۰۳، ج۱، ص۲۸۱.

[2]......تفسیر الخازن، پ۶، المائدۃ، تحت الایۃ: ۱۵، ج۱، ص ۴۷۷.

گمراہی سے نجات کا ذریعہ:

مذکورہ آیت مبارکہ میں ''کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یعنی روشن کتاب'' سے مراد قرآنِ مجید ہے کہ وہ گمراہی اور شک کے اندھیروں کو دور کرنے والا ہے۔[1] اور اس میں ہر اس چیز کا واضح بیان ہے جس میں لوگ (یعنی کفار وغیرہ) اختلاف کرتے ہیں۔

یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس روشن کتاب (یعنی قرآنِ مجید) کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔''

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) نے ''یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ میں ''بہ'' کی ضمیر کے واحد (یعنی ایک چیز پر دلالت کرنے والی) ہونے کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں (۱) ضمیر اس لئے واحد ہے کہ ان دونوں (یعنی نور اور روشن کتاب) سے مراد شئے واحد ہے یا (۲) اس لئے کہ حکم میں گویا دونوں ایک ہیں۔''[2]

ان کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ نور اور کتابِ مبین سے ایک ہی شے مراد ہے اور وہ قرآنِ عظیم ہے پس یہاں کتابِ مبین، نور کی وضاحت و بیان کے لئے ہے کہ یہ کتاب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا نور ہے اور اگر دونوں میں مغایرت ہو (یعنی دونوں سے مراد دو چیزیں ہوں) تو یہ دونوں ایک ہی شے کے حکم میں ہوں گے کیونکہ معاملات کو بیان کرنے میں دونوں مشترک ہیں۔[3]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا اور دینِ اسلام:

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں ''مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ یعنی جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مرضی پر چلا'' کا مطلب یہ کہ اس کی پیروی

---

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ۶، المائدۃ، تحت الآیۃ: ۱۵، ج۲، ص۳۰۷.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۶، المائدۃ، تحت الآیۃ: ۱۶، ج۲، ص۳۰۷.

[3] ...... حضرت سیِّدُنا علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری (متوفی ۱۰۱۴ھ) شرح شفا میں فرماتے ہیں: ''اس بات سے کون سی چیز رکاوٹ ہے کہ دونوں نعتیں (یعنی نور اور کتاب مبین) رسول کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے ہوں۔ بلاشبہ انوار کے درمیان حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کمال ظہور کی وجہ سے عظیم نور ہیں اور حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کتاب مبین ہیں اس طرح کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جمیع اسرار کے جامع اور احکام، احوال اور اخبار کے مظہر ہیں۔'' (شرح الشفا، الباب الاول، الفصل الاول، ج۱، ص۵۱)

کی جس سے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ راضی ہوتا ہے، جس کی اس نے تعریف و مدح فرمائی ہے اور وہ دینِ اسلام ہے۔

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ارشاد فرمایا کہ (مذکورہ آیت مبارکہ میں) ''سُبُلَ السَّلٰمِ'' سے مراد اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کا دین، دینِ اسلام ہے اور ''اَلسَّلَام'' اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے مبارک ناموں میں سے ایک نام ہے۔'' آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزید ارشاد فرمایا: ''ہوسکتا ہے کہ ''سُبُلَ السَّلٰمِ'' سے مراد ''طُرُقَ السَّلٰمِ'' یعنی سلامتی کے راستے ہوں کہ جو ان پر چلتا ہے وہ اپنے دین میں سلامتی حاصل کر لیتا ہے۔''

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) مزید فرماتے ہیں کہ ''یہ بھی دُرُست ہے کہ ''سُبُلَ السَّلٰمِ'' کا مطلب یہ ہو جیسا کہ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا ''لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ (پ۸، الانعام ۱۲۷) ترجمۂ کنزالایمان: ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے اپنے رب کے یہاں۔'' اور یہاں مراد جنت کے راستے ہیں۔ اِس صورت میں پہلی آیت مبارکہ یوں ہوگی ''سُبُلَ دَارِ السَّلٰمِ یعنی جو جنت کے راستوں پر چلا'' اور یہ حذفِ مضاف کی صورت ہے۔''

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''سُبُلَ السَّلٰمِ'' سے مراد عذاب سے سلامتی کے راستے ہیں یا اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے ہیں۔''

روشنی اور صراطِ مستقیم کی طرف سفر:

ارشادِ باری تعالٰی: ''وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ یعنی انہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے'' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی توفیق، ہدایت اور مشیت سے کفر کے ہر طرح کے اندھیروں سے نجات دے کر اسلام کی روشنی میں داخل فرما دیتا ہے۔''

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ آیتِ مبارکہ کے حصے ''وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۶﴾'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اس میں ''صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' سے مراد وہ راستہ ہے جو اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تک جانے والے راستوں میں سب سے زیادہ قریب اور یقینی طور پر اس تک پہنچانے والا ہے۔'' (1)

......تفسیر البیضاوی، پ۶، المائدۃ، تحت الآیۃ: ۱۶، ج۲، ص۳۰۷.

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''یہ وہ راستہ ہے کہ اپنے چلنے والے کو جنت میں پہنچا دیتا ہے۔''

چوتھی آیتِ مبارکہ:

﴿4﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ (پ۸، الانعام: ۱۵۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور یہ برکت والی کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری کرو کہ تم پر رحم ہو۔

قرآن کی برکت کیا ہے؟

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ''اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ یعنی برکت والی کتاب ہم نے اتاری'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''قرآنِ پاک کے برکت والی کتاب ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ مجید کا نفع کثیر ہے اور اس کی خیر و برکت وافر ہے اور یہ تحریف، تبدیل اور نسخ سے محفوظ ہے۔'' (1)

اتباعِ قرآن کریم کا فائدہ:

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) ''لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''قرآنِ مجید کی پیروی کے واسطے سے تم پر رحم کیا جائے گا اور اس کی پیروی سے مراد قرآنِ پاک میں موجود احکام واعمال کو بجالانا ہے۔'' (2)

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے حلال کردہ کی پیروی کرو اور اس کے حرام کردہ سے اجتناب کرو تاکہ تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت کے امیدوار بن جاؤ۔''

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ اس قرآنِ پاک میں جو کچھ امر و نہی اور احکامات آئے ہیں ان پر عمل کرو اور اس کی مخالفت سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے یعنی تقویٰ و پرہیزگاری

(1)......تفسیرالخازن، پ۸، الانعام، تحت الآیۃ: ۱۵۵، ج۲، ص ۷۰.

(2)......تفسیرالبیضاوی، پ۸، الانعام، تحت الآیۃ: ۱۵۵، ج۲، ص ۴۶۸.

سے غرض محض رحمتِ الٰہی ہو۔ یا اس لئے ،تا کہ تم پر تقویٰ کی جزا کے طور پر رحم کیا جائے۔'' [1]

پانچویں آیتِ مبارکہ:

﴿5﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ﳔ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ(۵۷) (پ۱۱،یونس:۵۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے۔

وعظ کی تعریف و مفہوم:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس حصۂ آیت ''مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی تمہارے رب کی طرف سے نصیحت'' کے تحت فرماتے ہیں کہ ''مَّوْعِظَةٌ'' سے مراد قرآنِ مجید ہے اور وعظ کہتے ہیں ایسی ڈانٹ ڈپٹ کو جس میں ڈرانا پایا جائے۔ چنانچہ، امام خلیل نحوی کہتے ہیں: ''وعظ ،خیر کی ایسی باتیں یاد دلانے کو کہتے ہیں جن سے دل نرم پڑ جائے۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''وعظ ایسی بات کی طرف رہنمائی کرنے کو کہتے ہیں جو بطریقۂ رغبت وڈر اصلاح کی طرف بلائے اور قرآنِ مجید اسی طریقہ سے ہر بھلائی اور اصلاح کی طرف بلاتا ہے۔'' [2]

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایسی جامع کتاب آئی ہے جو حکمتِ عملیہ اور حکمتِ نظریہ دونوں کو شامل ہے۔ حکمت عملیہ یعنی اعمال کی اچھائیوں اور ان کی برائیوں کو بخوبی واضح کرنے والی، اچھائیوں میں رغبت دلانے والی اور برائیوں سے خبردار کرنے والی ہے اور حکمتِ نظریہ یعنی ایسا غور وفکر جو دلوں میں موجود شکوک وشبہات اور بُرے عقیدوں کے لئے شفا ہے۔'' [3]

دل کی بیماریوں سے شفا:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ''وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ یعنی دلوں کی صحت (شفا)''

---

1 ......تفسیر الخازن،پ۸، الانعام ، تحت الآیۃ: ۱۵۵، ج۲، ص ۷۰.

2 ......تفسیر الخازن،پ۱۱، یونس، تحت الآیۃ: ۵۷، ج۲، ص ۳۲۰.

3 ......تفسیر البیضاوی،پ۱۱،یونس، تحت الآیۃ: ۵۷، ج۳، ص۲۰۴.

کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اس سے مراد دلوں کو جہالت کی بیماری سے شفا دینا ہے اور یہ اس لئے کہ دل کے لئے بدنی بیماری سے زیادہ نقصان دِہ جہالت کی بیماری ہے اور برے اَخلاق، عقائدِ فاسدہ اور ہلاکت خیز جہالت یہ سب دل کی بیماریاں ہیں اور قرآنِ پاک ان امراض کو دور کر دیتا ہے اس لئے کہ اس میں نصیحت، زجر وتوبیخ، ڈرانا، ترغیب وترہیب وغیرہ ہے اور یہی امراض قلب کے لئے دَوا اور شفا ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ''صَدُر'' یعنی سینے کو خاص طور پر اس لئے بیان فرمایا کہ وہ دل کا مکان اور اس کا غلاف ہے اور دل کا مکان ہونے کی وجہ سے یہ بدنِ انسانی میں سب سے بڑھ کر عزت والا حصہ ہے۔''[1]

قرآنِ کریم رحمت ہے:

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں یہ بھی ارشاد ہوا ''وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے۔'' مطلب یہ کہ قرآن پاک حق اور یقین کی طرف ہدایت دیتا ہے اور قرآن مجید کا رحمت ہونا اس طور پر ہے کہ جب یہ ان پر نازل کیا گیا تو وہ اس کے ذریعے گمراہی کے اندھیروں سے نجات پا کر نورِ ایمان کی روشنی میں داخل ہوگئے اور ان کے آگ کے طبقات (یعنی ٹھکانے) جنت کے عظیم الشان دَرَجات سے بدل گئے۔

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''مومنین کے لئے رحمت کا معنی یہ ہے کہ قرآنِ پاک اُن پر نعمت ہے کیونکہ صرف مومنین ہی قرآن پاک سے نفع اٹھاتے ہیں ان کے علاوہ کوئی اور اس سے نفع نہیں اُٹھا سکتا۔''[2]

چھٹی آیتِ مبارکہ:

﴿6﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

(پ۱۴، النحل: ۸۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔

[1] ......تفسیر الخازن، پ۱۱، یونس، تحت الآیۃ: ۵۷، ج۲، ص ۳۲۰.

[2] ......المرجع السابق.

تمام دینی کاموں کی تفصیل:

حضرت سیِّدُ ناامام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (یعنی ہر چیز کا روشن بیان ہے) سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ مجید نے دین کے تمام کاموں کو تفصیلاً بیان کر دیا یا پھر اشارۃً بیان کر دیا اور اس اشارۃً کی تفصیل رحمتِ عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرما دی یا پھر قیاس کے ذریعے اس کی تفصیل ہوگئی۔'' [1]

حضرت سیِّدُ ناامام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (یعنی ہر چیز کا روشن بیان ہے) کا معنی ہے دین کے تمام معاملات کو نص کے ذریعے یا حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک کلام کے ذریعے سے بیان فرما دیا گیا کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب، منزّہٌ عن العیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے قرآنِ حکیم کے حدود، احکام، حلال اور حرام کو وضاحت سے بیان فرما دیا۔ یا پھر اجماعِ امت کے ذریعے سے کہ یہ بھی علوم دین کے لئے بنیاد اور کنجی کی حیثیت رکھتا ہے۔'' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ یعنی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ بہتر جاننے والا ہے۔ [2]

ساتویں آیتِ مبارکہ:

﴿7﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (پ۱۵، بنی اسرائیل: ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔

ہر حال میں سیدھا راستہ:

امام زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) کہتے ہیں: ''هِیَ اَقْوَمُ (یعنی سب سے سیدھی راہ) اس سے مراد وہ راستہ ہے جو ہر حال میں سیدھا ہو اور وہ توحید باری تعالٰی ہے یوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی اور کے معبود نہ ہونے کی گواہی دینا، اس کے رسولوں عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت والا عمل کرنا۔'' [3]

حضرت سیِّدُ ناامام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''مطلب یہ ہے کہ یہ قرآنِ پاک ایسی

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ۱۴، النحل، تحت الآیة: ۸۹، ج۳، ص ۴۱۶.
[2] ......تفسیر الخازن، پ۱۴، النحل، تحت الآیة: ۸۹، ج۳، ص ۱۳۹.
[3] ......بحر العلوم، پ۱۵، بنی اسرائیل، تحت الآیة: ۹، ج۲، ص۳۰۳.

بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے بہتر اور درست ترین کلمہ ہے اور وہ کلمہ توحید ہے۔''

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''معنی یہ ہے کہ قرآن پاک وہ راستہ دکھاتا ہے جو مناسب ترین ہے۔'' (1)

آٹھویں آیتِ مبارکہ:

﴿8﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا(۸۲)

(پ۱۵، بنی اسرائیل: ۸۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے۔

جہالت کی بیماری کا علاج:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) مذکورہ آیتِ مبارکہ میں قرآن کے شفا ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''جب مومن قرآنِ مجید سنتا ہے تو اس سے نفع اٹھاتا ہے اور اس کو یاد کرلیتا ہے اور اس پر ثابت قدم رہتا ہے۔'' اس اعتبار سے شفا ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ قرآنِ مجید سے جہالت کی تاریکی اور شکوک وشبہات کے اندھیرے دور ہوجاتے ہیں پس یہ جہالت کی بیماری سے شفا دینے والا ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ''شفا سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ حکیم ہر مرض سے نجات دینے والا ہے۔'' اس معنی کے اعتبار سے مراد یہ ہوگی کہ قرآنِ مجید سے برکت حاصل کی جائے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے ذریعے بے شمار تکالیف اور ضرر دینے والی چیزوں کو دور فرمادیتا ہے اور اس کی تائید اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حبیب، دکھی دلوں کے طبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلَّم کے اس فرمانِ عالیشان سے بھی ہوتی ہے کہ ''جو قرآنِ مجید کے ذریعے شفا حاصل نہیں کرتا اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کو شفا نہیں دیتا۔'' (2)

(1)......تفسیر الخازن، پ۱۵، بنی اسرائیل، تحت الآیة: ۹، ج۳، ص۱۶۷.

(2)......کنزالعمال، کتاب الطب، قسم الاقوال، الحدیث: ۲۸۱۰۲، ج۵، جز۱۰، ص۵.

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''یہاں ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ قرآنِ مجید کا بعض حصہ امراض کے لئے شفا ہے مثلاً سورۃ الفاتحہ اور آیاتِ شفا وغیرہ۔'' [1]

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''شفا کا معنی ہے گمراہی اور جہالت کو بیان کرنا کہ اس کے ذریعے اختلافات ظاہر وواضح ہوجاتے ہیں، مشکلات کی وضاحت ہوجاتی ہے، شبہات سے چھٹکارا ملتا ہے اور حیرانی و پریشانی سے نجات ملتی ہے اور یہی دلوں کی شفا ہے کہ ان سے جہالت دور ہوجاتی ہے۔''

ظاہری و باطنی امراض سے شفا:

اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''قرآنِ حکیم ظاہری اور باطنی امراض کے لئے شفا ہے کیوں کہ امراض کی دو قسمیں ہیں (۱) اِعتقاداتِ باطنہ (۲) اَخلاقِ مذمومہ۔ پہلی قسم، اعتقادات کہ ان کا فساد سب سے شدید اور بڑا ہوتا ہے مثلاً اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات، انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی نبوت، قضاوقدر اور مرنے کے بعد اٹھنے کے بارے میں برے اعتقادات اپنا لینا اور قرآنِ مجید، فرقانِ حمید ان ساری باتوں کے بارے میں مذہبِ حق ''اسلام'' کے دلائل اور مذاہب فاسدہ کے ابطال پر مشتمل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ پاک ان قلبی امراض یعنی فاسد باطنی اعتقادات کے لئے شفا ہے۔ دوسری قسم، اخلاقِ مَذْمُوْمَہ کہ قرآنِ پاک ان سے بھی نفرت دلاتا ہے اور اخلاقِ محمودہ اور اچھے اعمال کی طرف راہنمائی کرتا ہے تو ثابت ہوا کہ قرآنِ مجید ہر طرح کے باطنی امراض کے لئے شفا ہے اور جہاں تک جسمانی امراض کا تعلق ہے تو وہ اس کی تلاوت کی برکت سے دور ہوجاتے ہیں۔'' [2]

حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے سورۃ الفاتحہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''تمہیں کیا معلوم کہ یہ دم ہے (یعنی اس سورت کے ذریعے بیماری وغیرہ میں دم کیا جائے)۔'' [3]

ظالموں کے نقصان میں اضافہ:

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس حصۂ آیت ''وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا'' یعنی

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ۱۵، بنی اسرائیل، تحت الایۃ: ۸۲، ج۳، ص۴۶۳.

[2] ......تفسیر الخازن، پ۱۵، بنی اسرائیل، تحت الایۃ: ۸۲، ج۳، ص۱۸۹.

[3] ......ماخوذ من صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحۃ الکتاب، الحدیث: ۵۰۰۷، ص۴۳۴.

قرآن پاک سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ظالم یعنی کافر اس سے نفع نہیں اٹھاتا اور مومن اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے تو یہ مومنین کے لئے رحمت اور کفار کے لئے خسارہ ونقصان ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''جب بھی کوئی نئی آیت نازل ہوتی تو کافروں کا انکار مزید بڑھ جاتا پس اس طرح (دنیا وآخرت میں) ان کا خسارہ بھی بڑھتا جاتا۔''[1]

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: قرآنِ پاک سے ظالمین یعنی مشرکین کا نقصان ہی بڑھتا ہے کیونکہ وہ اس کو جھٹلاتے ہیں اور اس کے مواعظِ حسنہ سے نفع نہیں اٹھاتے اور قرآنِ مجید مومن کی ہدایت کا اور کفار کے خسارے میں زیادتی کا سبب ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''جو بھی قرآنِ مجید کی مجلس (یعنی صحبت) کو اختیار کرے گا یا تو اس کو فائدہ حاصل ہوگا یا نقصان اٹھائے گا کیوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کا فیصلہ فرما دیا ہے کہ یہ قرآنِ مجید مومنین کے لئے رحمت وشفا ہے اور اس سے ظالم یعنی کفار کو خسارہ ونقصان ہی بڑھتا ہے۔''[2]

نویں آیتِ مبارکہ:

﴿9﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۠(۵۱) (پ۲۱، العنکبوت: ۵۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو اُن پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے۔

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس آیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ کفار کی اس بات کے جواب میں نازل ہوئی جو اس آیت سے ماقبل میں مذکور ہے۔ کافر یہ کہا کرتے تھے: ''لَوْلَاۤ اُنْزِلَ

[1] ......تفسیر الخازن، پ۱۵، بنی اسرائیل، تحت الایة: ۸۲، ج۳، ص ۱۸۹.
[2] ......الدر المنثور، الاسراء، تحت الایة: ۸۲، ج۵، ص ۳۳۰.

عَلَیۡهِ اٰیٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ (پ ۲۱،العنکبوت ۵۰) ترجمۂ کنزالایمان: کیوں نہ اتریں کچھ نشانیاں ان پر ان کے رب کی طرف سے۔''[1]

ابراہیم بن سری بن سہل المعروف زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) نے بیان کیا کہ ''مسلمانوں میں سے کچھ لوگ یہودیوں کے پاس سے کچھ باتیں لکھ کر سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں لائے تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''کسی قوم کی حماقت یا گمراہی کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ اپنے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی لائی ہوئی باتوں سے منہ پھیر کر اس کے علاوہ کسی اور قوم کی باتوں کی طرف التفات کرے۔''[2]

ہروقت کا چیلنج:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس حصۂ آیت ''اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ یعنی ہم نے تم پر کتاب اتاری جو اُن پر پڑھی جاتی ہے'' کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی قرآنِ پاک کے ذریعے کفار کو چیلنج کرتے ہوئے ان کے سامنے بار بار اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ پس یہ کمزور نہ پڑنے والی نشانی (قرآنِ مجید) کفار کے لئے ایسا چیلنج ہے جو بخلاف دوسری نشانیوں کے ہر وقت ان کو درپیش ہے۔ یا پھر اس آیت سے مراد یہودی ہیں کہ ان کے پاس ان کی کتابوں میں حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے دین کے جو فضائل پائے جاتے ہیں اِن کی تحقیق وثبوت کے لئے قرآنِ پاک اُن پر پڑھا جاتا ہے۔''[3]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ قرآنِ مجید سابقہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے معجزات سے زیادہ کامل معجزہ ہے اس لئے کہ قرآنِ مجید مدتوں گزرنے کے بعد بھی ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا آج بھی کوئی معارض ومقابل نہیں جیسا کہ ہر نشانی کو وجود کے بعد زوال ہے (مگر قرآنِ مجید ایسا نہیں)۔''[4]

اور یہ جو ارشاد ہوا ''اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّ ذِكۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ یعنی بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ ۲۱، العنکبوت، تحت الآیة: ۵۱، ج ۳، ص ۴۵۴.

[2] ......تفسیر الطبری، پ ۲۱، العنکبوت، تحت الآیة: ۵۱، الحدیث: ۲۷۸۳۸، ج ۱۰، ص ۱۵۴.

[3] ......تفسیر البیضاوی، پ ۲۱، العنکبوت، تحت الآیة: ۵۱، ج ۴، ص ۳۲۰.

[4] ......تفسیر الخازن، پ ۲۱، العنکبوت، تحت الآیة: ۵۱، ج ۳، ص ۴۵۴.

ایمان والوں کے لئے'' اس کا مطلب یہ کہ اس کتاب میں واضح نشانیاں، دلائل، رحمت اور نعمتِ عظمٰی کا ذکر ہے اور ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے ایمان لانے میں ہٹ دھرمی نہ کی۔ یہ قرآنِ پاک مومنین کے لئے نصیحت ہے۔[1]

دسویں آیتِ مبارکہ:

﴿10﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ (پ۲۳، ص ۲۹)

ترجمۂ کنز الایمان: یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقلمند نصیحت مانیں۔

قرآن پاک میں غور وفکر:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ (یعنی اس کی آیتوں کو سوچیں) سے مراد یہ ہے کہ ان آیات کے عجیب اسرار اور لطیف معانی میں غور وفکر کریں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''قرآنِ مجید کی آیات میں غور وفکر کر کے اس کے احکامات کی اتباع اور منع کردہ باتوں سے اجتناب کریں۔''[2]

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ قرآنِ مجید میں غور وفکر کریں تاکہ آیاتِ قرآن سے ظاہر ہونے والی درست تاویلات اور استنباط کئے گئے معانی کی پہچان ہوسکے اور ایک قراءت میں لِیَدَّبَّرُوْا کو لِیَتَدَبَّرُوْا اور لِتَدَبَّرُوْا بھی پڑھا گیا ہے۔ اس وقت معنی ہوں گے کہ ''(اے محبوب) آپ اور آپ کی امت کے علما اس کی آیتوں کو سوچیں، غور وفکر کریں۔''

عقلوں میں پیوست ہوگیا:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) ''وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ یعنی اور عقلمند نصیحت مانیں'' کے تحت فرماتے ہیں کہ ''قرآنِ مجید کے ذریعے بیدار عقلوں والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ یا یہ کہ عقلمند لوگ، قرآنِ کریم کے دلائل پر مشتمل ہونے کی بہت زیادہ معرفت پر قادر ہونے کے باعث اس کو اس طرح لفظ بلفظ یاد کر لیتے ہیں

---

1 ......تفسیر البیضاوی، پ ۲۱، العنکبوت، تحت الآیة: ۵۱، ج ٤، ص ۳۲۰.

2 ......تفسیر الخازن، پ ۲۳، صٓ، تحت الآیة: ۲۹، ج ٤، ص ۳۸.

گویا کہ وہ ان کی عقلوں میں پیوست ہوگیا ہے اور یہ اس لئے کہ آسمانی کتابیں ان باتوں کو بیان کرتی ہیں جن کو شریعت کے بغیر نہیں جانا جاسکتا اور ان باتوں کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جن کو عقل بذاتِ خود حاصل نہیں کرسکتی۔''[1]

گیارہویں آیتِ مبارکہ:

﴿11﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ﳓ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

(پ۲۳،الزمر:۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے، دوہرے بیان والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں یہ اللہ کی ہدایت ہے راہ دکھائے اس سے جسے چاہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔

سب سے اچھی کتاب:

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں قرآنِ پاک کو ''اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ یعنی سب سے اچھی کتاب'' فرمایا گیا۔ قرآنِ پاک کے سب سے اچھی کتاب ہونے کی دو وجہیں ہیں:

(۱)......لفظ کے اعتبار سے اور **(۲)**......معنی کے اعتبار سے۔

(۱)......لفظ کے اعتبار سے اس لئے کہ قرآنِ مجید فصاحت و بلاغت کے سب سے اونچے درجے پر فائز ہے، نہ یہ اشعار کی جنس سے ہے اور نہ ہی عوامی خطبوں اور رسائل کی طرز پر ہے بلکہ یہ اپنے اسلوب میں سب سے جدا ہے یعنی اس کا نزول ایک علیحدہ اسلوب پر ہوا ہے۔

(۲)......معنی کے اعتبار سے یوں کہ قرآنِ مجید میں کہیں بھی تعارض و اختلاف نہیں اور اس میں ماضی کی خبریں، اگلوں کے واقعات، غیب کی کثیر خبریں، وعدہ و وعید اور جنت و دوزخ کا بیان ہے۔[2]

---

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ۲۳، صٓ، تحت الآیۃ: ۲۹، ج۵، ص ۴۵.

[2] ......تفسیر الخازن، پ۲۳، الزمر، تحت الآیۃ:۲۳، ج٤، ص ۵۳.

گیارہویں آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

حضرت سیِّدُ نا شیخ عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السَّلام (متوفی ۶۶۰ ھ) ارشادفرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! اگر آپ ہم سے کچھ باتیں کریں۔'' تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ (اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ) نازل فرمادی۔ مطلب یہ کہ یہ قرآنِ عظیم کامل ترین دلیل، جامع بیان، سب سے بہتر حکم اور سب سے زیادہ فصیح اسلوب والا ہے۔''[1]

اوّل تا آخر ایک جیسی کتاب:

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) اس حصہ آیت ''کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا یعنی اول سے آخر تک ایک سی ہے'' کے تحت فرماتے ہیں: ''ایک دوسرے سے مشابہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی بعض آیات دوسری بعض آیات سے اعجاز، طرز واسلوب میں موافقت، معنی کی صحت اور عام منافع میں ایک دوسرے سے مشابہ اور ایک سی ہیں۔''[2]

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ ھ) ارشادفرماتے ہیں: ''ایک جیسی ہونے سے مراد اس کا بعض حصہ دوسرے بعض سے حسن وخوبصورتی میں مشابہت رکھتا ہے اور اس کی ایک آیت دوسری آیت کی تصدیق کرتی ہے۔''[3]

حضرت سیِّدُ نا شیخ عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السَّلام (متوفی ۶۶۰ ھ) فرماتے ہیں کہ ''ایک دوسرے کی تصدیق کرنے میں یا اعجاز وعدل میں قرآنِ مجید کی آیات بعض بعض سے مشابہ ہیں یا یہ مراد ہے کہ قرآنِ مجید احکامات، اعمال کی ترغیب دینے اور ڈرانے میں اگلی آسمانی کتابوں سے مشابہ ہے۔''

مَثَانِیَ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) نے سورۃ الحجر کی تفسیر میں ارشادفرمایا کہ ''مَثَانِی،

---

[1] ......تفسیر ابن عبدالسلام، پ، الحدید، تحت الایة: ۱۶، ج۶، ص ۴۰۳ مفهوما۔
البحر الزخار، بمسند البزار، مسند سعدبن ابی وقاص، الحدیث: ۱۱۵۳، ج۳، ص ۳۵۲۔

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۲۳، الزمر، تحت الایة: ۲۳، ج۵، ص ۶۴۔

[3] ......تفسیر الخازن، پ۲۳، الزمر، تحت الایة: ۲۳، ج۴، ص ۵۳۔

تَثْنِیَۃ (یعنی دو چیزوں پر دلالت کرنا) یاثَـنَـاء (یعنی تعریف وتوصیف کرنا) سے بنا ہے۔تو ہر وہ آیت جو مَثْنٰی ہے اس کی قراءت والفاظ یاواقعات ونصیحتوں میں تکرار ہے یابلاغت واعجاز کے ذریعے اس کی تعریف کی گئی ہے یا وہ آیت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شان کے لائق صفات اوراس کے اچھے ناموں سے اس کی ثنا بیان کرتی ہے۔'' [1]

حضرت سیِّدُ ناامام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) ارشادفرماتے ہیں:''مَثَانِی ،مَثْنَاۃ کی جمع ہے اور یہ ہر وہ چیز کہلاتی ہے جس کو دو یا اس سے زیادہ بنایا جائے۔'' [2]

حضرت سیِّدُ ناشیخ عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السّلام (متوفی ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں:مَثَانِی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں واقعات بار بار بیان ہوئے ہیں۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اس سے مراد جنت اوردوزخ ہے۔یا یہ کہ بغیر اُکتاہٹ کے بار بار اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ [3] یا پھر یہ (بعض) دوہری دوہری باتوں پر مشتمل ہے جیسے امرونہی، وعدہ ووعید اوررحمت وعذاب وغیرہ۔

خوف سے بال کھڑے ہوجاتے ہیں:

حضرت سیِّدُ ناامام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) مذکورہ آیتِ مبارکہ کے اس حصے'' تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْۚ یعنی اپنے رب عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والوں کے اس سے بال کھڑے ہوجاتے ہیں'' کے تحت فرماتے ہیں:''یعنی ان پرلرزہ طاری ہوجاتا ہےاوروہ وعید، ڈراورخوف کے بیان کے وقت انسانی جلد میں ایک خاص تبدیلی وتغیرآجانے کا نام ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''جُلُوْد'' سے مراد ''دل'' ہیں یعنی اپنے رب عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والوں کے دلوں پرلرزہ طاری ہوجاتا ہے۔'' [4]

حضرت سیِّدُ ناامام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:''خوفِ خدا رکھنے والے لوگ قرآنِ عظیم میں بیان کردہ وعیدوں کوسن کرمضطرب وبے چین ہوجاتے ہیں۔'' [5]

[1] ......تفسیر البیضاوی ،پ ۱۴، الحجر ،تحت الایۃ: ۸۷، ج۳،ص ۳۸۱.
[2] ......تفسیرالبحرالمحیط،پ۱۴،الحجر ،تحت الایۃ:۹۹،ج۵،ص۴۵۲.
[3] ......تفسیرالعزبن عبدالسلام،پ۲۳،الزمر،تحت الایۃ:۲۳،ج۱،ص۱۰۱۰.
[4] ......تفسیرالخازن ، پ۲۳، الزمر ، تحت الایۃ: ۲۳،ج۴، ص ۵۳.
[5] ......تفسیرالبیضاوی، پ۲۳، الزمر ،تحت الایۃ: ۲۳ ، ج۵، ص ۶۴.

دل نرم پڑ جاتے ہیں:

نیز ارشاد ہوا کہ ''ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ....الایۃ یعنی پھران کی کھالیں اوردل نرم پڑتے ہیں یادِخدا کی طرف رغبت میں''اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ''دلوں کا نرم پڑنا قرآنِ عظیم کی تلاوت اور اس کی عظمت کی وجہ سے ہوتا ہے۔''ایک قول یہ ہے کہ ''قرآنِ مجید کے وعدہ ووعید کو سننے کے باعث دل نرم ہوجاتے ہیں۔''

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''دلوں کا نرم پڑنا اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اوراس کی مغفرت کے عام ہونے کی وجہ سے ہے اور یہاں بات کو مطلق (یعنی بغیر کسی قید وشرط کے) بیان کرنا اس بات کا شعور دیتا ہے کہ معاملہ کی اصل اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت ہے اور بلاشبہ اس کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے اور یہاں قلب یعنی دل کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا کہ خوف وخشیت کی کیفیت سب سے پہلے دل ہی پر طاری ہوتی ہے کیونکہ یہ دل پر طاری ہونے والی چیزوں سے ہے۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا امام ابومحمد خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''دلوں کا نرم پڑنا اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر کی وجہ سے ہے۔''اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''جب عذاب ووعید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اس وقت خوفِ خدا رکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جب وعدہ ورحمت کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں اور ان کے دل روشن وصاف ہوجاتے ہیں۔'' (2)

پتوں کی طرح گناہ جھڑتے ہیں:

(مذکورہ گیارہویں آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں) ایک قول یہ بھی ہے کہ حقیقی معنی یہ ہے کہ خوف کے وقت ان کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں اور امید کے وقت دل نرم ہوجاتے ہیں جیسا کہ حضرت سیِّدُنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ مکی مدنی آقا، دوعالم کے داتا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ رحمت نشان ہے: ''اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے جب بندے کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح سوکھے درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔''ایک روایت میں یوں ہے کہ ''اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اسے جہنم پر حرام فرما دیتا ہے۔'' (3)

...... المرجع السابق. ......تفسیر الخازن، ۲۳الزمر، تحت الایة: ۲۳، ج٤، ص ٥٣تا ٥٤.

......شعب الایمان للبیهقی، باب فی الخوف من الله تعالی، الحدیث: ۸۰۳-۸۰۲، ج۱، ص ٤٩١.

بے خودی اور نئی زندگی:

ایک عارف بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''جلالِ الٰہی کے میدانوں میں سیر کرنے والے جب عالَم جلال کی طرف غور سے دیکھتے ہیں تو بے خود ہو جاتے ہیں اور جب ان کے لئے عالَم جمال کا کوئی اثر روشن ہوتا ہے تو انہیں نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔''

حضرت سیِّدُنا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تعریف یہی ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بیان فرمائی کہ ''خوفِ خدا سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ذکرِ الٰہی سے ان کے دلوں کو چین ملتا ہے۔'' یہ تعریف بیان نہ فرمائی کہ ''ان کی عقلیں ہی ختم ہو جاتی ہیں اور ان پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔'' کیونکہ یہ معاملہ تو اہلِ بدعت (یعنی بدمذہبوں) کا ہوتا ہے اور وہ شیطان کی طرف سے ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قرآن کریم سننا:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی دادی حضرت سیِّدَتُنا اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی: ''رحمت دو عالم، نورِ مجسَّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو ان کی حالت کیا ہوتی تھی؟'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا: ''صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حال ایسا ہوتا جیسے اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کی صفات بیان فرما رہا ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔''[1]

سوال: اگر یہ سوال کیا جائے کہ ''مذکورہ آیت میں اولاً جب خوف کی بات تھی وہاں ''جُلُوْد یعنی بال یا کھال'' کو اکیلا ہی ذکر کیا گیا ہے اور پھر جب امید کی بات آئی تو اس کے ساتھ ''قلوب یعنی دلوں'' کو بھی ملا دیا گیا ایسا کیوں ہے؟''

جواب: (سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) ''میں جواب میں یہ کہوں گا: ''چونکہ خوف وخشیت کا محل دل ہے اور جب وعید والی آیات کے ذریعے خوف کا ذکر ہوتا ہے تو پہلے پہل خوفِ خدا رکھنے والوں کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور چونکہ یادِ الٰہی کی بنیاد رحمت پر ہے اور جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ لوگ (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ٢٣، الزمر، تحت الاية: ٢٣، ج٤، ص ٥٤.

ڈرنے والے) خوف وخشیت کو اپنے دلوں میں امید ورجا سے اور طاری ہونے والے لرزہ کو اپنی کھالوں کی نرمی سے تبدیل کرلیتے ہیں۔'' اور کہا گیا ہے کہ ''مکاشفہ کا مقام رجا وامید میں ہونا، مقام خوف میں ہونے سے زیادہ کامل ہے کیونکہ خیر مطلوب بالذات ہے اور خوف مطلوب نہیں پس جب خوف حاصل ہوتا ہے تو اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب امید ورجا حاصل ہوتی ہے دل مطمئن ہو جاتا ہے اور کھال نرم پڑ جاتی ہے۔''

ہدایت اور گمراہی:

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں ''یَھْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ یعنی راہ دکھائے اس سے جسے چاہے'' سے مراد یہ ہے کہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو قبولِ ہدایت کے لئے کھول دیتا ہے۔'' اور ''وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ یعنی جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں'' سے مراد یہ ہے کہ جس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ ذلیل کرے اور اس کے دل کو ہدایت قبول کرنے سے روک دے تو پھر کوئی بھی اس کو گمراہی سے نہیں نکال سکتا۔''

بارھویں آیتِ مبارکہ:

﴿12﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۙ﴿۴۱﴾ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾ (پ ۲۴، حم السجدة ۴۱، ۴۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور بے شک وہ عزت والی کتاب ہے باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔

عزت والی کتاب:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) ''وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۙ﴿۴۱﴾ یعنی اور بے شک وہ عزت والی کتاب ہے'' کے تحت فرماتے ہیں: ''قرآن مجید کثیر نفع کی حامل بے مثل کتاب ہے یا یہ ایسی طرز واسلوب پر ہے کہ نہ تو اس کا ابطال ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس میں تحریف کی جا سکتی ہے۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا شیخ عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں: ''یہ کتاب اللہ عَزَّوَجَلَّ اور

(1)......تفسیر البیضاوی، پ ۲۴، فصلت، تحت الایة: ۴۱، ج۵، ص ۱۱۷.

مومنین کے نزدیک عزت والی ہے۔'' یہ بھی کہا گیا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ ''اس کتاب کی مثل نہیں ہوسکتی یا باطل کو اس کی طرف راہ نہیں۔'' یا یہ کہ ''قرآنِ پاک لوگوں پر اس طرح غالب ہے کہ وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے۔''

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ''یہ کتاب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں بڑی مکرم و معظم ہے۔'' ایک قول یہ بھی ہے کہ ''عزیز کا معنی ہے وہ چیز جس کی مثل و نظیر موجود نہ ہو اور یہ اس لئے کہ مخلوق اس کے مقابلے اور معارضے سے عاجز ہے۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک کو عزت والی کتاب بنایا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کو ایسا مقام عطا فرمایا ہے کہ باطل کو اس کی طرف کوئی راہ نہیں ملتی۔''

باطل سے مراد:

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں یہ بھی ارشاد ہوا ''لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ یعنی باطل کو اس کی طرف راہ نہیں'' اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی طرف باطل کو کہیں سے بھی راہ نہیں، اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

(۱)...... باطل سے مراد شیطان ہے کہ وہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔

(۲)...... قرآن مجید وہ محفوظ کتاب ہے جس میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی کہ باطل اس کے آگے سے راہ پائے اور نہ ہی اس میں کوئی اضافہ و زیادتی کی جاسکتی ہے کہ باطل اس کی پشت سے راہ پائے۔ پس اس اعتبار سے لفظِ ''بَاطِل'' کمی و زیادتی کے معنی میں ہوگا۔

(۳)...... قرآن مجید کو اس سے پہلے نازل ہونے والی کسی بھی کتاب کے ذریعے جھٹلایا نہیں جاسکتا اور نہ ہی اس کے بعد کوئی ایسی کتاب ہوگی جو اس کو باطل کردے۔

(۴)...... باطل کسی بھی طریقہ سے قرآن پاک کی طرف راہ نہیں پاسکتا اور باطل کو اس کی طرف کسی بھی سمت سے کوئی راستہ نہیں مل سکتا کہ وہ اس تک پہنچ سکے۔

(۵)...... موجودہ اور گزرے ہوئے زمانے میں جس کے بھی متعلق قرآنِ مجید نے خبر دی ہے، باطل اس کا مثل نہیں لاسکتا۔[1]

---

[1]......تفسیر الخازن، پ۲۴، فصلت، تحت الایة: ۴۱، ج۴، ص ۸۷.

حمید اور حکیم کے معانی:

حضرت سیِّدُ نا شیخ عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السَّلام (متوفی ۶۶۰ھ) مذکورہ آیت کے حصے ''تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ یعنی اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا'' کے تحت فرماتے ہیں: ''حَمِیْدٍ سے مراد وہ ذات کریم ہے جو بار بار تعریف کئے جانے کی مستحق ہے کیونکہ اسی نے قرآن مجید، فرقان حمید کے معانی الہام فرمائے ہیں۔''

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''حَكِیْمٍ سے مراد حاکم ہے اور حَمِیْدٍ سے مراد وہ ذاتِ اقدس ہے جس کی تعریف ہر مخلوق کرتی ہے کیونکہ ہر ایک پر اس کی نعمتوں کا ظہور ہے۔''[1]

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''حَكِیْمٍ سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے تمام افعال میں حکمت والا ہے اور حَمِیْدٍ سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر نعمت فرمانے کے سبب ہر ایک کی طرف سے سراہا (یعنی تعریف کیا) جاتا ہے۔''[2]

یہاں قرآنِ پاک کی آیات سے وہ دلائل اختتام کو پہنچے جو اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ قرآنِ پاک پر عمل کرنا ہر مکلّف بندے پر واجب ہے (یعنی اس پر ایمان لاکر اس کے احکام کو بخوشی تسلیم کرنا لازم ہے) اس کے بعد صاحبِ ''طریقۂ محمدیہ'' حضرت سیِّدُ نا علامہ آفندی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۹۸۱ھ) نے قرآنِ کریم پر ایمان لاکر اس کے احکام کو بخوشی تسلیم کرنے پر احادیثِ کریمہ سے دلائل پیش فرمائے ہیں۔

قرآن کریم پر عمل کے متعلق (07) احادیث کریمہ

صاحبِ ''طریقۂ محمدیہ'' حضرت سیِّدُ نا علامہ محمد آفندی برکلی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے یہاں پر سات (7) احادیث مبارکہ ذکر فرمائی ہیں۔ چنانچہ،

پہلی حدیث شریف:

﴿1﴾......حضرت سیِّدُ نا ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار تاجدارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

......تفسیر البیضاوی، پ ۲۴، فصلت، تحت الایۃ: ۴۲، ج۵، ص ۱۱۷.

......تفسیر الخازن، پ ۲۴، فصلت، تحت الایۃ: ۴۲، ج ۴، ص ۸۷.

وسلَّم ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا رسول (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) ہوں؟'' صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی: ''کیوں نہیں۔'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اس قرآنِ پاک کی ایک طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بے مثل ہاتھ میں ہے اور دوسری طرف تمہارے ہاتھوں میں ہے، بس اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو تم کبھی گمراہ اور ہلاک نہ ہو گے۔'' [1]

(حضرت سیِّدُنا امام طبرانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ ''اَلْمُعْجَمُ الْکَبِیْر'' میں روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمانا ''کیا تم گواہی نہیں دیتے'' کلام کو ثابت اور پختہ کرنے کے لئے بطورِ استفہام (یعنی معلوم کرنے کے لئے) تھا اسی لئے اس کے جواب میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے لفظ ''بَلٰی یعنی کیوں نہیں'' عرض کیا تھا اور یہ لفظ اس لئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ جس بات کی نفی کی جارہی ہے اس کو ثابت کیا جائے اور اس کی نفی کو باطل کر دیا جائے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۚ'' (پ۹، الاعراف: ۱۷۲) ترجمۂ کنز الایمان: کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں۔'' یہاں بھی ''بَلٰی'' کا معنی یہی ہے کہ ''کیوں نہیں! تو ہی ہمارا رب عَزَّوَجَلَّ ہے۔'' پس انہوں نے کلام کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ نفی کو برقرار رکھا۔ اس لئے حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ''اگر وہ ''نَعَم یعنی ہاں'' کہتے تو یہ کفر ہوتا۔'' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظِ ''نَعَم یعنی ہاں'' بات کی تصدیق اور اثبات کے لئے ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے استفسار فرمانے پر لفظِ ''بَلٰی یعنی کیوں نہیں'' سے عرض کی۔

رحمتِ عالم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے کلام کا فائدہ:

(پہلی حدیث شریف میں) رحمتِ عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا اس طریقے سے کلام فرمانا کہ ''کیا تم گواہی نہیں دیتے'' اس لئے تھا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر ایمان لانے اور دین اسلام کو ماننے کے بارے میں جواب طلبی ہو جو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم، حق تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں

---

[1] ......المعجم الکبیر، الحدیث: ۴۹۱، ج۲۲، ص ۱۸۸، بلفظ زیادۃ.

تا کہ بعد والے کلام کی اس پر بنیاد قائم ہو اور حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے نزدیک وہ کلام مزید متحقق وثابت ہو جائے اگرچہ پہلے سے ثابت ہے اور ان کے دلوں میں نقش ہے اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے آپ اپنے بچے کو کوئی نصیحت کرنے سے پہلے یہ کہیں: ''کیا تم میرے بیٹے نہیں ہو؟'' تو وہ تمہیں جواب دے: ''کیوں نہیں! میں آپ ہی کا بیٹا ہوں۔'' اس کے بعد جب آپ اسے نصیحت کریں گے تو وہ آپ کی پہلی بات سے پختہ ہو کر ایک کامل نصیحت بن جائے گی، اس لئے کہ بیٹے نے پہلے آپ کے باپ ہونے کا اعتراف کیا پھر نصیحت سنی اور ایسا ہی معاملہ یہاں حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے اس طرح کلام فرمانے کا ہے۔

قرآنِ پاک قدیم ہے:

(یہاں پر صاحب حدیقہ ندیہ سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) نے قرآن پاک کے قدیم ہونے کے بارے میں ایک دقیق ومشکل بحث فرما کر ثابت کیا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کلام اس کی صفت ہے لہٰذا قدیم ہے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ) قرآن پاک وہ کلام ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام کے ذریعے سے حضور نبی مکرم، محمد مصطفٰی، احمد مجتبٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم پر نازل فرمایا ہے، اور ہمارے پڑھنے، لکھنے اور یاد کرنے کے لئے اس کو تین طرح سے ظاہر فرمایا گیا اور وہ یوں کہ اس قرآن پاک کو ہوائی حروف وکلمات کے واسطے سے زبان کے ذریعے پڑھا جاتا ہے، رَسمی ومِدَادِی (یعنی روشنائی Ink سے لکھے جانے والے) حروف وکلمات کے ذریعے سے مصاحف والواح میں (یعنی کاغذ وغیرہ پر) لکھا جاتا ہے اور خیالی حروف وکلمات کے واسطے سے دلوں میں محفوظ کیا جاتا ہے، یہاں حروف کے ساتھ تین طرح کی صفات آئی ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ ہوائی حروف کا وجود ہوا سے، رَسمی ومِدَادِی حروف کا وجود روشنائی (Ink) سے اور خیالی حروف کا وجود خیال سے ہے تو یہ اپنے اپنے مقام پر تین قسمیں بنتی ہیں اور انہی کے ذریعے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس کلامِ قدیم کی شکل وصورت کا تصور قائم ہوتا ہے جو حروف، آوازوں، جگہوں اور کلمات سے پاک ہے اور یہ سب چیزیں کلام الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے لئے گویا کہ لباس اور پہناوے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کلام الٰہی عَزَّوَجَلَّ ان میں سرایت کر گیا ہے یا ان سے مراد ایک ہی ہے یا یہ اس سے متصل ہے یا اس سے جدا ہے۔ کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کلام ایک صفت ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تمام صفات قدیم (یعنی ہمیشہ سے) ہیں اور قدیم عقلی وشرعی

طور پر ایک ہی ہوتا ہے، ایک سے زائد نہیں ہوتا۔ اس تحقیق کے بعد سیدی عبد الغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے ایک غلط قول کے فساد کو بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے: ''یہ قول درست نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کلام اشتراک وضعی کے طور پر دو معانی پر بولا جاتا ہے (۱) ایک صفت قدیمہ اور (۲) دوسرا وہ جو حروف اور کلماتِ حادثہ سے مرکب ہے اور یہ اس لئے درست نہیں کہ یہ قول اپنے کہنے والے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفات میں اعتقادِ شرک کی طرف لے جاتا ہے۔ پھر مذکورہ حدیث پاک میں حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے فرمان ''اِنَّ ھٰذَا الْقُرْآنَ طَرْفُهٗ بِيَدِاللّٰهِ تَعَالٰى وَ طَرْفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ یعنی اس قرآنِ پاک کی ایک طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بے مثل ہاتھ میں ہے اور دوسری طرف تمہارے ہاتھوں میں ہے''[1] سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ قرآن مجید واحد یعنی ایک ہے اس میں بالکل تَعَدُّد (یعنی ایک سے زائد ہونا) نہیں ہے اور وہ صفت قدیمہ ہے جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے، زبانوں سے پڑھا گیا اور دلوں میں محفوظ (یعنی یاد) کیا گیا ہے کہ جس میں کوئی حلول نہیں۔

(اس کے بعد سیدی عبد الغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) فرماتے ہیں) **اگر ہمارے بیان کردہ کے مطابق مذکورہ گفتگو، مشکل ہونے کی وجہ سے کسی کو سمجھ نہ آئے تو پھر بھی اس پر واجب ہے کہ وہ اس پر اسی طرح ایمان بالغیب رکھے جس طرح وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی دیگر صفات پر ایمان رکھتا ہے اور مصاحف میں مرقوم، زبانوں پر جاری اور دلوں میں موجود کلام الٰہی عَزَّوَجَلَّ کو حادث کہنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں۔**

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کی دو طرفیں ہیں ایک طرف وہ جو حق تعالٰی سے ملی ہوئی ہے اس لئے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کلام ہے اور اس کا کلام قدیم ہے۔ دوسری طرف وہ جو مخلوق سے ملی ہوئی ہے اور وہ حروف وکلمات کی مذکورہ تین اقسام کے ذریعے سے قرآن مجید کا ظہور ہے اور اسی سبب سے فی نفسہٖ ایک ہونے کے باوجود قرآن مجید کی شکل و صورت متعدد ہو جاتی ہے جس طرح بہت سارے آئینوں میں ایک چہرا متعدد نظر آتا ہے اور وہ چہرا فی نفسہٖ ان میں حلول وسرایت نہیں کرتا اور ان آئینوں کے مختلف ہونے کے سبب چہرے کے ظہور کی شکلیں اور صورتیں بھی مختلف ہو جاتی ہے ہیں جیسے چھوٹا، بڑا، لمبا اور چوڑا ہونا وغیرہ تو اب یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ''فلاں شخص کے دو چہرے ہیں ایک اس کے جسم میں اور دوسرا آئینے میں۔'' بلکہ ایسا کہنے سے تو یہ کہنا لازم آئے گا کہ آئینوں کے مختلف ہونے کے اعتبار سے

[1] ......المصنف لابن ابی شیبة، کتاب فضائل القرآن، فی التمسك بالقرآن، الحدیث: ۱، ج۷، ص ۱۶۴.

فلاں شخص کے چہرے کثیر ہیں اور ایسا کہنا درست نہیں۔ اسی لئے حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا کہ ''قرآن پاک کی ایک طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بے مثل ہاتھ میں ہے اور دوسری تمہارے ہاتھوں میں ہے۔''

دوسری حدیث شریف:

﴿2﴾...... حضرت سیِّدُنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''قرآنِ مجید شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور وہ باعمل قاری (کی شفاعت) کے لئے جھگڑا کرے گا اور اس کی تصدیق کی جائے گی تو جس نے اِس کو اپنا امام بنالیا (یعنی اس کی اتباع کی) یہ اُسے جنت میں لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈال دیا یہ اسے جہنم میں لے جائے گا۔''[1]

(حضرت سیِّدُنا امام ابن حبان علیہ رحمۃ المنان نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث شریف میں قرآن مجید کو شفاعت کرنے والا فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں گنہگار مسلمانوں کی شفاعت کرے گا جو بغیر توبہ کئے مرگئے ہوں گے۔

بروزِ قیامت قرآن پاک کی صورت:

اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ قیامت کے دن قرآن پاک اسی صورت میں ظاہر ہوگا جس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ چاہے گا۔ ہاں ایسا نہیں ہوگا کہ اس پر قرآن پاک کا اطلاق نہ ہوگا یا اس کا تقدس و مرتبہ کم ہوجائے گا۔ اس پر بعض روایات وحکایات بھی دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ،

منقول ہے کہ جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۲۴۱ھ) بیمار ہوئے تو لوگ آپ کے پاس حاضر تھے جبکہ آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ آپ کے سر کی طرف بیٹھے سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت کررہے تھے پھر انہوں نے آپ کو کلمۂ شہادت کی تلقین فرمائی، اور وہ جب بھی لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے تو فرماتے: ''ان پر کسی فتنے کا ڈر نہیں۔'' حتی کہ آپ سے یہ حالت زائل ہوگئی اور آپ نے اپنے مرض سے نجات پائی۔ پھر جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

[1] ......الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب العلم، باب الزجر عن کتبة المر...الخ، الحدیث: ١٢٤، ج١، ص١٦٧، بدون "شافع"

(متوفی۲۴۱ھ) کو بیماری کی شدت کے بارے میں بتایا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''شیطان میرے سامنے ظاہر ہو کر کہنے لگا: ''اے احمد! تم میرے ہاتھ سے بچ گئے۔'' تو میں نے جواب دیا: ''نہیں۔'' اور میں نے ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا جس نے شیطان کو مجھ سے دور کر دیا تو میں نے اس سے پوچھا: ''تو کون ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''میں سورۂ یٰسین ہوں۔''

قرآنِ پاک شفاعت کرے گا:

حجۃ الاسلام حضرت سیِّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے اپنی کتاب ''اَلدُّرَّةُ الْفَاخِرَة'' میں بیان فرمایا: ''قیامت کے دن قرآن پاک ایک مرد کی صورت میں آئے گا۔ وہ شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی، اسی طرح دین اسلام بھی آئے گا اور وہ اپنے ماننے والوں کی شفاعت کے لئے جھگڑے گا اور اس کی بات مانی جائے گی۔''

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ ''ہم نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں امیر المومنین حضرت سیِّدُنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ ''قرآن پاک کے جھگڑنے کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی منشا و رضا کے مطابق متعلقہ شخص کو قرآن پاک کے ساتھ کر دے گا اور وہ اسے جنت میں لے جائے گا۔'' اور یوں ہی دُنیا کو انتہائی بدصورت بوڑھی عورت کی شکل میں لایا جائے گا اور لوگوں سے کہا جائے گا: ''کیا تم اس کو پہچانتے ہو۔'' وہ کہیں گے: ''ہم اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' تو ان سے کہا جائے گا: ''یہی وہ دنیا ہے جس سے تم محبت کرتے تھے، اسی کے لئے آپس میں حسد کیا کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے پر غضب و غصہ کرتے تھے۔'' اسی طرح جمعہ کا دن محشر میں آئے گا گویا وہ سجی ہوئی خوبصورت دُلہن ہو گا، مشک اور کافور کے ٹیلے اسے گھیرے ہوئے ہوں گے اور اس پر ایک ایسا نور ہو گا جس سے تمام اہل محشر حیران ہوں گے پس مومنین اسے گھیرے میں لے لیں گے حتی کہ وہ انہیں جنت میں داخل کر دے گا۔'' تو اے بندے! اللہ عَزَّوَجَلَّ تجھ پر رحم فرمائے! غور کر کہ قرآن پاک، دین اسلام اور یومِ جمعہ کا وجود قیامت کے دن اشخاص کی شکل میں ہو گا۔[1]

(سیدی عبد الغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) مگر دُنیا میں ایسا متصور نہیں بلکہ وہ تو عالَمِ ملکوتی کی شکل و صورت

[1] ......مجموعة رسائل الامام الغزالی، الدرة الفاخرة فی کشف علوم الاخرة، ص۵۳۵.

ہے اور اس کی حقیت کو پہچاننے والا کبھی بھی قرآن پاک کو مخلوق نہیں کہے گا جس طرح فرقۂ جہمیہ والے کہتے ہیں۔ حضرت سیِّدُ نا امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی کے کلام کا آخری حصہ اس پر دلیل ہے۔

قرآن پاک کے شفیع ہونے پر اَحادیثِ مبارکہ:

قرآن پاک کے شفاعت کرنے کے بارے میں دیگر احادیث مبارکہ بھی آئی ہیں جن میں سے بعض کو حضرت سیِّدُ نا امام یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٧٦ھ) نے ریاض الصالحین میں نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ،

(۱)......حضرت سیِّدُ نا ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''قرآنِ مجید کی تلاوت کیا کرو کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرنے کے لئے آئے گا۔''(1)

(۲)......حضرت سیِّدُ نا نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ''بروزِ قیامت قرآن مجید اور دنیا میں اس پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا تو سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران آگے بڑھیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت بن جائیں گی۔''(2)

(۳)......حضرت سیِّدُ نا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رحمت دو جہان، مکی مدنی سلطان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''قرآن مجید میں 30 آیات والی ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرے گی حتی کہ اسے بخشوا لے گی اور وہ سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (یعنی سورۂ ملک) ہے۔''(3)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ٢٧٥ھ) کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ''اس (یعنی سورۂ ملک) کی شفاعت قبول کی جائے گی۔''(4)

---

(1)......صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل قراۃ القرآن و سورۃ البقرۃ، الحدیث: ١٨٧٤، ص ٨٠٤.

(2)......المرجع السابق، الحدیث: ١٨٧٦، ص ٨٠٤، ملتقطًا.

(3)......جامع الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل سورۃ الْمُلْكِ، الحدیث: ٢٨٩١، ص ١٩٤٢.

(4)......سنن ابی داؤد، کتاب شھر رمضان، باب فین عدد الآی، الحدیث: ١٤٠٠، ص ١٣٢٧.

قرآن پاک کو پسِ پشت ڈالنے کا مطلب:

(طریقہ محمدیہ میں مذکور دوسری حدیث شریف میں قرآن پاک کو پسِ پشت ڈال دینے کے متعلق وعید آئی ہے۔) پسِ پشت ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا چھوڑ دے۔ اس میں موجود باتوں سے عبرت ونصیحت حاصل نہ کرے اور اس سے بے توجہی برتتے بلکہ جو اپنے جی میں آئے وہ کرے اور جو عقیدہ وعمل اس کی عقل کو اچھا لگے اس کی پیروی کرے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمۂ کنزالایمان: تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دی گویا وہ کچھ علم ہی نہیں رکھتے۔

(پ۱، البقرۃ:۱۰۱)

تورات پڑھتے مگر عمل نہ کرتے:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''ایک قول یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ''کِتَاب'' سے مراد قرآن پاک ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تورات شریف ہے اور یہ قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ چھوڑنا تو پکڑنے اور اختیار کرنے کے بعد لازم آتا ہے اور یہود نے قرآن مجید کو اختیار ہی نہیں کیا تھا۔ بہرحال ان کا تورات شریف کو چھوڑنا یہ تھا کہ وہ اسے پڑھتے تھے مگر اس پر عمل نہیں کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''انہوں نے تورات شریف کو ریشمی غلافوں میں رکھ لیا، سونے سے سجالیا اور جو احکام اس میں تھے ان پر عمل نہیں کیا۔'' [1]

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے فضائل چھپانا یہود کا طریقہ ہے:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان ''نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ'' سے علمائے یہود مراد ہیں جو حضور نبی اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے (نبوت ورسالت اور فضائل وکمالات کے) معاملے کو چھپائے رکھنے پر متفق ومتحد ہوگئے تھے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان ''كِتٰبَ اللّٰهِ'' سے قرآن مجید بھی مراد ہوسکتا ہے اور تورات شریف بھی کیونکہ انہوں نے حضور سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ

[1] ......تفسیر الخازن، پ۱، البقرۃ، تحت الایۃ:۱۰۱، ج۱، ص۷۳.

تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کوجھٹلایااورتورات شریف کوپسِ پشت ڈال دیا تھااورایک قول یہ ہے کہ ''یعنی تورات شریف ان کے سامنے موجود ہے وہ اسے پڑھتے بھی ہیں لیکن انہوں نے اس پرعمل کرنا چھوڑ دیا۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''انہوں نے توراۃ شریف کوریشمی غلافوں میں لپیٹا،سونے چاندی سے سجایااورآراستہ کیامگراس کے حلال کوحلال اورحرام کوحرام نہ سمجھااوراسی کوپسِ پشت ڈالنا(یعنی عمل نہ کرنا) کہتے ہیں۔''اوراللہ عَزَّوَجَلَّ کےاس فرمان '' کَاَنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ '' میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کفاریعنی یہودیوں کویہ بتاناچاہتاہے کہ انہوں نے اپنے گندے کرتوتوں کے گناہِ عظیم سے واقفیت کے باوجوداللہ عَزَّوَجَلَّ کی کتاب کوپسِ پشت ڈال دیااوراس سے کنارہ کشی اختیارکرلی توگویاکہ وہ اپنے بارے میں عذابِ الٰہی کے لازم ہونے سے بے خبرہیں۔''

تلاوت کے ساتھ عمل بھی کرو:

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) بیان کردہ باتوں میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی عبرت ہے کہ قرآنِ مجید کی تلاوت پرہمیشگی کے باوجودوہ اس پرعمل کوچھوڑ بیٹھے،اس کے مواعظ سے نصیحت حاصل نہیں کرتے، اس کی غیبی خبروں اورواقعات پریقین نہیں رکھتے،بس اس کونرم وملائم ریشمی غلافوں میں رکھتے اورسونے چاندی سے اس کوسجاتے ہیں مگراس کے حلال کوحلال اورحرام کوحرام نہیں سمجھتے اوراس کے احکامات پرعمل اورمنع کردہ باتوں سے اجتناب نہیں کرتے ، انہوں نے اس سے صرف تبرک حاصل کرنے اوراس کی تعظیم کرنے پراکتفاکرلیاہے۔آج کل مسلمانوں کی عملی حالت بھی انہی یہودیوں کی طرح ہوگئی ہے جن کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کامذکورہ فرمانِ عبرت نشان واردہواہے۔ (نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ)

درسِ قرآن اگرہم نے نہ بھلایاہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایاہوتا

حدیثِ پاک میں ایک اشارہ:

حضورنبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک کلام میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ''تقلید ہرمسلمان پرلازم ہے پھریاتووہ قرآن پاک کی (بتائی ہوئی) تقلیدکرے گااوراس کی اتباع وپیروی کرکے نجات پاجائے گایاوہ اپنی

طبیعت وعقل کی تقلید کرے گا اور قرآنِ پاک کو پسِ پشت ڈال کر ہلاکت میں مبتلا ہو جائے گا اور حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان ''جو پسِ پشت ڈالے گا یہ قرآن پاک اسے جہنم میں لے جائے گا'' سے یہ مفہوم بھی حاصل ہوتا ہے کہ قرآن پاک کی اتباع و پیروی نہ کرنے والے کے حق میں اضلال یعنی (گمراہ کرنا) قرآن پاک کی طرف منسوب ہے جیسا کہ ہدایت دینا اس کی طرف منسوب ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًاۙ-وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًاؕ (پ۱، البقرۃ:۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

تیسری حدیث شریف:

﴿3﴾......حضرت سیِّدُنا سہل بن معاذ اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم، نورِ مجسّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جس نے قرآنِ مجید پڑھا اور اس پر عمل کیا، قیامت کے دن اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی، دنیا کے گھروں میں روشنی کرنے والے سورج کی روشنی سے زیادہ اچھی ہوگی، تو پھر خود اس قرآن پاک پر عمل کرنے والے شخص کے مقام و مرتبہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' (1)

(حضرت سیِّدُنا امام بزار اور حضرت سیِّدُنا امام حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس حدیث شریف کو اپنی سندوں کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیثِ مبارک میں باعمل حافظِ قرآن کے والدین کو تاج پہنائے جانے کا ذکر ہے، یہ اسی وقت ہوگا جبکہ والدین کا خاتمہ ایمان پر ہو یا ایک ہی کا خاتمہ ایمان پر ہوا (تو ایک ہی کو تاج پہنایا جائے گا) پھر یہ کہ تاج کب پہنایا جائے گا؟ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جنت میں پہنایا جائے گا اور دوسرا یہ کہ جنت میں داخلے سے قبل اس وقت پہنایا جائے گا جب وہ دونوں میدان محشر میں ہوں گے۔

---

1 ......سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی ثواب قراءۃ القرآن، الحدیث:۱۴۵۳، ص۱۳۳۱۔
المستدرك، کتاب فضائل القرآن، باب من قراء القرآن......الخ ، الحدیث:۲۱۳۱، ج۲، ص۲۷۷، بلفظ زیادۃ.

اولاد اور مال نفع پہنچائیں گے:

یہ تاج پہنانا ان خوش نصیب والدین کے اکرام کے لئے اور جزا کے طور پر ہوگا کہ انہوں نے اس سعادت مند بچے کو بذاتِ خود تعلیم دلوائی یا اپنا مال خرچ کیا یا اس کی معاونت کی اگرچہ دعا ہی کے ذریعے کی ہو۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ (پ۱۹، الشعراء:۸۸، ۸۹)

ترجمۂ کنز الایمان: جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔

اس آیت مبارکہ میں قلب سلیم سے مراد وہ دل ہے جو کفر و شرک سے پاک ہو پس جو اس حال میں آئے گا کہ اس کا دل کفر و شرک کی نجاست سے سلامت ہوگا تو اس کو اولاد اور مال نفع پہنچائیں گے۔ اسی لئے ہم نے والدین کے لئے ایمان پر خاتمہ کی شرط لگائی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر سوال کیا جائے کہ ''حدیث پاک میں ''والداہ'' کی جگہ ''ابواہ'' کا لفظ کیوں نہیں آیا؟'' تو ہم جواب میں کہیں گے: ''اس لئے کہ لفظِ ''ابواہ'' میں دادا اور دادی کے داخل ہونے کی وجہ سے کہ کبھی کبھار (عربی زبان میں) دادا کو بھی ''ابو'' کہہ دیا جاتا ہے مگر دادا کو ''والد'' نہیں کہا جاتا، اور ذہن بھی اسی طرف جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باعمل حافظِ قرآن کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس اتنی بڑی جزا ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن پاک پڑھنے اور پڑھانے کی فضیلت:

یہاں پر صاحبِ حدیقہ ندیہ سیدی عبد الغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) نے باعمل حافظ قرآن اور اس کے والدین کی فضیلت پر مشتمل مزید دو احادیث کریمہ بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ،

(۱)...... حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سردارِ مکۂ مکرمہ، سلطانِ مدینۂ منورہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جو شخص اپنے بیٹے کو قرآن مجید سکھائے گا اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کو قیامت کے دن جنت میں

ایک تاج پہنائے گا۔'' (1)

(۲)......حضرت سیِّدُ نامعاذ بن اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان ذیشان ہے: ''جس نے قرآنِ مجید پڑھا اور اس کو مکمل بھی کرلیا پھر اس پر عمل کیا قیامت کے دن اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی، دنیا میں تمہارے گھروں میں چمکنے والے سورج کی روشنی سے زیادہ اچھی ہوگی، تو پھر خود اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے اس پر عمل کیا۔'' (2)

قرآنِ پاک کو مکمل کرنے کا مطلب:

تیسری حدیث پاک کے ان الفاظ ''اور اس کو مکمل بھی کرلیا'' سے اشارہ ملتا ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید کا بعض حصہ پڑھا (یعنی مکمل نہیں کیا) تو وہ اس فضیلت کو نہیں پا سکے گا کیونکہ اس کو علم وعمل کے لئے ہر اس بات کی اطلاع نہ ہو سکے گی جس کا وہ شرعی طور پر مکلّف و پابند ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ مکمل کرنے سے مراد، کلمات کی صحیح ادائیگی، تجوید کی دُرُستی اور معانی کا قیام ہو۔

چوتھی حدیث شریف:

﴿4﴾......حضرت سیِّدُ نا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''یہ قرآن مجید اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ضیافت ہے تو تم اپنی استطاعت کے مطابق اُس کی ضیافت قبول کرو۔ بے شک یہ قرآن مجید، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مضبوط رسی، نورِ مُبِین، نفع بخش شفا، جو اسے اختیار کرتا ہے اس کے لئے ڈھال اور جو اس پر عمل کرے اُس کے لئے نجات ہے۔ یہ حق سے نہیں پھرتا کہ اس کے ازالے کے لئے تھکنا پڑے اور یہ ٹیڑھی راہ نہیں کہ اسے سیدھا کرنا پڑے۔ اس کے فوائد ختم نہیں ہوتے اور کثرتِ تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا (یعنی اپنی حالت پر قائم رہتا ہے)۔ تو تم اس کی تلاوت کیا کرو اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں عطا فرمائے

(1)......المعجم الاوسط، الحدیث: ۹٦، ج۱، ص۴۰.

(2)......سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی ثواب قراءۃ القرآن، الحدیث: ۱۴۵۳، ص۱۳۳۱۔
المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث معاذبن انس الجھنی، الحدیث: ۱۵٦۴۵، ج۵، ص۳۱۴۔
المستدرک، کتاب فضائل القرآن، باب من قراء القرآن ......الخ، الحدیث: ۲۱۳۱، ج۲، ص۲۷۷.

گا۔مَیں نہیں کہتا کہ ''الٓمّٓ''ایک حرف ہے بلکہ ''الف''ایک حرف''لام''ایک حرف اور''میم''ایک حرف ہے۔'' [1]

(حضرت سیِّدُ نا امام حاکم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث پاک میں قرآن مجید کو ضیافت فرمایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید، ارواح کو نفع پہنچانے والی روحانی غذاؤں، احکامات، حکمتوں، نصیحتوں اور مواعظ پر مشتمل ہے جیسے کھانا، اجسام کو نفع پہنچاتا ہے لہٰذا تم جس قدر استطاعت رکھتے ہو اُس کی ضیافت کو قبول کرو اور اگر تم نے اس کی ضیافت کو قبول نہ کیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر غضب فرمائے گا۔

قرآنِ پاک، مضبوط رسی:

قرآن پاک کو مضبوط رسی اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس کی دو طرفیں ہیں۔ایک طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بے مثل ہاتھ میں اور اس کے حروف اور آوازوں سے آزاد ہونے کی یہی وجہ ہے اور دوسری طرف بندوں کے ہاتھ میں ہے اور اس کے حروف اور آوازوں میں مقید ہونے کی یہی وجہ ہے (یعنی کلام الٰہی عَزَّوَجَلَّ ہونے کے اعتبار سے آزاد اور بندوں کے پڑھنے اور لکھنے کے اعتبار سے مقید) جیسا کہ ہم نے ماقبل (صفحہ 259) پر اسے تفصیل سے بیان کر دیا ہے، اسی بات کا اعتبار کرتے ہوئے قرآن کو ہر اس شخص کے حق میں ''رسی'' کہا گیا ہے جو اس کو تھام لے یعنی اس پر عمل کرے۔پس اگر اس نے ایسا کیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے اپنی طرف متوجہ فرمائے گا اور وہ اس کی معرفت ورضا پالے گا۔

قرآن کریم، نورِ مُبِیْن:

قرآن کریم کے نورِ مُبِیْن ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ ملک وملکوت کے رموز واسرار کو کھولنے والا ہے۔ان باتوں کو بیان کرتا ہے جن سے رضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ حاصل ہوتی ہے اور ان باتوں سے آگاہ کرتا ہے جو غضب الٰہی عَزَّوَجَلَّ کا سبب ہیں۔

قرآن حکیم، نفع بخش شفا:

قرآن حکیم ہر مرض کے لئے شفا ہے خواہ وہ روح میں ہو یا جسم میں۔یہ اپنے حقیقی علوم کے ذریعے دلوں کو روحانی

[1] ......المستدرك، كتاب فضائل القرآن، باب القرآن مادبة الله......الخ، الحديث: ۲۰۸٤، ج۲، ص۲٥٦، بدون "المتين وحرف".

امراض سے شفا دیتا ہے اور اپنی طب، دم (یعنی آیت قرآنی پڑھ کر پھونکنے) اور تعویذ (یعنی آیت قرآنی لکھنے) کے ذریعے اجسام کو بدنی امراض سے شفا دیتا ہے۔

قرآنِ مجید حق سے نہیں پھرتا:

چوتھی حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا ''یہ حق سے نہیں پھرتا کہ اس کے ازالے کے لئے تھکنا پڑے'' اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن عظیم حق بات سے پھر کر اپنی پیروی واتباع کرنے والے پر ظلم وزیادتی نہیں کرتا اور نہ ہی حق سے پیچھے ہٹتا ہے کہ اس زیادتی اور حق سے دوری کے ازالے کے لئے کسی کو خوش کرنا پڑے۔

قرآنِ پاک ٹیڑھی راہ نہیں:

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں کجی وٹیڑھا پن بالکل داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ صراط مستقیم ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ (پ۲۳، الزمر:۲۸) ترجمۂ کنزالایمان: عربی زبان کا قرآن جس میں اصلاً کجی نہیں۔

غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ کی تفسیر:

اس آیت مبارکہ کے حصے غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ کی تفسیر میں مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کئی اقوال ہیں۔ چنانچہ،

(۱)......حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''اس میں کسی بھی وجہ سے کوئی خلل نہیں۔''(1)

(۲)......حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں: قرآن مجید ہر قسم کے تناقض وتعارض سے پاک ہے۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ ''اس میں ذرّہ بھر بھی اختلاف نہیں۔''

(۳)......ایک قول یہ ہے کہ ''یہ ہر طرح کی تاریکی واندھیرے کے اختلاط سے پاک ہے۔''(2)

---

(1)......تفسیر البیضاوی، پ۲۳، الزمر، تحت الآیة:۲۸، ج۵ ص۶۵.

(2)......تفسیر الخازن، الزمر، تحت الآیة: ۲۸، ج۴، ص ۵۴.

قرآنِ پاک غیر مخلوق ہے:

(۴)......یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''یہ غیر مخلوق ہے۔''

حضرت سَیِّدُ نا مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں: ''قرآن مجید مخلوق نہیں۔''

حضرت سَیِّدُ نا امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 70 تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا قول نقل فرمایا کہ ''بے شک قرآن مجید نہ خالق ہے نہ مخلوق ہے۔''(1)

قرآنِ عظیم کا مخلوق نہ ہونا تو ظاہر ہے اور اس کا خالق نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے کلی طور پر مغائر نہیں بلکہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفت ہے پس اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی اس صفت سے متصف خالق ہے اس لئے کہ یہ اس کا کلام قدیم اور اس کا حکم عظیم ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ (پ ۱٤، النحل ٤٠)

ترجمۂ کنز الایمان: جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

مذکورہ گفتگو سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم ٹیڑھی راہ نہیں پس جب وہ ٹیڑھی راہ نہیں تو اسے سیدھا کرنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی مطلب یہ کہ یہ سیدھا کرنے اور درست کرنے سے مستغنی و بے پرواہ ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لیا ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ (پ ١٤، الحجر ٩)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

نہ ختم ہونے والے فوائد:

طریقہ محمدیہ کی چوتھی حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ''قرآن پاک کے فوائد ختم نہیں ہوتے۔'' کیونکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اہل معرفت واہل ایمان کے دلوں پر نئے نئے معانی شریفہ کا انکشاف ہوتا رہتا ہے اور اسرار کی باریکیاں اور انوار کی پوشیدگیاں آہستہ آہستہ بغیر کسی کمی و زیادتی کے ان کے لئے روشن ہوتی جاتی ہیں۔ چنانچہ،

......تفسیر الخازن، الزمر، تحت الآیة: ٢٨، ج٤، ص ٥٤.

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا(۱۰۹) (پ۱۶،الکھف۱۰۹)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔

رب تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیت مبارکہ کے تحت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ''اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کلمات اس سے بڑھ کر ہیں کہ ان کے (لکھنے کے لئے) کوئی ''سیاہی'' ہو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کلام قدیم، اس کی ذاتی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ تو جس طرح اس کی ذات کی کوئی غایت وحد نہیں اسی طرح اس کے کلام کے لئے کوئی نہایت وانتہا نہیں، پس اس کی ذات کے اوصاف غیر محدود ہیں۔ نیز اس آیت مبارکہ میں یہودیوں کا رد ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ ''ہمیں بہت زیادہ علم دیا گیا ہے۔'' تو گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم سے کون سی چیز ہے جو تم کو دی گئی ہے حالانکہ اس کے کلمات ختم نہ ہوں گے اگرچہ سمندروں کے پانی سے لکھے جائیں۔''

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمام مخلوق بھی لکھنا شروع کر دے اور سمندر سیاہی ہو جائے تو یہ سمندر کا پانی تو ختم ہو جائے گا مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کلمات ختم نہ ہوں گے اگرچہ اتنا ہی پانی کثرت وزیادتی میں اس پانی کے مثل اور آ جائے۔''(1)

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِؕ (پ۲۱،لقمان۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔

---

(1)……تفسير الخازن، الكهف، تحت الاية: ۱۰۹، ج۳، ص۲۲۸.

قرآن کریم اپنی حالت پر قائم رہتا ہے:

''طریقہ محمدیہ'' کی چوتھی حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ''یہ (یعنی قرآن کریم) کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا''، یعنی اپنی حالت پر قائم رہتا ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ کئی زمانے گزر جانے کے باوجود بھی قرآن پاک پڑھنے والا اس کی تلاوت سے نہ اُکتاتا ہے اور نہ ہی اس کا دل اچاٹ ہوتا ہے اور ابن اقبرس نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہاں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ عالم وغیر عالم اور عربی وعجمی سب اس کی کثرت سے تلاوت کرتے اور پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر پھر بھی اس کے حروف میں سے کوئی حرف متغیر اور تبدیل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی حفاظت فرمانے والا ہے اور جو کوئی اس کی تلاوت یا معنی میں خطا کرے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے برقرار و ثابت رکھنے والا ہے یہاں تک کہ وہ اسے اپنی طرف بلند فرمالے گا۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۱۱ھ) ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' میں روایت نقل فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جب کسی پڑھنے والے نے (قرآنِ مجید) پڑھا تو اس میں خطا کی یا لحن کیا یا پھر وہ عجمی تھا تو فرشتہ اس کے لئے ایسا لکھتا ہے جیسا قرآنِ مجید نازل ہوا ہے۔'' (1)

خطا کے ساتھ تلاوت پر ثواب کی صورت:

حضرت سیِّدُنا علامہ عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: ''حدیث شریف سے مسئلہ معلوم ہوا کہ تلاوت کرنے والے کے لئے اس کا ثواب لکھا جاتا ہے اگرچہ خطا کرے یا لحن سے پڑھے مگر یہ اس وقت ہے جب وہ ایسا جان بوجھ کر نہ کرے اور سیکھنے میں کسی قسم کی کمی نہ اٹھا رکھے ورنہ ثواب کے بجائے گناہگار ہوگا۔'' (2)

یہاں علامہ مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) کا خطا ولحن کے جان بوجھ کر نہ ہونے کی شرط لگانا تو ظاہر ہے کیونکہ قرآنِ عظیم پر ایمان رکھنے والے مسلمان سے غالب طور پر ایسا واقع نہیں ہوتا کہ وہ اس میں جان بوجھ کر لحن یا

(1) الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ۷۹۲، ص ۵۵.

(2) فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۷۹۲، ج ۱، ص ۵۳۳.

تحریف کرے لیکن عدمِ علم کی وجہ سے ایسا ضرور ہوتا ہے اور حدیث کے الفاظ میں خطا کا لفظ آیا ہے اور خطا جان بوجھ کر نہیں ہوا کرتی اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں (۱) ایک یہ کہ زبان صحیح تلفظ کے موافق ہے پھر بھی سیکھنے میں کمی کرے۔ ایسا شخص تلاوت میں غلطی کرے گا تو گناہگار ہوگا اور (۲) دوسرا یہ کہ اگر تلفظ کرنا دشوار ہے اور زبان بھی ساتھ نہیں دیتی اور وہ اس کو پختگی کے ساتھ ادا نہ کرسکتا ہو تو وہ معذور ہے اور اب اگرچہ غلطی کرے یا لحن سے پڑھے اسے اپنی تلاوت پر ثواب ملے گا مذکورہ حدیث پاک میں اس کی صراحت موجود ہے اور فرشتے اس کے نامۂ اعمال میں صحیح و درست پڑھنا ہی لکھتے ہیں پس اللہ عَزَّوَجَلَّ فرشتوں کو مقرر فرما دیتا ہے اور وہ اس کے حق میں خطا و لحن کو صحیح و درست لکھتے ہیں۔''

دیکھ کر تلاوت کرنا افضل ہے:

قرآن پاک کے فضائل بیان کرنے کے بعد طریقہ محمدیہ کی چوتھی حدیث شریف میں ارشاد فرمایا: ''تو تم اس کی تلاوت کیا کرو۔'' یہ تلاوتِ قرآن پاک کا حکم ہے اور نماز کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا مستحب ہے چاہے دیکھ کر کرے یا یاد کیا ہوا بغیر دیکھے پڑھے مگر دیکھ کر تلاوت کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں دو عبادتیں ہیں ایک تو تلاوت اور دوسرا قرآن مجید کو دیکھنا۔ چنانچہ،

حجۃ الاسلام حضرت سیّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' میں ارشاد فرماتے ہیں: ''قرآن مجید میں دیکھ کر تلاوت کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں دیکھنے، غور و فکر کرنے اور قرآن مجید کو اٹھانے کا عمل زیادہ ہوتا ہے پس اس کے سبب سے اجر و ثواب بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔''

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''مصحف شریف میں دیکھ کر قرآن پاک کا ختم (یعنی مکمل پڑھنا) سات دنوں میں ہونا چاہئے کیونکہ قرآن پاک کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ چنانچہ،

کثرتِ تلاوت کا عالَم:

(۱)......منقول ہے کہ کثرت سے تلاوت قرآن پاک کے سبب امیر المؤمنین حضرت سیّدُنا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دو مصحف شریف شہید ہوگئے تھے۔

(۲)......مروی ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی ایک تعداد تھی جو مصحف شریف سے دیکھ کر تلاوت

کرتی تھی اور وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی دن ایسا گزرے کہ وہ مصحف شریف کی زیارت نہ کریں۔ [1]

کمزوریٔ حافظہ اور بلغم کے تین علاج:

(۳)......امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا مولیٰ مشکل کشا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم ارشاد فرماتے ہیں: ''تین چیزیں قوتِ حافظہ بڑھاتی اور بلغم کو دور کرتی ہیں (۱)......مسواک کرنا (۲)......روزہ رکھنا اور (۳)......قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔'' [2]

ایک کے بدلے دس نیکیاں:

طریقہ محمدیہ کی چوتھی حدیث پاک کے اس فرمان ''ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں'' میں حرف سے مراد قرآن پاک کے حروف ہیں جن کو حروفِ تہجی کہا جاتا ہے اور لفظ ''حرف'' کلمہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ، ''شرح الدرر'' میں ارشاد فرمایا: ''جس پر غسل واجب ہو وہ اگر حرف حرف کر کے قرآن پاک کی تعلیم دے تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں۔'' میرے (یعنی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے) والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد فرماتے ہیں کہ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ کلمہ کر کے پڑھائے جیسا کہ حضرت سیِّدُ نا امام محمد ابراہیم بن حلبی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۵۶ھ) نے ''شرح منیہ'' میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔'' [3] لیکن مذکورہ حدیث پاک میں حرف سے مراد کلمہ نہیں کیونکہ حدیث شریف نے اس کی وضاحت خود فرما دی ہے۔ (یوں کہ ''آلٓمّٓ'' ایک حرف نہیں بلکہ ''الف'' ایک حرف، ''لام'' ایک حرف اور ''میم'' ایک حرف ہے)

30 اور 90 نیکیاں:

طریقہ محمدیہ کی چوتھی حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ''الٓـمّٓ'' پڑھنے والے کو 30 نیکیاں ملتی ہیں اور اگر ہم اس ''الٓمّٓ'' کے ہر حرف یعنی ''اَلِف، لَام اور مِیْم کو مزید پھیلانے کا اعتبار کریں تو ان تینوں کے اپنے حروف 9 بنیں گے تو یوں تمام کے مجموعے کے برابر 90 نیکیاں ہوں گی۔''

---

[1] ......احیاء علوم الدین، کتاب آداب تلاوۃ القرآن، الباب الثانی فی ظاهر آداب التلاوۃ، ج۱، ص۳۷۱.

[2] ......المرجع السابق، الباب الاول فی فضل القرآن ......الخ، ج۱، ص۳٦٤.

[3] ......حلبی کبیر شرح منیة، سنن الغسل، مطلب الغسل فی اربعة سنة، ص۵۷.

دو احادیثِ مبارکہ:

(۱)...... حجۃ الاسلام حضرت سیِّدُ نا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں مذکورہ حدیث پاک کو موقوفاً روایت فرمایا ہے کہ حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''قرآن مجید کی تلاوت کرو کہ تمہیں اس کے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی اور میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ میں کہتا ہوں ''الف'' ایک حرف ہے، ''لام'' ایک حرف ہے اور ''میم'' ایک حرف ہے۔'' [1]

(۲)...... حضرت سیِّدُ نا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) اپنی کتاب ریاض الصالحین میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رحمتِ دو عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان ذیشان ہے: ''جس نے کِتَابُ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے اور میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے (بلکہ) ''الف'' ایک حرف، ''لام'' ایک حرف اور ''میم'' ایک حرف ہے۔'' [2]

پانچویں حدیث شریف:

﴿5﴾...... حضرت سیِّدُ نا حارث بن اعور رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد کے قریب سے گزرا تو دیکھا کہ لوگ دنیاوی باتوں میں مشغول ہیں پس میں نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا مولیٰ مشکل کشا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْكَرِيْم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استفسار فرمایا: ''کیا واقعی لوگ ایسا کر رہے ہیں؟'' میں نے عرض کی: ''جی ہاں۔'' تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''خبردار! عنقریب مسجد میں دنیاوی باتیں فتنے کا سبب بنیں گی۔'' میں نے عرض کی: ''یا رسولَ اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! اس فتنے سے کیسے بچا جائے؟'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''قرآنِ مجید کو مضبوطی سے تھام لینا ہی اس کا حل ہے۔

---

[1] ......فردوس الاخبار للدیلمی، باب الالف، الحدیث: ۳۰۹، ج۱، ص ۶۶ بتغیر قلیل۔
احیاء العلوم الدین، کتاب آداب تلاوۃ القرآن، الباب الاول فی فضل القرآن ......الخ، ج۱، ص۳۶۳.

[2] ......ریاض الصالحین، کتاب الفضائل، باب فضل قراءۃ القرآن، الحدیث: ۹۹۹، ص۲۸۵۔
جامع الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فیمن قراء حرفا......الخ، الحدیث: ۲۹۱۰، ص ۱۹۴۴.

اس میں تمہارے اگلوں اور پچھلوں کی خبریں ہیں۔ تمہارے لئے حلال وحرام کا بیان ہے اور یہی فیصلہ کرنے والی کتاب ہے، کوئی ہنسی مذاق نہیں، جو بھی سرکش اس پر عمل نہیں کرے گا اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کو ہلاکت میں مبتلا فرمادے گا اور جو اس کے علاوہ دوسری شے میں ہدایت کا راستہ ڈھونڈے گا، اللہ عَزَّوَجَلَّ اُسے گمراہ کردے گا اور یہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مضبوط رسی، حکمت والا ذکر اور یہی سیدھا راستہ ہے اور یہی وہ کتاب ہے کہ جس کی پیروی کے سبب لوگوں کے ارادے، راہِ حق سے نہیں ہٹتے۔ زبانوں کے اختلاف سے اس (قرآن) کے معانی، حکمتیں اور احکام نہیں چھپ سکتے۔ علمائے کرام اس سے سیر نہیں ہوتے۔ کثرتِ تلاوت سے پُرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے اور قرآنِ حکیم تو وہ ہے جسے سن کر جنات بھی نہیں تھکتے بلکہ وہ کہتے ہیں:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ (پ۲۹، الجن ۱، ۲)

ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے۔

(پھر آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا) تو جس نے قرآنِ مجید کے مطابق بات کہی اس نے سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا اس نے اجر پایا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کے احکام کی طرف بلایا وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت پا گیا۔'' (1)

(حضرت سیِّدُنا امام ترمذی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ جب مساجد میں دنیا کی باتیں ہوں تو اس فتنہ وگمراہی سے نجات کے لئے قرآنِ مجید کو مضبوطی سے تھام لینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عقلی آراء کو چھوڑ کر کتابُ اللہ سے رہنمائی حاصل کرو کیونکہ اس میں اس مسئلہ کا حکم موجود ہے چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ (پ۱۸، النور ۳۶)

ترجمۂ کنزالایمان: ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کا نام لیا جاتا ہے۔

---

1 ......جامع الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن، الحدیث: ۲۹۰۶، ص ۱۹۴۳۔

مساجد کی شان وعظمت:

اس آیت مبارکہ میں بیوت یعنی گھروں اوران کے بلند کرنے کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے درج ذیل چند اقوال ہیں:

(۱)......حضرت سیِّدُنا امام ابومحمد خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''بُیُوت یعنی گھروں سے مراد تمام مساجد ہیں۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں: ''مساجد زمین پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے گھر ہیں جو آسمان والوں کے لئے ایسے چمکتے ہیں جیسے زمین والوں کے لئے تارے چمکتے ہیں۔

(۲)......ایک تفسیر یہ ہے کہ ان گھروں سے مراد چار مساجد ہیں جن کو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے تعمیر فرمایا ہے (۱) کعبہ معظّمہ کہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم وحضرت سیِّدُنا اسماعیل عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے تعمیر فرمایا (۲) بیت المقدس کہ حضرت سیِّدُنا داؤد اور حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے تعمیر فرمایا (۳) مسجد المدینہ یعنی مسجد نبوی اور (۴) مسجد قباء جس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ: ''اس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی ہے'' یہ دونوں مساجد ہمارے پیارے آقا، دوعالم کے داتا صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے تعمیر فرمائیں۔

(۳)......ایک قول کے مطابق بلند کرنے سے مراد ''مسجد کو تعمیر کرنا ہے۔''

(۴)......ایک تفسیر یہ ہے کہ ''مساجد کی تعظیم کی جائے یوں کہ ان میں ناپسندیدہ گفتگو سے پرہیز کیا جائے، ان کو ہر قسم کی گندگی ونجاست سے محفوظ رکھا جائے اوران میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا نام لیا جائے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''اس سے مراد یہ ہے کہ مساجد میں قرآنِ مجید کی تلاوت کی جائے۔''[1]

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) حاصل اس کا یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر شے کا حکم بیان کر دیا گیا ہے حتی کہ مذکورہ مسئلہ یعنی مساجد میں دنیاوی گفتگو نہ کرنے کا حکم بھی اس میں موجود ہے اوراس قرآن مجید میں ظاہری وباطنی طور پر ہر بیماری سے چھٹکارے اور ہر فتنہ وآزمائش سے سلامتی کا طریقہ موجود ہے۔

---

[1] ......تفسير الخازن، پ۱۸، النور، تحت الاية:۳٦، ج۳، ص ۳۵۵.

اگلوں اور پچھلوں کی خبریں:

''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیث شریف میں یہ بھی تھا کہ ''اس میں تمہارے اگلوں اور پچھلوں کی خبریں ہیں۔'' اس سے مراد اولین اور آخرین کے علوم ہیں، یوں کہ گزری ہوئی امتوں کے واقعات اور اس امتِ مرحومہ کے قیامت تک کے حالات اس قرآنِ پاک میں موجود ہیں۔''

فیصلہ کرنے والی کتاب:

نیز ارشاد ہوا کہ ''یہی فیصلہ کرنے والی کتاب ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآنِ مجید ہی وہ سچی کتاب ہے جو حق و باطل کے درمیان قول وقضا کے ذریعے حق بات کو بیان کرتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری کتاب حق و سچ فیصلہ نہیں کرسکتی۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا (پ۲۲، الفاطر: ۳۱) ترجمہ کنزالایمان: وہی حق ہے تصدیق فرماتی ہوئی۔

قرآن مجید ہنسی مذاق نہیں:

''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ''(قرآن مجید) کوئی ہنسی مذاق نہیں'' اس کے تحت امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''ہنسی مذاق سے مراد لہو ولعب ہے کہ یہ قرآن مجید، سنجیدگی اور واقعیت پر مشتمل ہے کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے۔''

حضرت سیِّدُنا امام عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں کہ ''ہنسی مذاق نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ کھیل کود یا بیکار کاموں یا باطل اور جھوٹ کے لئے نہیں اتاری گئی۔''[1]

حضرت سیِّدُنا علی بن محمد ابن اقبرس شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۸۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ ''سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ مبارک کہ ''یہ فیصلہ کرنے والی کتاب ہے، کھیل کے لئے نہیں اُتاری گئی۔''[2] یہ دراصل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان: ''اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ (پ۳۰، الطارق ۱۳، ۱۴)

---

[1] ......تفسیر ابن عبدالسلام، الطارق، تحت الایۃ: ۱۴، ج۷، ص۴۲۶.

[2] ......جامع الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن، الحدیث: ۲۹۰۶، ص ۱۹۴۳.

ترجمۂ کنزالایمان: بےشک قرآن ضرور فیصلہ کی بات ہے اور کوئی ہنسی کی بات نہیں۔'' کی طرف اشارہ ہے۔''

ہدایت کے دو معانی:

(''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیث شریف میں ''الھُدٰی'' کا لفظ آیا ہے، صاحب ''حدیقہ ندیہ'' حضرت سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ الغنی اس کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) ''ھُـــدٰی'' کا لفظ کبھی دَلَالَۃ یعنی محض راہنمائی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان دو مبارک فرامین میں ہے:

﴿۱﴾

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (پ ۲۴، حم السجدۃ ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور رہے ثمود انہیں ہم نے راہ دکھائی تو انہوں نے سوجھنے پر اندھے ہونے کو پسند کیا۔

اس آیت میں ''فَھَدَیْنَاھُمْ'' کا معنی ہے ''دَلَلْنَاھُمْ'' یعنی ہم نے ان کی راہنمائی فرمائی۔

﴿۲﴾

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍۙ﴿۵۲﴾ (پ ۲۵، الشوری: ۵۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بےشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔

یہاں بھی ''تَھْدِیْ'' کا معنی ہے ''تَدُلُّ'' یعنی تم راہنمائی کرتے ہو۔

اور کبھی ''ھُدٰی'' کا لفظ ''اِیْصَالُ اِلَی الْحَقّ'' یعنی حق تبارک وتعالیٰ تک پہنچا دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان دو مبارک فرامین میں ہے:

﴿۱﴾

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْۚ (پ ۹، الاعراف ۱۷۸)

ترجمۂ کنزالایمان: جسے اللہ راہ دکھائے تو وہی راہ پر ہے۔

﴿۲﴾

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (پ ۲۰، القصص ۵۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بےشک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو۔

اس آیت میں فرمایا گیا ''لَا تَھْدِی'' مطلب یہ کہ ''لَا تُوْصِلُ'' یعنی آپ بذاتِ خود پہنچا نہیں سکتے اگرچہ راہنمائی کرسکتے ہیں اور یہاں ''ھُدٰی'' کا لفظ ''اِیْصَال اِلَی الْحَقّ'' یعنی حق تبارک وتعالیٰ تک پہنچا دینے کے معنی میں ہے۔

سنت، اجماع اور قیاس قرآن کا غیر نہیں:

''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''جو اس قرآن مجید کے علاوہ دوسری شے میں ہدایت کا راستہ ڈھونڈے گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اُسے گمراہ کردے گا۔'' اس میں قرآن مجید کے علاوہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ سنت، اجماع اور ان کا تابع قیاس، یہ تینوں بھی قرآن حکیم کا غیر ہیں کیونکہ ان تینوں کا ثبوت قرآن مجید ہی سے ہے اس پر بہت ساری آیاتِ مبارکہ دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ،

﴿۱﴾......حدیث کے حجتِ شرعیہ ہونے پر دلیل:

سنت (یعنی حدیث شریف) پر عمل کرنا قرآن مجید کے غیر پر عمل کرنا نہیں، اس کی دلیل اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان ہے:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ (پ۲۸، الحشر ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

﴿۲﴾......اجماع کے حجتِ شرعیہ ہونے پر دلائل:

اجماع پر عمل بھی قرآن حکیم کے خلاف نہیں بلکہ قرآن مجید کے حکم پر عمل ہے۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَفَرَّقُوْا ؕ (پ۴، ال عمران ۱۰۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔

﴿۲﴾

وَلَا تَنَازَعُوْا (پ۱۰، الانفال ۴۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور آپس میں جھگڑو نہیں۔

سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کا استدلال:

اجماع کے حجت ہونے پر امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان: ''وَمَنْ یُّشَاقِقِ

الرَّسُوْلَ (پ ۵،النساء:۱۱۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور جو رسول کا خلاف کرے۔'' کے تحت نقل کرتے ہیں کہ حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) سے سوال ہوا کہ ''قرآن مجید کی کونسی آیت، اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے۔'' تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 300 مرتبہ قرآنِ مجید کو پڑھا یہاں تک کہ آپ نے مذکورہ آیت کے باقی حصے: ''وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۵،النساء:۱۱۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے۔'' سے استدلال فرمایا کہ ''یہ اجماع کے حق ہونے کی دلیل ہے۔''

اور یہ اس لئے کہ مؤمنین کے راستے سے ہٹ جانا یہ (مسلمانوں کی) جماعت سے علیحدگی اختیار کرنا ہے جو کہ حرام ہے تو واجب ہے کہ مؤمنین کے راستے کی اتباع کی جائے اور چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس آیت (وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۵، النساء ۱۱۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے۔) میں وعید ارشاد فرمائی ہے اس لئے جماعت کو لازم پکڑنا واجب ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اجماعِ امت، حجت و دلیل ہے۔ [1]

حضرت سیّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) نے بھی مذکورہ آیت کی تفسیر اسی طرح فرمائی ہے۔ [2]

﴿۳﴾......قیاس کے حجتِ شرعیہ ہونے پر دلائل:

''قیاس'' بھی قرآنِ مجید سے علیحدہ نہیں بلکہ اس کا حکم خود قرآن مجید نے دیا ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ (پ ۵، النساء ۱۳۵) ترجمۂ کنزالایمان: انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ۔

نیز ارشاد فرماتا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾ (پ۲۸،الحشر۲) ترجمۂ کنزالایمان: تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

اس آیتِ مبارکہ میں ارشاد فرمایا ''فَاعْتَبِرُوْا'' یعنی عبرت حاصل کرو (مطلب یہ کہ اپنے حالات کو ان کے حالات پر قیاس کرو) اور اسی کو قیاس کہتے ہیں جیسا کہ ماقبل کی آیاتِ طیبات (یعنی وَلَا تَنَازَعُوْا اور وَلَا تَفَرَّقُوْا) میں آپس کے

[1] ......تفسیر الخازن، پ۵، النسآء، تحت الایة: ۱۱۵، ج۱، ص۴۳۰.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۵، النسآء، تحت الایة: ۱۱۵، ج۲، ص۲۵۳.

جھگڑوں اور جدائی سے منع کیا گیا ہے جو اس بات کی واضح وقوی دلیل ہے کہ اجماع کا قیام ضروری ہے۔

سعادت مند بندے:

''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیث پاک میں یہ بھی فرمایا کہ ''قرآن مجید اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مضبوط رسی ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے وجودِ ذاتی غیبی سے وجودِ فعلی کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے، پس اس کو مخلوق کے افعال کی طرف معانی، حروف اور کلمات کی شکل وصورت میں نازل کیا گیا۔ تو سعادت مند بندے اس کو پڑھتے ہیں اور حسبِ توفیق اس پر عمل کر کے نجات حاصل کرتے ہیں اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہو گیا۔

قرآنِ پاک ذکرِ حکیم ہے:

''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیث پاک میں یہ فرمان بھی ہے کہ ''(قرآن ذکرِ حکیم یعنی) حکمت والا ذکر ہے'' اس کے تحت درج ذیل تفسیری اقوال ملاحظہ فرمائیے:

(۱)......حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''ذکرِ حکیم میں حکیم، محکوم کے معنی میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ باطل اس میں داخل نہیں ہو سکتا اور یہ قرآن مجید ہی کی شان ہے کیونکہ یہ حاکم ہے اور سارے احکام اسی سے نکلتے ہیں۔''[1]

(۲)......حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''قرآن پاک کے حکیم ہونے کا معنی ہے وہ کتاب جو حکمتوں پر مشتمل ہو اور ایسی محکم کہ کسی قسم کے خلل کو اس کی طرف راہ نہ ملے۔''[2]

(۳)......حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''حکیم کا معنی ہے حاکم اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید ہر فساد اور ہر قباحت سے محفوظ ہے۔''

اَلزَّیْغ اور اَلْاَھْوَاء کی تشریح:

''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیث شریف میں قرآن مجید کی فضیلت میں یہ بھی فرمایا گیا ''وَھُوَ الَّذِیْ لَایَزِیْغُ بِہِ

---

1 ......تفسیر الخازن، پ۳، آل عمران، تحت الآیۃ: ۵۸، ج۱، ص۲۵۷.

2 ......تفسیر البیضاوی، پ۳، آل عمران، تحت الآیۃ: ۵۸، ج۲، ص۴۶.

اَلْاَھْوَاءُ یعنی اور یہی وہ کتاب ہے کہ جس کی پیروی کے سبب لوگوں کے ارادے، راہِ حق سے نہیں ہٹتے'' یہاں پر اَلْاَھْوَاء، ھَوٰی کی جمع ہے جس کا معنی ہے ''نفس کا ارادہ'' اور ''اَلْاَھْوَاءُ'' کا معنی ہوا ''اِرَادَاتُ النُّفُوْس'' یعنی نفوس کے ارادے۔تو حدیث شریف کا معنی ومفہوم یہ ہوگا کہ تمام مخلوق کی خواہشات وارادے، قرآن مجید کی اتباع اور اس میں موجود احکام کی اقتدا کے سبب سیدھے راستے سے نہیں ہٹتے۔''

اَلزَّیْغ کی تعریف کرتے ہوئے ابن اقبرس کہتے ہیں: ''اَلزَّیْغ اَلْخُرُوْجُ عَنِ الشَّیْءِ وَالْحَیْدُ عَنِ الْھِدَایَۃِ یعنی ''زیغ'' کہتے ہیں کسی شے سے الگ ہونے اور ہدایت سے پھر جانے کو جیسے کہا جاتا ہے زَاغَ عَنِ الْحَقِّ یعنی وہ حق سے الگ ہوگیا یا پھر گیا۔جیسا کہ قرآن کریم میں یہ دعا ہے: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا (پ۳،ال عمران۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی۔''

اور حدیث شریف میں ''اَلْاَھْوَاءُ'' سے مراد وہ نفسانی اغراض ہیں کہ جو ان کی طرف مائل ہوتا ہے یہ اسے ہلاکت میں مبتلا کرنے والے اعمال کی طرف لے جاتی ہیں اور ان کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ

ترجمۂ کنزالایمان: جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا۔ (پ۱۵،الکھف۲۸)

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ کا معنی یہ ہے کہ ''وہ خاص اپنی غرضِ نفسانی کے پیچھے پڑا'' نیز خواہشات کے کم اور زیادہ ہونے کے مابین فرق، ظاہر ہے اور اس خاص موضوع پر ابن درید نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

الحاصل حدیث شریف کے اس مضمون ''اور یہی وہ کتاب (یعنی قرآن پاک) ہے کہ جس کی پیروی کے سبب لوگوں کے ارادے، راہِ حق سے نہیں ہٹتے'' کا معنی یہ ہے کہ جب قرآن مجید کے معانی اور اعتقادی اصولوں کی معرفت دل میں قرار پکڑ جاتی ہے تو پھر ایسا کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا جو راہِ حق سے ہٹنے کا سبب بنے اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی توفیق ہی سے ہوتا ہے۔

قرآن مجید اور مختلف زبانیں:

''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ''زبانوں کے اختلاف سے اس (قرآن) کے

معانی، حکمتیں اوراحکام نہیں چھپ سکتے۔‘‘اس کے بارے میں امام ابن اقبرس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۶۲ھ) فرماتے ہیں: ’’یہ اس کا انتہائی درجہ ظہور ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس عربی زبان کو تمام زبانوں سے ممتاز فرمایا، اس امتیاز ہی کی حالت میں اس (کے احکام) کو سنانا انتہائی حد تک ممکن بنایا اور اس کی کسی شے کو پوشیدہ ہو جانے یا چھپ جانے سے اس طرح محفوظ فرمادیا جیسے سورج کی ٹکیا ہے۔‘‘

لہٰذا حدیث شریف کا معنی ومفہوم یہ ہوا کہ اس قرآنِ عظیم کے انتہائی ظاہر اور واضح ہونے کی وجہ سے اس کے معانی، حکمتیں اوراحکام نہیں چھپ سکتے اور یہ حق تعالیٰ کی جانب سے برحق کتاب ہے اور ہر اعتبار سے انسان کو مطلقاً عاجز کرنے والی ہے اور مخلوق کے لئے مقرر تمام زبانیں بولنے والے لوگ قرآنِ مجید کی اس صفت کو جانتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اگرچہ یہ ان کی لغت پر نہیں اور نہ ہی ان کی زبان میں نازل ہوا۔

قرآن پاک سے سیر نہ ہونے کا مطلب:

حضرت سیِّدُنا امام ابن اقبرس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۶۲ھ) ’’طریقہ محمدیہ‘‘ کی پانچویں حدیث کے ان الفاظ: ’’علمائے کرام اس سے سیر نہیں ہوتے۔‘‘ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’کیونکہ قرآن مجید معانی ومطالب کا سمندر ہے اس لئے ہر پیاسا اس کے ذریعے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی رضا طلب کرتا ہے۔‘‘

اور اس سے مراد ’’علمائے کرام کا قرآنِ حکیم سے (روحانی) غذا حاصل کرنا اور اپنے کمالاتِ روحانیہ کی تربیت حاصل کرنا ہے، اور ’’صرف پیاس کی شدت کو ٹھنڈا کرنا‘‘ مراد نہیں اور ان علما سے مراد بھی وہ ہیں جو کِتَابُ اللّٰہ سے روحانی غذا حاصل کرتے ہیں اور یہ وہ علما ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا سب سے مستغنی و بے پرواہ ہوتے ہیں اور یہ ہی اہلِ خشیت ہیں جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاؕ (پ۲۲، الفاطر ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

علم والے ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتے ہیں:

حضرت سیِّدُنا شیخ جمال الدین خلیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر بیضاوی کے حاشیے میں فرماتے ہیں کہ ’’اس آیت میں وہ

علما مراد ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کے جلال، اس کی صفات کے کمال اور اس کے افعال کی قوت کو جانتے ہیں اور اس بات سے باخوبی واقف ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جس طرح کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنے کئی بندوں کو (دُنیا ہی میں) ہلاک فرما دیا اس طرح وہ اپنے بے شمار (مجرم) بندوں کو قیامت کے دن سزا دے گا مگر اُسے کوئی پرواہ نہ ہوگی۔''

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اس بات پر تو دلالت کرتی ہے کہ ''خوف وخشیت (یعنی خوفِ خدا) جب بھی پایا جائے گا، علما ہی میں پایا جائے گا'' مگر اس پر دلالت نہیں کرتی کہ ''ہر عالم میں خوف وخشیت ہوتا ہے'' یہ قول درست نہیں کیونکہ قرآن مجید میں خشیت کا تعلق علما سے کیا گیا ہے اور جب ایسا ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ''دل میں تعظیم وہیبت رکھتے ہوئے ڈرنا'' اور یہ ہر عالم میں پایا جاتا ہے۔

تفسیر کشاف میں ''سورۃ النّٰزِعٰت'' کی تفسیر میں ہے: ''خشیت، معرفت کے ساتھ ہی ممکن ہے۔'' چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاؕ (پ ۲۲، الفاطر ۲۸) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔'' اس آیت سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھنے والے علما مراد ہیں اور خشیت کو اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہ تمام اُمور کی روح ہے اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہے اس سے بھلائی ہی صادر ہوتی ہے اور جو بے خوف ہو جاتا ہے وہ ہر طرح کی برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور اسی بارے میں رحمتِ دو عالم، نورِ مجسّم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمان عالیشان ہے: ''جو ڈرتا ہے وہ اوّل رات میں اُٹھتا ہے جو اوّل رات میں اُٹھتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے[1]۔''[2]

اور تفسیر بیضاوی کے مذکورہ حاشیے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان: ''وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ (پ ۱۷، الانبیاء ۲۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔'' کے تحت یہ بھی لکھا ہے: ''علما ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کے جلال وجمال اور اس کی صفات کے عظمت وکمال کو جانتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علما کون ہیں اور کس کو عالم کہا جائے۔

[1] ...... حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ اللہ المنان (متوفی ۱۳۹۱ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی جو دشمن کے شب خون مارنے کا اندیشہ کرتا ہے وہ جنگل میں رات غفلت سے نہیں گزارتا ورنہ مارا جاتا ہے، لُٹ جاتا ہے۔ شیطان شب خون مارنے والا دشمن ہے، ہم دنیا میں راہِ آخرت طے کرنے والے مسافر ہیں، ایمان کی دولت ہمارے پاس ہے۔ یہاں غفلت نہ کرو، ورنہ لُٹ جاؤ گے۔'' (مراۃ المناجیح، ج۷، ص ۱۵۵)

...... جامع الترمذی، ابواب صفه القيامة، باب فی ثواب الاطعام...... الخ، الحدیث: ۲۴۵۰، ص ۱۸۹۸۔

[2] الکشاف، سورة النازعات، تحت الاية: ۱۹، ج ۴، ص ۶۹۵.

قرآن کریم کثرتِ تلاوت سے پُرانا نہیں ہوتا:

''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیثِ پاک میں قرآنِ پاک کی فضیلت کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ''کثرتِ تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا'' یہاں پُرانا نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک نئے کپڑے کی مانند ہے کہ اس پر ایمان لانے والا اسے زیب تن کرتا ہے تو وہ قرآن پاک اسے اپنے نور سے ڈھانپ لیتا ہے اور اس پر ایمان لانے والا تو تبدیل و پُرانا ہو جاتا ہے اور مختلف حالتوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جبکہ قرآن حکیم ہر حال میں نیا ہی رہتا ہے، کبھی پُرانا و تبدیل نہیں ہوتا بلکہ وہ جیسا ہے اسی حالت پر قائم ہے۔ کیونکہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کلامِ قدیم (یعنی جو ہمیشہ سے ہو) ہے اور قدیم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور اس پر ایمان رکھنے والے تمام لوگ حادث (یعنی جو ہمیشہ سے نہ ہو بلکہ بعد میں ہو) ہیں اور حادث ہر حال میں تبدیل ہونے والا ہے اور حدیث شریف کے عربی متن کے ان الفاظ ''عَلٰی کَثْرَۃِ التَّرْدَا'' کا مفہوم یہ ہے کہ ''قرآنِ کریم کی بار بار تلاوت کرنا، اس پر ایمان لانا، اس کے انوار کی چادروں کے ذریعے خود کو اکمل واَتم طور پر محفوظ کرنا اور اس کے حقائق و اسرار کے کپڑوں سے خود کو ڈھانپ لینا۔''

عجائباتِ قرآن کبھی ختم نہ ہوں گے:

''طریقہ محمدیہ'' کی حدیث پاک میں یہ بھی فرمایا: ''اس (قرآن کریم) کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے۔'' عَجَائِب، عَجِیْبَةٌ یا عَجِیْبٌ کی جمع ہے اس سے مراد وہ حالت ہے جو متعجب شخص کو کسی شے سے حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ تعجب میں ڈالنے والی وہ شے ایک مخفی و پوشیدہ معاملہ سے متصف ہوتی ہے۔''

سوال: تعجب کا بیان کردہ معنی، متعجب شخص کے ساتھ قائم ہے (پس یہ عرض ہوا، جو اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے کسی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے) اور قاعدہ ہے ''اَلْاَعْرَاضُ تَزُوْلُ بِزَوَالِ مَحَالِّهَا '' یعنی اَعراض اپنے محال (یعنی وہ جس سے اعراض قائم ہو) کے زائل ہونے سے زائل ہو جاتی ہیں۔ تو پھر اس بات کا کیا مطلب ہوگا کہ ''اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے'' جبکہ ہر وہ شے جس کے ساتھ یہ وصفِ تعجب قائم ہوگا اس کا ختم ہونا لازمی ہے۔''

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس میں قدیم معنی کے ساتھ قائم وصف کا اعتبار کیا جائے تو اس کا معنی واضح ہے لیکن اگر الفاظ، آواز اور حروف کی صورت میں قائم وصف کا اعتبار کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ان

صورتوں میں لکھا ہوا یہ قرآن مخلوق کے ختم ہونے اور صحف کے اٹھ جانے تک ہمیشہ باقی رہے گا۔ حضرت سیِّدُنا ابن اقبرس رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی اسی جانب اشارہ کیا ہے۔

جنّات کا بیان

قرآن کریم سننے کا شوق:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور پانچویں حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ ''اس قرآن مجید فرقان حمید کو سن کر جنات بھی نہیں تھکتے بلکہ وہ تو کہتے ہیں: ''اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ (پ۲۹، الجن ۱، ۲) ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے۔''

جنّات کون ہیں؟

جنات بھی ایک قسم کی مخلوق ہے اور آنکھوں سے پوشیدہ و مخفی ہونے کی وجہ سے ان کو ''جِنّ'' کہا جاتا ہے۔ (کیونکہ لغت میں جِن کا معنیٰ ''سِتر اور خفا'' ہے۔)[1]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''جنات کے ثبوت میں شروع سے آج تک لوگوں کا اختلاف ہے۔ بڑے بڑے فلاسفہ نے ان کے وجود کا انکار کیا جبکہ انہی کے ایک گروہ نے ان کے وجود کا اعتراف کیا ہے مگر انہوں نے جنات کو سفلی روحوں کا نام دیا اور ان کا گمان ہے کہ جنّات فلکی روحوں سے زیادہ جلدی بات مانتے ہیں مگر یہ کمزور ہوتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مزید فرماتے ہیں: ''جبکہ رسولوں عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور شریعتوں کی اتباع کرنے والے جنّات کے وجود کو مانتے ہیں[2] لیکن ان کی ہیئت اور شکل وصورت کے بارے میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔

---

[1] ......عمدۃ القاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الیمن......الخ، تحت الحدیث: ۳۲۹۵، ج۱۰، ص۶۴۴.

[2] ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِشریعت'' جلد اوّل صَفْحَہ 97 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: ''جِنّات کے وُجود کا انکار یا بدی کی قوّت کا نام جِنّ یا شیطان رکھنا کُفر ہے۔''

جنّات کی شکل وصورت کے متعلق مختلف اقوال:

(۱)......بعض کہتے ہیں کہ ''جنّات، ہوائی حیوان ہیں جو مختلف اشکال بدلتے رہتے ہیں۔''

(۲)......بعض کہتے ہیں کہ ''یہ جواہر ہیں اور ان کا کوئی مخصوص جسم نہیں اور نہ ہی یہ عرض ہیں (یعنی جو اپنا وجود قائم رکھنے کے لئے کسی دوسرے کا محتاج ہو)۔ پھر ماہیئت کے اعتبار سے ان جواہر کی مختلف اقسام ہیں ان میں بعض شریف، مہربان اور بھلائیوں کو پسند کرتے ہیں اور بعض شریر، کمینہ خصلت اور برائیوں کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کی کل کتنی اقسام ہیں۔''

(۳)......ایک قول یہ ہے کہ ''یہ مختلف ماہیئت کے اجسام ہیں۔ مگر ایک صفت کے اعتبار سے متحد و متفق ہیں اور وہ ان کی مخصوص صورت ہے جو لمبائی، چوڑائی اور گہرائی سے متصف ہوتی ہے اور لطیف وکثیف اور علوی وسفلی اجسام میں منقسم ہوتے ہیں اور یہ بات بعید نہیں کہ بعض لطیف ہوائی اجسام اپنی ماہیئت کے اعتبار سے تمام اجسام سے مختلف ہوں، انہیں ایک خاص علم عطا کیا گیا ہو اور وہ ایسے عجیب وغریب اور مشکل ترین کام کرنے کی طاقت رکھتے ہوں جنہیں کرنا عام انسان کے بس کی بات نہ ہو اور جنّات مختلف شکلوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ان کو یہ سب طاقتیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عطا کردہ قدرت سے حاصل ہیں۔''

امام اہلسنّت حضرت سیِّدُنا امام ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۲۴ھ) اور ان کے متبعین جمہور علماء کرام رحمہم اللہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ''تکمیلِ ماہیئت میں تمام اجسام برابر ہوتے ہیں اور حیات کے لئے جسم کی بناوٹ وساخت شرط نہیں۔''[1]

جنّات کی بارگاہِ رسالت میں حاضری:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''اس بات میں روایات مختلف ہیں کہ کیا حضور نبئ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے جنّات کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے دیکھنے کا ثبوت ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۲۶۱ھ) نے اپنی کتاب ''صحیح مسلم'' میں روایت فرمایا ہے۔ جبکہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت میں اس کا انکار ہے جسے امام بخاری

[1] ......تفسیر الخازن، پ۲۹، الجن، تحت الاٰیۃ:۱، ج۴، ص۳۱۵.

(متوفی ۲۵۶ھ) اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما (متوفی ۲۶۱ھ) نے روایت فرمایا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ''حضور نبیٔ رحمت، شفیع امت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے جِنّات کے سامنے قرآن پاک پڑھا نہ انہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ رحمتِ عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایک گروہ میں تشریف لے گئے جو ''بازارِ عکاظ''[1] کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا تھا جبکہ اسی دن شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ حائل کر دی گئی اور انہیں ستارے مارے گئے تو شیاطین اپنی قوم کی طرف بھاگ گئے تو قوم والے بولے ''تمہیں کیا ہوا؟'' بتایا کہ ''ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ حائل ہوگئی ہے اور ہم پر ستارے برسائے گئے ہیں۔'' وہ بولے: ''یہ تو کسی نبی (عَلَیْہِ السَّلَام) ہی کی وجہ سے ہوسکتا ہے جو پیدا ہو چکے ہیں۔ اس لئے تم زمین کے مشرق ومغرب میں پھیل جاؤ اور دیکھو کہ کون ہے جس نے ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ حائل کر دی ہے؟'' تو جِنّات کے ایک گروہ نے حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو تہامہ (ساحل سمندر اور حجاز و یمن کے پہاڑوں کے درمیان واقع جگہ) میں پالیا جبکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ''بازارِ عُکاظ'' کے ارادہ سے مقام نخلہ میں قیام فرما تھے اور اس وقت اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو نمازِ فجر پڑھا رہے تھے۔ تو جب جِنّات نے قرآن پاک کی تلاوت سنی تو مزید شوق سے سننے لگے اور بولے یہی وہ نبی (عَلَیْہِ السَّلَام) ہیں جو ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوگئے ہیں۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ گئے۔''[2]

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ان کے قرآن سننے کا علم ہوا نہ ہی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان سے کلام فرمایا۔ بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو اس بات کی خبر اپنے اس فرمان ذیشان سے بذریعہ وحی دی: ''قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ...الایۃ (پ ۲۹، الجن: ۱) ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ مجھے وحی ہوئی۔''

اور وہ حدیث شریف جسے حضرت سیّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت فرمایا وہ دوسرا واقعہ ہے اور وہ جِنّات بھی اور تھے۔

[1] ......عُکاظ، مقام نخلہ اور طائف کے درمیان زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ایک بازار یا میلے کا نام جس میں عرب لوگ جمع ہو کر شعر وشاعری میں مقابلہ اور ایک دوسرے پر عزت وشرف اور کمالات میں بازی لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ بازار ذیقعدہ کے آغاز سے شروع ہو کر ۲۰ ذیقعدہ تک جاری رہتا تھا۔

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الجهر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن، الحدیث: ۱۰۰۶، ص ۷۴۹.

حاصلِ کلام:

حاصل کلام یہ کہ قرآن مجید اور احادیثِ کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ جنات اور شیاطین اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایک مخلوق ہے جو اپنا وجود رکھتی ہے اور جِنّات جس حالت پر پیدا کئے گئے ہیں احکام شریعت کے مطابق عبادت کرتے ہیں اور ہمارے نبی رحمتِ عالم ،نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم جن و اِنس کی طرف مبعوث ہوئے ہیں لہٰذا جو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے دین میں داخل ہوا وہ گروہِ مؤمنین سے ہے اور دنیا وآخرت نیز جنت میں ان کے ساتھ ہوگا اور جس نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو جھٹلایا وہ شیطان ہے اور مؤمنین کے گروہ سے دُور اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔[1]

سرکار صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے جنّات کو قرآن سنایا:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) مذکورہ آیت مبارکہ کی تفسیر میں اپنی اسناد کے ساتھ حضرت سیِّدُنا علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: ''جِنّات کی بارگاہِ رسالت میں ''حاضری والی رات'' آپ لوگوں میں سے کون کون حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ تھا؟'' تو حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''ہم میں سے کوئی بھی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ نہ تھا واقعہ یوں ہے کہ ہم مکۂ مکرمہ میں تھے، ایک رات ہم نے سرکارِ مدینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو نہ پایا تو ہم نے گمان کیا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم گھنے درختوں کی طرف تشریف لئے گئے ہیں یا پھر جلدی میں کہیں اور تشریف لے گئے ہیں۔'' تو ہم نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو گھاٹیوں میں تلاش کرنا شروع کیا تو ہم نے ''حراء'' نامی وادی میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو پالیا۔ ہم نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟ ہم آپ کے بارے میں ڈر گئے تھے۔'' اور ہم نے حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے یہ بھی عرض کی کہ ''جب ہم نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو نہ پایا تو ہم نے بڑی شر والی رات گزاری اور ساری قوم نے بھی اسی طرح یہ رات گزاری؟'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے ایک جن بلانے آیا تھا اور میں ان کو قرآن پاک سنانے گیا تھا۔''

---

[1]......تفسیر الخازن ، پ۲۹، الجن ، تحت الایۃ:۱، ج٤، ص۳۱۵.

پھر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہم کو لے کر چلے اور ہمیں جنات اور اُن کی آگ کے آثار دکھائے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ ''بہرحال ہم میں سے کوئی بھی اس رات آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ نہ تھا۔''[1]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اِس آیتِ مبارکہ ''وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (پ۲۶، الاحقاف ۲۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے۔'' کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ رحمتِ دوعالم، نورِ مجسّم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ ''وہ جنات کو ڈر سنائیں اور انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین کی طرف دعوت دیں اور ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنائیں۔'' پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف جنّات کا ایک گروہ بھیجا اور وہ ''نینوی'' کے رہنے والے جنات تھے۔ ان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضور نبئ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے جمع فرما دیا تھا (اس وقت) سرور کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جنات کو قرآن مجید پڑھ کر سناؤں۔ تو تم میں کون ہے جو میرے ساتھ آئے؟'' تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین خاموش رہے۔ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے دوبارہ ساتھ چلنے کے بارے میں استفسار فرمایا پھر بھی وہ خاموش رہے اور جب تیسری بار فرمایا تو حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ آ گئے۔

چنانچہ، حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ ''میرے علاوہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ دوسرا کوئی نہ تھا۔ پھر ہم نے چلنا شروع کیا یہاں تک کہ شہرِ مکہ مکرمہ کے اوپر کی جانب پہنچ گئے تو نبئ کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ''شِعْبُ الْحُجُوْن'' نامی ایک وادی میں داخل ہوئے اور میرے لئے ایک دائرہ کھینچ کر حکم ارشاد ہوا کہ میں اس کے اندر ہی بیٹھا رہوں اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے واپس لوٹ آنے تک یہاں سے باہر نہ نکلوں۔''

پھر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تشریف لے گئے یہاں تک کہ جنّات کے درمیان پہنچ گئے۔ پس آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے قرآنِ حکیم کی تلاوت شروع فرما دی اور میں نے دیکھا کہ وہ گدھ کی مثل اڑتے ہوئے پرندے ہیں اور شدید قسم کا شور سُنا حتی کہ مَیں نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے بارے میں خوفزدہ ہو گیا کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو بہت سارے سانپوں نے ڈھانپ لیا تھا جو میرے اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے درمیان حائل ہو گئے تھے حتی

---

[1] ......التاریخ الکبیر للبخاری، باب الجیم، الرقم: ۲۱۹۱ جعفر بن میمون، ج۲، ص۱۸۴ مختصر.

کہ مجھے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی آواز مبارک بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ پھر وہ سب جاتے ہوئے بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے (یعنی جدا جدا) ہونا شروع ہوگئے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم فجر کے وقت ان سے فارغ ہو کر میری طرف تشریف لائے اور مجھ سے استفسار فرمایا: ''کیا سو گئے تھے؟'' میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نہیں سویا۔ مَیں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو مدد کے لئے بلاؤں یہاں تک کہ میں نے سنا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم انہیں عصا مبارکہ سے مارتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے: ''بیٹھ جاؤ۔'' سرکارِ مدینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم یہاں سے باہر نکل جاتے تو تمہارے لئے بہتر نہ ہوتا کہ ان جنات میں سے کوئی تم کو پکڑ لیتا۔

پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم نے کوئی چیز دیکھی؟'' میں نے عرض کی: ''جی ہاں! میں نے کالے رنگ کے کچھ آدمی دیکھے جن پر سفید کپڑے تھے۔'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''وہ نَصِیْبِیْن (نامی جگہ) کے جنّات تھے انہوں نے مجھ سے اپنی خوراک کے متعلق سوال کیا تو میں نے انہیں بتایا کہ ہر خشک ہڈی، گوبر اور مینگنی تمہاری خوراک ہے۔'' انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! لوگ ان چیزوں کو گندہ کر دیتے ہیں۔'' اسی لئے حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے سے منع فرما دیا۔

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! ان میں سے کونسی چیز ان کو زندہ رکھتی ہے؟'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''وہ ہر ہڈی پر اس دن کھایا گیا گوشت پاتے ہیں اور ہر گوبر میں اس دن کھایا گیا دانہ پاتے ہیں۔'' میں نے عرض کی: ''میں نے شدید قسم کا شور بھی سنا؟'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''وہ اپنے درمیان ایک مقتول کے فیصلہ میں جلدی کر رہے تھے انہوں نے مجھ سے فیصلہ کے لئے کہا تو میں نے ان کے درمیان حق فیصلہ کر دیا۔'' [1]

جنّات کی تعداد میں مختلف اقوال:

وہ جنّات جن کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف بھیجا تھا ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ''وہ نَصِیْبِیْن کے 7 جنّات تھے۔ ان کو رحمتِ دو عالم صلَّی اللہ تعالیٰ

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۲۶، الاحقاف، تحت الآیة: ۲۹، ج۴، ص۱۳۰.

علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کی قوم کی طرف قاصد بنا کر بھیج دیا تھا۔''

بعض مفسرین رحمہم اللہ المبین فرماتے ہیں: ''ان جنّات کی تعداد 9 تھی اور یہ بھی مروی ہے کہ 9 میں 4 وہ تھے جنہوں نے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے قرآن مجید سنا۔''

بعض مفسرین نے نقل فرمایا کہ ''وہ جنّات یہودی تھے بعد میں انہوں نے دین اسلام قبول کرلیا۔''

جنّات کی اقسام:

مروی ہے کہ جنّات کی تین اقسام ہیں (۱)......ایک قسم پروں والی ہے جن کے ذریعے وہ ہوا میں اڑتے ہیں (۲)......دوسری قسم ایسی ہے جو سانپوں اور کتوں کی صورت میں ہوتی ہے اور (۳)......تیسری قسم وہ جنات ہیں جو گھومتے پھرتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتے ہیں۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالٰی اجمعین فرماتے ہیں: انسانوں کی طرح جنّات میں بھی کثیر اقوام ہیں ان میں یہود و نصاریٰ، مجوسی اور بتوں کے پوجنے والے بھی ہیں اور ان کی مسلمان قوم میں بد مذہب بھی ہیں مثلاً تقدیر کے منکر اور خَلْقِ قرآن کے قائلین وغیرہ۔ بہرحال علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام جنّات مکلّف ہیں۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سوال ہوا: ''کیا جنات کو بھی ثواب ملتا ہے؟'' تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! ان کے لئے ثواب بھی ہے اور عذاب بھی ہے۔''[1]

چار باتیں اور چار انعام:

''طریقہ محمدیہ'' کی پانچویں حدیث شریف کے آخر میں یہ چار باتیں بھی ارشاد فرمائیں: ''(۱) جس نے قرآنِ مجید کے مطابق بات کہی اس نے سچ کہا (۲) جس نے اس پر عمل کیا اس نے اجر پایا (۳) جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور (۴) جس نے اس کے احکام کی طرف بلایا وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت پا گیا۔''

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) پہلی بات سے مراد یہ ہے کہ ''وہ شخص جس نے ایسی بات کی جو قرآنی احکام، حکمتوں، اسرار، قصص اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہو یا جس نے اپنے تمام ظاہری و باطنی احوال میں قرآن

......تفسیر الخازن، پ۲۶، الاحقاف، تحت الآیۃ: ۲۹، ج۴، ص۱۳۱.

پاک پر اِعتماد و بھروسا کیا تو وہ اپنی تمام باتوں اور اَفعال و اَعمال میں سچا ہے۔'' دوسری بات کا مطلب یہ ہے کہ ''وہ شخص جس نے قرآنِ مجید کے حکم اور اس کی نہی (یعنی روکنے) کے تقاضوں پر عمل کیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی رحمت سے اس کے لئے اَجر و ثواب لکھ دے گا اور اس کے عمل کو کبھی ضائع نہیں فرمائے گا بلکہ اس کے اَجر کو بہت زیادہ بڑھا دے گا۔ ہاں! وہ شخص جو قرآن مجید پر عمل نہیں کرتا اور اپنے نفس کی رائے اور عقل کے تقاضے کے مطابق عمل کرتا ہے اس کے لئے یہ فضیلت بالکل نہیں بلکہ اس کا عمل مردود ہے اور وہ سزا اور عذاب کا مستحق ہے۔'' تیسری بات سے مراد یہ ہے کہ ''وہ شخص جس نے اپنے یا کسی اور کے لئے قرآنِ پاک کے مطابق فیصلہ کیا اس نے حکم لگانے میں عدل و اِنصاف سے کام لیا۔'' اور چوتھی بات سے مراد یہ ہے کہ ''وہ شخص جس نے لوگوں میں کسی کو قرآنِ مجید کی اِتباع، اس کے اَحکام پر عمل، اس کے مواعظ سے نصیحت اور اس میں موجود واقعات اور مثالوں سے عبرت کی طرف بلایا وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت پا گیا اور سیدھا راستہ ہی حق و سچ کا راستہ ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ (پ ٤، ال عمران ۱۰۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رسی کو تھام لے گا اور اس کی حفاظت و پناہ میں آ جائے گا وہ سیدھے راستے یعنی اِسلام کی طرف ہدایت پا جائے گا۔''

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''سیدھے راستے سے مراد واضح راستہ ہے اور وہ حق کا ایسا راستہ ہے جو انسان کو جنت میں پہنچاتا ہے۔''[1]

چھٹی حدیث شریف:

﴿6﴾...... حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''بے شک شیطان اس بات سے مایوس

[1] ......تفسیر الخازن، پ ٤، ال عمران، تحت الآیة: ۱۰۱، ج ۱، ص ۲۸۰.

ہو گیا ہے کہ زمین پر اس کی عبادت کی جائے لیکن اس بات کی اسے اُمید ہے کہ تم اس کے علاوہ ایسے اعمال میں اس کی پیروی کرو گے جن کو تم ہلکا جانتے ہو۔ مَیں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ تم جب تک اس کو تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ قرآن مجید اور میری سنت ہے۔''[1]

(حضرت سیِّدُنا امام حاکم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

مذکورہ حدیث شریف میں خطبہ کا ذکر ہے، حضور نبی کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ خطبہ عَرفہ کے دن دیا تھا۔ امام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''جب ہجرت کا دسواں سال تھا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حج مبارک ادا کیا تھا جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔''

شیطان کی مایوسی:

اس حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا کہ ''شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ زمین پر اس کی عبادت کی جائے۔'' اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ پر ایمان لانے کی برکت سے ہے اور یہاں شیطان کی عبادت سے مراد بتوں کی پوجا ہے۔ یہ اس لئے کہ شیطان بتوں کے اندر داخل ہو کر کلام کرتا تھا تو لوگ ان بتوں کو سجدے کرتے تھے اور دینِ اسلام کے پھیل جانے کے بعد شیطان اہلِ اسلام سے مایوس ہو گیا کہ اب وہ بتوں کی عبادت نہیں کریں جیسا کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں ان کو پوجتے تھے۔ نیز اس بات کی تائید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ،

مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حج کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''آگاہ ہو جاؤ! زمانہ جاہلیت کے تمام کام میرے قدموں کے نیچے ہیں۔''[2]

حضرت سیِّدُنا امام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۱ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''زمانۂ جاہلیت کے اُمور سے مراد وہ نئی باتیں اور طریقے ہیں جو کفار نے حج وغیرہ میں ایجاد کر رکھے تھے اور یہ وہی باتیں تھیں جن کے

[1] ......المستدرك، كتاب العلم، باب خطبته صلی اللہ علیہ وسلم فی حجة الوداع، الحديث: ۳۲۳، ج۱، ص ۲۸۴.

[2] ......صحيح المسلم، كتاب الحج، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الحديث: ۲۹۵۰، ص ۸۸۱، ملتقطًا.

متعلق حضور نبی کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا تھا: ''جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات ایجاد کی جو اس سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''(1)

ہلکے اعمال کا مطلب:

''طریقہ محمدیہ'' کی چھٹی حدیثِ مبارکہ میں یہ بھی فرمایا گیا: ''تم اس کے علاوہ ایسے اعمال میں اس (یعنی شیطان) کی پیروی کرو گے جن کو تم ہلکا جانتے ہو۔'' یہاں اعمال کو ہلکا جاننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعمال جن کو تم بڑے اعمال شمار نہیں کرتے جیسا کہ ''واقعہ اِفک'' کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ (پ۱۸، النور ۱۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے منہ سے وہ نکالتے تھے جس کا تمہیں علم نہیں اور اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔

امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''مطلب یہ کہ تم ایسا کلام کرتے ہو جو فقط زبان پر ہے حالانکہ دلی طور پر تم اس کو نہیں جانتے ہو جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان مبارک میں ہے: ''یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ (پ۴، ال عمران ۱۶۷) ترجمۂ کنزالایمان: اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔'' تو تم اس عمل کو ہلکا جانتے ہوئے کر گزرتے ہو حالانکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اور عذاب کا سبب ہے۔(2)

لہٰذا اس بات سے بچو کہ اعمال سے کسی چیز کو حقیر سمجھ بیٹھو بے شک گناہ کو ہلکا سمجھنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اس گناہ کے بڑے ہونے کا باعث ہے۔ یہاں تک کہ علمائے کرام صغیرہ وکبیرہ گناہ کے فرق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''انسان جس گناہ کو چھوٹا سمجھتا ہے وہ بڑا ہے اور جس گناہ کو بڑا سمجھتا ہے وہ چھوٹا ہے۔''

قرآن وسنت حقیقت میں ایک ہیں:

نیز چھٹی حدیث مبارکہ میں ''قرآن وسنت'' کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کا فرمایا گیا۔ قرآن اور سنت بظاہر تو دو

1 ......المسند للامام احمد حنبل، مسند السیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا، الحدیث: ۲۶۰۹۲، ج ۱۰، ص ۸۲.

2 ......تفسیر البیضاوی، النور، تحت الایۃ: ۱۵، ج ۴، ص ۱۷۸.

چیزیں ہیں مگر حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں کیونکہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے فرامین بھی وحیِ الٰہی (یعنی وحیِ خفی) ہیں۔ چنانچہ، شیخ عبدالرء وف مناوی علیہ الرحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۱۰۳۱ھ) جامع الصغیر کی شرح (فیض القدیر) میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حدیث قدسی اور قرآن پاک میں فرق ہے قرآن وہ لفظِ مُنَزَّل (یعنی نازل کیا ہوا) جو کسی شے کے اعجاز کے لئے آئے، اور حدیثِ قدسی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا اپنے نبی صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو الہام یا خواب کے ذریعے کسی معنی کی خبر دینا ہے۔ پس حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اس معنی کو اپنے لفظوں کے ساتھ بیان فرماتے ہیں جبکہ دیگر احادیث مبارکہ کو خواب والہام کی طرف منسوب نہیں فرماتے اور نہ ان کو کسی اور کی طرف سے روایت فرماتے ہیں۔ لہٰذا قرآن پاک کا رتبہ احادیث مبارکہ سے بلند ہے اور حدیث قدسی فرمانِ الٰہی ہونے کی وجہ سے دوسرے درجہ میں ہے اور اگرچہ زیادہ تر فرشتے کے واسطے کے بغیر ہوتی ہے کیونکہ اس سے مقصود معنی ہوتا ہے نہ کہ لفظ جبکہ قرآن پاک میں لفظ ومعنٰی ایک ساتھ مقصود ہوتے ہیں۔ اسے حضرت سیِّدُنا امام حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۴۳ھ) نے بیان کیا۔ [1]

نیز ارشاد باری تعالٰی ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰىۙ ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰىۚ ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰىۙ ﴿۴﴾ (پ۲۷، النجم ۱ تا ۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

حضرت سیِّدُنا امام قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی ۹۲۳ھ) ''اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّيَّة'' میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت ارشاد فرماتے: ''غور کیجئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ''مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ یعنی تمہارے صاحب نہ بہکے۔'' ارشاد فرمایا۔ یہ ارشاد نہ فرمایا کہ ''مَا ضَلَّ مُحَمَّد یعنی محمد نہ بہکے۔'' یہ ان لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لئے تاکید ہے کہ میرے محبوب نبی صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ان کے صاحب ہیں (یعنی ان کے ساتھ رہنے والے ہیں) اور وہ لوگ بھی رحمتِ عالم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اخلاق، احوال، اقوال اور اعمال کو سب سے زیادہ جانتے ہیں اور انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ آپ صَلَّی اللہ

---

[1] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ٦٠٦٩، ج٤، ص ٦٥٢.

تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جھوٹ نہیں بولتے، نہ بے راہ روی کا شکار ہیں اور نہ ہی سیدھی راہ سے الگ ہیں اور وہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر ایک بات کا بھی عیب نہیں لگا سکتے پس اسی بات پر تنبیہ کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ (پ۱۸، المؤمنون:۶۹) ترجمۂ کنزالایمان: یا انہوں نے اپنے رسول کو نہ پہچانا۔''

پھر یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پیارے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک کلام کو اس چیز سے پاک فرمایا کہ اپنی خواہش کے مطابق کچھ بولیں اور ارشاد فرمایا: ''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ یعنی اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔'' اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یوں نہ فرمایا: ''وَمَا یَنْطِقُ بِالْهَوٰى یعنی اور وہ کوئی بات خواہش کے ساتھ نہیں کرتے۔'' اور یہ اس لئے کہ خواہش '' سے'' کلام کرنے کی نفی، خواہش '' کے ساتھ'' کلام کرنے کی نفی سے زیادہ بلیغ ہے۔ تو یہ اس بات کو شامل ہے کہ ان کا کلام خواہش سے صادر ہی نہیں ہوتا اور جب خواہش سے صادر نہیں ہوتا تو پھر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم خواہش کے ساتھ کلام کیونکر فرمائیں گے پس دونوں باتوں کی نفی (یعنی کلام کے نکلنے کی جگہ سے خواہش کی نفی اور ذاتی طور پر بولنے کی نفی) اس بات کو شامل ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا کلام حق و سچ اور رشد و ہدایت ہے نہ کہ گمراہی۔ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى'' اس میں ''ھو'' کی ضمیر ''النطق'' کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہوں گے: ''ان کا کلام صرف وحی ہی ہے۔'' اور اس ''ھو'' کی ضمیر کو ''النطق'' کی طرف لوٹانا ''قرآن پاک'' کی طرف لوٹانے سے زیادہ اچھا ہے۔ اس لئے کہ ان کا کلام قرآن وسنت ہی ہے اور یہ دونوں وحی ہیں۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری۔

(پ۵، النساء:۱۱۳)

مذکورہ آیت مبارکہ میں ''کتاب'' سے مراد قرآن مجید ہے اور ''حکمت'' سے مراد سنت ہے۔

حضرت سیِّدُنا امام ابو عمرو عبد الرحمٰن بن عمرو اوزاعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۱۵۷ھ) حضرت سیِّدُنا حسان بن عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ ''حضرت سیِّدُنا جبرئیل امین عَلَیْہِ السَّلَام، حضور نبی کریم، رءوف رّحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس جس طرح قرآن مجید کی وحی لے کر آتے تھے اسی طرح سنت کی وحی لے کر آتے تھے۔'' وہ آپ کو سنت

بتاتے تھے۔ [1]

ساتویں حدیث شریف:

﴿7﴾......امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم سے مروی ہے کہ سلطانِ مکہ مکرمہ، سردارِ مدینہ منورہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جس نے قرآنِ مجید پڑھا اور اسے حفظ کیا۔ اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس افراد کے حق میں اُس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن پر (گناہوں کے سبب) جہنم واجب ہو چکا تھا۔'' [2]

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث مبارکہ میں قرآنِ حکیم کو حفظ کرنے کا ذکر ہے۔ پورا قرآن مجید حفظ کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ (سیدی عبدالغنی نابلسی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے والدِ ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد نے اپنی کتاب ''اَلْاَحْکَام'' میں ارشاد فرمایا: ''اتنا قرآن مجید حفظ کرنا فرضِ عین ہے جس سے نماز درست ہو سکے اور سورۂ فاتحہ اور ایک سورۃ (جس میں کم از کم تین آیات ہوں) کا حفظ کرنا واجب ہے اور پورے قرآن مجید کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے۔''

قرآنِ پاک ہم سب کو اٹھائے گا:

حضرت سیِّدُ نا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) اپنے شیخ حضرت سیِّدُ نا ابو جعفر علیہ رحمۃ اللہ الاکبر کا ایک واقعہ اپنی کتاب ''رُوْحُ الْقُدُس'' میں نقل فرماتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نابینا تھے۔ ایک مرتبہ میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر آیا۔ اس نے سلام کیا اور اپنے بیٹے کو بھی سلام کرنے کو کہا۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی: ''میرا یہ بیٹا قرآن پاک اٹھانے والوں میں سے ہے اور اسے حفظ کر رہا ہے۔'' یہ سن کر حضرت سیِّدُ نا ابو جعفر علیہ رحمۃ اللہ الاکبر کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک زوردار چیخ ماری اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور ارشاد فرمایا: ''قدیم کو حادث اٹھائے گا؟ قرآن پاک

---

[1] ......المواهب اللدنية للقسطلانی، المقصدالسادس، الفصل الثالث، ج۲، ص ٤٤١.

[2] ......جامع الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل قارئ القرآن، الحدیث: ۲۹۰۵، ص۱۹٤۳.

تیرے بیٹے اور ہم سب کو اٹھائے گا اور وہ ہی تیرے بیٹے اور ہماری حفاظت فرمائے گا۔'' یہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقامِ حضوری تھا۔

قرآن کے حلال کو حلال جاننے کا مطلب:

''طریقہ محمدیہ'' کی ساتویں حدیث شریف میں فرمایا گیا ''اس (قرآن مجید) کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام جانا'' اس سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کو قرآن حکیم نے حلال قرار دیا اور جن چیزوں کے حرام ہونے کا حکم دیا ہے ان پر اعتقاد رکھے اور ان احکامات پر عمل بھی کرے اور اگر کوئی ان کا اعتقاد تو رکھے مگر ان پر عمل نہ کرے اس طور پر کہ حلال کو چھوڑے اور حرام پر عمل کرے تو ایسا شخص فاسق ہے اور اگر سرے سے ہی حلال کے حلال ہونے اور حرام کے حرام ہونے کا اعتقاد نہ رکھے تو ایسا شخص کافر ہے۔ جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

باعمل حافظِ قرآن جنتی ہے:

حافظِ قرآن کو قرآن مجید پڑھنے اور یاد کرکے اس پر عمل کرنے کی بدولت جنت عطا کی جائے گی یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو اور اگر وہ مرنے سے پہلے **مَعَاذَ اللّٰہ** شقی (یعنی کافر) ہوگیا تو اس کا حفظِ قرآن اور اس پر عمل کرنا اسے فائدہ نہ دے گا (بلکہ ایمان برباد ہونے کی صورت میں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا)۔ یہ صرف ایک احتمال ہے اس کی وجہ سے جو بات حقیقتاً ثابت ہے اسے ترک نہیں کیا جائے گا اور وہ یہ کہ جو جیسا ہے، اس پر باقی رکھا جائے (یعنی حفظِ قرآن و عمل بالقرآن پر جنت میں داخلہ ملے گا)

گھر والوں سے مراد:

''طریقہ محمدیہ'' کی ساتویں حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ''وہ حافظِ قرآن (یعنی قرآن پاک پر عمل کرنے والا) اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔'' اب چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں اور اس سے مراد اُس کے گھر والے ہیں جیسے اس کے بیٹے، دادا، پردادا اور اس کی زوجہ نیز ہر وہ شخص جو اس کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہو جیسا کہ فقہائے کرام نے کتاب الوقف میں صراحت فرمائی ہے۔ چنانچہ،

فقہائے کرام فرماتے ہیں: ''اگر کسی نے یہ کہا کہ میں (فلاں چیز) اپنے گھر والوں پر وقف کرتا ہوں۔'' تو اس

وقف میں واقف کا باپ، اس کا صلبی بیٹا، ہر وہ شخص جو باپ کی طرف سے اس کا رشتے دار ہو اور اس کے بیٹوں کی اولاد داخل ہوگی اور اس میں ماں کی طرف کے رشتے دار داخل نہیں ہوں گے کیوں کہ ہر شخص کی شناخت باپ کی قوم سے ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف سے۔'' اور جہاں تک بیٹیوں کی اولاد کا معاملہ ہے اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے ''عُمْدَۃُ الْاَحْکَام'' کی شرح میں لکھا ہے۔

نیز ساتویں حدیث شریف میں بیان ہوا کہ حافظِ قرآن اپنے گھر والوں میں سے ایسے دس افراد کی شفاعت کرے گا جن پر جہنم واجب ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے گناہ کئے اور بغیر توبہ کئے مر گئے۔ نہ کہ کفر کی وجہ سے جہنم واجب ہوا کیونکہ کافروں کو شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

قبر کا رفیق

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **54** صفحات پر مشتمل کتاب، ''**نصیحتوں کے مدنی پھول بوسیلۂ احادیث رسول**'' صَفْحہ **51** پر ہے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: **اے ابن آدم!** نیکی کر کیونکہ یہ جنت کی چابی ہے اور اُسی کی طرف رہنمائی کرے گی۔ برائی سے اجتناب کر کیونکہ یہ جہنم کی چابی ہے اور اُسی کی طرف لے جائے گی۔

اے ابن آدم! یہ بات اچھی طرح جان لے! کہ خرابی پر تجھے تنبیہ (کی جاتی) ہے۔ بے شک تیری عمر خراب ہونے کے لئے، جسم مٹی کے لئے، اور جو کچھ تو نے جمع کیا ہے وہ وُرثا کے لئے اور عیش و آرام دوسروں کے لئے ہے جب کہ حساب و کتاب تجھ پر لازم اور سزا و ندامت تیرے لئے ہے اور ''**قبر میں تیرا رفیق**'' صرف تیرا عمل ہی ہے لہٰذا تُو خود اپنا محاسبہ کر قبل اس سے کہ تیرا محاسبہ کیا جائے۔ میری اطاعت کو لازم کر لے، میری نافرمانی سے رُک جا اور میری عطا پر راضی ہو کر شکر گزاروں میں سے ہو جا۔

(مجموعۃ رسائل الامام الغزالی، المواعظ فی الاحادیث القدسیۃ، ص۵۷۷)

پہلی فصل (نوعِ ثانی):

سنت پر عمل کا بیان

سنت کی تعریف:

حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے قول، فعل اور تقریر (یعنی کسی عمل پر سکوت فرمانے) کو سنت کہتے ہیں۔

سنت پر عمل کے متعلق (17) آیات مبارکہ

یہاں سنت کی ضرورت اور اس پر عمل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی مختلف سورتوں سے 17 آیاتِ بیّنات ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی آیتِ مبارکہ:

﴿1﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ (پ۳، اٰل عمران ۳۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

یہ آیت طیبہ یا تو ان یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو (معاذ اللہ عَزَّوَجَلَّ) یہ کہتے تھے کہ ''ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بیٹے ہیں اور اس کے دوست ہیں۔'' یا پھر یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ میں تھے اور انہوں نے وہاں اپنے بت نصب کر کے بتوں پر شتر مرغ کے انڈے رکھے ہوئے تھے اور اُن کے کانوں میں بالیاں پہنائی ہوئی تھیں اور وہ ان کو سجدے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ، مکی مدنی سلطان، رحمتِ عالمیان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں بتوں کو پوجتے دیکھا تو ان کے پاس تشریف لے جا کر ارشاد فرمایا: ''اے گروہِ قریش! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! تم اپنے باپ حضرت ابراہیم واسماعیل عَلَیْہِمَا السَّلَام کی مخالفت کر رہے ہو۔'' تو قریش والوں نے کہا کہ ''ہم تو ان بتوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قریب کر دیں تو یہ آیت

نازل ہوئی۔''اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں ایک قول تفسیر خازن میں یہ بھی ہے کہ نجران کے عیسائی کہتے تھے کہ ''ہم جو کچھ حضرت عیسٰی (عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام) کے متعلق کہتے ہیں (کہ وہ ''معاذاللہ'' خداعَزَّوَجَلَّ کے بیٹے ہیں) یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت اوراس کی تعظیم کے لئے کہتے ہیں۔''تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ مذکورہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی۔[1]

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی تعظیم واتباع:

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس حصہ آیت ''فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ یعنی میرے فرمانبردار ہوجاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔'' کی تفسیر میں ارشادفرماتے ہیں:''اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہاری طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کا رسول ہوں اورتم پراس کی حجت ہوں اور بتوں کے بجائے مَیں اس بات کا زیادہ حق دار ہوں کہ تم میری تعظیم کرو۔''

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:''آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع اس لئے ضروری ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی نبوت چونکہ دلائل ظاہرہ اورمعجزات باہرہ سے ثابت ہو چکی ہے اس لئے تمام مخلوق پر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع واجب ہے۔اس اعتبار سے اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ''اے محبوب! تم فرمادو:''لوگو! اگرتم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کے دعوے میں سچے ہو،اس کے احکام کی پیروی میں پکے ہواوراس کے مطیع وفرمانبردار ہوتو میری اتباع کرو۔پس میری اتباع، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت اوراس کی اطاعت ہی میں سے ہے۔''[2]

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''محبت کہتے ہیں کسی چیز میں کمال کو پاکر نفس کا اس کی طرف مائل ہونا اس حیثیت سے کہ یہ کمال اس کو محبوب کے قریب کردے گا اور بندہ جب یہ بات جان لیتا ہے کہ کمالِ حقیقی صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے لئے ہے اوراسی کی ذات میں ہے اوروہ شخص جس قدر کمال اپنے اندر یا کسی غیر میں دیکھ رہا ہے وہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے ہے تو پھر وہ بندہ فقط اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے لئے لوگوں سے محبت کرتا ہے اور یہ بات اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت اوراُس کا قرب بخشنے والی چیز کی رغبت کا تقاضا کرتی ہے۔اسی لئے محبت کی تفسیر ''اطاعت کا ارادہ کرنے'' سے کی گئی ہے اور اس محبت کو رسولِ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ

[1] ......تفسیر الخازن ،پ۳، ال عمران ، تحت الایۃ: ۳۱، ج۱ ، ص ۲۴۳ .

[2] ......المرجع السابق.

وسلَّم کی سنتوں میں اتباع کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔‘‘ [1]

محبت کیا ہے؟

حضرت سیِّدُنا شیخ احمد بن محمد قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) صاحب مدارج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ ’’جان لیجئے! محبت ایک ایسی منزل ہے جس میں رغبت کرنے والے رغبت کرتے ہیں...... عمل کرنے والے اسی کی طرف لوٹتے ہیں......، پس یہ دلوں کی خوراک......، روحوں کی غذا...... اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے......، یہی وہ زندگی ہے کہ اس سے تہی داماں شخص مُردوں میں شمار ہوتا ہے......، یہی وہ نور ہے کہ جس نے اسے کھو دیا وہ اندھیروں کے سمندر میں ہے......، اور ایسی شفا ہے کہ اس سے محروم رہنے والے کے دل میں تمام بیماریاں ڈیرہ ڈال لیتی ہیں......، یہ ایسی لذّت ہے کہ جو اسے پانے میں کامیاب نہ ہوا اس کی ساری زندگی غموں اور تکالیف کے ساتھ گزرتی ہے......، اور یہ محبت ایمان، اعمال، مقامات اور احوال کی روح ہے کہ اگر یہ ان تمام چیزوں سے نکل جائے تو ان کی حیثیت اس جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو......، اور یہ محبت کسی شہر کی طرف بڑھنے والوں کے بوجھ کو اٹھاتی ہے کیونکہ وہ سخت مشقت جھیلے بغیر وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے......، یہی محبت ان کو ایسی منازل تک پہنچاتی ہے کہ وہ اس کے بغیر کبھی بھی ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے......، یہ محبت ان کو سچ کی مجلسوں سے ایسے مقامات کی طرف لے جاتی ہے کہ اگر یہ نہ ہوتی تو وہ کبھی ان مقامات میں داخل نہ ہو سکتے......، بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مخلوق کی تقدیر کو بنایا تو اپنی مشیئت وحکمتِ کاملہ سے اس بات کو مقرر فرما دیا کہ انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ واہ! یہ محبت، محبت کرنے والوں پر کتنی وسیع نعمت ہے......، تو ایک قوم سعادت کی طرف سبقت کر گئی حالانکہ وہ اپنے بستروں پر سوئے ہوئے ہیں...... نیز وہ سوار ہونے والوں سے کئی مراحل آگے چلے گئے حالانکہ وہ اپنے سفر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

مزید ارشاد فرماتے ہیں: علمائے کرام نے محبت کی تعریف میں اختلاف کیا ہے اور اس بارے میں اگرچہ ان کی عبارات کثرت سے ہیں مگر یہ اختلاف اقوال کا ہے احوال کا نہیں اور ان میں سے اکثر اقوال کا تعلق نتیجہ سے ہے حقیقت سے نہیں۔

---

[1] ......تفسیر البیضاوی، آل عمران، پ۳، تحت الآیة: ۳۱، ج۲، ص ۲۷.

بعض محققین فرماتے ہیں: ''اہل معرفت کے ہاں محبت کی حقیقت ان علوم میں سے ہے جن کی تعریف ممکن نہیں۔ اس لئے محبت کی پہچان اسی شخص کو ہوتی ہے جسے یہ حاصل ہو جائے اور اس کو لفظوں سے تعبیر کرنا ممکن نہیں۔''

محبت کی چند تعریفات:

یہ چند تعریفات ہیں جو محبت کے بارے میں اس کے آثار و شواہد کے اعتبار سے بیان کی گئی ہیں:

(۱)......محبوب حاضر ہو یا غائب ہر حال میں اس کی موافقت کرنا اور یہ محبت کا تقاضا ہے۔

(۲)......محبّ کا اپنی صفات کو ختم کر دینا اور اپنی ذات کو باقی رکھنا اور یہ محبت میں فنائیت کا درجہ ہے۔ یہ یوں کہ محبّ کی صفات مٹ جائیں اور اپنے محبوب کی ذات وصفات میں فنا ہو جائیں۔

(۳)......حضرت سیِّدُنا ابو یزید علیہ رحمۃ اللہ المجید فرماتے ہیں: ''اپنی طرف سے زیادہ کو تھوڑا اور محبوب کی جانب سے تھوڑے کو زیادہ خیال کرنا۔''[1]

یہ قول بھی محبت کے احکام، لوازم اور شواہد میں سے ہے اس طرح کہ اگر سچا محبّ اپنے محبوب پر ہر وہ شئے خرچ کر دے جس پر قدرت رکھتا تھا پھر بھی اسے تھوڑا سمجھے اور اس سے حیا کرے اور اگر اپنے محبوب کی طرف سے تھوڑی سی بھی شے ملے تو اسے زیادہ سمجھے اور اس کی تعظیم کرے۔

(۴)......اپنی معمولی خطا کو بڑی اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو کم سمجھے۔'' یہ پہلی تعریف سے قریب ہے مگر یہ محبّ یعنی محبت کرنے والے کے ساتھ خاص ہے۔

(۵)......حضرت سیِّدُنا سہل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اطاعت کو اپنانا اور مخالفت کو چھوڑ دینا محبت ہے۔''[2] اس کا تعلق بھی محبت کے حکم اور تقاضے سے ہے۔

(۶)......حضرت سیِّدُنا ابو عبداللہ قرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''تو اپنا سب کچھ اپنے محبوب کو دے دے اور تیرے لئے کچھ بھی نہ بچے۔''[3]

یہ بھی محبت کے احکام اور تقاضوں سے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ تو اپنے ارادوں، عزائم، افعال، جان ومال

[1] ......الرسالة القشيرية، باب المحبة، ص ۳۵۰.
[2] ......المرجع السابق.
[3] ......المرجع السابق، ص ۳۵۱.

اور اپنا وقت سب کچھ اپنے محبوب کے سپرد کر دے اور یہ سب اس کی مرضی کے تابع کر دے اور ان میں سے اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھے سوائے اس چیز کے جو تجھے تیرا محبوب دے اور وہ بھی محبوب ہی کے لئے لو۔

(۷)......دل سے اپنے محبوب کے علاوہ ہر کسی کی یاد کو مٹا دے۔ یہ کمال محبت کا تقاضا ہے۔

(۸)......حضرت سیِّدُنا شیخ ابوبکر شبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۳۳۴ھ) فرماتے ہیں: ''تجھے اپنے محبوب کے متعلق یہ غیرت ہو کہ تجھ جیسا آدمی اس سے محبت کرتا ہے۔''[1] اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو حقیر جانے اور کمتر سمجھے۔ یا یہ سمجھے کہ تجھ جیسا شخص اس محبوب سے محبت کرنے والوں میں سے ہے۔

(۹)......محبوب کے ماسوا سے غیرت کے سبب اور محبوب سے ہیبت کی وجہ سے آنکھوں کو جھکائے رکھے۔

پس اپنے دل کو کمالِ محبت کے باوجود اپنے محبوب سے پھیر لینا محال کی طرح ہے۔ لیکن جب محبت غالب ہو اس وقت اس طرح کا کام ہو جاتا ہے اور یہ ایسی محبت کی علامات ہیں جو ہیبت و تعظیم کے ساتھ ملی ہو۔

(۱۰)......حضرت سیِّدُنا جنید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۲۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا حارث محاسبی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۴۳ھ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''تمہارا مکمل طور پر کسی چیز کی طرف مائل ہونا پھر اس کو اپنے نفس، روح اور مال پر ترجیح دینا پھر ظاہر و باطن میں اس کی موافقت کرنا اور پھر بھی سمجھنا کہ تم نے اس کی محبت میں کوتاہی کی ہے۔''[2]

(۱۱)...... یہ ایک ایسا نشہ ہے کہ اس میں مبتلا شخص محبوب کے مشاہدے یعنی دیکھنے سے ہی ہوش میں آتا ہے اور پھر بوقتِ مشاہدہ جو نشہ ہوتا ہے اس کا وصف بیان نہیں ہوسکتا۔

(۱۲)......دل، محبوب کی طلب میں سفر کرتا رہے اور زبان ذکرِ محبوب سے تر رہے کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو جس سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

(۱۳)......''انسان کا اس چیز کی طرف مائل ہونا جو اس کے موافق ہو جیسا کہ حسین صورتوں اور اچھی آوازوں سے محبت کرنا اور اس کے علاوہ دیگر لذتیں کہ کوئی طبع سلیم ان سے موافقت کے سبب یا کسی حِس کے ذریعے ان

---

[1] ......الرسالۃ القشیریۃ ، باب المحبۃ ، ص ۳۵۱.

[2] ......المرجع السابق ،ص۳۵۳.

کاادراک کر کے حصولِ لذّت کے سبب ان کی طرف مائل ہونے سے خالی نہیں ہوتی ۔یا محبت کبھی محبوب کی طرف سے احسان اورانعام ملنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔جیسا کہ امام ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۳۰ھ) نے حلیۃ الاولیاء میں اورامام ابوشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا:''دل،فطری طور پراس سے محبت کرتے ہیں جوان پراحسان کرے۔''[1]

پس جب انسان اُس شخص سے محبت کرتا ہے جوایک یادومرتبہ دنیامیں اس پرایسی شے کااحسان کرے جوفانی اور ختم ہونے والی ہے یاوہ عطااس کوعارضی ہلاکت یاضرر سے بچائے،توپھراس سے محبت کے بارے میں تیراکیاخیال ہے؟جس نے انسان پرایسی''عطا''فرمائی جونہ ختم ہوگی اورنہ ہی اسے زوال ہےاوروہ عطااسے اُس دردناک عذاب سے بچائے گی جوغیرفانی اورنہ ٹلنے والا ہے۔''[2]

مقدس جوارِرحمت میں جگہ:

حضرت سیِّدُناامام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ آیت مبارکہ کے حصے'' وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ؕ یعنی اوراللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔'' کی تفسیرمیں ارشادفرماتے ہیں:''اس سے مرادیہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم سے راضی ہوجائے گااورتمہاری تمنا سے بھی بڑھ کرتمہارے دلوں سے پردوں کو ہٹادے گاپس وہ تم کواپنی عزت والی بارگاہ کاقرب بخشے گااورتم کواپنے مقدس جوارِرحمت میں جگہ عطافرمائے گا۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزیدارشادفرماتے ہیں: ''اس طرح کا کلام فرمانا بھی ایک اندازِمحبت ہے۔''[3]

دوسری آیتِ مبارکہ:

﴿2﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشادفرماتا ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ (پ۳،اٰل عمران ۳۲)

ترجمۂ کنزالایمان:تم فرمادوکہ حکم مانواللہ اوررسول کاپھراگروہ منہ پھیریں تواللہ کوخوش نہیں آتے کافر۔

---

[1] ......حلية الاولياء ،خيثمة بن عبد الرحمن،الحديث:٥٠١٨،ج٤، ص١٣٠.

[2] ......المواهب اللدينة للقسطلانى ،المقصد السابع ، الفصل الاول،ج٢،ص ٤٧٥ تا ٤٧٨ .

[3] ......تفسير البيضاوى ، پ٣ ، ال عمران ، تحت الاية: ٣١،ج٢،ص٢٨ .

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) نقل فرماتے ہیں اس آیت مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ اس سے پہلے ذکر کردہ آیت طیبہ ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ...الآیۃ'' جب نازل ہوئی تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ''محمد (صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) نے اپنی اطاعت کو اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کی اطاعت کی طرح بنالیا ہے اور جیسی محبت عیسائیوں نے (حضرت) عیسٰی ابن مریم (عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) سے کی تھی یہ بھی اپنے لئے ویسی ہی محبت کا ہمیں حکم دیتے ہیں۔'' تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔''

اطاعت مکمل نہیں ہوسکتی:

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ ''اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ یعنی حکم مانو اللہ اور رسول کا۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کا تعلق نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت کے ساتھ ہے۔ اس لئے حضور رحمتِ دوعالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی نافرمانی کے ہوتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت مکمل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام محمد بن ادریس شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''ہر امر و نہی جو سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے (قطعی طور پر) ثابت ہو وہ فرض و لازم ہونے میں ایسے ہی ہے گویا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن مجید میں اس کا حکم دیا یا اس سے منع فرمایا۔''

حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ارشاد فرمایا: ''اس کا معنی یہ ہے گویا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک تمہارا (حضرت) محمد مصطفٰی (صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) کی اطاعت کرنا میری ہی اطاعت کرنا ہے پس اگر تم میری اطاعت کرو اور میرے محبوب نبی (صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) کی نافرمانی، تو میں تمہاری اس اطاعت کو ہرگز قبول نہ کروں گا۔''[1]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) مذکورہ آیت مبارکہ کے حصے ''فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی پھر اگر وہ منہ پھیریں۔'' کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت سے اعراض کیا۔''[2]

---

[1] ......تفسیر الحازن، پ۳، ال عمران، تحت الایۃ: ۳۲، ج۱، ص ۲۴۳.
[2] ......المرجع السابق.

رضائے الٰہی سے محروم:

حضرت سیِّدُ ناامام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ آیت مبارکہ کے حصے ''فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ یعنی تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔'' کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان سے راضی ہوگا نہ ہی ان کی کسی قسم کی تعریف فرمائے گا اور یہاں عمومیت یعنی تمام کو شامل کرنے کے ارادے سے ''لَا یُحِبُّهُمْ'' نہیں فرمایا (لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ فرمایا گیا) اور اس حیثیت سے اعراض کرنے یعنی پھر جانے پر حکم کفر اس لئے ہے کہ اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کی نفی ہوتی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت، مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ [1]

اطاعت مصطفٰی پر دو احادیث:

حضرت سیِّدُ ناامام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) نے اس آیت مبارکہ کے تحت درج ذیل دو احادیث طیبہ نقل فرمائی ہیں:

(۱)......حضرت سیِّدُ نا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان عالیشان ہے: ''میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی: ''انکار کرنے والا کون ہے؟'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔'' [2]

(۲)......حضرت سیِّدُ نا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی اور جس نے ''امیر'' کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔'' [3]

---

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ۳، آل عمران، تحت الایۃ: ۳۲، ج۲، ص۲۸.

[2] ......صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الحدیث: ۷۲۸۰، ص ۶۰۶.

[3] ......صحیح البخاری، کتاب الجھاد، باب یقاتل من وراء الامام، یتقی بہ، الحدیث: ۲۹۵۷، ص ۲۳۸۔
تفسیر الخازن، پ۳، آل عمران، تحت الایۃ: ۳۲، ج۱، ص۲۴۳.

تیسری آیتِ مبارکہ:

﴿3﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ (پ ٤، ال عمران: ۱۳۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ و رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کیے جاؤ۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے جس کام کے کرنے کا حکم دیا اسے کرو اور جس سے منع فرمایا اس سے رک جاؤ اور رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت کرو گے تو تم پر رحم کیا جائے اور تم عذاب سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ کیونکہ حضور نبیٔ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی نافرمانی کے ہوتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کرنا، اطاعت ہی نہیں۔'' (1)

چوتھی آیتِ مبارکہ:

﴿4﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (پ ٤، ال عمران ١٦٤)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

---

1 ......تفسیر الخازن، پ ٤، تحت الآیة: ۱۳۲، ج ۱، ص ۳۰۰.

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

مذکورہ آیت طیبہ میں بعثتِ رسول کو مؤمنین پر احسان وانعام سے تعبیر فرمایا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے رسول کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو مبعوث فرمایا جو ان کو ایسی دعوت کی طرف بلاتے ہیں جو ان کو بڑے عذاب سے بچائے گی اور جنت نعیم میں ثواب کی طرف پہنچائے گی۔[1]

تمام قبائل سے افضل واشرف قبیلہ:

چوتھی آیت مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ ''رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی انہیں میں سے ایک رسول''یہاں رسول اَکرم، نورمجسم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے انہی میں سے ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ اشراف قریش میں سے ہیں اس لئے کہ آپ کا قبیلہ عرب کے تمام قبائل سے افضل واشرف ہے یا پھر مراد یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم عربی ہیں تا کہ عرب والے آپ کا کلام آسانی سے سمجھ جائیں اور جو باتیں ان پر لازم ہیں وہ آسانی سے سیکھ جائیں اور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے تمام احوال وافعال پر واقف ہوکر آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سچائی وامانت کو جان جائیں اور یہ قول آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تصدیق کرنے اور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر بھروسہ کرنے میں زیادہ قوی اور اقرب ہے اور انہی میں سے ہونا یہ قریش کے لئے عزت وشرف کا باعث بھی ہے۔[2]

بعض مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ''آیت میں جو مؤمنین کا لفظ ہے اس سے تمام مسلمان مراد ہیں اور (اس صورت میں)''مِنْ اَنْفُسِهِمْ'' کا مفہوم یہ ہے کہ ''مسلمانوں میں ایک ایسا رسول بھیجا جو نسبی اعتبار سے نہیں بلکہ ایمان اور شفقت کے اعتبار سے ان ہی میں سے ہے اور ان ہی کی جنس ہے یعنی نہ تو فرشتہ ہے اور نہ ہی بنی آدم کے علاوہ کسی اور مخلوق سے ہے اور فرماتے ہیں کہ ''مِنْ اَنْفُسِهِمْ'' سے مراد یہ ہے کہ وہ رسول صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم، حضرت سیِّدُنا اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اولاد میں سے ہیں۔

آمدِ مصطفٰی نعمتِ خدا:

مذکورہ آیت مقدسہ میں ارشاد فرمایا گیا''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ''

---

[1] ......المرجع السابق، تحت الآیة: ۱٦٤، ص ۳۱۸.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ٤، ال عمران، تحت الایة: ۱٦٤، ج۲، ص۱۱۱.

یعنی بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا'' حضور نبئ اکرم، نورِ مجسم، شاہِ آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اس دنیا میں جلوہ گری کا مسلمانوں کے لئے احسان اور نعمت ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

(۱)......آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی آمد کے نعمت ہونے کی ایک وجہ یہ کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے مسلمانوں کو اس (فکروعمل) کی طرف بلایا جو مسلمانوں کے لئے دردناک عذاب سے نجات اور جنت میں داخلہ کا سبب ہے۔

(۲)......آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم مسلمانوں ہی کی جنس سے ہیں (انسان ہیں نہ کہ فرشتہ) یہ بات اس لئے احسان کا سبب ہے کہ جب زبان ایک ہو تو ضروری امور سیکھنا آسان ہو جاتا ہے (پھر یہاں مستزاد یہ ہے کہ) لوگ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے تمام افعال واحوال سے واقف تھے اور سچائی اور امانت داری کو جانتے تھے اس لئے اس سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی تصدیق اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر اعتماد کرنا لوگوں کے لئے زیادہ آسان تھا پھر رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا مسلمانوں کی جنس سے ہونا یہ بھی مسلمانوں کے لئے باعث شرف ہے۔ وہ موقع کہ جب ابو طالب نے بنو ہاشم اور قبیلہ مضر کے سرداروں کی موجودگی میں ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالٰی عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا نکاح کیا تھا اس وقت ابو طالب نے جو خطبہ پڑھا تھا اس میں انہوں کہا تھا: **اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَامِنْ ذُرِّیَّۃِ اِبْرٰھِیْمَ وَزَرْعِ اِسْمٰعِیْلَ وَضِئْضِئِی مَعَدٍّوَعُنْصُرِمُضَر وَجَعَلَنَاسَدَنَۃَ بَیْتِہٖ وَسُوَّاسَ حَرَمِہٖ وَجَعَلَ لَنَا بَیْتاً مَحْجُوْباً وَحَرَماً آمِنًا وَجَعَلَنَا الْحُکَّامَ عَلَی النَّاسِ وَاِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ لَا یُوْزَنُ بِہٖ فَتًی اِلَّارَجَحَ وَھُوَوَاللّٰہِ بَعْدَ ھٰذَا لَہٗ نَبَأٌعَظِیْمٌ وَخَطَبٌ جَلِیْلٌ.** ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے جس نے ہم کو حضرت ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی نسل اور حضرت اسماعیل عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اولاد میں سے بنایا معد اور مضر کے خاندان میں پیدا فرمایا اور اپنے گھر (کعبہ شریف) کا نگہبان اور اپنے حرم کا منتظم بنایا ہمارے لئے اس میں ایک محفوظ گھر اور امن والا حرم بنایا اور ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا (حمدوثنا کے بعد) میرا یہ بیٹا (بھتیجا) محمد بن عبداللہ (صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ورضی اللہ تعالٰی عنہ) ایسا شخص ہے کہ قریش کے جس جوان کا بھی اس سے موازنہ کیا جائے یہ اس سے آگے رہے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اس کا مستقبل بہت ہی عظیم الشان اور تابناک ہے۔

(۳)......اور ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ''مخلوق جب جہالت کے اندھیرے، عقل کی کمی، فہم وفراست سے دُوری اور سمجھ بوجھ کے فقدان میں مبتلا تھی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی مخلوق پر نعمت واحسان فرمایا کہ ان میں انہیں میں سے

ایک رسول بھیجا تا کہ اُس کے ذریعے اِن کو گمراہی سے نکالے، جہالت کے اندھیروں کو ان سے دور فرمائے اور انہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرمائے اور مؤمنین کو اس لئے خاص فرمایا کہ یہی حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے لائے ہوئے (دین) سے نفع اُٹھا سکتے ہیں ان کے علاوہ کوئی اور فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ کا معنٰی:

چوتھی آیت مبارکہ کے اس حصے ''یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ'' یعنی جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے۔'' سے مراد یہ ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اپنے اوپر نازل ہونے والی مبارک کتاب، ان لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں حالانکہ اس سے قبل وہ جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے اور انہوں نے آسمانی وحی سے کوئی چیز نہ سن رکھی تھی۔

کفر و حرام سے پاک کرنے والے:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) بیان کردہ آیت مبارکہ کے حصے ''وَ یُزَکِّیْهِمْ یعنی اور انہیں پاک کرتا ہے۔'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ یہ رسول کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان لوگوں کو کفر کی گندگی اور حرام وخبیث کاموں کی نجاست سے پاک فرماتے ہیں۔ (1)

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اس کا معنی ہے کہ یہ ہادیٔ اعظم، رسول مکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان لوگوں کو گندی طبیعتوں اور برے عقیدوں سے پاک فرماتے ہیں۔'' (2)

کتاب وحکمت کیا ہیں؟

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) مذکورہ آیت طیبہ کے حصے ''وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ'' یعنی اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اس سے مراد قرآن اور سنت ہے اور سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے لئے اپنے نبی (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) کی زبان مبارک سے جاری فرمایا۔ (3)

(1)......تفسیر الخازن ، پ٤ ، ال عمران ، تحت الایة: ١٦٤ ، ج١ ، ص ٣١٨.

(2)......تفسیر البیضاوی ، پ٤ ، ال عمران ، تحت الایة: ١٦٤ ، ج٢ ، ص ١١١.

(3)......تفسیر الخازن ، پ٤ ، ال عمران ، تحت الایة: ١٦٤ ، ج١ ، ص٣١٨.

حضرت سیِّدُ ناامام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) کے نزدیک بھی ان سے مراد قرآن وسنت ہے۔[1] مگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''زبان پر جاری فرما دینے'' کی قید نہ لگائی تاکہ سنت فعل اور سکوت کو بھی شامل ہو جائے۔

چوتھی آیت طیبہ کے آخر میں فرمایا گیا کہ ''وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ''یعنی اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔'' اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سیِّدُ ناامام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے مبعوث ہونے سے پہلے جہالت میں تھے اور ہدایت سے اندھے تھے اور نیکی کو جانتے تھے نہ برائی کو سمجھتے تھے پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے محبوب کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے صدقہ وطفیل ان کو ہدایت عطا فرمائی۔''[2]

پانچویں آیتِ مبارکہ:

﴿5﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠(۵۹) (پ۵،النساء:۵۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

حضرت سیِّدُ ناامام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ ناابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے جب حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن حذافہ ابن قیس بن عدی السہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

اسی طرح حضرت سیِّدُ ناامام سُدِّی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''یہ آیت حضرت سیِّدُ نا خالد بن

---

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ٤، ال عمران، تحت الایة: ١٦٤، ج٢، ص١١١.

[2] ......تفسیر الخازن، پ٤، ال عمران، تحت الایة: ١٦٤، ج١، ص٣١٨.

ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب ان کو رحمت دو عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا اور اس لشکر میں حضرت سیِّدُنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جب مسلمان دشمن سے قریب ہوئے تو دشمن بھاگ کھڑا ہوا اور ان میں سے ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ کر اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے اس کو امان دے دی تو وہ لوٹ گیا پھر حضرت سیِّدُنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو آپ نے اس شخص کا مال لے لیا اس پر حضرت سیِّدُنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: ''میں تو اس کو امان دے چکا ہوں۔'' تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''آپ مجھ سے کیوں بڑھتے ہیں حالانکہ میں امیر ہوں۔'' تو ان دونوں حضرات کے درمیان اس بات پر تنازع ہو گیا۔ (واپسی پر) دونوں حضرات سرورِ کونین، بے قرار دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امان کو برقرار تو رکھا مگر دوبارہ امیر پر بڑھنے سے انہیں منع فرما دیا۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے (اطاعتِ امیر کے بارے میں) مذکورہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔''[1]

اُولِی الْاَمْرِ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اُولِی الْاَمْرِ یعنی حکومت والوں سے مراد رحمت دو عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے زمانے اور بعد کے مسلمان امرا ہیں اور تمام خلفا، قاضی اور لشکرِ سریہ (یعنی وہ جنگ جس میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بنفس نفیس شریک نہ ہوئے بلکہ کسی اور کو سپہ سالار بنایا) کے امیر بھی اس کے تحت داخل ہیں۔ اس سے پہلے والی آیت مبارکہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عدل و انصاف کرنے کا حکم فرمایا پھر لوگوں کو اُن کی اطاعت کا حکم دیا اور وہ آیت مبارکہ یہ ہے: ''وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ (پ ۵، النساء: ۵۸) ترجمۂ کنز الایمان: اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔'' اور یہ ارشاد اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ ''ان کی اطاعت کرنا اس وقت تک واجب ہے جب تک یہ حق پر ثابت قدم رہیں۔'' بعض نے یہ فرمایا: ''اس سے مراد علماء شریعت ہیں۔'' اس کی دلیل اسی آیتِ مبارکہ کا اگلا حصہ ہے ''وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى

[1] ......تفسیر الخازن، پ ۵، النساء، تحت الآیة: ۵۹، ج ۱، ص ۳۹۶.

اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ (پ۵،النساء:۸۳) ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے۔“[1]

فقہائے کرام کی اطاعت واجب ہے:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ و رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت سے مراد قرآن وسنت کی اتباع ہے اور اُولِی الْاَمْرِ یعنی حکومت والوں سے کون مراد ہے اس کے بارے میں حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اس سے مراد فقہا اور علمائے دین ہیں چونکہ یہ لوگوں کو دین سکھاتے ہیں اس لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی اطاعت کو واجب کر دیا ہے۔“ اور حضرت سیِّدُنا عطا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ”ان سے مراد گورنر (یا حاکم) ہے۔“ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”ان سے مراد امرا وسلاطین ہیں۔“ کیونکہ انہیں، لوگوں کی امانتیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ”اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ (پ۵،النساء:۵۸) ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو۔“ اور رعایا کو امیر کے ان کاموں میں اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جو حق کے موافق ہوں۔ جیسا کہ ”سرکارِ مدینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ”سنو! جن لوگوں پر کسی شخص کو حاکم بنایا گیا پھر وہ لوگ اس حاکم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کسی معصیت (نافرمانی) میں مبتلا دیکھیں تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اس معصیت کو بُرا جانیں لیکن اس کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہ کھینچیں۔[2]

اُولِی الْاَمْرِ کی تفسیر میں مختلف اقوال:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ”اطاعت کی اصل یہ ہے کہ جس کام کا حکم دیا گیا اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے، پس اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت تمام مخلوق پر فرض ہے اور باقی رہے اُولِی الْاَمْرِ (یعنی حکم والے) وہ جن کی اطاعت کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے واجب فرمایا ہے ان کے بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں (جن میں سے بعض گزر چکے ہیں)۔

(۱)......حضرت سیِّدُنا ابن عباس وحضرت سیِّدُنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ارشاد فرماتے ہیں کہ ”ان سے مراد فقہا وعلمائے کرام ہیں جو لوگوں کو ان کے دین کی باتیں سکھاتے ہیں اور یہی قول حضرت حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ)، حضرت

......تفسیر البیضاوی، پ۵، النساء، تحت الآیۃ: ۵۹، ج۲، ص۲۰۵.

......صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب خیار الائمۃ وشرارھم، الحدیث: ۴۸۰۵، ص ۱۰۱۱.

ضحاک اور حضرت مجاہد (متوفی ۱۰۴ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔

(۲)......حضرت سیِّدُ نا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''ان سے مراد حکمران اور امرا ہیں۔'' اور حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہی مروی ہے (درج ذیل فرامین اس پر شاہد ہیں)۔

(i)......حضرت سیِّدُ نا علی بن ابو طالب کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم نے ارشاد فرمایا: ''امام (یعنی حاکم) پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرے اور امانت کو ادا کرے۔ اگر حکمران ایسا کرے تو رعایا پر واجب ہے کہ وہ اس (کے احکامات) کو توجہ سے سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔''

(ii)......حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حبیب، حبیبِ لبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''مسلمان پر واجب ہے کہ وہ (اپنے امیر کی بات) سنے اور اس کی اطاعت کرے چاہے اس کو وہ بات پسند آئے یا نہ آئے ہاں! اگر وہ گناہ کا حکم دے تو نہ اس کی بات سنے اور نہ ہی اس کی اطاعت کرے۔''[1]

(iii)......حضرت سیِّدُ نا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اگر تم پر کوئی پراگندہ سر والا حبشی غلام بھی امیر بنا دیا جائے تو جب تک وہ تم میں قرآنِ مجید سے فیصلہ کرے اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔''[2]

(۳)......حضرت سیِّدُ نا میمون بن مہران علیہ رحمۃ اللہ المنان فرماتے ہیں کہ ''اس آیت میں ''حکم والوں'' سے مراد سرایا اور جنگوں میں بنائے گئے امیر ہیں۔ کیونکہ یہ آیت مبارکہ جنگ اور سریہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔''

(۴)......حضرت سیِّدُ نا عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''اُولِی الْاَمْرِ سے مراد شیخین کریمین یعنی امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا ابو بکر صدیق اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں اس پر وہ حدیث مبارکہ شاہد ہے جو حضرت سیِّدُ نا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رحمتِ دو عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''میں (بذاتِ خود) نہیں جانتا کہ تم میں (ظاہری طور پر) اور کتنا زندہ رہوں گا پس تم میرے بعد ابو بکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی پیروی و اقتدا کرنا۔''[3]

---

1 ......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبداللّٰہ بن عمر بن الخطاب، الحدیث: ۶۲۸۶، ج۲، ص ۵۱۲.

2 ......صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب السمع و الطاعۃ......الخ، الحدیث: ۷۱۴۲، ص ۵۹۵.

3 ......جامع الترمذی، ابواب المناقب، باب اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر، الحدیث: ۳۶۶۳، ص ۲۰۲۹.

(۵)......ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور اس پر یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں:

(i)......حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحب لولاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے نجات پا جاؤ گے۔''(1)

(ii)......حضرت سیِّدُنا امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۵۱۶ھ) حضرت سیِّدُنا حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سند سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ''سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''میری امت میں میرے صحابہ کرام کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک ہوتا ہے اور کھانا نمک کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔'' حضرت سیِّدُنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''پس ہمارے نمک (یعنی اسلاف) چلے گئے اب ہم کیسے ٹھیک ہوں گے۔''(2)

(۶)......حضرت سیِّدُنا امام محمد بن جریر طبری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں: ''تمام اقوال میں سے بہتر قول ان کا ہے جو کہتے ہیں کہ ''اُولِی الْاَمْرِ'' سے مراد اُمرا اور گورنر وحکام ہیں۔ کیونکہ صحیح احادیث مبارکہ میں حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے ائمہ اور حکام کی ایسے امور میں اطاعت کا حکم ثابت ہے جن کے کرنے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت اور مسلمانوں کی بھلائی ہے۔(3)

(۷)......ابراہیم بن سری بن سہل، المعروف امام زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) کہتے ہیں کہ ''اُولِی الْاَمْرِ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی اُمورِ دینیہ میں عزت کو قائم رکھیں اور ہر وہ کام کریں جن میں مسلمانوں کی بھلائی ہو۔''

اطاعت کب واجب نہیں؟

علمائے کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں: ''رعایا پر امام (یعنی حاکم اسلام) کی اطاعت واجب ہے جب تک وہ امام خود اطاعت پر قائم رہے اور جب وہ قرآن وسنت سے ہٹ کر چلے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی کیونکہ اطاعت تو ان باتوں میں ہوتی ہے جو حق کے موافق ہوں۔''(4)

---

(1)......مشکاة المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة الفصل الثالث، الحدیث: ۶۰۱۸، ج۲، ص ۴۱۴.

(2)......شرح السنة للبغوی، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، الحدیث: ۳۷۵۶، ج۷، ص ۱۷۴.

(3)......تفسیر الطبری، پ۵، النساء، تحت الایة: ۵۹، الحدیث: ۹۸۸۰، ج۴، ص ۱۵۳

(4)......تفسیر الخازن، پ۵، النساء، تحت الایة: ۵۹، ج۱، ص ۳۹۷.

اس کی تائید حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل علیہ رحمۃ اللہ الاوّل (متوفی ۲۴۱ھ) نے اپنی مسند میں امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا علی المرتضی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم سے روایت فرمایا کہ سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْنَ، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ایک لشکر روانہ فرمایا جس کا امیر ایک انصاری شخص کو بنایا۔ جب یہ لشکر روانہ ہوگیا تو دورانِ سفر کسی بات پر ناراض ہوکر امیرِ لشکر نے لوگوں سے کہا: کیا حضور نبیٔ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہ دیا تھا؟'' انہوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' امیر لشکر نے کہا: ''لکڑیاں جمع کرو۔'' پھر امیر لشکر نے آگ منگوائی اور آگ لکڑیوں میں لگا کر کہا: ''میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم اس میں داخل ہو جاؤ۔'' حضرت سیِّدُ نا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: ''لوگوں نے سمجھا کہ اب اس میں داخل ہونا پڑے گا۔ تو لشکر میں سے ایک نوجوان بولا: ''تم نے آگ سے رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی پناہ پکڑی ہے لہٰذا جلدی نہ کرو حتی کہ ہم حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ پس اگر حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تمہیں اس آگ میں داخل ہونے کا حکم فرمائیں تو داخل ہوجانا۔'' چنانچہ، انہوں نے حضور نبیٔ کریم، رءوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اگر اس میں داخل ہوجاتے تو کبھی اس سے نہ نکلتے کیونکہ اطاعت نیک کاموں میں ہے۔'' (1)

بادشاہوں پر اطاعت واجب ہے:

حضرت سیِّدُ نا عبد الرحمٰن محمد المعروف شیخی زادہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۱۰۷۸ھ) بیضاوی شریف کے حاشیہ میں زیر فرمانِ باری تعالٰی: ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (پ ۱، البقرۃ: ۳۱) تحریر فرماتے ہیں: ''اُولِی الْاَمْرِ (یعنی حکم والوں) سے مراد سب سے زیادہ صحیح قول کے مطابق علمائے حق ہیں کیونکہ بادشاہوں پر علمائے کرام کی اطاعت واجب ہے۔ علما پر بادشاہوں کی اطاعت واجب نہیں۔'' (2)

نوجوان عالم، جاہل بوڑھے پر مقدم ہے:

''كَنْزُ الدَّقَائِق'' کے آخر میں باب ''مسائل شتی'' میں فرمایا گیا: ''نوجوان عالم کا یہ حق ہے کہ اسے جاہل بوڑھے

......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند علی بن ابی طالب، الحدیث: ۶۲۲، ج ۱، ص ۱۷۸.

......مجمع الانهر لشیخی زاده، کتاب الخنثی، باب مسائل شتی، ج ٤، ص ٤٩١۔

التفسیر الکبیر للرازی، پ ۱، البقرة، تحت الآية: ۳۱، ج ۱، ص ٤٠٠.

پر مقدم کیا جائے۔'' اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت سیِّدُ نا امام بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۵۵ھ) ''رَمْزُ الْحَقَائِق'' میں ارشاد فرماتے ہیں: '' کیونکہ نوجوان عالم، جاہل بوڑھے سے افضل ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ'' (پ۲۳، الزمر۹) ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔'' اور اسی لئے نماز میں اس (نوجوان عالم) کو (جاہل بوڑھے پر) مقدم کیا جاتا ہے حالانکہ نماز ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ہے۔ نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ'' (پ۵، النساء: ۵۹) ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔'' اور صحیح ترین قول کے مطابق ''اُولِي الْاَمْرِ'' سے مراد علماء حق ہیں اور شریعت میں جس کی اطاعت کی جائے وہ مقدم ہے اور انہیں کیسے نہ مقدم کیا جائے کہ علمائے حق، انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے وارث ہیں جیسا کہ حدیث پاک (سنن ابن ماجہ، الحدیث ۲۲۳، ص ۲۴۹۱) میں آیا ہے۔''[1]

اختلاف حل کرنے کا طریقہ:

مذکورہ پانچویں آیت مبارکہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ ''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ یعنی پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔'' مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے درمیان کسی دینی مسئلے میں باہم اختلاف ہوجائے اور ہر کوئی یہ سمجھے کہ ''میں حق پر ہوں۔'' تو اب چاہئے کہ اس اختلافی معاملہ کو قرآن مجید پر پیش کیا جائے اور جب تک حضور نبئ رحمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم حیات ظاہری کے ساتھ ہیں تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں پیش کیا جائے اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے وصال ظاہری کے بعد احادیث کریمہ پر پیش کیا جائے اور جب اختلاف ہوجائے تو قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ پھر اگر اس کا حکم کتاب اللہ میں مل جائے تو اس پر عمل کیا جائے اور اگر قرآن مجید میں اس کا حکم نہ ملے تو پھر حضور نبئ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی احادیث مبارکہ میں اس کا حکم تلاش کیا جائے اگر اس میں بھی نہ ملے تو پھر اجتہاد کا راستہ اختیار کیا جائے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف رجوع کرنے کا معنی یہ ہے کہ جس

[1] ......رمزالحقائق، کتاب الخنثی، ج۲، ص۲۸۵.

کے بارے میں تو نہیں جانتا اس کے بارے میں یہ کہہ دے: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ و رسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم بہتر جانتے ہیں۔ [1]

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عمر بن میمون رحمہما اللہ تعالٰی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں فرمایا: ''ایک بار مسلمہ بن عبدالملک نے مجھ سے کہا: ''کیا تم کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ (پ۵، النساء: ۵۹) مَیں نے کہا: ''جب تم نے حق کی مخالفت کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہاری اطاعت کا حکم واپس لے لیا کیونکہ (اسی آیت میں) اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ یعنی پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔'' تو وہ کہنے لگا: '' اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کہاں ہے۔'' میں نے کہا: ''قرآنِ پاک (تمہارے سامنے ہے)۔'' پھر اس نے کہا: ''رسول (صلَّی اللہ تعالٰی علیہ آلہ وسلَّم) کہاں ہیں۔'' مَیں نے کہا: ''سنتِ مبارکہ (تمہارے درمیان ہے)۔''

پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی چیز کے بارے میں تمہارے اور حاکموں کے درمیان جھگڑا (یعنی اختلاف) ہو جائے تو اس معاملہ کو کتاب اللہ (یعنی قرآن پاک) اور سنتِ رسول (علٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) پر پیش کرو۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ اور یومِ آخرت پر ایمان:

پانچویں آیت مبارکہ میں یہ بھی فرمایا کہ ''اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ یعنی اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔'' اس کا معنی یہ ہے تم وہی عمل کرو جس کا مَیں نے تم کو حکم دیا ہے اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ پر ایمان رکھتے ہو کہ اس کی اطاعت تم پر واجب ہے اور اگر تم ایمان رکھتے ہو حشر کے دن پر جس میں تمام اعمال کی جزا ملے گی۔

علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ آلہ وسلَّم کی اطاعت اور سنت کی پیروی اور احادیثِ مبارکہ کے احکام کے واجب ہونے کا اعتقاد نہ رکھے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور قیامت پر ایمان رکھنے والا نہیں۔''

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ ۵، النساء، تحت الآیۃ: ۵۹، ج ۱، ص ۳۹۷.

پانچویں آیت طیبہ کے آخر میں فرمایا: ''ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠ ﴿۵۹﴾ یعنی یہ بہتر ہے اوراس کا انجام سب سے اچھا''، مطلب یہ کہ تم جب اپنے اختلافی مسئلہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ اوراس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں رجوع کروگے تو یہ بہتر تاویل ہے اوراجروثواب میں بڑھ کر ہے۔[1] اوراس معنی سے متقدمین سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے مذہب کی تائید ہوتی ہے جو آیاتِ متشابہات کے علم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سپرد کرتے ہیں۔

چھٹی آیتِ مبارکہ:

﴾6﴿......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشادفرماتا ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۶۵﴾

(پ۵،النساء ۶۵)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

(۱)......بعض مفسرین رحمہم اللہ تعالٰی اجمعین فرماتے ہیں کہ ''اس آیتِ مبارکہ کا اوراس سے ماقبل متصل آیت کا شانِ نزول ایک ہی ہے اوروہ یہ ہے کہ ایک یہودی اورمنافق کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ یہودی نے اس سے کہا: ''میرے اور تمہارے درمیان ابوالقاسم (یعنی حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) فیصلہ فرمائیں گے۔'' کیونکہ یہودی کومعلوم تھا کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کسی قسم کی رشوت (یاسفارش) قبول نہیں فرماتے اورمنافق نے کہا: ''میرے اورتمہارے درمیان کعب بن اشرف فیصلہ کرے گا۔'' کیونکہ اس کومعلوم تھا کہ وہ رشوت لے کراس کے حق میں فیصلہ کردے گا تو یوں ان کے درمیان فیصلہ کروانے میں بھی اختلاف واقع ہوگیا پھروہ جُھَیْنَہ قبیلے کے کسی کاہن سے فیصلہ کروانے پر متفق ہوگئے تواس کے پاس فیصلہ کروانے چلے گئے اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ (پ۵،النساء ۶۰) ترجمۂ کنزالایمان: کیاتم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعوٰی ہے کہ وہ

---

[1] ......التفسیر الخازن،پ۵،النساء، تحت الایۃ:۵۹،ج۱، ص۳۹۷.

ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا۔“ [1]

(۲)......بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ ”فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ......الآیۃ “ ایک دوسرے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ واقعہ یہ ہے جس کی ہمیں خبر دی گئی کہ ”حضرت سیِّدُ نا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انصار کے کسی شخص سے جھگڑا ہو گیا اور جھگڑا ایک پتھریلی زمین کے نالے پر تھا جس سے دونوں (باغ وغیرہ) سیراب کیا کرتے تھے۔ حضرت سیِّدُ نا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس انصاری کو لے کر بارگاہِ رسالت میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور نبیٔ کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ نا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا: ”پہلے تم سیراب کرلیا کرو پھر اپنے ہمسائے کی طرف پانی چھوڑ دیا کرو۔“ اس پر انصاری نے غصہ میں آ کر کہا: ”یارسول اللہ (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم)! یہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں [2]۔“ یہ سن کر رسولِ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ نا زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ”تم پہلے سیراب کرو پھر پانی روک لو یہاں تک کہ پانی منڈیروں تک لبریز ہو جائے۔“ تو اس طرح سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ نا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا حق پورا پورا عطا فرما دیا حالانکہ اس سے قبل آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم حضرت سیِّدُ نا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دے چکے تھے جس میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کے لئے اور انصاری کے لئے آسانی کا ارادہ فرمایا تھا۔ مگر جب اس انصاری نے حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ناراض کر دیا تو پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے واضح حکم کے ذریعے حضرت سیِّدُ نا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق کو پورا فرما دیا۔“ [3]

پھر وہ دونوں وہاں سے نکلے اور ان کا گزر حضرت سیِّدُ نا مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے ہوا۔ انہوں نے ان سے

---

[1] ......تفسیر البغوی، النساء، تحت الایۃ: ٦٠، ج١، ص٣٥٥.

[2] ...... مفسر شہیر حکیم الامت حضرت علامہ مولانا **مفتی احمد یار خان** علیہ رحمۃ الحنان (متوفی ١٣٩١ھ) مراۃ المناجیح، جلد 4، صفحہ 340 پر اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”یعنی آپ نے اس فیصلہ میں ان کی قرابت داری کا لحاظ فرمایا ہے۔ یعنی شارحین نے فرمایا کہ یہ شخص قوم انصار سے تو تھا مگر مومن نہ تھا، یا یہودی تھا، یا منافق مگر ترجیح اسے ہے کہ تھا تو مسلمان مگر نومسلم تھا، آدابِ بارگاہ سے بے خبر تھا، اسی لئے حضور انور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم یا دوسرے صحابہ نے اسے کوئی سزا نہ دی (مرقات) (صاحبِ) اَشعہ نے فرمایا: یہ منافق ہی تھا جیسے عبداللہ بن اُبی کہ قبیلہ انصار سے تھا مگر منافق تھا قتل اس لئے نہ کرایا کہ منافقوں کو قتل نہ کرایا جاتا تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَم (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ بہتر جانتا ہے)۔

[3] ......صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب اذا اشار الامام بالصلح ......الخ، الحدیث: ٢٧٠٨، ص ٢١٥.

فرمایا: ''اے حاطب بن ابی بلتعہ فیصلہ کس کے حق میں ہوا؟'' تو اس نے کہا کہ ''انہوں نے اپنے پھوپھی زاد کے حق میں فیصلہ فرمایا ہے۔'' اور اُس وقت حاطب کے گال پھول رہے تھے۔ تو (وہاں موجود) ایک یہودی نے معاملہ سمجھتے ہوئے کہا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اُن لوگوں کو ہلاک کرے جو گواہی دیتے ہیں کہ یہ (یعنی نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول ہیں اور پھر ان کے فیصلوں میں شک کرتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ہم یہود نے (حضرت) موسیٰ کلیم اللہ (عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کی زندگی میں صرف ایک مرتبہ گناہ کیا تھا تو انہوں نے ہم سے فرمایا: ''اپنے آپ کو قتل کر ڈالو۔'' تو ہم وہ کر گزرے اور اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت میں ستّر ہزار کی تعداد میں قتل ہو گئے حتی کہ وہ ہم سے راضی ہو گیا۔'' یہ سن کر حضرت سیِّدُنا ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اگر حضرت سیِّدُنا محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم مجھے حکم دیں کہ ''اپنے آپ کو قتل کر ڈالو۔'' تو میں ایسا کر لوں گا۔'' پس اس وجہ سے حاطب کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَہُمْ ..الایۃ

حضرت سیِّدُنا عروہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! یہ آیت مبارکہ اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔'' (1)

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کا فیصلہ ظاہر و باطن سے مان لو:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ آیت کے حصہ ''وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا یعنی اور جی سے مان لیں'' کے تحت فرماتے ہیں: ''مطلب یہ کہ اپنے ظاہر و باطن سے حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے فیصلے کو مان لیں۔'' (2)

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے فیصلے پر راضی رہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''لوگوں کے سینے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے فیصلوں سے تنگ نہ ہو جائیں اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا جو بھی حکم ہو اس کو مان لیں اور کسی بھی چیز کے ذریعے آپ

---

1 ......تفسیر البغوی، پ۵، النساء، تحت الآیۃ:۶۵، ج۱، ص۳۵۶۔
تفسیر الخازن، پ۵، النساء، تحت الآیۃ:۶۵، ج۱، ص ۳۹۹.

2 ......تفسیر البیضاوی، پ۵، النساء، تحت الآیۃ: ۶۵، ج۲، ص۲۱۱.

صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے حکم سے تعارض نہ کریں یعنی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے حکم پر راضی ہونے کو نہ چھوڑیں اور غصہ و جھگڑا ترک کر دیں۔''

ساتویں آیتِ مبارکہ:

﴿7﴾......اَللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ﴿ؕ۶۹﴾ (پ ۵، النساء ۶۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''یہ آیت مبارکہ تاجدارِ مدینہ، سرورِ قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے غلام حضرت سیِّدُنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کو سرورِ کونین، دکھی دلوں کے چین، صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے بے حد محبت تھی اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو دیکھے بغیر ان کو صبر نہ آتا تھا۔ چنانچہ،

ایک مرتبہ وہ رحمت دو عالم، نور مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو ان کا رنگ متغیر تھا اور غم ان کے چہرے سے صاف دکھائی دیتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان سے استفسار فرمایا: ''کس چیز نے تمہارا رنگ متغیر کیا؟'' انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! مجھے نہ کوئی مرض ہے اور نہ ہی کوئی درد بس ایک بات ہے کہ جب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو نہیں دیکھ پاتا تو مجھ پر شدید قسم کی گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے اور اس وقت تک رہتی ہے جب تک میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے ملاقات نہ کرلوں، پھر جب میں آخرت کو یاد کرتا ہوں تو مجھے اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو نہ دیکھ سکوں گا کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے ساتھ ''اَعْلٰی عِلِّیِّیْن'' میں ہوں گے اور میں اگر جنت میں داخل ہو بھی

گیا تو آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی منزل سے ادنیٰ منزل میں ہوں گا اور اگر میں جنت میں داخل نہ ہوسکا تو کبھی بھی آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو نہ دیکھ سکوں گا۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور یہ بھی منقول ہے کہ ''بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے بارگاہِ رسالت عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام میں عرض کی: ''یارسول اللہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! اس وقت کیا حال ہوگا جب آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تو (جنت کے) بلند درجات میں ہوں گے اور ہم آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے نچلے درجے میں ہوں گے تو پھر ہم آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو کیسے دیکھ سکیں گے؟'' تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ (1)

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیت مبارکہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''انصار میں سے کچھ لوگ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تو جنت کے اعلیٰ درجہ میں تشریف فرما ہوں گے اور ہم آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے دیدار کے لئے بیتاب ہوں گے تو ہم آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا دیدار کیسے کریں گے؟''

ایک قول یہ ہے کہ ''ایک مرتبہ انصار میں سے ایک شخص بارگاہِ رسالت عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''تمہیں کس چیز نے رُلایا؟'' انہوں نے عرض کی: ''یارسولَ اللہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! اُس اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم مجھے میری جان، میرے مال، اور اہل وعیال سے بڑھ کر محبوب ہیں اور جب میں اپنے گھر والوں میں ہوتا ہوں اور آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی یاد آ جائے تو مجھ پر جنون کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اس وقت تک طاری رہتی ہے جب تک آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو دیکھ نہ لوں اور جب میں اپنی موت کو یاد کرتا ہوں تو (سوچتا ہوں کہ) آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے ساتھ بلند مقام میں ہوں گے اور میں اگر جنت میں داخل ہو بھی گیا تو آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی منزل سے ادنیٰ منزل میں ہوں گا۔'' اس وقت سرورِ کونین، دکھی دلوں کے چین صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے کوئی جواب ارشاد نہ فرمایا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

---

(1)......تفسیر الخازن، پ۵، النساء، تحت الآیۃ: ٦٩، ج١، ص ٤٠٠.

انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا ساتھ:

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''جو شخص بھی فرائض کی ادائیگی اور ممنوع چیزوں سے اجتناب میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کرے گا اور سنتوں پر عمل کر کے رسول کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت کرے گا وہ دنیا میں ہدایت وتوفیق کے ذریعے اور آخرت میں دخولِ جنت کے سبب حضرات انبیاء کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا انعام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے مخلص فرمانبردار جنت میں ان کی زیارت اور صحبت سے محروم نہ ہوں گے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ جنت میں حضرات انبیاء کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے درجے میں ہوں گے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو یہ فاضل ومفضول کے مابین درجہ کی برابری کا تقاضا کرتا ہے۔''

صدیقین کون ہیں؟

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''اس آیت میں ''اَلصِّدِّیۡقِیۡنَ'' سے مراد حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے افاضل صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں جیسے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہ تو وہ صحابی ہیں کہ اس امت میں ان ہی کا نام صدیق رکھا گیا اور رسول کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع کرنے والوں میں سب سے افضل ہیں۔'' (1)

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''ہر وہ شخص جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہر حکم کی تصدیق کرے اور اس میں ذرہ برابر شک نہ کرے اور تمام انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی تصدیق کرے وہ صدیق ہے اس لئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللہِ وَ رُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ﴿ۖ﴾ (پ۲۷، الحدید ۱۹) ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائیں وہی ہیں کامل سچے۔''

شہدا سے مراد:

مذکورہ ساتویں آیت میں ''اَلشُّھَدَآءِ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو راہِ خدا میں قتل ہوں۔ جبکہ حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''یہاں شہدا سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے جنگ اُحُد کے

......تفسیر الخازن، پ۵، النساء، تحت الآیۃ: ۶۹، ج۱، ص۴۰۱.

دن جام شہادت نوش فرمایا۔‘‘

صالحین سے مراد:

نیز اسی آیت مبارکہ میں ’’صٰلِحِیْنَ‘‘ کا بھی ذکر ہے یہ لفظ صَالِحٌ کی جمع ہے اور صالح کہتے ہیں ’’اس شخص کو جس کی خلوت وجلوت نیکی کرنے میں برابر ہو یعنی جس طرح لوگوں کے سامنے نیکیاں کرتا ہے تنہائی میں بھی اسی طرح کرتا ہو۔‘‘

بیان کردہ ساتویں آیت مبارکہ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ’’اَلنَّبِیِّیْنَ‘‘ سے حضرت سیِّدُنا محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ذاتِ والا صفات مراد ہے اور ’’اَلصِّدِّیْقِیْنَ‘‘ سے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اور ’’اَلشُّھَدَاءِ‘‘ سے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم، امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا مولیٰ مشکل کشا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اور ’’اَلصَّالِحِیْنَ‘‘ سے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مراد ہیں۔‘‘ (1)

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ ’’یہاں صالحین سے مراد تمام (نیک) مسلمان ہیں۔‘‘

انعام یافتہ بندوں کی چار اقسام:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) ساتویں آیت طیبہ کے تحت فرماتے ہیں: ’’یہاں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے علم وعمل کی منازل کے اعتبار سے انعام یافتہ افراد کی چار اقسام بیان فرمائی ہیں اور تمام لوگوں کو اس بات پر ابھارا ہے وہ ان کی پیروی سے پیچھے نہ ہٹیں۔ چار اقسام یہ ہیں: (۱)......حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جو کمالِ علم وعمل کے درجہ پر فائز ہیں اور حدِ کمال سے درجہ تکمیل کی طرف بڑھنے والے ہیں (۲)......حضرات صدیقین رحمہم اللہ المبین جن کے نفوس کبھی تو دلائل ونشانیوں میں غور وفکر کی سیڑھیوں اور کبھی تصفیہ وریاضات کے زینوں کے ذریعے عرفان ومعرفت کی بلندی پر چڑھ گئے حتی کہ اشیا پر مطلع ہو کر ان کی حقیقتوں کے بارے میں خبر دی (۳)......حضرات شہدائے عظام رحمہم اللہ السلام جنہوں نے اطاعت اور اظہار حق کی جستجو میں انتہائی کوشش کی حتی کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے

(1)......تفسیر الخازن، پ۵، النساء، تحت الایۃ: ۶۹، ج۱، ص ۴۰۱.

لئے اپنے خون تک بہادیئے (۴)......حضرات صالحین رحمہم اللہ المبین وہ جنہوں نے اپنی زندگیاں اطاعت الٰہی میں اور اپنے اموال رضائے رب الانام کے کاموں میں خرچ کردیئے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''آپ یوں بھی تقسیم کرسکتے ہیں کہ جن پر انعام فرمایا گیا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عارفین ہیں۔ یہ حضرات یا تو مشاہدے کے درجہ تک پہنچے ہوئے ہوں گے یا استدلال و برھان کے مقام پر ٹھہرے ہوئے ہوں گے اور پھر اول الذکر یا تو مشاہدے کے ساتھ قرب سے بہرہ مند ہوں گے اس حیثیت سے کہ وہ شے کو قریب سے دیکھنے والے کی طرح ہوتے ہیں اور یہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ہیں۔ یا قرب سے بہرہ مند نہ ہوں گے پس وہ شے کو دور سے دیکھنے والے کی طرح ہیں اور یہ صدیقین ہیں اور ثانی الذکر جو استدلال و برھان کے مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں یا تو ان کا عرفان قطعی دلائل کے ذریعے ہوگا اور یہ راسخین فی العلم وہ علمائے کرام ہیں جو زمین پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے شہدا ہیں یا ان کا عرفان نشانیوں اور حجابات کے ذریعے ہوگا جس کی طرف ان کے نفوس اطمینان حاصل کرتے ہیں اور یہ صالحین ہیں۔'' (1)

اور حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) ساتویں آیت کے آخری حصے ''وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا'' یعنی یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ہیں اور نیک لوگ ان کی صحبت میں رہیں گے۔''

آٹھویں آیتِ مبارکہ:

﴿8﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَۚ (پ۵، النساء: ۸۰)

ترجمۂ کنزالایمان: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کا حضور نبیٔ

......تفسیر البیضاوی، پ۵، النساء، تحت الایة: ۶۹، ج۲، ص ۲۱۳ تا ۲۱۵.

پاک، صاحب لولاک صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی اطاعت کرنا ہے۔

حضرت سیِّدُنا امام حسن بصری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے رسول کریم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرما کر آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے ذریعے سے مسلمانوں پر حجت قائم کر دی ہے۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) اپنی کتاب ''الرسالہ'' کے باب ''بَابُ طَاعَةِ الرَّسُوْلِ'' میں اس آیت مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں کہ ''ہر وہ فرض جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی کتاب میں فرض فرمایا ہے جیسے حج، نماز اور زکوٰۃ اگر نبی کریم، رء وف رحیم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس (کی تفصیل) کو بیان نہ فرمایا ہوتا تو ہم یہ نہ جان سکتے تھے کہ اس کو کس طرح ادا کرنا ہے اور ہمارے لئے کسی بھی عبادت کو ادا کرنا ممکن نہ ہوتا اور جب رسولِ اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم شریعت کے اس مرتبے پر فائز ہیں۔ تو پھر ان کی اطاعت حقیقتاً اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت ہے۔'' (2)

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ ''جس نے میری اطاعت کی تو اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کی۔'' تو بعض منافقین یہ کہنے لگے کہ ''یہ شخص یہی چاہتا ہے کہ ہم اس کو اپنا ربّ بنالیں جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کو ربّ بنالیا تھا (مَعَاذَاللہ)۔'' اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (3)

نویں آیتِ مبارکہ:

﴿9﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمۂ کنز الایمان: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے

(1)......تفسیر الخازن، پ٥، النساء، تحت الایة: ٦٩، ج١، ص٤٠٥.

(2)......المرجع السابق.

(3)......المرجع السابق.

نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِہٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ (پ۵،النساء۱۱۵) ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اوراسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

یہ آیت طیبہ، طَعْمَہ بن ابیرق کے بارے میں نازل ہوئی جس کا تعلق انصار کے قبیلہ ظفر بن حارث سے تھا۔ اس نے اپنے پڑوسی حضرت سیِّدُنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ''زرہ'' چوری کر لی جو آٹے کے تھیلے میں رکھی تھی۔ جب وہ زرہ لے کر نکلا تو آٹا اس تھیلے کے سوراخ سے گرنا شروع ہو گیا یہاں تک کہ اس کے گھر تک گرتا چلا گیا پھر اس نے زرہ ''زید السمین'' نامی ایک یہودی کے پاس چھپادی۔ جب ''طَعْمَہ'' کے ہاں زرہ تلاش کی گئی تو اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم کھا کر کہا: ''میں نے نہیں لی اور نہ ہی اس کا مجھے علم ہے۔'' زرہ کے مالک کہنے لگے: ''ہم نے اس کے گھر تک آٹے کا اثر دیکھا ہے۔'' بہرحال جب اس نے قسم کھالی تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا پھر وہ آٹے کو دیکھتے ہوئے یہودی کے ٹھکانے تک بھی پہنچ گئے اور اس سے زرہ وصول کرلی۔ یہودی بولا: ''یہ مجھے ''طَعْمَہ'' نے دی ہے۔'' مگر طعمہ نے اس کا بھی انکار کیا۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: ''اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا ﴿۱۰۵﴾ (پ۵، النساء:۱۰۵) ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔'' پھر حضور نبیِّ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمادیا۔ مگر ''طَعْمَہ'' اپنی رسوائی کے ڈر سے کافر و مرتد ہو کر مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ)۔ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت مبارکہ (وَمَنْ یُّشَاقِقِ..الایۃ) نازل فرمائی۔''

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) مذکورہ آیت کے اس حصے ''مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰی'' یعنی بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''طَعْمَہ کے لئے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بلاشبہ دینِ اسلام اور جو کچھ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو دیا گیا وہ حق اور سچ ہے۔''

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''طَعْمَہ (جس نے زرہ چرائی تھی) کے لئے

توحیداور حدود واضح ہو چکی تھیں اور دین اسلام کی حقانیت اور جو کچھ اس آیت میں اس کے بارے میں نازل ہوا تھا بیان کر دیا گیا اور اس کی چوری کو ظاہر فرما دینا یہ دینِ اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔ پس اس نے رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے عداوت کی، مخالفت کا اظہار کیا اور دینِ اسلام سے پھر گیا۔''

الغرض اس آیت مبارکہ میں فرمادیا گیا کہ حق راستہ کھلنے یعنی دین اسلام کے ظہور کے بعد اور یہ ظاہر ہو چکنے کے بعد کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جو کچھ لائے ہیں وہ سب حق و سچ ہے تو اب جو شخص توحید و ایمان میں رسول کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا خلاف کرے گا اور مؤمنین کے راستے کے علاوہ کی اتباع کرے گا یعنی ان کے عقائد و اعمال سے انحراف کرے گا یا مؤمنین کی طرح ایمان لانے کے بجائے بتوں کی پوجا کرتا رہے گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ (1)

اجماعِ اُمت کی مخالفت حرام ہے:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ نویں آیت مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: ''یہ آیت، اجماعِ اُمت کی مخالفت کے حرام ہونے کی دلیل بھی ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے رسول کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا خلاف کرنے اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی اتباع کرنے پر سخت وعید ارشاد فرمائی ہے۔ وعید فرمانے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) وعید، دونوں میں سے ہر ایک کی حرمت کے سبب ہے (۲) دونوں میں سے صرف ایک کی حرمت کے سبب ہے یا (۳) دونوں کے ایک ساتھ ہونے کی حرمت کے سبب ہے۔

دوسری صورت باطل ہے کیونکہ یہ کہنا درست ہے کہ ''جس نے شراب پی اور خنزیر کھایا اس کو حد لگانا واجب ہے۔ یوں ہی تیسری صورت بھی باطل ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا خلاف مطلقاً حرام ہے خواہ غیر کو اس کے ساتھ ملایا جائے یا نہ ملایا جائے اور جب مسلمانوں کی راہ سے ہٹ کر غیر کی راہ اختیار کرنا حرام ہے تو ثابت ہوا کہ ان کی راہ کی اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ کسی شخص کا مسلمانوں کی راہ کو پہچاننے کے باوجود ان کی راہ کو اختیار نہ کرنا یہ ان کی راہ سے ہٹ کر چلنا ہے۔ (2)

---

1 ......تفسیر الخازن، پ۵، النساء، تحت الایۃ: ۱۱۵، ج۱، ص۴۳۰.

2 ......تفسیر البیضاوی، پ۵، النساء، تحت الایۃ: ۱۱۵، ج۲، ص۲۵۳.

دسویں آیتِ مبارکہ:

﴿10﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (پ۹،الاعراف۱۵۶،۱۵۷)

ترجمۂ کنزالایمان: فرمایا میرا عذاب میں جسے چاہے دوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لیے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جواُن پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) نے فرمایا: ''اس آیت کریمہ کی ابتدا میں فرمایا گیا کہ'' قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ یعنی فرمایا میرا عذاب میں جسے چاہوں دوں۔'' یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے فرمایا تھا کہ میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہوں اپنے عذاب میں مبتلا کروں اور مجھ پر کوئی اعتراض نہیں اس لئے کہ ہر چیز میری ملکیت ہے اور تمام لوگ میرے بندے ہیں اور اگر کوئی اپنی ملکیت میں تصرف کرے تو کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔''

رحمتِ الٰہی کا بیان:

مذکورہ دسویں آیت مبارکہ میں یہ بھی فرمایا: ''وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍؕ یعنی اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔'' اس کا مطلب یہ کہ دنیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اس کی تمام مخلوق کو شامل ہے خواہ وہ نیک ہو یا گناہ گار ہو اور آخرت میں صرف مؤمنین ہی پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت ہوگی اور مؤمنین کے لئے بالخصوص دین اور آخرت میں رحمت ہے نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت کے وسیع ہونے کے سبب مومن کی برکت سے (دنیا میں) کافر کو بھی رزق دیا جاتا ہے اور اس سے بلائیں دور کی جاتی ہیں۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا امام حسن بن عبداللہ بصری (متوفی ۱۱۰ھ) وحضرت سیِّدُنا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ''بے شک دنیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت ہر نیک و بد کو شامل ہے اور آخرت میں فقط پرہیز گاروں کے لئے ہے۔''

کافر بھی فائدہ اٹھاتا ہے:

حضرت سیِّدُنا امام محمد بن سعد بن محمد بن حسن بن عطیہ عوفی علیہ رحمۃ اللہ الوافی (متوفی ۲۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''چونکہ مومن کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت وسیع ہے اس لئے کافر، مومن کے صدقہ وطفیل میں رحمتِ خداوندی سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے اور اس سے مصائب دور کیے جاتے ہیں اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت دنیوی زندگی میں تو پالیتا ہے مگر جب آخرت کا معاملہ ہوگا تو وہاں صرف مومن ہی کے لئے رحمت ہوگی اور کافر کی حالت اس شخص کی طرح ہوتی ہے جو کسی دوسرے کی آگ سے روشنی حاصل کرتا ہے اور جب چراغ والا چلا جاتا ہے تو یہ اندھیرے میں رہ جاتا ہے۔'' (2)

شیطان اور یہود و نصاریٰ کی خوش فہمی:

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) مذکورہ آیت کے اس حصہ: ''اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ

---

(1) ......تفسیر الخازن، پ۹، الاعراف، تحت الایۃ: ۱۵۶، ج۲، ص۱۴۶.

(2) ......تفسیر البغوی، پ۹، الاعراف، تحت الایۃ: ۱۵۶، ج۲، ص۱۷۱.

النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ یعنی وہ جوغلامی کریں گےاس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا قتادہ، حضرت سیِّدُ نا امام حسن بن عبداللہ بصری (متوفی ۱۱۰ھ) اور حضرت سیِّدُ نا امام ابن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ جب ''وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ یعنی اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔'' نازل ہوئی تو شیطان لعین کہنے لگا کہ ''ہر چیز'' میں تو میں بھی شامل ہوں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ حصہ آیت نازل فرمادیا: ''فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۚ﴿۱۵۶﴾ یعنی تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لیے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔''

اس آیت کے نازل ہونے پر یہود ونصاریٰ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمتوں کی تمنا کرتے ہوئے کہنے لگے: ''ہم توریت وانجیل (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی آیتوں) پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔'' تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے شیطان اور یہود ونصاریٰ کو اس نعمت سے محروم فرمادیا اور یہ خاص فضیلت اس آخری امت کو عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا: ''اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ یعنی وہ جوغلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی (یعنی رحمت انہی کے لئے خاص ہے)۔''(1)

اُمِّی ہونا حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم کا عظیم معجزہ ہے:

اس دسویں آیت مبارکہ میں حضور نبی کریم، رءوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو ''اُمی'' فرمایا گیا ہے۔اس کے تحت حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''اُمی'' کہتے ہیں اس کو جو نہ لکھتا ہو اور نہ ہی پڑھتا ہو اور یہاں نبیِ غیب دان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو اُمی فرمایا گیا کہ لوگوں کو اس بات پر تنبیہ ہو کہ جس نے ظاہراً نہ کسی سے پڑھنا سیکھا اور نہ ہی لکھنا سیکھا اُس کا علم کمال کی کس قدر بلندیوں پر ہے (کہ وہ بے پڑھے غیب کی خبریں دے رہے ہیں) اور یہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔''(2)

محققین علمائے کرام فرماتے ہیں: ''نبیوں کے تاجدار، رسولوں کے سالار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا ''اُمی'' ہونا یہ

---

(1)......شعب الایمان للبیهقی، باب فی ان دار المؤمنین الجنة ......الخ، الحدیث: ۳۷۹، ج۱، ص۳۴۳۔
تفسیر الخازن، پ۹، الاعراف، تحت الایة: ۱۵۷، ج۲، ص۱۴۶.

(2)......تفسیر البیضاوی، پ۹، الاعراف، تحت الایة: ۱۵۷، ج۳، ص ۶۴.

آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کے بڑے اور عظیم معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم وہ عظیم الشان کتاب اپنے ساتھ لائے ہیں جس میں اولین وآخرین کے علوم اور غیب کی خبریں ہیں اور جس کتاب نے اپنی فصاحت وبلاغت کے ذریعے مخلوق کو (اس کے مثل کلام لانے سے) عاجز کر دیا اور یہ ایسی کتاب ہے جو کہ صبح وشام پڑھی جاتی ہے مگر پھر بھی اس میں کوئی کمی زیادتی نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی تبدیلی ہوتی ہے اور یہ اس کے معجزہ ہونے پر دلیل ہے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم ظاہری طور پر بہترین کتابت فرماتے ہوتے اور پھر یہ قرآن عظیم اپنے ساتھ لاتے تو اس میں کُفّار، آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم پر تہمت لگاتے کہ یہ تو انہوں نے خود ہی لکھا ہے اور کسی اور سے نقل کر کے لے آئے جبکہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم اُمی کی صفت سے موصوف ہو کر یہ کتاب اپنے ساتھ لائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کا عظیم معجزہ ہے۔'' (1)

تورات وانجیل میں ذکرِ مصطفٰی:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور دسویں آیت مبارکہ میں رحمت دوعالم، نورمجسم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کا مزید ذکر خیر یوں کیا گیا کہ ''اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یعنی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں'' مراد یہ کہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کی صفات، نعت اور نبوت (کا ذکر) ان کتابوں میں پائیں گے۔''

حضرت سیِّدُنا صلصال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''ایک دن ہم سرورِ کونین، دکھی دلوں کے چین صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کی بارگاہ میں تھے کہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے ہم سے ارشاد فرمایا: ''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ بیمار ہیں، آؤ اُن کی عیادت کرنے چلتے ہیں۔'' تو حضور صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کی بات پر لبیک کہتے ہوئے آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کے پیچھے ہو لئے۔ راستے میں ایک یہودی شخص کو دیکھا جس کا لڑکا مرنے کے قریب تھا آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے اس کے قریب جا کر کہا: ''اے یہودی! کیا تم (یہودی لوگ) میرا ذکر توریت میں لکھا ہوا پاتے ہو؟'' اس نے سر کے اشارے سے انکار کیا کہ ''وہ توریت میں آپ کا ذکر لکھا ہوا نہیں پاتے۔'' تو اس وقت یہودی کے لڑکے نے کہا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! یارسول اللہ

...... تفسیر الخازن، پ۹، الاعراف، تحت الآیة: ۱۵۷، ج۲، ص۱۴۷.

صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ! یہ لوگ آپ کا ذکر توریت میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ابھی جب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تشریف لائے تو اس وقت میرے اس باپ کے ہاتھ میں توریت کا ایک جز تھا جس میں یہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی صفات اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صفات اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا ذکر خیر پڑھ رہا تھا۔جب اس نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو دیکھا تو اُس جز کو چھپا دیا۔

اتنا کہنے کے بعد اس لڑکے نے کہا: ''اِنِّیْ اَشْھَدُاَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ[1] ۔''اور یہ اس لڑکے کا آخری کلام تھا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔چنانچہ،تاجدارِ مدینہ،قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہم سے ارشاد فرمایا: ''اپنے اسلامی بھائی کے پاس اس وقت تک رہو کہ اس کے تمام حقوق ادا کرلو۔'' حضرت سیِّدُنا صلصال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''تو ہم اس یہودی اور اس کے بیٹے کے درمیان حائل ہو گئے اور اس کی تکفین وتدفین کے بعد ہم لوٹ آئے۔''

ذلت ورسوائی مقدر بن گئی:

مذکورہ دسویں آیتِ مبارکہ میں اپنے پاس لکھے ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی صفات،نعت اور نبوت کو اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں اور ان کے علما اور بڑے لوگ ان باتوں کو پہچانتے ہیں لیکن وہ بات کو چھپا دیتے ہیں اور انہوں نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے حسد اور اپنی حکومت کے زوال کے ڈر کی وجہ سے اُس میں تغیر وتبدل کر دیا مگر جس چیز کا ان کو ڈر تھا وہ ہو کر رہا کہ ان کی سلطنت جاتی رہی اور ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی۔''

تورات میں ذکرِ مصطفیٰ کی مثال:

حضرت سیِّدُنا عطا بن یسار علیہ رحمۃ اللہ الغفار فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا: ''مجھے توریت شریف سے حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی صفات بیان فرمائیں۔'' تو انہوں صفات بیان کرنا شروع فرمائیں کہ ''بے شک ہمارے پیارے آقا ومولیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی جو صفات قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت شریف میں بھی مذکور ہیں چنانچہ،توریت

[1] ...... ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں،وہ اکیلا ہے،اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم،اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندے اور رسول ہیں۔

شریف میں ہے: ''یَا اَیُّھَاالنَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاوَّحِرْزًالِّلْاُمِّیِّیْنَ اَنْتَ عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ سَمَّیْتُکَ بِالْمُتَوَکِّلِ لَیْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِیْظٍ وَّلَاصَخَّابٍ فِی الْاَسْوَاقِ وَ لَایَجْزِیْ بِالسَّیِّئَةِالسَّیِّئَةَ وَ لٰکِنْ یَعْفُوْوَیَغْفِرُوَلَنْ یَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰی یُقِیْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ یَّقُوْلُوْا ''لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ''وَ یَفْتَحُ بِهٖ اَعْیُنًاعُمْیًاوَّ آذَانًاصُمًّا وَّقُلُوْبًاغُلْفًا۔[1]

ترجمہ:اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) ہم نے آپ کو حاضر وناظر، خوشخبری سنانے والا، ڈرسنانے والا اور اَن پڑھوں کے لئے ڈھال بنا کر بھیجا، تم میرے بندے اور رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے، آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نہ سخت گو ہیں اور نہ ہی سخت دل ہیں اور نہ بازاروں میں آوارہ لوگوں کی طرح شور کرنے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ یہ تو مہربانی کرنے والے اور معاف فرمادینے والے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اس وقت تک ان کی روح پاک کو قبض نہ فرمائے گا جب تک ان کے ذریعے ناراستی پر کاربند ملت کو راہِ راست پر نہ لے آئے یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں) اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے سبب اندھی آنکھوں کو روشن فرمائے گا، بہرے کانوں کو کھول دے گا اور کفر وشرک کے غلاف چڑھے دلوں کو منور فرمائے گا۔''

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا احسن طریقہ:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور دسویں آیت مبارکہ میں یہ بھی ارشاد ہوا ''یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی (یہ نبی) انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا''، یعنی حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اچھے اخلاق اور صلہ رحمی کا حکم دیتے اور بتوں کی پوجا اور قطع تعلقی سے منع کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جب بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے منع فرماتے تو کسی کو مخصوص نہ کرتے۔ بلکہ ایسے دلنشین انداز میں کلام فرماتے جس سے ہر کوئی یہ سمجھتا کہ سرکار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم مجھ سے فرما رہے ہیں۔اسی لئے ان کے دلوں میں ایمان کی پختگی اور نصیحت کو قبول کرنے کی خواہش بڑھتی جاتی اور یوں ہی جب زجر وتوبیخ فرماتے تو کسی کو خاص کر کے نہ فرماتے۔پس اُمّتیوں کو بھی چاہئے کہ ''نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے میں

[1] ......صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کراهیة السّخب فی السوق، الحدیث: ٢١٢٥، ص ١٦٦، بتصرف قلیلٍ۔
تفسیرالخازن، پ٩، الاعراف، تحت الایة: ١٥٧، ج٢، ص١٤٧.

اس احسن طریقہ کو اپنالیں۔ لہٰذا اگر کسی سے کوئی برائی سرزد ہوجائے تو اس کو خاص کر کے اصلاح کا کوئی ''غلط طریقہ'' ایجاد نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی پردہ پوشی شرعاً مقرر ہے جیسا کہ نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم بعض اوقات (حکمت کے تحت) کسی کی سب سے بڑی برائی کفر کی بھی پردہ پوشی فرماتے تھے۔

حلال وحرام فرمانے کا اختیار:

مذکورہ دسویں آیت مقدسہ میں یہ بھی ارشاد ہوا ''وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ یعنی اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔'' یہاں حرام فرمانے سے مراد یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار جو چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے مثلاً بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ [1] یہ وہ حلال جانور ہوتے جن کو کفار اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور ان کو کھانا حرام سمجھتے تھے تو دوجہاں کے تاجدار، جناب احمد مختار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کو حلال قرار دے کر مسلمانوں کو ان کے کھانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ [2]

حضرت سیِّدُنا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''گندی چیزیں جن کو حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حرام فرمایا ان سے مراد، مردار، خون اور خنزیر کا گوشت ہے۔''

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں ان سے مراد خون اور خنزیر کا گوشت ہے یا پھر سود اور رشوت ہے۔'' [3]

---

1 ...... صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا مفتی محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: ''زمانۂ جاہلیت میں کفار کا یہ دستور تھا کہ جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور آخر مرتبہ اس کے نر ہوتا اس کا کان چیر دیتے پھر نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کو ذبح کرتے نہ پانی اور چارے پر سے ہنکاتے، اس کو بحیرہ کہتے اور جب سفر پیش ہوتا یا کوئی بیمار ہوتا تو یہ نذر کرتے کہ اگر میں سفر سے بخیریت واپس آؤں یا تندرست ہوجاؤں تو میری اونٹنی سائبہ (بجار) ہے اور اس سے بھی نفع اٹھانا بحیرہ کی طرح حرام جانتے اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے اور بکری جب سات مرتبہ بچے جن چکتی تو اگر ساتواں بچہ نر ہوتا تو اس کو مرد کھاتے اور اگر مادہ ہوتا تو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور ایسے ہی اگر نر مادہ دونوں ہوتے اور کہتے کہ یہ اپنے بھائی سے مل گئی اس کو وصیلہ کہتے اور جب نر اونٹ سے دس گیابھ حاصل ہوجاتے تو اس کو چھوڑ دیتے نہ اس پر سواری کرتے نہ اس سے کام لیتے نہ اس کو چارے پانی پر سے روکتے اس کو حامی کہتے (مدارک) بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ بحیرہ وہ ہے جس کا دودھ بتوں کے لیے روکتے تھے کوئی اس جانور کا دودھ نہ دوہتا اور سائبہ وہ جس کو اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے کوئی ان سے کام نہ لیتا یہ رسمیں زمانہ جاہلیت سے ابتدائے اسلام تک چلی آرہی تھیں اس آیت میں ان کو باطل کیا گیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، پ۷، المائدہ: ۱۰۳)

2 ......تفسیر الخازن، پ۹، الاعراف، تحت الآیۃ: ۱۵۷، ج۲، ص ۱۴۷.

3 ......تفسیر البیضاوی، پ۹، الاعراف، تحت الآیۃ: ۱۵۷، ج۳، ص ۶۴.

حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اس سے مراد خون، مردار اور خنزیر کا گوشت ہے۔''[1]

شریعتِ مصطفٰی میں آسانیاں:

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) طریقہ محمدیہ میں مذکور دسویں آیتِ مبارکہ کے حصے ''وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ یعنی ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جواُن پر تھے اتارے گا۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''یہاں بوجھ سے مراد وہ عہد و میثاق ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا کہ جو بھی احکام توریت شریف میں ہیں وہ ان سب کو بجالائیں حالانکہ وہ اَحکام اِنتہائی سخت تھے (تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی برکت سے وہ آسانیوں میں تبدیل ہوگئے۔'')[2]

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''گلے کے پھندے اتارنے سے مراد یہ ہے کہ وہ احکام جو انتہائی تکلیف دہ تھے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان میں تخفیف فرماتے ہیں جیسے قتل عمد و قتل خطا میں قصاص کو متعین کرنا، وہ اعضا جن سے کوئی خطا سرزد ہوجائے ان کو کاٹ دینا اور جسم کی وہ جگہ جس پر نجاست لگ جائے اس کو کاٹ دینا وغیرہ۔''[3]

سابقہ شریعت کی سختیاں:

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''دین اور شریعت میں جو سختیاں اور مشکلات تھیں یہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان کو آسان فرماتے ہیں اور وہ سختیاں یہ تھیں توبہ قبول ہونے کے لئے خود کو قتل کرنا، ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کے لئے قینچی سے کاٹ کر الگ کر دینا، دیت کے تقاضے کا حرام ہونا، ہفتہ کے دن کام سے باز رہنا، صرف عبادت گاہوں میں نماز کا جائز ہونا اور باریک رگوں کو بھی گوشت سے جدا کر دینا اور اس کے علاوہ جو بھی سختیاں بنی اسرائیل پر تھیں ان کو مجازاً قرآنِ مجید میں گلے کے پھندے سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ سختیاں حضرت سیِّدُ نا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی شریعت میں تھیں اور جب ہمارے پیارے آقا، دو عالَم کے

[1] ......تفسیر الخازن ،پ۹، الاعراف ،تحت الآیة: ۱۵۷ ،ج۲، ص ۱٤۷ .

[2] ......المرجع السابق .

[3] ......تفسیر البیضاوی، پ۹ ، الاعراف ، تحت الآیة: ۱۵۷ ،ج۳، ص ٦٤ .

داتا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن بن کر اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے تو یہ تمام احکامات منسوخ کر دیئے گئے اس پر دلیل آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمانِ عالیشان ہے کہ ''میں انتہائی آسان دین لے کر آیا ہوں۔''[1]

دسویں آیت مبارکہ میں یہ بھی فرمایا ''فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ یعنی وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں۔'' یہاں تاجدارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر ایمان لا کر ان کی تعظیم اور مدد کرنے کا ذکر ہے۔ تعزیر کا معنی یہ ہے کہ ان کی تعظیم وتوقیر کریں اور ان کے دشمنوں کو ان سے دور رکھیں اور مدد دینے سے مراد آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے دشمنوں کے خلاف آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی مدد کرنا ہے۔

علم ویقین کے اُجالے:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) مذکورہ آیت کے اس جز ''وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ یعنی اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا۔'' کے تحت فرماتے ہیں کہ ''اس میں نور سے مراد قرآنِ مجید ہے اور اس کو نور کہنے کی وجہ یہ ہے اس کے ذریعے مومن کا دل منور ہو جاتا ہے اور وہ شک وجہالت کے اندھیروں سے نکل کر علم ویقین کے اُجالوں میں پہنچ جاتا ہے۔''[2]

حاصل یہ کہ جو لوگ نبیوں کے تاجدار، رسولوں کے سالار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر ایمان لاتے ہیں ان کی تعظیم کرتے ہیں، دُشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرتے ہیں اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر نازل ہونے والے قرآن مجید کی اتباع کرتے ہیں وہی لوگ فلاح ومراد کو پہنچنے والے ہیں۔

گیارہویں آیتِ مبارکہ:

﴿11﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ﹰالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ

ترجمۂ کنز الایمان: تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اس

---

[1] ......ماخوذ من المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی امامۃ باھلی، الحدیث: ۲۲۳۵۴، ج۸، ص۳۰۳، بدون "السھلۃ".

[2] ......تفسیر الخازن، پ۹، الاعراف، تحت الایۃ: ۱۵۷، ج۲، ص۱۴۸.

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

کے سوائے کوئی معبود نہیں جلائے (زندہ کرے) اور مارے، تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔

(پ۹، الاعراف: ۱۵۸)

جِنّ و اِنس کے رسول:

یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ مکی مدنی سلطان، رحمت عالمیان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم تمام جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے اور دیگر رُسُل عظام علَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام صرف اُن کی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ (1)

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''یہاں خطاب نبیِّ دوجہاں، رحمتِ عالمیان، مکی مدنی سلطان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم سے ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ ''اے حبیب! لوگوں سے فرما دیجئے کہ میں تم سب کی طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں نہ کہ تم میں سے بعض کی طرف بھیجا گیا ہوں۔'' اور اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور نبیِّ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی رسالت تمام مخلوق کے لئے عام ہے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ''، یہ خطاب عام ہے جس میں تمام لوگ داخل ہیں۔ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو حکم فرمایا اعلان فرما دیجئے: ''اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا یعنی میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' اور یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ''آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔''

جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پیارے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو حکم دیا کہ یہ فرما دیجئے: ''يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا یعنی اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' تو اس کے فوراً بعد ارشاد فرمایا: ''الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ یعنی میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے۔'' اور یہ ایسی بات ہے جو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے۔ گویا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم فرما رہے ہیں: ''وہ ذات جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور وہی ان کی تدبیر فرمانے والا اور ان کا مالک ہے اس نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سے یہ فرماؤں: ''يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ

......تفسیر البیضاوی، پ۹، الاعراف، تحت الآیۃ: ۱۵۸، ج۳، ص۶۵.

جَمِیۡعًا یعنی اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' [1]

زندگی وموت کا مالک:

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ گیارہویں آیت طیبہ کے حصے ''لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ یعنی اس کے سوائے کوئی معبود نہیں، جلائے اور مارے۔'' کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''بے شک جو تمام عالم کا بادشاہ ہے وہ وہی ہے جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لئے لائق نہیں اور یہ جو فرمایا: ''یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ یعنی (اللہ عَزَّوَجَلَّ) جلائے اور مارے۔'' یہ مزید تاکید ہے کیونکہ حقیقی طور پر زندہ کرنا اور مارنا اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی صفت ہے۔'' [2]

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''یہاں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے وَصْفِ اُلُوہیَّت کو بیان فرمایا کہ وہ ایسی عظیم ہستی ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ اپنی مخلوق کو زندہ کرنے اور مارنے پر قادر ہے اور جس کی یہ شان ہو تو وہ اپنے رسولوں عَلَیۡهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو مخلوق کی طرف بھیجنے پر ضرور قادر ہے۔''

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی باتیں:

حضرت سیِّدُ نا امام محمد خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) نے طریقہ محمدیہ میں مذکورہ گیارہویں آیت کے حصے ''اَلَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ کَلِمٰتِهٖ یعنی اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' کے تحت درج ذیل اقوال نقل فرمائے ہیں:

(۱)......حضرت سیِّدُ نا قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''کلمات سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی آیات یعنی قرآن پاک ہے۔

(۲)......حضرت سیِّدُ نا امام ابو حجاج مجاہد (متوفی ۱۰۴ھ) اور حضرت سیِّدُ نا امام اسماعیل بن عبد الرحمٰن سدی رضی اللہ تعالٰی عنہما (متوفی ۱۲۸ھ) فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لفظِ ''کلمات'' سے حضرت سیِّدُ نا عیسیٰ ابن مریم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ذات کا ارادہ فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان سے پیدا ہوئے: ''کُنۡ یعنی ہو جا۔'' تو وہ ہو گئے۔''

(۳)......ایک قول یہ بھی ہے کہ: ''یہ فرمانِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ اپنے عموم پر ہے اور معنی یہ ہوگا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے تمام

[1] ......تفسیر الخازن، پ۹، الاعراف، تحت الآیۃ: ۱۵۸، ج۲، ص ۱۴۸.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۹، الاعراف، تحت الآیۃ: ۱۵۸، ج۳، ص ۶۵.

کلمات پر ایمان لائے۔“ [1]

حضرت سیِّدُ ناامام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: ”کلمات سے مراد آسمانی کتابیں اور وحی ہے جو حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اور دوسرے تمام انبیائے کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر نازل فرمائی گئی اور لفظ ”کَلِمٰتِہٖ“ کے پڑھنے میں تین باتیں مراد ہوسکتی ہیں (۱) جنسِ کلمات یعنی تمام کلمات (۲) قرآن پاک اور (۳) تیسرے حضرت سیِّدُ ناعیسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ذات مبارک اور اس میں یہودیوں کے لئے اس بات کا اشارہ اور تنبیہ ہے کہ جو ان پر ایمان نہیں لائے گا اس کا ایمان معتبر نہ ہوگا۔“ [2]

اتباع اور اس کی دو اقسام:

”طریقہ محمدیہ“ میں مذکور گیارہویں آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ”وَاتَّبِعُوْهُ یعنی اور ان کی غلامی (مکمل اتباع) کرو۔“ یہاں اتباع کا معنی یہ ہوا کہ ”اے لوگو! یہ نبی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم جس بات کا تمہیں حکم فرمائیں یا جس سے منع فرمائیں اس میں ان کی اطاعت کرو۔“

ایک قول یہ ہے کہ اتباع کی دو قسمیں ہیں: (۱)......اقوال میں اتباع (۲)......افعال میں اتباع۔

اقوال میں اتباع:

اقوال میں اتباع کا مطلب یہ ہے کہ تابع (یعنی اطاعت کرنے والا)، مَتبُوع (یعنی جس کی اطاعت کی جائے) کے ہر حکم پر عمل کرے خواہ اس کام کا تعلق کرنے سے ہو یا روکنے سے ہو یا ترغیب سے ہو۔

افعال میں اتباع:

افعال میں اتباع کا مطلب یہ ہے کہ تمام افعال اور طریقوں میں اتباع کی جائے۔ البتہ وہ اعمال جو حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ذات والاصفات کے ساتھ خاص ہیں ان میں اتباع نہ کی جائے کہ جب کسی عمل کا حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ خاص ہونا دلیل سے معلوم ہوجائے تو اس میں اتباع نہیں۔

---

1 ......تفسیرالخازن، پ۹، الاعراف، تحت الایة: ۱۵۸، ج۲، ص ۱۴۹.

2 ......تفسیرالبیضاوی، پ۹، الاعراف، تحت الایة: ۱۵۸، ج۳، ص۶۵.

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) مذکورہ گیارہویں آیت کے حصے ''لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ تم لوگ صرف حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع میں ہی حق کی طرف رہنمائی اور سچ کی حقیقت کو پاسکتے ہو۔'' [1]

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''دو حکموں یعنی حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر ایمان لانے اور ان کی اتباع کرنے کے بعد ہدایت و کامیابی کی امید دلانا اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے ہے کہ جو، ان پر ایمان تو لایا مگر ان کی شریعت کی لازمی باتوں میں ان کی اتباع نہ کی تو وہ گمراہی (یعنی سیدھی راہ سے دوری) میں ہی بڑھتا رہے گا۔'' [2]

بارہویں آیتِ مبارکہ:

﴿12﴾ ......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ (پ۱۷، الانبیاء ۱۰۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

آیت مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے سارے جہان کے لئے رحمت ہونے کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم لے کر تشریف لائے ہیں یہ تمام جہان کے لوگوں کے لئے سعادت اور ان کی زندگی و آخرت کی بہتری کا موجب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ''حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا کفار کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کو زمین میں دھنس جانے، چہروں کے بگڑنے اور یکبارگی کے عذاب سے امان عطا فرمادی۔'' [3]

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۹، الاعراف تحت الآیۃ: ۱۵۸، ج۲، ص ۱۴۹.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۹، الاعراف، تحت الآیۃ: ۱۵۸، ج۳، ص ۶۵.

[3] ......تفسیر البیضاوی، پ۱۷، الانبیاء، تحت الآیۃ: ۱۰۷، ج۴، ص ۱۱۱.

حضرت سیِّدُ ناامام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی۷۴۱ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''ایک قول یہ بھی ہے کہ لوگ کفر، جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھے اور اہل کتاب اپنی مدت کے لمبے ہونے کے لئے، اپنے تواتر کے منقطع ہونے اور اپنی کتابوں میں اختلاف کے وقوع سے اپنے دینی معاملات میں پریشانی کا شکار تھے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پیارے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو اس وقت مبعوث فرمایا جب راہ حق کے طالب کے لئے کامیابی وثواب (کے حصول) کا کوئی راستہ نہ تھا۔ چنانچہ، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کو حق کی طرف بلایا، انہیں سیدھا راستہ دکھایا، ان کے لئے احکام کا نفاذ فرمایا اور حلال کو حرام سے ممتاز فرما دیا۔''

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ''یہاں ''عَالَمِیْنَ'' کے لئے رحمت ہونے سے بالخصوص مؤمنین کے لئے رحمت ہونا مراد ہے پس آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان کے لئے رحمت ہیں۔''

کافر ومرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی:

حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا رحمت ہونا ہر شخص کے لئے ہے چاہے ایمان لائے یا نہ لائے پس جو ایمان لائے گا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس کے لئے دُنیا اور آخرت دونوں جگہ رحمت ہوں گے اور جو ایمان نہیں لاتا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس کے لئے صرف دنیا میں اس طرح رحمت ہیں کہ وہ دنیا میں عذاب کے جلد آنے، زمین میں دھنسنے، چہروں کے بگڑنے اور یکبارگی کے عذاب سے مامون رہتا ہے اور رحمتِ عالمیان، مکی مدنی سلطان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''میں ایسی رحمت ہوں جس کے سبب لوگ ہدایت پاتے ہیں۔''[1]

تیرہویں آیتِ مبارکہ:

﴿13﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾

(پ۱۸، النور۶۳)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔

---

[1] ......المصنف لابن ابی شیبة، کتاب الفضائل، باب ما اعطی اللّٰه محمداصلی اللّٰه علیه وسلم، الحدیث:۱۴۴، ج۷، ص۴۴۱۔
تفسیرالخازن، پ۱۷، الانبیاء، تحت الایة:۱۰۷، ج۳، ص۲۹۷.

راہِ رسول کو چھوڑنے کا انجام:

اس آیتِ طیبہ میں رسول اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے حکم کا خلاف کرنے سے مراد آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے حکم کے تقاضوں کو ترک کر دینا اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے کو اختیار کرنا ہے یا اس سے مراد آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے احکام سے دوسروں کو روکنا ہے اور جو ایسا کرتے ہیں ان کے لئے فرمایا کہ ''اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ یعنی (ایسوں کو ڈرنا چاہئے) کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔''[1]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''یہاں فتنہ سے مراد دنیوی مصیبت و بلا ہے۔''[2]

ظالم حکمران کیوں مسلط ہوتا ہے؟

حضرت سیِّدُنا امام عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السّلام (متوفی ۶۶۰ھ) مذکورہ آیت مبارکہ میں لفظ ''فِتْنَةٌ'' کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ ''فتنہ سے مراد یا تو مال، جان اور اولاد کے ذریعے سے آزمائش میں مبتلا کرنا ہے یا کفر مراد ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کو دین سے پھیر دے گا یا (آخرت میں) عذاب دیا جائے گا یا ان پر دنیا میں زلزلے اور گھبراہٹ طاری کر کے **ان پر ظالم حکمران کو مسلط کر دیا جائے گا** یا یہ مراد ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی یا دلوں کی گندگی کو ظاہر کر دیا جائے گا یا دلوں میں فساد و بگاڑ پیدا کر دیا جائے گا یا اُن پر ایسی نعمتوں کی کثرت کی جائے گی جن سے وہ دنیا کے دھوکے کا شکار ہو جائیں یا دل کو سخت کر دیا جائے گا کہ نیکی کو پہچان نہ سکیں گے اور برائی کو برائی نہ سمجھیں گے۔''

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''فتنہ (یعنی آزمائش) عوام کے لئے ہے اور بلا (یعنی مصیبت) خواص کے لئے ہے۔''

چودھویں آیتِ مبارکہ:

﴿14﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ۱۸، النور، تحت الایۃ: ۶۳، ج۴، ص۲۰۴

[2] ......تفسیر الخازن، پ۱۸، النور، تحت الایۃ: ۶۳، ج۳، ص۳۶۵

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿ؕ۲۱﴾ (پ۲۱،الاحزاب ۲۱)

اُس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

راہِ خدا میں مصائب برداشت کرنا سنّت ہے:

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''تم لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اچھی طرح سے پیروی کرو اور وہ یوں کہ تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین کی مدد کرو اور اس کے رسولِ اعظم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے معاون رہو اور ان سے منہ نہ موڑو اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرو جیسا حضور نبیِّ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے صبر فرمایا اس وقت جب ان کے دندانِ مبارک کو شہید کیا گیا، ان کے مبارک چہرے کو زخمی کر دیا گیا، ان کے چچا (سیدالشہدا حضرت سیِّدُنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ) شہید کر دیئے گئے اور انہیں ہر طرح سے تکالیف پہنچائی گئیں مگر انہوں نے صبر کیا اور یہ سب ہونے کے باوجود خون کے پیاسے کفار کو معاف فرما دیا تو تم بھی ان کی پیروی کرو اور ان کی سنتوں پر عمل کرنے والے بن جاؤ۔'' [1]

اتباع و پیروی کون کرتا ہے؟

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ آیت کے اس حصے: ''لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ یعنی (یہ پیروی کرنا) اُس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو'' کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''حضور نبیِّ اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع و پیروی وہی کرتا ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ثواب، اس کی ملاقات، آخرت کی نعمتوں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ایام خاص طور پر آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو۔'' [2]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی پیروی اس کے لئے ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی امید رکھتا ہے۔ حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی امید رکھنے سے مراد اس کے ثواب کی امید رکھنا ہے۔'' اور ''وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ'' کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی وہ محشر کے دن

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۲۱، الاحزاب، تحت الآیة: ۲۱، ج۳، ص ۴۹۲.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۲۱، الاحزاب، تحت الآیة: ۲۱، ج۴، ص۳۶۹.

کا خوف رکھتا ہو جس میں (اعمال کا) بدلہ دیا جائے گا۔“ [1]

اور آیت مقدسہ کے آخر میں فرمایا گیا ”وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا یعنی اور اللہ کو بہت یاد کرے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ خوشی ہو یا غمی ہر حال میں ہر جگہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو یاد کرے۔ حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) اس کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ”اس آیت طیبہ میں کثرتِ ذکر کو امید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو عبادت پر استقامت کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ سید عالَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والا ایسا ہی ہوتا ہے۔“ [2]

پندرہویں آیتِ مبارکہ:

﴿15﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ(۴۵) وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا(۴۶) (پ ۲۲، الاحزاب ۴۵، ۴۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم شاہد ہیں:

اس آیت مبارکہ میں حضور نبیِّ رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ”شاہد“ فرمایا گیا ہے۔ حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس گواہی سے مراد دیگر رسولوں عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کی تبلیغ پر گواہی دینا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ”نبی غیب دان، رحمت عالمیان، مکی مدنی سلطان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم قیامت کے دن ساری مخلوق کے گواہ ہیں۔“ [3]

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) فرماتے ہیں کہ ”جس جس کی طرف آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں ان تمام پر گواہ ہیں کہ ان کی تصدیق وتکذیب اور نجات وگمراہی کی گواہی دیں گے۔“ [4]

1 ......تفسیر الخازن، پ۲۱، الاحزاب، تحت الآیة: ۲۱، ج۴، ص ۴۹۲.
2 ......تفسیرالبیضاوی، پ۲۱، الاحزاب، تحت الآیة: ۲۱، ج۴، ص۳۶۹.
3 ......تفسیر الخازن، پ۲۱، الاحزاب، تحت الآیة: ۴۵، ج۴، ص ۵۰۴.
4 ......تفسیرالبیضاوی، پ۲۲، الاحزاب، تحت الآیة: ۴۵، ج۴، ص۳۷۹.

حضرت سیِّدُ نا امام عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السّلام (متوفی ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو اپنی وحدانیت (یعنی ایک ہونے) کے لئے گواہ بنایا ہے۔'' اور بعض نے یہ بھی کہا: ''گویا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرمارہا ہے کہ یہ نبی ہمارے شاہد ہیں پس وہ ہمارا ہی مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔''

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم مبشر ہیں:

مذکورہ آیت میں حضور رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو مُبَشِّر (یعنی خوشخبری دینے والا) فرمایا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ ''اے محبوب! تم میری رحمت کی خوشخبری دینے والے ہو۔'' یا اس سے مراد یہ ہے کہ ''احسان کرنے والے مؤمنین کو میری رضا کی خوشخبری دینے والے ہو۔''

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، باذنِ پروَرْدگار دوعالَم کے مالک ومختار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ایمان لانے والوں کو جنت کی خوشخبری دینے والے ہیں۔'' (1)

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نذیر ہیں:

نیز اسی آیت میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو نَذِیر (یعنی ڈرسنانے والا) فرمایا گیا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص دین اسلام اور اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو جھٹلاتا ہے تو یہ نبی معظم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس کو جہنم کا ڈرسناتے ہیں۔''

حضرت سیِّدُ نا امام عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السّلام (متوفی ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے: اے نبی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! بندوں کو ہمارے انتقام اور گناہگاروں کو ہمارے عذاب سے ڈرانے والے ہو۔''

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم دَاعِیُ اِلَی اللّٰہ ہیں:

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ آیت کے جز ''وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ یعنی اور (ہم نے آپ کو بھیجا) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا۔'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بندوں کو اس بات کی طرف بلاتے ہیں کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی توحید (ایک ہونے) کا اقرار کریں

(1)......تفسیر الخازن، پ۲۲، الاحزاب، تحت الایۃ: ۴۵، ج۳، ص ۵۰۴.

اوراس کی صفات کوبھی مانیں کہ ان پر ایمان لانا واجب ہے۔''[1]

امام زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) کہتے ہیں: ''اس دعوت سے مراد یہ ہے کہ توحیدِ باری تعالیٰ اور جو اس سے قریب ہے اس کی طرف بلاتے ہیں۔''

حضرت سیِّدُنا عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السّلام (متوفی ۶۶۰ھ) اس کے تحت فرماتے ہیں: ''اس سے کئی باتیں مراد ہوسکتی ہیں: آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بندوں کو ہماری عبادت کی طرف...... یا مخلوق کو ہمارے دروازے کی طرف...... یا اس بات کی گواہی کی طرف کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں...... یا پھر اطاعت وفرمانبرداری کی طرف بلانے والے ہو۔''

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اِذن کا معنی:

اوراس آیت مبارکہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اِذن سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم ہے یا اس کا عطا کردہ علم ہے یا پھر قرآنِ مجید مراد ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اذن سے نازل ہوا۔

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) ''اِذْن'' کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آسانی دینا ہے اور اذن کو آسانی دینے کے لئے مطلق رکھا اس حیثیت سے کہ اِذْن، آسانی دینے کے اسباب سے ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف بلانے کو اِذْن کے ساتھ مقید فرمایا کیونکہ یہ ایک مشکل کام ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مددِ خاص کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا۔''[2]

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم سراج منیر ہیں:

حضرت سیِّدُنا امام عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی ۶۶۰ھ) مذکورہ آیت میں ''وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا یعنی اور چمکا دینے والا آفتاب'' کے تحت فرماتے ہیں: ''سراج کا معنی یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے واضح وظاہر حجت ہیں[3] یا مراد یہ ہے کہ اُنسیّت کے انوار کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرنے اور نفس کے اندھیروں کو ان پر واضح فرمانے والے ہیں۔''

---

[1] ......تفسیرالبیضاوی، پ۲۲، الاحزاب، تحت الایۃ: ٤٦، ج٤، ص۳۷۹.

[2] ......المرجع السابق.

[3] ......المرجع السابق.

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''حضور انور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سراج منیر ہیں کہ جہالت کے اندھیروں میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے سبب روشنی حاصل کی جاتی ہے اور فہم وفراست کے انوار آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے نور ہی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔'' [1]

فہم وفراست کا نور:

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضور پُر نور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ''سراج منیر'' فرمایا کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے سبب شرک کے اندھیرے دُور ہوگئے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے وسیلے سے گمراہوں نے ہدایت پائی جیسا کہ چمکتے ہوئے سورج سے رات کے اندھیرے دُور ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''سراج منیر کا معنی یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے نورِ نبوت سے فہم وفراست کے نور کو بڑھاتا ہے جیسے سورج کی روشنی کی وجہ سے آنکھوں کے نور (یعنی دیکھنے کی قوت) کو بڑھاتا ہے اور سراج کے ساتھ نور ہونے کی صفت بیان کی گئی ہے یہ اس لئے کہ بعض سراج روشنی نہیں دیتے۔

سوال: اگر تم اعتراض کرو کہ قرآن پاک میں حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو سراج (بمعنی چراغ) کہا گیا ہے سورج نہیں کہا گیا حالانکہ سورج، سراج سے بڑھ کر چمکنے والا اور زیادہ منور ہوتا ہے؟

جواب: تو میں (یعنی امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کا جواب یہ دوں گا کیونکہ سورج کے نور سے کچھ لینا ممکن نہیں بخلاف سراج یعنی چراغ کے نور سے کہ اس سے کثیر انوار حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ [2]

امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جواب پر تبصرہ:

(صاحب حدیقہ ندیہ سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) اس جواب میں نظر ہے (یعنی جواب اپنے محل میں نہیں) کیونکہ چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ بعض کی رائے کے مطابق ستاروں کا نور بھی سورج سے حاصل شدہ ہوتا ہے اور یہ بات بعید نہیں کہ یہاں سراج منیر سے مراد سورج ہو اس لئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ ۲۲، الاحزاب، تحت الایة: ٤٦، ج ٤، ص ۳۷۹.

[2] ......تفسیر الخازن، پ ۲۲، الاحزاب، تحت الایة: ٤٦، ج ۳، ص ۵۰۵.

''وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ (پ۲۹، نوح ۱۶) یعنی اور سورج کو چراغ (کیا)۔'' پس جب شمس کو سراج کہا جاسکتا ہے تو پھر سراج کو بھی شمس منیر کہا جاسکتا ہے۔

سولھویں آیتِ مبارکہ:

﴿16﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ (پ۲۲، الاحزاب ۷۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اس نے بڑی کامیابی پائی۔

دُنیا میں تعریف، آخرت میں سعادت:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس آیت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی فرمانبرداری کرتا ہے دُنیا میں اس کی تعریفیں ہوتی ہیں اور آخرت میں سعادت مندی سے سرفراز ہوگا۔'' [1]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''بڑی کامیابی پانے سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی فرمانبرداری کے سبب عظیم بھلائی کو پانے میں کامیاب ہوگیا۔'' [2]

سترہویں آیتِ مبارکہ:

﴿17﴾...... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ (پ۲۸، الحشر ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

---

[1] ...... تفسیر البیضاوی، پ۲۲، الاحزاب، تحت الایة: ۷۱، ج۴، ص ۳۸۸.

[2] ...... تفسیر الخازن، پ۲۲، الاحزاب، تحت الایة: ۷۱، ج۳، ص ۵۱۴.

عطائے مصطفٰی:

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس آیت کے حصے ''وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ یعنی اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تاجدارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی عطا سے مراد مالِ غنیمت ہے۔'' [1]

حضرت سیِّدُ نا امام واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ مالِ غنیمت سے جو کچھ تمہیں رسول اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم عطا فرمائیں وہ لے لو کیونکہ وہ تمہارے لئے حلال ہے۔''

حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبیٔ کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تمہیں مالِ غنیمت سے دیں یا کوئی حکم دیں تو مال غنیمت کو لے لو کیونکہ یہ تمہارے لئے حلال ہے اور حکم پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جاؤ کہ اسے ماننا تم پر واجب ہے۔'' [2]

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس حصۂ آیت ''وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ یعنی جس سے (رسول) منع فرمائیں باز رہو۔'' کے تحت فرماتے ہیں کہ ''اس آیت کا حکم عام ہے کہ حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جس چیز سے منع فرمادیں اس سے باز رہو۔

سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا استدلال:

حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک بار ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے گودنے والی [3] اور گدوانے والی، پیشانی کے بال نوچنے والی اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کو کشادہ کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تخلیق کو بدلتی ہیں۔'' جب یہ بات (قبیلہ) بنواسد کی ''اُمِّ یعقوب'' نامی ایک عورت کے پاس پہنچی جو قرآن مجید پڑھا کرتی تھیں، تو وہ حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا: ''یہ کیسی بات ہے

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۲۸، الحشر، تحت الآیۃ: ۷، ج۴، ص۲۴۷.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۲۸، الحشر، تحت الآیۃ: ۷، ج۵، ص۳۱۹.

[3] ...... گودنے سے مراد سوئی (وغیرہ) سے جسم میں چھید لگا کر اس میں رنگ یا سرمہ بھرنا ہے۔

جوآپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے مجھ تک پہنچی ہے کیا آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس اس طرح کی بات کہی ہے؟'' پھر انہوں نے وہ بات دُہرائی تو حضرت سیِّدُ ناعبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: ''مَیں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جس پر رسولُ اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے لعنت فرمائی ہو اور ایسا کرنا تو قرآنِ مجید کا حکم ہے۔'' تو اس عورت نے کہا: ''میں نے قرآنِ مجید پڑھا مگر مجھے یہ حکم نہیں ملا۔'' تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ''اگر تو اسے بغور پڑھتی تو تجھے ضرور مل جاتا۔'' یہ فرما کر آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ (پ۲۸، الحشر ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عذاب سخت ہے:

حضرت سیِّدُ ناامام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ سترہویں آیت کے حصے ''اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ یعنی بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عذاب اس کے لئے ہے جس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی مخالفت کی۔''[2]

حضرت سیِّدُ ناامام خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس کے تحت فرماتے ہیں: ''اگر تم نے رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے حکم کو ترک کر دیا اور ان کے منع کردہ سے نہ بچے تو اس مخالفت پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عذاب سخت ہے۔''[3]

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

---

1 ......سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب فی صلة الشعر، الحدیث: ۴۱۶۹، ص۱۵۲۶۔
تفسیر الخازن، پ۲۸، الحشر تحت الاية: ۷، ج۴، ص۲۴۷.

2 ......تفسیر البیضاوی، پ۲۸، الحشر، تحت الاية: ۷، ج۵، ص ۳۱۹.

3 ......تفسیر الخازن، پ۲۸، الحشر، تحت الاية: ۷، ج۴، ص ۲۴۸.

سنت پر عمل کے متعلق (20) احادیث کریمہ

جس طرح قرآن مجید میں حضور نبی اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت پر عمل کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی جا بجا سنت پر عمل کا حکم دیا گیا۔ اس ضمن میں یہاں 20 احادیث طیبہ پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی حدیث شریف:

﴿1﴾...... حضرت سیِّدُنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور نبی اکرم، نورِ مجسّم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف کر کے ایسا بیان فرمایا کہ جس سے آنسو بہہ پڑے اور دل خوف زدہ ہو گئے تو ایک صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! یوں لگتا ہے کہ یہ بیان، الوداع کہنے والے کی نصیحت کی طرح ہے۔ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہمیں کس چیز کی وصیت فرماتے ہیں؟'' آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے اور امیر کی بات سن کر اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ کثیر اختلافات دیکھے گا تو (اُس وقت) تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ، رہنمائی کرنے والے خلفا کی پیروی لازم ہے، پس سنت کا دامن مضبوطی سے تھام لینا اس طرح کہ جیسے کوئی چیز داڑھوں سے پکڑتے ہو اور خود کو نئے پیدا ہونے والے کاموں سے بچا کر رکھنا کیونکہ ہر نیا (خلافِ شرع) کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔''[1]

(حضرت سیِّدُنا امام ابوداود علیہ رحمۃ اللہ الودود نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیث پاک کی شرح:

اس حدیث پاک میں بیان ہوا کہ نماز پڑھانے کے بعد حضور نبی اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے رُخِ انور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی طرف فرما لیا۔ اسی لئے امام کو یہ طریقہ اختیار کرنے کا حکم ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو

[1] ......سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی الزوم النسة، الحدیث: ٤٦٠٧، ص ١٥٦١۔
سنن النسائی، کتاب صلاۃ العیدین، باب کیف الخطبة، الحدیث: ١٥٧٩، ص ٢١٩٣.

جائے تو اپنا چہرہ لوگوں کی طرف کرلے جبکہ اس کے پیچھے کوئی مسبوق (جس کی ایک یا زیادہ رکعتیں فوت ہوگئی ہوں) نہ ہو اور اگر اس کے پیچھے مسبوق ہو تو پھر چہرہ قبلہ سے دائیں یا بائیں جانب کرلے۔

الوداع کہنے والے کی طرح نصیحت:

نیز اس حدیث شریف میں بیان ہوا کہ حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے الوداع کہنے والے کی طرح نصیحت فرمائی یعنی ایسے شخص کی وصیت کی طرح جو اپنی قوم کو چھوڑ کر جا رہا ہو اور چاہتا ہو کہ اپنے جانے سے پہلے انہیں ان باتوں کی وصیت کر جائے کہ اس کے بعد انہیں ان باتوں کی انتہائی ضرورت پڑے گی۔ تو وہ انہیں وصیت و نصیحت کرتا ہے، خوف دلاتا ہے اور زجر و توبیخ کرتا ہے اور اپنی مخالفت سے ڈراتا ہے اور یہ صرف ان کی بھلائی کی انتہائی چاہت کے سبب کرتا ہے کہ کہیں وہ اس کے بعد گمراہ نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ اس معنی کی تائید ایک حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان نصیحت بنیاد ہے کہ ''تم رخصت ہونے والے کی طرح نماز پڑھو۔''[1]

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) اس کا معنی یہ ہے کہ ایسے شخص کی طرح نماز پڑھو جو جانتا ہو کہ وہ اس نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنے کے لئے زندہ نہیں رہے گا اور مقصود اس سے یہ ہے کہ بغیر کمی بیشی کیے تمام حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے نماز کو بخوبی ادا کرنے کی پوری کوشش کرے۔''

واعظ کے آداب:

اور طریقہ محمدیہ میں مذکورہ حدیث پاک میں یہ اشارہ بھی ہے کہ واعظ کو چاہئے کہ بوقتِ وعظ اپنے پاس موجود حاضرین کو نصیحت کرنے میں پوری کوشش صرف کرے اور ایسی کوئی بھی فائدہ مند بات ترک نہ کرے جس کے متعلق جانتا ہو کہ حاضرین اس کے لئے دوسری مجلس کے محتاج ہوں گے کیونکہ دوسری مجلس تک زندہ رہنے کا کوئی بھروسہ نہیں اور واعظ کے لئے یہ جائز ہے کہ بغیر کوئی مشقت اٹھائے حاضرین کی حالت کے مطابق کبھی کبھار ان کو ڈرائے اور زجر و توبیخ کرے، البتہ! اس کی عادت نہ بنائے جیسا کہ حضور نبیٔ رحمت، شفیع امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا مبارک عمل تھا

[1]......الجامع الصغیر للسیوطی ،حرف الصاد ، الحدیث:۵۰۰۷ ، ص ۳۰۹ .

کہ کبھی ڈر سناتے اور کبھی نہ سناتے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے کا مطلب:

مذکورہ حدیث شریف میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے کی وصیت ارشاد فرمائی گئی ہے۔اس سے مراد عقیدہ،قول وعمل اور خاموش رہنے میں بچنا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ تم میں سے ہر کوئی ایسا عقیدہ رکھے یا ایسی بات یا عمل کرے جس کے بارے میں جانتا ہو کہ اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا وخوشنودی ہے۔اسی طرح خاموشی بھی وہاں اختیار کرے جہاں جانتا ہو کہ اس میں رضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ ہے اور ہر اس عقیدہ اور قول وعمل سے اجتناب کرے جس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ ناراض ہوتا ہے اور اگر مسلمانوں میں سے کسی کے اندر مذکورہ باتوں یا ان کے علاوہ کوئی اور برائی دیکھے تو اس سے چھپاتے ہوئے بغیر تعین کئے ہوئے اس کی اصلاح کرے یوں کہ کوئی تاویل کرے یا اسے اچھی بات پر محمول کرے۔ نیز قرآن وحدیث میں واردلفظِ تقویٰ میں اس طرف اشارہ ہے کہ متقی وہ ہے جو اپنی قدرت وطاقت کے مطابق برے کاموں سے پرہیز کرے۔جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان عالیشان ہے:''لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ (پ۳،البقرۃ ۲۸۶) ترجمۂ کنز الایمان:اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔''اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مومن سے بغیر قصد اور بغیر اصرار کے بعض اوقات کوئی لغزش وخطا صادر ہو جائے تو یہ تقویٰ کے منافی نہیں اور متقی ہونے میں حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرح ہمیشہ کے لئے معصوم ہونے کی شرط نہیں۔

امیر کی اطاعت سے مراد:

بیان کردہ پہلی حدیث پاک میں امیر کی بات سننے کا حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ امیر کی بات سن کر اس پر عمل کرے۔ صرف کانوں سے سننا مراد نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ۝۲۱ (پ۹،الانفال:۲۱) ترجمۂ کنز الایمان:اوران جیسے نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے۔''اور ہر وہ کام جس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی نہ ہو اس میں امیر کے حکم اور منع کردہ بات میں اس کی اطاعت واجب ہے۔کیونکہ یہ شرع کے نائبین ہیں اور حضور نبیٔ اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی یہ نصیحت دنیا وآخرت کے نفع کو جامع ہے۔کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے کا ذکر نفعِ آخرت اور امیر کی اطاعت کا حکم نفعِ دنیا کو شامل ہے۔

امیر اگرچہ حبشی غلام ہو:

پہلی حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ''امیر اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔'' حبشی، حبشہ کی طرف منسوب ہے اور یہ سوڈان کے رہنے والے لوگ ہیں۔ اس موقع پر ان کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کیونکہ بلادِ حجاز (یعنی عرب ممالک) میں اُس وقت سے لیکر آج تک اکثر یہی حبشی لوگ خدمت کرنے میں مشہور ہیں اور ''جَامِعُ الصَّغِیْر'' کی حدیث شریف میں یہ ہے کہ ''بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام، امیر بنا دیا جائے جس کا سر انگور کے دانے کی طرح ہو۔ (1)

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۱۰۳۱ھ) اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''یہاں ''سر'' کو انگور کے دانے کی طرح فرمایا اس میں دو اعتبار سے تشبیہ مراد ہوسکتی ہے یا تو کالے انگور سے رنگ میں تشبیہ دی گئی ہے یا انگور کے چھوٹے ہونے کے اعتبار سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پہلے اعتبار سے اس کا کالا اور حقیر و بدصورت ہونا مراد ہے۔ دوسرے اعتبار سے اس کا چھوٹا ہونا مراد ہے یعنی تم پر مقرر کیا جانے والا امیر اگرچہ اتنے چھوٹے جسم والا ہو گویا کہ اس کا سر انگور کے دانے کے برابر ہو اور کبھی کبھار ایسی مثال دی جاتی ہے کہ جس میں مُمَثَّلٌ لَہٗ (جس کے لئے مثال دی گئی) کی تحقیرِ شان مقصود نہیں ہوتی۔

حاکم و رعایا کے بعض احکام:

اس حدیثِ پاک سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ جب حاکم اسلام، رعایا کے کسی فرد کو تجارتی، زراعتی یا کسی بھی کام کا حکم دے تو وہ کام اُس شخص پر لازم ہوجائے گا جسے حاکم نے اس کام پر مقرر کیا اور حاکم کے مقرر کرنے کے سبب وہ کام فرض کفایہ سے فرض عین ہوجاتا ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا امام ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی علیہ رحمۃ اللہ الباقی (متوفی ۸۰٦ھ) فرماتے ہیں کہ ''ہمارے مشائخ میں سے بعض نے فرمایا: ''یہ حکم ان کسانوں کے بارے میں ہے جو ملک کی زراعت کے لئے مقرر ہیں کہ اس کام کو حاکم اسلام نے ان پر لازم کیا ہے اس وجہ سے یہ ایک حکم

(1) ......الجامع الصغیر، حرف الھمزہ، الحدیث:۱۰۳۹، ص٦۸۔

صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ، الحدیث:۷۱٤۲، ص۵۹۵.

شرعی ہے۔البتہ اگر حاکم اسلام ان پر ظلم کرے اورانہیں اُس کام پر مجبور کیا جائے جو ان پر لازم نہیں جیسے ان کی زمین ان کی رضا کے بغیر کرایہ پر دینا تو یہ حاکم اسلام کے لئے جائز نہیں۔لیکن کام کرنے کی صورت میں وہ ان مزدوروں کی طرح ہوں گے جو کام کر کے اجرِ مثل (یعنی رائج اجرت) کے مستحق ہوتے ہیں۔[1]

علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی وضاحت:

اور حاکم کا رعایا کے کسی فرد کو تجارتی وزراعتی کام کا حکم دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ کام ان کے اپنے لئے اور دیگر عوام کے لئے ہو صرف حاکم کے لئے نہ ہو۔یوں کہ حاکم انہیں اپنے لئے بغیر اجرت کے کسی چیز کے بنانے کا حکم دے یا ان کو کسی بھی کام میں بلا معاوضہ لگائے رکھے تو یہ سراسر ظلم ہے۔ایسے کسی کام میں رعایا پر حاکم کی اطاعت بالکل واجب نہیں اور اگر انہیں ایسے کام پر مجبور کیا گیا اور حاکم کے شر سے ڈرتے ہوں تو ان کے لئے وہ کام کرنا جائز ہے اور انہیں اجرِ مثل دیا جائے گا۔نیز کبھی ان پر وہ کام کرنا واجب ہو جاتا ہے جبکہ ان کو اپنی جان پر اس کے شر کا خوف ہو اور جو دھمکی دی تھی اس کے کر ڈالنے کا یقین ہو اور یہ حالتِ اِکراہ کا مسئلہ ہے نہ کہ امیر کی اطاعت کا۔

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم غیب جانتے ہیں:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا:''تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ کثیر اختلافات دیکھے گا۔'' یہ حضور نبی غیب داں صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ان باتوں کے بارے میں غیب کی خبر تھی جس کا وقوع آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے وصالِ ظاہری کے بعد ہونا تھا۔چنانچہ،سب سے پہلے اختلاف خلافت کے معاملے میں ہوا جیسا کہ حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی اور حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانے میں اس معاملہ پر جنگوں کا وقوع ہوا اور ان کے معاملے میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی اجتہادی رائے بھی مختلف ہے اور اس بات میں شک نہیں کہ وہ اپنے اجتہاد میں ثواب پانے والے ہیں اگرچہ بعض سے اجتہادی خطا بھی ہوئی مگر ان کا اختلاف محض اپنی ذات کے لئے نہ تھا بلکہ دین کی مدد کے لئے تھا۔

نیز حدیث شریف میں مذکور غیب کی خبر اس (زمانہ) کے بعد کی جنگوں کی کثرت اور ان کثیر اختلافات کے بارے

......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث:٣٩ ١٠، ج١، ص٦٥٥.

میں بھی ہے جو مسلمان بادشاہوں اور امرا کے درمیان ہوئے اور اُس وقت سے لے کر آج تک جاری ہیں۔ نیز اُمورِ دین میں بھی علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کے مابین اختلاف واقع ہوا اور ان سے منقول اقوال اعمال اور اعتقادات مختلف ہوگئے اور وہ اصول وفروع میں بہت سے مذاہب میں تقسیم ہوئے۔ حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی مذکورہ غیبی خبر میں ان تمام اختلافات کی طرف اشارہ موجود ہے۔

بوقتِ اختلاف سنت پر عمل کرو:

''طریقۂ محمدیہ'' میں مذکور پہلی حدیثِ پاک میں بوقتِ اختلاف سنت پر عمل کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اس سے مراد حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے فرامینِ مقدسہ، افعالِ مبارکہ، اعتقاداتِ شریفہ، اخلاقِ کریمہ اور سکوت یعنی غیر کے قول یا عمل پر خاموشی اختیار فرمانا ہے۔ جیسا کہ ماقبل اس کی تعریف بیان ہو چکی ہے۔

خلفائے راشدین کی پیروی کا حکم:

اسی حدیث شریف میں حکم ہوا کہ اختلاف کے وقت میری سنت کے ساتھ ساتھ میرے خلفائے راشدین مہدیین کی پیروی بھی تم پر لازم ہے۔ خلفائے راشدین سے مراد چار صحابہ کرام ہیں یعنی امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق، امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم، امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان ذوالنورین اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اور کبھی اس سے بعد میں آنے والا ہر وہ خلیفہ مراد لیا جاتا ہے جو اس حدیث شریف میں بیان کردہ اوصاف سے متصف ہو۔ اسی لحاظ سے اس حدیث پاک میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْن یعنی اور (تم پر) میرے ہدایت یافتہ، رہنمائی کرنے والے خلفا کی پیروی لازم ہے''

رَاشِدِیْنَ، رُشْد سے بنا ہے اور رُشْد کا معنی ہے: راہِ حق پر تصلب کے ساتھ استقامت اختیار کرنا۔ ایسا ہی (لغت کی کتاب) ''القاموس'' میں ہے۔ حاصل یہ کہ خلفا وہ ہیں جو علم وعمل کے حامل اور مخلص ہوں نیز اپنی موت تک اس (صفت) پر ثابت قدم رہیں اور مَهْدِیِّیْن اسمِ مفعول ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ نفوسِ قدسیہ جن کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہدایت عطا فرمائی تو وہ ہدایت یافتہ ہوگئے۔ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی راہنمائی فرمائی اور انہیں اپنے مقامِ قرب تک پہنچا دیا اور انہیں اپنی انسیت کی بارگاہ میں لے جا کر مقامِ مشاہدہ اور کھلی معرفت میں سچی طرح داخل فرما دیا اور انہیں

اپنے غیر کے دیکھنے سے سچی طرح نکال لیا۔‘‘

خلیفہ اور خلافت کی تعریف:

(لغت کی کتاب) ’’اَلْقَامُوْس‘‘ میں فرمایا کہ ’’خلیفہ سلطان اعظم کو کہتے ہیں۔اس کی جمع خلائف اور خلفا آتی ہے اور حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) ’’الجامع الصغیر‘‘ کی شرح میں ابو قاسم حسین بن محمد المعروف امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) سے نقل فرماتے ہیں: ’’خلافت غیر کی نیابت کو کہتے ہیں کہ اس کی عدم موجودگی یا موت یا عاجز آنے کی صورت میں اس کا نائب ہو یا پھر خلیفہ بنانے والا بطورِ شرف نیابت عطا کرے اور اس آخری معنی کے اعتبار سے اللہ عَزَّوَجَلَّ زمین میں اپنے اولیا کو خلافت سے سرفراز فرماتا ہے۔[1]

خلفائے راشدین کی پیروی سنت پر عمل ہے:

’’طریقہ محمدیہ‘‘ میں مذکور حدیثِ پاک میں ارشاد ہوا کہ ’’پس سنت کا دامن مضبوطی سے تھام لینا اس طرح کہ جیسے کوئی چیز داڑھوں سے پکڑتے ہو۔‘‘ اس کا معنی یہ ہے کہ ’’میری سنت ہو یا میرے ہدایت یافتہ خلفا کی سنت ہو اس کو مضبوطی سے تھام لینا۔ یہاں حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا ارشادِ گرامی ان مبارک الفاظ کے ساتھ ہے: ’’تَمَسَّکُوْا بِھَا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذ.‘‘ اس میں دونوں بار ’’بِھَا‘‘ اور ’’عَلَیْھَا‘‘ میں ضمیر یعنی ’’ھَا‘‘ واحد ہے (یعنی ایک شے پر دلالت کرتی ہے) جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے بعد خلفا کی سنت وطریقہ پر عمل حضور رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہی کی سنت پر عمل ہے کیونکہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے طریقہ تک پہنچنے سے قاصر افراد کے لئے ارشاد و ہدایت کے کام آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہی کی شریعت کے مطابق مقرر فرمائے تھے۔

سنت پر چلنا دشوار ہو جائے گا:

نیز حدیثِ پاک میں فرمایا کہ ’’سنت کا دامن مضبوطی سے تھام لینا اس طرح کہ جیسے کوئی چیز داڑھوں سے پکڑتے ہو۔‘‘ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنی قدرت وطاقت کے مطابق سنت کو اپنے اوپر لازم کر لینا اور اس کے حریص ہو جانا یوں

---

[1] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث:۱۶۷۶، ج۲، ص۲۶۲.

کہ جس طرح کوئی شخص اپنی داڑھوں اور دانتوں سے کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے اور اس پر ایسی گرفت کرتا ہے کہ وہ جب تک اس طرح پکڑے رہتا ہے وہ شے اس کے منہ سے نہیں گرتی اور آخری زمانے میں سنت پر مضبوطی سے عمل کرنے والے کو دانتوں اور داڑھوں سے کسی شے پر گرفت کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دینے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بڑا مشکل و کٹھن ہے اور اس کے لئے بولنا، کھانا، پینا اور سانس لینا سب مشقت کے ساتھ ہوگا۔ تو جو اپنے دانتوں کے ساتھ کوئی شے پکڑتا ہے اس کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے اور اگر وہ اس شے کو پکڑنے میں تکلُّف سے کام نہیں لیتا تو وہ بہت جلد اس سے چھوٹ جاتی ہے اور اسی کی مثل وہ شخص ہے جو آخری زمانے میں حضور نبیِّ رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت پر عمل کرے گا کہ وہ بھی حق بات کہنے پر بمشکل تمام قادر ہوگا۔ یوں ہی حلال کھانے اور پینے کا معاملہ ہو گا کیونکہ ظالم لوگ مسلمانوں کے اموال کو غصب اور خرچ کر کے تلف کر دیں گے۔ حتی کہ اہل بدعت اور جہل مرکب کے شکار لوگوں میں گھرے ہوئے شخص کے لئے ان لوگوں کی عداوت اور اس کے کاموں میں رکاوٹ و تنگی پیدا کرنے کی وجہ سے قریب ہے کہ جسم کو ہوا پہنچانے کا عملِ تنفس (یعنی سانس لینے کا عمل) بھی دشوار ہو جائے اور اسے سانس لینے کے لئے بھی بے حد کوشش کرنی پڑے۔

دین میں بدعت کی ممانعت:

اس پہلی حدیث شریف کے آخر میں ارشاد فرمایا: ''خود کو نئے پیدا ہونے والے کاموں سے بچا کر رکھنا۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ دین میں پیدا ہونے والے نئے کاموں اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقہ کے علاوہ کسی دوسرے کی اتباع سے دور اور بچتے رہنا۔ کیونکہ دین میں قیامت تک ہر وہ نیا کام جو حضور نبیِّ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقہ سے ہٹ کر ایجاد کیا جائے گا وہ بدعت ہے۔

ہر گمراہی جہنم میں ہے:

دین میں اس کی تکمیل کے بعد یا حضور نبیِّ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے بعد نئی چیز کا ایجاد کرنا خواہ اس کا تعلق خواہشات سے ہو یا اعمال سے، بدعت کہلاتا ہے اور یہاں بدعت کو دین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جبکہ بدعت کا تعلق دین کے علاوہ عادات سے بھی ہوتا ہے مگر وہ یہاں مراد نہیں۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ الغرض دین میں ہر بدعت

(یعنی خلافِ شرع نئی بات ایجاد کرنا) گمراہی ہے جس کے سبب اس کا ایجاد کرنے والا اوراس پر عمل کرنے والا دونوں صراطِ مستقیم سے ہٹ کر گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔یعنی اس پر عمل کرنے والا جہنم میں ہے۔مگر یہاں مبالغہ کا ارادہ کیا گیا ہے بایں طور کہ نفسِ بدعت بھی آگ میں ہے حالانکہ اس نے کوئی ظلم نہ کیا بلکہ ظلم تواس پر عمل کرنے والے نے کیا ہے اوراس کی مثال اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمانِ عالیشان ہے:

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىٕلَتْ ۪ۙ(۸) بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْۚ(۹) (پ ٣٠،التکویر٨،٩)

ترجمۂ کنزالایمان:اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی۔

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٨٥ھ) فرماتے ہیں:''اس سے مراد زندہ دفن کی گئی لڑکی ہے، عربوں کی عادت تھی کہ وہ بیٹیوں کو فقر وافلاس اوران کی وجہ سے عار میں مبتلا ہونے کے خوف سے زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اور زندہ درگور کی گئی لڑکی سے سوال کا ہونا اس کے دفنانے والے کی زجر وتوبیخ کے لئے ہوگا۔جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بروزِ قیامت نصاریٰ (عیسائیوں) کی زجر وتوبیخ کے لئے حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے ارشاد فرمائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ (پ٧،المائدۃ١١٦)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو اللہ کے سوا۔[1]

پہلی حدیث شریف کی دوسری سند:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور پہلی حدیثِ پاک کو حضرت سیِّدُنا حافظ ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٤٥٨ھ) نے اپنی کتاب ''اَلْمَدْخَل'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سیِّدُنا عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی اور حضرت سیِّدُنا حجر بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تھوڑی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے۔چنانچہ، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ''ہم حضرت سیِّدُنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی شان میں یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

وَّ لَا عَلَى الَّذِیْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْیُنُهُمْ

ترجمۂ کنزالایمان:اور نہ اُن پر جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں سواری عطا فرماؤ تم سے یہ جواب پائیں کہ میرے پاس کوئی

[1]......تفسیرالبیضاوی، پ ٣٠، التکویر، تحت الآیۃ:٨۔٩، ج٥، ص٤٥٧.

تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوۡا مَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ﴿۹۲﴾ (پ ۱۰، التوبۃ ۹۲)

چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو اُبلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا۔

ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ سلام کرنے کے بعد ہم نے عرض کی: ''ہم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت اور فیض حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔'' پھر حضرت سیِّدُنا عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے بیان فرمایا کہ ''ایک دن حضور نبیِّ اکرم، نورِ مجسّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر ایسا بیان فرمایا جس سے آنسو بہہ پڑے اور دل خوف زدہ ہو گئے تو کسی نے عرض کی: ''یارسولَ اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! گویا کہ یہ (بیان) الوداع کہنے والے کی نصیحت کی طرح ہے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہمیں کس چیز کی وصیت فرماتے ہیں؟'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے اور (امیر کی بات) سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس تم میں سے جو شخص میرے (وصال کے) بعد زندہ رہے گا وہ کثیر اختلافات دیکھے گا تو تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے، تو سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینا اس طرح کہ جیسے کوئی چیز داڑھوں سے پکڑتے ہو اور خود کو نئے پیدا ہونے والے کاموں سے بچا کر رکھنا کیونکہ (خلافِ شرع) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' [1]

دوسری حدیث شریف:

﴿2﴾......حضرت سیِّدُنا مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''آگاہ ہو جاؤ! مجھے کتاب (قرآن) اور اس کے ساتھ اس کی مثل (سنت) بھی دی گئی ہے، خبردار! عنقریب ایک پیٹ بھرا شخص اپنے تخت پر بیٹھا کہے گا: ''تم پر صرف قرآن مجید پر عمل کرنا لازم ہے تو جو قرآنِ مجید میں حلال پاؤ صرف اسے حلال جانو اور جو قرآنِ حکیم میں حرام پاؤ صرف اسے حرام جانو۔'' پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جان لو! جو چیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول نے حرام کی گویا کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی نے حرام فرمائی ہے اور یاد رکھو! تمہارے لئے گھریلو گدھا حلال نہیں اور نوکیلے دانت والا کوئی درندہ بھی حلال نہیں

[1] ......سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، الحدیث: ٤٦٠٧، ص ١٥٦١.

اور ذمی کافر کا گرا پڑا مال بھی تمہارے لئے حرام ہے سوائے یہ کہ اس کا مالک اس سے بے پرواہ ہو جائے اور جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے تو اس قوم پر اس کی مہمان نوازی کرنا لازم ہے اور مہمان بقدرِ حاجت (مہمانی کا) حق، میزبانوں سے لے سکتا ہے۔'' (1)

(حضرت سیِّدُنا امام ترمذی و امام ابوداود علیہما رحمۃ اللہ الودود نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

سنتِ رسول کی تین اقسام:

اس حدیثِ شریف میں بیان ہوا کہ حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو قرآن کے ساتھ سنت بھی دی گئی ہے۔ حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) ''اَلْمَدْخَل'' میں سند (حافظ ابوعبداللہ از ابوالعباس محمد بن یعقوب از ربیع بن سلیمان) کے ساتھ حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ''حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت تین قسم پر ہے (۱)......ایک وہ جس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ پاک میں نص نازل فرمائی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس کے مطابق عمل فرمایا (۲)......دوسری وہ جس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اجمالی حکم نازل فرمایا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اس معنی کو بیان فرما دیا جس کا اس نے اجمالی حکم سے ارادہ فرمایا تھا اور فرضیت کے عام یا خاص ہونے کو واضح فرمایا نیز بیان فرمایا کہ بندوں کے لئے اس حکم کی ادائیگی سے کیا مراد ہے (۳)......تیسری وہ جس کے بارے میں کتاب یعنی قرآن مجید میں کوئی نص وارد نہیں مگر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے عمل فرمایا ہے۔

سنت کے متعلق علما کے اقوال:

(۱)......بعض علمائے کرام نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے اپنی اطاعت والا ہر فرض عمل مقرر فرما دیا تھا اور اس عمل کی توفیق بھی اس کے علمِ اَزَلی میں موجود تھی تو یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی رضا ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم وہ عمل فرمائیں جس میں کتاب یعنی قرآنِ پاک کی کوئی نص موجود نہیں۔''

(۲)......بعض علمائے کرام نے ارشاد فرمایا: ''حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے کبھی بھی ایسا عمل نہ فرمایا

......المرجع السابق ، الحدیث:٤٦٠٤ ـ جامع الترمذی،ابواب العلم،باب مانھی عنه......الخ ،الحدیث:٢٦٦٤،ص ١٩٢٠.

جس کی اصل قرآنِ پاک میں نہ ہوجیسا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی وہ سنت جونماز کی تعداد کو بیان کرتی ہے اور اس پر عمل کی اصل قرآنِ پاک میں فرضیتِ نماز کا اجمالی ذکر ہے اور یوں ہی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا خرید وفروخت وغیرہ کے شرعی احکام بیان فرمانا، ان کی اصل بھی قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (پ ۵، النساء ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (پ ۳، البقرۃ ۲۷۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سُود۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے جو کچھ حلال یا حرام فرمایا یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے فرمایا ہے جیسا کہ نماز کی تفصیل بیان فرمائی۔''

(۳)......بعض نے فرمایا: ''بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا پیغام ہی حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس اس عمل کا حکم لایا ہے۔ تو اس پیغام نے حکمِ الٰہی سے سنت کو ثابت کر دیا۔''

(۴)......بعض علمائے کرام نے فرمایا: ''رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے جب بھی کوئی عمل فرمایا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وہ بات آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے قلبِ اَطہر (یعنی دل) میں ڈال دی تھی اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت ایسی حکمت ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے دل میں القا کی گئی ہے۔''

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی رائے:

حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ ھ) اپنی اسی کتاب (یعنی اَلْمَدْخَل) میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت سیِّدَتُنا اُمُّ المؤمنین اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا کہ ''دو افراد کا وراثت اور ان چیزوں کے بارے میں جن کا نام ونشان مٹ چکا، جھگڑا ہو گیا تو وہ فیصلہ کروانے کے لئے حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسَلَّم نے ان سے ارشاد فرمایا: ''میں تم دونوں کے درمیان اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں کیونکہ اس بارے میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا ابن شہاب علیہ رحمۃ اللہ الوہاب سے مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر فرمایا: ''اے لوگو! درست وحق رائے تو صرف حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تھی کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو اُس بات سے آگاہ فرمادیا کرتا تھا اور ہماری رائے، وہ تو گمان اور تکلّف ہے۔'' (2)

دو طرح کا حکم:

حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) نے یہ فرمان بھی ذکر کیا ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو دو طرح سے حکم ارشاد فرمایا (۱)......ایک حکم، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر نازل ہونے والی وحی ہے جسے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے (۲)......دوسرا حکم، پیغام ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس آتا تھا اس طور پر کہ ''اے محبوب! آپ یہ عمل کیجئے۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس عمل کو بجالاتے۔''

کتاب وحکمت:

حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی یہ بات دلیل بن سکتی ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ ذیشان: ''وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط (پ۵، النساء ۱۱۳) ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اُتاری اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔'' میں ''کتاب'' سے مراد وہ (یعنی وحی) جسے حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے (بندوں پر) پڑھتے ہیں اور حکمت سے مراد وہ پیغام ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس آتا تھا پس اس پیغام نے حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت کو ثابت کیا۔ (3)

(1)......سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب فی قضاء القاضی اذا خطاء، الحدیث: ۳۵۸۵، ص۱۴۸۹.

(2)......المرجع السابق، الحدیث: ۳۵۸۶.

(3)......الام للامام الشافعی، کتاب النفقات، اللعان، ج۳، الجزء الخامس، ص۱۳۶.

نیز آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ حضرت سیِّدُنا قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان: ''وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ (پ۲۲،الاحزاب: ۳۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔'' میں ''اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ'' سے مراد قرآن اور سنت ہے۔''

نزولِ وحی کا منظر:

اور حضرت سیِّدُنا عطاء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صفوان بن یعلی بن اُمیہ نے انہیں خبر دی کہ حضرت سیِّدُنا یعلی ابن امیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کیا کرتے تھے: ''اے کاش! میں حضورِ انور، صاحبِ کوثر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو ایسے وقت میں دیکھوں جب آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر وحی نازل ہو رہی ہو۔'' چنانچہ، جب حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ''جِعِرَّانَہ'' کے مقام پر کپڑے سے بنے ایک سائبان کے نیچے تشریف فرما تھے اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمت میں چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین بھی موجود تھے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ اس وقت ایک اعرابی جس نے خوشبو سے مہکتا ہوا جبہ پہن رکھا تھا اور وہ عمرہ کا احرام بھی باندھ چکا تھا، اس نے حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یا رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے عمرہ کے احرام میں خوشبودار جبہ پہن رکھا ہو؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے کچھ دیر اس کی طرف دیکھا پھر سکوت فرمایا۔ اتنے میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر وحی نازل ہونا شروع ہوگئی۔ پس امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہاتھ کے اشارے سے حضرت سیِّدُنا یعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلایا (تاکہ وہ نزولِ وحی کا منظر دیکھ لیں)۔ چنانچہ، وہ آئے اور اپنا سر داخل کر کے دیکھا کہ رحمت عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا چہرۂ اقدس سرخ تھا اور خراٹے (کی مثل سانس کی) آواز آ رہی تھی کچھ دیر تک یہی حالت رہی۔ پھر افاقہ ہوا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص کہاں ہے جس نے ابھی عمرہ کے بارے میں سوال کیا تھا؟'' پس ایک صاحب اسے تلاش کر کے لے آئے۔ تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس سے ارشاد فرمایا: ''جو خوشبو تمہارے بدن پر لگی ہے اسے تین مرتبہ دھو ڈالو اور جبہ کو اتار دو۔ پھر

عمرہ میں وہی کروجو حج میں کرتے ہو۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا حسان بن عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر جس طرح قرآنِ پاک لے کر نازل ہوتے تھے اسی طرح سنت لے کر نازل ہوتے تھے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو سنت بتاتے تھے جس طرح قرآنِ پاک بتاتے تھے۔'' (2)

ثابت ہوا کہ سنت وہ ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے نبی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو عطا فرمائی ہے اور ان چیزوں میں سے نہیں ہے جو بذاتِ خود عمل میں لائی جاتی ہیں۔

پیٹ بھرنے کی آفت اور بھوک کی فضیلت:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور دوسری حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''عنقریب ایک پیٹ بھرا شخص اپنے تخت پر بیٹھا کہے گا'' یہاں پیٹ بھرا کہہ کر ایسے شخص کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو غافل و مغرور اور اپنے پیٹ و شرم گاہ کی شہوت میں مبتلا ہو۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں شکم سیری، کمالِ انسانی کو نقصان پہنچانے والے عیوب میں شمار کی جاتی تھی۔ اسی لئے حدیثِ پاک میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ،

(۱)......حضور نبیٔ کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''بہت سے روزہ دار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا روزہ نہیں ہوتا ہاں وہ بھوکے ضرور ہوتے ہیں۔'' (3)

(۲)......حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''ابن آدم نے اپنے پیٹ سے برا کوئی برتن نہیں بھرا۔'' (4)

(۳)......شفاء شریف میں اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ ارشاد فرماتی ہیں کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔'' (5)

(1)......صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائفة ...... الخ، الحدیث: ۴۳۲۹، ص ۳۵۴، بتغیرٍ قلیلٍ.

(2)......مراسیل ابی داؤد مع سنن ابی داود، باب فی البدع، ص ۲۰.

(3)......سنن ابن ماجه، ابواب الصیام، باب ماجاء فی الغیبة......الخ، الحدیث: ۱۶۹۰، ص ۲۵۷۸.

(4)......جامع الترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء فی کراهیة کثرة الاکل، الحدیث: ۲۳۸۰، ص ۱۸۹۰.

(5)......الشفاء مع شرح ملّا علی قاری، الباب الثانی فی تکمیل محاسنة فصل واما زهده، ج ۱، ص ۳۱۷.

(۴)......رسولِ اکرم، نورِ مجسّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''بھوک اور پیاس کے ذریعے اپنے نفس سے جہاد کرو کیونکہ اس کا اجر راہ خدا میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک بھوک اور پیاس سے بڑھ کر پسندیدہ کوئی عمل نہیں۔'' [1]

(۵)......رحمتِ عالم، نورِ مجسم، شاہ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''**سَيِّدُ الْاَعْمَالِ الْجُوْعُ** یعنی اعمال کا سردار بھوکا رہنا ہے۔'' [2]

اور حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا بھوک برداشت کرنا اختیاری طور پر تھا۔ [3] جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت سیِّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے اس کی تفصیل ''احیاء العلوم'' میں بیان فرمائی ہے۔ [4]

قرآنی تقاضوں کی تفصیل:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور دوسری حدیث شریف میں پیٹ بھرے شخص کے تخت پر بیٹھنے کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص انتہائی عیش وعشرت اور خوشحالی میں ہوگا اور اپنی وعظ وامارت کی کرسی پر بیٹھ کر کہتا ہوگا کہ ''تم صرف قرآنِ پاک پر عمل کو کافی سمجھو کہ وہ تمہارے سامنے پڑھا جاتا، حفظ کیا جاتا اور لکھا جاتا ہے۔ پس جو قرآنِ مجید میں حلال پاؤ صرف اسے حلال جانو اور جو قرآنِ حکیم میں حرام پاؤ صرف اسے حرام جانو۔'' ایسا کہنے والا غلطی پر ہے کیونکہ قرآنِ پاک میں ہر چیز کا بیان ہے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے: ''**مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ**'' (پ۷، الانعام: ۳۸) ترجمۂ کنز الایمان: ہم

---

[1] ......احیاء علوم الدین، کتاب کسر الشھو تین، بیان فضیلۃ الجوع وذم الشبع، ج۳، ص۱۰۰.

[2] ......المرجع السابق.

[3] ...... حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے فقر مبارک کے اختیاری ہونے پر کئی احادیث کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم نے فقر کو خود اختیار فرمایا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تو حدیث قدسی میں یہ ارشاد فرمایا: ''اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَاِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا ترجمہ: اگر آپ چاہو تو ''نبی عبد'' بن جاؤ اور اگر چاہو تو تمہیں ''بادشاہ نبی'' بنادوں۔'' یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو فقر اور بادشاہی کے درمیان اختیار عطا فرمایا تھا مگر بیکسوں کے آقا، مکی مدنی مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فقر کو پسند فرمایا اور آپ کی دُعا یہ ہوتی تھی: ''اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ترجمہ: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے مسکینی اور فقر کی حالت میں زندہ رکھ اور اسی حالت میں وفات دے اور مجھے بروز قیامت بھی مساکین کے گروہ میں اٹھانا۔''
(جامع الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان فقراء المھاجرین......الخ، الحدیث: ۲۳۵۲، ص۱۸۸۸)

[4] ......احیاء علوم الدین، کتاب کسر الشھو تین، بیان فضیلۃ الجوع وذم الشبع، ج۳، ص۱۰۰.

نے اس کتاب میں کچھ اُٹھا نہ رکھا۔'' اور بندے اپنی قدرت کے مطابق ہی قرآنِ پاک سے مسائلِ حلال وحرام کو پاسکیں گے اور کم فہم وکم عقل شخص اپنی کم عقلی کی وجہ سے اکثر مسائلِ قرآن سے جاہل رہ جاتا ہے۔ایسا کہنے والے اس وجہ سے بھی غلطی پر ہیں کیونکہ بندوں کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ قرآن پاک میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تمام حلال کردہ اور حرام کردہ چیزوں کو پاسکیں۔اگرچہ قرآنِ مجید ان تمام احکامات کا جامع ہے مگر پھر بھی سنتِ نبوی میں غور وفکر کرنا لازم ہے اس لئے کہ سنت میں قرآنِ مجید کے پوشیدہ حکم کا بیان، اس کے اجمال کی وضاحت اور اس کے تقاضوں کی تفصیل ہے۔اسی لئے حضور نبئ اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے مذکورہ شخص کی حکایت کے بعد ارشاد فرمایا: ''اور بلاشبہ جو بات اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول نے حرام کی گویا وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہی حرام فرمائی۔''

یہ اس حیثیت سے کہ قرآن وسنت دونوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اس کے نبی کی طرف وحی کئے جاتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے ماقبل میں بیان کیا کہ سنت ذاتی رائے کا نام نہیں۔

گدھے کے حرام ہونے پر احادیث مبارکہ:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور دوسری حدیث شریف میں حضور نبئ پاک صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے گھریلو گدھے کا گوشت کھانا حرام فرمایا، کیونکہ اس سے پہلے اس کا گوشت کھایا جاتا تھا۔حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے ''صحیح مسلم'' کی شرح میں کئی احادیثِ مبارکہ نقل فرمائی ہیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ارشاد فرماتے ہیں: اکثر روایات میں یہی بیان ہوا ہے کہ حضور رحمتِ عالم، نورِ مجسم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے خیبر کے دن گدھے کا گوشت کھانا منع فرمایا تھا۔

(۱)......ایک روایت میں ہے کہ حضور سید عالم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے گھریلو گدھے کا گوشت کھانا حرام فرمایا ہے۔''[1]

(۲)......ایک روایت میں ہے کہ ایک دن آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے دیکھا کہ ہانڈیوں میں گدھے کا گوشت پک رہا ہے تو آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس کے گرانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: ''اس کے گوشت سے کچھ نہ کھاؤ۔''[2]

---

[1]......صحيح مسلم، كتاب الصيد، باب تحريم اكل لحم الحمر الانسية، الحديث: ۵۰۰۷، ص ۱۰۲۴.

[2]......المرجع السابق، الحديث: ۵۰۱۱.

(۳)......ایک روایت میں ہے کہ ''ہمیں گھریلو گدھے کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے۔'' [1]

(۴)......ایک روایت میں ہے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے گدھے کا گوشت پکتے دیکھا تو ارشاد فرمایا: ''برتنوں کو اُلٹ کر توڑ دو۔'' ایک شخص نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! اگر ہم اسے انڈیل کر برتنوں کو دھولیں۔'' ارشاد فرمایا: ''ایسا کرلو۔'' [2]

(۵)......ایک روایت یوں ہے کہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے منادی (یعنی اعلان کرنے والے) نے اعلان کیا: ''سن لو! اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تمہیں گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرماتے ہیں کہ یہ گندگی ہے یا (یہ کہا) ناپاک ہے۔ پس ہانڈیوں میں جو (گدھے کا گوشت) ہے، انڈیل دیا جائے۔'' [3]

(حضرت سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی مزید فرماتے ہیں) گدھے کے گوشت کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے: **(۱)**......اکثر صحابہ، تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بعد کے علمائے کرام مذکورہ صریح وصحیح احادیثِ مبارکہ کی وجہ سے گھریلو گدھے کے گوشت کو حرام کہتے ہیں **(۲)**......حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ حرام نہیں۔'' **(۳)**......حضرت سیِّدُنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۷۹ھ) سے اس بارے میں تین راویات ہیں: (۱) سب سے مشہور روایت میں شدید مکروہ تنزیہی (۲) حرام اور (۳) مباح یعنی جائز اور درست قول حرام ہونے کا ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ کی وجہ سے جمہور یعنی اکثر نے حرام کہا ہے۔

سوال: گدھے کے گوشت کو اکثر نے حرام قرار دیا ہے مگر ''سنن ابوداؤد شریف'' کی درج ذیل حدیث شریف میں اس کے کھانے کی اجازت ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا **غالب بن ابجر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں قحط (یعنی خشک سالی) نے گھیر لیا اور میرے پاس کچھ مال نہ تھا کہ اپنے گھر والوں کو کھلاتا سوائے چند گدھوں کے اور حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم، گھریلو گدھوں کا گوشت کھانا حرام فرما چکے تھے۔ پس مَیں نے سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار صلَّی اللہ

---

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الصید، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیة، الحدیث: ۵۰۱۴، ص ۱۰۲۴.

[2] ......المرجع السابق، الحدیث: ۵۰۱۸.

[3] ......المرجع السابق، الحدیث: ۵۰۲۱، ص ۱۰۲۵.

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! ہم قحط میں مبتلا ہو گئے ہیں اور میرے پاس مال نہیں کہ اپنے گھر والوں کو کھلاؤں، صرف موٹے تازے چند گدھے ہیں اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم، گھریلو گدھوں کا گوشت حرام فرما چکے ہیں۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنے گھر والوں کو اپنے موٹے گدھوں سے کھلاؤ اور میں نے ان کو بستیوں میں گھومنے پھرنے والا ہونے کی وجہ سے حرام کیا ہے (کہ وہ گھوم پھر کر غلاظت کھاتے ہیں)۔''[1]

جواب: یہ حدیث ''مُضْطَرِب''[2] ہے جس کی سندوں میں شدید اختلاف ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو گدھے کے گوشت کو کھانا حالتِ اضطرار پر محمول کیا جائے گا (مثلاً کھانے کو گدھے کے گوشت کے سوا کچھ نہیں اور یقین ہے کہ یہ نہ کھایا تو مرجائے گا تو کھانا جائز بلکہ واجب ہے)۔[3]

حضرت سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) کا کلام یہاں ختم ہوا

علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا جواب:

(مذکورہ سوال میں بطورِ دلیل پیش کردہ حدیث شریف میں) حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان ''تم اپنے گھر والوں کو اپنے موٹے گدھوں سے کھلاؤ'' کو اس بات پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کہ ''تم ان گدھوں کی اجرت یا ان کی قیمت سے کھلاؤ۔'' اور یہ اس طرح کہ جب حضرت سیِّدُنا غالب بن ابجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گدھوں کے موٹے ہونے کے وصف کو کھانے کے لئے بیان کیا تو حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس وصف (یعنی موٹے ہونے) کو اجرت کی طرف پھیر دیا کہ لوگوں کا سامان اٹھا کر یا ان کو سواری کے لئے دے کر یا نگہبانی و غلہ وغیرہ گاہنے کے لئے

[1] ......سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، باب فی اکل لحوم الحمر الاھلیة، الحدیث: ۳۸۰۹، ص ۱۵۰۳.

[2] ......''نُزْھَۃُ النَّظَرِ فِی تَوْضِیْحِ نُخْبَۃِ الْفِکَر'' میں ہے: ''اگر سند میں مخالفت، راوی کے بدلنے کی وجہ سے ہو اور ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہ ہو تو اس حدیث کو ''مُضْطَرِب'' کہتے ہیں۔'' اور اس کے حاشیے میں ہے: ''مُضْطَرِب وہ حدیث ہے جس کو ایک یا ایک سے زیادہ راوی، ہم مرتبہ مختلف طرق پر روایت کریں اس طرح کہ نہ تو کسی کو دوسری پر ترجیح دی جاسکے اور نہ ہی دونوں کو باہم جمع کرنا ممکن ہو (اور اس کا حکم یہ ہے کہ) حدیثِ ''مُضْطَرِب''، ضعیف ہوتی ہے کیونکہ اضطراب کا پایا جانا اس بات کا اشارہ ہے کہ حدیث اچھی طرح یاد نہیں تھی۔

(شرح نخبة الفکر، ص ۹۵)

[3] ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیة، ج ۱۳، ص ۹۱ تا ۹۲.

کرایہ پر دے کر اجرت حاصل کرو اور اپنے گھر والوں کو اس سے کھلاؤ یا بیع کی طرف پھیر دیا کہ ان کو بیچ کر اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے گھر والوں کو کھلاؤ۔

اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص قسم کھائے کہ ''وہ اس کھجور کے درخت سے نہیں کھائے گا۔'' تو اس کے بارے میں فقہائے کرام ارشاد فرماتے ہیں: ''اس شخص نے اپنے حانث ہونے (یعنی قسم ٹوٹنے) کو کھجور کے کھانے کے ساتھ مقید کر دیا۔ اب اگر وہ کھجور کے تنے سے کچھ کھالے تو حانث (یعنی قسم توڑنے والا) نہ ہوگا اور اگر اس کھجور کے درخت پر کھجور ہی نہ ہو تو پھر اس کی قسم کو درخت کے ثَـمَـن (یعنی قیمت) کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ پس جب بھی وہ اس قیمت سے کوئی کھائی جانے والی شے خرید کر کھائے گا تو حانث (یعنی قسم توڑنے والا) ہو جائے گا۔

اور مذکورہ حدیثِ شریف میں حضرت سیِّدُنا غالب بن ابجر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عرض کرنا کہ ''آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم، گھریلو گدھوں کا گوشت حرام فرما چکے ہیں۔'' اس پر سید عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمانا کہ ''میں نے ان کو بستیوں میں گھومنے پھرنے والا ہونے کی وجہ سے حرام کیا ہے (کہ وہ گھوم پھر کر غلاظت کھاتے ہیں)۔'' یہ فرمان محض ان کے سامنے اعتذار اور حرام کرنے کے سبب کا بیان تھا نہ کہ حرام کرنے کی دلیل کے طور پر تھا کیونکہ دلیل تو حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر نازل ہونے والی وحی کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم ہوتا ہے۔

کون سے جانور حرام ہیں؟

''طریقہ محمدیہ'' میں بیان کردہ دوسری حدیثِ پاک میں یہ بھی فرمایا کہ ''نوکیلے دانت والا کوئی درندہ حلال نہیں''، یعنی اس کا گوشت کھانا تمہارے لئے جائز نہیں۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام شیخ محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) ''مسلم شریف'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ شفیعِ روزِ شُمار، باذنِ پروردگار دو عالَم کے مالک و مختار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے نوکیلے دانت والے درندے اور پنجے سے پکڑ کر کھانے والے پرندے (کا گوشت کھانے) سے منع فرمایا ہے۔'' اور ایک روایت یوں ہے کہ ''ہر نوکیلے دانت والے درندے کا کھانا حرام ہے۔''[1] ان احادیثِ مبارکہ میں حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ

[1] ……صحیح مسلم، الحدیث: ۴۹۹۶/۴۹۹۲، ص ۱۰۲۳.

(متوفی ۱۵۰ھ)، حضرت سیِّدُنا امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ)، حضرت سیِّدُنا امام احمد (متوفی ۲۴۱ھ)، حضرت سیِّدُنا امام داود (متوفی ۲۷۵ھ) اور جمہور علمائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے موقف کی دلیل وتائید ہے کہ ان کے نزدیک ''نوکیلے دانت والے ہر درندے اور پنجے سے پکڑ کر کھانے والے ہر پرندے کا کھانا حرام ہے۔''

اور حضرت سیِّدُنا امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۱۷۹ھ) نے ارشاد فرمایا: ''مکروہ ہے، حرام نہیں۔'' اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں: ''قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ (پ۸، الانعام: ۱۴۵) ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام۔'' جبکہ ہمارے (یعنی امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے) اصحاب نے ماقبل میں مذکور احادیثِ مبارکہ کو دلیل بنایا ہے اور فرمایا ہے: ''اس آیتِ مبارکہ میں سوائے خبر دینے کے کوئی حکم نہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس معاملے میں، آیت میں مذکور حرام کردہ چیزوں کے علاوہ کسی اور کا حکم نہیں پایا تھا پھر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف وحی فرمائی گئی کہ ہر نوکیلے دانت والا درندہ حرام ہے۔ لہٰذا اس حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔'' اور ہمارے اصحاب (شافعی ائمہ) رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: ''نوکیلے دانت والے درندوں سے مراد وہ ہیں جن کے ذریعے حفاظت کی جاتی ہے اور وہ شکار کرتے ہیں۔''[1]

لُقَطَه[2] کی تعریف:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور دوسری حدیث شریف میں یہ ارشاد ہوا کہ ''اور ذمی کافر کا گرا پڑا مال بھی تمہارے لئے

[1] ......شرح صحیح مسلم اللنووی، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب......الخ، ج۱۳، ص۸۲.

[2] ...... **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1182** صفحات پر مشتمل کتاب، ''**بہارِ شریعت**'' جلد دوم صَفْحَہ **473** پر ہے: ''لقطہ اس مال کو کہتے ہیں جو پڑا ہوا کہیں مل جائے۔ (الدرالمختار، کتاب اللقطۃ، ج۶، ص۴۲۱)

مسئلہ: پڑا ہوا مال کہیں ملا اور یہ خیال ہو کہ میں اس کے مالک کو تلاش کرکے دے دوں گا تو اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر اندیشہ ہو کہ شاید میں خود ہی رکھ لوں گا اور مالک کو نہ تلاش کروں تو چھوڑ دینا بہتر ہے اور اگر ظن غالب (غالب گمان) ہو کہ مالک کو نہ دوں گا تو اٹھانا ناجائز ہے اور اپنے لئے اٹھانا حرام ہے اور اس صورت میں بمنزلہ غصب کے ہے (یعنی غصب کرنے کی طرح ہے) اور اگر یہ ظن غالب ہو کہ میں نہ اٹھاؤں گا تو یہ چیز ضائع وہلاک ہو جائے گی تو اٹھا لینا ضرور (ضروری) ہے۔ لیکن اگر نہ اٹھاوے اور ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں۔ (الدرالمختار، کتاب اللقطۃ، ج۶، ص۴۲۲) **نوٹ:** لقطہ کے بارے میں مزید معلومات کے لئے بہارِ شریعت کے دسویں حصہ کے مذکورہ مقام کا مطالعہ فرمائیے۔

حرام ہے سوائے یہ کہ اس کا مالک اس سے بے پرواہ ہوجائے'' یہاں عربی متنِ حدیث میں ''لُقْطَہ'' کالفظ آیا ہے اور ''لُقْطَہ'' کہتے ہیں اس مال کو جو زمین سے اٹھایا جائے اور حدیث شریف کے اس فرمان سے مراد یہ ہے کہ ''راستہ وغیرہ میں کسی انسان کو کوئی گراپڑا سامان ملے تو اس کو اپنے لئے اٹھالینے کا بھی وہی حکم ہے جو ماقبل میں مذکور گھریلو گدھوں اور نوکیلے دانت والے درندوں کے گوشت کا حکم ہے (یعنی حرام ہے)۔

حضرت سیِّدُنا معین الدین ہروی المعروف ملا مسکین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۹۵۴ھ) ''کَنْزُ الدَّقَائِق'' کی شرح میں فرماتے ہیں: ''لُقْطَہ'' اس مال کو کہتے ہیں جو راستے میں ملے اور اس کے اصل مالک کا پتہ نہ چلے اور اسے ''لُقْطَہ'' (یعنی گراپڑا مال) کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ غالب طور پر یہ زمین ہی سے اٹھایا جاتا ہے۔''

ذمی کافر کسے کہتے ہیں؟

حدیث پاک میں لقطہ کا حکم ذمی کافر کے تعلق سے بیان ہوا ہے۔ذمی کافر وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ بادشاہِ اسلام نے جزیہ اور خراج [1] دینے پر معاہدہ کرلیا۔پس اب اس کو بھی وہ حقوق دیئے جائیں گے جو ہمیں (یعنی مسلمانوں) کو دیئے جاتے ہیں اور جو قانون ہم پر لاگو ہے وہ اس پر بھی لاگو ہوگا اور اس حکم میں وہ حربی کافر بھی داخل ہے جو ''دَارُالْاِسْلَام'' میں امان یعنی پناہ لے کر آیا۔پس اس نے بھی ذمی کافر کی طرح اپنے خون اور مال پر امان حاصل کرلی (اور اصطلاح میں ایسے حربی کافر کو ''مستامن'' کہتے ہیں۔اس وقت دنیا میں تمام کفار حربی ہیں)۔

مستأمن و ذمی کافر کے لُقْطَہ کا حکم:

حدیثِ پاک میں ذمی کافر کے لقطہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔اس لئے جس شخص کو ذمی یا مستامن کافر کا لقطہ یعنی گرا پڑا مال ملے تو گواہی قائم ہونے کے بعد اس شخص پر واجب ہے کہ وہ مال اس کافر کو دے دے۔جیسا کہ مسلمان کے لقطہ کا حکم ہے اور اگر اس نے فقط کوئی علامت بیان کی تو اب اس کا لوٹانا واجب نہیں، جائز ہے۔چنانچہ،

''اَلْمَنبَع شَرْحُ الْمَجْمَع'' میں ارشاد فرمایا: ''لقطہ کا لینا اور اس کا اٹھانا مستحب ہے جبکہ یہ خوف ہو کہ کوئی خائن

---

[1] ......اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلم (ذمی کفار) سے لیا جانے والا ٹیکس ''جزیہ'' کہلاتا ہے جس کے سبب انہیں ملک کے دیگر شہریوں کی طرح سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں اور ''خراج'' ایک قسم کا زرعی ٹیکس ہے جو اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلموں پر عشر کی جگہ لگایا جاتا ہے۔

(یعنی خیانت کرنے والا) اس کو اٹھالے گا اور اگر لقطہ کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو لوگوں کے اموال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اس کا اٹھانا واجب ہے۔''

لُقَطہ کے چند اہم مسائل:

اور ہمارے بعض اصحاب (حنفی ائمہ) رحمہم اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **مسئلہ:** اگر اپنے نفس پر لالچ وطمع کا اندیشہ ہو کہ خود رکھ لے گا یوں کہ اس کا اعلان نہ کر سکے گا اور نہ مالک کو لوٹائے گا تو اپنے نفس کو حرام میں پڑنے سے بچانے کے لئے اس کو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ **مسئلہ:** لقطہ، اٹھانے والے کے پاس امانت ہے، بشرطیکہ وہ اٹھاتے وقت گواہ بنالے کہ وہ یہ گرا پڑا مال حفاظت کی غرض سے اٹھا رہا ہے اور اس کے مالک کو واپس لوٹا دے گا۔ **مسئلہ:** اور اگر گواہ نہ بنایا (اور تلف ہوگیا) تو تاوان دینا پڑے گا۔ **مسئلہ:** اٹھانے والا ایک مدت تک اس کا اعلان کرتا رہا اب غالب گمان ہوا کہ اتنی مدت بعد اس کے مالک نے تلاش ختم کر دی ہوگی، پھر چاہے تو فقیر پر تصدق کر دے، غنی پر نہ کرے۔ پس اب اگر اس کا مالک آ گیا اور اس صدقہ کو برقرار رکھا تو ٹھیک ورنہ اٹھانے والے یا مسکین جس سے چاہے تاوان لے سکتا ہے۔ **مسئلہ:** اگر لقطہ موجود ہو تو اس سے وہی لے لے۔ **مسئلہ:** اٹھانے والے یا مسکین دونوں میں کسی ایک سے تاوان لیا تو وہ دوسرے سے نہیں بھروا سکتا۔ **مسئلہ:** فقیر کے لئے جائز ہے کہ وہ لقطہ سے نفع اٹھائے یعنی اپنے استعمال میں لا سکتا ہے اور غنی کے لئے جائز نہیں۔ البتہ! امام (یعنی حاکم وقاضی) کی اجازت سے غنی بھی استعمال کر سکتا ہے۔ **مسئلہ:** گم شدہ چوپائے (مثلاً بیل، گدھا، گھوڑا) کو بھی لانا جائز ہے اور اگر اس سے کوئی منفعت وفائدہ حاصل ہو سکتا ہو تو حاکم کی اجازت سے کرایہ پر دے سکتا ہے اور اسی اجرت میں سے اس کو خوراک بھی دی جائے اور اگر اس سے کوئی منفعت حاصل نہ کی جا سکتی ہو تو حاکم اسے بیچ کر اس کی قیمت محفوظ کر لے۔ **مسئلہ:** اگر اٹھانے والے نے لقطہ پر قاضی کی اجازت سے کچھ خرچ کیا تو مالک سے وہ خرچ لے سکتا ہے۔ **مسئلہ:** اور جو کچھ حاکم کی اجازت سے خرچ کیا ہے اسے مالک سے وصول کرنے کے لئے لقطہ کو روک بھی سکتا ہے اور اگر قاضی کی اجازت کے بغیر خرچ کیا تھا تو تبرع ہے (یعنی اب وصول نہیں کر سکتا)۔ **مسئلہ:** اگر کوئی لقطہ کا دعویٰ کرے کہ یہ مال میرا ہے تو بغیر گواہی کے اس کو نہ دیا جائے گا۔ **مسئلہ:** اگر فقط ایک ہی نشانی بیان کر دی تو اٹھانے والے کو لقطہ دے دینا جائز ہے۔''

کون سالُقَطہ اپنے پاس رکھ سکتے ہیں؟

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور دوسری حدیثِ پاک میں ذمی کافر کا لقطہ اٹھانے کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ''سوائے یہ کہ اس کا مالک اس سے بے پرواہ ہو جائے'' یعنی اس وقت لے سکتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے وہ لقطہ کوئی حقیر شے ہو مثلاً کھجور یا اس کی مثل معمولی اشیا۔ چنانچہ،

''مُخْتَصَرُ الْمُحِيط'' میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا امام اعظم (متوفی ۱۵۰) وحضرت سیِّدُنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما (متوفی ۱۸۲ھ) نے ارشاد فرمایا: ''اس گری پڑی چیز کے اٹھانے اور اس سے نفع حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جس کی کوئی قیمت نہ ہو جیسے گٹھلی، چوپایوں کا چارہ اور انار کا چھلکا وغیرہ جبکہ ان کا مالک ان کو پھینک دے اور ایسی شے کا مالک، اٹھانے والے سے لینے کا حق رکھتا ہے اور اگر ایسی شے زیادہ مقدار میں ہو تو اٹھانا جائز نہیں۔''

یوں ہی اگر اس کے پاس خبر پہنچی کے اس شے کے مالک نے اس کے لئے مباح (یعنی جائز) کر دیا ہے۔ یا اس نے ہر اٹھانے والے کے لئے مباح کر دیا ہے تو لے سکتا ہے۔

مہمان کا ایک حق:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ''جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے تو اس قوم پر اس کی مہمان نوازی کرنا لازم ہے'' یعنی جب کوئی شخص کسی گاؤں، شہر یا محلّہ والوں کا مہمان بنے اور وہ بقدرِ کفایت غذا حاصل نہ کر سکے اور نہ ہی کچھ خرید سکے تو اب اس بستی والوں پر بقدرِ کفایت غذا کے ذریعے اس کی مہمان نوازی کرنا واجب ہے جبکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ شخص (یعنی مہمان) غذا کا محتاج ہے۔

حضرت سیِّدُنا امام سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب ''اَلْجَامِعُ الصَّغِير'' میں یہ حدیثِ پاک موجود ہے کہ سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، باذنِ پروردگار دوعالَم کے مالک ومختار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی شخص کسی قوم کا مہمان بنا پس اس نے (مہمان نوازی سے) محرومی کی حالت میں صبح کی تو اسے جائز ہے کہ وہ بقدرِ مہمانی ان (کے مال) سے لے اور اس پر کوئی تنگی وسختی نہیں۔''[1]

[1] ......المسند للامام احمدبن حنبل، مسندابی هريرة، الحديث: ۸۹۵۷، ج۳، ص۳۲۳.

مہمان نوازی کے متعلق اقوال علما:

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں: ''مہمان نوازی سے محرومی کی حالت میں صبح کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس قوم نے مہمان بننے والی رات میں اسے کچھ نہ کھلایا تو مہمان ان کے مال میں سے بقدرِ مہمانی لے سکتا ہے یعنی اس قدر مال جس سے رات کو پیٹ بھرنے کی مقدار کھانا خریدا جا سکے۔ حضرت سیِّدُنا امام طیبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۴۳ھ) نے فرمایا: ''حدیث شریف کا یہ فرمان ''پس اس نے (مہمان نوازی سے) محرومی کی حالت میں صبح کی۔'' اس پوشیدہ بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی قوم کا مہمان بنے تو وہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کی مہمان نوازی کی جائے۔ لہٰذا جس نے اس کا حق روکا تو اس نے ظلم کیا پس دوسرے مسلمان پر اس کی مدد کرنا لازم ہے۔''

اور حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل علیہ رحمۃ اللہ الاکرم (متوفی ۲۴۱ھ) نے اس حدیثِ پاک کے ظاہر کو دلیل بناتے ہوئے مہمان نوازی کو واجب قرار دیا ہے اور یہ کہ مہمان، میزان کی رضامندی کے بغیر بقدرِ کفایت اپنا حقِ مہمانی لینے میں خود مختار ہے، یوں ہی کسی کے باغ یا کھیت میں ٹھہرنے والے مہمان کو بقدرِ کفایت لینے کی اجازت ہے۔

جبکہ جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث شریف میں مذکور حکم کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا کہ مہمان نوازی اس وقت واجب تھی جب مواسات (یعنی بھائی چارگی) واجب تھی۔ تو جب مواسات کا واجب ہونا ختم ہو گیا تو مہمان نوازی کا وجوب بھی ختم ہو گیا۔ یا پھر یہ حکم تاکید کے لئے ہے جیسا کہ جمعۃ المبارک میں غسل کو بطور تاکید واجب کہا گیا ہے۔ تو جب اپنی مرضی سے لینے کا حکم ختم ہو گیا تو اس حکم کو مُضْطَر (یعنی مجبور) پر محمول کریں گے (کہ وہ لے سکتا ہے) مگر بعد میں اس کا بدل ادا کرے گا۔ یا اس حدیث کو اُن ذمی کفار کے مال پر محمول کیا جائے گا جن سے شرط کی گئی ہو کہ ان کے پاس جو بھی مہمان آئے گا اس کی مہمان نوازی ان پر لازم ہوگی۔ اس پر دوسرے دلائل موجود ہیں جیسا کہ اس حدیث شریف میں ہے کہ ''مسلمان کا مال لینا حلال نہیں سوائے اس کی خوشی سے۔''

اور بعض مالکی حضرات کے اس موقف کہ ''اپنی زبان سے میزبان کی عزت دری کرکے اور لوگوں کے سامنے ان کے عیوب بیان کرکے لے سکتا'' پر اس بات کے ذریعے اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عزت دری اور عیوب بیان کرکے لینا

خود ایک عیب اور برائی ہے کہ شارع یعنی حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس کا ترک کرنا مستحب قرار دیا ہے نہ کہ اس پر عمل کرنا۔[1]

مہمان نوازی سے محروم ہو تو کیا کرے؟

''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر''ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ رسولِ اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے اور وہ (مہمان نوازی سے) محرومی کی حالت میں صبح کرے تو اس کی مدد کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے حتی کہ وہ اپنی رات کی مہمانی کا حق ان کی زراعت اور مال میں سے لے سکتا ہے۔''[2]

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اتنا لے سکتا ہے جو جان کو باقی رکھے اور بھوک کے سبب پیدا ہونے والی کمزوری دور ہو جائے۔'' اور حضرت سیِّدُنا امام طِیبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۴۳ھ) نے ارشاد فرمایا: ''یہ حکم مُضْطَر (یعنی مجبور) کے لئے ہے یا اس ذمی کافر کے بارے میں ہے جس سے راہ گزر مہمان کی مہمان نوازی کی شرط کی گئی ہو۔''[3]

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی بیان کردہ روایات:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور دوسری حدیثِ پاک کو حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) نے اپنی کتاب ''اَلْمَدْخَل'' میں مزید دو سندوں کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔ چنانچہ،

(۱)......حضرت سیِّدُنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''آگاہ رہو! مجھے کتاب دی گئی ہے اور اُس کی مثل (یعنی حدیث بھی)۔ آگاہ ہو جاؤ! مجھے قرآن پاک دیا گیا اور اس کی مثل (یعنی حدیث بھی)۔ خبردار! عنقریب ایک پیٹ بھرا شخص اپنے تخت پر کہتا ہوگا: ''تم پر صرف اس قرآنِ (پاک) کی پیروی لازم ہے۔ لہٰذا جو قرآنِ (پاک) میں حلال پاؤ

---

[1] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۲۹۶۸، ج۳، ص۱۸۸۔۱۸۹.

[2] ......الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ۲۹۸٤، الجزء الاول، ص۱۷۸۔
المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث المقدام بن معدیکرب، الحدیث: ۱۷۱۷۸، ج٦، ص۹۲.

[3] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۲۹۸٤، ج۳، ص۱۹۵.

صرف اسے حلال جانو اور جو قرآنِ (مجید) میں حرام پاؤ صرف اسے حرام جانو۔'' (پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا) ''جان لو! پالتو گدھا حلال نہیں اور نہ ہی ہر نوکیلے دانت والا درندہ حلال ہے اور مُعَاھِد (یعنی ذمی کافر) کا گرا پڑا مال بھی تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔ سوائے یہ کہ اس کا مالک اس سے بے پرواہ ہو جائے اور جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے تو اس قوم پر اس کی مہمان نوازی کرنا لازم ہے اور اگر وہ مہمان نوازی نہ کریں تو مہمان، بقدرِ حاجت (مہمانی کا) حق ان سے لے سکتا ہے۔''[1]

(۲)......حضرت سیِّدُنا حسن بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے صحابیٔ رسول حضرت سیِّدُنا مقدام بن معدیکرب الکندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رحمتِ عالم، نُورِ مُجَسَّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے خیبر کے دن بعض چیزوں کو حرام فرمایا جن میں سے گھریلو گدھا وغیرہ بھی تھے۔ چنانچہ، حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: عنقریب تم میں سے ایک شخص اپنے تخت پر بیٹھا ہوگا اور میری (طرف نسبت کرکے) حدیث کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہوگا: ''میرے اور تمہارے درمیان ''کِتَابُ اللہ'' موجود ہے پس ہم نے اس میں جو حلال پایا صرف اسے حلال سمجھتے ہیں اور اس میں جو حرام پایا صرف اسے حرام سمجھتے ہیں۔'' (پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا) بلاشبہ جس شے کو رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حرام کیا گویا اس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حرام فرمایا۔''[2]

تیسری حدیث شریف:

﴿3﴾......حضرت سیِّدُنا ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تاجدارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: میں تم میں سے ہرگز کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہو اور اس کے پاس میری طرف سے کسی کام کو کرنے یا کسی کام سے رُکنے کا کوئی حکم آئے تو وہ یہ کہہ دے: ''میں (اس حکم کو) نہیں جانتا، ہم تو جو قرآنِ مجید میں پاتے ہیں اسی کی پیروی کرتے ہیں۔''[3]

(حضرت سیِّدُنا امام ترمذی وامام ابوداود علیہما رحمۃ اللہ الودود نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

---

[1] ......سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، الحدیث:٤٦٠٤، ص١٥٦١.

[2] ......سنن ابن ماجه، کتاب السنة، باب تعظیم حدیث......الخ، الحدیث:١٢، ص٢٤٧٧، بدون بعض الالفاظ.

[3] ......سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، الحدیث:٤٦٠٥، ص١٥٦١.

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اپنی اُمت کو کسی کام کے کرنے یا اس سے رُکنے کا جو حکم دیتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم زمین پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خلیفہ و نائب ہیں۔ نیز اس حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ مَیں تم میں سے ہرگز ایسے شخص کو نہ پاؤں جو میرے حکم کردہ یا منع کردہ کام کے متعلق یہ کہہ دے: ''میں تو اس حکم کو نہیں جانتا اور ہم تو صرف قرآن کی اتباع کریں گے اس کے علاوہ کی نہیں۔'' ایسی بات وہی شخص کرسکتا ہے جس کے دل پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مہر لگادی اور ایسا شخص چاہتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے درمیان فرق کردے حالانکہ وہ کبھی بھی ایسا نہیں کرسکے گا۔

حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) ''اَلْمَدْخَل'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابو عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی روایت میں حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) سے یہ قول نقل کیا۔ فرماتے ہیں: ''اس حدیثِ پاک میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت پر عمل کرنے کا ثبوت ہے اور بندوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ان پر حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے حکم پر عمل کرنا لازم ہے اگرچہ اس حکم کے بارے میں انہیں قرآنِ پاک میں کوئی قطعی دلیل نہ ملے۔''

چوتھی حدیث شریف:

﴿4﴾......حضرت سیِّدُنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی اپنی کرسی پر ٹیک لگائے یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کوئی چیز حرام قرار نہیں دی مگر وہی جو قرآن میں ہے۔ یاد رکھو! میں نے تمہیں (بھلائی کا) حکم دیا، وعظ و نصیحت کی اور بعض چیزوں سے منع کیا بے شک یہ قرآن ہی کی مثل ہیں بلکہ وہ (تم پر ظاہر ہونے والے) قرآنی اُمور سے زیادہ ہیں اور بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس بات کو حلال نہیں کیا کہ اہلِ کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہو جاؤ اور ان کی عورتوں کو مارنا اور ان کے پھل کھانا بھی حلال نہیں جبکہ وہ تمہیں خود پر لازم حق (یعنی جزیہ وخراج) ادا کردیں۔''[1]

(حضرت سیِّدُنا امام ابوداود علیہ رحمۃ اللہ الودود نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

[1]......سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفئی، باب فی تعشیر اھل الذمۃ......الخ، الحدیث: ۳۰۵۰، ص۱۴۵۲.

سیِّدُ نا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی گہری نظر:

اس حدیث پاک میں ارشاد ہوا'' کیا تم میں سے کوئی اپنی کرسی پر ٹیک لگائے یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کوئی چیز حرام قرار نہیں دی مگر وہی جو قرآن میں ہے''یعنی قرآنِ مجید سے جس کے لئے جو ظاہر ہو جائے صرف وہی حرام ہے (حالانکہ ایسا نہیں) کیونکہ قرآنِ مجید میں تو ہر چیز کا ذکر ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (پ۷،الانعام:۳۸) ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے اس کتاب میں کچھ اُٹھا نہ رکھا۔

اور حضرت سیِّدُ نا امام جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۱۱ھ) کی ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' میں حدیث ہے کہ شہنشاہِ مدینہ،قرارِ قلب وسینہ،صاحبِ معطر پسینہ،باعثِ نُزولِ سکینہ،فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''حلال وہ ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔''(1)

پس قرآنِ مجید میں وہ احکام بھی ہیں جو اکثر لوگوں پر واضح طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔اسی لئے جب ہمارے امام اعظم حضرت سیِّدُ نا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) نے قرآنِ پاک سے ایسے مسائل کے استنباط میں گہری نظر سے کام لیا جن پر اکثر مجتہدین مطلع نہ ہو سکے تو کم فہم لوگوں نے آپ کی طرف رائے سے بات کہنے کو منسوب کر دیا (جس کا غلط ہونا واضح ہے)۔معلوم ہوا کہ جسے قرآنِ پاک میں حکم مل جاتا ہے وہ اسے چھوڑ کر سنت کی طرف نہیں جاتا اور جسے قرآنِ مجید میں حکم نہیں ملتا وہ سنت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

نیز ''طریقہ محمدیہ'' کی چوتھی حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا: ''میں نے تمہیں (بھلائی کا) حکم دیا''اس کا مطلب یہ ہے کہ ''وہ بھلائی جس کو مَیں نے قرآنِ مجید میں پایا اور میرے علاوہ کوئی اور اسے نہ پا سکا۔'' (صاحبِ حدیقہ ندیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں) اور یہ وہی حکمت ہے جس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اُتاری۔

(پ۵،النساء:۱۱۳)

---

(1)......الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث:۳۸۵۸، الجزء الاول،ص۲۳۴۔

جامع الترمذی،ابواب اللباس،باب ماجاء فی لبس الفراء، الحدیث:۱۷۲۶،ص۱۸۲۸۔

اس آیت میں حکمت سے مراد حضور نبی کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا حکم، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کا حکم ہے کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نبی اور رسول ہیں۔''

قرآن وحدیث میں موافقت:

حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) اپنی کتاب ''اَلْمَدْخَل'' میں حضرت سیِّدُنا ابو جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سَیِّدُالْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہودیوں کو بلایا اور ان سے کچھ پوچھا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام پر جھوٹ باندھ دیا۔ تو حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ''عنقریب میری طرف سے احادیث مشہور ہوں گی پس جو حدیث تم کو میری طرف سے قرآنِ پاک کے موافق پہنچے تو وہ میری طرف سے ہو گی اور جو تم کو میری طرف سے قرآنِ پاک کے مخالف پہنچے تو وہ میری طرف سے نہیں۔'' [1]

حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''حدیث پاک، قرآنِ پاک کے مخالف نہیں ہوتی بلکہ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی حدیث شریف اس معنی کو بیان کرتی جو مراد لیا گیا ہو کہ حکم خاص ہے یا عام، ناسخ ہے یا منسوخ۔ پھر لوگوں پر وہ عمل لازم ہے جو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے اختیار فرمایا۔ تو جس نے رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بات قبول کی اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بات قبول کی۔''

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم سے مروی ہے کہ نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک میرے بعد کچھ روایتیں کرنے والے ہوں گے جو میری طرف سے حدیث بیان کریں گے تو تم ان کی حدیث کو قرآنِ پاک پر پیش کرنا پس جو قرآنِ پاک کے موافق ہو تو تم اسے (آگے) بیان کر دینا اور جو قرآنِ پاک کے موافق نہ ہو اسے نہ لینا۔'' [2]

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور چوتھی حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''(میں نے امت کو) بعض چیزوں سے منع کیا

---

[1] ......الام للامام الشافعی، کتاب سیر الاوزاعی، سھم الفارس......الخ، ج٤، الجزء السابع، ص٣٥٨

[2] ......سنن الدارقطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام، الحدیث: ٤٤٣٠، ج٤، ص٢٤٥.

بے شک یہ قرآن ہی کی مثل ہیں۔'' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اقوال، اعمال، اعتقادات اوراحوال جن سے میں نے تمہیں منع کیا وہ مجھ تک قرآنِ حکیم ہی سے پہنچے ہیں اور فقہائے مجتہدین (رحمہم اللہ المبین) میں سے کوئی بھی ان تک نہ پہنچ سکا کیونکہ ان تک صرف وحی اورنبوت کے ذریعے پہنچا جاسکتا ہے نہ کہ اجتہاد کے ذریعے سے۔ اگرچہ حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے (اجتہاد میں) خطا کرنے والے مجتہد کے قول کو برقرار رکھا ہے اوراس پر ایک اجر کا وعدہ فرمایا اور یہ وحی اورنبوت کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے ہے۔

اور یہ جو ارشادفرمایا کہ ''جن سے منع کیا وہ قرآن ہی کی مثل ہیں'' اس کا معنی یہ ہے کہ ''میں نے وحی ونبوت کے ذریعے ہی ان چیزوں سے منع کیا ہے اورمیرا کوئی حکم یا منع کردہ بات قرآنِ پاک سے ہٹ کرنہیں۔'' اس کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جس کو حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) نے ''اَلْمَدْخَل'' میں بیان کیا ہے۔

چنانچہ، حضرت سیِّدُنا طاؤس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے مرضِ وصال ظاہری میں ارشادفرمایا: ''اے لوگو! تم میری ذات کے ساتھ خاص چیزوں کو اختیار نہ کرو۔ میں نے تو وہی چیز حلال کی جس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حلال کیا اور وہی چیز حرام کی جس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حرام کیا ہے۔''[1]

قرآن مجید کی عطائیں:

حضور نبیٔ اکرم، رسولِ محتشم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا سارا علم، قرآنِ مجید سے ہے اور یہ وحی اورنبوت کے سبب ہے۔ اسی لئے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے علم تک کسی غیرِ نبی اور کشفِ اولیا (رحمہم اللہ تعالٰی) کی رسائی ممکن نہیں اگرچہ ان کا علم بھی قرآنِ پاک ہی سے ہوتا ہے مگر وہ کسی اور سبب سے ہے، وحی ونبوت کے سبب سے نہیں اور مجتہدین کا علم بھی اسی طرح ہوتا ہے لیکن وہ اپنے علم کو حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت، مؤمنین کے اجماع نیز کتاب وسنت واجماع میں بذریعہ قیاس غوروفکر کے سبب بڑھاتے ہیں اوران سب کی اصل ایک ہی ہے اور وہی ان کا مأخذ (یعنی لینے کی جگہ) ہے اور وہ قرآنِ مجید، فرقانِ حمید ہے کہ حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس سے سنت لی، اسی سے ولی کو کشف ملا اور مجتہد نے علم پایا۔

---

[1] ......الطبقات الکبری لابن سعد، ذکر ما اوصی بہ......الخ، ج۲، ص۱۹۷۔
المعجم الاوسط، الحدیث: ۵۷۴۱، ج۴، ص ۲۰۹.

سب سے زیادہ قرآن پر مطلع:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور چوتھی حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا'' بلکہ وہ (یعنی میری منع کردہ باتیں) قرآنی اُمور سے زیادہ ہیں'' اس کا معنی یہ ہے کہ جن باتوں سے میں نے منع کیا ہے وہ قرآنِ مجید کے تم پر ظاہر ہونے والے منع کردہ اُمور سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ حضور نبی غیب دان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سب سے زیادہ قرآنِ پاک پر مطلع ہیں اور ان باتوں سے واقف ہیں جن پر اولیا و مجتہدین رحمہم اللہ المبین مطلع نہ ہوسکے۔ پس تمام اولیا اور مجتہدین رحمہم اللہ المبین پر قرآنِ پاک کے جو اُمور ظاہر ہوئے ان سے زیادہ اُمور حضور سید عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے قرآنِ پاک سے بیان فرمائے۔ اسی لئے حضرت سیِّدُنا امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) اور دیگر مجتہدین رحمہم اللہ المبین نے قرآنِ پاک سے زیادہ سنت سے استدلال فرمایا جیسا کہ حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) کا فرمان ہے: ''جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔''

اہل کتاب کے بعض حقوق:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور چوتھی حدیث شریف کے آخر میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ کے تین حقوق بیان فرمائے کہ ''اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونا، ان کی عورتوں کو مارنا اور ان کے پھل کھانا جائز نہیں بشرطیکہ وہ جزیہ وخراج دیتے رہیں۔'' یہاں بغیر اجازت ان کے گھروں میں داخلے کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ ایسا کرنا ان کو تکلیف دے گا اور اہلِ ذمہ (یعنی معاہدہ کر کے اسلامی مملکت میں رہنے والے کفار) کو ایذا و تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ البتہ اجازت سے ان کے گھروں میں داخل ہونے میں حرج نہیں۔ یوں ہی اہل کتاب کی عورتوں کو مارنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں بھی ان کی انتہائی ایذا ہے اور ان سب باتوں کی ممانعت اس وقت ہے جب تک وہ جزیہ وخراج دیتے رہیں۔ پس جب وہ جزیہ وخراج دینے سے منع کر دیں تو ائمہ ثلاثہ (یعنی امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ)، امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے نزدیک ان کا عہدِ ذمّہ ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے نزدیک عہد نہیں ٹوٹے گا۔ چنانچہ،

(سیدی عبد الغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد نے صاحب الدرر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے قول (یعنی اگر ذمی نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا) کی شرح میں ارشاد فرمایا: ''اس کا عہد اس لئے نہیں ٹوٹے گا کیونکہ جزیہ کی پابندی باقی ہے اور دینے سے انکار کی صورت میں اس سے زبردستی لیا جائے گا۔''

اور ایک روایت کے مطابق جیسا کہ ''اَلْمَجْمَع'' میں ہے جسے انہوں نے ''اَلْوَاقِعَات'' کے بابِ زکوٰۃ میں بیان کیا ہے کہ ''اس کا عہد ٹوٹ جائے گا یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور یہ اس وقت ہے جب وہ جزیہ دینے سے انکار کرے اور اگر جزیہ قبول کرنے سے انکار کرے تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

اور جب اہل ذمہ کا عہد ٹوٹ جائے تو ان کے معاملے میں ہر وہ بات جائز ہے جو اہل حرب (یعنی حربی کفار) کے معاملے میں جائز ہے (اس وقت تمام کفار حربی ہیں)۔

''اَلْمَدْخَل'' میں بیان کردہ مکمل حدیثِ پاک:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور چوتھی حدیث شریف کو حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) نے ''اَلْمَدْخَل'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سیِّدُنا عرباض بن ساریہ سُلَمِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مکمل بیان کیا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا عرباض بن ساریہ سُلَمِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، صاحبِ معطر پسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ خیبر کے مقام پر اترے اور کئی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ تھے۔ خیبر کا سردار مغرور اور سرکش قسم کا آدمی تھا وہ حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''کیا آپ کے لئے مناسب ہے کہ آپ ہمارے گدھوں کو ذبح کریں، ہمارے پھلوں کو کھائیں اور ہماری عورتوں کو ماریں۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا: ''اے ابن عوف! اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور اعلان کر دو کہ جنت حلال نہیں سوائے ایمان والے کے لئے اور یہ کہ نماز کے لئے جمع ہو جاؤ۔'' راوی بیان کرتے ہیں کہ ''لوگ جمع ہو گئے تو حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کو نماز پڑھائی پھر کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی اپنی کرسی پر ٹیک لگائے یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کوئی چیز حرام قرار نہیں دی مگر وہی جو قرآن میں ہے۔ یاد رکھو! میں نے تمہیں (بھلائی کا) حکم دیا، وعظ ونصیحت کی اور بعض چیزوں سے منع کیا بے شک یہ قرآن ہی کی مثل ہیں بلکہ وہ (تم پر ظاہر ہونے والے) قرآنی اُمور سے زیادہ

ہیں اور بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس بات کو حلال نہیں کیا کہ اہلِ کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہو جاؤ اور ان کی عورتوں کو مارنا اور ان کے پھل کھانا بھی حلال نہیں جبکہ وہ تمہیں خود پر لازم حق (یعنی جزیہ وخراج) ادا کر دیں۔''[1]

پانچویں حدیث شریف:

﴿5﴾......حضرت سیِّدُنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہو جاتی اور بہت جلال میں آ جاتے تھے گویا کسی بڑی فوج کے حملے سے ڈرا رہے ہوں، اِرشاد فرماتے: ''صبح وشام بڑے حملے کے لئے تیار رہو۔'' اور شہادت ودرمیانی انگلی کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے: ''میرا مبعوث ہونا اور قیامت اتنے قریب ہیں۔'' اور فرماتے: ''سب سے اچھی بات قرآنِ مجید ہے، سب سے اچھی ہدایت محمد (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) کی ہدایت ہے اور سب سے بُرے کام نئے پیدا ہونے والے کام ہیں اور ہر نیا (خلافِ شرع) کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''[2]

(حضرت سیِّدُنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث شریف میں بیان ہوا کہ ''خطبہ دیتے وقت رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی مبارک آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں'' اور ایسا احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے کمالِ شجاعت کے سبب ہوتا تھا اور آواز شریف اس لئے بلند فرماتے تاکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی دعوتِ حق کی آواز مجلس کے چاروں جانب مکمل طور پر پہنچ جائے۔ نیز دورانِ خطبہ جلال کا آنا دینِ حق کے اظہار اور اس پیغام کو ہر مخلص دل تک پہنچانے کے لئے ہوتا تھا۔

شریعتِ مصطفٰی قیامت تک رہے گی:

مذکورہ حدیثِ پاک میں یہ بھی وارد ہوا کہ ''حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی بعثت اور قیامت کے

---

[1] ......سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی تعشیر اھل الذمۃ......الخ، الحدیث: ۳۰۵۰، ص۱۴۵۲.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ، الحدیث: ۲۰۰۵، ص۸۱۳.

قریب ہونے کو شہادت اور درمیانی انگلی کے فاصلہ سے بیان فرمایا'' اس میں رحمتِ عالم ،نورِ مجسم ،شاہ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے غائب کی حاضر کے ساتھ مثال دی ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم کی شریعت دائمی اور قیامت تک باقی رہے گی اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم اور قیامت کے درمیان نہ کوئی نبی تشریف لائیں گے اور نہ ہی کوئی دوسری شریعت آئے گی۔

نیز یہاں حدیث شریف کے عربی متن میں لفظ ''اَلسَّاعَة'' آیا ہے۔حضرت سیِّدُ نا امام عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) اس کے متعلق فرماتے ہیں: ''ساعت وہ وقت ہے جس میں قیامت قائم ہوگی اور یہ ایک ہلکی ساعت ہے جس میں بہت بڑا معاملہ واقع ہوگا۔'' (1)

بدعت کے گمراہی ہونے سے مراد:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور اس حدیث پاک کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ ''سب سے بُرے کام نئے پیدا ہونے والے کام ہیں'' اس سے مراد دین میں پیدا ہونے والے وہ (خلافِ شرع) نئے کام ہیں جو حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم ،صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانوں کے بعد ظاہر ہوئے اور پھر فرمایا: ''ہر نیا کام بدعت ہے'' اس سے مراد ہر وہ قول ،فعل یا عقیدہ جو صدرِ اوّل میں نہ تھا وہ بدعت ہے اور بدعت اس کام کو کہتے ہیں جو ملّتِ محمدیہ (عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام) کے خلاف ہو اور ہر ایسا کام گمراہی ہے یعنی اپنے کرنے والے کو سنت کی راہ سے ہٹا دیتا ہے۔

چھٹی حدیث شریف:

﴿6﴾......حضرت سیِّدُ نا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ مکی مدنی آقا ،دو عالم کے داتا ،میٹھے مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔'' عرض کی گئی: ''انکار کرنے والا کون ہوگا؟'' آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔'' (2)

(حضرت سیِّدُ نا امام بخاری علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

---

(1)......فیض القدیر للمناوی ، تحت الحدیث: ۱۳۲۰ ،ج۲، ص۷۳.

(2)......صحیح البخاری ،کتاب الاعتصام ،باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰہ، الحدیث: ۷۲۸۰، ص۶۰۶.

ہر اُمتی جنت میں داخل ہوگا:

اس حدیث پاک میں فرمایا کہ ''میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا''، یعنی جس کا تعلق اُمتِ اِجابت سے ہوگا اور ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور حضور نبی رحمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اور جو کچھ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف سے پہنچا اس پر ایمان لائے۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا'' یعنی ہر وہ چیز جس کا میں نے حکم دیا اس پر ظاہر و باطن کے ساتھ عمل کیا یا جس چیز سے میں نے منع کیا اس سے رک گیا وہ شخص ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

پھر یہ ارشاد فرمایا کہ ''جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا'' یہاں دو باتیں مراد ہوسکتی ہیں کیونکہ نافرمانی کا لفظ دو معانی کو شامل ہے اس لئے نافرمانی کرنے والوں سے مراد اُمتِ اِجابت بھی ہوسکتی ہے اور اُمتِ دعوت بھی۔

اُمتِ اِجابت اور اُمتِ دعوت کی تعریف:

وہ افراد جنہوں نے حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی تبلیغ کو قبول کر کے کلمہ پڑھ لیا، انہیں اُمتِ اِجابت کہتے ہیں اور جنہوں نے اس تبلیغ کو قبول نہ کیا اور کلمہ نہ پڑھا، انہیں اُمتِ دعوت کہتے ہیں۔

لہٰذا اگر یہاں نافرمانی کرنے والوں سے مراد اُمتِ اِجابت ہو تو اس فرمان (جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا) کا معنی یہ ہوگا کہ ''وہ شخص جو مجھ پر ایمان لایا مگر میں نے جس چیز کا حکم دیا اس پر اُس نے عمل نہ کیا یا جس سے میں نے منع کیا وہ اس سے نہ رکا تو اس نے جنت میں جانے سے انکار کر دیا۔'' اور یہاں نافرمانی سے مراد فسق و فجور ہے نہ کہ کفر اور اگر یہاں نافرمانی کرنے والوں سے مراد اُمتِ دعوت ہو تو اس فرمان (جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا) کا معنی یہ ہوگا کہ ''وہ شخص جس نے میری اطاعت نہ کی، نہ ایمان کے ذریعے اور نہ ہی میرے احکامات پر عمل کے ذریعے تو وہ کافر ہے اور اس نے جنت میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔''

ساتویں حدیث شریف:

﴿7﴾...... حضرت سیِّدُنا ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص حلال کھائے، سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: ''یارسولَ اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! ایسے لوگ تو اِس وقت بہت ہیں۔'' آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشادفرمایا: ''عنقریب میرے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے۔'' (1)

(حضرت سیِّدُنا امام حاکم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

جنت میں لے جانے والے تین اَعمال:

اس حدیث پاک میں جنت میں لے جانے والے تین اعمال بیان ہوئے: (۱)......حلال کھانا (۲)......سنت پر عمل کرنا اور (۳)......لوگوں کا اس کے شر سے محفوظ رہنا۔

پہلا عمل:

پہلا عمل ''حلال کھانا'' ہے، یہاں حلال سے مراد وہ ہے جس کے حلال ہونے کا یقین ہو جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ اگرچہ شبہ والا کھانا جائز ہے۔ چنانچہ، حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بہن حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ عبداللہ بنت اوس انصاریہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے انہوں نے حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمت میں افطار کے وقت دودھ کا ایک پیالہ بھیجا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اسے واپس کر دیا اور ارشاد فرمایا: ''یہ دودھ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ دودھ میری بکری کا ہے۔'' آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: ''تم نے یہ بکری کہاں سے لی؟'' عرض کی: ''مَیں نے یہ اپنے مال سے خریدی ہے۔'' پھر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے وہ دودھ نوش فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالٰی نے رسولوں (عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کو حکم فرمایا ہے کہ وہ صرف حلال کھائیں اور صرف نیک عمل کریں۔'' (2)

دوسرا عمل:

حدیث شریف میں جنت میں لے جانے والا دوسرا عمل ''سنت پر عمل کرنا'' بیان ہوا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ خواہ کوئی بھی کام ہو اس کے ظاہر و باطن کو اتباعِ رسول سے سجالے یوں کہ اپنے دل سے اس پر اعتقاد رکھے، زبان سے اس کی بات کرے، اعضائے بدن سے اس کو بجالائے اور ہر حالت میں اپنی ذات کو اسی میں مشغول رکھے۔

---

(1)......المستدرك، كتاب الاطعمة، باب ذكر معيشة النبى عليه الصلوة والسلام، الحديث: ۷۱۵۵، ج۵، ص۱۴۲ "قوم" بدله" قرون".

(2)......فيض القدير للمناوى، حرف الهمزة، تحت الحديث: ۱۶۴۰، ج۲، ص۲۴۳.

تیسرا عمل:

حدیث شریف میں جنت میں لے جانے والا تیسرا عمل یہ بیان ہوا کہ ''لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں'' اس میں دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں(۱)......مسلمان اگرچہ فاسق ہی کیوں نہ ہوں اور(۲)......کفار میں سے معاہد یعنی ذمی اور مستامن کفار اور معنی یہ ہوگا کہ مسلمان اگرچہ فاسق ہی ہوں اور ذمی و مستامن کفار جس شخص کے شر سے محفوظ رہیں وہ بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوگا۔

قیامت تک کمال باقی رہے گا:

''طریقہ محمدیہ'' کی اس ساتویں روایت میں یہ بھی ہے حضور رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بات سن کر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: ''ایسے لوگ تو اِس وقت بہت ہیں۔'' ان کی یہ عرض اس لئے تھی کہ'' آج کے اس دور میں تو حلال کھانا، سنت پر عمل کرنا اور لوگوں کو شر سے بچانا یہ تینوں باتیں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی دعوت کو قبول کرنے والے، آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر اور جو کچھ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس سے لائے ہیں اس پر ایمان لانے والے امت میں بہت زیادہ ہیں کیونکہ بعد میں تو نئی نئی باتیں پیدا ہو جائیں گی۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی اس بات پر حضور سیدِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''عنقریب میرے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے۔'' یعنی قیامت تک ایسے لوگ ہوتے رہیں گے (اگرچہ کم ہی ہوں) کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس اُمتِ محمدیہ (عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) سے یہ کمال واپس لے لے حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے خود اس امت کے بہترین ہونے کی گواہی دی ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (پ ٤، ال عمران: ١١٠)

ترجمۂ کنز الایمان: تم بہتر ہو ان سب اُمّتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

کیا تم نہیں جانتے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دور میں بھی منافقین اور فاسقین موجود تھے اس کے باوجود وہ اس کمال سے جدا نہیں ہوئے۔

آٹھویں حدیث شریف:

﴿8﴾...... حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ اَکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ خوشبودار ہے: ''جس نے فسادِ امت کے وقت میری سنت پر عمل کیا تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہوگا۔''(1)

(حضرت سیِّدُ نا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

فسادِ امت کا مطلب اور سو شہیدوں کے ثواب کی وجہ:

مذکورہ حدیثِ پاک میں فسادِ امت کے وقت سنت پر عمل کی بات بیان ہوئی یعنی امت، نفسانی خواہشات اور (بری) بدعات کی پیروی کے سبب فساد میں مبتلا ہو جائے گی اس حیثیت سے کہ ان کے دل اعمال اور معاملات میں شیطانی وسوسوں اور عقلی اختراعات (یعنی من گھڑت باتوں) ہی سے مطمئن ہوں گے۔ باوجودیکہ انہیں سنتِ نبویہ، مقادیر (یعنی فیصلۂ الٰہیہ) اور حدودِ شرعیہ کا بھی علم ہوگا اور وہ یہ گمان کریں گے کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں جو اپنے عمل کی سنت کے ذریعے حفاظت کرے گا تو اس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس قیامت کے دن سو شہیدوں کا ثواب ہوگا اور یہ اس لئے کہ جس طرح کفار سے لڑ کر شہید ہونے والے کو مشقت پیش آتی ہے اسی طرح سنت پر عمل کرنے اور اسے زندہ کرنے والے کو بھی مشقت پیش آتی ہے یوں کہ تعاون کرنے والا کوئی نہیں ہوتا جبکہ رکاوٹیں بے شمار ہوتی ہیں۔

نویں حدیث شریف:

﴿9﴾...... حضرت سیِّدُ نا زید بن ملحہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''دینِ اسلام غریبی (2) سے شروع ہوا اور غریبی ہی کی طرف لوٹ جائے گا تو غربا کے لئے

---

1 ......الزھد الکبیر للبیہقی، فصل فی العزلۃ والخمول، الحدیث: ۲۰۷، ص ۱۱۸.

2 ...... حکیم الامت، مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''غربت کے لفظی معنی ہیں تنہائی اور بیکسی، اسی لئے مسافر اور تنگ دست کو غریب کہا جاتا ہے کہ مسافر سفر میں اکیلا ہوتا ہے اور تنگ دست بیکس یعنی (تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ) اسلام کو پہلے تھوڑے لوگوں نے قبول کیا اور آخر میں بھی تھوڑے ہی لوگوں میں رہ جائے گا یہ دونوں جماعتیں بڑی مبارک ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ تھوڑے مسلمان بہتوں پر غالب آتے رہے اور آتے رہیں گے تھوڑا سونا بہت سے لوہے پر اور تھوڑا مشک بہت سی مٹی پر غالب ہے یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ غریب مسکین لوگ اسلام پر قائم رہتے ہیں اکثر مالدار بھٹک جاتے ہیں۔'' (مراۃ المناجیح، ج ۱، ص ۱۶۰)

خوشخبری ہے جو میرے بعد میری اُن سنتوں کی اصلاح کریں گے جنہیں لوگوں نے بگاڑ دیا ہوگا۔‘‘ [1]

(حضرت سیِّدُ نا امام ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیثِ پاک میں ارشاد ہوا کہ ’’دینِ اسلام غریبی سے شروع ہوا اور غریبی ہی کی طرف لوٹ جائے گا‘‘ دین کے غریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں بھی لوگ اس کے احکام سے نامانوس تھے اور ایسا، دین کی عدم معرفت اور اس سے عدم وابستگی کی وجہ سے تھا اور آخری زمانے میں بھی اسلام کی یہی حالت ہوگی کہ لوگ نہ تو دین کو پہچانے گے اور نہ اس سے وابستہ ہوں گے بلکہ اس کے منکر ہو جائیں گے جبکہ اس کی ابتدا و انتہا کے درمیان، دین کی معرفت اور اس سے وابستگی کا دور ہوگا اور یہی اس کی عزت و نصرت کا زمانہ ہوگا، اس وقت دین کے ایسے مددگار پائے جائیں گے جن کے دل توحید و ایمان، معرفت و یقین اور اخلاص و احسان سے بھرے ہوئے ہوں گے۔

اصلاح کے طریقے:

اس حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد فرمایا: ’’غربا کے لئے خوشخبری ہے جو میرے بعد میری اُن سنتوں کی اصلاح کریں گے جنہیں لوگوں نے بگاڑ دیا ہوگا۔‘‘ یعنی میری سیرت اور میرا طریقہ خواہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہو یا عمل سے، قول سے ہو یا ذات سے جب لوگ اس کو بگاڑ دیں گے تو غربا اس کی اصلاح کریں گے اور اصلاح کے کئی طریقے ہوسکتے ہیں:

(۱)...... جب کوئی سنت کو بگاڑ دے گا تو وہ لوگوں کو نیکی کی دعوت دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور ان کا یہ عمل کسی خاص فرد کو زبان و دل سے معین کئے بغیر اور مسلمانوں کے عیوب اور برائیوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے ہوگا جیسا کہ نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے کا سنت طریقہ بھی یہی ہے نہ کہ وہ طریقہ جو جاہل علما نے گھڑ لیا ہے کہ مسلمانوں کے عیوب بیان کرتے ہیں اور انہوں نے محض برائی کا گمان ہونے پر مسلمانوں کی آبرو ریزی کو جائز ٹھہرا لیا ہے چہ جائیکہ برائی ثابت ہی نہ ہوئی ہو۔

---

[1] ......جامع الترمذی، ابواب الایمان، باب ماجاء أن الإسلام......الخ، الحدیث: ۲۶۳۰، ص۱۹۱۷.

(۲)......یا اصلاح کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ اس سنت پر عمل کریں گے اور اس پر ہمیشگی اختیار کریں گے اور حتی کہ دین والے اور ڈر والے اخلاص وخشوع کے ساتھ اس سنت پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔

(۳)......یا پھر وہ اس پیدا ہونے والے فساد کو بیان کرنے کے لئے کتابیں لکھیں گے یا اس موضوع پر لکھی گئی کتابیں لوگوں کو پڑھائیں گے۔

(۴)......یا اصلاح کا طریقہ یہ ہوگا کہ سنت پر معاونت کریں گے، اس کی دوسروں کو ترغیب دلائیں گے اور زمانے اور دوستوں کے فساد کی پرواہ نہ کریں گے۔

لفظ غربا کی تفسیر:

مذکورہ حدیث پاک میں لفظ ''غربا'' آیا ہے۔ اس کی تفسیر ایک دوسری حدیث شریف میں آئی ہے جسے حضرت سیِّدُ نا امام جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۱۱ھ) نے ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' میں بیان کیا اور وہ حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمان ہے: ''غربا کے لئے خوشخبری ہے، غربا وہ نیک افراد جن کی تعداد بُرے لوگوں سے کم ہے، ان کی نافرمانی کرنے والے، ان کی پیروی کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔''[1]

حضرت سیِّدُ نا امام عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے ارشاد فرمایا: ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ ''ان سے بغض رکھنے والے، ان سے محبت کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔'' اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُ نا امام سفیان ثوری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۶۱ھ) نے ارشاد فرمایا: جب تم ایسے عالم کو دیکھو جس کے دوست زیادہ ہوں تو جان لو کہ یہ حق کے ساتھ باطل کو ملانے والا ہے کیونکہ اگر یہ صرف حق بیان کرتا تو لوگ اس سے بغض رکھتے اور حجۃ الاسلام حضرت سیِّدُ نا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''سلف صالحین کے پسندیدہ علوم اجنبی ہو گئے بلکہ وہ مٹ چکے ہیں اور لوگ جن علوم میں منہمک ہیں ان میں اکثر بدعت اور نو پید ہیں اور بزرگوں کے علوم اس لئے اجنبی ہو گئے کہ ان کو پڑھنے والے سے بغض رکھا جاتا ہے۔''[2]

---

[1]......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص، الحدیث: ۷۰۹۴، ج۲، ص۶۸۸۔
الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ۵۲۸۸، ص۳۲۶.

[2]......احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثالث، بیان ما بدل من الفاظ العلوم، ج۱، ص۶۱۔
فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۵۲۸۸، ج۴، ص۳۶۲.

دسویں حدیث شریف:

﴿10﴾......حضرت سیِّدُ نا رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ تاجدارِ دو جہان، رحمتِ عالمیان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ارشاد فرمایا: ''تم اپنے دنیاوی معاملات زیادہ جانتے ہو اور جب میں تمہیں تمہارے کسی دینی معاملے کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو۔'' [1]

(حضرت سیِّدُ نا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیثِ پاک میں حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمان ''تم اپنے دنیاوی معاملات زیادہ جانتے ہو'' اس لئے تھا کیونکہ وہ ان معاملات میں کثرت سے مشغول رہتے تھے اور دنیا کا کام کوئی اتنا عظیم نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک اس کی کوئی قدر ہوحتی کہ اس بات سے دنیاوی معاملے میں زیادہ جاننے کی نفی کے سبب سیّد دو عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ذاتِ والاصفات میں کوئی نقص لازم آئے۔ ایسا ہر گز نہیں اور یہ اس حیثیت سے کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سوائے ذکرِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے سب ملعون ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے۔تو اب مذکورہ فرمان کا معنی یہ ہوگا: ''تم دنیاوی معاملات میں اپنے نفع والی چیز میں میرے حکم کے محتاج ہو نہ نقصان دہ چیز سے بچنے کے لئے میرے منع کرنے کے محتاج ہو کیونکہ ان دنیاوی معاملات کے بارے میں تمہارا عقلی غور و فکر، تمہارے تجربات اور پیش آنے والے احوال ہی تمہیں کافی ہیں۔''

میں سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم رکھتا ہوں:

نیز مذکورہ حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد فرمایا: ''جب میں تمہیں تمہارے کسی دینی معاملے کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو'' یعنی حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرما رہے ہیں: ''میں تمہارے دین کے معاملات کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔'' جیسا کہ ایک دوسری حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہوں۔''

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعا......الخ، الحدیث: ٦١٢٧/٦١٢٨، ص١٠٩٣.

گیارہویں حدیث شریف:

﴾11﴿......حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ سرورِ کونین، ہمارے دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔'' [1]

(حضرت سیِّدُ نا امام ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مذکورہ فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک خواہ مرد ہو یا عورت اس کا میری لائی ہوئی شریعت اور احکام جو میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے لایا ہوں، کی تصدیق و اعتراف کرنا اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش یعنی میلان، رغبت اور محبت میری شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔ یوں کہ اپنی رائے اور عقل سے کسی بھی حکم شرعی میں زیادتی اور کمی کو اچھا نہ سمجھے اور اپنی نظر و فکر کے سبب کسی شے کو برا نہ جانے جس سے کسی حکمِ شرعی کی مخالفت لازم آئے۔ بلکہ اس کی رائے، عقل اور نظریہ، حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے فرامین کے ماتحت رہے۔ اس معاملے میں شریعت کے بیان کردہ حکم کو اختیار کرے نہ کہ اسی معاملے کو شریعت کا بیان کردہ حکم بتائے۔

بارہویں حدیث شریف:

﴾12﴿......حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میری امت پر بعینہٖ وہ حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے جس طرح ایک جوتی دوسری کے برابر ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر اُن میں سے کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی وہ ہوگا اور بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹ گئی تھی جبکہ میری اُمت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک کے تمام فرقے جہنم میں جائیں گے۔'' صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: ''یارسولَ اللہ صلَّی اللہ

[1] ......شرح السنة للبغوی، کتاب الایمان، باب ردالبدع والا ھواء، الحدیث: ١٠٤، ج١، ص١٨٥.

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! وہ جنتی فرقہ کون سا ہوگا؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جو فرقہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔''[1]

(حضرت سیِّدُنا امام بخاری وامام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

بنی اسرائیل کون ہیں؟

اس حدیثِ پاک میں بنی اِسرائیل کا ذکر ہے اور یہ حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کی اولاد ونسل کو کہا جاتا ہے۔ حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) نے فرمایا: ''اسرائیل، حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا لقب ہے اور عربی زبان میں اس کا معنیٰ ''صَفْوَۃُ اللّٰہ'' ہے یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا منتخب وپسندیدہ بندہ، اور یہ بھی کہا گیا ہے اس کا معنیٰ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بندہ'' ہے۔[2]

حضرت سیِّدُنا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ ھ) نے ارشاد فرمایا کہ ''مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''اسرائیل'' سے مراد حضرت سیِّدُنا یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ہی ہیں۔''[3]

تہتر 73 فرقے؟

نیز اس حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ ''میری اُمت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی'' یہاں امت سے مراد امتِ اجابت ہے (یعنی جنہوں نے حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تبلیغ کو قبول کر کے کلمہ پڑھ لیا) نہ کہ امتِ دعوت (یعنی ایمان نہ لانے والے) کیونکہ امتِ دعوت تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے زمانۂ اقدس ہی میں تہتر سے زائد فرقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ نیز ہوسکتا ہے کہ یہاں 73 کا ہندسہ کثرت بیان کرنے کے لئے ہو نہ کہ تعداد بیان کرنے کے لئے۔

فرقے جہنم میں کیوں جائیں گے؟

مذکورہ حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہوا کہ ''سوائے ایک کے تمام فرقے جہنم میں جائیں گے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام فرقے جہنم میں صاف وستھرا ہونے کے لئے جائیں گے نہ کہ کفر کے ثابت ہونے کی وجہ سے کیونکہ اگر

[1] ......جامع الترمذی، ابواب الایمان، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ، الحدیث: ۲۶۴۱، ص۱۹۱۸.

[2] ......تفسیر البیضاوی، پ۱، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۴۰، ج۱، ص۳۰۷.

[3] ......تفسیر الخازن، پ۱، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۴۰، ج۱، ص۴۸.

انہوں نے کفر کیا ہوتا تو وہ امتِ دعوت ہو جاتے اور امتِ اجابت نہ رہتے اور اُمتِ دعوت کے فرقوں کے مساوی ہو جاتے اور اسی طرح جو فرقہ بھی کفر کرے گا وہ (امت اجابت کے) تہتر فرقوں سے الگ شمار ہوگا۔

اور اس بات کی بنیاد، اعتقادی مسئلہ میں اجتہادی خطا ہے جبکہ وہ خطا کسی ایسے عقیدہ کے بارے میں ہو جس کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہو اور اس پر اجماع (یعنی اتفاقِ علما) نہ ہو۔اب معاملہ یہ ہے کہ کیا ایسے مسئلہ میں ایسی خطا سے کفر لازم ہوگا یا نہیں؟ جیسا کہ کوئی عملی (یعنی فروعی) مسئلہ جس کا ضروریات دین سے ہونا ثابت ہو اور اس پر اجماع نہ ہو،اس میں اجتہادی خطا کرنے سے ثواب ملنے پر اتفاق ہے اور رہے وہ مسائل جن کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہو اور ان پر اجماع بھی ہو خواہ اعتقادی مسائل ہوں جیسے عالَم کا حادث ہونا، اجسام کا حشر (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا) اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے صفات کا ثابت ہونا جن کا فلاسفہ انکار کرتے ہیں۔یا وہ فروعی مسائل ہوں جیسے اسلام کے پانچ ارکان ہونا اور سود، زنا، شراب خوری، چوری اور ظلم وغیرہ کا حرام ہونا۔اس طرح کے کسی بھی مسئلہ میں اجتہاد کرنا ہی باطل ہے اور اس کے صحیح نہ ہونے پر اجماع ہے کیونکہ ان کا انکار کفر ہے۔چنانچہ،

''مِرْقَاۃُ الْاُصُوْل'' کی شرح میں اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان اجتہاد کے اختلاف کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''ہمارے (یعنی اہل سنت) کے نزدیک مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور صواب (یعنی درستی) پر بھی ہوتا ہے جبکہ معتزلہ کے نزدیک ہر مجتہد مصیب (یعنی درستی پر) ہوتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ ہم کہتے ہیں کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک حکم ایک ہی ہوتا ہے۔'' اور معتزلہ کہتے ہیں کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک حکم متعدد (یعنی ایک سے زیادہ) ہوتے ہیں۔''

پس جب مجتہدین کسی ایک معاملہ میں اجتہاد کرتے ہیں تو ہماری رائے کے مطابق اس معاملہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک حکم ایک ہوتا ہے اور ان کی رائے یہ ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد جس طرف جائے گا وہی حکم ہوگا اور یہ اختلاف شرعی مسائل میں ہے نہ کہ عقلی مسائل میں۔جیسے اِلٰہِیَات اور نَبَوَات میں سے وہ مباحث جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں۔کیونکہ لاکھوں لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ عقلی مسائل میں درست رائے والا ایک ہی ہوتا ہے۔البتہ! بعض معتزلہ جیسے ابوحسن عنبری اور جاحظ کہتے ہیں: ''مسائلِ کلام میں ہر مجتہد درست رائے والا ہوتا ہے۔چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن ملک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۸۰۱ھ) ''اَلْمَنَار'' کی شرح میں ہے:

''یہ اختلاف شرعی مسائل میں ہے نہ کہ ان عقلی مسائل میں جو اُصولِ دین میں سے ہیں اور اس پر اِجماع ہے کہ ان میں بھی حق بات (یعنی دُرُست رائے) ایک ہی ہوتی ہے، ان میں خطا کرنے والا اگر دین اسلام کی مخالفت کرے تو کافر ہے جیسے یہودی اور نصرانی۔''

''شَرْحُ الْمَنَار'' کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر ان میں خطا کرنے والا دین اسلام کی مخالفت نہ کرے اس طرح کہ اس کا اِجتہاد کسی ایسے مسئلہ میں ہو جس کا ضروریاتِ دین سے ہونا معلوم ہو اور اس پر اِجماع نہ ہو تو خطا کرنے کی صورت میں وہ کافر نہ ہوگا اور یہی وہ بات ہے جس کی ابھی ہم نے تفصیل بیان کی ہے۔

اس ساری گفتگو سے معلوم ہوا کہ (اُمت اجابت کے) یہ تہتر فرقے اگر ضروریاتِ دین کے کسی اجماعی مسئلہ کا انکار کر کے کفر نہ کریں تو یہ سب مسلمان ہیں اور بحیثیت اعتقاد دین اسلام میں اجتہاد کرنے والے ہیں۔ پس (اگر ضروریاتِ دین کے کسی غیر اِجماعی مسئلہ میں) ان میں سے جو بھی اپنے اِجتہاد میں خطا کرے گا تو وہ فاسق، بدعتی اور گمراہ ہوگا لیکن کافر نہیں ہوگا اور اس خطا پر اسے ثواب نہیں ملے گا جیسا کہ فروعی مسئلہ میں خطا کرنے والے مجتہد کو ملتا ہے۔ البتہ! معتزلہ میں سے ابوالحسن عنبری اور جاحظ کی رائے کے مطابق وہ فاسق وگمراہ نہ ہوگا اور ثواب پائے گا کیونکہ ان کے نزدیک خواہ مسائل کا تعلق عقائد سے ہو یا عمل سے ان میں اجتہاد کرنے والا ہر شخص دُرُست رائے پر ہوتا ہے۔

ہماری بیان کردہ تفصیل کی تائید حضور نبی رحمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ ''لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہنے والوں سے (اپنی زبان کو) باز رکھو اور ان کو صرف گناہ کے سبب کافر مت کہو تو جس نے ''لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہنے والوں کو کافر کہا وہ خود کفر کے زیادہ قریب ہے۔''[1]

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرء وف مُناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اہلِ قبلہ میں سے حق کی مخالفت کرنے والا کوئی شخص جب تک ضرویاتِ دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے وہ کافر نہیں۔ جیسے عالَم کے حادث ہونے اور حشر اجساد (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے) کا انکار کفر ہے۔ کیونکہ جب اس نے ضرویاتِ دین میں سے کسی کا انکار کر دیا تو وہ ''لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہنے والوں میں سے نہیں ہوگا پس اس کی تکفیر کی جائے گی۔''[2]

[1] ......المعجم الکبیر،الحدیث:١٣٠٨٩،ج١٢،ص٢١١.

[2] ......فیض القدیر للمناوی،تحت الحدیث:٦٢٦٨،ج٥،ص١٢.

دو اَقوال میں تطبیق:

جب تم ہماری اس گفتگو کو اچھی طرح سمجھ لو گے تو پھر علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۷۹۳ھ) کے ''شرح عقائد نسفیہ'' میں مذکور قول کا جواب بھی تم پر ظاہر ہو جائے گا اور ان کا قول یہ ہے: ''علما کے ان دو اقوال کہ ''(۱) ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔'' اور یہ کہ ''(۲) جس نے قرآنِ پاک کو مخلوق یا رؤیتِ باری تعالیٰ کو محال کہا یا (مَعَاذَ اللّٰہ) حضرات شیخین (یعنی ابوبکر وعمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دی یا ان پر لعنت کی وہ کافر ہے۔'' ان دونوں میں تطبیق مشکل ہے۔'' (ان کے قول کا جواب یہ ہوا کہ) ان دونوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ ہے جس نے ضروریاتِ دین کے کسی اجماعی مسئلہ کا انکار کر کے کفر نہ کیا ہو۔ جبکہ ان مذکورہ تین باتوں کے سبب تکفیر کا مسئلہ مجتہدین کے مابین اختلافی ہے تو جس نے ان تین باتوں کے سبب تکفیر کا حکم دیا اس کے نزدیک اہل قبلہ وہ ہے جو ایسی بات نہ کہے۔

ایک فرقہ کے جہنم میں نہ جانے کی وجہ:

''طریقہ محمدیہ'' کی بارہویں حدیث شریف میں حضور نبی ٔغیب داں صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ جو فرمایا: ''سوائے ایک کے تمام فرقے جہنم میں جائیں گے۔'' اس میں ایک فرقے کا استثنا فرمایا، پس بنی اسرائیل کے فرقوں کی تعداد کے برابر 72 فرقے باقی بچے اور یہ فرقہ اعتقاد میں نافرمانی سے بچنے کے سبب جہنم میں داخل نہ ہوگا، بشرطیکہ ان کی موت اپنے مذہب کے تقاضے کے مطابق ہو۔ مگر اعمال میں نافرمانی کے سبب یہ فرقہ بھی جہنم میں داخل ہو سکتا ہے اور یہ اس صورت میں ہوگا جب ہم مسلمانوں کے ان تہتر فرقوں کے افتراق کو صرف اعتقاد کے افتراق پر محمول کریں اور اگر ہم اس افتراق کو دونوں چیزوں یعنی اعتقاد کے ساتھ ساتھ عمل کے افتراق پر ایک ساتھ محمول کریں جیسا کہ اس حدیث شریف کی ابتدا میں حضور رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے فرمان میں اس بات کا قرینہ بھی ان الفاظ میں موجود ہے کہ ''یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی وہ ہوگا ایسا کرے گا'' پس یہ عمل میں متابعت ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا جس فرقہ کا استثنا کیا گیا ہے وہ اعتقاد اور عمل دونوں میں نافرمانی سے بچنے کے سبب اصلاً جہنم میں داخل نہ ہوگا بشرطیکہ ان کی موت اس پر واقع ہو اور حدیث

شریف کے ظاہر سے یہی بات سمجھ آتی ہے۔

اِمام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی تشریح:

طریقہ محمدیہ میں مذکور حدیث شریف کے آخر میں یہ بھی ہے کہ ''صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! وہ جنتی فرقہ کون سا ہوگا؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جو فرقہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔'' یہاں اور اس سے ماقبل مذکور لفظ فرقہ سے مراد فرقہ والے لوگ ہیں جو ملت ِاسلامیہ اور سیرتِ محمدیہ کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) کتاب ''اَلْمَدْخَل'' میں فرماتے ہیں: بلاشبہ حضور سیدِ عالم، محمدِ مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے بعد ظاہر ہونے والے امت کے اِختلافات کی خبر دی۔ اُمت کو اہل ھوا (خواہشات کے پیروکاروں) کی اتباع و پیروی سے ڈرایا۔ ان کو اپنی اور اپنے بعد خلفائے راشدین صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت اپنانے پر ابھارا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین والے راستے کی طرف اشارہ کر کے اُمت کی فرقہ ٔناجیہ (یعنی نجات پانے والے گروہ) کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ لہٰذا جو اپنے دین میں ان کے نقشِ قدم پر چلا اور اس نے کتاب و سنت کی اتباع میں ان کی راہ کو لازم کرلیا تو وہ بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اس نے بہت بڑا حصہ پالیا اور ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان کرے کہ ''اہل سنت و جماعت کے مجتہدین نے بھی تو بہت زیادہ اختلاف کیا اور ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔'' یہ درست نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ایسے معاملات جن میں اجتہاد جائز ہے ان میں مجتہدین کا اجتہاد مختلف ہے مگر پھر بھی وہ اس حیثیت سے ایک تھے کہ ان میں سے کسی نے بھی قرآنِ مجید کی نصِ قطعی، سنتِ قائمہ، اجماع اور قیاسِ صحیح (جو اس کے نزدیک صحیح تھا) کا خلاف نہیں کیا اور بلاشبہ ان میں سے ہر ایک جس قدر اجتہاد کا پابند تھا اس نے اس کو ادا کیا اور درست رائے کی تلاش وطلب پر جس اجر کا وعدہ کیا گیا ہے اس نے اسے حاصل کرلیا اور مجتہدین میں سے بعض دُگنے اجر کے ساتھ خاص ہیں اور اس دُگنے اجر کا وعدہ اس درست رائے تک پہنچنے پر ہے جس کی تلاش و طلب کا اجتہاد میں حکم ہے اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور وہ مجتہد جو درست رائے تک نہ پہنچ سکے تو وہ خطا کی وجہ سے گناہگار نہیں۔ کیونکہ مجتہد حکم کے معاملے میں ظاہر کا پابند ہے نہ کہ باطن کا (کیونکہ

باطن، غیب ہے) اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ مجتہدین اپنے اس طرح کے اختلافات کے باوجود بھی اہل سنت و جماعت ہی سے ہیں اور مجھے امید ہے کہ ان میں سے کسی کا اس طرح مواخذہ نہیں کیا جائے گا کہ اس نے جان بوجھ کر قرآنِ مجید کی کسی نصِ قطعی، صحیح حدیث اور قیاسِ صحیح (یعنی جو اس کے نزدیک صحیح تھا) کی مخالفت کی تھی۔'' مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجتہد کسی سنت سے ناواقف ہوتا ہے اور ایسا قول کر جاتا ہے جو اس سنت کے مخالف ہو جاتا اور ایسا نہیں کہ اس نے سنت کی مخالفت جان بوجھ کی ہو اور کبھی انسان غافل ہوتا ہے اور تاویل میں خطا کر بیٹھتا ہے۔ نیز کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سنت تو معلوم ہوتی ہے مگر اس کی اصل کے دو ہونے کے سبب اس میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا ایک مجتہد ایک اصل کو اختیار کر لیتا ہے اور دوسرا مجتہد دوسری اصل کو اختیار کر لیتا ہے جو پہلی کا غیر ہوتی ہے۔'' اس کے بعد اس مقام پر امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) نے کافی تفصیلی کلام کیا ہے۔

تیرہویں حدیث شریف:

﴿13﴾...... حضرت سیِّدُنا اَنس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: ''تاجدارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''اے میرے بیٹے! اگر تم سے ہو سکے کہ تمہاری صبح وشام ایسی حالت میں ہو کہ تمہارے دل میں کسی کے لئے کینہ وبغض نہ ہو تو ایسا ہی کیا کرو۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''اے میرے بیٹے! یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''[1]

(حضرت سیِّدُنا امام ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیثِ پاک میں فرمایا: ''تمہارے دل میں کسی کے لئے کینہ وبغض نہ ہو'' یہاں کسی کو خاص نہیں کیا بلکہ عام رکھا تاکہ یہ مومن وکافر، دوست ودشمن اور انسان وغیرہ سب کو شامل ہو جائے۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا: ''تو ایسا ہی کیا کرو'' یعنی دل میں کسی کے لئے بھی بغض وکینہ نہ رکھو اور خود کو اس بات پر مشقت کا عادی بناؤ تاکہ تمہارا دل، وسوسوں

---

[1] ......جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة......الخ، الحدیث: ۲۶۷۸، ص ۱۹۲۱ "من احب" بدله "من احیا".

کی گندگی سے پاک ہو جائے۔

سنت سے محبت:

اس حدیث شریف میں سید عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی'' مطلب یہ ہے کہ ''جس نے میری اس سنت (دل کو لوگوں کے کینہ سے پاک رکھنا) اور اس کے علاوہ دیگر سنتوں پر عمل کیا حتی کہ وہ اس کی سیرت میں شامل ہوگئی تو یہ اس بات کی دلیل بن جائے گی کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' کیونکہ جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کے تمام افعال سے بھی محبت کرتا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) اپنی کتاب ''اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّيَّة'' میں فرماتے ہیں: ''سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی محبت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی سنت سے محبت کی جائے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی حدیثِ پاک کو پڑھا جائے، بے شک جس کے دل میں ایمان کی مٹھاس داخل ہو وہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کلام سے کوئی کلمہ یا رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی کوئی حدیث سنتا ہے تو اس کی روح، دل اور جان اس کلمہ کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اور یہ کلمہ اس پر اس طرح غالب آجاتا اور اس کو یوں ڈھانپ لیتا ہے کہ اس کا ہر بال سماعت اور اس کے جسم کا ہر ذرہ بصارت بن جاتا ہے تو وہ کُل کے ساتھ کُل کو سنتا اور کُل کے ساتھ کُل کو دیکھتا ہے۔ اس وقت اس کا دل نور حاصل کرتا ہے اور اس کی حقیقت چمکنے لگتی ہے اور دلائل کے ظہور کے وقت تحقیق کی موجیں باہم ٹکراتی ہیں اور وہ اپنے محبوب کے متوجہ ہونے کو دیکھ کر سیراب ہوتا ہے کیونکہ محبوب کے متوجہ ہونے سے بڑھ کر اس کے دل کو سیراب کرنے والی کوئی شے نہیں اور محبوب کے توجہ ہٹا لینے سے زیادہ ہیبت ناک اور جلانے والی کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل دوزخ کے لئے جسمانی عذاب سے زیادہ سخت عذاب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دیدار میں رکاوٹ ہے جیسا کہ جنتیوں کے لئے جسمانی نعمتوں سے بڑھ کر جو نعمت ہوگی وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا دیدار، اس کے خطاب کو سننا، اس کی رضا اور اس کی توجہ ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں اُس شربت دیدار کی مٹھاس چکھنے سے محروم نہ فرمائے۔'' (1) (آمِيْن بِجَاهِ النَّبِيِّ الْاَمِيْن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم)

---

(1) ......المواهب اللدنية للقسطلانی، المقصدالسابع، الفصل الاول فی وجوب محبته......الخ، ج۲، ص۴۹۹.

جنت میں رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم کا ساتھ:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور تیرہویں حدیثِ پاک کے آخر میں ارشاد فرمایا: ''جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا'' یعنی حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت اس شخص کو ابدی نعمتوں اور ہمیشہ کی رضا تک پہنچا دے گی۔ کیونکہ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ یہ مضمون حدیثِ پاک میں بھی آیا ہے[1] اور یہاں ساتھ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ محبت کرنے والا محبوب ہی کے درجہ میں ہوگا بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے محبوب کی زیارت کر سکے گا اور ان (یعنی محبّ ومحبوب) میں سے ہر ایک اپنے درجہ میں رہے گا اس درجہ سے الگ نہیں ہوگا۔

اِمام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی تشریح:

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے مذکورہ تیرہویں حدیث شریف پر کلام کرتے ہوئے ''صحیح مسلم'' کی شرح میں فرمایا: ''اس حدیث شریف میں اللہ عَزَّوَجَلَّ، اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم، نیک بندوں اور زندہ وفوت شدہ اہلِ خیر سے محبت رکھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ سب سے افضل محبت یہ ہے کہ ان کے احکام پر عمل کیا جائے اور یہ جن کاموں سے منع کریں اُن سے بچا جائے اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کو سیکھا جائے۔ جبکہ صالحین کی محبت سے نفع پانے میں یہ شرط نہیں ہے کہ ان کے اعمال کی مثل عمل کرے کیونکہ اگر وہ ان جیسا عمل کرے گا تو اس کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا اور اس حدیثِ پاک کے بعد آنے والی (حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی) حدیث شریف میں اس بات کی وضاحت بھی کی گئی ہے جس میں ہے کہ کسی نے عرض کی: ''اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے اور ابھی تک ان سے ملا نہیں؟'' سیّدِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: ''آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔'' پھر یہ کہ اس کے صالحین کے ساتھ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا درجہ اور جزا ہر اعتبار سے صالحین کی مثل ہوگی۔''[2]

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب الادب، باب علامة الحب فی اللہ......الخ، الحدیث: ۶۱۶۸، ص ۵۲۰.

[2] ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب البر والصلة، باب المرء مع من احب، ج۱۶، ص۱۸۶.

چودھویں حدیث شریف:

﴿14﴾......حضرت سیِّدُنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکارِ عالی وقار، دو عالم کے مالک ومختار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے دربار گوہر بار میں حاضر ہو کر عرض کی: ''ہم یہودیوں سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں، کیا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے کچھ لکھ بھی لیں؟'' حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم لوگ یہود و نصاریٰ کی طرح حیران ہو[1] اور میں تمہارے پاس ان باتوں کے مقابلے میں روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام (اِس وقت ظاہری طور پر) زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔''[2]

(حضرت سیِّدُنا امام بزار و امام ابوداود علیہما رحمۃ اللہ الودود نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث شریف میں سید عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے اپنی شریعت کو ''روشن'' اس لئے فرمایا کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم جو احکام شریعت اور احادیث لے کر تشریف لائے وہ فصیح عربی الفاظ کے ذریعے اور واضح و درست ترین معانی و مطالب کے سبب روشن و چمکدار ہیں بخلاف اہل کتاب کی باتوں کے کہ انہیں یہ باتیں اپنے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے عجمی زبان میں پہنچی اور جاہل لوگوں نے ان باتوں کو زمانہ فَتْرَت (یعنی جس میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا) میں ایک دوسرے سے روایت کیا اور یوں ان کے لطائف بے مزہ ہو گئے، ان کے معارف چھپ گئے، ان کے انوار مٹ گئے اور ان کی نہریں گدلی ہو گئیں۔

---

[1]...... حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ اللہ الرحمٰن (متوفی ١٣٩١ھ) اس (فرمان یعنی کیا تم لوگ یہود و نصاریٰ کی طرح حیران ہو) کی شرح میں فرماتے ہیں: ''کہ قرآن وسنت کو اپنے لئے کافی نہیں سمجھتے اس لئے دوسروں کے پاس علم وہدایت لینے جاتے ہو جیسے یہود و نصاری نے اپنی کتابیں چھوڑ کر پادریوں اور جوگیوں کی پیروی شروع کر دی۔ یہ حدیث دین وہدایت کے متعلق ہے جو کوئی اسلام کو کافی نہ سمجھے وہ بے ایمان ہے۔ دنیاوی چیزیں ہر جگہ سیکھی جاسکتی ہیں۔ اس کے لئے وہ حدیث ہے کہ کلمہ حکمت مسلمان کی گمی (ہوئی) دولت ہے جہاں سے ملے لے لو لہٰذا حدیث متعارض نہیں۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بے دینوں کے رسالے پڑھتے اور بدمذہبوں کے جلسوں میں جانے سے احتیاط نہیں کرتے، فاروقِ اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جیسے مومن کو اہل کتاب کے علما کی صحبت سے منع فرما دیا۔ (مراۃ المناجیح، ج١، ص١٧٣)

[2]......شعب الایمان للبیھقی، باب فی الایمان بالقرآن......الخ، ذکر حدیث جمع القرآن، الحدیث: ١٧٦، ج١، ص١٩٩.

نیز مکی مدنی سلطان، رحمتِ عالمیان صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے اپنی شریعت کو ''صاف'' قرار دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی شریعت، خفا (یعنی پوشیدگی) اور التباس (یعنی خلط ملط ہونے) کی ملاوٹ سے محفوظ ہے، ہر طرح کے عیب اور گندگی سے پاک ہے جبکہ اہلِ کتاب نے جب اپنی باتوں کو عجمی سے عربی زبان کی طرف نقل کیا تو ان باتوں کو اپنے کلماتِ فاسدہ سے خراب کر دیا اور اپنے خبیث وسوسوں کو ان میں شامل کر دیا۔

حضور صَلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے ہوتے کسی نبی کی اِتباع جائز نہیں:

اس حدیث شریف کے آخر میں ارشاد فرمایا: ''اگر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام (اِس وقت ظاہری طور پر) زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا'' اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے لئے میری اِتباع کو ترک کرنا جائز نہ ہوتا اور نہ ہی یہ جائز ہوتا کہ وہ مجھے چھوڑ کر اپنی شریعت جاری رکھیں کیونکہ سید عالم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم، ربُّ العالمین جَلَّ جَلَالُهٗ کی جناب سے تمام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے نبی اور تمام رسولوں عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے رسول ہیں، اس لئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمام انبیا ورُسُل عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے اس بات پر عہد لیا ہے کہ ان میں سے جس نے رحمتِ عالَم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور ان کا مبارک زمانہ پایا تو وہ شریعت میں ان کا تابع ہوگا۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ (پ۳، اٰلِ عمران ۸۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

تورات، انجیل اور زبور پڑھنے کا حکم:

''طریقہ محمدیہ'' میں بیان کردہ چودھویں حدیثِ پاک میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اہلِ کتاب یعنی یہود و

نصاریٰ کی کتابیں پڑھنا نہ تو کسی عالم کے لئے جائز ہے اور نہ ہی کسی جاہل کے لئے، نہ تورات، نہ انجیل، نہ زبور اور نہ ہی کفار کے پاس موجود صحائف کا پڑھنا جائز ہے اگرچہ پڑھنے سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کی نیت ہو، جیسا کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام نے کلیساؤں اور گرجا گھروں میں جانے کو مکروہ جانا کیونکہ یہ شیاطین کے ٹھکانے ہیں اور یہی معاملہ ان کی موجودہ کتابوں اور صحائف کا ہے کہ جن میں انہوں نے تحریف اور تغیر وتبدل کر دیا ہے اور یوں وہ شیاطین کے کلام پر مشتمل ہو گئیں، یہی وجہ ہے کہ بعض شافعی حضرات نے اُن کے ساتھ استنجا کو جائز قرار دیا ہے جبکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاک ذکر سے خالی ہوں۔ چنانچہ،

فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کے اقوال:

حضرت سیِّدُنا شیخ علوان علی بن عطیہ حموی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۹۳۶ھ) نے اپنی کتاب ''ھِدَایَۃُ الْعَامِل'' میں فرمایا: ''اور تحریف شدہ کتابیں یا وہ جن کے احکام مٹا دیئے گئے ان کی کوئی تعظیم نہیں ہے اور تحریف شدہ کتاب پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں بلکہ بعض علما نے اتنا مبالغہ کیا کہ آج یہودیوں کے پاس جو تورات موجود ہے اس سے استنجا کو جائز قرار دے دیا اور میرے (یعنی علامہ حموی کے) نزدیک یہ معاملہ محلِ غور ہے (میں کہتا ہوں کہ) صرف اُس کلام کی تعظیم نہیں کی جائے گی جس کی تحریف، کفریہ الفاظ یا ان کی مثل کے ذریعے ثابت ہو جائے۔''

مَیں (یعنی علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی) نے مذکورہ کتاب ''ھِدَایَۃُ الْعَامِل'' کے ایک نسخے پر حضرت علامہ شمس الدین میدانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۱۰۳۳ھ) کے لکھے ہوئے حاشیہ میں اسی مقام میں پڑھا، وہ فرماتے ہیں: ''صاحبِ کتاب نے جس معاملہ کو محلِ غور کہہ کر بیان فرمایا ہے وہ واقعی درست ہے کیونکہ تورات (کا آسمانی کتاب ہونا) حق ہے جس میں کوئی شک نہیں پس اس کا احترام واجب ہے اس لئے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کلام ہے اور اب ہمیں اس بات میں شک ہے کہ کیا اس میں تغیر وتبدل ہوا یا نہیں اور یہ کہنا کہ ساری تورات ہی کو بدل دیا گیا ہے، جائز نہیں کیونکہ اس میں ایسی باتیں موجود ہیں جن کے تبدیلی سے محفوظ ہونے کا انسان کو یقین ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ اس کے بعض کو بدلا گیا ہے اور حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ السلام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا تغیر وتبدل صرف معنی میں ہوا اور لفظ اپنے حال پر باقی ہے یا لفظ ہی کو دوسرے لفظ سے بدل دیا گیا؟ اور دونوں صورتوں میں یہ قابلِ تعظیم اور غیر قابلِ تعظیم کلام پر مشتمل ہے۔

پس جب تحریف شدہ کلام کو غیرِ تحریف شدہ کلام سے ممتاز نہیں کیا جا سکتا ہے تو ہم اصل کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور تبدیلی سے محفوظ، قابلِ تعظیم کلام کے سبب احتیاط کرتے ہوئے اس کی تعظیم کریں گے اور اس میں موجود قابلِ تعظیم کلام کو غلبہ دیتے ہوئے اس کی توہین کو حرام سمجھیں گے۔''

مذکورہ موقف کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے جنبی (یعنی جس پر غسل فرض ہو) کے لئے تورات کو پڑھنا مکروہ فرمایا اور انہوں نے اس کی وجہ وہی بیان کی جو اوپر مذکور ہوئی۔ چنانچہ، ''شَرْحُ الدُّرَر'' میں ہے: ''جنبی کے لئے تورات، انجیل اور زبور کو پڑھنا مکروہ ہے۔''

آسمانی کتب کی توہین جائز نہیں:

مجھے (یعنی علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کو) کسی شخص نے جو میرے پاس آیا کرتا تھا، بتایا کہ ''وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے کلیسا (عبادت خانہ) میں گیا۔ انہوں نے اس کے سامنے تورات کے صحائف کھول کر رکھ دیئے تو اس نے تورات کی اہانت کا ارادہ کیا حتی کہ اس نے یہودیوں کو غافل کر کے ان صحائف میں تھوک دیا پھر وہاں سے واپس آ گیا۔'' (آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں) اس کے بعد میں نے اس تھوک پھینکنے والے شخص کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ اپنے دین اور دُنیا میں مصیبتوں میں گرفتار رہا یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی شکل بگڑ گئی اور کسی نے یہ بھی کہا کہ اس نے خود کشی کر لی تھی۔'' وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی.

پس میں نے جان لیا کہ یہ انجام اس تورات کی توہین کی وجہ سے ہوا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کلام کی طرف منسوب ہے اگرچہ اس میں تحریف (یعنی تبدیلی) کر دی گئی ہے۔ نیز ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے جنبی کے لئے جو تورات پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے میں اس کی حقیقت کو بھی سمجھ گیا کہ انہوں نے یہ حکم، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف منسوب کلام کے احترام پر ابھارنے اور اس کی تعظیم کے سبب دیا ہے **اور اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ''ان منسوخ کتب کی توہین جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان کا پڑھنا اور مطالعہ کرنا جائز ہے۔''**

پندرہویں حدیث شریف:

﴿15﴾......حضرت سیِّدُنا مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۰۴ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ ہم حضرت

سیّدُ نا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ سفر پر تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راہ چلتے ہوئے ایک جگہ سے ہٹ کر گزرے ہم نے سبب دریافت کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''میں نے ایک مرتبہ اپنے آقا ومولیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ایسا ہی کرتے دیکھا تھا تو میں نے ایسا کیا۔'' [1]

(حضرت سیّدُ نا امام احمد بن حنبل وامام بزار علیہما رحمۃ اللہ الغفار نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

سنت کے سچے شیدائی:

اس روایت میں حضرت سیّدُ نا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جو عمل بیان ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محبوب آقا، دو عالم کے داتا، مدینے والے مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اَفعال، اَعمال، اَقوال اور اَحوال الغرض ہر سنت کے سچے شیدائی تھے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بھرپور اتباع کرتے تھے۔

سولھویں حدیث شریف:

﴿16﴾......حضرت سیّدُ نا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ایک جگہ کسی درخت کے نیچے قیلولہ (یعنی دوپہر کے آرام) کے لئے تشریف لے جاتے اور فرمایا کرتے: ''میرے آقا ومولیٰ، مدینے والے مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔'' [2]

(حضرت سیّدُ نا امام بزار علیہ رحمۃ اللہ الغفار نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

سیّدُ نا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور اتباعِ رسول:

حضرت سیّدُ نا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے اس عمل کے ذریعے سیدِ عالم، شفیعِ معظم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی پیروی کرتے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنتِ نبوی پر عمل کے شوق میں حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ہر اُس عمل میں اتباع کرتے جسے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو کرتے ہوئے دیکھ لیتے۔

حضرت سیّدُ نا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) نے ''اَلْمَدْخَل'' میں فرمایا کہ حضرت سیّدُ نا ابو جعفر محمد بن علی علیہ رحمۃ اللہ الولی فرماتے ہیں: ''حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے صحابہ کرام

[1] ......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمر بن الخطاب، الحدیث: ٤٨٧٠، ج٢، ص ٢٦٨.

[2] ......الترغیب والترھیب، المقدمة، باب الترغیب فی اتباع الکتاب والسنة، الحدیث: ٧٥، ج١، ص ٥٥.

رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین جب آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے کوئی بات سنتے تو اس پر پورا پورا عمل کرنے میں حضرت سیِّدُ نا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سب سے آگے ہوتے۔''

اور ''اَلْمَدْخَل'' ہی میں ہے کہ حضرت سیِّدُ نا امام مالک علیہ رحمۃ اللہ الخالق نے حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ'' آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضور نبی کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے حکم اور قول وفعل کی اتباع کرتے اور اس کا اہتمام اس قدر کرتے کہ اس اہتمام [1] کے سبب کبھی کبھی آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عقل کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہونے لگتا۔''

سترہویں حدیث شریف:

﴿17﴾......حضرت سیِّدُ نا اَنَس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ تاجدارِ دوجہان، رحمتِ عالمیان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں۔'' [2]

(حضرت سیِّدُ نا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

سنت سے منہ موڑنے کی دو صورتیں اور ان کا حکم:

اس حدیث شریف میں سنت سے منہ موڑنے والے کو فرمایا ''وہ مجھ سے نہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میری ملت اور دین سے شمار نہ ہوگا کیونکہ اس نے سنت کو چھوڑ کر بدعت کو اپنایا اور پھر منہ موڑنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ سنت کو سنت مانتے ہوئے منہ موڑتا ہے تو وہ فاسق اور بدعتی ہے اور دوسری صورت یہ کہ اگر سنت کو حق نہ مانے اور اس کو حقیر جانے تو وہ کافر ہے۔

---

[1] ......﴿**قولہ:من اهتمامه بذالک.** امام اہلسنّت، مجددِ اعظم سیِّدُ نا اعلٰی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**وفی تاریخ ابی العباس السراج بسندحسن من السدی رأیت نفرا من الصحابة کانوا یرون انه لیس احد فیهم علی الحالة التی فارق علیها النبی صلَّی اللّٰه علیه وسلَّم الا ابن عمر ۱۲ اصابه.** یعنی تاریخ ابوالعباس سراج میں سُدِّی سے سندِ حسن کے ساتھ مروی ہے کہ ''میں نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ایک گروہ دیکھا، وہ گمان کیا کرتے تھے کہ حضرت سیِّدُ نا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے علاوہ ان میں سے کوئی شخص اس حالت پر نہ رہا جس پر نبی کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں چھوڑا تھا۔''﴾

(الاصابة، الرقم:٤٨٥٢ عبد اللّٰه بن عمر، ج٤، ص١٥٧)

[2] ......صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح......الخ، الحدیث:٣٤٠٣، ص٩١٠.

اٹھارہویں حدیث شریف:

﴿18﴾......حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''ہر عمل میں ایک رغبت ہوتی ہے اور ہر رغبت کے لئے سکون ہوتا ہے تو جس کا سکون میری سنت میں ہو وہ ہدایت پا گیا اور جس کا سکون میری سنت کے غیر میں ہو وہ ہلاک ہو گیا۔'' (1)

(حضرت سیِّدُ نا امام ابن حبان علیہ رحمۃ اللہ المنان نے اس حدیث شریف کو اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ ''ہر عمل میں ایک رغبت ہوتی ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ انسان جب بھی اپنے ارادہ واختیار سے کوئی کام کرتا ہے تو اس کام کو کرتے وقت اس میں ایک طرح کا جوش، شدید حرص اور رغبت کی زیادتی آجاتی ہے اور جب اس کام میں اس کا جوش انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اکثر یہی ہوتا ہے کہ اس شخص کو کسی قسم کی ملامت یا سختی کے ذریعے اس کام سے روکنا ممکن نہیں رہتا، سوائے یہ کہ وہ خود رک جائے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

لَا تَـرْجِـعُ الْاَنْـفُـسُ عَنْ غَيِّـهَـا   مَـالَـمْ يَـكُـنْ مِـنْـهَـا لَـهَـا زَاجِـرٌ

ترجمہ: کوئی نفس اپنی ہلاکت سے نہیں پھرتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو ڈرانے والا نہ ہو۔

ہر رغبت کے لئے سکون:

مذکورہ حدیثِ پاک میں یہ بھی فرمایا ''ہر رغبت کے لئے سکون ہوتا ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس پر کسی شے کے جوش کا غلبہ ہو جائے اور اس میں اس کی رغبت بڑھ جائے تو ضروری ہے کہ اس کا وہ جوش کمزور ہو اور رغبت ختم ہو جائے (اور یہی سکون ہے) کیونکہ نفس اپنی تخلیق کی حقیقت کے اعتبار سے جاہل ہوتا ہے اور اس کی طبیعت میں غفلت وکم فہمی اور طیش ہوتا ہے اور ان میں سے کسی شے کے لئے نفس کو مشقت برداشت نہیں کرنا پڑتی اس لئے کہ یہ چیزیں پیدائشی طور پر اس میں موجود ہوتی ہیں۔ پس جب اس کے لئے اعمال یا ان کے علاوہ میں سے کسی شے میں کمال ظاہر ہوتا ہے خواہ اس میں حال یا انجام کے اعتبار سے خیر ہو یا شر، نفع ہو یا نقصان نفس اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس

(1)......الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، باب الاعتصام بالسنة ......، الحدیث: ١١، ج١، ص١٠٧.

میں کمالِ رغبت کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس کی طرف انتہائی جوش دکھاتا ہے۔اس وقت یہ ممکن نہیں ہوتا کہ نفس کسی طرح اس شے سے پیچھے ہٹ جائے۔سوائے یہ کہ اسے مطلوبہ شے کا کوئی نقصان نظر آجائے اور ضروری ہے کہ ہر وہ شے جس میں اس کا نفس رغبت کرتا ہے اور اس کی طرف جوش مارتا ہے اس کے عیوب نفس پر ظاہر کرے۔پس ایسا کرنے سے اس کی رغبت ختم اور جوش کم ہوجائے گا اس کی پہلی حالت کمزور پڑ جائے گی (یوں اسے سکون مل جائے گا) اور بہر حال یہ سب کچھ نفس کی کمالِ جہالت اور ناسمجھی وحماقت کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دنیا وآخرت کی سعادت:

اس حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا ''جس کا سکون میری سنت میں ہو وہ ہدایت پا گیا'' اس سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ شے جس کی جانب وہ متوجہ تھا اور ہر وہ معاملہ جس میں وہ منہمک تھا اسے ترک کر دیا اور سنتِ نبوی اور طریقہ محمدی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام میں مشغول ہوگیا تو دنیا وآخرت میں سعادت مند ہوگیا۔

دنیا وآخرت کی ہلاکت:

''طریقہ محمدیہ'' میں بیان کردہ اٹھارہویں حدیثِ پاک کے آخر میں فرمایا ''جس کا سکون میری سنت کے غیر میں ہو وہ ہلاک ہوگیا۔'' یعنی وہ سنت کو چھوڑ دیتا ہے اور بدعت یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہوجاتا ہے اور یوں وہ راہِ سنت سے منہ موڑنے والا بن جاتا ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ دنیا وآخرت میں گمراہی کے سبب ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔

ہجرت کا ثواب:

مذکورہ حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جوش کے ذریعے نفسانی لذات کی رعایت کرنا اور مباح کاموں پر حرص کرنا بالذّات مذموم نہیں (یعنی ہر حال میں برا نہیں) بلکہ کبھی پسندیدہ بھی ہوتا ہے اس وقت جب انسان اس کا اہتمام کرنے اور اس میں انہماک کے بعد اس کو ترک کر دیتا ہے اور سیدِ عالم، نورِ مجسم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت کو اختیار کر لیتا ہے۔پس اس کے لئے اپنے نفس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف ہجرت کرنے والے کا اجر ہے یعنی اپنے نفس کی لذّت سے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے امر کی طرف، جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے

عَنِ الْهَوٰىۙ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ﴿۴۱﴾ سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔ (پ ۳۰، النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

نیز اس حدیث پاک میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ گناہوں کے ذریعے اپنی جان پر ظلم و زیادتی کرنے والا جب اپنی خطاؤں اور گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی سنتوں پر عمل کرنا شروع کر دے اور سنتوں کی پیروی و محافظت کو خود پر لازم کر لے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بندے کو بھی قبول فرمالیتا ہے۔ اگرچہ اس کا اپنے گناہوں اور خطاؤں کو ترک کرنا ان سے بیزاری اور ان میں سستی کی وجہ سے ہو اس لئے کہ اس کی طبیعت ان گناہوں کو قبول نہیں کرتی اور شریعت یہی چاہتی ہے کہ گناہوں کو ترک کر دیا جائے اور ان سے باز رہا جائے، چاہے جس طرح بھی ممکن ہو۔

انیسویں حدیث شریف:

﴿19﴾......اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''چھ طرح کے لوگوں پر میں لعنت کرتا ہوں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ بھی اُن پر لعنت فرماتا ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہے، چھ اشخاص یہ ہیں (۱) کتاب اللہ میں اضافہ کرنے والا (۲) تقدیر کو جھٹلانے والا (۳) میری امت پر ظلم کے ساتھ تسلط کرنے والا کہ اس شخص کو عزت دیتا ہے جس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ذلیل کیا اور اس کو ذلیل کرتا ہے جس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عزت عطا فرمائی (۴) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حرم (یعنی حرمِ مکہ) کو حلال ٹھہرانے والا (۵) میرے اہل بیت کی حرمت جس کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا ہے اس کو پامال کرنے والا اور (۶) میری سنت کو چھوڑنے والا۔''[1]

(حضرت سیِّدُنا امام طبرانی نے اَلْمُعْجَمُ الْکَبِیْر میں، حضرت سیِّدُنا امام حاکم اور حضرت سیِّدُنا امام ابن حبان علیہم رحمۃ اللہ المنان نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

لعنت کا معنی و مفہوم:

اس حدیث پاک میں سید عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا ''مَیں چھ طرح کے لوگوں پر لعنت کرتا ہوں''

[1] ......الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الحظر و الاباحۃ، باب اللعن، الحدیث: ۵۷۱۹، ج۷، ص ۵۰۱.

اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دُعا کی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کو(اپنی بارگاہ سے) دُھتکار دے اور اپنی رحمت سے دور کردے کیونکہ کسی انسان کا دوسرے کے لئے یہ کہنا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اس پر لعنت ہو۔'' یہ اس کی طرف سے بددعا ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر رحم نہ کرے۔'' اور یہ ضد ہے اُس کے اس قول کی کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر رحم کرے۔'' اور یہ اس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت کی دعا ہے۔ جبکہ حضور نبی کریم، رءوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ دعا اس وقت فرمائی جب آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان پر لعنت فرمانے کا علم ہوگیا۔ اسی لئے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ فرمایا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بھی اُن پر لعنت فرماتا ہے۔'' اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لعنت فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کو اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا اور انہیں اپنی رحمت سے دور کردیا۔

کس پر لعنت کرنا جائز اور کس پر نا جائز:

انسان کے لئے اس پر لعنت کرنا جائز ہے جس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لعنت فرمائی ہے جیسے شیطان، کفار اور ظالمین پر لعنت کرنا اور جن پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لعنت نہیں فرمائی ان پر بندوں کا لعنت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ لعنت کی ممانعت کے بارے میں حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے ''رِیَاضُ الصَّالِحِیْن'' میں بعض احادیث مبارکہ نقل فرمائی ہیں:

(۱)......حضرت سیِّدُنا ابوزید ثابت بن ضحاک الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان عالیشان ہے: ''جس نے جان بوجھ کر دین اسلام کے غیر پر جھوٹی قسم کھائی تو وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا۔ جس نے کسی چیز سے خود کو قتل کیا (یعنی خودکُشی کی) تو بروزِ قیامت اسی چیز کے ساتھ اس کو عذاب دیا جائے گا اور آدمی جس چیز کا مالک نہیں اس میں اس کی نذر نہیں اور مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔''[1]

(۲)......حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دوجہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحرو بَر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''کسی سچے آدمی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ لعنت

[1]......صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان نفسه......الخ، الحدیث:۳۰۳/۳۰۲، ص۶۹۶.

کرنے والا ہو۔'' [1]

(۳)......حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ''بہت زیادہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ تو شفاعت کرنے والے ہوسکیں گے نہ ہی گواہ بن سکیں گے۔'' [2]

(۴)......حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ''جب بندہ کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ آسمان کی طرف بلند ہوجاتی ہے، آسمان کے دروازے اس پر بند کردیئے جاتے ہیں تو لعنت زمین کی طرف آتی ہے اور اس کے دروازے بھی اس پر بند کردیئے جاتے ہیں پھر وہ دائیں بائیں جاتی ہے جب کوئی راستہ نہیں پاتی تو وہ اس کی طرف جاتی ہے جس پر لعنت کی گئی پس اگر وہ اس کا مستحق ہو تو ٹھیک ورنہ لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔'' [3]

غیر مُعَیَّن شخص پر لعنت کرنا جائز ہے:

مذکورہ ساری گفتگو مُعَیَّن شخص پر لعنت بھیجنے کے بارے میں ہے کیونکہ اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے کسی معین شخص پر لعنت نہیں فرمائی، البتہ! مُعَیَّن کئے بغیر گنہگار لوگوں پر لعنت کرنا جائز ہے۔

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ (پ۱۲، ھود۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: ارے ظالموں پر خدا کی لعنت۔

﴿۲﴾

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ (پ۸، الاعراف۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بیچ میں منادی نے پکار دیا کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر۔

قرآنِ مجید، فرقانِ حمید کی طرح احادیثِ مبارکہ سے بھی غیر مُعَیَّن گنہگار پر لعنت کرنا ثابت ہے۔ اس بارے

---

[1] ......صحیح مسلم، کتاب البر، باب النھی عن لعن الدواب وغیرھا، الحدیث: ٦٦٠٨، ص ١١٣١.

[2] ......المرجع السابق، الحدیث: ٦٦١٠.

[3] ......سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی اللعن، الحدیث: ٤٩٠٥، ص ١٥٨٣.

میں بعض فرامینِ مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱)......''جو عورت، بال مِلائے یا دوسری سے مِلوائے اُس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت ہے [1]۔'' [2]

(۲)......''سود کھانے والے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت ہے [3]۔'' [4]

(۳)......حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی۔ [5]

(۴)......''زمین (کی حدود) کے نشان مٹانے والے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لعنت فرمائی۔'' [6]

(۵)......''چوری کرنے والے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت ہے کہ انڈہ چراتا ہے۔'' [7]

(۶)......''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو اپنے والدین پر لعنت کرتا ہے اور اس پر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لعنت کی ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔'' [8]

(۷)......''جس نے دین میں کوئی نئی بات نکالی یا نئی بات نکالنے والے کو پناہ دی، اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ، ملائکہ اور

......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 312 صفحات پر مشتمل کتاب ''بہارِ شریعت'' (حصہ ۱۶) صفحہ 239 پر صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: ''انسان کے بالوں کی چوٹی بنا کر عورت اپنے بالوں میں گوندھے یہ حرام ہے۔ حدیث میں اس پر لعنت آئی بلکہ اس پر بھی لعنت جس نے کسی دوسری عورت کے سر میں ایسی چوٹی گوندھی اور اگر وہ بال جس کی چوٹی بنائی گئی خود اسی عورت کے ہیں جس کے سر میں جوڑی گئی جب بھی ناجائز اور اگر اون یا سیاہ تاگے کی چوٹی بنا کر لگائے تو اس کی ممانعت نہیں۔ سیاہ کپڑے کا موباف بنانا جائز ہے اور کلاوہ میں تو اصلاً حرج نہیں کہ یہ بالکل ممتاز ہوتا ہے۔ اسی طرح گودنے والی اور گودوانے والی یا ریتی سے دانت ریت کر خوبصورت کرنے والی یا دوسری عورت کے دانت ریتنے والی یا موچنے سے ابرو کے بالوں کو نوچ کر خوبصورت بنانے والی اور جس نے دوسری کے بال نوچے ان سب پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔'' (الدرالمختار، کتاب الحظر و الإباحة، فصل في النظر والمس، ج۹، ص٦١٤)

......صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب وصل الشعر، الحدیث: ٥٩٣٤، ص٥٠٣.

......سود کی تباہ کاریاں جاننے کے لئے دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی جاری کردہ آڈیو، ویڈیو سی ڈی ''سود کی نحوست'' کو سننا دیکھنا انتہائی مفید رہے گا۔

......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبداللّٰہ بن مسعود، الحدیث: ٣٧٢٥، ج٢، ص٤٥.

......صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب مھر البغی والنکاح الفاسد، الحدیث: ٥٣٤٧، ص٤٦٢.

......صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللّٰہ......الخ، الحدیث: ٥١٢٤، ص١٠٣١.

......صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب لعن السارق اذالم یسم، الحدیث: ٦٧٨٣، ص٥٦٦.

......صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللّٰہ......الخ، الحدیث: ٥١٢٥، ص١٠٣١.

تمام لوگوں کی لعنت ہے۔'' [1]

(۸)......''اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! رِعْل، ذَکْوَان اور عُصَیَّۃ پر لعنت فرما جنہوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی نافرمانی کی۔'' (یہ عرب کے تین قبائل تھے) [2]

(۹)......یہودیوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیا عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔'' [3]

(۱۰)......حضور سیِّدِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ [4]

مذکورہ احادیثِ مبارکہ کے بعض الفاظ صحیح بخاری و مسلم میں ہیں اور بعض الفاظ دونوں میں سے کسی ایک میں ہیں۔

اُمت پر شفقت و کمال مہربانی:

یہاں وہ احادیثِ مبارکہ بیان کی جاتی ہیں جن میں اس بات کا بیان ہے کہ رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جس مسلمان کے لئے لعنت کی دعا فرمادیں اور وہ اس کا اہل نہ ہو تو وہ لعنت کی دعا اس کے حق میں پاکیزگی، رحمت، گناہوں سے معافی، اجر اور قرب کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے مسلم شریف کی شرح میں ان احادیث مبارکہ کو نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ،

(۱)......حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے یہ دُعا مانگی: ''اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں ایک بشر ہوں پس میں جس مسلمان پر لعنت کروں یا برا بھلا کہوں تو تُو اس کو اس مسلمان کے لئے گناہوں سے پاکیزگی اور حصولِ اَجر کا ذریعہ بنا۔'' [5]

(۲)......ایک روایت میں یوں ہے: ''میں جس کو سزا دوں تو اس عمل کو اس کے لئے گناہوں سے معافی اور

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینۃ، باب حرم المدینۃ، الحدیث: ۱۸۷۰، ص ۱۴۶.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لغفار واسلم، الحدیث: ۶۴۳۴، ص ۱۱۱۹.

[3] ......صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی علیہ السلام ووفاتہ، الحدیث: ۴۴۴۱، ص ۳۶۳.

[4] ......صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبھین بالنساء......الخ، الحدیث: ۵۸۸۵، ص ۵۰۱.

[5] ......صحیح مسلم، کتاب البر، باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم......الخ، الحدیث: ۶۶۱۴، ص ۱۱۳۱.

رحمت بنادے۔'' [1]

(۳)......ایک روایت میں اس طرح ہے: ''میں جس مسلمان کو تکلیف دوں، اس کو برا کہوں، اس پر لعنت کروں یا اسے سزا دوں تو اس (عمل) کو اس کے لئے رحمت گناہوں کی معافی اور قرب کا ایسا درجہ بنادے جس کے ذریعے قیامت کے دن تیرے قریب ہوجائے۔'' [2]

(۴)......ایک روایت میں دعا کے الفاظ یوں ہیں: ''اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! محمد (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) بشر ہے جس طرح بشر کو غصہ آتا ہے اسے بھی غصہ آتا ہے اور میں تجھ سے ایک عہد کرتا ہوں تُو اس کے ہرگز خلاف نہیں کرتا۔ میں جس مسلمان کو تکلیف دوں یا برا بھلا کہوں یا اس کو سزا دوں تو تُو اس کو اس کے لئے پاکی اور قربت بنادے۔'' [3]

(۵)......ایک روایت اس طرح ہے: ''میں نے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ سے شرط کر رکھی ہے پس میں نے کہا: ''میں انسان ہوں۔ جس طرح انسان راضی ہوتے ہیں میں بھی راضی ہوتا ہوں اور جس طرح دوسروں کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آتا ہے۔ میں اپنی امت میں سے کسی کے خلاف دُعا کروں، جس کا وہ مستحق نہ ہو تو تُو اسے اس کے لئے پاکیزگی، رحمت اور قرب بنادے۔'' [4]

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) ان احادیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''ان تمام احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ''حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اپنی امت پر شفیق ومہربان ہیں، ان کے ہر طرح کے نفع کا اہتمام کرنے والے، ان کے لئے محتاط اور ہر وہ چیز جو ان کے لئے نفع مند ہو اس میں رغبت رکھنے والے ہیں اور بیان کردہ روایات میں سے آخری روایت، باقی تمام مطلق روایات کی مراد کو واضح وظاہر کرتی ہے کہ رحمتِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا کسی کے خلاف دعا کرنا اس کے لئے بخشش، رحمت اور پاکیزگی ہے جبکہ وہ شخص بددُعا، سبّ وشتم اور لعنت وغیرہ کا مستحق نہ ہو اور وہ مسلمان ہو۔ ورنہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے کفار اور منافقین پر بددُعا فرمائی ہے اور وہ ان

---

[1] ......المرجع السابق، الحدیث: ٦٦١٦، ص ١١٣٢.
[2] ......المرجع السابق، الحدیث: ٦٦١٩.
[3] ......المرجع السابق، الحدیث: ٦٦٢٢ ۔شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب البر، باب من لعنه النبی صلی اللہ علیہ وسلم او سبه، ج١٦، ص١٥١.
[4] ......المرجع السابق، الحدیث: ٦٦٢٧.

کے لئے رحمت کا باعث نہیں۔

سوال: حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم اس شخص کے خلاف دعا یا سبّ وشتم یا لعنت کیسے کر سکتے ہیں جو ان کا مستحق نہ ہو؟

جواب: اس کا جواب وہی ہے جو علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے دیا ہے، مختصر یہ ہے کہ اس کی دو وجہیں ہیں: (۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے لعنت وغیرہ کا مستحق نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک اور امر باطن میں اس کا مستحق اور اہل نہیں تھا۔ لیکن ظاہر میں وہ اس (لعنت وغیرہ) کا مستحق تھا۔ لہٰذا حاکم شریعت ہونے کے اعتبار سے شہنشاہِ دوجہاں، رحمتِ عالمیاں صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے لئے اُس شخص کے بارے میں لعنت کا استحقاق ظاہر ہو گیا جبکہ امرِ باطن میں وہ اس کا مستحق واہل نہ تھا اور حضور سیّدِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم ظاہر کے مطابق فیصلہ فرمانے پر مامور ہیں[1] اور پوشیدہ معاملات کو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کا کسی کو بُرا بھلا کہنا یا اس کے خلاف دعا کرنا وغیرہ اس سے مقصود ملامت کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا تعلق اہل عرب کی عادت سے ہے کہ وہ اپنے کلام میں بغیر کسی نیت کے ایسے الفاظ ذکر کر دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ''تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو۔'' ایک جگہ ارشاد فرمایا: ''تیری عمر دراز نہ ہو۔'' اور حضرت سیّدُنا معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ والی حدیث شریف میں یہ فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا پیٹ نہ بھرے۔''

اور اسی طرح کے دیگر الفاظ کہ اہل عرب ان سے حقیقتاً بد دعا کا ارادہ نہیں کرتے تھے۔ پس (ارادہ نہ ہونے کے باوجود) حضور نبیٔ کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں ان میں سے کوئی بات درجۂ قبولیت کو نہ پہنچ جائے اس لئے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ عرض کی کہ میرے ان الفاظ (یعنی کسی کے خلاف دعا وغیرہ) کو اس کے لئے رحمت، بخشش، قرب، پاکیزگی اور اجر کا ذریعہ بنا دے اور حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم سے اس طرح کی بات کا صدور شاذ ونادر (یعنی کبھی کبھار) ہی ہوا کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] ...... حضور نبیٔ غیب دان، رحمتِ عالمیان، مکی مدنی سلطان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے فیصلوں کے متعلق دلچسپ اور تحقیقی معلومات کے لئے، بارگاہ رسالت سے ''**شیخ الحدیث**'' کا لقب پانے والے حضرت سیّدُنا **امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی** شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی مبارک تصنیف ''**اَلْبَاهِرفِی حُکْمِ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَاطِنِ وَالظَّاهِر**'' ترجمہ بنام ''**مدنی آقا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے روشن فیصلے**'' **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** سے ہدیۃً حاصل کر کے مطالعہ کیجئے۔

وآلہ وسلَّم نہ تو فحش بات کرتے نہ لعنت کرتے اور نہ ہی اپنی ذات کے لئے انتقام لیتے تھے۔''

سوال: سرکارِ والا تبار، دوعالم کے مالک و مختار باذنِ پروردگار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس طرح دوسروں کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آتا ہے۔'' اور کہا یہ جاتا ہے کہ سب وشتم وغیرہ غصہ کے سبب ہوتا ہے؟

جواب: اس کا جواب وہی ہے جو حضرت سیِّدُنا امام مازری علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ٥٣٦ھ) نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ، فرماتے ہیں کہ ''یہاں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ حضور نبی اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے کسی کے خلاف دعا، سبّ وشتم اور سزا وغیرہ کا جو معاملہ فرمایا اس کا تعلق دو حکموں میں اختیار دیئے جانے سے ہو۔ ایک حکم یہ کہ آپ اس فعل کو اختیار فرمالیں اور دوسرا یہ کہ زجر و توبیخ (یعنی ڈانٹ ڈپٹ) کو اختیار کرلیں۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے غصہ میں اختیار دیئے گئے دو کاموں میں سے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ایک پر اُبھارا اور وہ برا بھلا کہنا، لعنت کرنا اور سزا دینا وغیرہ ہے اور یہ حکم شریعت سے خارج نہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ بہتر جانتا ہے۔''[1]

ہر نبی کی دُعا قبول ہوتی ہے:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور انیسویں حدیث پاک میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت کے لئے مؤخر کئے بغیر نبی نے جو بھی دعا مانگی وہ اسی وقت بعینہٖ قبول ہوجاتی ہے اور قبولیتِ دعا میں تاخیر نہ ہونا نبی کے ساتھ خاص ہے ورنہ ہر مومن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ (پ ٢٤، المؤمن ٦٠) ترجمۂ کنز الایمان: مجھ سے دُعا کرو میں قبول کروں گا۔

لیکن مومن کی دعا بعینہٖ (یعنی جیسی دعا مانگی تھی) قبول ہوگی یا اس سے بڑھ کر یا پھر اس سے کم، اسی وقت یا اس وقت کے بعد یا پھر منشائے حکمتِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے مطابق آخرت میں قبول کی جاتی ہے اور یہی نہیں بلکہ کافر کی دعا بھی قبول ہوتی ہے جیسا کہ ابلیس نے کہا تھا: ''تو مجھے ان میں سے بنا دے جن کو اس معلوم وقت (یعنی قیامت) کے دن تک مہلت ہے۔'' تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کی دعا قبول کی اور اسے مہلت والوں میں سے بنا دیا اور یہ جو فرمانِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ ہے کہ ''**وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ** ﴿۱۴﴾ (پ ١٣، الرعد: ١٤) ترجمۂ کنز الایمان: اور کافروں کی ہر دعا بھٹکتی پھرتی ہے۔'' اس

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب البر، باب من لعنه النبی ﷺ او سبه، ج١٦، ص ١٥٠ تا ١٥٣.

میں اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ کفار اپنے لئے کبھی ایسی دُعا نہیں کرتے جس میں ان کے لئے ہدایت ہو اور جس معاملہ میں بھی وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دُعا کرتے ہیں وہ قبول فرماتا ہے اور یوں وہ اپنی مشیت کے مطابق ان کو انہی کی دعا کے سبب گمراہی میں مبتلا کرتا ہے۔

سوال: اگر تم یہ کہتے ہو کہ ہر نبی کی دُعا قبول ہوتی ہے تو پھر رسولِ اکرم، شفیعِ معظم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے جو یہ دُعا فرمائی تھی کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن میری امت کا حساب میرے سپُرد کردے'' تو یہ کیوں قبول نہ ہوئی۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا امام جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) علیہ رحمۃ اللہ القوی کی کتاب ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' میں یہ حدیثِ پاک وارد ہے کہ ''حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا کہ ''مَیں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: ''اے باری تعالٰی میری امت کا حساب میرے سپُرد فرمادے تاکہ میری امت دیگر امتوں کے سامنے رسوا نہ ہو۔'' تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میری طرف وحی فرمائی: ''اے محمد (صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم) بلکہ ان کا حساب میں خود لوں گا۔ اگر ان میں سے کسی کی لغزش ہوئی تو میں اسے تم سے بھی چھپالُوں گا تاکہ وہ تمہارے نزدیک بھی رسوا نہ ہو۔'' [1]

حتی کہ اس حدیث کی شرح میں حضرت سیِّدُنا امام عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے ذکر کیا کہ حضرت سیِّدُنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) فرماتے ہیں: ''قبولیتِ دعا کی حقیقت میں حضور نبیِّ کریم، محمد مصطفٰی، احمد مجتبٰی صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تمام مسلمانوں کی طرح ہیں کہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے دُعا میں جو مانگا وہ عطا کر دیا جائے یا پھر جو سوال کیا اس سے اعراض کر لیا جائے [2]۔'' [3]

---

[1] ......الجامع الصغیر للسیوطی، حرف السین، الحدیث: ٤٦٠١، ص ٢٨٢.

[2] ......﴿ **قوله: وان یعرض عما سال فالجواب.** امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلٰی حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**اقول قلة ضبط اللسان والعجرفة فی الکلام معهود ومن هذا شیخ المناوی یرید فی غیر ما مقام والله یسامح جمیع اهل الاسلام ١٢ الحمد لله وفقنی المولٰی سبحانه و تعالٰی فی تحقیق هذا الکلام لما اغنانی عن هذه الحواشی ورفع به عن الحق الغواشی ذکرته مفصلا فی الفیوضات الملکیة فراجعها ١٢** یعنی (انسان کی) زبان کا قابو میں کم رہنا اور شوخیٔ کلام کا پایا جانا معلوم ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ شیخ مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی سے کئی مقامات پر ایسا ہوا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ تمام اہلِ اسلام کو معاف فرمائے۔ تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے مجھے اس کلام کی تحقیق کی توفیق عطا فرمائی کہ ان حواشی سے مجھے نفع پہنچایا اور ان کے ذریعے حق پر پڑے ہوئے پردے اٹھادیئے۔ مَیں نے اپنی کتاب ''الفیوضات الملکیّۃ'' میں اسے تفصیلاً ذکر کیا ہے، اس کی طرف رجوع کیجئے۔'' ﴾

[3] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ٤٦٠١، ج ٤، ص ١٠١.

جواب: بلاشبہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اُمت کا حساب اپنے پاس رکھا ہے پس اگر ان کی کوئی لغزش ہوگی تو اسے چھپا دے گا تا کہ وہ اپنے نبی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے سامنے بھی رسوانہ ہوں۔تو یوں سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے جو بات اللہ عَزَّوَجَلَّ سے طلب کی تھی اس سے بڑھ کر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی دُعا کو قبول کیا گیا۔کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی چاہت یہی تھی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ میری اُمت کا حساب میرے سپُرد فرما دے تا کہ وہ دیگر امتوں کے سامنے رُسوانہ ہواور جس طرح آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنی دعا کی وجہ عرض کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی دُعا سے بڑھ کر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو عطا فرمایا (یعنی آپ چاہتے تھے کہ دیگر اُمتوں کے سامنے آپ کی اُمت رُسوانہ ہو مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس سے بڑھ کر عطا فرمایا کہ) آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے سامنے بھی ان کو رُسوانہ ہونے دے گا۔اس لئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حلم وسیع، اس کی رحمت عام اوراس کی بخشش سب کو شامل ہے اور بشر ہونے کی وجہ سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا سینۂ مبارک رنج وغم میں مبتلا ہو جاتا پس آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر جب گنہگاروں کی برائیوں اور عیبوں کو پیش کیا جاتا اور قیامت کے دن ان کے حساب میں سختی کی جاتی تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اس کو برداشت نہ کر پاتے اور اگرچہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے دُنیا میں اس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے طلب کیا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اس معاملے کی تفصیل پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جاننے کی مثل، مطلع نہ تھے۔لہٰذا عموم اپنی اَصل پر برقرار ہے کہ ''ہر نبی کی دُعا قبول ہوتی ہے۔'' جیسا کہ ہم نے ماقبل میں بیان کیا اور حضرت سیِّدُنا شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٣٨ھ) کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ ''رسولِ اکرم، نورِ مجسَّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی دُعا وسُوال سے اعراض کا ہونا ممکن تو ہے مگر ایسا ہوا کبھی نہیں اور اعراض کا ممکن ہونا بھی کسی مخصوص دُعا وطلب کے بارے میں ہے، عموم کے بارے میں نہیں۔ جبکہ اس حدیث شریف میں جو طلب کیا تھا اُس سے بڑھ کر دُعا قبول ہوئی۔

قرآنِ پاک میں اِضافہ کرنے کی مذموم صورتیں:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور اُنیسویں حدیث شریف میں لعنت کئے گئے چھ افراد میں سے پہلا ''کتاب اللہ'' میں اِضافہ کرنے والا'' بیان کیا گیا ہے یعنی قرآنِ پاک میں جان بوجھ کر اِضافہ کر دیا۔اس کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں

(۱)......کوئی ایک لفظ اپنی طرف سے اضافہ کردیا اور اس شخص کو سکھا دیا جو قرآنِ پاک پڑھا ہوا نہ ہو یا **(۲)**......کوئی ایک لفظ اپنی طرف سے قرآنِ پاک میں زائد لکھ دیا اور اسے کلام الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں داخل کر دیا یا **(۳)**......جان بوجھ کر (پڑھنے وغیرہ کی) کوئی کیفیت ایجاد کی اور اس کے ساتھ قرآنِ مجید کی آیت پڑھی یا **(۴)**......محض اپنی عقل یا طبیعت سے قیاس کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکامات میں کوئی حکم زیادہ کر دیا۔ مثلاً کسی حلال کو حرام ٹھہرالیا جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں حرام نہیں فرمایا یا کسی شے کو جائز ٹھہرالیا جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن کریم میں جائز نہیں فرمایا۔ [**تنبیہ**: یہ حکم اس مجتہد کے متعلق نہیں جس نے سنت، اجماع یا قیاس سے کسی چیز کو حرام یا مباح قرار دیا اس لئے کہ درحقیقت اس نے قرآنِ پاک ہی کے ذریعے حکم بیان کیا ہے کیونکہ یہ (یعنی سنت، اجماع اور قیاس) قرآنِ مجید ہی سے حاصل ہیں] اور **(۵)**......یوں ہی وہ شخص بھی قرآنِ مجید میں اضافہ کرنے والا شمار ہوگا جس نے اپنی عقل یا رائے سے قرآنِ کریم کی کسی آیت کے لئے کوئی معنیٰ گھڑ لیا جو شریعت کے مطابق نہ ہو۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیٔ کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ''جس نے بغیر علم کے قرآنِ پاک میں کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے[1]۔''[2] ایک روایت میں یوں ہے کہ ''جو اپنی رائے سے قرآنِ پاک میں کچھ کہے اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے[3]۔''[4]

---

[1]...... حکیم الامت حضرت سیِّدُنا **مفتی احمد یار خان نعیمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی اس کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''اس میں اشارۃً فرمایا کہ علماء کو قرآنی تاویلات کی اجازت ہے جہلاء (جاہلوں) کو یہ بھی حرام اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو فقط ترجمۂ قرآن سے غلط مسئلے مستنبط کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں حدیث وقرآن کے فقط ترجمے بغیر فقہ کی روشنی کے عوام کے لیے زہر قاتل ہیں۔'' (مراۃ المناجیح، ج۱، ص۲۰۸)

[2]......جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ماجاء فی الذی......الخ، الحدیث: ۲۹۵۰، ص۱۹۴۸.

[3]......یعنی قرآن کی تفسیر بالرائے کرنے والا جہنمی ہے۔ خیال رہے کہ قرآن کی بعض چیزیں نقل پر موقوف ہیں جیسے شان نزول، ناسخ منسوخ، (اور) تجوید کے قواعد انہیں رائے سے بیان کرنا حرام ہے۔ وہی یہاں مراد ہے اور بعض چیزیں شرعی عقل سے بھی معلوم ہوسکتی ہیں جیسے آیات کے علمی نکات، اچھی اور صحیح تاویلیں، پیدا ہونے والے اعتراضات کے جوابات وغیرہ ان میں نقل لازم نہیں غرض کہ قرآن کی تفسیر بالرائے حرام ہے اور تاویل بالرائے علمائے دین کے لیے باعث ثواب یا اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق اور مرقاۃ (مِرْقَاةُ الْمَفَاتِیح شَرْحُ مِشْکَاةُ الْمَصَابِیح) میں اسی مقام پر دیکھو (پارہ 26، سورۂ محمد، آیت 24 میں) رب تعالیٰ فرماتا ہے '' اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں)'' معلوم ہوا کہ قرآن میں تدبر و تفکر کا حکم ہے۔'' (مراۃ المناجیح، ج۱، ص۲۰۸)

[4]......جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ماجاء فی الذی......الخ، الحدیث: ۲۹۵۱، ص۱۹۴۸.

تفسیر بالرائے کی صورتیں:

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''قرآنِ مجید کی اپنی رائے سے تفسیر کی ممانعت اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنی سمجھ کے مطابق قرآنِ پاک میں تاویل کرے اور وہ تاویل اس کی خواہش کے تابع ہو۔اس کی دو صورتیں ہوں گی: (۱)......علم ہونے کے باوجود تاویل کرنا (۲)......لاعلمی میں تاویل کرنا۔

پہلی صورت: علم ہونے کے باوجود تاویل کرنا جیسے وہ شخص جو قرآنِ پاک کی بعض آیات کو اپنی بدعت کے صحیح ہونے پر دلیل بنائے حالانکہ جانتا ہے کہ آیت سے مراد اس کے علاوہ کچھ اور ہے۔لیکن اس کی غرض یہ ہے کہ مدِمقابل پر معاملے کو یوں الجھایا جائے جس سے اپنی بدعت پر اس کی دلیل مضبوط ہو جائے جیسا کہ فرقہ باطنیہ[1]، خوارج اور دیگر بدعتی فرقے قرآنِ پاک کی آیات کو اپنے بُرے مقاصد و ناپاک عزائم کے لئے استعمال کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو دھوکا دے سکیں۔

دوسری صورت: لاعلمی میں تاویل کرنا۔یعنی قرآن کی تفسیر لاعلمی میں مگر جہالت سے کرنا اس کی صورت یوں ہوگی کہ آیت کسی ایک وجہ کا احتمال رکھتی ہے اور وہ ان معانی اور وجوہ سے اس کی تفسیر کرے جن کا وہ احتمال نہیں رکھتی۔ یہ دونوں قسمیں مذموم ہیں اور حدیثِ پاک میں بیان کردہ ممانعت و وعید میں داخل ہیں۔

تاویل کی تعریف:

آیت کو بطریقِ استنباط کسی ایسے معنی کی طرف پھیرنا جو اس (آیت) کے ماقبل اور مابعد کے اعتبار سے اس کے مناسب ہو، اس کا احتمال رکھتا ہو اور قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔

تاویل کا حکم:

بیان کردہ تعریف کے مطابق کسی آیتِ مبارکہ کی تاویل کرنا اہلِ علم کے لئے جائز ہے۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قرآنِ پاک کی تفسیر کی اور کئی معانی اور وجوہ کے اعتبار سے اس کی تفسیر میں انہوں نے اختلاف بھی کیا اور ایسا نہیں کہ انہوں نے جب بھی قرآن پاک کی تفسیر میں کچھ کہا وہ سب کا سب حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ

---

[1] ...... شیعوں کا ایک فرقہ جو ظاہرِ قرآن کو چھوڑ کر اس کا باطن معنی لینے کے قائل ہیں۔حدوث الفتن و جھاداعیان السنن(مترجَم)، ص۴۳.

مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے سن کر بیان کیا۔ بلکہ انہوں نے قرآنِ حکیم سے جس قدر سمجھا اس کے معانی میں کلام کیا اور حدیث شریف سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ،

مروی ہے کہ سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، باِذْنِ پروردگار دو عالَم کے مالک ومختار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے لئے یوں دُعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِیْلَ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور (قرآن کی) تاویل کا علم سکھا۔“ [1]

پس اسی وجہ سے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے جو چیز زیادہ منقول ہے وہ تفسیر ہے۔ یہ بات حضرت سیِّدُنا امام ابومحمد خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) نے اپنی تفسیر کے شروع میں تحریر فرمائی ہے۔

تقدیر کو جھٹلانے والے پر لعنتِ خداوندی:

”طریقہ محمدیہ“ میں وارد اُنیسویں حدیث پاک میں لعنت کئے گئے افراد میں سے دوسرا شخص ”تقدیر کو جھٹلانے والا“ ہے یعنی وہ شخص جو کہے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اور ہر معاملہ نیا ہوتا ہے یعنی اسے کوئی مقرر کرنے والا نہیں ہوتا۔

تقدیر اور فرقۂ قدریہ کا تعارف:

”شَرْحُ السَّنُوْسِیَّة“ پر حضرت سیِّدُنا علامہ شیخ احمد مقری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۴۱ھ) کے حواشی میں ہے کہ ”متکلمین کے نزدیک تقدیر یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم وارادہ کا تعلق اَزَل ہی سے تمام موجودات کے ساتھ ان کے وجود سے پہلے سے ہے۔“ پس کوئی حادث ایسا نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے اَزَل ہی میں مقدر نہ فرما دیا ہو یعنی علم الٰہی ہر حادث پر سبقت کر گیا اور ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہو گیا۔ کچھ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ ”تقدیر کا معنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بندے کو اپنی قضا وقدر پر مجبور کرنا ہے۔“ حالانکہ حقیقت یہ نہیں [2] اور تقدیر کو ماننا تمام اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے حتی کہ زمانۂ

---

[1] ......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عباس، الحدیث: ۲۳۹۷، ج۱، ص ۵۷۲.

[2] ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب ”بہارِ شریعت“ جلد اوّل صفحہ 12 پر عقیدۂ تقدیر کے متعلق صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولٰینا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: ”ہر بھلائی اُس (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ) نے اپنے علمِ اَزَلی کے موافق مقدّر فرما دی ہے جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا، اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا تو یہ نہیں کہ جیسا اُس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمے برائی لکھی اس لئے......

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آخر میں قدریہ نامی فرقہ ظاہر ہوا۔ وہ کہتے تھے کہ ''تقدیر کوئی چیز نہیں اور ہر معاملہ نیا ہوتا ہے۔حتی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اشیا کوان کے وجود میں آنے سے قبل نہیں جانتا بلکہ ان کے وقوع کے بعد اسے معلوم ہوتا ہے۔'' اور تقدیر کے بارے میں سب سے پہلے کلام کرنے والا شخص ''معبد الجہنی'' تھا پھر ''غیلان دمشقی'' نیز الٰہیات کے علاوہ فرقۂ قدریہ کا زیادہ تر مذہب فلسفے کے جھگڑوں پر مبنی ہے۔لیکن اس کی برائی کے سبب فرقۂ قدریہ کے اکثر گروہوں نے اس سے رجوع کرلیا مگراس کے باوجودوہ اہل سنت سے اصل جدائی پر قائم ہیں۔اس طرح کہ وہ (گناہِ کبیرہ کرنے والے کے لئے ایمان وکفر کے) دو درجوں کے درمیان ایک تیسرا درجہ ثابت کرتے ہیں (یعنی وہ کہتے ہیں: گناہ کبیرہ کرنے والا نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ دونوں کے درمیان ہے) اور وہ اسے عدل کا نام دیتے ہیں اور صفات کی نفی جس پر قدریہ کے گروہ متفق ہیں یہ بھی انہوں نے فلاسفہ سے سیکھی ہے اور وہ اسے توحید کا نام دیتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے وہ خود سے مجوسیت کا وہ نام ہٹالیں جو شریعت نے ان کا رکھا ہے اور وہ سید دوعالم حضور نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسَلَّم کا یہ فرمانِ ذیشان ہے کہ ''قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔''[1] جبکہ فرقۂ قدریہ والے یہ گمان کرتے ہیں کہ حدیث پاک میں جن قدریہ کی مذمت کی گئی ہے ان سے مراد وہ ہیں جو تقدیرِ اول (یعنی جو متکلمین کے نزدیک ہے) کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہی لوگ مراد ہیں اور وہ ثانویت کے عقیدے میں مجوسیوں کے شریک ہو گئے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غیر کو بھی فاعل حقیقی مانتے ہیں۔اس حیثیت سے کہ وہ کہتے ہیں: ''بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور خیر (یعنی بھلائی) اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اور شر (یعنی بُرائی) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غیر کی طرف سے ہے۔''

فرقۂ قدریہ کی مذمت پر دو احادیث مبارکہ:

حضور نبی غیب داں، رحمتِ عالمیاں صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسَلَّم نے فرقۂ قدریہ کے متعلق یہ غیبی خبر بھی دی ہے جو ماقبل میں مذکور حدیثِ پاک میں بیان کردہ مجوسیت کے معنی کو شامل ہے اور ان دو حدیثوں کو حضرت سیِّدُنا امام جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۹۱۱ھ) نے ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ،

......کہ زید برائی کرنے والا تھا اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اُس کے لئے بھلائی لکھتا تو اس کے علم یا اس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا۔ تقدیر کے انکار کرنے والوں کو نبی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسَلَّم نے اس اُمت کا مجوس بتایا۔'' (سنن ابی داود،الحدیث ٤٦٩١،٤٦٩٢،ص١٥٦٧)

[1] ......سنن ابی داؤد ،کتاب السنة، باب فی القدر، الحدیث: ٤٦٩١،ص١٥٦٧.

(۱)......اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''عنقریب میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو تقدیر کو جھٹلائیں گے۔'' [1]

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں: ''حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے کہ بندوں کے تمام افعال یعنی خیر، شر، کفر اور ایمان کا خالق اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے۔'' [2]

(۲)......سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''تقدیر، توحید کا نظام ہے۔ پس جس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ایک مانا اور تقدیر پر ایمان لایا تو اس نے بڑی مضبوط گرہ پکڑی۔'' [3]

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے اس کی شرح کرتے ہوئے فرمایا: ''کیونکہ جس نے اس بات کا یقین کرلیا کہ اگر تمام لوگ مجھے نفع پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو صرف اتنا نفع پہنچا سکتے جتنا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میرے لئے لکھ دیا ہے اور یوں ہی اگر تمام لوگ مجھے نقصان پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو صرف اتنا نقصان پہنچا سکتے جتنا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے اور اس نے اسباب کو ترک کر دیا تحقیق اس نے بڑا کنارا پکڑ لیا۔ اس کا دل روشن اور سینہ کشادہ ہو گیا۔ نیز اس نے یہ یقین کرلیا کہ بندہ اپنی مصلحت کو نہیں جانتا سوائے یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بتادے اور یہ کہ وہ اپنی مصلحت کے حصول پر قادر نہیں حتی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر قدرت عطا فرمادے اور یہ کہ وہ اس چیز کا اِرادہ نہیں کرسکتا یہاں تک کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس میں ارادے اور چاہت کو پیدا فرمادے۔ تو تمام امور اس کی طرف لوٹ گئے جس سے شروع ہوئے تھے اور وہ وہی ذات ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر بھلائی ہے اور اسی کی طرف سارے امور لوٹتے ہیں۔'' تقدیر کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے: ''تقدیر، تدبیر کو باطل کر دیتی ہے، اور آدمی کسی چیز کی خواہش کرتا ہے مگر قضا غالب آجاتی ہے اور قضا قریب کو بعید اور بعید کو قریب کر دیتی ہے۔'' [4]

---

[1] ......سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب من دعا الی السنة، الحدیث:۴۶۱۳، ص۱۵۶۲.
الجامع الصغیر للسیوطی، حرف السین، الحدیث:۴۷۸۳، ص۲۹۴.

[2] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث:۴۷۸۳، ج۴، ص۱۷۴.

[3] ......المعجم الاوسط، الحدیث:۳۵۷۳، ج۲، ص۳۷۱۔ الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث:۶۱۷۸، ص۳۸۵.

[4] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث:۶۱۷۸، ج۴، ص۶۹۸.

تقدیر کے بارے میں اہل حق اور اہل بدعت کا عقیدہ:

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٧٦ھ) ''صحیح مسلم'' کی شرح میں فرماتے ہیں: ''جاننا چاہئے کہ اہل سنت کا مذہب، تقدیر کا اثبات ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ازل ہی میں تمام اشیا کو مقدر فرمادیا اور ان کا ایک معلوم وقت میں مخصوص صفات کے ساتھ واقع ہونا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جان لیا۔ لہٰذا یہ اشیا تقدیر الٰہی کے مطابق ہی واقع ہوتی ہیں اور فرقۂ قدریہ والوں نے اس بات کا انکار کیا اور ان کا گمان یہ تھا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے علم ازلی کے ذریعے اشیا کو مقدر نہیں فرمایا اور نہ پہلے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ان کا علم تھا یعنی اشیا کے وقوع کے بعد اسے ان کا علم ہوتا ہے اور وہ تقدیر کو جھٹلاتے ہیں اور ہمارا پروردگار عَزَّوَجَلَّ ان کے باطل اقوال اور جھوٹی باتوں سے پاک اور بلند تر ہے اور اس فرقے کا نام ''قدریہ'' اس لئے رکھا گیا کہ یہ تقدیر کے منکر ہیں۔ یہ فرقہ اب ختم ہو چکا ہے اور اس زمانے میں قدریہ انہیں کہتے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''خیر، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اور شر اس کے غیر کی طرف سے ہے۔'' اور حضرت سیِّدُنا ابومعالی امام الحرمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ٤٧٨ھ) اپنی کتاب ''اَلْاِرْشَاد'' میں فرماتے ہیں: ''بعض قدریہ کہتے ہیں کہ ''قدریہ ہم نہیں بلکہ تقدیر کا اعتقاد رکھنے کے باعث تم قدریہ ہو۔'' اور یہ جہالت ہے اور برائی پر جرأت و بےباکی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ہے کہ ہم اپنے اُمور اسی کے سپرد کرتے ہیں اور تمام کاموں کی نسبت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف کرتے ہیں، جبکہ یہ جہلا (یعنی قدریہ) تمام کاموں کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرتے ہیں۔ نیز امام الحرمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ٤٧٨ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔''[1] آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے قدریہ کو مجوس سے اس لئے تشبیہ دی کہ انھوں نے مجوس کی طرح حکم ارادہ میں خیر و شر کو تقسیم کر دیا (یعنی وہ کہتے ہیں: خیر، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اور شر اس کے غیر کی طرف سے ہے) جیسا کہ مجوس خیر کی نسبت **یزدان** کی طرف اور شر کی نسبت **اہرمن** کی طرف کرتے ہیں (یعنی یزدان کو خالق خیر اور اہرمن کو خالق شر کہتے ہیں) اور یہ حدیث جو امام الحرمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ٤٧٨ھ) نے بیان فرمائی اسے حضرت سیِّدُنا امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ٢٧٥ھ) نے اپنی ''سنن'' میں اور حضرت سیِّدُنا امام

---

[1] ......سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی القدر، الحدیث: ٤٦٩١، ص١٥٦٧.

حاکم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۴۰۵ھ) نے ''مستدرک'' میں روایت کیا ہے اور حضرت سیِّدُ نا امام ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب خطابی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۸۸ھ) فرماتے ہیں: ''قدریہ کو مجوس سے تشبیہ اس حیثیت سے دی گئی ہے کہ مجوسی خیر کو نور کی طرف اور شر کو تاریکی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔'' پھر فرماتے ہیں کہ ''بہت سے لوگ گمان کرتے ہیں کہ تقدیر کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لکھے ہوئے پر مجبور ہے۔ حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں، بلکہ تقدیر کا معنی اس بات کی خبر دینا ہے کہ بندوں نے اپنے ارادہ واختیار سے جو کام کرنے تھے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے علم اَزَلی سے ان کو جان لیا اور ان افعال کے لئے خیر اور شر کو پیدا فرما دیا (یعنی ایسا نہیں کہ اس کے لکھ دینے سے بندہ مجبور ہو گیا۔ جیسا کہ ماقبل حاشیہ میں ''بہار شریعت'' سے اس کی وضاحت گزری۔ علمیہ)۔ [1]

ظلم کے ساتھ تسلط کرنے والے پر لعنت:

''طریقہ محمدیہ'' میں وارد اُنیسویں حدیث پاک میں لعنت کئے گئے افراد میں سے تیسرا شخص وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا ''میری امت پر ظلم کے ساتھ تسلط کرنے والا۔'' اس سے مراد وہ ظالم ہے کہ جس شخص کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے علم، دین، نیکی، دُنیاوی منصب، مالِ حلال، کسی کام کی معرفت، فہم وفراست، مہارت، حسنِ اخلاق یا خوبصورتی وغیرہ کے ذریعے عزت دی تو یہ اسے ذلیل کرے اور وہ شخص جس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جہالت، بدمذہبی، علم پر عمل کی کمی یا بداخلاقی کے سبب ذلیل کیا اور یہ بادشاہ اسے عزت دے۔ ایسے ظالم سلطان پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لعنت فرمائی ہے نیز اس میں ظالم بادشاہوں کے اعوان وانصار بھی داخل ہیں جو حکام کی خدمت گزاری کرتے ہیں مگر اس سے ان کا ارادہ شرعی احکام کے نفاذ میں ان کی مدد کرنا نہیں ہوتا۔

حرم مکہ کو حلال ٹھہرانے والے پر لعنت:

اُنیسویں حدیث شریف میں لعنت کئے گئے افراد میں سے چوتھا ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حرم کو حلال ٹھہرانے والا'' ہے۔ یہاں حلال ٹھہرانے سے مراد مباح سمجھنا ہے اور حرم سے مراد اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا حرم، مکہ ہے یعنی وہ جگہ کہ اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی وجہ سے جس کا احترام کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس جگہ میں اللہ ورسول

[1] ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب بیان الایمان......الخ، ج۱، ص۱۵٤.

عَزَّوَجَلَّ وصَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی حرمت کو پامال نہ کیا جائے۔

میقات کا بیان اور حرم مکہ کی مقدار:

''شَرْحُ الشِّرْعَۃ ''جو جامع الشروح کہلاتی ہے اُس میں ہے: ''حرم سے مراد حرم مکہ ہے اور اس کی مقدار جانبِ مشرق 6 میل، جانبِ ثانی 12 میل، تیسری جانب 18 میل اور چوتھی جانب 24 میل ہے، یہی قول، حضرت سیِّدُ نا فقیہ ابو جعفر امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۳۲۱ھ) کا ہے۔'' صاحبِ جامع الشروح مزید فرماتے ہیں: ''حجر اسود جنت سے اتارا گیا ایک روشن پتھر ہے۔ پس ہر وہ جگہ جہاں اس کی روشنی پہنچتی ہے وہ حرم محترم ہے تو جو جتنی زیادہ اس کی تعظیم کرسکتا ہے تعظیم کرے اور جاننا چاہئے کہ میقات پانچ [1] ہیں۔ یہ وہ جگہیں ہے جن کو سیدِ دوعالم، نورِ مُجَسَّم، رسولِ اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے مقرر فرمایا اور احرام کے لئے ان کو متعین فرمایا۔ یہ فِنائے حرم ہے اور حرم، فِنائے بیت اللہ ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عزت و شرف بخشا اور وہ شخص جو مکۂ مکرَّمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا جانے کا ارادہ کرے چاہے زیارت (یعنی حج) یا کسی اور کام سے جاتا ہوا سے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں اور یہ اس کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔ البتہ! مکۂ مکرَّمہ کا ارادہ کرنے والا اگر میقات کے اندر ہی رہتا ہو تو اسے حج و عمرہ کے علاوہ کسی اور ضرورت و حاجت سے بغیر احرام مکۂ مکرَّمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا میں داخل ہونا جائز ہے۔''

---

[1] ...... دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 311 صَفحات پر مشتمل کتاب، ''رفیق الحرمین'' صَفْحَہ 39 پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیِ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطّار قادری رَضوی دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَۃ فرماتے ہیں: ''میقات اس جگہ کو کہتے ہیں کہ مکہ معظّمہ جانے والے آفاقی (یعنی حدودِ میقات سے باہر رہنے والے) کو بغیر احرام وہاں سے آگے جانا جائز نہیں، چاہے تجارت یا کسی بھی غرض سے جاتا ہو، یہاں تک کہ مکّہ مکّرمہ کے رہنے والے بھی اگر میقات کی حدود سے باہر (مثلاً طائف یا مدینہ منورہ) جائیں تو انہیں بھی اب بغیر احرام مکّہ پاک آنا ناجائز ہے۔'' اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: ''میقات پانچ ہیں: (۱) ذُوالْحُلَیْفَہ: مدینہ شریف سے مکہ پاک کی طرف تقریباً دس کلو میٹر پر ہے۔ جو مدینہ منورہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے ''میقات'' ہے۔ اب اس جگہ کا نام ''اَبیارِ علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم'' ہے۔ (۲) ذَاتِ عِرْق: عراق کی جانب سے آنے والوں کے لئے ''میقات'' ہے۔ (۳) یَلَمْلَمْ: پاک و ہند والوں کے لئے میقات ہے۔ (۴) جُحْفَہ: مُلکِ شام کی طرف سے آنے والوں کے لئے ''میقات'' ہے۔ (۵) قَرْنُ الْمَنَازِل: نجد (موجودہ ریاض) کی طرف سے آنے والوں کے لئے ''میقات'' ہے۔ یہ جگہ طائف کے قریب ہے۔

اہلِ حرم پر نظرِ رحمت:

مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر رات زمین والوں پر نظرِ رحمت فرماتا ہے اور ان میں سب سے پہلے جن پر نظرِ رحمت فرماتا ہے وہ حرم والے ہیں اور حرم والوں میں سب سے پہلے مسجدِ حرام والوں پر نظرِ رحمت فرماتا ہے تو جس کو طواف کرتے ہوئے یا نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے اسے بخش دیتا ہے اور جو کعبۃ اللہ شریف کی طرف رخ کیے سورہا ہو اس کی بھی مغفرت فرما دیتا ہے۔''

حرم شریف کے بعض احکام ومسائل:

مسئلہ: حرم میں کسی شخص کو بھی مسلمانوں سے جنگ کے لئے ہتھیار اٹھانا جائز نہیں۔ **مسئلہ:** البتہ! بچنے کے لئے یا کفار سے جنگ کے لئے ہتھیار اٹھانا جائز ہے، جیسا کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے فتحِ مکہ کے موقع پر ایسا کیا۔ **مسئلہ:** حرم میں کسی جان یا اس کے علاوہ کسی شے کے حق میں کوئی جرم نہ کرے۔ **مسئلہ:** اور نہ ہی کسی مسلمان کو تکلیف دے۔ **مسئلہ:** جب کھانا کھانے یا قضائے حاجت (یعنی بول وبراز) کا اِرادہ ہو تو اگر حرم سے باہر جا سکتا ہے تو حرم سے باہر جا کر یہ کام کرے اور اگر باہر نہیں جا سکتا تو جس قدر ہو سکے وہاں سے دور جائے اور یہ رخصت اس لئے ہے کہ ان دونوں ضرورتوں کے بارے میں احادیث وآثار موجود ہیں۔ منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ القدیر اور ان کی مثل دیگر امراء اپنے لئے دو خیمے لگایا کرتے، ایک حرم میں اور دوسرا حرم سے باہر پس جب نماز پڑھنے یا کسی عبادت کا ارادہ ہوتا تو مسجدِ حرام کی فضیلت کے پیشِ نظر حرم والے خیمہ میں تشریف لے جاتے اور اگر گفتگو یا کھانے پینے یا کوئی اور غرض ہوتی تو حرم سے باہر والے خیمہ میں تشریف لے جاتے جیسا کہ ''خُلَاصَةُ الْفَتَاوٰی'' میں ہے۔ **مسئلہ:** مکّہ مکرّمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا میں طویل مدت تک قیام نہ کرے کہ کہیں حرم سے دل اکتا جائے یا اس کی تعظیم میں کمی واقع ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حاجی جب حج سے فارغ ہو جاتے تو امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کو واپس لوٹا دیتے اور فرماتے: ''اے یمن والو! یمن کو جاؤ، اے شام والو! شام کو جاؤ اور اے عراق والو! عراق کی طرف لوٹ جاؤ۔'' **مسئلہ:** کاشف الغمہ، سراج الامہ، حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے نزدیک مکہ مکرمہ میں مستقل رہائش اختیار کرنا مکروہ ہے، البتہ! صاحبین (یعنی حضرت سیِّدُنا امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ)

وحضرت سیِّدُ نا امام محمد (متوفی ۱۸۹ھ) رحمہما اللہ تعالیٰ) کے نزدیک مکروہ نہیں اور تمہیں یہ گمان ہرگز نہیں کرنا چاہیے کہ وہاں اقامت (یعنی مستقل رہائش) کو مکروہ قرار دینا، اس مقام کی فضیلت کے منافی ہے کیونکہ اس مکروہ ہونے کی وجہ مخلوق کی کمزوری اور اس مقام کے حق کو ادا کرنے میں کوتاہی ہے۔ چنانچہ،

''**اَلْاَشْبَاهُ وَالنَّظَائِر**'' کے باب ''**اَحْکَامُ الْحَرَم**'' میں ہے کہ ''کوئی شخص احرام کے بغیر حرم میں داخل نہ ہو، **وہاں مستقل رہائش اختیار کرنا مکروہ ہے**، کسی نے حرم سے باہر کوئی جرم کیا پھر حرم کی پناہ (یعنی حدود) میں آ گیا تو اسے قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی چوری کے سبب (حرم میں) ہاتھ کاٹا جائے، حرم کے شکار کے پیچھے بھاگنا حرام اور اُسے مار دیا تو کفّارہ واجب ہے، حرم کا درخت کاٹنا[1] اور اِذخر[2] کے علاوہ وہاں کی گھاس جانوروں کو چَرانا حرام ہے[3]، حرم میں داخل

[1] ...... حرم کے درخت کاٹنے میں کچھ تفصیل ہے۔ چنانچہ، **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1250** صَفحات پر مشتمل کتاب، ''**بہارِ شریعت**'' جلد اوّل صَفْحَہ **1189** پر فتاوی عالمگیری و درمختار وغیرہ کے حوالے سے **صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ** حضرتِ علاّمہ مولانا **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: ''حرم کے درخت چار قسم ہیں: (۱) کسی نے اُسے بویا ہے اور وہ ایسا درخت ہے جسے لوگ بویا کرتے ہیں۔ (۲) بویا ہے مگر اس قسم کا نہیں جسے لوگ بویا کرتے ہیں۔ (۳) کسی نے اسے بویا نہیں مگر اس قسم سے ہے جسے لوگ بویا کرتے ہیں۔ (۴) بویا نہیں، نہ اس قسم سے ہے جسے لوگ بوتے ہیں۔ پہلی تین قسموں کے کاٹنے وغیرہ میں کچھ نہیں یعنی اس پر جرمانہ نہیں۔ رہا یہ کہ وہ اگر کسی کی ملک ہے تو مالک تاوان لے گا، چوتھی قسم میں جرمانہ دینا پڑے گا اور کسی کی ملک ہے تو مالک تاوان بھی لے گا اور جرمانہ اُسی وقت ہے کہ تر ہو اور ٹوٹا یا اُکھڑا ہوا نہ ہو۔ جرمانہ یہ ہے کہ اُس کی قیمت کا غلہ لے کر مساکین پر تصدق کرے، ہر مسکین کو ایک صدقہ اور اگر قیمت کا غلہ پورے صدقہ سے کم ہے تو ایک ہی مسکین کو دے اور اس کے لئے حرم کے مساکین ہونا ضرور نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیمت ہی تصدق کردے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس قیمت کا جانور خرید کر حرم میں ذبح کردے، روزہ رکھنا کافی نہیں۔

(الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب التاسع فی الصيد، ج۱، ص۲۵۲، ۲۵۳)

[2] ...... اِذخر ایک قسم کی گھاس ہے جسے لوہار استعمال کرتے ہیں اور گھر کے بنانے میں کام آتی ہے، اس سے ہر طرح فائدہ حاصل کرنا جائز ہے کہ حدیث میں اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ، جب حضور نبی کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا کہ ''یہاں (یعنی حرم) کی تر گھاس نہ کاٹی جائے تو حضرت سیِّدُ نا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! مگر اِذخر (یعنی اس کے کاٹنے کی اجازت دیجئے) کہ یہ لوہاروں اور گھر کے بنانے میں کام آتی ہے۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس کی اجازت عطا فرمادی۔''

(مشكاة المصابيح، كتاب المناسك، باب حرم مكة......الخ، الحديث: ۲۷۱۵، ج۱، ص۵۰۵)

[3] ...... **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1250** صَفحات پر مشتمل کتاب، ''**بہارِ شریعت**'' جلد اوّل صَفْحَہ **1190** پر درمختار، ردالمحتار کے حوالے سے ہے: ''ضرورت کی وجہ سے فتویٰ اس پر ہے کہ وہاں کی گھاس جانوروں کو چَرانا جائز ہے۔ باقی کاٹنا، اکھاڑنا اس کا وہی حکم ہے جو درخت کا ہے۔ سوا اِذخر اور سوکھی گھاس کے کہ ان سے ہر طرح انتفاع جائز۔ کھنبی (ایک سفید نباتات جو تل کر کھائی جاتی ......

ہونے کے لئے غسل کرنا سنت ہے، یہاں نمازوں اور نیکیوں کا اجر (ایک لاکھ نیکی تک) بڑھ جاتا ہے جس طرح گناہ بڑھ جاتے ہیں (یعنی ایک گناہ ایک لاکھ گناہ ٹھہرتا ہے) اور حرم میں تو گناہ کے ارادے پر بھی پکڑ ہے، کافر حرم میں سکونت اختیار نہیں کرسکتا، ہاں! داخل ہوسکتا ہے، مکّہ مکرَّمہ کے رہنے والے پر حجِ تمتع اور قران نہیں، قربانیاں حرم کے ساتھ خاص ہیں، حرم کی مٹی اور پتھر کو حرم سے باہر لے جانا مکروہ ہے، ہمارے نزدیک لقطہ کے احکام میں حرم اور غیر حرم برابر ہے اور یوں ہی قتل خطا کرنے والے پر دیت کے لازم ہونے میں حرم اور غیر حرم برابر ہے اور مدینہ منورہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا کے لئے حرم نہیں اور نہ ہی بیان کردہ احکام وہاں کے لئے ہیں۔ سوائے دو احکام کے کہ (۱) مدینہ منورہ زَادَھَااللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے اور (۲) وہاں مستقل رہائش مکروہ ہے۔[1]

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد نے اپنی کتاب ''اَلْاَحْکَام'' میں بیان کیا کہ ''حقائق میں فرمایا: ''ہمارے نزدیک مدینہ طیبہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًاوَّتَعْظِیْمًا کے لئے حرم نہیں، جبکہ حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) کے نزدیک اس کے لئے حرم ہے، پھر اس بات میں تو ان کے اقوال متفق ہیں کہ حرمِ مدینہ کے شکار کو قتل کرنا جائز نہیں اور نہ ہی درخت کاٹنا جائز ہے مگر کفارہ کے وجوب میں ان کے اقوال مختلف ہیں۔ چنانچہ، ''اَلْمُصَفّٰی'' میں ہے: ''اور قاعدہ یہ ہے کہ اپنی رائے سے شریعت کا اثبات جائز نہیں۔ لہٰذا اپنی رائے سے حرم مدینہ کو حرم مکہ کے ساتھ ملا دینا جائز نہ ہوگا، حتی کہ اس (یعنی مدینہ) کے شکار کو ناجائز قرار دے دیں اور جہاں تک سرکارِ دو عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کا یہ اِرشاد مبارک ہے کہ ''حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہو۔''[2] اس کا معنی یہ ہے کہ ''میں اس (شہر مدینہ) کے لئے حرمت مقرر کرتا ہوں۔'' اور اس کے بعد جو سیدِ دو عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے (شکار اور درخت کاٹنے کی ممانعت کو) بیان فرمایا وہ حرمِ مکہ کا حکم ہے۔[3]

...... ہے) کے توڑنے، اُکھاڑنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ (الدر المختار و ردالمحتار، کتاب الحج، باب الجنایات، ج۳، ص۶۸۸)

[1] ......الاشباہ و النظائر، الفن الثالث: الجمع و الفرق، القول فی احکام الحرم، ص۳۱۹.

[2] ......السنن الکبری للنسائی، کتاب السیر، باب اعطاء العبد الامان، الحدیث: ۸۶۸۱، ج۵، ص۲۰۸.

[3] ...... حکیم الامت، مولانا مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ اللہ المنان (متوفی ۱۳۹۱ھ) مراۃ المناجیح، جلد 4، صفحہ 212 پر فرماتے ہیں: ''رہا وہاں (یعنی مدینہ منورہ) کے شکار کا حرام ہونا تو چڑیوں و دیگر پرندوں کے شکار کے جواز پر قریباً سب ہی کا اتفاق ہے، چرندے کے شکار کو اکثر و جمہور صحابہ (رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) درست مانتے ہیں، بعض نے منع فرمایا، مگر اس شکار کی بھی قیمت خیرات کرنا کسی کے ہاں واجب نہیں اور نہ کسی حدیث سے......

مزید ارشاد فرمایا: ''اسلاف کرام کی ایک جماعت جن میں حضرت ابن عباس، ابن مسعود، امام مجاہد، امام احمد بن حنبل رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ شامل ہیں، اس طرف گئی ہے کہ ''جس طرح مکہ مکرمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا میں نیکیاں بڑھ جاتی ہیں اسی طرح گناہ بھی بڑھ جاتے ہیں (یعنی ایک گناہ ایک لاکھ گناہ ٹھہرتا ہے)۔[1] اور اس کی وجہ، اس شہر کی تعظیم ہے۔ نیز یہاں گناہ کا ارادہ کرنے پر پکڑ ہے اگرچہ گناہ نہ کرے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۠ (۲۵) (پ۱۷، الحج ۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

اور یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ گناہ کا ارادہ کیا مگر اس پر عمل نہ کیا تو شرعاً پکڑ نہیں مگر حرم مکہ کا معاملہ اس قاعدے سے مُسْتَثْنٰی'' ہے یعنی برعکس ہے، وہاں حکم شرع یہ ہے کہ محض گناہ کے ارادے پر بھی پکڑ ہے اگرچہ گناہ نہ کیا اور یہ حرم مکہ کی تعظیم کے سبب ہے۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اصحابِ فیل (یعنی بیت اللہ شریف پر ہاتھیوں کے ذریعے حملہ کرنے والوں) کو بیت اللہ شریف زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا تک پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیا اور حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۲۴۱ھ) نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص حرم میں قتل کا ارادہ کرے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے دردناک عذاب کا مزہ

......اس کا وجوب ثابت ہے، غرضکہ حرم مکہ بمعنی تحریم ہے اور حرم مدینہ بمعنی احترام، مدینہ منورہ کا احترام مکہ معظّمہ سے بھی زیادہ ہے۔ خیال رہے کہ حرم مدینہ کو حرم مکہ سے تشبیہ دینا بعض وجوہ یعنی احترام و تعظیم کے لحاظ سے ہے نہ کہ تمام وجوہ سے جیسے رب تعالیٰ کا فرمان: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ کا، مقصد یہ ہے کہ چونکہ مدینہ منورہ دار الہجرۃ ہے یہاں لوگ کثرت سے حاضر ہونگے لہٰذا یہاں سے درخت وغیرہ نہ کاٹو، تاکہ یہاں کی زینت نہ جاتی رہے، آج دیگر سرکاری جگہ میں پھول توڑنا درخت کاٹنا منع ہوتا ہے، کیوں؟ بقاء زینت کے لئے۔ یہ حکم بھی ایسے ہی ہے کہ چارے کیلئے کاٹ لو، بلاضرورت نہ کاٹو۔ کچھ آگے مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''خیال رہے کہ امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ) و شافعی (متوفی ۲۰۴ھ رحمہما اللہ تعالیٰ) کے ہاں مدینے کے شکار اور درخت کاٹنا حرام تو ہیں، مگر ان کی جزا واجب نہیں۔ بعض ائمہ کے ہاں جزا یعنی قیمت خیرات کرنا واجب ہے، ہمارے (یعنی احناف کے) ہاں نہ جزا ہے نہ یہ کام حرام مکروہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ حضرت ابن مسعود، ابن عمر، عائشہ صدیقہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا یہی مذہب ہے، خود نبی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت وہاں کی کھجوریں وغیرہ کاٹ دیں، مشرکین کی قبریں اکھیڑ دیں اور وہاں مسجد بنادی، حضرت ابن مسعود اور ابن زبالہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے فرمایا کہ حضور انور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت مسلمہ (رضی للہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا تھا کہ اگر تم عقیق میں شکار کھیلو تو ہم تمہاری امداد کریں، جیسا کہ ابن ابی شیبہ، طبرانی، منذری نے باسنادِ حسن روایت کی۔ نیز طبرانی میں حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مرفوعاً منقول ہے کہ حضور انور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: ''جب تم احد پہاڑ پر جاؤ تو وہاں کے درخت یا کچھ گھاس کھالو۔'' اور کھانا بغیر اکھیڑے یا کاٹے ناممکن ہے۔

[1] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۵۷، ج ۱، ص ۱۰۸.

چکھائے گا۔''[1] اور پھر مذکورہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور حضرت سیِّدُ نا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: ''مکہ مکرمہ زَادَھَااللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا کے علاوہ کوئی شہر ایسا نہیں کہ جس میں گناہ کرنے سے قبل محض اس کا ارادہ کرنے پر پکڑ ہو۔'' اور پھر آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بھی مذکورہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

نا قابلِ قبول تاویل:

بعض لوگ مَکَّہ مُکَرَّمہ زَادَھَااللّٰہُ شَرَفًا وَّ تَعْظِیْمًا میں قضائے حاجت کرنے سے احتیاط کرتے ہیں اور یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ مسجد ہے اور یہ تاویل نا قابلِ قبول ہے کیونکہ اجماع ، حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اور صحابہ وسلف صالحین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا مبارک عمل اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُ نا امام طحاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۳۲۱ھ) ''تَھْذِیْبُ الْآثَار'' میں حضرت سیِّدُ نا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ ''حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جس وقت مَکَّہ مُکَرَّمہ میں تشریف فرما تھے، اس وقت جب قضائے حاجت کا ارادہ ہوتا تو مَغْمَس (جگہ کا نام) کی طرف تشریف لے جاتے اور یہ جگہ مَکَّہ مُکَرَّمہ زَادَھَااللّٰہُ شَرَفًا وَّ تَعْظِیْمًا سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔'' اور حضرت سیِّدُ نا امام طبرانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۶۰ھ) نے بھی اس کو ایک دوسری سند کے ساتھ ''اَلْمُعْجَمُ الْاَوْسَط'' میں روایت کیا ہے۔[2]

مکہ مکرمہ میں رہائش کے آداب:

مَیں (یعنی علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی) نے حضرت سیِّدُ نا شیخ عبدالوہاب شعرانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۷۳ھ) کی کتاب ''مَشَارِقُ الْاَنْوَارِ الْقُدْسِیَّة فِی الْعُھُوْدِ الْمُحَمَّدِیَّة'' میں پڑھا: ''وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو سنا وہ حج کا ارادہ کرنے والے کسی عالم صاحب سے فرما رہے تھے: ''اے میرے بھائی! مکہ یا مدینہ میں مستقل رہائش اختیار کرنے سے بچنا کیونکہ تم حرمین طیبین زَادَھُمَااللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا کے آداب بجالانے سے عاجز آجاؤ گے۔ پھر تم پر یہ مثال صادق آئے گی کہ ''تو نے حج کیا تو تجھ پر گناہ کا ایک تھیلا تھا مگر جب واپس پلٹا تو

[1] ......تفسیر الطبری، پ۱۷، الحج ، تحت الآیة ۲۵، الحدیث: ۲۵۰۲۲، ج۹، ص۱۳۱.

[2] ......معجم البلدان، باب المیم والغین، المغمس، ج۴، الجز الثامن، ص۲۹۲۔
المعجم الاوسط، الحدیث: ۴۹۰۳، ج۳، ص۳۸۶.

تیری پیٹھ پر گناہوں کے ایک ہزار تھیلے تھے۔'' مطلب یہ کہ لوگوں کے مطالبات جو تجھ سے پوشیدہ تھے (یعنی حرمین شریفین میں جن کے حقوق بے خبری میں تجھ سے تلف ہوئے) جب ان میں سے ہر ایک کو قیامت کے دن تجھ پر پیش کیا جائے گا گویا وہ تنہا ایک تھیلا ہے۔ اُن عالم صاحب نے شیخ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے عرض کی: ''یا سیدی! مجھے وہاں لمبی مدت قیام کی اجازت عطا فرمائیے؟'' آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: ''مَیں تمہیں صرف اسی صورت میں اجازت دوں گا کہ تم دورانِ قیام شرائط کا لحاظ رکھو۔'' انہوں نے عرض کی: ''کیا شرائط ہیں؟'' آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: ''ان میں سے بعض شرائط یہ ہیں (۱)......حرم میں اپنے قیام کے دوران خوراک اور درا ہم ذخیرہ نہ کرنا۔ (۲)......دن یا رات میں کبھی اکیلے کھانا نہ کھانا جبکہ تمہیں معلوم ہو کہ حرم میں کوئی بھوکا باقی ہے (۳)......وہاں پیوند والا اور پرانا لباس پہننا۔ فخر والے ملبوسات میں سے کبھی کچھ نہ پہننا بلکہ ایسے ملبوسات کو فروخت کر کے رقم بھوکے فقرا پر خرچ کر دینا۔ (۴)......حرم میں قیام کے دوران کبھی اپنے شہر کا خیال دل میں نہ آئے اور نہ ہی گھر، اولاد، مال و دولت اور وہ بھائی جو مکہ مکرمہ کے علاوہ کہیں اور رہتے ہیں ان سے ملاقات کا شوق رکھے کیونکہ تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاص بارگاہ میں حاضر ہو اور وہاں تم سے محض تمہارے دلی ارادے پر بھی پکڑ ہوگی لہٰذا جب تم نے کسی اور کا شوق رکھا تو تمہارا دل اس کی بارگاہ سے دور ہو گیا صرف جسم بغیر دل کے حاضر ہے۔ (۵)......وہاں رہتے ہوئے اپنے رزق کے معاملہ میں بے صبری اور ذاتِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے لئے تہمت کی ہوا تک بھی تمہیں نہ چھوئے اور کبھی اس بات کا اندیشہ نہ کرنا کہ وہ تمہیں ضائع فرما دے گا کیونکہ بارگاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں حاضر ہونے والوں کو ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ شک و شبہ کرنے والا اکثر اپنی بے ادبی اور کمزور یقین کے سبب غضب کا شکار ہوتا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے دھتکار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جانتا ہے کہ حق تعالٰی اُسے اس وقت بھی کھلاتا اور پلاتا تھا جب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا حتی کہ جوان ہو گیا اور یہ بہت بُرا ہے کہ وہاں رہنے والے کو بطورِ خاص وہ زمین (یعنی حرم) عطا کی گئی اور وہ وہاں رزق کے معاملے میں بے صبری اور حق تعالٰی کے لئے تہمت کا مظاہرہ کرتا ہے اور اکابر اولیا رحمہم اللہ تعالٰی کے علاوہ کوئی اس سے محفوظ و سلامت نہیں رہ سکتا ہے۔ یہی وجہ کہ ہمارے اکابرین کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے مکہ مکرمہ میں رہائش کو مکروہ بتایا ہے۔ (۶)......جب تک وہاں قیام رہے دل میں معصیت کا خیال تک نہ آئے اگرچہ ایسے گناہ کا وقوع بعید ہو۔ جب ایسا ہے تو پھر قریب الوقوع گناہ کا حکم کیسا سخت ہوگا۔ اسی وجہ سے اکابر اولیا رحمہم اللہ تعالٰی اپنے اہل و عیال سمیت وہاں سے کوچ کر گئے اور اس کی خاطر انہوں نے سفر کی

آزمائشوں اور تکالیف کو برداشت کیا۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُ نا امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۰۳ھ) فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حمام میں قیام کرنا مکہ مکرمہ میں قیام کرنے سے زیادہ پسند ہے۔'' نیز فرماتے تھے کہ ''میں خراسان میں مؤذن بن کے رہوں یہ مجھے مکہ مکرمہ میں قیام کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ مکۂ مکرمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا میں رہتے ہوئے کہیں دل میں گناہ کا خیال نہ آجائے اگرچہ اسے نہ کروں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس خیال پر مجھے دردناک عذاب دے۔ کیونکہ اس کا فرمان عبرت نشان ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ (پ۱۷، الحج ۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

یہ حکم حرم مکہ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا یہ اس حدیث کے تحت نہیں آتا جس میں ارشاد فرمایا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میری امت کے دلی وسوسوں کو معاف فرما دیا ہے جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے۔'' [1]

نیز منقول ہے کہ جب حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے طائف میں سکونت اختیار فرمائی تو لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا میں رہائش کیوں نہیں اختیار فرماتے؟'' تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''میں لوگوں پر اور اپنی جان پر بے جا معاملے کے ارادے سے اپنے دل کی حفاظت پر قادر نہیں تو اگر میں نے اس پر عمل کر لیا تو کیا بنے گا کیونکہ مکہ مکرمہ کے سوا کسی اور جگہ پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بغیر عمل کے محض برے ارادے پر کسی کو نہیں ڈرایا۔''

جب سیدی حضرت علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حرم کے آداب کے بارے میں اپنی گفتگو ختم فرمائی تو ان عالم صاحب نے عرض کی: ''یا سیدی! حرم میں لمبی مدت رہائش اختیار کرنے سے میری توبہ۔'' چنانچہ، انہوں نے حج کیا اور وہاں لمبی مدت تک قیام نہ کیا۔''

حرمتِ اہلِ بیت کو پامال کرنے والے پر لعنت:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور اُنیسویں حدیث پاک میں لعنت کئے گئے افراد میں سے پانچویں کے بارے میں فرمایا

---

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تجاوز اللّٰہ عن حدیث ......الخ، الحدیث: ۳۳۲، ص ۶۹۹۔

گیا: ''میرے اہل بیت کی حرمت جس کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا ہے اس کو پامال کرنے والا۔''اور اہل بیت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نسب بطریق تواتر یا شہرت یا حاکم کے حکم سے ثابت ہو اور یہ گویا کہ شرعی ثبوت ہے اور دلیل سے ثابت ہو گیا اور اگر ان تین ذرائع سے ثبوت نسب نہ ہو پھر بھی ان کے متعلق حسنِ ظن رکھیں گے اور ان کا احترام لازم ہے۔ نیز قول، فعل اور گمان ہر طرح سے ان کی حرمت کا خیال رکھنا واجب کیونکہ اس حرمت کا حکم اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دیا ہے۔ چنانچہ، وہ شخص جس نے ان سے زنا کیا، ان پر تہمت لگائی، انہیں گالی دی، ان کے بارے میں بدگمانی کی، ان کی غیبت کی، ان پر ظلم کیا یا اس جیسا کوئی بھی فعل ان کے ساتھ روا رکھا تو اس کا گناہ اس شخص سے زیادہ ہے جس نے ان کے غیر کے ساتھ ایسا کوئی فعل کیا اور اس کی وجہ (طریقہ محمدیہ میں) بیان کردہ حدیث ہے کیونکہ اس نے حضور نبی کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اولاد کو اذیت وتکلیف دے کر سید عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو اذیت پہنچائی ہے۔''[1]

سنت مؤکدہ چھوڑنے والے پر لعنت:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور اُنیسویں حدیث پاک میں لعنت کئے گئے افراد میں چھٹا وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا: ''میری سنت کو چھوڑنے والا۔'' اور یہاں سنت سے مراد سنتِ مؤکدہ ہے خواہ قولی ہو یا فعلی، اعتقادی ہو یا حالی سب اس میں داخل ہیں مگر سنن زوائد (یعنی غیر مؤکدہ سنتیں) اور مستحبات اس میں داخل نہیں (مطلب یہ ہے کہ سنتِ غیر مؤکدہ اور مستحب کو ترک کرنے والا لعنت کا مستحق نہیں)۔

---

[1] ...... سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہلسنّت، امام عشق ومحبت، مجدد اعظم، حضرت علامہ مولانا شاہ **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) سے سوال ہوا کہ ''ایک شخص سیّد ہے لیکن اس کے اعمال واخلاق خراب ہیں اور باعث ننگ وعار (یعنی باعثِ شرمندگی) ہیں تو اس سیّد سے اس کے اعمال کی وجہ سے تَنَفُّر (یعنی نفرت) رکھنا اور نسبی حیثیت (یعنی نسب کے اعتبار) سے اس کی تکریم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سیّد کے مقابل کوئی غیر، مثلِ شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ وغیرہ کا آدمی نیک اعمال (کرنے والا) ہو تو اس کو اس سیّد پر بحیثیت اعمال کے ترجیح ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ شرع شریف میں ایسی حالت میں اعمال کو ترجیح ہے کہ نسب کو؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (یعنی بیان فرماؤ، اجر پاؤ)۔ تو سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ ربِّ العزت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: ''سیّد سُنّی المذہب (یعنی عقیدۂ اہلسنّت رکھنے والے) کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، اُن اعمال کے سبب اس سے تَنَفُّر (یعنی نفرت) نہ کیا جائے نفسِ اعمال سے تَنَفُّر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حدِ کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل (یعنی حضرت سیّدُنا ابوبکر وحضرت سیّدُنا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما پر حضرت سیّدُنا علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم کو فضیلت دینے کا عقیدہ) تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی، ہاں اگر اس کی بدمذہبی حدِ کفر تک پہنچے جیسے رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری......

''طریقہ محمدیہ'' میں حضرت سیِّدُ نا امام طبرانی (متوفی ٣٦٠ھ)، حضرت سیِّدُ نا امام ابن حبان (متوفی ٣٥٤ھ) اور حضرت سیِّدُ نا امام حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ (متوفی ٤٠٥ھ) کی سندوں سے بیان کردہ حدیث پاک کو حضرت سیِّدُ نا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٤٥٨ھ) نے بھی اپنی کتاب ''اَلْمَدْخَل'' میں ایک دوسری روایت کے ساتھ ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ،

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت، پیکرِ عظمت و شرافت، مَحبوبِ رَبُّ العزت، محسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''چھ اشخاص ہیں جن پر مَیں نے لعنت کی، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اُن پر لعنت ہو اور ہر نبی کی دعا قبول ہے، چھ اشخاص یہ ہیں (١) کِتَابُ اللّٰه میں اضافہ کرنے والا (٢) تقدیرِ الٰہی کو جھٹلانے والا (٣) ظلم کے ساتھ تسلط کرنے والا کہ جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ذلیل بنایا اسے عزت دے اور جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے معزز کیا اسے ذلیل کرے (٤) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حرم (یعنی حرمِ مکہ) کی بے حرمتی کرنے والا (٥) میرے اہلِ بیت کی حرمت جس کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا ہے اس کو پامال کرنے والا اور (٦) میری سنت کو چھوڑنے والا۔'' [1]

نیز حضرت سیِّدُ نا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٤٥٨ھ) نے ایک اور سند کے ساتھ بھی حضرت سیِّدُ نا عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن موہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس حدیث کو روایت کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُ نا علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سَیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت

......وغیرہم۔ تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت (سیّد ہونا)، وہی نہ رہی۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﱟ (پ ١٢، ھود: ٤٦) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اے نوح (عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام) وہ یعنی تیرا بیٹا تیرے خاندان اور گھرانے والوں میں سے نہیں اس لئے کہ اس کے کام اچھے نہیں۔'' شریعت نے تقویٰ کو فضیلت دی ہے (ارشادِ باری تعالیٰ ہے) اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (پ ٢٦، الحجرات: ١٣) (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو) مگر یہ فضل ذاتی ہے۔ فضلِ نسب منتہائے نسب (یعنی جہاں نسب کی انتہا ہوتی ہے) کی افضلیت پر ہے سادات کرام کی انتہائے نسب حضور سید عالم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم پر ہے، اس فضل انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں حضور اقدس صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی تعظیم ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ (اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)۔ (فتاوی رضویہ، ج ٢٢، ص ٤٢٢)

[1] ......الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الحظر و الاباحة، باب اللعن، الحدیث: ٥٧١٩، ج ٧، ص ٥٠١.

نشان ہے: ''چھ اشخاص ہیں جن پر مَیں نے لعنت کی، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اُن پر لعنت ہو اور ہر نبی کی دُعا قبول ہے......'' اور سابقہ حدیث پاک کی مثل آخر تک حدیث شریف بیان فرمائی۔

بیسویں حدیث شریف:

﴿20﴾......حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ پیارے آقا، دوعالم کے داتا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک مَیں اُسے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (1)

(حضرت سیِّدُنا امام بخاری اور حضرت سیِّدُنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث پاک میں ''والدین'' کا لفظ آیا ہے۔ اگرچہ والد اور والدہ کا اطلاق دادا، دادی پر نہیں ہوتا، اس سے مراد باپ اور ماں ہوتے ہیں لیکن یہ ہر دادا، دادی اور ہر نانا، نانی کو شامل ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ''یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ ترجمہ: اے آدم کی اولاد۔'' حالانکہ حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ان کے دادا ہیں اور جیسا کہ کسی شاعر نے کہا: اَلنَّاسُ مِنْ جِهَّةِ التَّكْرِيْمِ اِكْفَاءُ اَبُوْهُمْ آدَمُ وَالْاُمُّ حَوَّاءُ

ترجمہ: تمام لوگ تکریم کی جہت سے ہم پلہ ہیں کیونکہ سب کے باپ، حضرت آدم اور ماں، حضرت حواء ہیں (عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام)۔''

اس شعر میں حضرت سیِّدَتُنا حواء رضی اللہ تعالٰی عنہا کو تمام لوگوں کی ماں کہا گیا حالانکہ وہ ان کی دادی ہیں اور اسی طرح بیان کردہ حدیث شریف میں لفظ ''ولد'' آیا ہے اور یہ بیٹے بیٹی، پوتے پوتی اور نیچے تک کی تمام اولاد کو شامل ہے۔

محبت کی تین اقسام:

حضرت سیِّدُنا امام ابوعباس احمد بن عمر بن ابراہیم انصاری قرطبی مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٥٦ھ) نے ''مسلم شریف'' کی شرح میں یہ حدیث مبارکہ نقل فرمائی کہ حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا

......صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول علیہ الصلوۃ والسلام من الایمان، الحدیث: ١٥، ص٣.

فرمانِ عالیشان ہے: ''کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک مَیں اسے گھر والوں، مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''[1] پھراس پر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ حدیث مبارکہ مختصر ہونے کے باوجود محبت کی تمام اقسام کو شامل ہے اور محبت کی تین اقسام ہیں: (۱)......احترام اور عظمت کے ساتھ محبت، جیسے والد اور علما وفضلا کی محبت (۲)......رحمت وشفقت کے ساتھ محبت، جیسے اولاد کی محبت (۳)......یکسانیت اور استحسان کے ساتھ محبت، جیسے ماقبل میں بیان کردہ افراد کے علاوہ کسی کی محبت اور حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت کا ان تمام کی محبتوں پر غالب ہونا ضروری ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمام ظاہری و باطنی خوبیاں عطا کر کے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو تمام انسانوں سے بڑھ کر کامل بنایا اور تمام اخلاقِ حسنہ ومناقبِ جمیلہ سے نواز کر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو تمام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر فضیلت بخشی۔لہٰذا حضور نبی کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم زمین پر بسنے والے ہر شخص سے کامل، آسمان کے ہر مکین سے افضل اور تمام اہلِ محشر میں بزرگ ترین ہیں اور جنت میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سَیِّدُنا قاضی ابوفضل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۵۴۴ھ) نے ارشاد فرمایا: ''کسی شخص کا ایمان اسی وقت قابل قبول ہوگا جب وہ حضور رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی قدر ومنزلت کو والدین، اولاد اور ہر احسان وبھلائی والے پر فوقیت دے گا اور جو ایسا اعتقاد نہ رکھے بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور عقیدہ رکھتا ہو وہ مومن نہیں۔''[2]

اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سَیِّدُنا قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۵۴۴ھ) نے یہاں حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی تعظیم واحترام کا اعتقاد مراد لیا ہے اور ایسے شخص کے کفر میں کسی قسم کا شک نہیں جو حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی تعظیم واحترام کا عقیدہ نہ رکھے۔البتہ! اس حدیث شریف کو اس معنی پر محمول کرنا درست نہیں کیونکہ کسی کے بڑے ہونے کا اعتقاد رکھنا، محبت یا زیادہ محبت کے سبب نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ محبت کو مستلزم ہے کیونکہ کبھی انسان اپنے دل میں کسی کام یا شخص کو بڑا جانتا ہے مگر دل میں اس کی محبت نہیں پاتا۔اسی لئے جب حضرت سَیِّدُنا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور نبی کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمان سنا

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ ......الخ، الحدیث: ۱۶۸، ص ۶۸۸.

[2] ......شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض، کتاب الایمان، باب وجوب نحبۃ......الخ، تحت الحدیث: ۷۰، ج ۱، ص ۲۸۱.

کہ ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک مَیں اُسے اس کی جان ، اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔'' تو عرض کی: ''آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہیں۔'' تو حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: ''اے عمر! تمہاری جان سے بھی زیادہ (محبوب ہونا ضروری ہے)۔'' عرض کی: ''میری جان سے بھی زیادہ (محبوب ہیں)۔'' ارشاد فرمایا: ''اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔'' (1)

اور اس گفتگو میں یہ صراحت ہے کہ یہ محبت صرف تعظیم کا اعتقاد نہیں بلکہ تعظیم کے ساتھ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف دل کا میلان ہونا چاہئے۔ تو اس فرق پر غور کرنا چاہئے۔ یہ بات درست ہے مگر اس کے باوجود یہ بہت سے لوگوں پر پوشیدہ ہے اور اس اعتبار سے حدیث پاک کے معنی یہ ہوں گے کہ ''جو شخص اپنے دل میں حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے یہ میلان نہیں پاتا اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو تمام مخلوق سے بڑھ کر محبوب نہیں سمجھتا اس کا ایمان کامل نہیں اور اس پر مَیں (یعنی امام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی) کہتا ہوں: ''ہر وہ شخص جس نے حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی تصدیق کی اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر پورا پورا ایمان لے آیا، اس کا دل سیدِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ایسی محبت سے خالی نہیں ہوسکتا جو تمام مخلوق سے بڑھ کر ہو۔ البتہ! یہ بات ضرور ہے کہ اس معاملہ میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں۔ پس ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے ایسی محبت سے بڑا حصہ پایا ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اظہار کیا، جبکہ انہوں نے حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے عرض کی: ''آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔''

اور اسی طرح حضرت سیِّدُنا ابو سفیان کی زوجہ حضرت سیِّدَتُنا ہندہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ظاہر ہوا جب انہوں نے رحمتِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: ''قبولِ اسلام سے پہلے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا چہرہ میرے نزدیک سب سے برا تھا اور اب مجھے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا مبارک چہرہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔''

اور حضرت سیِّدُنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان فرماتے ہیں: ''مَیں نے خود پر غور کیا تو اپنے نزدیک حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے بڑھ کر کسی کو محبوب نہ پایا اور نہ ہی میری آنکھوں میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے زیادہ

---

(1) ......المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث عبداللّٰہ بن ھشام، الحدیث: ١٨٠٦٩، ج٦، ص٣٠٣۔

صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذر، باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الحدیث: ٦٦٣٢، ص٥٥٥.

کوئی بزرگی والا ہے اور حضور سید عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تعظیم واحترام کے باعث میں اپنی آنکھیں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے حسن وجمال سے پُر نہ کرسکتا تھا اور اگر میں سرکارِ مدینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اوصاف بیان کرنا چاہوں تو مجھے اس کی طاقت نہیں کیوں کہ میری آنکھیں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے حسن سے نہیں بھریں۔'' [1]

اور بلاشک وشبہ حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے سب سے زیادہ محبت کرنے کے معاملہ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سب سے زیادہ حصہ پایا کیونکہ انہیں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی معرفت دوسروں سے زیادہ حاصل تھی اور محبت، معرفت کا پھل ہے۔ لہٰذا معرفت کی کمی زیادتی سے محبت میں قوت وضعف آتا ہے اور جو مسلمان شہوتوں کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے اور اکثر اوقات اس معنی محبت سے غافل ہے وہ کمتر حالت میں ہے۔ لیکن جب حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا ذکر کیا جائے یا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے فضائل بیان کیے جائیں تو وہ حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ذکر کے لئے بے چین ہوجاتا ہے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی زیارت کا شوق اس کے دل میں موجیں مارنے لگتا۔ اس حیثیت سے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی زیارت تو کجا روضۂ اقدس اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے منسوب چیزوں کی زیارت کو اپنے اہل وعیال، جان ومال اور تمام لوگوں پر فوقیت دیتا ہے کہ بس کسی طرح زیارت ہوجائے اور وہ اپنے اندر ایک وجد کی کیفیت محسوس کرتا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ایسا ہوتا ہے مگر شہوتوں کے غلبے اور مسلسل غفلت کے سبب یہ کیفیت جلد ہی زائل ہوجاتی اور ڈر ہے کہ جس کا یہ حال ہے اس کے دل سے اصل محبت ہی ختم نہ ہوجائے یہاں تک کہ محبت کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے۔ پس ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم پر احسان کرتے ہوئے ہمیں حضور سید الکونین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی دائمی اور کامل محبت عطا فرمائے اور کبھی ہمیں غفلت کے حجاب میں نہ رکھے۔

اٰمِین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم

''مُخْتَصَرُ شَرْحُ النَّوَوِی عَلٰی مُسْلِم'' میں اس حدیث شریف کی جہاں شرح کی گئی ہے وہاں حضرت سیِّدُنا امام خطابی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۸۸ھ) کا یہ قول بھی ہے کہ ''اس محبت سے مراد طبعی محبت نہیں بلکہ یہاں اختیاری محبت

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ و کذا الھجرۃ والحج، الحدیث: ۳۲۱، ص۶۹۸۔

مراد ہے۔ کیونکہ طبعی محبت کا بدلنا ممکن نہیں ہوتا۔ پس اس کا معنی یہ ہے کہ ''تو میری محبت میں اس وقت تک سچا نہیں ہو سکتا جب تک خود کو میری اطاعت میں فنا نہ کر دے اور جب تک میری رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح نہ دے اگر چہ اس میں تو ہلاک ہو جائے اور (حضرت سیِّدُ نا ابن بطال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۴۴۹ھ فرماتے ہیں) اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا، اس کو معلوم ہوگا کہ حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا حق، والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ سید عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہمیں دوزخ سے نجات عطا فرما کر سیدھے راستے پر چلایا ہے اور (حضرت سیِّدُ نا قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۵۴۴ھ) فرماتے ہیں) حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت کی علامات سے یہ بھی ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنتوں کو پھیلانے میں مدد کی جائے، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی شریعت کی تائید و تعظیم کی جائے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی شان کے لائق آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تعظیم کی جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب حضور سید دو عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی قدر و عظمت کو والدین، اولاد اور ہر احسان و بھلائی کرنے والے سے بڑھ کر سمجھے۔ (1)

حضرت سیِّدُ نا امام ابن اقبرس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۶۲ھ) نے ''شَرْحُ الشِّفَا'' میں ارشاد فرمایا: ''سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت ایسا واجب ہے جس کا لازم ہونا صحیح طور پر ثابت ہے اور اسی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا اور یہ محبت عقلاً اور شرعاً دونوں طرح واجب ہے۔ عقلاً اس طرح کہ حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ہر قول و فعل اور ہر امر و نہی کو عقل اچھا جانتی ہے اور عقلی طور پر کفار سے یہ ثابت بھی ہے جیسا کہ روم کے عیسائی بادشاہ ہِرَقْل نے حضرت سیِّدُ نا ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سوال کیا تھا کہ ''وہ (یعنی نبی صلَّی اللہ علیہ وسلَّم) تمہیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟'' (اور پھر ہِرَقْل بادشاہ نے حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے احکام کی تعریف کی تھی) یہ پوری حدیث پاک بخاری شریف کے شروع میں ہے۔ یہ عقلاً سیرت کے اعتبار سے محبت کا لزوم ہے اور عقلاً صورت کے اعتبار سے اس طرح کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو سب سے زیادہ حُسن عطا فرمایا تھا تو یوں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم صورت اور سیرت دونوں میں کامل

(1) ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب وجوب محبة رسول اللہ ﷺ......الخ، ج۲، ص۱۵ بتغیرٍ قلیلٍ.

ترین ہیں اوراس بات میں کوئی شک نہیں کہ صورت اورسیرت کا کامل ہونا محبت اوراس کے اسباب کی طرف بلاتا ہے۔ کوئی عقل منداس کی مخالفت نہیں کرسکتا کیونکہ اچھی صورتوں اوراچھی سیرتوں سے محبت کرنا دلوں کا فطرتی تقاضا ہے اورشرعاً حضورسیدالکونین وسیدالثقلین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے محبت کرنا اس طرح واجب ہے کیونکہ یہ قرآن وسنت سے ثابت ہے۔چنانچہ،اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشادفرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ﰳاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۠(۲۴) (پ۱۰،التوبۃ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان:تم فرماؤ اگرتمہارے باپ اورتمہارے بیٹے اورتمہارے بھائی اورتمہاری عورتیں اورتمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اوروہ سوداجس کے نقصان کاتمہیں ڈر ہےاورتمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اوراس کے رسول اوراس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں توراستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپناحکم لائے اوراللہ فاسقوں کوراہ نہیں دیتا۔

یہ آیتِ مبارکہ حضورنبئ رحمت،شفیعِ اُمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت کے لازم وواجب اورسب سے زیادہ ہونے پردلیل وحجت ہے۔

اورسنت سے حضورسیدِ دوعالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت یوں ثابت کہ اس باب میں کثیر احادیثِ مبارکہ وارد ہیں۔چنانچہ،حضرت سیِّدُنا امام احمد بن محمدقسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) ''اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّيَّة'' میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضورنبئ مُکَرَّم،نُورِ مُجَسَّم،رسولِ اَکرم،شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کافرمانِ ذیشان ہے:''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک مَیں اُسے والداوراولاد سے بڑھ کرمحبوب نہ ہوجاؤں۔''(1)

حدیث شریف نقل کرنے کے بعدارشادفرماتے ہیں:''اس حدیثِ پاک میں والدکاذکرپہلے ہے اوراس کی وجہ یہ ہے کہ والدعام طورپرپایاجاتا ہے یعنی ہرشخص کاوالدتوہوتا ہے مگرہرشخص کی اولادہویہ ضروری نہیں۔جبکہ بخاری شریف اور نسائی شریف کی روایات میں وَلد(یعنی بیٹے) کاذکروالدسے پہلے ہے اوریہ اس لئے کہ اس میں شفقت زیادہ ہے اور

1......صحیح البخاری،کتاب الایمان،باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان،الحدیث:۱۴،ص۳.

حضرت سیِّدُ نا عبدالعزیز بن صُہَیب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے حضرت سیِّدُ نا اَنس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو روایت بیان کی ہے اس میں: ''تمام لوگوں سے زیادہ۔'' کے الفاظ بھی ہیں۔ جبکہ ''صحیح ابن خزیمہ'' میں ''مِـنْ وَّا لِـدِہٖ وَوَلَـدِہٖ'' کی جگہ ''مِـنْ اَھْـلِـہٖ وَمَالِہٖ'' کے الفاظ ہیں۔ (یہاں معنی یہ ہوں گے کہ اپنے اہل ومال سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرے) اور اس میں وَالد اور وَلَد معنوی طور پر زیادہ داخل ہیں کہ عقل مند کے نزدیک اہل ومال کے مقابل وَالد اور وَلَد زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو والد اور ولد اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہوتے ہیں اسی وجہ سے حضرت سیِّدُ نا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بیان کردہ حدیثِ پاک میں ''نفس'' (یعنی جان) کا ذکر نہیں ہے۔''[1]

❁❁❁❁❁❁❁❁

حدیث قدسی

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 54 صَفحات پر مشتمل کتاب، ''نصیحتوں کے مدنی پھول بوسیلۂ احادیث رسول'' صَفْحَہ 51 تا 52 پر ہے: اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اے ابن آدم! جس نے ہنس ہنس کر گناہ کیے میں اسے رُلا رُلا کر جہنم میں ڈالوں گا اور جو میرے خوف سے روتا رہا میں اسے خوش کر کے جنت میں داخل کروں گا۔

اے ابن آدم! کتنے غنی ایسے ہیں جو روزِ حساب محتاجی ومفلسی کی تمنا کریں گے؟

❁...... کتنے بے رحم ایسے ہیں جنہیں موت ذلیل ورسوا کر دے گی؟

❁...... کتنی شیریں چیزیں ایسی ہیں جنہیں موت تلخ کر دے گی؟

❁...... نعمتوں پر کتنی خوشیاں ایسی ہیں کہ جنہیں موت گدلا کر دے گی؟

❁...... کتنی خوشیاں ایسی ہیں جو اپنے بعد طویل غم لائیں گی؟

(مجموعة رسائل الامام الغزالی،المواعظ فی الاحادیث القدسیة،ص٥٧٧)

---

[1] ......المواھب اللدنية للقسطلانی،المقصد السابع فی وجوب محبته واتباع سنته......الخ،ج٢،ص٤٧٨ .

دوسری فصل:

بدعت اور اس کی اقسام کا بیان

یہ پہلے باب کی تین فصلوں میں سے دوسری فصل ہے جس میں بدعت، اس کی اقسام اور اس کے احکام کا بیان ہے۔

بدعت کی تعریف:

ہر وہ نیا کام جس سے سنت کی مخالفت لازم آئے اسے بدعت کہتے ہیں۔ یا یوں کہہ لیں کہ ''بدعت نام ہے اس اعتقاد اور قول و فعل کا جو سنت کے مخالف ہو۔''

بدعت کا حکم اور عبادت کی تعریف:

بدعت کا حکم بیان کرنے سے پہلے اس تمہید کو سمجھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں اصل یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مکلّف بندوں کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔ (پ۲۷، الذّٰریٰت: ۵۶)

اس آیتِ مبارکہ میں عبادت کا ذکر ہے اس لئے عبادت کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔

''مَعْبُوْد (یعنی جس کی عبادت کی جائے اس) کے لئے انتہائی عاجزی کرنے کو عبادت کہتے ہیں۔'' اور یہ اس وقت پائی جاتی ہے جب بندہ عقل کی باتوں اور خواہشات کے اچھے برے تقاضوں پر عمل ترک کر کے خود کو مکمل طور پر اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے سپُرد کر دے...، اپنے لئے اسی بات کو اچھا سمجھے جسے اس کا رب عَزَّوَجَلَّ اس کے لئے پسند فرمائے...، اور اس بات کو ناپسند رکھے جسے اُس کا رب عَزَّوَجَلَّ اس کے لئے ناپسند فرمائے... اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سچے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اور اس کی سچی کتاب یعنی قرآن کریم پر ایمان لائے... لہٰذا اس پر لازم ہے کہ قرآن وسُنّت کے احکامات کی حدود میں رہے... پس جب بندہ دین میں اپنی طرف سے مطلقاً کوئی بات گھڑ لیتا ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بندگی سے نکل جاتا، اسلام کے تقاضوں سے جدا ہو جاتا اور قرآن وسُنّت کی محبت سے دور ہو جاتا ہے... پھر اگر اس گھڑی ہوئی بات کا تعلق عقیدے سے ہو اور اس کے سبب کسی ایسے مُتَّفَقٌ عَلَیْہ عقیدے کا انکار لازم آئے جس کا ضروریاتِ دین سے ہونا معلوم ہو تو ایسی بدعت کفر ہے اور اگر اس بات کا تعلق عقیدے سے نہ ہو بلکہ محض قول و فعل سے ہو اور اس سے

کسی حرام کاارتکاب یا فرض کا ترک لازم آئے تو ایسی بدعت فسق ہے۔اس کے بارے میں تفصیلی گفتگو عنقریب اسی فصل میں آرہی ہے۔

بدعت کی مَذَمَّت پر اَحادیث کریمہ:

بدعت کا قبیح (بُرا) ہونا اوراس سے مُمانعت اس لئے ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ یہاں اس سلسلے میں چھ احادِیث کریمہ بیان کی جاتی ہیں:

پہلی حدیث شریف:

﴿1﴾......اُم المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، بِاِذْنِ پروردگار دوعالَم کے مالک ومختار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جس نے ہماری اس شریعت میں کوئی نئی (خلافِ شرع) بات نکالی جو ہماری شریعت سے نہ ہو وہ مرُدود ہے۔'' [1]

دین میں نئی بات نکالنے کا معنیٰ:

اس حدیث شریف میں بیان ہوا کہ دین میں خلاف شرع کوئی نئی بات نکالنا مردود ہے۔مراد یہ ہے کہ نئی بات کا تعلق خواہ عقیدہ وحالت سے ہو یا قول وفعل سے، یا یہ ہو کہ شرعی احکام میں کوئی اضافہ یا کمی کردی جائے اور دین میں نئی بات نکالنے کا معنی یہ ہے کہ اِسلام کے جملہ احکام میں نئی بات شامل کر کے اس پر ثواب کی اُمید کی جائے اوراس نئی بات کے دین سے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات مقاصدِ شرع سے نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی مقصدِ شرعی کے قیام کی طرف بلائے۔ نیز مردود ہونے سے مراد یہ ہے کہ بدعت یعنی خلاف شرع نئی بات نکالنا، نکالنے والے کے حق میں ہمارے دین سے پھرنا، دین پر عدم ایمان اور دین کے بارے میں خطا کرنا ہے۔یا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ بات اسی پر رد ہے اوراس سے قبول نہیں کی جائے گی۔

عادت میں بدعت جائز ہے:

پہلی حدیثِ پاک سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ بدعت جب دین اور عبادت میں نہ ہو بلکہ اس کا تعلق عادت سے

[1] ......صحیح مسلم ،کتاب الاقضیۃ،باب نقض الاحکام الباطلۃ ......الخ، الحدیث:٤٤٩٢،ص٩٨٢.

ہوتو وہ مردود نہیں یعنی وہ جائز ہے، جیسے کھانے پینے کی چیزوں، ملبوسات، سواریوں اور مکانات میں جِدَّت (یعنی نیا انداز) پیدا کرنا جبکہ جِدَّت پیدا کرنے والے کا اس سے مقصود اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل کرنا نہ ہو بلکہ محض استعمال کرنے کا ارادہ ہو۔ البتہ! اگر اس عادی بدعت سے کسی حکم شرع کا ترک یا کسی منع کردہ کام کا ارتکاب لازم آئے تو پھر یہ بدعت عادی بھی مکروہ ہے مثلاً بہت بڑا عمامہ باندھنا کہ اس کے سبب نماز میں سجدہ مکمل طور پر ادا نہ ہو یا وہ نماز میں خشوع کے منافی ہو۔ یوں ہی ایسا خوبصورت لباس پہننا کہ اس کی وجہ سے دل عبادت سے دور ہو کر دوسری طرف مشغول ہو جائے یا وہ لباس ریاکاری وخود پسندی میں مبتلا کردے۔ چنانچہ، ایسی بدعات کا شمار اُن بدعاتِ عادیہ میں ہوگا جو کسی حکم شرعی کے ترک یا شریعت کے منع کردہ کام کے ارتکاب کی طرف لے جاتی ہیں۔ لہٰذا جب معاملہ ایسا ہو تو اس بدعت عادی پر عمل کرنا بھی مکروہ ہوگا۔

اُم المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک دوسری روایت میں یوں ہے، ارشاد فرماتی ہیں کہ سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہماری شریعت کے مطابق نہیں وہ مردُود ہے۔''[1]

دوسری حدیث شریف:

﴿2﴾...... حضرت سیِّدُنا امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو رہے تھے مَیں نے عرض کی: ''آپ کیوں روتے ہیں؟'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''جو کچھ حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک عہد میں تھا اب مَیں وہ نہیں پاتا سوائے اس نماز کے مگر اب یہ نماز بھی ضائع ہو رہی ہے۔''[2]

نماز ضائع ہو رہی ہے:

اس حدیث شریف میں حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا بیان فرما رہے ہیں کہ ''دین اسلام کی عظیم باتوں پر جس طرح حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے زمانہ اقدس میں عمل ہوتا تھا اب نہیں ہو رہا۔ البتہ! بغیر

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الاحکام الباطلۃ ......الخ، الحدیث: ٤٤٩٣، ص ٩٨٢.

[2] ......صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فی تضییع الصلاۃ عن وقتھا، الحدیث: ٥٣٠، ص ٤٤

تغیر وتبدل کے نماز ابھی تک باقی ہے مگراب یہ عظیم عبادت بھی ضائع ہورہی ۔''نیز یہاں نماز کا ذکر مطلق آیا ہے اس لئے خواہ فرض ہو یا واجب یا پھر نفل ہر نماز اس میں داخل ہے اور حضرت سیِّدُ نا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز ہی کو بیان فرمایا اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں: (۱)......اس لئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن میں اسی کا تصور تھا یا (۲)......نماز کا معاملہ بہت عظیم ہے یا پھر (۳)......اس لئے کہ ایمان کے بعد دوسرا درجہ نماز کا ہے۔

نماز کیسے ضائع ہوتی ہے:

مذکورہ حدیث پاک میں یہ بھی فرمایا کہ ''اب یہ نماز بھی ضائع ہورہی ہے۔''مطلب یہ کہ لوگ اسے ضائع کر رہے ہیں، اسے کامل طور پر ادا نہیں کرتے مثلاً اس کی شرائط، ارکان، واجبات، سنتوں، مُسْتَحَبَّات اور آداب کو پورے طور پر بجا نہیں لاتے، اس کے مُفْسِدات (یعنی نماز توڑنے والی چیزوں) اور مکروہات سے نہیں بچتے اور اس کے دوران خُشُوع و خُضُوع (خشوع یعنی بدن میں عاجزی اور خضوع یعنی دل میں گڑگڑانے کی کیفیت) کی رعایت نہیں کرتے نیز کسی دوسری طرف توجہ کئے بغیر اپنے دل کی تمام تر توجہ کا مرکز نماز کو نہیں بناتے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ﴿۵۹﴾

(پ ١٦، مریم: ٥٩)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنھوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے۔

نمازیں گنوانے والے ناخلف:

حضرت سیِّدُ نا امام عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی ٦٦٠ھ) نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: ''خَلْف (لام پر جزم کے ساتھ)، بُری اولاد کو کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ مراد اس امت کے وہ لوگ ہیں جو پختہ مکانات تعمیر کرتے ہیں، آرام دہ سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اور لباس شہرت پہنتے ہیں اور نمازیں ضائع کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ نماز کو وقت گزار کر پڑھتے ہیں یا بالکل ہی ترک کر دیتے ہیں یا اس کی شرعی حدود کا خیال نہیں رکھتے یا اس کو شرائط کے ساتھ ادا نہیں کرتے ہیں۔ اس آیتِ مبارکہ میں لفظ ''اَلصَّلٰوۃ'' جنس کے طور پر آیا ہے (یعنی یہ ہر طرح کی نماز خواہ فرض ہو یا واجب یا نفل سب کو شامل ہے) اور حضرت سیِّدُ نا امام حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قراءت میں یہ لفظ

''اَلصَّلَوَات،، جمع کے ساتھ آیا ہے اور ''غَـیّ '' سے مراد بدلہ یا نقصان یا عذاب یا برائی یا گمراہی و نا کامی ہے۔ جبکہ ایک قول کے مطابق ''غَـیّ ''،جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔''

حضرت سیِّدُ نا امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: '' نمازوں کو ضائع کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ فرض نمازوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھتے تھے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی ظہر کی نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ عصر کا وقت شروع ہو جائے یوں ہی نمازِ عصر ادا نہ کرے یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ (1)

بدبختی غالب آجاتی ہے:

حضرت سیِّدُ نا ابو عبد الرحمٰن سلمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۱۲ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا محمد بن حامد علیہ رحمۃ اللہ الواحد نے ارشاد فرمایا: ''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرات انبیائے کرام عَلَیۡهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام، اولیائے عظام اور صدیقین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو حرام جانتے ہیں۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ ایسوں سے اپنی معرفت چھپالیتا ہے اور اس حال میں بدبختی ان پر غالب آجاتی ہے تو وہ اس نماز کو ضائع کرتے ہیں جو بندے کو اس کے مولیٰ سے ملانے کا ذریعہ ہے، اس کے بارے میں صرف سوچتے ہیں مگر اسے بجا نہیں لاتے اور اپنی رائے اور خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے پس ذلت و رسوائی میں مبتلا ہو کر اس عظیم سعادت سے محروم رہتے ہیں اور غلام کی بدبختی کی علامت یہ ہے کہ وہ خدمت سے محروم ہو جائے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جس کی عزت و عظمت بڑھائی اس کی تعظیم نہ کرے۔''

شریعت کی پامالی دیکھ کر غم کا اظہار کرے:

مذکورہ حدیث شریف کے معانی و مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ نمازوں میں کمی اور زیادتی کر کے انہیں ضائع کرنے پر حضرت سیِّدُ نا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رونا اس لئے تھا کہ یہ زمانۂ رِسالت عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام میں رائج سنت کی مخالفت تھی اور سنت کی مخالفت، بدعت ہے اور حدیثِ پاک میں اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ جب شریعت کی حرمتوں کو پامال کیا جا رہا ہو تو مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ اس فعل پر راضی نہ ہو، افسوس اور رَنج و غم کا اظہار کرے۔ نیز

(1)......تفسیر الخازن، پ۱٦، مریم، تحت الآیة:٥٩، ج۳، ص۲٤٠.

اس حدیث شریف سے یہ درس بھی ملا کہ برائی کی مُذَمَّت کرتے ہوئے کسی مسلمان کو مُعَیَّن نہیں کرنا چاہئے، برائی کی مُذَمَّت میں عُمُومِیَّت ہونی چاہئے (یعنی عمومی گفتگو کی جائے کسی کو معین نہ کیا جائے) اور مُعَیَّن مسلمانوں کی برائیوں کو چھپایا جائے کیونکہ لازمی بات ہے کہ حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت روئے ہوں گے جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی مُعَیَّن شخص یا خاص جماعت کو کمی زیادتی کر کے نماز پڑھتے دیکھا ہوگا مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی اس فعل کی مُذَمَّت کرتے وقت ان کو معین فرمایا بلکہ برائی کی مُذَمَّت بیان کرنے میں جو سنت تھی اس کے تقاضے کو اختیار فرمایا نہ کہ بدعت طریقہ پر۔ جیسا کہ آج کل کے جاہل اہل علم نے طریقہ گھڑ رکھا ہے کہ برائی کی مُذَمَّت بیان کرتے وقت لوگوں کے نام لے لے کر ان کی مُذَمَّت کرتے ہیں اور ماقبل میں اس بات پر کئی مرتبہ تنبیہ گزر چکی ہے۔

تیسری حدیث شریف:

﴿3﴾......حضرت سیِّدُنا غُضَیف بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ''جو اُمت اپنے نبی (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کے بعد دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے گی وہ اتنا حصہ سنت کا ضائع کر دے گی۔''(1)

احناف وشوافع کے نزدیک ''نکرہ'' کا حکم:

اس حدیث شریف میں ''دین'' میں بدعت ایجاد کرنے کی مذمت کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر دنیوی امور میں کوئی نئی بات ایجاد کی جائے تو وہ اس میں داخل نہیں جیسے عادت میں بدعت ایجاد کرنا کہ اس پر عمل کرنے والا اپنے عمل پر بارگاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ سے بروزِ قیامت کسی اجر وثواب کا ارادہ نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے عمل سے محض کوئی دنیوی نفع حاصل کرنے یا کسی دنیوی نقصان سے خود کو بچانے کا ارادہ کرتا ہے یا پھر نہ نفع مقصود ہوتا ہے نہ نقصان سے بچنا جیسے مختلف اقسام کے کھانے اور مشروبات، نت نئے ملبوسات اور عالی شان مکانات وغیرہ مباح اشیا کا استعمال اور بدعت وہ کام ہے جس کا سنتِ نبوی سے ہونا معروف نہ ہو پھر خواہ وہ عقیدہ، عمل، قول یا اخلاق کسی قسم سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ لفظ بدعت سب کو شامل ہے اسی لئے یہاں لفظ بدعت نکرہ (یعنی عام) آیا ہے، اور نکرہ جب مقام اثبات میں ہو تو ہمارے

---

(1)......المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۷۸، ج۱۸، ص۹۹.

(یعنی احناف کے) نزدیک عُمُوْمِیَّت (یعنی عام ہوکر سب کو شامل ہونے) کا فائدہ نہیں دیتا لیکن جب نکرہ مطلق ہو تو وہ غیر معین فرد پر دلالت کرتا ہے لہٰذا ایسا نہیں ہوتا کہ وہ بعض اقسام کو چھوڑ کر بعض کے ساتھ خاص ہو جائے۔ جبکہ حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) کے نزدیک نکرہ، مقام اثبات میں عُمُوْم کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے اور یہ حکم ایک بدعت کے بارے میں ہے اور یہی حکم ایک سے زائد بدعتوں کا ہے نیز یہاں بدعت سے مراد بدعتِ مُکَفِّرَہ (یعنی کفر تک لے جانے والی) نہیں کیونکہ بدعتِ مُکَفِّرَہ تو اسلام وایمان ہی کو ختم کر دیتی ہے چہ جائیکہ سنت کو ختم کرے۔

بدعت سے سنت مٹ جاتی ہے:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور تیسری حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ جب کوئی اُمت بدعت ایجاد کرتی ہے تو اسی قدر سنت کو ضائع کر دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جب بھی دین میں کوئی بدعت ایجاد کریں گے تو اسی کی مثل سنت نبوی کو ترک کر دیں گے۔ لہٰذا عقیدہ، قول، فعل اور عادت میں بدعات کی مثالیں اور ان کی وجہ سے کون سی سنتیں ترک ہوئیں وہ بیان کی جاتی ہیں۔

عقیدے میں بدعت کی مثال:

عقائد میں گمراہ فرقے بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں جیسے معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق (یعنی پیدا کرنے والے) ہیں، اور وہ یہ کہتے ہیں: ''بندوں کو اپنے افعال میں تأثیر (یعنی ذاتی عمل دخل) حاصل ہے اس لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان افعال پر ان کے اندر قدرت پیدا کر دی ہے۔'' اور یہ دین اسلام میں بدعتِ اعتقادی ہے اور جب یہ بدعت ظاہر ہوئی تو یہ سنت اعتقادی جاتی رہی کہ ''بندوں کے افعال خواہ خیر وشر سے متعلق ہوں یا نفع ونقصان سے تمام کا خالق اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے۔'' اگرچہ یہ افعال بندوں کی طرف منسوب ہیں مگر بندے کو ان میں اصلاً تأثیر حاصل نہیں جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کے لئے ہاتھ پاؤں پیدا فرمائے جو انسان ہی کی طرف منسوب ہیں۔ حالانکہ ہاتھ پاؤں کو پیدا کرنے میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ ''انسان کا ہاتھ، انسان کا پاؤں۔'' اس کے باوجود انسان ان کا خالق نہیں۔ جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی ہاتھ پاؤں کا خالق ہے مگر پھر بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ہاتھ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا پاؤں‘‘ تو اسی طرح انسان کے تمام اَفعال کا خالق صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی ہے، مگر ان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا بلکہ تمام افعال کو انسان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور انسان ان کا خالق نہیں۔ مَیں (یعنی صاحبِ حدیقہ ندیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام ''تَحْرِیْکُ سِلْسِلَةِ الْوِدَاد فِیْ مَسْئَلَةِ خَلْقِ اَفْعَالِ الْعِبَاد'' رکھا اور اسے مکتوب کی شکل میں بعض علمائے مدینہ منورہ (زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًاوَّتَعْظِیْمًا) کی طرف روانہ بھی کیا۔ الغرض یہ (یعنی تمام افعال کا خالق اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے) وہ سُنَّتِ اعتقادی ہے جو معتزلہ اور ان کے پیروکاروں کے ہاں ضائع ہوئی اور ترک کر دی گئی۔

عمل میں بدعت کی مثال:

جس طرح عقیدہ میں بدعت کے باعث سُنَّتِ اعتقادی ختم ہو جاتی ہے اسی طرح جب لوگ عمل میں کوئی بدعت پیدا کرتے ہیں اگرچہ اس بدعت کا تعلق عادت سے ہو دین سے نہ ہو یوں کہ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ثواب کی امید نہ رکھیں اور نہ ہی یہ ان کے نزدیک ایسا گناہ ہو جس کے ارتکاب پر انہیں عذاب کا ڈر ہو۔ لیکن اس کے کرنے سے اس کی مثل کوئی سُنَّتِ عملی ضائع ہو رہی تھی جیسے غفلت کے ساتھ نماز ادا کرنا اور اس میں دل کا حاضر نہ ہونا بلکہ دل کا دُنیوی کاموں میں مشغول رہنا حالانکہ وہ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں مگر انہیں خشوع وخضوع حاصل نہیں ہوتا۔ پس یہ وہ بدعت عادی ہے جو پہلے (یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے) زمانے میں نہ تھی مگر آج لوگوں نے اسے اپنی عادت بنالیا ہے۔ پھر جب یہ بدعت ظاہر ہوئی تو نماز میں خشوع خضوع، دل جَمعی اور خرید وفروخت کی فکر سے دل کو خالی رکھنے کی سنت جاتی رہی۔ حالانکہ نماز میں ان باتوں کا خیال رکھنے پر پہلے زمانے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ،

اچھے نمازی:

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ (پ۱۸، النور:۳۷)

ترجمۂ کنز الایمان: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد اور نماز برپا رکھنے سے۔

﴿۲﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَؕ (پ۲۸،الجمعة:۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔

﴿۳﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَۙ(۱) الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَۙ(۲) (پ۱۸،المؤمنون:۱،۲)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہونچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گِڑگڑاتے ہیں۔

بُرے نمازی:

اور جولوگ نماز میں مذکورہ بدعت کے مرتکب ہورہے ہیں ان کے بارے میں بھی قرآنی ارشادات موجود ہیں۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَۙ(۴) الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَۙ(۵) (پ۳۰،الماعون:۴،۵)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں۔

﴿۲﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (پ۵،النساء:۴۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کہو اُسے سمجھو۔

﴿۳﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰىۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًاﳲ(۱۴۲) (پ۵،النساء:۱۴۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی (دل) سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا۔

بہرحال یہ عمل کے اعتبار سے بدعتِ عادیہ ہے اور جب یہ بدعت ظاہر ہوئی تو اسی کی مثل سُنَّت عملی چھوڑ دی گئی اور بھلا دی گئی۔

قول میں بدعت کی مثال:

یہ بھی گذشتہ بدعات ہی کی مثل ہے کہ لوگ قول میں کسی بدعت کو اختیار کرلیں جیسے جنازہ کے ساتھ چلتے وقت کلام کرنا اگرچہ یہ بدعت بھی عادت میں ہے۔پس جب یہ لوگوں میں عام ہوگئی بالخصوص جنازہ کے ساتھ جانے والوں کا دنیوی کاموں کے بارے میں گفتگو کرنا اور شوروغل کی کثرت کرنا، تو اس کے سبب اس موقع پر خاموش رہنے، عبرت حاصل کرنے اور موت اور قبر کے معاملے میں غوروفکر کرنے کی سنت جاتی رہی۔ (1)

...... سیدی اعلیٰ حضرت، مجدِّدِ دین وملّت، پروانۂ شمعِ رسالت **امام احمد رضا خان** عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) سے جنازہ کے ساتھ نعت خوانی کے متعلق سوال ہوا۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: انصاف کیجئے تو یہ حکم (یعنی جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذِکر کا مکروہ ہونا) اُس زمانِ خیر کے لئے تھا جبکہ ہمراہیانِ جنازہ (یعنی جنازے کے ساتھ جانے والے) تصورِ موت میں ایسے غرق ہوتے تھے کہ گویا میّت اُن میں ہر ایک کا خاص اپنا کوئی جگر پارہ ہے بلکہ گویا خود ہی میّت ہیں، ہمیں (یعنی ہم ہی) کو جنازہ پر لئے جاتے ہیں اور اب قبر میں رکھیں گے، ولہٰذا علماء نے سکوتِ محض (یعنی خاموش رہنے) کو پسند کیا تھا کہ کلام اگرچہ ذکر ہی ہو اگرچہ آہستہ ہو، اس تصور سے کہ (بغایت نافع اور مفید اور برسوں کے زنگ دھودینے والا ہے) روکے گا یا کم ازکم دل بٹ تو جائے گا تو اِس وقت خاموشی ہی مناسب تر ہے، ورنہ حاش للہ ذکرِ خدا ورسول نہ کسی وقت منع ہے۔ اُم المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: **كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ.** (صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب ذکراللّٰہ تعالٰی فی حال الجنابۃ وغیرھا، الحدیث:۸۲۶، ص۷۳۷) **رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوُدَوَالتِّرْمِذِىُّ وَابْنُ مَاجَةَوَعَلَّقَهُ الْبُخَارِى.** (ترجمہ: رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہر ایک وقت خدا کا ذکر کیا کرتے۔ اسے مسلم، احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے روایت کیا اور بخاری نے تعلیقاً روایت کیا۔رحمہم اللہ تعالیٰ)۔نہ کوئی چیز اِس (یعنی ذکرِ خدا ورسول) سے بہتر، **قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ** (پ۲۱، العنکبوت:۴۵) (ترجمہ: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا۔) اَب کہ زمانہ مُنْقَلِب (یعنی تبدیل) ہوا، لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اور قبروں پر بیٹھ کر لَغْوِیَات وفُضُوْلِیَات اور دنیوی تذکروں بلکہ خندہ ولَہو (یعنی ہنسی مذاق) میں مشغول ہوتے ہیں تو انھیں ذکرِ خدا ورسول جَلَّ وَعَلَا وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم کی طرف مشغول کرنا عین صواب (یعنی بالکل درست) وکارِثواب (یعنی ثواب کا کام) ہے۔'' پھر چند سطریں بعد ارشاد فرماتے ہیں: ''اور عوام کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ایسے ذکر سے منع کرنا جو شرعاً گناہ نہ ہو محض بدخواہی عام مسلمین (یعنی مسلمانوں سے عداوت ودشمنی) ہے اور اس کا مرتکب نہ ہوگا مگر مُتَقَشِّف (مُ۔تَ۔قَش۔شِف) کہ مقاصدِ شرع سے جاہل وناواقف ہو یا مُتَصَلِّف (مُ۔تَ۔صَل۔لِف) کہ مسلمانوں میں اختلاف ڈال کر اپنی رفعت وشہرت چاہتا ہو، بلکہ ائمۂ ناصحین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ منع کرنا اُس منکر (یعنی برائی) سے ضرور ہے جو بالاجماع حرام ہو، بلکہ تصریحیں فرمائیں کہ عوام اگر کسی طرح یادِ خدا میں مشغول ہوں ہرگز منع نہ کئے جائیں۔'' اس کے بعد سیدی اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحْمَۃُ رَبِّ الْعِزَّت نے ''اَلْحَدِيْقَةُ النَّدِيَّةُ شَرْحُ الطَّرِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّة، جلد۲، صفحہ ۴۰۸۔۴۰۹'' سے اس مسئلہ پر فقہائے کرام ومشائخ عظام رحمہم اللہ السلام کی تصریحات پر مشتمل ایک طویل عبارت نقل فرمائی ہے، عبارت نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: ''اس کلام جمیل امامِ جمیل (یعنی سیدی عبدالغنی نابلسی) رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلاصۂ اِرشادات چند افادات:

اخلاق و عادت میں بدعت کی مثال:

مذکورہ بدعات کی طرح اخلاق میں بھی بدعت کا یہی معاملہ ہے جیسے لوگوں نے عادت بنالی ہے کہ وہ ہر معاملے میں ایک دوسرے کی پیروی کرتے ہیں یعنی جو عمل ایک کرتا ہے دوسرا بھی وہی کرتا ہے۔ جیسا کہ تم نے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ ''اے لوگو! تم لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ (یعنی جو زمانے والے کر رہے ہیں تم بھی وہی کرو)۔'' پس جب عادت میں یہ بدعت ظاہر ہوگئی تو اس کے سبب حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ

﴿۱﴾ سلف صالح کی حالت جنازہ میں یہ ہوتی کہ ناواقف کو نہ معلوم ہوتا کہ ان میں اہلِ میّت (یعنی میّت کے گھر والا) کون ہے اور باقی ہمراہ کون، سب ایک سے مَغْمُوم ومحزون (یعنی غمگین) نظر آتے، اور اب حال یہ ہے کہ جنازے میں دنیاوی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں، موت سے اُنھیں کوئی عبرت نہیں ہوتی، اُن کے دل اس سے غافل ہیں کہ میّت پر کیا گزری، فرماتے ہیں: بلکہ مَیں نے لوگوں کو ہنستے دیکھا، تو ایسی حالت میں ذکرِ جہر کرنا اور تعظیمِ خدا اور سول جَلَّ جَلَالُہٗ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم بلند آواز سے پڑھنا عین نصیحت ہے کہ ان کے دلوں کے زنگ چھوٹیں اور غفلت سے بیدار ہوں۔

﴿۲﴾ نیز اِس سے میّت کو تلقینِ ذکر کا فائدہ ہے کہ وہ سن سن کر سوالاتِ نکیرین کے جواب کے لئے تیار ہو۔

﴿۳﴾ سیّدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ شارع عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کی طرف سے مسلمانوں کو ذکر خدا اور سول جَلَّ وَعَلَا وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم کا اذنِ عام ہے تو جب تک کسی خاص صورت کی ممانعت میں کوئی نص یا اجماع نہ ہو انکار کیا مناسب ہے؟

﴿۴﴾ نیز انہی امام عارف نے فرمایا: الٰہی جو اِس سے منع کرے اس کا دل کس قدر سخت اندھا ہے، جنازے کے ساتھ ذکرِ خدا اور سول جَلَّ وَعَلَا وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم کے بند کرنے کی تو یہ کوشش اور بھنگ بکتی دیکھیں تو اُس سے اِتنا نہ کہیں کہ ''یہ تجھ پر حرام ہے۔'' فرماتے ہیں: ''بلکہ میں نے انہی میں ایک کو دیکھا کہ اِس (یعنی ذکرِ خدا اور سول جَلَّ وَعَلَا وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) سے تو منع کرتا اور خود اپنی پیش نمازی (یعنی امامت) کی تنخواہ بھنگ فروش کے حرام مال سے لیتا۔''

﴿۵﴾ امام عارف باللہ سیّدی شعرانی قُدِّسَ سِرُّہُ الرَّبَّانِی فرماتے ہیں: اکابر کرام (رحمہم اللہ السلام) کے یہاں عہد ہے کہ جو اچھی بات مسلمانوں نے نئی نکالی ہو اس سے منع نہ کریں گے خصوصاً جب وہ اللہ و رسول عَزَّ جَلَالُہٗ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم سے تعلق رکھتی ہو، جیسے جنازے کے ساتھ قرآن مجید یا کلمہ شریف یا اور ذکرِ خدا اور سول کرنا جَلَّ وَعَلَا وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم۔

﴿۶﴾ نیز امام ممدوح فرماتے ہیں: ''جو اسے ناجائز کہے اسے شریعت کی سمجھ نہیں۔''

﴿۷﴾ نیز فرماتے ہیں: ''ہر وہ بات کہ زمانِ برکت توامان حضور پُرنور سیّد عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم میں نہ تھی مَذْمُوم نہیں ہوتی، ورنہ اس کا دروازہ کھلے تو ائمۂ مجتہدین نے جتنی نیک باتیں نکالیں اُن کے وہ سب اقوال مردود ہو جائیں۔''

﴿۸﴾ فرماتے ہیں: ''بلکہ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم نے اپنے اس ارشاد کہ (جو شخص دینِ اسلام میں نیک بات نکالے اسے اس کا اجر ملے اور قیامت تک جتنے لوگ اس نیک بات کو بجالائیں سب کا ثواب اس ایجاد کنندہ (یعنی ایجاد کرنے والے) کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے) علمائے امت کے......

وسلَّم، حضرات صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ ھُدیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اتباع و پیری کی سنت جاتی رہی۔ اب لوگوں کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ وہ دین اور دنیا کے معاملات میں ایک دوسرے کے طور طریقوں کے بارے میں تو مباحثے کرتے ہیں تاکہ ان کی پیروی میں اُن طور طریقوں پر عمل کیا جائے مگر انہوں نے حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت اور صحابہ کرام وصالحین عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت کے بارے میں بات کرنا چھوڑ دیا حالانکہ سنتِ نبوی اور سیرتِ صالحین پر گفتگو ہونی چاہیے تاکہ اس کو مشعلِ راہ بنا کر زندگی گزاری جائے[1] اور اسی طرح عادت وعبادت میں پیدا ہونے والی تمام بدعات کا معاملہ ہے، البتہ! بعض بدعات عادیہ کہ جب ظاہر ہوئیں تو ان کی مثل تمام سنتیں بھلادی گئیں اور ان کی علامات مکمل طور پر مٹ گئیں۔ حتی کہ حالت یہ ہوگئی کہ اگر کسی جاہل کے سامنے سنتوں پر عمل کیا جائے تو وہ انہیں سنتیں ہی نہیں سمجھتا بلکہ بدعات کہتا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا شیخ عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے "الجامع الصغیر" کی شرح میں کسی دانا

...... لئے اس کا دروازہ کھول دیا ہے کہ نیک طریقے ایجاد کر کے جاری کریں اور انھیں شریعت محمدیہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم سے ملحق کریں یعنی جب حضورِ انور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم نے یہ عام اجازت فرمائی ہے تو جو نیک نئی بات نئی پیدا ہوگئی وہ نئی (بات) نئی نہیں بلکہ حضور (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم) کے اِس اذنِ عام سے حضور ہی کی شریعت ہے صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم۔

﴿۹﴾ فرماتے ہیں کہ "شرعِ مُطَہَّر میں اس سے ممانعت نہ آنا ہی اس کے جواز (یعنی جائز ہونے) کی دلیل ہے۔ اگر جنازے کے ساتھ ذکرِ الٰہی منع ہوتا تو کم از کم ایک حدیث تو اس کی ممانعت میں آتی، جیسے رُکوع میں قرآن مجید پڑھنا منع ہے، تو اس کی ممانعت کی حدیث موجود ہے، تو جس چیز سے نبی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم نے سُکُوت فرمایا (یعنی جس کے بارے میں کچھ بیان نہ فرمایا) وہ کبھی ہمارے زمانے میں منع نہیں ہوسکتی۔"

﴿۱۰﴾ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر جنازے کے تمام ہمراہی (یعنی ساتھ چلنے والے) بلند آواز سے کلمہ طیبہ وغیرہا ذکرِ خدا اور رسول عَزَّوَعَلا وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم کرتے چلیں تو کچھ اعتراض نہیں بلکہ اس کا کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔" (فتاوٰی رضویۃ، باب الجنائز، ج۹، ص ۱۴۰ تا ۱۴۷، ملخصًا)

(معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے حمد ونعت خوانی جائز بلکہ افضل ومستحب ہے)

...... سنتوں کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کے لئے شیخ طریقت، امیرِ اہلسنت، بانیٔ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مولانا ابو بلال **محمد الیاس عطّارؔ قادری رَضَوی** دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَۃ کی شہرۂ آفاق تصنیف **"فیضانِ سُنَّت"** کا مطالعہ کیجئے نیز دعوتِ اسلامی کے سنتوں کی تربیت کے لئے سفر کرنے والے 12 ماہ، 30 دن اور 3 دن کے مَدَنی قافلوں میں سفر کو اپنا معمول بنالیجئے۔ اِنْ شَآءَ اللہُ عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے پابندِ سنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی حفاظت کے لئے کڑھنے کا ذہن بنے گا اور حضرات صحابہ کرام اور بزرگانِ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت کے بارے میں جاننے کے لئے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ کتب (۱) اللہ والوں کی باتیں۔ (۲) صحابہ کرام کا عشقِ رسول اور (۳۔۴) عُیُوْنُ الْحِکَایَات (مترجم) حصہ اول ودوم۔ وغیرہ کا مطالعہ بے حد مفید رہے گا۔

کا یہ قول نقل فرمایا کہ ''جو کام ہمارے زمانے میں اچھے سمجھے جاتے ہیں وہ گزشتہ زمانے میں بُرے سمجھے جاتے تھے اور جو کام ہمارے زمانے میں بُرے سمجھے جاتے ہیں وہ آئندہ زمانے میں اچھے سمجھے جائیں گے۔''[1]

پانی پر چلنے والا نوجوان:

ہر آنے والا زمانہ گزرے ہوئے زمانے سے زیادہ برا ہوتا ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا شیخ محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٣٨ھ) کی کتاب ''رُوْحُ الْقُدُس'' میں حضرت سیِّدُنا ابو حامد علیہ رحمۃ اللہ الواحد وغیرہ سے نیز حضرت سیِّدُنا ابو مغیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف ''کِتَابُ الْمُنْقَطِعِیْن'' سے حضرت سیِّدُنا ابنِ مہلب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ حکایت منقول ہے: وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں ایک بار ساحل سے گزرا تو دیکھا کہ ایک نوجوان نے اپنے لئے ریت میں گڑھا کھود رکھا تھا، میں نے اُس سے وجہ پوچھی تو اس نے ایک آہ بھری اور اپنے زمانے والوں کی مذمت کرتے ہوئے کہنے لگا: ''راستے سخت ودشوار گزار ہوگئے اور ان پر چلنے والے کم ہوگئے۔ لوگوں نے رُخصتوں (یعنی سہولتوں) کو اپنالیا اور لغزشوں میں مبتلا ہوگئے اور اپنے لئے اگلوں کی لغزشوں کو دلیل بنالیا۔'' پھر اس نوجوان نے اسی طرح کی مزید باتیں کیں اور اٹھ کھڑا ہوا اور پانی پر چلتے ہوئے میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

چوتھی حدیث شریف:

﴿4﴾...... حضرت سیِّدُنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: حضورنبی کریم، رء وف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر بدعتی سے توبہ کو روک دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ بدعت کو چھوڑ دے۔''[2]

توبہ کرنے کا معنیٰ:

اس حدیث شریف میں توبہ کا ذکر ہے۔ لغت کی کتاب ''اَلْقَامُوْس'' میں ہے: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف توبہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ ''بندہ گناہ سے باز آجائے'' اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے توبہ قبول فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کو توبہ کی توفیق بخشتا ہے یا وہ اسے سختی سے نرمی کی طرف لے آتا ہے یا اپنے فضل اور قبولیت کے ساتھ بندے کی طرف

---

1 ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ٢٥٤٢، ج٢، ص٧٠٥۔

2 ......المعجم الاوسط، الحدیث: ٤٢٠٢، ج٣، ص١٦٥۔

الترغیب الترہیب، المقدمۃ، الترہیب من ترک......الخ، الحدیث: ٨٧، ج١، ٥٨۔

توجہ فرماتا ہے۔'' اور وہ اپنے بندوں کی بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی:

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں فرمایا کہ ''بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر بدعتی سے توبہ کو روک دیتا ہے'' یہاں توبہ کو روک دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں دیتا یا اپنے فضل اور قبولیت کے ساتھ توجہ نہیں فرماتا یا معنی یہ ہے کہ بدعتی جب بھی توبہ کا ارادہ کرتا ہے اس کے لئے توبہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔''

توبہ کی شرائط:

''رِیَاضُ الصَّالِحِین'' میں ہے، علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں: ''ہر گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اگر گناہ صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ اور بندے کے درمیان ہے، کسی اور بندے کے حق سے اس کا تعلق نہیں تو اس سے توبہ کی تین شرائط ہیں: (۱) گناہ کرنے سے باز رہے (۲) گناہ پر شرمندہ ہو اور (۳) آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔ اگر تین میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو اس کی توبہ صحیح نہ ہوگی اور اگر اس گناہ کا تعلق کسی بندے کے حق سے ہو تو اس سے توبہ کی چار شرائط ہیں: تین یہی جو بیان ہوئیں اور چوتھی (۴) بندے کا جو حق تھا وہ ادا کرے۔ پھر اگر مال وغیرہ لیا تھا تو واپس کرے۔ اگر حدِ قذف کا معاملہ تھا (یعنی اس پر تہمت وغیرہ لگائی تھی) تو خود کو پیش کرے یا اس سے معافی طلب کرے اور اگر غیبت کی تھی تو اس کی بھی معافی مانگے۔''[1]

بدعتی سے توبہ چھپی رہتی ہے:

''طریقہ محمدیہ'' میں بیان کردہ چوتھی حدیث شریف میں جس بدعت کا ذکر ہے وہ خواہ اعتقادی ہو یا عادی، فعلی ہو یا قولی۔ یہ سب کو شامل ہے۔ پھر یہ حکم اس بدعتی کا ہے جس نے صرف ایک بدعت اپنا رکھی ہو تو پھر ایک سے زائد بدعات کو اپنانے والے کا حکم کس قدر سخت ہوگا اور حدیث شریف میں وارد اس حکم (یعنی بدعتی سے توبہ کو روک دینے) کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بدعت پر ثواب کی امید رکھتا ہے تو کیونکر اس سے توبہ کرے گا۔ لہٰذا جب بھی وہ اپنی بدعت سے توبہ کرنا چاہے گا اس کا نفس اسے توبہ سے روکے گا۔ پس توبہ کے چھپ جانے کے سبب بدعتی کو بدعت سے توبہ کا ارادہ بھی

[1] ......ریاض الصالحین للنووی، باب التوبة، ص ٥.

میسر نہیں آتا۔ یہاں مطلق توبہ کا بھی احتمال ہے کہ بدعت اوراس کے علاوہ دیگر گناہوں سے توبہ نہیں کر پائے گا۔ صرف اپنی بدعت سے توبہ نہ کر سکنا مراد ہوتو یہ بات واضح ہے کیونکہ توبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ فوراً گناہ کو چھوڑ دے اوراس سے مکمل طور پر دوری اختیار کرے جیسا کہ ہم نے ماقبل بیان کر دیا ہے۔ پس بدعتی سے توبہ چھپی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی بدعت کو ترک کر دے اور جہاں تک مطلق توبہ کا تعلق ہے تو آگے آنے والی حدیث شریف اس کی تائید کرتی ہے۔ (یعنی بدعتی نہ بدعت سے توبہ کر پاتا ہے نہ دیگر گناہوں سے) شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ بدعت کی قباحت اور نحوست زیادہ ہے یا اس سے مراد کفریہ بدعت ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے دیگر گناہوں سے توبہ ہی نہیں کیونکہ ایک گناہ پر اصرار کے باوجود دوسرے گناہ سے توبہ صحیح ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٧٦ھ) ''رِیَاضُ الصَّالِحِیْن'' میں ارشاد فرماتے ہیں: ''تمام گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اگر وہ بعض گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اہلِ حق کے نزدیک توبہ صحیح ہے اور باقی گناہوں سے توبہ اس کے ذمہ باقی ہے۔''[1]

پانچویں حدیث شریف:

﴿5﴾......حضرت سیِّدُنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ بدعتی کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ اپنی بدعت سے باز آجائے۔''[2]

بدعتی کا عمل قبول نہیں ہوتا:

بدعتی کا عمل قبول نہ کئے جانے کی وجہ بدعت کا بہت زیادہ قباحت والا ہونا ہے کیونکہ یہ نفسِ اَمارہ کا ایجاد کردہ کام اور غافل دل پر مسلط شیطان کا حکم ہے اور بدعتی سے مراد وہ ہے جو کسی اعتقادی، اخلاقی، قولی یا فعلی بدعت کا عملی طور پر بار بار ارتکاب کرے اور یہ صرف ایک بدعتِ غیر کفریہ کا حکم ہے تو زیادہ بدعات کا حکم کس قدر سخت ہوگا اور یہ اس لئے کہ بدعتی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ''یہ ایک عبادت ہے جس پر ثواب ملے گا۔'' اور بدعتی کا عمل جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ قبول نہیں

[1] ......ریاض الصالحین للنووی، باب التوبة، ص٥.

[2] ......سنن ابن ماجه، کتاب السنة، باب اجتناب البدع والجدل، الحدیث: ٥٠، ص٢٤٨٠.

فرماتا وہ کبھی اعتقاد یا عادت یا قول یا فعل ہوتا ہے نیز کبھی وہ ایسا عمل ہوتا ہے جو اپنی شرائط کے لحاظ سے درست ہوتا ہے لیکن بدعت کی نحوست اور عمل کی قباحت اسے خراب کر دیتے ہیں اور یوں وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں قبولیت کے درجے پر فائز نہیں ہوتا اور عمل قبول نہ ہونے کا یہ سلسلہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک بدعتی اس بدعت کا ارتکاب کرتا رہتا ہے اور جب تک اس فعل پر مصر رہتا ہے۔

بدعت سے باز آنے کا مطلب:

مذکورہ حدیث شریف میں یہ بھی بیان ہوا کہ بدعتی کا عمل اس وقت قبول ہوگا جب وہ بدعت سے باز آئے گا اور بدعت سے باز آنے یعنی اسے چھوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے چھوڑے، یوں کہ اس سے ڈرتے ہوئے یا ثواب کی امید کرتے ہوئے یا پھر اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے بدعت کو چھوڑے نہ کہ لوگوں کے ڈر سے، نہ اس وجہ سے کہ اس فعل پر قدرت نہیں پاتا اور نہ یہ ہو کہ اپنی نیک نامی اور پارسائی کی حفاظت کی غرض سے بدعت سے بچتا ہے کہ کہیں لوگوں کی نظروں سے گر نہ جائے اور اس کا احترام کم یا ختم ہو جائے۔ لہٰذا لوگوں کی وجہ سے بدعت سے باز رہنا یہ بندوں سے ڈرنا ہے نہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنا اور بندوں سے ڈرنا، باطن (اور تنہائی) میں گناہوں پر اصرار سے رکاوٹ نہیں بنتا اور ایسا شخص اَز رُوئے باطن صرف بندوں کے نزدیک عابد (یعنی عبادت گزار) ہے اگرچہ ظاہر میں خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عابد گمان کرتا ہو۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْ ۗ (پ۲، البقرۃ: ۱۵۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

﴿۲﴾

یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ؕ (پ۵، النساء: ۱۰۸)

ترجمۂ کنزالایمان: آدمیوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ ان کے پاس ہے جب دل میں وہ بات تجویز کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے۔

چھٹی حدیث شریف:

﴿6﴾...... حضرت سیِّدُنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی

اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ بدعتی شخص کا نہ روزہ قبول فرماتا ہے، نہ حج وعمرہ، نہ جہاد اور نہ ہی فرض اور نفل اور وہ (ظاہر) اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔'' [1]

ہر صحیح عمل قبول نہیں ہوتا:

اس حدیثِ پاک میں بیان ہوا کہ بدعتی کا روزہ، حج وعمرہ، جہاد اور فرض ونفل قبول نہیں کیا جاتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شریعتِ محمدی (عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کے تقاضے کے مطابق بدعتی کا عمل صحیح ہو پھر بھی قبول نہیں کیا جاتا کیونکہ ہر صحیح عمل قبول نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ (پ٦، المائدۃ: ٢٧) ترجمۂ کنز الایمان: کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔'' اور مسلمانوں میں غیر متقی لوگ بھی شامل ہیں اگرچہ ان کا عمل صحیح ہو پھر بھی قبول نہیں۔

عمل قبول ہونے کا مطلب:

عمل کا قبول ہونا یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک وہ عمل بلند رتبہ ہو...... اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہو مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر پوری جزا عطا فرمائے...... ملائکہ اس عمل پر فخر کریں...... اور دنیا میں اس عمل کے سبب درجات بلند کئے جاتے ہیں یوں کہ بندہ کشف اور قُربِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے مقامات کو پالیتا ہے اور آخرت میں اَبدی (یعنی ہمیشہ رہنے والی) نعمتوں کے گھر (یعنی جنت) میں دیدارِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

عدمِ قبولیت میں نماز وزکوٰۃ بھی داخل ہیں:

مذکورہ حدیث پاک میں فرمایا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ بدعتی کا روزہ قبول نہیں فرماتا'' اس میں فرض ونفل ہر طرح کے روزے داخل ہیں اور یہاں نماز کو ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بدعتی کی نماز کا قبول نہ ہونا بدرجہ اولیٰ سمجھ آتا ہے اس لحاظ سے کہ وہ روزے سے بڑھ کر ہے اور یہی معاملہ زکوٰۃ کا ہے کہ وہ نماز کے تابع ہے اور نماز وزکوٰۃ دونوں ایمان کے تابع ہیں۔ نیز بدعتی کا حج وعمرہ بھی قبول نہیں ہوتا اگرچہ اس نے ان دونوں کو سنت کے مطابق ادا کیا ہو۔ وہ صحیح اور مکمل تو ہے مگر مقبول نہیں۔

[1] ......سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب اجتناب البدع والجدل، الحدیث:٤٩، ص ٢٤٨٠.

”صَرْف“اور”عَدْل“ کے معانی:

”طریقہ محمدیہ“ میں مذکور چھٹی حدیث شریف کے عربی متن کے آخر میں فرمایا ”وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ بدعتی کا فرض اور نفل قبول نہیں فرماتا“ شارحین اور اہل لغت نے ”صَرْف“ اور ”عَدْل“ کے کئی معانی بیان فرمائے ہیں:

(۱)......”صَرْف“ سے مراد گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا یعنی توبہ کرنا اور ”عَدْل“ سے مراد کسی معاملہ میں استقامت اپنانا یا اس سے مراد ظلم کی ضد ہے۔ امام جوہری کہتے ہیں: ”صَرْف“ سے مراد توبہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: لَا یُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔

(۲)...... یونس بیان کرتے ہیں: ”صَرْف“ سے مراد ”حیلہ“ ہے اور اسی سے عربوں کا یہ قول کہ ”اِنَّهٗ لَیَتَصَرَّفُ فِی الْاُمُوْر“ یعنی وہ کاموں میں حیلہ کرتا ہے اور یہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی اسی قبیل سے ہے:

فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ (پ۱۸، الفرقان:۱۹)　ترجمۂ کنزالایمان: تو اب تم نہ عذاب پھیر سکو نہ اپنی مدد کر سکو۔

(۳)......قاموس میں بیان کیا کہ حدیثِ پاک میں مذکور لفظ ”صَرْف“ سے مراد توبہ ہے اور ”عَدْل“ سے مراد فدیہ یا ”صَرْف“ سے مراد نفل اور ”عَدْل“ سے مراد فرض ہے۔ یا پھر اس کا برعکس ہے (یعنی ”عَدْل“ سے نفل اور ”صَرْف“ سے فرض مراد ہے) یا ”صَرْف“ سے مراد وزن اور ”عَدْل“ سے مراد ناپ ہے یا ”صَرْف“ سے مراد جد وجہد اور ”عَدْل“ سے مراد جزا یا حیلہ ہے۔

نفس پر گراں چار عبادتیں:

تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بدعتی کا کوئی بھی نیک عمل مطلقاً قبول نہیں فرماتا اگرچہ اس نے شریعت کی مقرر کردہ شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے وہ اعمال صحیح ادا کئے ہوں اور اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک وہ اس بدعت پر مُصِر یعنی ڈٹا رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے توبہ کر لے۔ نیز حدیثِ پاک میں فقط روزہ، حج وعمرہ اور جہاد یعنی صرف چار اعمال کی صراحت کی گئی ہے پھر فرض ونفل کو عام بیان کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ خصوصیت کے ساتھ ذکر کی جانے والی یہ چار عبادات نفس پر دیگر عبادات کے مقابلے میں زیادہ گراں اور سخت ہیں...... روزہ میں نفس کو پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت سے روکنے کی مشقت ہے......، حج وعمرہ میں قوت اور مال خرچ کر کے نفس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں

تھکانے اور جماع، خوشبو، سلا ہوا کپڑا پہننے، خشکی کے جانور کو مارنے اور ان جیسے دیگر کاموں کی خواہشات سے روکنے کی مشقت ہے......اور جہاد میں جان و مال کو خطرے میں ڈالنے کے اعتبار سے ان سب سے بڑھ کر مشقت ہے۔ پس اسی لئے ان چار کی صراحت فرمائی تاکہ معلوم ہوجائے کہ بدعت پر اصرار کے سبب جب نفس پر انتہائی گراں اور سخت ودشوار اعمال بھی قبول نہیں ہوتے تو وہ اعمال جن میں ان چار کی نسبت مشقت کم ہے وہ کیسے قبول ہو سکتے ہیں۔

بدعتی کے اِسلام سے نکل جانے کا مطلب:

''طریقہ محمدیہ''میں مذکور حدیثِ پاک میں بدعتی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ''وہ اسلام سے نکل جاتا ہے''اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فقط ظاہر اسلام سے نکل جاتا ہے اور ظاہر اسلام سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کی پیروی وفرماں برداری کرنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔یعنی بدعتی حکمِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کی پیروی سے نکل جاتا ہے جیسا کہ نفس وشیطان کی اطاعت کرکے گناہ گار لوگ حکمِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کی پیروی وفرمانبرداری سے نکل جاتے ہیں، البتہ گناہ گار اس فعل کے قبیح اور گناہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور یہی چیز گناہ گار اور بدعتی کے درمیان فرق کرتی ہے کیونکہ بدعتی اپنی بدعت کے عبادت ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور ہمارے بیان کردہ معنی پر اسلام کے اطلاق کے درست ہونے کی دلیل درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّاؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْؕ (پ۲۶،الحجرات:۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: گنوار بولے ہم ایمان لائے تم فرماؤ تم ایمان تو نہ لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا۔

ایمان واسلام کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس حصۂ آیت ''قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا یعنی تم فرماؤ تم ایمان تو نہ لائے۔'' کے تحت فرماتے ہیں:''کیونکہ ایمان اس تصدیق کو کہتے ہیں جو پختہ یقین اور اطمینانِ قلب کے ساتھ ہو اور اسلام، پیروی کرنے، فرمانبرداری میں داخل ہونے، گواہی کے اظہار کرنے اور نافرمانی کے ترک کرنے کا نام ہے۔''(1)

......تفسیر البیضاوی، پ۲۶، الحجرات، تحت الآیة:۱۴، ج۵، ص۲۲۰.

ایک سوال اوراس کا جواب:

حضرت سیّدُ ناامام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں: اگر تم یہ سوال کرو کہ جب اہلسنّت کے نزدیک ''مومن'' اور ''مسلم'' سے مراد ایک ہی ہے تو اس قول کے ہوتے ہوئے بیان کردہ آیت کا مفہوم کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟'' تو مَیں (یعنی امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ عام اور خاص میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے ایمان صرف تصدیقِ قلبی ہی سے حاصل ہوتا ہے جبکہ اِنْقِیَاد (یعنی اطاعت وپیروی جو اسلام کا مفہوم ہے) کبھی دل سے اور کبھی زبان سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''اسلام'' عام ہے اور ''ایمان'' خاص ہے، البتہ! وہ عام جو خاص کی صورت میں ہو وہ ''خاص'' کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور اس کا غیر نہیں ہوتا۔ پس عام اور خاص عموم میں تو جدا ہیں لیکن وجود میں اکٹھے ہیں اور یہی معاملہ ''مومن'' اور ''مسلم'' کا ہے۔''[1]

اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے جو غیر کفری بدعت کے مرتکب سے کبھی جدا نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا جبکہ اسلام کی دو صورتیں ہیں:

(۱)......اَلْاِسْلَامُ بِالْقَلْب: اس کا مطلب دل سے حکمِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کو ماننا اور پیروی کرنا ہے اور یہ بھی غیر کفری بدعت کے مرتکب سے جدا نہیں ہوتا، اس سے واضح ہوا کہ غیر کفری بدعت کا مرتکب مومن ومسلم ہوتا ہے کیونکہ اہلسنّت کے نزدیک ''ایمان'' اور ''اسلام'' ایک ہی ہیں۔

(۲)......اَلْاِسْلَامُ بِظَاهِرِ اللِّسَانِ وَالْجَوَارِح: اس کا مطلب زبان اور ظاہری اعضا سے پیروی کرنا ہے اور یہی وہ اسلام ہے جو غیر کفری بدعت کے مرتکب سے جدا ہو جاتا ہے جبکہ اصلِ ایمان واسلام اس کے دل میں موجود ہوتا ہے۔

آٹے سے بال نکل جاتا ہے:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور چھٹی حدیث شریف میں بدعتی کے ظاہر اسلام سے نکل جانے کی مثال دی گئی کہ ''وہ (ظاہر) اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔'' یہ مثال، دین میں بدعت ایجاد کرنے والے

[1]......تفسير الخازن، پ٢٦، الحجرات، تحت الآية:١٤، ج٤، ص ١٧٣.

کی زجر و توبیخ کے لئے بیان کی گئی ہے اور اس لئے کہ جس صِفَت یعنی اظہارِ تسلیم اور زبان و اعضا سے حکمِ الٰہی کی پیروی سے وہ پہلے متصف تھا اس سے بالکل جدا ہوگیا کیونکہ جب بال کو آٹے سے کھینچا جائے جبکہ آٹے میں سے کوئی شے اس کے ساتھ نہ چمٹی ہو تو وہ اس حال میں نکلتا ہے کہ اس پر آٹے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

دو سوال اور ان کے جواب:

پہلا سوال: دین میں غیر کفری بدعت کا مرتکب کیسے ظاہری اِسلام سے نکل جاتا ہے حالانکہ وہ روزہ، حج، عمرہ اور جہاد کی ادائیگی تو کر رہا ہوتا ہے؟

جواب: دین میں اپنی بدعت پر مصر شخص جب بدعت پر عمل کرتا ہے اور لامحالہ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ثواب کی اُمید بھی رکھتا ہے تو ظاہری طور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے نکل جاتا ہے کہ جس نے اُسے روزہ، حج، عمرہ اور جہاد کا پابند بنایا ہے اور یہ نکلنا اس بدعت کے ارتکاب کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے، اس حیثیت سے کہ وہ بدعت پر ہمیشگی اختیار کر کے نفس و شیطان کے حکم کے تحت داخل ہو جاتا ہے کہ ان دونوں نے ہی اُسے اِس بدعت پر لگایا ہے۔

دوسرا سوال: تمام گناہ اور نافرمانیاں بدعت ہیں تو کیا ان میں سے کسی بات کا مرتکب گناہگار ہونے کے ساتھ بدعتی بھی ہے اور کیا اس گناہ و معصیت پر اصرار کرنے کے زمانے میں اس کا عمل بھی قبول نہ ہوگا؟

جواب: گناہ کا مرتکب، بدعتی نہیں ہوتا نیز دین میں گناہ و نافرمانی، بدعت نہیں بلکہ دین میں بدعت، گناہ و نافرمانی ہے اور کسی بات کو دین میں بدعت قرار دینے کے لئے وہی شرط ہے جو ہم ماقبل میں بیان کر چکے ہیں کہ بدعتی اس کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی فرمانبرداری چاہے اور اس میں اس کی اطاعت سمجھے پس اس پر عمل کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اجر و ثواب کا ارادہ رکھے۔ جبکہ گناہوں اور نافرمانیوں کا مرتکب ان کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت نہیں کرتا اور نہ ان پر عمل کر کے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اجر و ثواب کا طالب ہوتا۔ ورنہ گناہ و نافرمانی کو حلال سمجھ کر کرنا تو کفر ہے۔ بلکہ شہوت و نفسانی خواہش اسے گناہ کرنے پر اُبھارتی ہے اور یہ دین میں بدعت نہیں اور نہ ہی اس کا مرتکب بدعتی ہے کہ اس کا عمل ہی قبول نہ ہو۔ بلکہ اگر وہ دین میں بدعت سے محفوظ ہے تو اس کا عمل قبول ہوگا اور ارتکابِ گناہ، عمل قبول ہونے سے رکاوٹ نہیں بنے گا۔

بدعت کے ''گمراہی ہونے'' پر دو احادیث مبارکہ:

(یہاں صاحب طریقہ محمدیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ماقبل بیان کردہ دو احادیث مبارکہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ ''حضرت سیِّدُنا عرباض بن ساریہ اور حضرت سیِّدُنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث بیان ہوچکی ہیں۔'' تو سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے ان احادیث مبارکہ کا بعض حصہ دوبارہ نقل فرمایا ہے تاکہ مابعد گفتگو سمجھنے میں آسانی ہو)

(۱)......فرمانِ مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم: ''تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ کثیر اختلافات دیکھے گا تو تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ، رہنمائی کرنے والے خلفا کی پیروی لازم ہے، پس سنت کا دامن مضبوطی سے تھام لینا اس طرح کہ جیسے کوئی چیز داڑھوں سے پکڑتے ہو اور خود کو نئے پیدا ہونے والے کاموں سے بچا کر رکھنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔''[1]

(۲)......فرمانِ مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم: ''سب سے اچھا کلام قرآنِ مجید ہے، سب سے اچھی ہدایت محمد (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) کی ہدایت ہے اور سب سے بُرے کام نئے پیدا ہونے والے کام ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''[2]

ان دونوں احادیث مبارکہ پر ہماری گفتگو ماقبل گزر چکی ہے پھر یہ کہ جب یہ دونوں فرامین مبارکہ اس بات پر مشتمل ہیں کہ '' **کُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَۃٌ وَ کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ** یعنی ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' تو یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔

﴿سوال اور جواب، بدعت کی اقسام بیان کر کے ذکر کیا جائے گا۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ﴾

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

[1] ......سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، الحدیث:٤٦٠٧، ص١٥٦١.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، الحدیث: ٢٠٠٥، ص٨١٣۔
سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، الحدیث: ٤٦٠٧، ص ١٥٦١.

بدعت کی اقسام

بدعت کی تین قسمیں:

فقہائے کرام ارشاد فرماتے ہیں: ''بدعت کبھی مُبَاح (یعنی جائز)، کبھی مستحب بلکہ کبھی واجب بھی ہوتی ہے۔

(1)......مُبَاح بدعت:

مُبَاح بدعت وہ ہے جس کے کرنے پر ثواب ہو نہ ہی چھوڑنے پر سزا ہو جیسے (۱) چھلنی کا استعمال ......ہمارے اسلاف کرام رحمہم اللہ السلام چھنے ہوئے آٹے کا استعمال کثرت سے نہ کرتے بلکہ بے چھنے آٹے کی روٹی تناول فرماتے تھے اور آٹا چھان کر استعمال کرنے کی کثرت بعد والوں کا کام ہے۔ (۲) گندم کو ہمیشہ چِھلکا اُتار کر استعمال کرنا (یعنی threshed گندم کھانا)......اگرچہ ہمارے اسلاف کرام رحمہم اللہ السلام نے چِھلکا اُتار کر گندم استعمال فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے ماقبل حجۃ الاسلام حضرت سیِّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) کی کتاب ''احیاء العلوم'' کے حوالے سے اَمیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی تھی۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا اور وہ بھی مسلسل نہ ہوتا تھا۔ (۳) چِھلکا اُتری ہوئی گندم پیٹ بھر کر کھانا......''شِرْعَةُ الْاِسْلَام'' میں فرمایا کہ ''اِسلام میں پہلی بدعت پیٹ بھر کر کھانا اور یہ چھلنیاں ہیں۔ جبکہ ہمارے پیارے نبیٔ اکرم، نورِ مجسم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے کبھی چھنا ہوا آٹا اور چھلنی (یعنی چھاننے کا آلہ) ملاحظہ نہ فرمائی اور اس ''شِرْعَةُ الْاِسْلَام'' کی شرح میں بیان کیا کہ حضرت سیِّدُنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْلَاک، سیّاحِ اَفلاک صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو مبعوث فرمایا ہے، کبھی آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے چھنا ہوا آٹا اور چھلنی نہ دیکھی یہاں تک کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ظاہری وفات عطا فرمائی۔''[1]

(2)......مستحب بدعت:

مُسْتَحَب بدعت وہ ہے جس کے کرنے پر ثواب ہو اور نہ کرنے پر کوئی پکڑ نہ ہو جیسے (۱)......منارہ (مَ-نا-رَہ) بنانا......اس سے مراد وہ جگہ جو اذان دینے کے لئے بنائی جائے۔ (سیدی عبد الغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں)

---

[1]......صحیح البخاری، کتاب الاطعمة، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه یاکلون، الحدیث:٥٤١٣، ص٤٦٧.

میرے والدِ ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد اپنی کتاب ''اَلْاَحْکَام'' میں نقل فرماتے ہیں کہ سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، بِاِذْنِ پروردگار دوعالَم کے مالک ومختار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے زمانۂ اقدس میں ''منارہ'' نہیں تھا۔ البتہ! حضرت سیِّدُنا امام ابوداوٗد علیہ رحمۃ اللہ الودُوْد (متوفی ۲۷۵ھ) نے حضرت سیِّدُنا عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ بنی نجار کی ایک عورت نے بیان کیا: ''میرا گھر مسجدِ نبوی (زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا) کے گرد تمام گھروں سے بلند تھا۔ حضرت سیِّدُنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سحر کے وقت آکر اُس کی چھت پر بیٹھ جاتے اور طلوعِ فجر کا انتظار کرتے جب فجر طلوع ہوتی تو اذان کہتے۔'' اس بات کو حضرت سیِّدُنا امام ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۷۰ھ) نے ''اَلْبَحْرُ الرَّائِق شَرْحُ کَنْزِ الدَّقَائِق'' میں ذکر کیا ہے۔

منارہ پر سب سے پہلے اذان دینے والے:

''رَسَائِلُ السُّیُوْطِی'' میں ہے کہ ''شہر میں منارہ پر چڑھ کر اذان کہنے والے سب سے پہلے حضرت سیِّدُنا شرحبیل بن عامر مرادی علیہ رحمۃ اللہ الوالی تھے۔'' (1)

سیِّدُنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان کہاں دیتے تھے؟

حضرت سیِّدُنا امام ابن سعد علیہ رحمۃ اللہ الاحد (متوفی ۲۳۰ھ) اپنی سند کے ساتھ حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں: ''میرا گھر مسجد کے گرد تمام گھروں سے بلند تھا۔ حضرت سیِّدُنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے پہل اس کی چھت پر کھڑے ہوکر اذان دیا کرتے تھے یہاں تک اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مسجدِ نبوی (زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا) تعمیر فرمائی۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی چھت پر اذان دینا شروع کر دی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بلند ہونے کے لئے مسجد کی چھت پر کوئی چیز بھی رکھی گئی تھی۔'' (2)

(۲)...... مدارس قائم کرنا بھی مُستَحَب بدعت ہے...... ''اَلْقَامُوْس'' میں ہے: ''مدارس ان جگہوں کو کہتے ہیں

---

(1)......سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب الاذان فوق المنارة، الحدیث: ٥١٩، ص١٢٦٢۔
البحر الرائق شرح کنزالدقائق، کتاب الصلاة، باب الاذان، ج١، ص ٤٥٠
(2)......الطبقات الکبری لابن سعد، الرقم٤٥٥٩ النوار بنت مالك، ج٨، ص٣٠٩.

جہاں قرآنِ پاک پڑھا جاتا ہو۔'' اور یہاں مدرسہ سے مراد وہ جگہ ہے جو طلبہ کو علم دین سکھانے یا قرآن پاک کی تعلیم کے لئے بنائی جائے۔ **(٣)**...... کتابیں تصنیف کرنا...... یعنی علم دین کو پھیلانے اور سمجھانے کی غرض سے تمام علوم میں ابواب بندی اور فصول کی رعایت کرتے ہوئے کتب تصنیف کی جائیں۔ یہ بھی مُسْتَحَب بدعت ہے۔

واجب بدعت:

واجب بدعت وہ ہے جس کے کرنے پر ثواب ہو اور باوجودِ قدرت ترک کرنے والا گنہگار رہے۔ جیسے ملحدوں یعنی ''**اہلِ سنت وجماعت**'' کے راستہ سے منحرف بے دینوں مثلاً معتزلہ وفلاسفہ اور تمام گمراہ فرقوں کے شبہات کا رد کرنے کے لئے دلائل جمع کرنا، دلائل دلیل کی جمع ہے اور دلیل کہتے ہیں قطعی یا ظنی مقدمات کو جن کے ذریعے استدلال کیا جائے۔

سوال:

حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''**کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ** یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔'' جبکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ''بدعت کبھی مُبَاح (یعنی جائز)، کبھی مستحب بلکہ کبھی واجب بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث پاک اور فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کے قول میں تطبیق (یعنی مطابقت وموافقت) کیسے ہوگی؟

جواب: بدعت اس حیثیت سے کہ وہ فعل جو پہلے نہ تھا بعد میں پیدا ہوا، اس کے دو معانی ہیں:

(١)...... لُغوِی عام **(٢)**...... شرعی خاص

بدعت بمعنی لغوی عام:

(١)...... **لُغوِی عام:** جو بدعت کی تمام اقسام کو شامل ہے اور یہ مطلق ایجاد کئے گئے کام کو کہتے ہیں خواہ وہ عادت ہو یا عبادت۔ کیونکہ لفظ ''**اَلْبِدْعَۃ**'' (یعنی بدعت) ''**اَلْاِبْتِدَاع**'' سے بنایا گیا ہے جس کا معنی ہے، ایجاد کرنا اور اختراع کرنا اور ''عادت'' سے مراد وہ کام ہے جس کا کرنے والا اپنے عمل پر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بروزِ قیامت ثواب کی امید نہ رکھے بلکہ اس کا مقصد محض اپنی دنیوی غرض کا حصول ہو اور ''عبادت'' اس کے برعکس ہے کہ اس کا کرنے والا اپنے عمل پر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بروزِ قیامت ثواب کا طالب ہوتا ہے اور یہی بدعت ''**لُغوِی عام**'' ہے جس سے فقہائے کرام رحمہم اللہ

السلام نے اقسام بنائی ہیں اور وہ اس بدعت ''لُغْوِی عام'' کو یوں تعبیر کرتے ہیں: ''صدرِاوّل کے بعد مطلقاً ایجاد ہونے والا کام خواہ عبادت و دین میں ہو یا اس کے علاوہ (یعنی عادت وغیرہ) میں ہو۔''

صدرِاوّل سے مراد:

صدرِاوّل سے مراد حضور نبیٔ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک دور کے متقدمین اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ہیں۔ اس لئے کہ حضور نبیٔ اَکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ نصیحت بنیاد ہے: ''تم پر میری سنت اور میرے بعد میرے خلفائے راشدین کی پیروی لازم ہے۔''[1] اور خلفائے راشدین سے مراد امیرالمؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق، امیرالمؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم، امیرالمؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی اور امیرالمؤمنین حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ہیں۔ لہٰذا جو کام اُنہوں نے اپنے زمانے میں ایجاد کیا وہ بدعت نہیں بلکہ بدعت وہ ہے جو تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد ایجاد ہوا۔ چنانچہ،

''شِرْعَۃُ الْاِسْلَام'' میں ارشاد فرمایا: ''وہ سنت (یعنی طریقہ) جس پر عمل واجب ہے، وہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کے زمانے کی بھلائی کی گواہی (حدیث پاک میں) دی گئی ہے اور وہ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ہیں۔ لہٰذا ان کے طریقوں سے ہٹ کر جو کام ایجاد کیا جائے گا وہ مطلقاً بدعت ہوگا خواہ اس کا تعلق عبادت و دین سے ہو یا اس کے علاوہ (عادت) سے ہو۔''

بدعت بمعنی شرعی خاص:

(۲)......شرعی خاص: یہاں شرعی سے مراد شریعتِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف منسوب اور خاص سے مراد عبادت و دین کے ساتھ خاص ہونا ہے اور اس اعتبار سے بدعت کا معنی یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا مقدس زمانہ گزر جانے کے بعد دین میں زیادتی و اضافہ کرنا، خواہ وہ زیادتی مستقل ہو مثلاً کوئی ایسی عبادت ایجاد کرنا جس کے لئے کوئی اصل (یعنی اس جیسی عبادت) دین میں موجود ہو یا وہ زیادتی مستقل نہ ہو مثلاً کسی عبادت شرعیہ میں زیادتی کرنا...... یا پھر دین میں نقصان و کمی کرنا (یہ بھی بدعتِ شرعی ہے)، خواہ وہ

---

[1]......جامع الترمذی، ابواب العلم، کتاب ماجاء فی الاخذ......الخ، الحدیث: ٢٦٧٦، ص ١٩٢١.

کمی مستقل ہو مثلاً کسی عبادت شرعیہ کو ترک کرنا اور ترک کرنے والا اس ترک کرنے کو عبادت سمجھتا ہو یا وہ کمی مستقل نہ ہو مثلاً کسی عبادت شرعیہ کا بعض حصہ ترک کرنا اور ترک کرنے والا اس بعض کے ترک کو عبادت سمجھتا ہو......نیز دین میں زیادتی ونقصان کے بدعت ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس زیادتی وکمی کی، حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف سے قولاً، فعلاً، صراحتاً یا اشارتاً کسی بھی طرح اجازت ثابت نہ ہو۔ (یعنی اگر ان چار میں سے کسی طریقہ سے اجازت ہوتو دین میں کمی یا زیادتی بدعت شمار نہ ہوگی)

کمی اور زیادتی کا اختیار:

''شَرْحُ الدُّرَر'' میں ہے: کسی عمل کی اجازت ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ مذکورہ چار طریقوں (یعنی قول، فعل، صراحت اور اشارہ) میں سے کسی ایک سے بھی ثابت ہو نیز جس معاملہ میں شریعت نے کمی اور زیادتی کی اجازت دی ہے اگر اس سے احتراز پایا جائے تو یہ کمی اور زیادتی کا اختیار دینا ہے اور ایسی بات بدعت نہیں ہوتی۔ چنانچہ،

حضورِ اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جس نے رکوع میں تین بار ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' کہا اُس کا رکوع مکمل ہو گیا اور یہ ادنی مقدار ہے اور جس نے سجدوں میں تین بار ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہا اُس کے سجدے مکمل ہو گئے اور یہ کم از کم مقدار ہے۔''(1)

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیُوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''جس نے نمازِ چاشت کی دو رکعت ادا کیں وہ غافلوں میں نہ لکھا جائے گا اور جس نے چار رکعت پڑھیں وہ عابدوں میں لکھا جائے گا اور جس نے چھ رکعتیں پڑھیں وہ اسے اس دن کے لئے کافی ہو جائیں گی اور جس نے آٹھ رکعتیں ادا کیں وہ فرمانبرداروں میں لکھا جائے گا اور جس نے بارہ رکعتیں پڑھیں اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے لئے جنت میں سونے کا ایک محل تیار فرمائے گا۔''(2)

بدعت بمعنی شرعی خاص عادات کو شامل نہیں:

بدعت اس حیثیت سے کہ جب اس کا معنی شرعی خاص ہو تو وہ عادات میں سے کسی شے کو شامل نہیں ہوتی اور عادت

(1)......جامع الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود، الحدیث: ۲۶۱، ص۱۶۶۴.

(2)......السنن الصغری للبیھقی، کتاب الصلاۃ، باب الضحی، الحدیث: ۸۳۷، ج۱، ص۲۷۹.

سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے دنیاوی غرض حاصل کرنا مقصود ہو جیسے اس زمانے میں لوگ نئی نئی قسم کے ملبوسات استعمال کرتے، انواع واقسام کے کھانے کھاتے، طرح طرح کے مشروبات پیتے اور طرح طرح کی عمارتیں (بنگلے/ پلازے وغیرہ) بناتے ہیں۔ لہٰذا ان چیزوں کو شریعت میں بدعت نہیں کہا جاتا کیونکہ ان کا تعلق دین سے نہیں بلکہ دُنیا سے ہے **اور شریعت میں بدعت ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ بدعت دین میں ہو یوں کہ اس کا کرنے والا اسے عبادت کے طور پر اختیار کرے اور اس کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرے۔**

بدعت بمعنی شرعی خاص جن باتوں کو شامل ہے:

بدعت جب ''شرعی خاص'' کے معنی میں ہو تو وہ بعض اعتقادات جیسے گمراہ فرقوں اور ان کے متبعین کے عقائد اور شریعت میں وارد عبادات کی بعض صورتوں کو شامل ہوتی ہے۔ عبادات میں اس طرح کہ عبادت کی صورت میں محض ''اپنی رائے'' سے زیادتی یا کمی کردی جائے اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ زیادتی یا کمی عبادت وطاعت ہے۔

یہاں ''اپنی رائے'' کی قید اس لئے لگائی گئی تاکہ مذاہبِ اربعہ (یعنی فقہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کے فروعی اختلافات کے سبب عبادات میں ہونے والی کمی یا زیادتی بدعت سے نکل جائے۔ یعنی ائمہ اربعہ کے فروعی اختلافات، دین میں بدعت نہیں کیونکہ یہ ''اپنی رائے'' سے نہیں ہوتے بلکہ ان کی بنیاد شرعی دلائل پر ہوتی ہے۔ فروعی اختلاف کی دو مثالیں:

(۱)......سراج الامہ حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے نزدیک ''اقامت'' کے الفاظ دو دو مرتبہ کہنے کا حکم ہے جبکہ حضرت سیِّدُنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۲۰۴ھ) کے نزدیک ''اقامت'' کے الفاظ ایک مرتبہ کہنے کا حکم ہے۔ [1]

(۲)......حضرت سیِّدُنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۲۰۴ھ) کے نزدیک نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں دو سجدے، دو رکوع اور دو مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے جبکہ امام الائمہ، سراج الامہ حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے نزدیک رکوع اور سورۂ فاتحہ ایک بار ہی ادا کئے جائیں گے۔

الغرض مذکورہ یا اس جیسے اختلافات دین میں بدعت نہیں کیونکہ یہ اپنی رائے سے نہیں بلکہ شرعی دلائل سے ماخوذ ہے۔

---

1 ......فتح القدیر شرح الھدایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، ج۱، ص۲۴۷تا۲۴۸۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، ج۱، ص۴۴۶تا۴۴۸۔

محض ''رائے'' سے کی زیادتی کی مثالیں:

محض ''اپنی رائے'' سے ماخوذ دین میں زیادتی کی مثال یہ ہے کہ شرعی وضو یا شرعی غسل میں (تین بار سے) زیادہ پانی بہا کر زیادتی کی جائے۔ ایسا کرنے والا اگر اس زیادتی کو عبادت سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے اور اگر اسے ناپسندیدہ وسوسہ سمجھ کر کرتا ہے تو یہ گناہ ہے، بدعت نہیں...... یوں ہی نماز کی ابتداء میں بار بار تکبیر کہنا، قراءت اور تشہد کے ہر کلمہ کو بار بار دوہرانا، نجاست کے احتمال کی وجہ سے نئے کپڑے دھونا اور روٹی کھانے کے بعد منہ کو اس احتمال کی بنا پر دھونا کہ ممکن ہے فصل گاہتے ہوئے بیل کے پیشاب کرنے سے گندم نجس ہوگئی ہو اور اس طرح کی دیگر باتیں جن کے قانون شریعت سے خارج ہونے پر حضرات علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کے کلام میں نص (یعنی واضح حکم) موجود ہے اور یہ محض وسوسے ہیں۔ پس جب کوئی ان میں سے کسی فعل کو عبادت واطاعت سمجھ کر کرے تو یہ بدعت ہے اور اگر عبادت نہ سمجھتا ہو تو گناہ ومعصیت ہے مگر بدعت نہیں کیونکہ اس کا کرنے والا اس کے بُرے اور خلاف شرع ہونے کا اعتراف کرتا ہے اور یہی حکم ہر اس بات کا ہے جو ہمارے بیان کردہ کے مشابہ ومثل ہے۔

حاصلِ گفتگو:

مذکورہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے فرمانِ ذیشان (یعنی ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) سے یہی شریعت میں بدعت مراد ہے نہ کہ عادت میں۔ لہٰذا حدیث پاک کا معنی یہ ہوا کہ ''شریعت میں ہر نیا کام بدعت ہے اور شریعت میں ہر بدعت گمراہی ہے۔'' اور شریعت میں ہر بدعت کا مطلب وہ بدعت ہے جس میں اطاعتِ شرعیہ (یعنی شرعی عبادت) پر اعانت (یعنی مدد) نہ ہو تو وہ بدعت سیئہ (یعنی بُری) ہے اور اگر شریعت میں ایسی بدعت ایجاد کی جس میں کسی اطاعتِ شرعیہ پر اعانت ہو تو وہ شارع (حضور نبی کریم) عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم کی اجازت ہی سے ہے اگرچہ اجازت اشارتاً ہو جیسا کہ ماقبل بیان ہو چکا ہے لہٰذا وہ بدعت حسنہ (یعنی اچھی) ہے اور اس بدعتِ شرعی کے تحت داخل نہیں جسے گمراہی کہا گیا ہے۔

شرعی بدعت عادات کو شامل نہیں:

اور یہ بات کہ شریعت میں بدعت، عادات کو شامل نہیں۔ اس پر درج ذیل تین دلیلیں ہیں:

(۱)......پہلی دلیل حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمان ہے جو ماقبل گزر چکا ہے کہ ''تم پر میرے بعد میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین (رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) کی پیروی لازم ہے۔''[1] یہاں سنت سے مراد دینی کام ہے جسے حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے امت کے لئے مقرر فرمایا نہ کہ وہ جو انہوں نے خود اپنے لئے دین میں اختیار کرلیا کیونکہ اپنے طور پر شریعت میں کوئی کام ایجاد کرنا بدعت ہے۔ نیز حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے عادات میں سے کوئی چیز بندوں کے لئے مشروع (یعنی مقرر) نہ فرمائی کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم انہیں دین سکھانے کے لئے تشریف لائے تھے نہ کہ دنیا سکھانے کے لئے۔لہٰذا عادات میں بدعت، بدعتِ شرعی میں داخل نہیں۔

(۲)......دوسری دلیل ماقبل بیان کردہ حدیث پاک کے شروع میں یہ فرمانِ نبوی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہے کہ ''تم اپنے دنیاوی معاملات زیادہ جانتے ہو۔''[2] مطلب یہ کہ تمہیں اس بات کی حاجت نہیں کہ میں تمہارے لئے دنیوی کاموں کی وضاحت کروں، البتہ! دینی معاملات میں تم میری تشریح و وضاحت کے محتاج ہو۔لہٰذا اپنے دینی معاملات میں خود تشریح نہ کیا کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر کسی حکم کے لازم کرنے سے کیا ارادہ فرماتا ہے۔لہٰذا عادات، بدعتِ شرعی میں داخل نہیں۔

(۳)......تیسری دلیل یہ فرمانِ مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہے کہ ''جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات ایجاد کی جو اس سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''[3] مطلب یہ ہے کہ اس نئی بات کا تعلق خواہ عقیدہ و عمل سے ہو یا قول و خلق سے ہو اور اس کا ایجاد کرنے والا اس کے دین یا شریعت ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اور یہ فرمانا کہ ''وہ مردود ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ جب نبوت اور وحی الٰہی کے سبب شارع (یعنی شرعی احکام بنانے والے) ہم (یعنی حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) ہیں تو اُس کا نئی بات ایجاد کرنا اس کی طرف سے ہمارے خلاف ہے۔'' یا مطلب یہ ہے کہ ''وہ نئی بات ہماری طرف سے اس پر رد ہے کہ قبول نہیں کی جائے گی۔'' جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری۔پس یہ حدیث شریف اس بات کی

---

[1]......جامع الترمذی، ابواب العلم، کتاب ماجاء فی الاخذ......الخ، الحدیث:۲۶۷۶، ص۱۹۲۱، بدون: من بعدی.

[2]......صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعا......الخ، الحدیث:۶۱۲۸، ص۱۰۹۳.

[3]......صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة، الحدیث:۴۴۹۲، ص۹۸۲.

صراحت ووضاحت ہے کہ ''بدعتِ شرعیہ'' جسے گمراہی کہا گیا ہے، اس سے مراد دین وشریعت میں ایجاد کیے جانے والے ''نئے کام'' ہیں نہ کہ نئی عادات۔

یوں ہی حضرت سیِّدُ نا غضیف بن حارث رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے گزرا کہ تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخزنِ جودوسخاوت، پیکرِعظمت وشرافت، مَحبوبِ رَبُّ العزت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشادفرمایا: ''جواُمت اپنے نبی (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کے بعد دین میں کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے وہ اتنا حصہ سنت کا ضائع کر دیتی ہے۔''[1] اِس حدیث پاک میں بھی بدعت کو دین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے لہٰذا عادات میں بدعت اس سے خارج ہوگئی کہ وہ شرعاً بدعت ہے نہ ہی گمراہی۔

''شرح الشرعة'' میں ہے: ''کُلُّ بِدْعَةٍ قَبِیْحَةٍ ضَلَالَةٌ یعنی ہر بُری بدعت گمراہی ہے۔ لہٰذا اس سے یوں استدلال کرنا جائزنہیں کہ ''حضورانور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشادفرمایا: ''جس نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس سے نہ ہوتو وہ مردود ہے۔''[2] تو ثابت ہوا کہ جوبھی نیا کام ایجاد کیا وہ سخت مردود ہے۔'' اور یہ استدلال اس لئے ناجائز ہے کیونکہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دین میں ایجاد کیا جانے والا ہر وہ نیا کام گمراہی ہے جوحضرات صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے طریقے کے خلاف ہواس طرح کہ اگر وہ اس نو پید کام پر اطلاع پاتے تو ضرور اس کا انکار فرماتے اور اسے ناپسند کرتے۔ لہٰذا ایسا کام ضرور گمراہی ہے۔ ورنہ ان حضرات (یعنی صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) نے تو اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے کہ اچھی بدعت مقبول ہے جیسا کہ علومِ شرعیہ میں مشغولیت، ان کی تدوین، (اذان کے لئے) مناروں کی تعمیر اور ہر وہ نیا کام جس میں انہوں نے مصلحت وفائدہ دیکھا۔''

خلاصۂ جواب:

﴾ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں جس بدعت کو گمراہی کہا گیا ہے اس سے مراد بدعت بمعنی شرعی خاص (یعنی شریعت میں بدعت) ہے اور علمائے کرام کے فرمان (یعنی بدعت جائز، مستحب اور واجب ہوتی ہے) سے مراد بدعت بمعنی لغوی عام ہے یعنی

[1] ......المعجم الکبیر ، الحدیث: ۱۷۸ ، ج۱۸ ، ص۹۹.

[2] ......صحیح مسلم ، کتاب الاقضیة،باب نقض الاحکام الباطلة،الحدیث: ۴۴۹۲ ، ص۹۸۲.

انہوں نے اسی سے آگے بدعت کی اقسام جائز، مستحب اورواجب بنائی ہیں جن کے ذریعے عباداتِ شرعیہ پراعانت ہوتی ہے اوراس طرح حدیث پاک اورفرمانِ علما میں تطبیق (یعنی مطابقت وموافقت) ہوگئی۔ فَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ﴿

اعتقادی بدعات اوراس کی اقسام:

بدعت، بدعتی، ہویٰ اوراہل ہویٰ کے الفاظ جب مطلق بولے جاتے ہیں توان سے ذہن، اعتقادی بدعت ہی کی طرف جاتا ہے جیسا کہ قدریہ، جبریہ اوردیگر گمراہ فرقوں اوران کے پیروکاروں کے عقائد ہیں۔ اعتقادی بدعات میں سے بعض کفر ہیں مثلاً اجسام کے حشر کا انکار، عالَم کے قدیم ہونے کا دعوٰی، صفاتِ باری تعالیٰ کا انکاراور بعض اعتقادی بدعات کفر تونہیں مگر وہ ہرکبیرہ گناہ سے بڑھ کر ہیں حتی کہ قتل وزنا سے بھی بدتر ہیں مثلاً سوالِ قبر اور معراج کا انکار،[1] پس ہرکبیرہ گناہ ان سے کم درجہ کا ہے اور یہ ان سے بڑھ کر ہیں کیونکہ اعتقادی بدعت کے ارتکاب میں شارع یعنی حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے فرمان کی تکذیب پائی جاتی ہے اور یہ تکذیب صریح نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کا ثبوت ظنی دلیل سے ہوتا ہے اوروہ خبرواحد ہے اورمتواتر ومشہور حدیث پاک سے ثبوت نہیں ہوتا اس لئے یہ کفر بھی نہیں۔

اعتقادی بدعت قتل وزنا سے بڑھ کر ہے:

نیز مذکورہ اعتقادی بدعت (جو کفر نہ ہو) کو قتل ناحق اورزنا سے بھی بڑا قرار دیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اِس کا مرتکب شخص اسے حق سمجھتا اور اِس کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتا ہے حالانکہ یہ قبیح بدعت ہے جبکہ قتل اورزنا کا صدور جب کسی مسلمان سے ہوتا ہے تو وہ انہیں حلال ٹھہرا کر نہیں کرتا بلکہ ان کو حرام ہی سمجھتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں گناہ اعتقادی بدعت سے کمتر ہیں اگرچہ ناجائز وحرام ہونے میں دونوں برابر ہیں اوراس بدعت سے اوپر صرف کفراورعقائد میں اجتہادی خطا کا درجہ ہے اور بدعت اعتقادی کے مرتکب سے توبہ کو چھپادیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس بدعت کو ترک

---

[1] ...... صدرالافاضل حضرت علامہ مولانا مفتی **محمد نعیم الدین مرادآبادی** علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) ''خزائن العرفان'' میں ارشاد فرماتے ہیں: ''حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا مسجد حرام سے بیت المقدس تک شب کے چھوٹے حصہ میں تشریف لے جانا نصِ قرآنی سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے (سفر کا یہ مرحلہ ''اسراء'' کہلاتا ہے) اور آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جو حد تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں اس کا منکر گمراہ ہے (سفر کا یہ مرحلہ ''معراج'' کہلاتا ہے)۔

(خزائن العرفان فی تفسیرالقران، سورة بنی اسرائیل تحت الآیة: ۱، پ ۱۵)

کر دے جیسا کہ ماقبل حدیث شریف میں بیان ہوا ''اور اللہ عَزَّوَجَلَّ مطلقاً اس کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا۔''[1] جبکہ کبیرہ گناہ والے کا عمل قبول کیا جاتا ہے، نیز کبیرہ گناہ والے اور کافر سے توبہ کو چھپایا نہیں جاتا۔ کیونکہ کبیرہ گناہ والا اپنے گناہوں اور شریعت کی خلاف ورزیاں کرنے کا معترف (یعنی اعتراف کرنے والا) ہوتا ہے اور کافر خود کو اسلامی احکام کا پابند نہیں کرتا اور نہ ہی دین محمدی (عَلٰی صَاحِبِهَاالصَّلٰوةُ وَالسَّلَام) کا مُدَّعِیْ (یعنی دعویٰ کرنے والا) ہوتا ہے۔ مگر اس کے برعکس دین میں بدعت ایجاد کرنے والا نہ صرف اسلام کا دعویدار رہتا ہے بلکہ اپنی بدعت کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت و فرمانبرداری گمان کرتا ہے (اس لئے توبہ روک دی جاتی ہے اور کوئی عمل قبول نہیں ہوتا)۔

اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ:

کتبِ کلام میں اشاعرہ متکلمین رحمہم اللہ المبین نے فرمایا ہے کہ ''ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔''

حضرت علامہ حسن چلپی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ٨٨٦ھ) نے ''شرح مواقف'' پر اپنے حاشیہ میں فرمایا کہ اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین پر متفق ہوں جیسے عالَم کا حادث ہونا، جسموں کو دوبارہ اٹھایا جانا اور جو اعتقادیات ان کے مشابہ ہوں۔ اگرچہ ان ضروریات کے علاوہ باقی اصول میں ان کا اختلاف ہو، جیسا کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے عینِ ذات یا غیرِ ذات ہونے کا مسئلہ، بندوں کے اپنے اعمال کا خود خالق ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ، ارادۂ الٰہیہ کے عام ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ، کلامِ الٰہی کے قدیم ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ، رؤیتِ باری تعالیٰ کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ اور اس طرح کے دیگر مسائل جن میں ایک کے حق ہونے میں کوئی نزاع نہیں۔ تو اس طرح کے مسائل میں حق کی مخالفت کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی وگرنہ عالَم کے قدیم ہونے کے اعتقاد اور حشر کے انکار اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جزئیات کو جاننے کے انکار اور اس طرح کے دیگر کفریات کی وجہ سے اہلِ قبلہ کے اور ساری عمر طاعات پر مواظبت کرنے والے کے کفر میں کوئی نزاع نہیں اور اسی طرح موجباتِ کفر میں سے کسی چیز کے ان سے صادر ہونے کی وجہ سے بھی ان کے کفر میں کوئی نزاع نہیں۔ ''شرح مقاصد'' میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے اور شاید (حضرت سیِّدُنا) علامہ تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی کی مراد یہ ہے کہ حشر کے انکار کے ساتھ عالَم کے قدیم ہونے کا اعتقاد کفر ہے (صرف عالَم کے قدیم ہونے کا اعتقاد

---

[1] ......سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب اجتناب البدع والجدل، الحديث: ٤٩، ص ٢٤٨٠.

کفر نہیں) ورنہ بہت سے حکمائے اسلام [1] کا مذہب یہ ہے کہ بعض اجسام قدیم ہیں اور بڑے بڑے اہلِ کشف [2] کا مذہب یہ ہے کہ عرش وکرسی قدیم ہیں باقی افلاک قدیم نہیں۔ لہٰذا محض عالَم کو قدیم ماننے کی بنا پر تکفیر کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس میں حضور نبیِّ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی کوئی تکذیب لازم نہیں آتی [3]۔'' ان کا کلام ختم ہوا۔

...... ﴿**قوله: من حكماء الاسلام..** امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**ان اراد الفلسفة المدعية للاسلام فلا يجدى وان اراد الحكماء الذين هم مسلمون بضروريات دين جميعامؤمنون فليس منهم من يقول بقدم شئ من دون الله تعالٰى وصفاته ١٢** یعنی اگر حکمائے اسلام سے ان کی مراد دعویٔ اسلام کرنے والے فلسفی ہوں تو یہ بے فائدہ ہے اور اگر اس سے مراد تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھنے والے مسلمان حکما ہوں تو اِن میں سے کوئی بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات کے علاوہ کسی شے کے قدیم ہونے کا قائل نہیں۔''﴾

...... ﴿**قوله: والفحول من ارباب المكاشفة..** امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**هذه فرية بلا مرية وبلا سماهم ونقل كلا منهم فان احتمل التاويل فان القدم يطلق على الامد الطويل فى الماضى اوالقدم فى علمه تعالٰى وقدم عنه الثابتة التى لم نشم رائحة من الوجود مع عدم اختصاص هذه بالعرش ونحوه بل الكائنات كلها فيها سواء الى غير ذالک من التاويلات فنعم والا كان مدسوسا على من نسب اليه ويفترى عليه والا لم يكن القائل به مسلما وان كان من اهل الكشف الشيطانى ولا ادرى عذرا فى هذا للحن جلى وقد يؤدّى الى امثاله التوغل فى الكلام المحدث من دون التضلع من العلوم الالهية وعن هذا قال سيّدُنا الامام ابو يوسف رضى الله تعالٰى عنه: من طلب العلم بالكلام تزندق. قاله فى كلام زمانه فكيف بكلام هؤلاء نسأل الله العفو والعافية آمين. ١٢** یعنی یہ بات بلاشک وشبہ خلافِ واقع ہے اور یہاں اُن علما کا نام بھی مذکور نہیں اور کلام سارا اُنہیں سے نقل فرمایا۔ اگر اس میں تاویل کا احتمال ہو تو قدیم کا اطلاق زمانہ ماضی میں مدتِ طویل پر ہوگا، یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم میں قدیم ہونا مراد ہوگا اور علمِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں قدیم ہونا تو ایسا ثابت ہے کہ ہم اس کے وجود کا شائبہ تک نہیں پاتے اور اس طرح قدیم ہونا عرش وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام ممکنات اس میں برابر ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت ساری تاویلات ہوسکتی ہیں۔ اگر معاملہ یہ ہے تو ٹھیک ورنہ جس کی طرف یہ قول منسوب ہے اس پر بہتان وفریب ہے یا اس کا قائل مسلمان نہیں اگرچہ وہ شیطانی کشف والوں میں سے ہو اور میں اس معاملے میں فحش غلطی کا کوئی عذر نہیں سمجھتا۔ یقیناً علومِ الٰہیہ میں پختگی حاصل کئے بغیر علمِ کلام میں مشغول ہونا اس جیسی باتوں کی طرف لے جاتا ہے اسی وجہ سے حضرت سیِّدُنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے علمِ کلام سیکھا وہ زندیق ہوگیا۔'' یہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے زمانے کے علمِ کلام کے بارے میں فرمایا تو ان لوگوں کے علمِ کلام کا کیا حال ہوگا۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عافیت کا سوال کرتے ہیں، آمین۔''﴾

...... ﴿**قوله: اذ لا تكذيب فيه للنّبى صلَّى الله عليه وسلَّم انتهى..** امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**بلٰى والله فيه تكذيب واى تكذيب لانه تكذيب للضرورى تكذيب لله ولرسوله** ....

شاید عرش وکرسی کے قدیم ہونے سے ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان کو پیدا کرنے کے اعتبار سے یہ قدیم ہیں، کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان دونوں چیزوں کو اَزَل سے پیدا فرمانے والا ہے [1] جبکہ اُس زمانے کی ابتدا بھی نہیں تھی [2] جس زمانے میں ان دونوں کے وجود کی ابتدا ہے، کیونکہ نہ تو ذاتِ باری تعالیٰ پر زمانہ گزرتا ہے اور نہ ہی اس کی صفات پر۔ [3] تو اُس زمانے کے آنے سے پہلے جس میں عرش وکرسی کے وجود کی ابتدا ہے ہمارے اعتبار سے بھی ان دونوں کا کوئی وجود نہیں اور اسی لئے ہمارے نزدیک یہ دونوں حادث ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اعتبار سے [4] بھی ان دونوں کا کوئی وجود نہیں۔ رہا وہ زمانہ جس میں ان دونوں چیزوں کے وجود کی ابتدا ہے تو اس زمانے میں ہمارے نزدیک

......جلّ وعلٰی وصلّی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلّم وان لم یکن فیه نص بخواصه کما صرح به فی الاعلام وغیرہ ۱۲ یعنی کیوں نہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اس میں ضرور تکذیب ہے، اور تکذیب کیسی؟ وہ اس طرح کہ ضروریاتِ دین (میں سے کسی چیز) کی تکذیب، اللہ ورسول جَلَّ وعَلٰی وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہی کی تکذیب ہے، اگرچہ اس میں تکذیب کے حوالے سے خاص طور پر نص وارد نہیں۔ جیسا کہ کُتُبِ اعلام وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔''

......[1] قولہ: **فانه تعالٰی موجدهما من الازل..** امامِ اہلسنّت، مجدِّدِ اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''اقول ان ارید انه تعالٰی اعطاهما الوجود فی الازل فذالک هو الکفر البعید وان ارید انه تعالٰی اراد فی الازل ایجادهما فی الوقت الذی اوجدهما فیه فلا یختص بعرش ولا فرش بل کل شئ کذالک ۱۲ یعنی میں کہتا ہوں: اگر اس سے مراد یہ ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان دونوں کو اَزَل میں وجود عطا فرمایا تو یہ کھلا کفر ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ازل میں اس وقت ان دونوں کی ایجاد کا ارادہ فرمایا جس وقت ان کو وجود عطا فرمایا تو یہ ایجاد عرش وفرش کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ہر شے اسی طرح وجود میں آئی۔''

......[2] قولہ: **حیث لا بدایة..** امامِ اہلسنّت، مجدِّدِ اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**مجده فیها والله اعلم بمراده ۱۲** یعنی اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت وبزرگی ہے اور اس کا معنیٰ اللہ عَزَّوَجَلَّ بہتر جانتا ہے۔''

......[3] قولہ: **لانه تعالٰی لا یمر علیه الزمان ولا علٰی صفاته..** امامِ اہلسنّت، مجدِّدِ اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''هذا الدلیل ایضا لا یفید خصوصیة للعرش والکرسی فالله تعالٰی اوجد کل شئ فی زمان الشئ لا فی زمان یمر علی الموجد او علی ایجاده (عزجلاله) یعنی یہ دلیل بھی عرش وکرسی کے لئے کسی خصوصیت کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہر چیز کو اس کے اپنے وقت میں پیدا فرمایا، ایسے زمانے میں پیدا نہیں فرمایا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ یا اس کی ایجاد پر گزرتا ہو۔''

......[4] قولہ: **بالنسبة الی الله تعالٰی..** امامِ اہلسنّت، مجدِّدِ اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''لانه تعالٰی یعلم انهما لم یوجدا قبله ۱۲ یعنی کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ جانتا ہے کہ اس (زمانے کے وجود) سے پہلے ان دونوں (یعنی عرش وکرسی) کا وجود نہ تھا۔''

یہ دونوں چیزیں ابتدا اور حدوث کے طور پر موجود ہیں، اس لئے کہ ہم پر زمانہ گزرتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک بھی یہ دونوں چیزیں موجود ہیں مگر حدوث اور ابتدا کے طور پر نہیں بلکہ اَزَل سے [1] ان کا وجود اس زمانے میں ثابت ہے۔ اس لئے کہ نہ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر زمانہ گزرتا ہے، کیونکہ خود زمانہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جو اَزَل سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مقرر کردہ مرتبہ (وقت) میں پیدا ہونے والی ہیں اور نہ ہی اس کا فعل حادث ہے بلکہ حادث تو اس فعل کا مفعول ہوتا ہے اور وہ بھی ہمارے اعتبار سے نہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اعتبار سے، کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سارے ہی زمانے حاضر ہیں بغیر اس کے کہ کوئی زمانہ اس پر گزرے [2] اور ہمارے اعتبار سے سارے زمانے حاضر نہیں ہیں، کیونکہ ہم پر کوئی نہ کوئی ایک ہی زمانہ گزرتا ہے۔

اور یہ جو عرش و کرسی کے قدیم ہونے کا قائل ہے اور بڑے اہلِ کشف میں سے ہے علمائے کلام کے قول کی طرح مرورِ زمان کے اعتبار سے ان دونوں چیزوں کے حدوث کا بھی قائل ہے، اسی لئے اس نے کہا: ''باقی تمام افلاک قدیم نہیں۔'' اس لئے کہ تمام افلاک میں عموم میں خصوص پایا جا رہا ہے کیونکہ عرش و کرسی کے سوا باقی تمام افلاک کے اعتبار

---

(1)......﴿**قولہ :لکن لا بطریق الحدوث والابتداء بل من الازل**.. امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیّدُ نا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''اقول: مرجع کل سعیہ الی ان وجودھما فی الزمان الذی ابتدأ فیہ وجودھما ثابت عنداللّٰہ تعالٰی من الازل وھذا انما یرجع الی قدم علمہ تعالٰی لا الی عدم حدوث ھذا الحادث عندہ تعالٰی فقد علمہ اللّٰہ حادثا فی زمانہ وعلمہ بحدوثہ فی زمانہ قدیم مذلا حدوث ولا زمان وھذا ایضاً لا یختص بشیءٍ من الکائنات ۱۲ یعنی میں کہتا ہوں: قائل کی تمام کوشش اس بات کی طرف لوٹتی ہے کہ ان دونوں (یعنی عرش و کرسی) کے وجود کا وہ زمانہ جس میں ان کی ابتدا ہوئی اللہ تعالٰی کے نزدیک اَزَل سے ثابت ہے۔ اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم کا قدیم ہونا تو لازم آتا ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک اس حادث کا حادث نہ ہونا لازم نہیں آتا پس اللہ عَزَّوَجَلَّ کو اس حادث کے اپنے زمانے میں حادث ہونے کا علم ہے اور اس کے اپنے زمانے میں حادث ہونے کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم قدیم ہے اور اس وقت سے ہے جبکہ حدوث و زماں بھی نہ تھا اور یہ صفتِ قدم، کائنات کی کسی بھی چیز کے ساتھ خاص نہیں۔''﴾

(2)......﴿**قولہ: حضور الازمان کلھا عندہ تعالٰی من غیر زمان** .. امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیّدُ نا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''یا لیت شعری ای شیٔ استخرجتم مما یختص الکلام بالعرش والکرسی ویخرج منہ سائر الافلاک والکیان فالحق ان السعی لیس الا نفحا فی الرماد ۱۲ یعنی کاش! میں جان لیتا کہ آپ کیا مفہوم نکالنا چاہتے ہیں جو کلام کو عرش و کرسی کے ساتھ خاص کر دے اور وجود اور تمام افلاک اس سے خارج ہو جائیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایسی کوشش راکھ میں پھونک مارنے کی مثل (یعنی بے فائدہ) ہے۔''﴾

سے زمانہ پایا جارہا ہے نہ کہ ان دونوں کے اعتبار سے [1] اور حدوث کا منشا زمانہ [2] ہی ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ سے عالَم کے صادر ہونے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کی وجہ سے وہ چیزیں الگ ہوتی ہیں جن کی معرفت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی اور کو نہیں ہوتی اور عرش وکرسی سے مراد دوکلی عالَم اور وہ تمام نفوس واجسام ہیں جن پر یہ دونوں عالَم مشتمل ہیں اور یہ پورے

......﴿**قولہ :الافلاک دونھما** .. امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُ نا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**انما یناقض ما قدم من انہ قبل حضور الزمان الذی ابتدأ وجودھما فیہ لا وجود لھما واما فی الزمان الذی ابتدأ وجودھما فیہ الخ. فالحق انہ لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر ۱۲** یعنی بے شک یہ بات ان گزشتہ اقوال کے مخالف ہے: ''(۱)......**قبل حضور الزمان الذی ابتدأ وجودھما فیہ لا وجود لھما** یعنی عرش وکرسی کے وجود میں آنے کے زمانے سے پہلے ان کا کوئی وجود نہیں تھا (۲)......**واما فی الزمان الذی ابتدأ وجودھما فیہ** یعنی اور اس زمانے میں ان کا پایا جانا جس میں یہ وجود میں آئے۔'' پس یہ بات حق ہے کہ جس کو زمانہ خراب کردے عطار اس کو ہرگز درست نہیں کرسکتا۔''﴾

......﴿**قولہ :منشاؤہ الزمان**.. امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُ نا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**اقول:لواقتصر علی ھذا من اول الامر ان مراد القائل بقد مھما وجودھما قبل وجود الزمان لان الزمان مقدار حرکۃ فلک الافلاک ووجود العرش والکرسی مقدم علی وجودہ فضلاً عن حرکتہ فضلاً عن مقدارھا لکان شیئا یشبہ عذرا ویورث للعرش والکرسی خصوصاً وھذا ایضاً بالنسبۃ لنقول لھم اما چلپی فکلامہ لا نقبلہ لانہ تکلم علی کلام العلامۃ فی شرح المقاصد ومعلوم قطعاً ان العلامۃ انما اراد ما تقدم معناہ الحقیقی المعروف فی الکلام لا الحدوث قبل الزمان فھو ان اراد ھذا لما احتاج الی ضم ضمیمۃ نفی الحشر للاکفار کما لا یخفی نسأل اللہ العافیۃ نسأل اللہ العافیۃ نسأل اللہ العافیۃ وان یرحم شد یدا فاقتنا اللہ فی حفظ الاسلام والتثبیت علی الایمان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۱۲** یعنی میں کہتا ہوں: اگر ابتدائی معاملے میں ہی اس پر اکتفا کیا جاتا کہ عرش وکرسی کے قدیم ہونے سے قائل کی مراد ان دونوں کا وجود زمانے کے وجود سے پہلے ہے اس لئے کہ زمانہ، فلکُ الافلاک کی حرکت کی مقدار کا نام ہے اور عرش وکرسی کا وجود زمانے کے وجود پر مقدم ہے تو یہ اس کی حرکت اور مقدارِ حرکت سے بدرجہ اولیٰ مقدم ہوگا تو یہ عذر سے مشابہ ایک شے ہوتی اور یہ عرش وکرسی کو خاص کردیتی اور یہ کلام بھی نسبت کے اعتبار سے ہے اور ان سے یہ ضرور کہیں گے بہرحال علامہ چلپی کے کلام کو ہم قبول نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے **شرح المقاصد** میں مذکور علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی کے کلام پر گفتگو فرمائی ہے اور یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے اپنے کلام میں قدیم سے اسی حقیقی معنی کا ارادہ کیا جو علم کلام میں معروف ومشہور ہے۔ اس سے مراد زمانے سے پہلے حادث (یعنی معدوم سے موجود) ہونا نہیں۔ پس اگر ان کی یہی مراد ہے تو انکارِ محشر کے سبب تکفیر کے لئے کسی زائد شے کو بیان کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے عافیت طلب کرتے ہیں۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عافیت اور انتہائی مہربانی کا سوال کرتے ہیں۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں اسلام کی حفاظت میں اور ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ہر طاقت وقوت، عظیم و برتر پروردگار کی طرف سے ہے۔''﴾

عالَم کا مجموعہ ہے۔ رہا دونوں طرح مرورِ زمان کے اعتبار سے عالَم کی کسی شے کے قدیم ہونے کا حکم کرنا جیسا کہ فلاسفہ اوران کے متبعین کا قول ہے تو اس کے کفر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

اجتہاد کا معنیٰ:

ماقبل بیان ہوا کہ اعتقادی بدعت کے اوپر صرف کفر اور عقائد میں اجتہادی خطا ہے اور اجتہاد کہتے ہیں ''مقصد کو پانے کے لئے محنت وکوشش کرنا یعنی اپنی ساری طاقت کو اس طرح لگا دینا کہ اس پر مزید کوشش کرنے سے نفس عاجز ہو۔''

اجتہادی خطا کا حکم:

عقائد میں اجتہادی خطا، اعتقادی بدعت سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ عقائد میں اجتہادی خطا شرعاً عذر نہیں ہے، البتہ اعمال بدنیہ (یعنی فروعی مسائل) میں بالاتفاق اجتہادی خطا شرعا عذر ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۷۹۳ھ) نے ''اَلتَّـلْوِیْح'' میں فرمایا: ''قطعیات اور اصول دین جن میں پختہ اعتقاد رکھنا واجب ہے ان میں اجتہاد نہیں۔'' (1)

پھر اس کے بعد فرمایا: ''فروع دین میں اجتہادی خطا کرنے والے پر عتاب (یعنی وہ ملامت) کیا جائے گا نہ ہی اسے گمراہ کہا جائے گا بلکہ وہ شرعاً معذور اور اجر کا حقدار ہے۔ کیونکہ مجتہد کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ (حصولِ مقصد کے لئے) اپنی تمام کوشش وطاقت صرف کرے اور اُس نے ذمہ داری کو پورا کیا لیکن دلیل کے مخفی ہونے کے سبب حق و درست بات تک نہ پہنچ سکا۔ ہاں! اگر دلیل تو بالکل واضح طور پر حق وصواب تک پہنچا رہی ہو لیکن مجتہد اپنی کوتاہی اور اجتہاد میں پوری کوشش نہ کرنے کی وجہ سے خطا کا مرتکب ہو جائے تو پھر اس پر عتاب ہوگا۔

اور اسلاف کے بارے میں جو منقول ہے کہ ان میں سے بعض نے اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے پر طعن کیا اس کی بنیاد یہ ہے کہ طعن کرنے والے کے گمان میں درستی تک پہنچانے والا راستہ بالکل واضح تھا (یعنی جب ایک کے گمان میں یہ تھا تو اس نے دوسرے پر طعن کیا) اور (حضرت سیِّدُنا عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ (متوفی ۷۴۷ھ) نے ''توضیح'' میں) ''اجتہاد میں خطا کرنے والا'' کہا (اور یہ نہ فرمایا ''اصول وعقائد میں خطا کرنے والا'') کیونکہ اصول وعقائد

---

(1)......التوضیح والتلویح ،باب الاجتہاد،الجزء۲، ص٦٠٤.

میں خطا کرنے والے پر نہ صرف عتاب ہے بلکہ اس کی تضلیل یا تکفیر کی جائے گی (یعنی اسے گمراہ یا کافر قرار دیا جائے گا) اس لئے کہ اصول وعقائد میں بالاتفاق حق اور درست بات ایک ہی ہوتی ہے اور مقصود ومطلوب تو وہ یقین ہے جو دلائل قطعیہ سے حاصل ہوتا ہے جبکہ عالَم کا حادث وقدیم ہونا اور رؤیت باری تعالیٰ کا ممکن ومحال ہونا عقل سے متعلق نہیں۔ لٰہذا ان میں خطا کرنے والا ابتدا اور انتہا دونوں میں خطا کرنے والا شمار ہوگا۔

نیز بعض نے یہ کہا کہ علم کلام کے مسائل میں ہر مجتہد درست رائے والا ہوتا ہے جب تک وہ اپنے مخالف کی تکفیر کو واجب قرار نہ دے جیسے خلقِ قرآن، رؤیت اور افعال کی تخلیق کا مسئلہ ہے۔ پس (انہوں نے کہا) اس کا معنی یہ ہے کہ خطا کرنے والا گنہگار نہ ہوگا اور جس چیز کا وہ مکلّف ہے اس سے بری ہو جائے گا۔'' (علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۷۹۳ھ) فرماتے ہیں) ان دونوں اقوال کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔[1]

''مِرْقَاۃُ الْاُصُوْل'' میں ہے: ''اجتہاد شرعی مسائل میں ہوتا ہے نہ کہ عقلیات میں جیسے ''اِلٰہِیَات'' میں سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات اور افعال سے متعلق اور نبوت سے متعلق ابحاث ہیں۔ کیونکہ لاکھوں لاکھ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''عقلیات میں حق پر ایک ہی مجتہد ہوتا ہے۔'' البتہ! بعض معتزلہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور وہ ابو الحسن عنبری اور جاحظ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ''علم کلام کے مسائل میں ہر مجتہد حق پر ہوتا ہے۔'' اور ان کا یہ کہنا باطل ہے کیونکہ ان مسائل میں مقصود تو ایسا یقین ہے جو دلائل قطعیہ سے حاصل ہو جبکہ عالَم کا حادث وقدیم ہونا اور رؤیت باری تعالیٰ کا ممکن ومحال ہونا نیز ان کی مثل دیگر مسائل، عقل سے متعلق نہیں۔''

اعتقادی بدعت کی ضد:

اعتقادی بدعت کی ضد اہل سنت وجماعت کے عقائد ہیں کہ یہ عقائد بدعت کو دور کرتے ہیں اور اہل سنت وجماعت سے مراد اشعری اور ماتریدی مسلمانوں کی جماعت جو سنت نبوی (عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) پر عمل پیرا ہیں۔

عبادت میں بدعت:

عبادت میں بدعت کا مطلب ظاہری اعمال میں بدعت ایجاد کرنا ہے جیسے بعض عبادات کی صورتوں میں کمی زیادتی

......التوضیح والتلویح، باب الاجتهاد، الجزء۲، ص۶۰۷.

کر دینا۔ یہاں صاحب ''طریقہ محمدیہ'' حضرت سیِّدُ نا علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے ''عمل میں بدعت'' کے بجائے ''عبادت میں بدعت'' کہہ کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عبادت میں بدعت کا مرتکب دیگر عبادتوں کی طرح اس پر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ثواب کی امید رکھتا ہے حالانکہ یہ نئی ایجاد کی گئی بات ہے جس کی دین میں کوئی اصل نہیں پس اسی وجہ سے بدعت تمام گناہوں سے بری ہے۔

عبادت میں بدعت کا حکم:

عبادت میں بدعت کی برائی، قباحت اور گناہ اعتقادی بدعت سے کم ہے اور یہ اس لئے کہ اعتقادی بدعت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نظر رحمت کے مقام کو نجس (یعنی خراب) کرتی ہے اور وہ دل ہے جبکہ عبادت میں بدعت مخلوق کی نظر کے مقام کو خراب کرتی ہے اور وہ بندے کا ظاہر (یعنی ظاہری بدن) ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: ''بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ وہ تمہارے دلوں کو ملاحظہ فرماتا ہے۔'' (1)

اگرچہ اس بدعت کی قباحت اعتقادی بدعت سے کم ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین میں یہ بھی برائی اور گمراہی ہے۔ اس سے بچنا اور اسے چھوڑ دینا تمام گناہوں سے زیادہ ضروری ہے۔ خاص طور پر جب یہ کسی سنتِ مؤکّدہ سے ٹکرائے یعنی وہ فعلِ بدعت سنتِ مؤکدہ کی ادائیگی سے رکاوٹ بنے اور بندے کو سنت میں مشغول ہونے سے غافل کر دے۔ پس اس وقت اس بدعت کی قباحت میں اور اضافہ ہو جائے گا اور اس کے ارتکاب پر گناہ بھی زیادہ ہوگا۔

سنت مؤکدہ کی تعریف:

عبادت میں بدعت کی مقابل وضد سنتِ ہُدیٰ یعنی سنت مؤکدہ ہے۔ اس حیثیت سے کہ اگر یہ سنت پائی جائے گی تو بدعت کے وجود سے رکاوٹ بن جائے گی۔ سنت ہُدیٰ کی تعریف یہ ہے کہ عبادت میں سے وہ عمل جس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہمیشہ کیا ہو، البتہ کبھی ترک بھی فرمایا ہو نیز اس فعل کے تارک پر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے انکار منقول نہ ہو۔ کیونکہ اگر ہمیشہ عمل کے ساتھ ترک پر انکار بھی منقول ہوتا تو وہ عمل واجب ہوتا ہے نہ کہ سنت جیسے اعتکاف کرنا۔

---

(1)......صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم ظلم المسلم ......الخ، الحدیث: ۶۵۴۲، ص۱۱۲۷.

اعتکاف کی تعریف:

لغت میں اِعتکاف ''ٹھہرنے اور کسی چیز پر ہمیشگی اختیار کرنے'' کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس کا معنٰی یہ ہے کہ ''اِعتکاف کی نیت سے مرد کا کسی مسجد جماعت[1] میں ٹھہرنا یا عورت کا بہ نیت اعتکاف ٹھہرنا[2]۔''

اعتکاف کی اقسام:

اعتکاف کی تین اقسام ہیں: (۱)......واجب: جب اعتکاف کی نذر (یعنی منت) مانی تو اعتکاف کرنا واجب ہے۔ (۲)......سنت مؤکدہ: وہ اعتکاف جو ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ہوتا ہے۔ (۳)......مستحب: وہ اعتکاف جو رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کے علاوہ میں کیا جائے مستحب کہلاتا ہے جیسا کہ ''شَرْحُ الدُّرَر'' میں ہے۔

تعریف میں مذکور قیودات کے فوائد:

سنت ہُدیٰ یعنی سنت مؤکدہ کی تعریف میں ''عبادت'' کی قید کا مقصد ان افعال کو سنت ہُدیٰ سے خارج کرنا ہے جن پر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے بطور عادت کے ہمیشگی اختیار فرمائی۔ یہ سنن ہُدیٰ نہیں بلکہ ان کا شمار سنن زوائد (یعنی

---

1 ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِ شریعت'' جلد اوّل صفحہ 1020 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علاّمہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) ''ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، جلد3، صفحہ 493'' سے نقل فرماتے ہیں: ''مسجد جامع (جس میں پانچ وقت باجماعت نماز ہوتی ہو) ہونا اعتکاف کے لئے شرط نہیں بلکہ مسجد جماعت میں بھی ہوسکتا ہے۔ مسجد جماعت وہ ہے جس میں امام ومؤذن مقرر ہوں، اگرچہ اس میں پنجگانہ جماعت نہ ہوتی ہو اور آسانی اس میں ہے کہ مطلقاً ہر مسجد میں اعتکاف صحیح ہے اگرچہ وہ مسجد جماعت نہ ہو، خصوصاً اس زمانہ میں کہ بہتیری (بہت ساری) مسجدیں ایسی ہیں جن میں نہ امام ہیں نہ مؤذن۔''

2 ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1548 صفحات پر مشتمل کتاب، ''فیضانِ سنت'' صفحہ 1249 تا 1250 پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطّار قادری رضوی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَۃ ''درمختار، ردالمحتار، جلد3، صفحہ 29'' کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: ''اسلامی بہنیں مسجد میں نہیں صرف مسجدِ بیت میں اعتکاف کریں۔ مسجد بیت اُس جگہ کو کہتے ہیں جو عورت گھر میں اپنی نماز کے لئے مخصوص کرلیتی ہے۔ اسلامی بہنوں کے لئے یہ مستحب بھی ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے جگہ مقرر کریں اور اس جگہ کو پاک وصاف رکھیں اور بہتر یہ ہے کہ اس جگہ کو چبوترے وغیرہ کی طرح بلند کرلیں۔ بلکہ اسلامی بھائیوں کو بھی چاہئے کہ نوافل کے لئے گھر میں کوئی جگہ مقرر کرلیں کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے۔'' اعتکاف کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لئے ''فیضان سنت'' کے باب فیضان رمضان، ص 1173 تا 1283 کا مطالعہ فرمالیجئے۔

غیر مؤکدہ سنتوں) میں ہوتا ہے جیسے چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے وغیرہ کی سنتیں......نیز تعریف میں یہ قید کہ ''اس فعل کے تارک پر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے انکار منقول نہ ہو'' اس لئے لگائی کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے کسی فعل وعمل کو محض ترک نہ کرنے سے اس عمل کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو چھوڑنے کی ممانعت اور اس کے ترک پر عذاب کی وعید نہ سنائی ہو۔ پس اگر اس فعل پر ہمیشگی کے ساتھ ساتھ اسے ترک کرنے سے منع بھی فرمایا تو وہ فعل واجب ہوگا نہ کہ سنت۔

سنت کی اقسام:

''مِرْقَاةُ الْاُصُوْل'' میں ہے: ''سنت کی دو قسمیں ہیں: (۱)......سنتِ ہدیٰ: یہ دین کو کمال تک پہنچاتی ہے، اسے ترک کرنے والا اِساءَت (یعنی برائی) کا مرتکب اور ملامت کا مستحق ہے۔ جیسے نمازِ عید، اذان، اقامت، نمازِ باجماعت اور سنن رواتب (یعنی فرائض کے بعد والی سنن مؤکدہ)۔ اس لئے اگر بعض لوگ سنتِ ہُدیٰ ترک کریں تو ان پر عقاب کیا جائے گا اور اگر تمام شہر والے اس کے ترک پر اصرار کریں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔ (۲)......سنتِ زائدہ: اسے ترک کرنے والا ملامت کا مستحق نہیں۔ جیسے ارکانِ نماز کو طول دینا، اپنے لباس اور اٹھنے بیٹھنے میں حضور سید اِنس وجان، سردارِ دو جہان، محبوب رحمٰن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی سیرت کو اپنانا مثلاً سفید لباس پہننا وغیرہ۔

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد نے اپنی کتاب ''اَلْاَحْکَام'' میں ارشاد فرمایا: ''اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحْبُوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا وہ قول یا فعل جسے ترک کرنے سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ممانعت فرمائی ہے وہ واجب ہے اور اگر ممانعت نہیں فرمائی تو دیکھیں گے کہ اس میں امر یا نہی کا صیغہ (یعنی وہ بات حکم یا منع کے لفظ کے ساتھ) ہے اور اس کو ہمیشہ نہیں کیا تو وہ مستحب ہے، ورنہ (یعنی اگر ترک سے ممانعت نہ فرمائی، صیغہ امر یا نہی کا ہو اور اسے ہمیشہ کیا ہو تو) وہ سنتِ مؤکدہ ہے اور سنت کی دو قسمیں ہیں (۱)......سنتِ ہدیٰ: اس کے ترک سے اِساءَت لازم آتی ہے، جیسے جہاد اور اذان۔ (۲)......سنتِ زائدہ: اسے ترک کرنے والا اساءت کا مرتکب نہیں، جیسے اٹھنے بیٹھنے اور لباس کی سنتیں۔ چنانچہ،

''اَلْمَنَار'' میں ہے: ''اگر وہ افعال بطورِ عبادت ہوں تو سنن ہُدیٰ اور اگر بطور عادت ہوں تو سنن زوائد ہیں مثلاً

لباس پہننے میں سیدھے ہاتھ سے ابتدا کرنا، کھانا سیدھے ہاتھ سے کھانا اور (مسجد یا گھر میں) داخل ہوتے وقت سیدھا قدم مقدم کرنا۔''

عادت میں بدعت:

عادت میں بدعت سے مراد وہ بدعت ہے جس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کا قصد کیا جائے نہ اس پر ثواب کی امید رکھی جائے۔ مثلاً آٹا چھان کر استعمال کرنا، چمچ کے ساتھ کھانا وغیرہ۔ ان کو اس لئے بدعاتِ عادیہ کہا گیا کہ ان کو ایجاد کرنے والا اور استعمال کرنے والا انہیں عبادت سمجھتا ہے نہ ان پر ثواب کی امید رکھتا ہے۔

بدعتِ عادیہ کا حکم:

چونکہ بدعتِ عادیہ کا مرتکب اس سے عبادت اور ثواب کا ارادہ نہیں کرتا لہٰذا اس کا ارتکاب نہ گمراہی ہے اور نہ ہی اس پر بدعت کی وعیدیں ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ ان کا استعمال ''ترکِ اَولیٰ'' ہوگا۔ لہٰذا بدعتِ عادیہ کو چھوڑنا ''اَولیٰ'' ہے کیونکہ یہ بدعت دنیوی نعمتوں پر اطمینان کا باعث بنتی ہے اور دل کی راحت کو غفلت وغرور کے ساتھ ملا دیتی ہے (یعنی اس کا مرتکب غفلت وغرور میں قلبی راحت محسوس کرتا ہے)۔ چنانچہ،

بدعاتِ عادیہ کی مثالیں:

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے ''اَلْجَامِعُ الصَّغِيْر'' کی شرح میں بیان فرمایا کہ تفسیرِ کشاف میں ہے: اہلِ تقویٰ علمائے کرام نے اس بات کے واجب ہونے میں بڑی سختی فرمائی ہے کہ ظالمین (امرا) کی عمارتوں پر نظریں نہ ڈالی جائیں نیز انہوں نے لباس اور سواریوں وغیرہ ہی میں مشغول رہنے والوں کو فاسق شمار کیا ہے کیونکہ ان لوگوں نے یہ چیزیں دیکھنے والوں کی آنکھوں کے لئے ہی اختیار کی ہیں پس ان کی غرض کا حاصل ان چیزوں کو دیکھنے والا ہے اور گویا کہ وہ اس دیکھنے والے کو ان چیزوں کے اپنانے پر ابھارتے ہیں۔ [1]

(فیض القدیر میں بیان کردہ) یہ باتیں بدعاتِ عادیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

---

[1]......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث:۳۹۸، ج۱، ص۳۴۱.

حاجت سے بڑا مکان:

بدعتِ عادیہ میں سے یہ بھی ہے کہ مکان حاجت سے بڑا بنایا جائے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے ''رِیَاضُ الصَّالِحِیْن'' میں نقل کیا کہ حضرت سیِّدُنا قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''ہم حضرت سیِّدُنا خباب بن اَرَتّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے، انہوں نے سات جگہ داغ لگوائے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرمانے لگے: ''ہمارے پہلے گزر جانے والے دوست وہ تو چلے گئے اور دنیا نے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جبکہ ہم نے مال حاصل کیا جس کے لئے مٹی کے علاوہ کوئی جگہ نہیں پاتے اور اگر حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے موت کی دعا مانگنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا مانگتا۔ پھر جب ہم دوسری مرتبہ ان کے پاس حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دیوار تعمیر فرما رہے تھے۔ ارشاد فرمایا: ''بے شک مسلمان کو ہر اس چیز میں اجر ملتا ہے جسے وہ خرچ کرتا ہے لیکن اس مٹی میں خرچ کرنے میں کوئی ثواب نہیں۔''[1] یہ روایت متفق علیہ ہے (یعنی امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے اسے روایت فرمایا ہے) اور نقل کردہ الفاظ ''بخاری شریف'' کے ہیں۔[2]

موٹاپے کا ظہور:

بدعتِ عادیہ میں سے ایک ''لوگوں میں موٹاپے کا ظہور'' بھی ہے۔ چنانچہ، سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، بِاِذْنِ پروردگار دوعالَم کے مالک ومختار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''ہر روز ایک بار سے زیادہ کھانا اسراف ہے۔''[3]

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' کی شرح میں فرماتے ہیں: ''قیامت کی نشانیوں میں سے ایک مردوں میں موٹاپے کا ظہور ہے۔''[4]

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت، الحدیث: ۵۶۷۲، ص ۴۸۶.

[2] ......ریاض الصالحین، باب کراھۃ تمنی الموت بسبب ضر نزل بہ......الخ، الحدیث: ۵۸۷، ص ۱۸۲.

[3] ......شعب الایمان للبیھقی، باب فی المطاعم والمشارب، الحدیث: ۵۶۶۵، ج ۵، ص ۳۲.

[4] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۱۳۸۷، ج ۲، ص ۱۰۴.

تمباکو اور قہوہ کا استعمال:

بدعتِ عادیہ کی ایک مثال تمباکو اور قہوہ (قَہْ۔وَہ) کا استعمال ہے۔ اس زمانے کے ادنیٰ و اعلیٰ ہر طرح کے لوگوں میں ان دونوں کا چرچا ہے۔ حق و درست یہ ہے کہ یہ دونوں حرام یا مکروہ نہیں بلکہ یہ دونوں بدعتِ عادیہ میں سے ہیں اور جس نے ان کے حرام ہونے کی کوئی وجہ بیان کی کہ اس سے بدعت عادیہ کا حرام ہونا لازم آتا ہے، یہ جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے موقف کے خلاف ہے اور (پھر یہ کہ اگر حاکم ان کے استعمال سے روکے تو) حاکمِ وقت کے امر و نہی (یعنی حکم اور ممانعت) کا اعتبار تو اسی صورت میں ہوگا جب وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے امر و نہی کے مطابق ہو اور اگر اس کے نفس یا طبیعت کے تقاضے کے سبب ہو تو اس کے امر و نہی کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ حضور تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت، مخزنِ جود و سخاوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے امر و نہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے امر و نہی کے مطابق ہیں نہ کہ اپنی طرف سے اپنی عقل و رائے کے تقاضے کے سبب اور ہرگز ہرگز آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے ایسا ممکن نہیں اور اگر بالفرض حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے امر و نہی اپنی طرف سے ہوتے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے امر و نہی کا ان میں دخل نہ ہوتا تو ان کی بجا آوری ہم پر لازم نہ ہوتی۔ تو پھر ایک حاکم کے ایسے امر و نہی کی پیروی ہم پر کیوں لازم ہوگی جو اس کی اپنی رائے یا عقل کا فیصلہ ہوں اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام کے موافق نہ ہوں۔

البتہ! اگر حاکمِ وقت ان دو جائز چیزوں کے استعمال کی وجہ سے لوگوں پر ظلم و جبر اور سختی و تنگی کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی جانوں پر اس کے شر کا خوف ہو بالخصوص جب وہ مسلمانوں کا قتل حلال سمجھتا ہو اور اپنی رائے سے اس فعل پر انہیں سزا دینا واجب جانتا ہو تو اب کسی کو جائز نہیں کہ خود کو ہلاکت میں ڈالے اور اس وجہ سے مسلمان کو ان کے استعمال سے رک جانا چاہئے اور یہ رُکنا ان چیزوں کو حرام یا مکروہ سمجھ کر نہ ہو بلکہ اپنی عزت و جان کی حفاظت کی غرض سے ہو۔

حاکم کے لئے دعا:

ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ مَیں نے شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال، دافِعِ رنج و مَلال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو اپنے گھر میں یہ دعا فرماتے ہوئے سنا: ''اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا حاکم بنے پھر ان پر سختی کرے تو تُو اس پر سختی فرما اور جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا حاکم بنے

پھران پرنرمی کرے تو تُو اس پرنرمی فرما۔‘‘ [1]

عدل وانصاف کا حکمِ قرآنی:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشادفرماتا ہے:

وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا(۵۸) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠(۵۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کروتو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

(پ۵،النساء:۵۸۔۵۹)

آیت مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس آیت کے حصے ’’وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِؕ‘‘ کا معنی بیان فرماتے ہیں: ’’یعنی جب تم ان کے درمیان فیصلہ کرو جن پر تمہارا حکم نافذ ہوتا ہے یا جو تمہارے فیصلے پر راضی ہوں تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو اور اس لئے کہ فیصلہ کرنا حاکموں کا منصب ہے۔‘‘ اور ایک قول کے مطابق آیت مبارکہ میں حاکموں سے خطاب ہے۔‘‘ آیت کے اس حصہ ’’اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖؕ‘‘ کا مطلب یہ ہے: ’’کتنی اچھی چیز ہے جس کی اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں نصیحت فرماتا ہے یا فیصلوں میں عدل وانصاف کرنے کی نصیحت کتنی اچھی ہے۔‘‘ اور آخری حصہ ’’اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا(۵۸)‘‘ کا معنی ہے: ’’بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہاری باتوں کو سنتا اور تمہارے فیصلوں کو دیکھتا ہے۔‘‘

مذکورہ ۵۹ویں آیت کے حصے ’’یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ یعنی

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل......الخ، الحدیث: ۴۷۲۲، ص۱۰۰۶.

اے ایمان والوحکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔'' کے تحت حضرت سیِّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ ھ) فرماتے ہیں: ''یہاں حکومت والوں سے مراد سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے مبارک زمانے اور اس کے بعد کے مسلمانوں کے امرا وسلاطین ہیں اور اس حکم میں خلفا، قضاۃ (یعنی شرعی جج) اور لشکر کے امرا (یعنی سپہ سالار) بھی داخل ہیں۔ یہاں پہلے حاکموں کو عدل وانصاف کا حکم فرمایا پھر لوگوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا، یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ حاکموں اور امرا کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ حق پر قائم رہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حکومت واختیار والوں سے مراد علمائے شریعت ہیں، کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ'' (پ ۵، النسآء: ۸۳) ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے۔''

اور اس حصۂ آیت: ''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ'' کا معنی یہ ہے: ''اگر تمہارے اور تم میں جو ذی اختیار ہیں ان میں کسی دینی معاملے میں کوئی جھگڑا اُٹھے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حضور اس کی لا ریب کتاب قرآن پاک کے ذریعے اور حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے حضور ان کے زمانے میں ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سوال کے ذریعے اور وصالِ ظاہری کے بعد ان کی سنت سے راہنمائی کے ذریعے رجوع کرو۔ نیز اس فرمان (فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ یعنی پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے) سے اس قول کی تائید ہوتی ہے ''حکومت والوں'' سے مراد خلفا اور امرا وسلاطین ہیں نہ کہ علما کیونکہ مُقَلِّد کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی حکم میں مجتہد سے جھگڑا کرے بخلاف امرا کے کہ ان کے ساتھ جھگڑے کا امکان وجواز ہے۔ سوائے یہ کہ یوں کہا جائے: ''اُولِی الْاَمْرِ'' یعنی حکومت والوں'' سے خطاب محض متوجہ کرنے کے لئے ہے (مطلب یہ کہ اس طرح علما بھی اس میں داخل ہو جائیں گے)۔ پھر ارشاد فرمایا ''اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ یعنی اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو'' کیونکہ ایمان اس بات کو واجب ولازم قرار دیتا ہے کہ جھگڑے کی صورت میں اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے حضور رجوع کیا جائے۔ آیت مبارکہ کے آخر میں فرمایا ''ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۠ ع'' اس کا مطلب یہ ہے: ''اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ و صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے حضور رجوع کرنا یہ بہتر ہے انجام کے اعتبار سے یا تمہاری تدبیر سے بہتر ہے۔''[1]

......تفسیر البیضاوی، پ۵، النساء، تحت الآیۃ: ۵۸-۵۹، ج۲، ص۲۰۵ تا ۲۰۷.

حضرت سیّدُ نا امام بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) کا کلام ختم ہوا جسے مختصر کر کے بیان کیا گیا اور اس کی مثل کلام ماقبل گزر چکا ہے جبکہ ہماری (یعنی علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی) کتاب ''نِهَايَةُ الْمُرَاد شَرْحُ هِدَايَةِ اِبْنِ عَمَّاد'' میں اس مسئلہ کے متعلق اس سے زیادہ کلام ہے اور ایسا ہی کلام ہماری کتاب ''اَلْمَطَالِبُ الْوَفِيَّة'' وغیرہ میں بھی ہے۔''

بدعتِ عادیہ کی ضد:

بدعتِ عادیہ کی ضد سنتِ زائدہ ہے جسے سنتِ ہدیٰ کے مقابلہ میں زائدہ کہتے ہیں (اسے سنتِ غیر مؤکدہ بھی کہتے ہیں) اور اسے ''زائدہ'' اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دین کی تکمیل کے لئے نہیں ہوتی بخلاف سنتِ ہدیٰ کے، کیونکہ اس سے دین کی تکمیل ہوتی ہے۔

سنتِ زائدہ کی تعریف:

سنت زائدہ وہ فعل ہے جسے حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے بطورِ عادت ہمیشہ کیا ہو، اس حیثیت سے کہ اس سے عبادت کا ارادہ نہ فرمایا جیسے ہر ذی شان کام کو دائیں ہاتھ یا دائیں پاؤں وغیرہ سے شروع کرنا اور خسیس کاموں میں بائیں ہاتھ یا بائیں پاؤں سے ابتدا کرنا۔ چنانچہ،

دائیں طرف سے ابتدا سنت ہے:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں: ''حضور سیِّدُ الْمُبَلِّغِيْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نعلین (یعنی جوتے مبارک) پہننے، کنگھی کرنے، وضو وغسل کرنے اور ہر ذی شان کام دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔'' (1)

حضرت سیّدُ نا امام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) اس کے تحت ''شرح مسلم'' میں فرماتے ہیں: ''آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم لفظ ''یمین'' یعنی دائیں جانب سے تبرک کی غرض سے اس سے ابتدا فرماتے تھے کیونکہ اس لفظ کی طرف خیر و بھلائی کی نسبت کی گئی ہے۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

---

(1)......صحيح البخاری، كتاب الاطعمة، باب التَّيَمُّنِ فی الاكل وغيره، الحديث: ۵۳۸۰، ص ۴۶۴.

وَ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ﴿ؕ۲۷﴾ (پ۲۷،الواقعة:۲۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور داہنی طرف والے کیسے داہنی طرف والے۔

﴿۲﴾

وَ نَادَیۡنٰہُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنِ وَ قَرَّبۡنٰہُ نَجِیًّا ﴿۵۲﴾ (پ۱۶،مریم:۵۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اسے ہم نے طور کی داہنی جانب سے ندا(آواز) فرمائی اور اسے اپنا راز کہنے کو قریب کیا۔

نیز اس وجہ سے بھی کہ اس میں یمن و برکت ہے اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کا ادب واحترام کرنا چاہئے ۔ اسے گندگی وغیرہ زائل کرنے اور خسیس کاموں میں استعمال نہ کیا جائے اور حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے اور عضوِتناسل کو چھونے سے منع فرمایا ہے۔[1]

وہ زبان جس کو سب کُنْ کی کنجی کہیں:

حضرت سیِّدُنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے تاجدارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے سامنے الٹے ہاتھ سے کھایا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''سیدھے ہاتھ سے کھاؤ۔'' اس نے کہا: ''میں نہیں کھا سکتا۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: ''تجھے استطاعت نہ ہو (یعنی تیرا سیدھا ہاتھ کبھی نہ اٹھے)۔'' اس شخص نے تکبر کے باعث سیدھے ہاتھ سے کھانا کھانے سے انکار کیا تھا پس اس کا سیدھا ہاتھ کبھی منہ کی طرف نہ اٹھ سکا۔[2]

بوقتِ ضرورت بائیں ہاتھ کا استعمال:

''جَامِعُ الشُّرُوْح'' کے نام سے مشہور ''شَرْحُ الشِّرْعَة'' میں ہے: ''اور سیدھے ہاتھ سے کھائے اور پیئے۔ اس لئے کہ حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، بِاِذنِ پروردگار دوعالَم کے مالک ومختار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''تم میں سے ہر کوئی سیدھے

1 ......سنن ابن ماجه ،ابواب الطهارة ،باب كراهة مس الذكر......الخ، الحديث: ۳۱۰، ص۲۴۹۶، مفهوماً.

2 ......صحيح مسلم ،كتاب الاشربة ،باب آداب الطعام والشراب واحكامها ،الحديث:۵۲۶۸،ص۱۰۳۹.

ہاتھ سے کھائے، سیدھے ہاتھ سے پئے، سیدھے ہاتھ سے لے اور سیدھے ہاتھ سے دے کیونکہ شیطان اُلٹے ہاتھ سے کھاتا، اُلٹے ہاتھ سے پیتا، اُلٹے ہاتھ سے لیتا اور اُلٹے ہاتھ سے دیتا ہے۔''[1] اور بوقت ضرورت کھانے وغیرہ میں بائیں یعنی اُلٹے ہاتھ سے مدد لینے میں حرج نہیں۔ البتہ! بغیر کسی حاجت وضرورت کے مستقل طور پر اُلٹے ہاتھ سے کھانے میں ضرور حرج ہے۔''

خسیس کام بائیں ہاتھ سے کئے جائیں:

خسیس کاموں میں ''سنت زائدہ'' بائیں ہاتھ یا بائیں پاؤں وغیرہ سے ابتدا کرنا ہے۔ جیسے بیت الخلا میں داخل ہونا، استنجا کرنا اور عضوِتناسل کو چھونا وغیرہ۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٥٦ھ) ''شرح مسلم'' میں نقل کرتے ہیں: ''جس نے دائیں ہاتھ سے استنجا کیا اس نے برا کیا مگر استنجا ہو جائے گا اور اہل ظاہر (یعنی قرآن وسنت کے ظاہری معنی مراد لینے والے) کہتے ہیں: ''دائیں ہاتھ سے استنجا کیا تو نہ ہوگا کیونکہ (حدیث پاک میں منع ہے اور) کسی چیز سے ممانعت اس چیز کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔'' جبکہ جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کے نزدیک: ''ممانعت، شے کے فساد کا تقاضا نہیں کرتی۔'' اور انہوں نے اس ممانعت کو ممنوع فعل کے عین ذات کی طرف پھیرا ہے اور وہ دائیں ہاتھ کا احترام ہے اور پھر استنجے کا مقصد صرف صفائی ہے اور وہ حاصل ہو چکی، لہٰذا استنجا ہو جائے گا اور اس کی ممانعت حضرت سیِّدُنا ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ عضوِتناسل کو دائیں ہاتھ سے پکڑنا منع ہے اور بیت الخلا میں دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا بھی ممنوع ہے۔'' یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔ اب اس ناممکن سے خلاصی کی راہ کیا ہو اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا امام مازری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٥٣٦ھ) نے ارشاد فرمایا: ''عضوِتناسل کو الٹے ہاتھ سے پکڑے پھر اسے ڈھیلے سے مس کرے تاکہ دونوں حدیثوں کے تقاضے کے اعتبار سے وہ سلامتی کی راہ پر رہے۔''

سنتِ زائدہ مستحب ہوتی ہے:

سنتِ زائدہ مستحب ہوتی ہے۔ مستحب کا معنی یہ ہے کہ وہ فعل جسے شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال، دافِعِ رنج

[1]......سنن ابن ماجه، ابواب الاطعمة، باب الاكل باليمين، الحديث: ٣٢٦٦، ص ٢٦٧٥.

ومَلال، صاحبِ جُود ونوال صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سلف صالحین اور علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے پسند فرمایا ہو۔(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ) میرے والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد اپنی کتاب ''اَلْاَحْکَام'' میں فرماتے ہیں: ''پھر ''اَلْحَاوِی الْقُدْسِی'' میں ہے کہ اَدَب، مستحب اور نفل وہ کام ہیں جو حضور سید عالم، نورِ مجسّم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے کبھی کبھی کئے ہوں اور اسے سنت بھی کہا جاتا ہے۔''

''شَرْحُ دُرَرِ الْبِحَار'' میں ہے: ''جان لو کہ مستحب، سنت سے نچلا اور ادب سے اوپر والا درجہ ہے اور ہمارے بعض مشائخ عظام رحمہم اللہ السلام نے ادب اور مستحب میں کوئی فرق نہیں فرمایا اور کبھی سنت کو مستحب بھی کہہ دیتے ہیں۔''

باعتبارِ قباحت بدعت کی اقسام:

مذکورہ گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ بدعت بمعنی عام جس کا بیان بدعت بمعنی لغوی عام کے نام سے گزر چکا اور یہ مطلق ایجاد اور اختراع کرنے کو کہتے ہیں خواہ وہ عادت میں ہو یا عبادت میں۔ اس کی باعتبارِ قباحت تین اقسام ہیں: (۱)......عقیدہ میں بدعت، جو سب سے زیادہ قبیح (یعنی بری) ہے (۲)......عبادت میں بدعت، جو درمیانے درجے کی قبیح ہے اور (۳)......عادت میں بدعت، جو کم درجے کی قبیح ہے۔

''شَرْحُ الشِّرْعَۃ'' میں ''شَرْحُ الْمَشَارِق'' کے حوالے سے فرمایا: ''حضرات علمائے کرام ارشاد فرماتے: ''بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱)...... بدعت واجب، جیسے بے دینوں اور دیگر گمراہوں کے شبہات کا رد کرنے کے لئے دلائل جمع کرنا (۲)...... بدعت مستحب، جیسے کُتُب کی تصنیف اور مدارس کی تعمیر وغیرہ۔ (۳)...... بدعت جائز، جیسے دعوت میں اپنے مسلمانوں بھائیوں کے سامنے انواع واقسام کے کھانوں کا انبار لگا دینا۔ (۴)...... بدعت مکروہ اور (۵)...... بدعت حرام اور یہ دونوں اپنے نام ہی سے ظاہر ہیں [1]۔''

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

[1] ......بدعت مکروہ کی مثال جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا اور بدعت حرام کی مثال جیسے جبریہ مذہب۔(جاء الحق ـعن مرقاۃ المفاتیح، ص۲۲۵) بدعت کے معنی اور اس کی اقسام واحکام کے بارے میں مزید معلومات کے لئے حکیم الامت **مفتی احمد یار خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۹۱ھ) کی مشہورِ زمانہ تصنیف ''**جاءالحق**'' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات کے صفحہ 220 تا 237 کا مطالعہ فرمالیجئے۔

بدعاتِ حَسَنہ اوراُن کے فوائد کا بیان

منارہ بنانے کی بدعت:

ماقبل تقسیم جاننے سے معلوم ہوا کہ منارہ بنانے کی بدعت جس کا ذکر بدعت کی قسمِ مستحب میں ہو چکا، یہ باوجود بدعت ہونے کے مستحب ہے کیونکہ اس سے مؤذنوں کوان کے مقصد یعنی پانچوں فرض نمازوں اور نمازِ جمعہ کے وقت سے لوگوں کو آگاہ کرنے میں مدد ملتی ہے اور یہی اذان سے مراد ہے، لغت میں مطلق اعلان کرنے کو اذان کہتے ہیں اور شریعت میں وقتِ نماز کا اعلان کرنے کو اذان کہتے ہیں اور''منارہ'' اس اعلان کو مسلمانوں کے درمیان پھیلانے میں مدد دیتا ہے جو اس کے علاوہ کسی اور سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

دینی مدارس کی تعمیر اور کتابوں کی تصنیف:

منارہ بنانے کی طرح علم دین یا تعلیم قرآن پاک کے لئے دینی مدارس قائم کرنا اور یوں ہی علم توحید وعقائد، علم احکام فقہ، علم تفسیر وحدیث اور اِن علوم کے حصول کا ذریعہ بننے والے علوم مثلاً علم نحو، علم صرف اور علم لغت وغیرہ میں دینی کتب کی تصنیف کرنا، یہ دونوں باوجود بدعت ہونے کے مستحب ہیں اس لئے کہ یہ تعلیم وتبلیغ میں معاون ومددگار ہیں۔ تعلیم میں اس طرح کہ کتابوں میں مسائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی وضاحت بھی کردی جاتی ہے، مناسب ابحاث اور اعتراضات وجوابات میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب مقام پر رکھا جاتا ہے، دلائل تحریر کئے جاتے ہیں اور اختلاف بیان کیا جاتا ہے جس سے مُعلِّم (یعنی استاذ) کو سکھانے میں اور طالب علم کو سیکھنے میں آسانی ہوجاتی ہے......اور تبلیغ میں اس طرح معاون ہیں کہ ان کتب کے ذریعے اسلامی قوانین واحکام بالکل آسان پیرائے میں متقدمین علمائے عظام سے متاخرین فضلائے کرام تک پہنچتے ہیں۔

عقلی وقطعی دلائل جمع کرنا:

اعتقادی واصولی مسائل کے ثبوت کے لئے عقلی وقطعی دلائل جمع کر کے معتزلہ وغیرہ بدعتی وگمراہ فرقوں کا رد کرنا، نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَر یعنی برائی سے روکنے اور دین محمدی (عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کی حفاظت کا ذریعہ ہے (اور یہ مستحب ہے)۔

بدعتِ حسنہ کی ضرورت واہمیت:

اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ سردارانِ ملت وپیشوایانِ اُمت حضرات صحابۂ کرام وتابعین عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب ظاہری کمی ونقصان کے ساتھ دشمنانِ دین سے جہاد کی سعادت پائی......اور مضبوط نیزوں اور تیز دھار تلواروں سے ان پر غالب آگئے یہاں تک کہ شہر فتح ہوگئے......مسلمانوں کے دلوں کو اِطمینان وسکون نصیب ہوا...... اور کلیجے ٹھنڈے ہوگئے اور بعد والوں کے لئے اس میں سے کوئی حصہ باقی نہ رہا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے لئے یہ راہ نکالی کہ امت میں اِفتراق پیدا ہوگیا......، اِجتماعیت ختم ہوگئی......، ٹیڑھے دل والوں کا ظہور ہوا......اور عقائد میں مخالفین اور دشمنوں کی کثرت ہوگئی۔ پس یوں بعد والے صاحبِ اِیمان لوگوں کے لئے جاہلوں سے جہاد کے کئی دروازے کھل گئے......، گمراہوں سے جہاد کی سعادت سے یہ بھی محروم نہ رہے۔ چنانچہ، اُنہوں نے اپنے پختہ ارادوں کے ساتھ ان سے جنگ کی......، واضح وقطعی دلائل کی تلواروں سے ہر جگہ ان پر غالب آئے......، مختلف موضوعات پر کثیر کتب لکھ کر مضبوط قلعے بنادیئے......اور اپنی کوششوں سے انہیں مزید مضبوط کیا......، گمراہی کے قلعے گرانے ، بدباطنوں اور جھگڑالوؤں کے وسوسوں کو ختم کرنے کے لئے ان کتب میں دلائل کی مَنْجَنِیْقیں نصب کردیں......اور ان کی نشر واشاعت کے لئے مدارس قائم کئے اور اب بھلائی پر مدد کرنے والے ہر متقی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زمانے میں حتی المقدور اس کی اطلاع عام کرے......اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں بروزِ قیامت بہترین جزا عطا فرمائے اور انہیں جنت میں ان کے امن والے گھروں میں پہنچائے۔ (امین بجاہ النبی الامین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم)

لہٰذا شریعت کی بقا وتقویت اور حفاظت کے لئے منارے بنانا، مدارس قائم کرنا، کتابیں لکھنا اور دلائل جمع ومرتب کرنا، ان سب کی شارع یعنی حضور نبی کریم ،رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف سے نہ صرف اجازت ہے بلکہ ان کا حکم ہے اگرچہ بطریقِ عموم ہے۔ جیسا کہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ

ترجمۂ کنز الایمان: نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی۔ (پ۲،البقرۃ:۲۳۸)

﴿۲﴾

وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ (پ۶،النساء:۱۷۱) ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ۔

اور یہ مدارس ومناروں کی تعمیر نمازوں کی نگہبانی کا ایک ذریعہ ہے اور کتابوں کی تصنیف اور دلائل کو جمع ومرتب کرنا منجملہ اسی حکم قرآنی کے تحت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں سچ کہا جائے اور اس کی طرف باطل کی نسبت نہ کی جائے۔

سوال:

صدر اول یعنی صحابہ کرام، وتابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ میں یہ کام (یعنی مدارس کی تعمیر اور کتابوں کی تصنیف وغیرہ) کیوں نہ ہوئے؟

جواب:

اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں: (۱)......ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اُس زمانے والوں کو ان میں سے کسی کام کی حاجت نہ تھی، کثرت اجتہاد اور مجتہدین کے سبب علوم کی تدوین کی حاجت نہ تھی، مستند ائمہ دین کی طرف رجوع کی سہولت کی وجہ سے کتب کی تصنیف سے بے نیاز تھے اور دشمنانِ اسلام ومخالفینِ دین کے کم ہونے کے سبب دلائل کو جمع ومرتب کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ (۲)...... یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس زمانے میں منارہ بنانے اور مدارس کی تعمیر پھر انہیں چلانے والوں کے وظائف میں خرچ کرنے کے لئے مال نہ ہونے کے سبب ان کاموں کے کرنے پر قدرت نہ تھی۔ (۳)...... یا اس لئے کہ دن رات اِن سے زیادہ اہم کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے اِن کے لئے وقت ہی نہ ہوتا تھا جیسے کفار سے جہاد اور شہروں کو فتح کرنے کی مصروفیت، بندوں کے لئے اسلام وایمان کے قواعد وقوانین کو آسان بنانے کی مشغولیت، سنتِ نبویہ وسیرتِ محمدیہ (عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام) پر محافظت اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ہر حال میں اس پر قائم رہنے کی کوشش۔

ان کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں جو ان کاموں سے اوائل اسلام میں مانع تھیں مثلاً اُس زمانے میں ایسی باتوں کا ظہور ہی نہ ہوا تھا جو ان کاموں کا تقاضا کرتیں یا اس زمانے میں وہ چیز موجود تھی جس نے دیگر سے مستغنی کر دیا یا پھر اُن نفوسِ قدسیہ نے ان کاموں کی طرف توجہ نہ فرمائی وغیرہ۔

اشارۃً یا دلالۃً بدعتِ حسنہ کی اجازت:

جنس عبادت (یاد رہے کہ جنسِ عبادت شرعا بدعت نہیں ہوتی جیسا کہ ماقبل گزرا) میں سے ہر وہ عقیدہ، قول، عمل اور عادت جسے عوام وخاص کے مابین ''بدعت حسنہ'' کہا جاتا ہے، اگر آپ اس کا گہری نظر سے مشاہدہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے ہر ایک کی شارع (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ یا حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) کی طرف کسی آیتِ مبارکہ یا حدیثِ پاک میں اشارۃً یا دلالۃً اجازت موجود ہے۔ کوئی بھی شے اس سے خارج نہیں، بس قصور اور کمی تو اس پر عدمِ اطلاع میں ہے۔ پھر یہ کہ اشارۃً اور دلالۃً میں فرق ہوتا ہے۔

اشارۃً اور دلالۃً میں فرق:

اشارۃً کہتے ہیں کہ جس مقصد کے لئے نص کو لایا گیا ہے، نص کا اس کے غیر کی طرف اشارہ کرنا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (پ۳، البقرۃ:۲۳۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا اور پہننا ہے حسب دستور۔'' اس کلام کو لانے کا مقصد شوہر پر نفقہ (یعنی خرچ) ثابت کرنا ہے اور اس میں اس طرف اشارہ بھی موجود ہے کہ نَسَب باپ کی جانب سے ہوتا ہے۔ جبکہ دلالۃً کہتے ہیں کہ نص اپنے ''لازم معنیٰ'' کو سمجھائے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان نصیحت بنیاد ہے: ''فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ (پ۱۵، بنی اسرائیل:۲۳) ترجمۂ کنزالایمان: تو ان سے ہُوں نہ کہنا۔'' اس آیت مبارکہ میں والدین کو ''اُف'' کہنے سے منع فرمایا گیا ہے اور یہ کلام اپنے ''لازم معنیٰ'' کو بھی سمجھا رہا ہے کہ جب ایک لفظ ''اُف'' کہنا منع وحرام ہے تو والدین کو مارنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہے۔

ایک بدعتِ حسنہ کے متعلق سوال جواب:

بعض علمائے کرام رحمہم اللہ السلام سے کعبۃ اللہ شریف (زَادَهَا اللّٰهُ شَرَفًا وَّتَعْظِيْمًا) کے ارد گرد بعد میں شامل کی گئی اُن جگہوں کے متعلق جہاں اب مذاہب اربعہ (یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ) کے مطابق چار اماموں کی اقتدا میں لوگ نماز ادا کرتے ہیں، سوال ہوا کہ ''یہ جگہیں سنت کے مطابق نہیں، نہ تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے مقدس دور میں تھیں اور نہ ہی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالٰی کے مبارک زمانے میں تھیں نیز انہوں نے ان کا حکم دیا نہ ہی ان کا مطالبہ فرمایا تو کیا ان جگہوں کا اضافہ درست ہے؟'' تو ان علمائے دین رحمہم اللہ المبین نے جواب دیا کہ ان جگہوں کا شامل

کرنا بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ ہے، بدعتِ سیئہ (یعنی بری بدعت) نہیں کیونکہ ان جگہوں کو شامل کرنا صحیح حدیث پاک سے ثابت ہے اور اسے سنتِ حسنہ میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان جگہوں سے اہلسنّت و جماعت کے عام لوگوں کے لئے مسجد اور مسلمان نمازیوں کے حوالے سے کوئی تکلیف اور تنگی پیدا نہیں ہوئی بلکہ یہ بارش، شدید گرمی اور سردی میں بہت زیادہ فائدہ مند ہیں اور نمازِ جمعہ وغیرہ میں اِمام سے قریب ہونے کا ذریعہ بھی۔ پس یہ بدعتِ حسنہ ہوئی اور ان کے اس فعل کو سنت حسنہ کہا جاتا ہے اگرچہ یہ اہل سنت کی ''ایجاد'' ہے اور اہل بدعت کی ایجاد نہیں۔

بدعتِ حسنہ کو حسنہ کہنے کی وجہ:

اور اسے سنت حسنہ کہنے کی وجہ حضور سیِّدِ عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمانِ عالیشان ہے: ''مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَــنَةً یعنی جس نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا۔'' [1] تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو ''سنت جاری کرنے والا'' قرار دے کر اس اچھے طریقے کو سنت میں داخل فرمایا اور ایجاد کرنے کو سنت سے ملا دیا اور اگرچہ یہ حدیث (آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے) فعل کے متعلق وارد نہیں ہوئی، قول کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا اچھا طریقہ ایجاد کرنے والا سنت پر عمل کرنے والا ہے نہ کہ بدعت پر چلنے والا، اس لئے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اسے سنت میں سے قرار دیا اور اس کا نام سنت رکھا اور سنت کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ جسے حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے برقرار رکھا یا کیا اور ہمیشگی فرمائی اور اسے ظاہر فرمایا اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان اور کسی کام پر خاموشی اختیار فرمانا بھی مِنْجُملہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے فعل سے ہے کیونکہ یہ اس کام کو برقرار رکھنا اور قیامت تک سنت حسنہ (یعنی اچھا طریقہ) ایجاد کرنے کی اجازت دینا ہے۔ اب اچھا طریقہ ایجاد کرنے والا شریعت کا اجازت یافتہ ہے اور اس پر اجر پانے والا ہے اور جب تک لوگ اس پر عمل کرتے رہیں گے ایجاد کرنے والا اجر پاتا رہے گا۔ چنانچہ،

اچھا طریقہ جاری کرنے والا اجر و ثواب پائے گا:

(۱)...... حضرت سیِّدُنا عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحْبُوب، دانائے غُیُوب، مُنَزَّہٌ عَنِ

[1] ......سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب من سن سنة حسنة او سيئة، الحديث: ۲۰۳، ص۲۴۸۹.

الْغُیُوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اَجْرِھِمْ شَیْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً فَعَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْءٌ یعنی جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اور ان کے اجر میں سے کچھ کم نہ ہوگا اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس (گناہ) کا بوجھ اس پر ہے اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی اور خود ان عمل کرنے والوں کے بوجھوں سے کچھ کمی نہ ہوگی۔'' [1]

(۲)...... حضرت سیِّدُ نا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ ھ) حضرت سیِّدُ نا **اَبُو جُحَیْفَہ** رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان ذیشان ہے: ''جس نے اِسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا پھر بعد والوں نے اس پر عمل کیا تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کے اجروں کی مثل اجر ہے اور ان کے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا پھر بعد والوں نے اسے اپنایا تو اس کا بوجھ اس پر ہے اور ان عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی اس پر ہے اور خود ان کے بوجھوں سے کچھ کمی نہ ہوگی۔'' [2]

ہر اچھی ایجاد سنت میں داخل ہے:

پس حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا ہر بدعت حسنہ کو برقرار رکھنا اسے سنت میں داخل کرتا ہے اور فقرا وصوفیا کی قیام گاہیں، مدارس، گھر میں ضرورت کی جگہیں (مثلاً غسل خانہ، بیت الخلا اور باورچی خانہ وغیرہ)، راستوں میں مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے والی چیزوں مثلاً سرائے وغیرہ کی تعمیر اور ہر اچھی ایجاد اس سنت میں داخل ہیں۔

حضرت سیِّدُ نا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ ھ) ''صحیح مسلم'' کی شرح میں یہ دو فرامین مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم: (۱) مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً وَمَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً (یعنی جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا) (۲) مَنْ دَعَی اِلٰی ھُدًی وَ مَنْ دَعَی اِلٰی ضَلَالَۃٍ (یعنی جس نے ہدایت کی طرف بلایا اور

[1] ......المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث جریر بن عبداللّٰہ، الحدیث: ۱۹۱۷۷، ج۷، ص ۵۶۔

[2] ......السنن الکبری للبیھقی، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقۃ وان قلت، الحدیث: ۷۷۴۱، ج۴، ص۲۹۳، بتغیرِ قلیلٍ.

جس نے گمراہی کی طرف بلایا) نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ دونوں حدیثیں اچھے کاموں کے جاری کرنے کے مستحب ہونے پر ابھارنے اور بُرے کاموں کے جاری کرنے کے حرام ہونے کے بارے میں صریح وواضح ہیں۔

اور بے شک جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اسے قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے اجر کی مثل اجر ملے گا اور جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اسے قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ کی مثل گناہ ملے گا اور جس نے ہدایت کی طرف بلایا اسے ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا اسے گمراہی پر چلنے والوں کے گناہ کی مثل گناہ ملے گا خواہ اس نے ہدایت یا گمراہی کی ابتدا کی ہو یا اس کی طرف منسوب ہو، خواہ وہ ہدیت یا گمراہی کوئی علم یا عبادت یا ادب سکھانا ہو یا اس کے علاوہ کچھ اور۔'' حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلَّم کا یہ ارشاد فرمانا کہ '' پھر بعد والوں نے اس پر عمل کیا'' اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے ایجاد کرنے کے بعد خواہ وہ اس کی زندگی میں عمل کریں یا اس کی موت کے بعد۔'' (1)

کیا بعد والوں کے عمل کا اجر یا گناہ موجد کو ملے گا؟

اَحادیث مبارکہ کے ظاہر سے تو یہی پتا چلتا ہے کہ اچھے یا برے طریقے کی ابتدا کرنے والے کے لئے قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے مثل اجر یا گناہ ملے گا خواہ اس نے اس طریقہ میں بعد والوں کے لئے اتباع و پیروی کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور وہ عمل محض اپنے لئے کیا ہو۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخْزنِ جودوسخاوت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ''دنیا میں جب کوئی ناحق قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون کے گناہ کا حصہ حضرت آدم (عَلَیْہِ السَّلَام) کے بیٹے (قابیل) کو ملتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا تھا۔'' (2)

علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا مؤقف:

اور یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے والے کے لئے بعد میں عمل کرنے والوں کی مثل ثواب یا گناہ اس وقت ملے گا جب اس نے وہ طریقہ جاری کرتے وقت دوسروں کے پیروی کرنے کی نیت کی ہو اور اگر اس

(1) ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب العلم، باب من سنن سنة حسنة......الخ، ج۱٦، ص۲۲٦.

(2) ......صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب اثم من دعا الی الضلالة......الخ، الحدیث: ۷۳۲۱، ص ٦۱۰.

نے یہ نیت نہیں کی تھی تو پھر اسے صرف اپنے اچھے یا برے طریقے پر عمل کا اجر یا گناہ ملے گا۔اس لئے کہ سرکارِ والاتبار، ہم بے کسوں کے مددگار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔''(1)

اس حدیث شریف میں حصر (یعنی ہر عمل کو نیت کے ساتھ قید کر دینا) اس بات کو منع کرتا ہے کہ اپنی اتباع کئے جانے کی نیت کے بغیر اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے والے کو بعد والوں کے ثواب یا گناہ سے حصہ ملے (یعنی بعد والوں کے اجر یا گناہ میں سے اس کے لئے کچھ نہیں) اور اس کی نظیر ومثال وہ مسئلہ ہے جسے فقہائے کرام نے صراحت ووضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ ''اگر امام نماز میں مقتدیوں کی امامت کرنے کی نیت نہ کرے تو اسے امامت کا ثواب نہیں ملے گا اگرچہ اس کی اقتدا اور متابعت درست ہے۔لہٰذا وہ امام اپنی اُس نماز میں منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کا حکم رکھتا ہے۔ تو امامت کی نیت نہ کرنے کے سبب منفرد کا ثواب پائے گا۔اس کی تائید ان دو حدیثوں سے ہوتی ہے۔چنانچہ،

(۱)......سرکارِ والاتبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''جس نے ہدایت کی طرف بلایا اسے اس کی پیروی کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور یہ ان کے اجروں میں کچھ کمی نہ کرے گا اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا اسے گمراہی پر چلنے والوں کے گناہوں کے برابر گناہ ملے گا اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔''(2)

(۲)......حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جس نے نیکی پر رہنمائی کی اس کے لئے نیکی کرنے والے کے اجر کی مثل اجر ہے۔''(3)

نیز حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے اپنی کتاب ''رِیَاضُ الصَّالِحِیْن'' کے باب ''مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً اَوْسَیِّئَۃً'' (یعنی اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے متعلق باب) کا آغاز درج ذیل فرامینِ باری تعالٰی سے فرمایا ہے۔چنانچہ،

1 ......صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی......الخ، الحدیث: ۱، ص ۱

2 ......صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ......الخ، الحدیث: ۶۸۰۴، ص ۱۱۴۴

3 ......صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل اعانۃ الغازی......الخ، الحدیث: ۴۸۹۹، ص ۱۰۱۷

﴿١﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا﴿۷۴﴾ (پ١٩،الفرقان:٧٤)

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دے ہماری بی بیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

﴿٢﴾

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (پ٢١،السجدة:٢٤)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے۔ (1)

اور یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ امام کو مقتدیوں کی تعداد کے برابر اسی وقت امامت کا ثواب ملے گا جب وہ مقتدیوں کے اپنے عمل میں پیروی کرنے کی نیت کرے گا۔ ورنہ ثواب نہیں پائے گا۔ اس لئے کہ اگر مطلق فعل مراد ہوتا تو حدیث شریف میں (مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً کے بجائے)''مَنْ عَمِلَ عَمَلًا حَسَنًا وَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا سَیِّئًا'' کے الفاظ ہوتے۔ لہٰذا حدیث شریف کا لفظ ''سَنَّ سُنَّةً'' ہمارے بیان کردہ مؤقف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اور ماقبل بیان کردہ حضرت سیِّدُنا آدم صفی اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کے بیٹے (قابیل) والی حدیث کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسولوں کے سالار، نبیوں کے سردار، غیبوں سے خبردار صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کے بیٹے کا حال ظاہر کر دیا گیا ہو کہ ''اس نے اپنے بھائی کو اسی نیت سے قتل کیا تھا تاکہ اسے زیر کرکے اپنے دل کو ٹھنڈا کرے اور اس عمل میں بعد والے لوگ اس کی پیروی کریں۔'' اسی لئے آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ ''لِاَنَّهٗ كَانَ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ'' (یعنی وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا تھا) یہ نہ فرمایا کہ ''اَوَّلُ مَنْ قَتَلَ'' (یعنی وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کیا) کیونکہ ''سنت'' کا معنی ہے: ''وہ طریقہ جس کی پیروی کی جائے'' اور اگر قابیل یہ نیت نہ کرتا کہ اس کے بعد اس فعل کی پیروی کی جائے تو اس کے بارے میں یہ نہ کہا جاتا کہ ''اس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔'' جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ

(1)......ریاض الصالحین، باب فی من سن سنة حسنة او سیئة، الحدیث:١٧١، ص٦١.

الْغُیُوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سنتوں (یعنی اعمال) کو اس نیت سے اپنایا کرتے تا کہ لوگ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع و پیروی میں ان پر عمل کریں، لہٰذا آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اس معاملے میں امام و پیشوا ہو گئے اور قیامت تک سنتوں پر عمل کرنے والوں کا ثواب، آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو ملتا رہے گا۔

اِرتکابِ بدعت ترکِ سنت سے زیادہ نقصان دہ ہے:

اے شریعت کے پابند شخص! پھر تمہیں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ دین میں بدعت سیئہ کو اختیار کرنا، سنت کو ترک کرنے سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ جبکہ اس ترک کرنے کو ناپسند جانے اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سنت کو ترک کرنا بدعت نہیں جبکہ ترک کرنے کو اطاعت نہ سمجھے اور اگر اطاعت سمجھ کر سنت کو ترک کیا تو یہ بھی دین میں بدعتِ سیئہ شمار ہوگا اور ترک کرنا، بدعتِ فعلی کے برابر ہو جائے گا اور ارتکابِ بدعت، ترکِ سنت سے اس لئے زیادہ نقصان دہ ہے کہ اس کا نقصان غیر کے عمل اور اعتقاد دونوں کو پہنچتا ہے جو کسی بھی طرح شرعی نہیں۔ خصوصاً اس کے حق میں جس کا ظاہر نیکی و درستی ہو بخلاف ترکِ سنت کے کہ اس کا اثر اگرچہ غیر کے عمل کو پہنچتا ہے لیکن اعتقاد کو نہیں پہنچتا۔

زیادہ نقصان دہ ہونے کی دلیل:

ارتکابِ بدعت کے ترکِ سنت سے زیادہ نقصان دہ ہونے کی دلیل حضراتِ فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کا یہ قول ہے کہ جب مکلّف (یعنی جس پر شریعت لازم ہو) کو اعمال، اقوال، عقائد یا احوال میں سے کسی چیز کے سنت یا بدعتِ سیئہ ہونے میں شک واقع ہو جائے کہ سنت پر عمل کی صورت میں ثواب دیا جائے گا اور بدعت کے ارتکاب پر پکڑ ہوگی اور اسے ان کے مابین شک واقع ہو گیا ہے اور اس کے پاس کوئی ایسی دلیل بھی نہیں جو دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے تو اس چیز کو ترک کر دینا واجب ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا شیخ الاسلام، شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۹۰ھ) اپنی کتاب "اَلْمُحِیْط" کی "کِتَابُ السَّجَدَات" میں ارشاد فرماتے ہیں: "جس شخص کو کسی عمل کے واجب یا بدعت ہونے میں شک واقع ہو تو احتیاطاً اس کام کو کر لے اور اگر کسی کام کے بدعت اور سنت ہونے میں شک واقع ہو تو اسے چھوڑ دے

اس لئے کہ بدعت کو چھوڑنا لازم اور ادائے سنت غیر لازم۔"[1] [2]

جب فساد اور بھلائی میں تعارض ہوجائے تو!

حضرت سیِّدُنا امام علامہ زین الدین بن ابراہیم المعروف ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالی علیہ (متوفی ۹۷۰ھ) اپنی کتاب "اَلْاَشْبَاہُ وَالنَّظَائِر" میں اس قاعدے "دَرْءُ الْمَفَاسِدِ اَوْلٰی مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ" (یعنی مفاسد کو دور کرنا، منافع کو حاصل کرنے سے مقدم ہے) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: "جب فساد اور بھلائی میں تعارض ہوجائے تو اکثر دفعِ فساد، مقدم ہوتا ہے۔ کیونکہ شریعت، ممنوعات کی حفاظت، احکامات کی حفاظت سے زیادہ کرتی ہے اور اسی لئے حضور نبی کریم صلّی

......المبسوط للسرخسی، کتاب السجدات، الجزء الثانی، ج۱، ص ۱۳۰.

......**قولہ: من کتاب السجدات ان ما تردد فیہ بین الواجب..** امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ".ذکروہ فی مسئلۃ کراھۃ قلب الحصی لتحصیل السجود علی الوجہ المسنون **اقول**: وھھنا بعض فروع یرد علی ھذہ القاعدۃ: **منھا**: ما نصوا علیہ من ان الزیادۃ علی التثلیث فی الوضوء تعدّ لہ من الحدیث: من زاد علی ھذا او نقص فقد تعدی وظلم الا ذا شک فلا بأس. کما فی الفتح والدر وغیرھما وانت تعلم ان الامر عند الشک متردد بین ان یکون قد غسل مرتین لا ضیر فتکون ھذہ الغسلۃ سنۃ او ثلاثا(......بیاض......) ترک البدعۃ ونھوا عنھا **ومنھا**: ما نصّت الاحادیث المتواترۃ(......بیاض......) فی النوافل و عامۃ السنن اتیانھا فی البیوت ونصوا باستثناء من خشی ان یشتغل عنھا اذا رجع الی البیت کمافی الفتح.(ص ۲۰۹) وقد ذکر فیہ من الاحادیث ما یفید ان اختیارالبیوت لھا من مھمات السنن و **منھا**: تنصیصھم ان الختم فی التراویح مرۃً سنۃ لن یترک لکسل القوم مع ان التثقیل علی المقتدین نھی عنہ فی غیرماحدیث واذکر حدیث أفتان انت یامعاذ! **ومنھا**: اھم باداء رکعتی الفجر اذا لمن ادرک الامام مع قولہ صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم: "اِذَا أُقِیمَتِ الصَّلَاۃُ فَلَا صَلَاۃَ إِلَّا الْمَکْتُوبَۃَ." قال فی الفتح: ولانہ یشبہ المخالفۃ للجماعۃ والانتباذ عنھم، فینبغی ان لا تصلی فی المسجد اذ لا یمکن عند باب المسجد مکان لان ترکہ المکروہ مقدم علی فعل السنۃ الخ. **اقول**: اذا کان عند بابہ مکان فشبہ مخالفۃ الجماعۃ وان انتفی لم ینتف مخالفۃ الحدیث وانتم وقد مرون بترک سنۃ الظھر مطلقاً اذا اقیمت الصلوۃ سواء خشی الفوت ام لا وکان عند الباب مکان اولا لانہ یقدر علی ان یؤدیھا بعد الفرض بخلاف سنۃ الفجر فلم تتحملوا ھذا الا محافظۃ علی السنۃ فافھم لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا. ۱۲ یعنی فقہائے کرام علیہم رحمۃ ربّ الانام نے یہ اصول اس مسئلہ یعنی "مسنون طریقے پر سجدہ کرنے کے لئے کنکریاں ہٹانا مکروہ ہے۔" کے تحت بیان فرمایا۔ **میں کہتا ہوں**: یہاں اس قاعدہ پر وارد ہونے والی بعض دیگر فروعات بھی ہیں۔ ۞......ان میں سے ایک یہ ہے کہ وضو میں تین بار سے زیادہ دھونا ظلم وتعدی ہے۔ حدیث میں ہے: "جس نے وضو میں تین بار دھونے میں کمی یا زیادتی کی بے شک اس نے ظلم کیا۔ البتہ! شک والے کے لئے کوئی حرج نہیں۔" جیسا کہ فتح القدیر اور درمختار......

اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشادفرمایا: ''جب میں تمہیں کسی بات کاحکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس پرعمل کرو اور جب کسی کام سے منع کردوں تو اس سے باز آجاؤ۔

''کَشْفُ الْاَسْرَار'' میں یہ حدیثِ پاک مروی ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی منع کردہ چیزوں میں سے ذرہ بھر سے باز رہنا جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔'' (1)

......وغیرہما میں ہے اورتم جانتے ہو کہ اگر اعضائے وضو دھونے میں یہ شک ہوا کہ دو بار دھویا ہے یا تین بار، تو اگر دوسری مرتبہ میں شک ہوا تو کوئی مضائقہ نہیں اور یہ دھونا سنت کہلائے گا، اگر تیسری بار دھونے میں شک ہوا تو...... بیاض......(دھونے کی) بدعت کو چھوڑ دے اور فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام نے بھی اس سے منع فرمایا ہے۔❁......ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ احادیث متواترہ...... بیاض......جن میں اس بات کی تصریح ہے کہ سنن ونوافل گھر میں ادا کرے اور فقہائے کرام علیہم رحمۃ ربِّ الانام نے اس شخص کے اس حکم سے خارج ہونے کی تصریح فرمائی ہے جسے یہ خوف ہو کہ جب وہ گھر لوٹے گا تو اِن (سنن ونوافل) سے غافل ہوجائے گا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اس موضوع پر کئی احادیث بیان کی گئی ہیں جو اس بات کا فائدہ دیتی ہیں کہ سنن ونوافل کو گھروں میں ادا کرنا اہم سنتوں میں سے ہے۔❁......ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے: فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام نے تصریح فرمائی ہے کہ تراویح میں ایک مرتبہ قرآن پاک ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے۔لوگوں کی سستی کی وجہ سے ختمِ قرآن پاک ترک نہ کیا جائے۔باوجود یہ کہ (تراویح کے علاوہ دیگر نمازوں میں) مقتدیوں پر گراں گزرنے والی لمبی قراءت کی کئی احادیث مبارکہ میں ممانعت آئی ہے۔یاد کرو اس حدیث شریف کو (جس میں حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے لمبی قراءت کی وجہ سے حضرت سیِّدُنا معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ارشاد فرمایا) ''اے معاذ! کیا تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہو؟''❁......ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ فجر کی دوسنتیں ادا کرنا ضروری ہے جبکہ (سلام پھیرنے سے قبل) امام کو پاسکے۔حالانکہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ یعنی جب نماز (کی جماعت) کھڑی ہوجائے تو فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔'' جیسا کہ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فتح القدیر میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ''اگر یہ سنتیں ادا کرے تو دورانِ جماعت الگ نماز پڑھنا جماعت کی مخالفت اور ان سے علیحدگی کا شبہ دلاتا ہے۔پس اگر مسجد کے دروازے سے متصل کوئی جگہ ہو تو مسجد میں سنتِ فجر ادا نہ کرے کیونکہ اس کا مکروہ کو چھوڑنا سنت پر عمل کرنے سے مقدَّم ہے۔(اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: ''اگر مسجد کے دروازے کے پاس جگہ ہو تو پھر بھی (مسجد میں سنت فجر ادا کرنے سے) جماعت کی مخالفت کا شبہ ہوگا اور اگر (مسجد کے دروازے کے پاس اداءِ سنتِ فجر سے) مخالفتِ جماعت نہ ہو تب بھی مخالفتِ حدیث تو برقرار رہے گی اور آپ کے نزدیک یہ مسئلہ تو تسلیم شدہ ہے کہ جب ظہر کی جماعت کھڑی ہوجائے تو ظہر کی سنتوں کو چھوڑ دیا جائے خواہ نماز کے فوت ہوجانے کا خوف ہو یا نہ ہو، خواہ مسجد کے دروازے کے پاس جگہ ہو یا نہ ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہر کی سنتیں فرض نماز کے بعد پڑھنا ممکن ہے، جبکہ فجر کی سنتوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔پس اس مسئلہ میں آپ نے صرف حفاظتِ سنت ہی کی ذمہ داری نبھائی ہے۔تو اس بات کو سمجھ لیجئے۔شاید اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے بعد کوئی نیا حکم ظاہر فرمادے۔''❁

......کشف الاسرار، الدلیل الاول: الکتاب: تعریفہ، التشابہ و تعریفہ، ج۱، ص۱۵۴.

یہی وجہ ہے کہ مشقت دور کرنے کے لئے واجب کا ترک جائز ہے جبکہ ممنوعات، بالخصوص کبیرہ گناہوں کے ارتکاب میں بالکل نرمی وچھوٹ نہیں ہے اور وہ مسئلہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے جسے حضرت سیِّدُ نا امام بزازی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے اپنے فتاویٰ میں بیان فرمایا کہ ''جو کوئی استنجا کے لئے آڑ (یعنی پردہ کی جگہ) نہ پائے وہ استنجا نہ کرے اگرچہ نہر کے کنارے پر ہو کیونکہ نَھی (یعنی مُمانعت) اَمْر (یعنی حکم) پر راجح (فوقیت رکھتی) ہے، حتی کہ نَھی (یعنی مُمانعت) تمام زمانوں کو شامل ہے اور اَمْر (یعنی حکم) تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔''

یوں ہی یہ مسئلہ بھی ہے اگر عورت پر غسل فرض ہو جائے اور وہ مردوں سے پردے کی جگہ نہ پائے تو غسل میں تاخیر کرے جبکہ مرد پر اگر غسل فرض ہو اور اسے دوسرے مردوں سے پردہ کی جگہ نہ ملے تو غسل میں تاخیر نہ کرے اور غسل کرلے۔ ہاں! استنجا کے لئے اگر مرد کو پردہ کی جگہ نہ ملے تو استنجا ترک کردے اور یہ فرق اس لئے ہے کہ نجاست ِحکمیہ زیادہ قوی ہے اور عورت عورتوں کے درمیان ایسی ہی ہے جیسے مرد مردوں کے درمیان ہے۔ ایسا ہی ''شَرْحُ النِّقَایَۃ'' میں ہے۔

بعض فروعات:

اس مسئلہ کی مزید فُرُوع (یعنی اس جیسے مسائل) میں سے یہ بھی ہے (۱)......کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنا سنت ہے اور روزہ دار کے لئے مکروہ ہے۔ (۲)......دورانِ طہارت (یعنی وضو میں داڑھی کے) بالوں کا خلال سنت ہے اور جس نے احرام باندھا ہو اس کے لئے مکروہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ مصلحت کے فساد پر غالب ہونے کی وجہ سے مصلحت کی رعایت کی جاتی ہے۔ (۳)......انہی مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ طہارت، سترِ عورت، استقبالِ قبلہ وغیرہ شرائط نماز میں سے کسی شرط کو پورا کئے بغیر نماز پڑھنا۔ اس میں فساد یہ ہے کہ اس طرح نماز پڑھنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت وشان کے خلاف ہے کیونکہ سب سے اعلیٰ وافضل ہستی کو کامل ترین حالت میں نہیں پکارا جا رہا اور جب ان شرائط میں سے کسی شرط پر عمل مُتَعَذِّر (یعنی دشوار و ناممکن) ہو جائے تو اس کے بغیر بھی نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ مصلحتِ نماز اس فسادِ مذکور پر مقدم ہے۔ (۴)......اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جھوٹ بولنا سببِ فساد اور حرام وممنوع ہے، لیکن جب کسی مصلحت کے تحت ہو تو جائز ہے، مثلاً لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لئے۔ اپنی زوجہ کو خوش

رکھنے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے [1] اور یہ نوع حقیقت میں دو فساد والی چیزوں میں سے کم فساد والی چیز کو اختیار کرنے کی طرف راجع ہے۔'' [2]

ترکِ واجب اور ارتکابِ بدعت میں شک ہو تو!

ترکِ واجب، ارتکابِ بدعت (یعنی دین میں ایجاد کردہ بری بدعت) سے زیادہ سخت ہے یا اس کا عکس یعنی ارتکابِ بدعت، ترکِ واجب سے زیادہ سخت ہے؟ کیونکہ پہلی صورت کے اعتبار سے دیکھیں تو ترکِ واجب میں حکم شریعت کی بجا آوری بالکل ہی فوت ہو جاتی ہے اور ارتکابِ بدعت میں بھی ایک وجہ سے حکم کی بجا آوری فوت ہوتی ہے اور دوسری صورت (یعنی ارتکابِ بدعت، ترکِ واجب سے زیادہ سخت ہے) کے اعتبار سے دیکھیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعتی اپنے فعلِ بدعت کو اطاعت وعبادت سمجھتا ہے بخلاف ترکِ واجب کے کہ واجب کو چھوڑنے والا ترکِ واجب کو گناہ ونافرمانی سمجھتا ہے۔ پس مذکورہ دو باتوں کے درمیان متردد واجب کو ترک کرنے میں ہمارے نزدیک اشتباہ والتباس (یعنی دشواری والجھاؤ) ہے اور یہ اشتباہ ابتدائے امر سے دُور نہیں ہوتا جب تک اس میں درست رائے سامنے نہ آجائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں صراحت فرمائی ہے جو کسی شے کے بدعت سیئہ یا واجب ہونے کے بارے میں شک میں پڑ جائے، اس لئے کہ ایک طرف تو اُس کے وجوب کا تقاضا ہے تو دوسری طرف اس کے اصلاً عدم مشروع ہونے کا تقاضا ہے اور یوں باہم ٹکراؤ پیدا ہو رہا ہے اور اس وجہ سے وہ شخص اس پر عمل کا حکم نہیں جانتا تو وہ اس کام کو کرلے اور علمائے کرام کا یہ حکم دینا حکم شریعت کی بجا آوری کے معاملے میں احتیاطاً

---

[1] ......**دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1250** صفحات پر مشتمل کتاب، ''**بہارِ شریعت**'' جلد اوّل صفحہ **253** پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولانا **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) ''فتاوی عالمگیری'' سے نقل فرماتے ہیں: ''تین صورتوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے یعنی اس میں گناہ نہیں۔ ایک جنگ کی صورت میں کہ یہاں اپنے مقابل کو دھوکا دینا جائز ہے، اسی طرح جب ظالم ظلم کرنا چاہتا ہو اس کے ظلم سے بچنے کے لئے بھی جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو مسلمانوں میں اختلاف ہے اور یہ ان دونوں میں صلح کرانا چاہتا ہے، مثلاً ایک کے سامنے یہ کہدے کہ وہ تمہیں اچھا جانتا ہے، تمہاری تعریف کرتا تھا یا اس نے تمہیں سلام کہلا بھیجا ہے اور دوسرے کے پاس بھی اسی قسم کی باتیں کرے تاکہ دونوں میں عداوت کم ہو جائے اور صلح ہو جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بی بی (بیوی) کو خوش کرنے کے لئے کوئی بات خلافِ واقع کہدے۔ (الفتاوی الھندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب السابع عشر فی الغناء ج۵، ص۳۵۲)

[2] ......الاشباہ والنظائر لابن نجیم الحنفی النوع الاول، القاعدۃ الخامسۃ، ۷۸.

وجوب کے تقاضے کو ترجیح دیتے ہوئے ہے۔ چنانچہ،

وقت تنگ ہو تو سنت ترک کر دے:

فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر نماز کو اس کی سنتوں کے ساتھ ادا کرنے میں وقت تنگ ہو رہا ہو تو ان کو ترک کر دے اور نماز کو واجبات کے ساتھ ادا کرے، اگرچہ سنت چھوڑنے سے بدعت لازم آئے۔'' اسی وجہ سے ''شَرْحُ الدُّرَر'' میں فرمایا ''جسے وقت نکل جانے کا خوف نہ ہو وہ فرض سے پہلے سنت ادا کرے اور اگر وقت تنگ ہو تو نہ پڑھے۔'' (سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے والدِ ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد نے ''شَرْحُ الدُّرَر'' کی شرح میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ''وقت کی تنگی کے وقت ''سنت نماز'' پڑھنا حرام ہے کیونکہ اس سے فرض فوت ہو جائیں گے جیسا کہ ''بَحْرُ الرَّائِق'' میں ہے۔''

(امام زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۷۰ھ) ''اَلْاَشْبَاہ وَالنَّظَائِر'' میں فرماتے ہیں: ''اگر طہارت (یعنی وضو و غسل) کی سنتوں پر عمل کی وجہ سے (نماز کا) وقت تنگ ہو جائے یا پانی کم ہو تو ان پر عمل کرنا حرام ہے۔'' [1]

نماز کی منت کا ایک مسئلہ:

''تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار'' میں ہے: ''اگر کسی نے بلا طہارت دو رکعتوں کی منت مانی تو حضرت سیِّدُنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے نزدیک [2] ان دو رکعتوں کو طہارت کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے [3]۔'' [4] اور یہ ادائے

---

[1] ......الاشباہ والنظائر، القائدۃ الثانیۃ، ص ۱۰۰.

[2] ...... یہاں کتابت کی غلطی ہے کیونکہ یہ حکم حضرت سیِّدُنا **امام ابو یوسف** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۸۲ھ) کے نزدیک ہے۔ جیسا کہ تنویر الابصار کی شرح درمختار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، جلد 2 کے صفحہ 595 پر اس کی صراحت موجود ہے اور ایسا ہی فتح القدیر، کتاب الایمان، فصل فی الکفارۃ، جلد 5 کے صفحہ 87 پر ہے۔ علمیہ

[3] ......**دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1182** صفحات پر مشتمل کتاب، ''**بہارِ شریعت**'' جلد دوم صفحہ **315** پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولانا **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: ''بے وضو نماز پڑھنے کی منت مانی تو صحیح نہ ہوئی اور بغیر قراءت یا ننگے نماز پڑھنے کی منت مانی تو منت صحیح ہے، قراءت کے ساتھ کپڑا پہن کر نماز پڑھے۔''
(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الایمان الباب الثانی فیما یکون یمینا......الخ، الفصل الثانی، ج ۲، ص ۶۵)

[4] ......تنویر الابصار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، ج ۲، ص ۵۹۵.

واجب کی جانب کو ترکِ ممنوع پر ترجیح دینے کے سبب ہے۔

''اَلْاَشْبَاہ وَالنَّظَائِر'' میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ''اگر جنابت (یعنی غسل فرض ہونے) کی حالت میں کوئی شہید ہو جائے تو حضرت سیِّدُنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے نزدیک اسے غسل دیا جائے گا۔''(1) باوجود یہ کہ شہید کو غسل دینا بدعت ہے اور یہ غسل جنابت کے وجوب کو ترجیح دینے کی وجہ سے ہے اور اس مقام پر بہت ساری فروع (یعنی مسائل) ہیں، ان کی جگہوں سے تلاش کرنے والا انہیں پالے گا(2)۔

''اَلْخُلَاصَۃ'' کا ایک مسئلہ:

فقہ حنفی کی کتاب ''اَلْخُلَاصَۃ'' کا ایک مسئلہ ماقبل مذکور اصول کہ ''واجب پر عمل کرنا بدعت کو چھوڑنے پر مقدم ہے'' کے خلاف ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ ''بدعت کو چھوڑنا، واجب پر عمل کرنے سے مقدم ہو۔ چنانچہ،

صاحبِ خُلَاصَۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز میں شک پیدا ہونے کے مسائل میں فرماتے ہیں: ''جب نمازی کو فرض نماز میں شک پیدا ہوا کہ ادا کی ہے یا نہیں (اور ظنِ غالب بھی کسی طرف نہ ہو) پس اگر یہ شک اس نماز کے وقت میں واقع ہوا تو اس پر نماز کا اعادہ (یعنی دوبارہ پڑھنا) واجب ہے اور اگر وقت گزر گیا پھر شک واقع ہوا (کہ نماز وقت میں ادا کی یا نہیں؟) تو اس شک کا کوئی اعتبار نہیں۔'' پہلی صورت میں ادائیگی کا حکم اس لئے دیا تا کہ وہ اس نماز کی ادائیگی یقین کے ساتھ کرلے جیسا کہ وہ یقین کے ساتھ اس پر فرض ہوئی تھی اور اصل یہاں نماز کی ادائیگی سے عہدہ براں ہونا ہے کہ وہ اس پر باقی نہ رہے۔ چنانچہ،

---

(1)......الاشباہ والنظائر، القائدۃ الثانیۃ، ص ۱۰۱.

(2)......﴿قولہ: وھناک فروع کثیرۃ یعرفھا من تتبعھا فی مواضعھا.. امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) اس پر حاشیہ میں فرماتے ہیں: ''قلت من فروع المسئلۃ ما فی الفتح فی فروع تکبیرات العیدین بعد ما ذکر ان المامون یتبع الامام الی ثلث عشرۃ فی قول وست عشرۃ فی قول فان زاد علیہ فقد خرج عن حد الاجتھاد فلا یتابعہ وان سمع من المبلغ کبر معہ ولو زاد علی ست عشرۃ لجواز الخطا من المبلغ فیما سبق فلا یترک الواجب للاحتمال ۱۲ اھ یعنی میں کہتا ہوں: اس مسئلہ کی فروع میں سے یہ بھی ہے جو فتح القدیر میں تکبیراتِ عیدین کے بارے میں ہے کہ ایک قول کے مطابق مقتدی تیرہ تکبیرات تک امام کی متابعت کرے گا اور ایک قول میں سولہ تک کا ذکر ہے۔ اگر اُس نے اس سے بھی زیادہ بار تکبیر کہی تو وہ اجتہاد کی حد سے نکل گیا لہٰذا مقتدی متابعت نہیں کرے گا اور اگر مقتدی مکبّر سے سنے تو اس کے ساتھ تکبیر کہے اگرچہ سولہ سے بھی زیادہ کہہ دے کیونکہ پہلے کہی گئی تکبیرات میں مکبّر سے غلطی ممکن ہے۔ پس احتمال کی وجہ سے واجب کو نہیں چھوڑے گا۔''﴾

بعض اصول وقواعد:

”اَلْاَشْبَاہ وَالنَّظَائِر“ میں اس قاعدہ کہ ”اَلْاَصْلُ بَرَاءَ ةُ الذِّ مَةِ یعنی اصل، ذمہ سے بری ہونا ہے“ کے تحت مذکور ہے: ”اسی وجہ سے کسی ذمہ سے بری ہونے کے معاملہ میں ایک گواہ کو قبول نہیں کیا جائے گا......اوراسی وجہ سے مدعیٰ علیہ (جس کے خلاف دعویٰ ہو) کا قول مانا جائے گا کیونکہ اس کا قول اصل کے موافق ہے اور گواہی، مدعی (دعویٰ کرنے والے) پر ہے کیونکہ وہ اس کا دعویٰ کرتا ہے جو اصل کے خلاف ہے۔......پس جب تلف اور غصب کی گئی چیز کی قیمت میں اختلاف ہو جائے تو ادائیگی کے ذمہ دار کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اصل زیادتی سے بری ہونا ہے......اور اگر وہ کسی چیز کا اقرار کرے یا مال کی وضاحت کرنے سے پہلے قیمت ثابت ہو جائے تو اب اقرار کرنے والے کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

ایک قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کو کسی کام کے بارے میں شک واقع ہو کہ اس نے اسے کیا یا نہیں؟ تو اس میں اصل یہ ہے کہ اس نے اسے نہیں کیا اور اس میں ایک دوسرا قاعدہ بھی داخل ہوتا ہے کہ اگر کسی کو کام کرنے کا یقین ہے لیکن کمی زیادتی میں شک ہے تو کمی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ اس کا یقین ہے۔ سوائے یہ کہ ذمہ، فعل کے ساتھ لازم ہو تو پھر یقین کے بغیر براءت وخلاصی نہیں ہوگی اور یہ استثنا ایک تیسرے قاعدے کی طرف راجع ہے اور وہ یہ کہ جو چیز یقین سے ثابت ہوتی ہے وہ یقین کے ساتھ ہی زائل (یعنی ادا) ہوگی اور یقین سے مراد ظنِّ غالب ہے۔ چنانچہ، ”اَلْمُلْتَقَط“ میں ہے کہ ”اگر کسی کی کوئی نماز فوت نہ ہوئی ہو اور وہ چاہے کہ بالغ ہونے سے اب تک ساری عمر کی نمازوں کی قضا کرے تو یہ مستحب نہیں[1]۔ البتہ! اگر ظنِّ غالب ہو کہ طہارت یا کسی اور شرط کے ترک کے سبب نمازیں فاسد ہوئی ہیں تو اس وقت جتنا ظنِّ غالب ہوگا اتنی نمازیں قضا کرے لیکن اس سے زیادہ مکروہ ہے کیونکہ اس کی ممانعت آئی ہے۔

[1] ......حضرت علامہ سید احمد بن محمد حموی مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۹۸ھ) نے ”شَرْحُ الْحَمْوِی عَلَی الْاَشْبَاہِ وَالنَّظَائِر“ میں اس مقام پر تین اقوال نقل کئے ہیں: (۱) صحیح یہ ہے کہ یہ فجر وعصر کے بعد جائز نہیں اس کے علاوہ جائز ہے کیونکہ بہت سارے سلف صالحین نے فساد کے شبہ کی وجہ سے یہ عمل کیا ہے۔ جیسا کہ ”مُضْمَرَات“ میں ہے اور دو اقوال ”ظَهِیْرِیَة“ میں ہیں (۲) یہ مکروہ ہے۔ (۳) یہ مکروہ نہیں، اور قضا کرنے والا تمام رکعتوں میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے۔ (شرح الحموی علی الاشباہ والنظائر، الفن الاول فی القواعد الکلیۃ، النوع الاول، ج۱، ص۱۹۳) نیز دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 499 صفحات پر مشتمل کتاب، ”نماز کے احکام“ صفحہ 341 پر شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطارؔ قادری دامت برکاتہم العالیہ ”رَدُّالْمُحْتَار“ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: ”جس کی نمازوں میں نقصان وکراہت ہو وہ تمام عمر کی نمازیں پھیرے تو اچھی بات ہے اور کوئی خرابی نہ ہو تو......

نماز میں شک واقع ہونے کے متعلق مسائل:

۞......نماز کی ادائیگی میں شک ہوا تو وقت کے اندر اعادہ کرے (یعنی دوبارہ پڑھے)۔ ۞......رکوع یا سجدہ کی ادائیگی میں شک ہوا پس اگر نماز ہی میں ہے تو اعادہ کرلے اور اگر نماز مکمل کر چکا ہے تو پھر اعادہ نہ کرے۔ ۞......اور اگر نماز کی رکعتوں میں شک ہوا اور یہ زندگی میں پہلی بار ہوا ہو تو نماز دوبارہ ادا کرے اور اگر اکثر ایسا ہوتا ہے تو تَحَرِّی (تَ۔حَرْ۔رِی) کرے (یعنی سوچے اور جتنی رکعتوں پر دل جمے اتنی شمار کرے) ورنہ کم کو اختیار کرے اور یہ اس وقت ہے جبکہ نماز سے فارغ ہونے سے قبل شک واقع ہوا ہو اور اگر نماز مکمل کرنے کے بعد ایسا ہو تو اس پر کوئی شے لازم نہیں۔ ہاں! اگر نماز پوری کرنے کے بعد یاد آیا کہ نماز کا کوئی فرض رہ گیا ہے لیکن پتہ نہ چلے کہ کون سا فرض چھوڑا؟ تو اس صورت میں فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں: ''ایک سجدہ کر کے قعدہ کرے پھر کھڑا ہو اور دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت ادا کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرلے جیسا کہ ''فَتْحُ الْقَدِیْر'' میں ہے۔[1] ۞......اور اگر کسی کو سلام پھیر لینے کے بعد کوئی عادل شخص بتائے کہ ''تم نے ظہر کی تین رکعتیں پڑھی ہیں۔'' اور اس شخص کے سچے اور جھوٹے ہونے میں شک ہو تو احتیاطاً نماز کا اعادہ کرے کیونکہ اس کے سچا ہونے میں شک، درحقیقت نماز میں شک ہے۔ ۞......اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان اختلاف ہو جائے اور امام کو یقین ہو تو اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہ ہو تو مقتدیوں کے کہنے کے مطابق اعادہ کرے۔

(حضرت سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے والدِ ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد نے ''خُلَاصَة'' سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر کسی کو سلام پھیرنے کے بعد عادل شخص نے بتایا کہ ''تو نے ظہر کی تین رکعتیں پڑھیں ہیں۔'' تو فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اگر اس نمازی کو یقین ہو کہ اس نے چار پڑھیں تو اس کی بات پر توجہ نہ دے، ۞......اور اگر نمازی کو اس کے بتانے میں شک ہو کہ سچا ہے یا جھوٹا، تو حضرت سیِّدُنا امام محمد بن حسن شَیْبَانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ ''وہ احتیاطاً نماز کا اعادہ کرے۔'' ۞......اور اگر بتانے والے دو عادل شخصوں کی خبر میں شک واقع ہوا تو نماز کا اعادہ کرے۔ ۞......اگر بتانے والا عادل نہ ہو تو اس کی بات کا اعتبار نہ کرے۔ ۞......اسی

......نہ چاہئے اور کرے تو فجر وعصر کے بعد نہ پڑھے اور تمام رکعتیں بھری پڑھے اور وتر میں قنوت پڑھ کر تیسری کے بعد قعدہ کرکے پھر ایک اور ملائے کہ چار ہو جائیں۔ (ردالمحتار، ج۱، ص ۱۳۸)

[1] ......فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ج۱، ص۵۳۳.

طرح اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اگر امام کو یقین ہو تو اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہ ہو تو مقتدیوں کے کہنے کے مطابق اعادہ کرے۔ ﷺ......اگر مقتدیوں میں باہم اختلاف ہو جائے، بعض کہیں تین ہوئیں اور بعض کہیں چار اور امام کسی ایک فریق کے ساتھ ہو تو امام ہی کے قول کا اعتبار ہوگا اگرچہ امام کے ساتھ ایک ہی شخص ہو۔ پس اگر امام نے نماز کا اعادہ کیا اور مقتدیوں نے اس کی اقتدا میں نماز لوٹائی تو ان کا اقتدا کرنا دُرست ہے، کیونکہ اگر امام کی بات دُرست تھی تو یہ نفل والے کا دوسرے نفل والے کی اقتدا کرنا ہے، اور اگر امام کی بات دُرست نہ تھی تو یہ فرض والے کا دوسرے فرض والے کی اقتدا کرنا ہے۔ ﷺ......اگر مقتدیوں میں سے کسی ایک کو یقین ہو کہ تین ہی رکعتیں پڑھی گئیں ہیں اور ایک شخص کو یقین ہو کہ چار ہی پڑھی گئیں ہیں جبکہ امام اور باقی مقتدیوں کو شک ہے۔ پس اس صورت میں امام اور مقتدیوں پر کچھ لازم نہیں اور جس شخص کو کمی کا یقین ہو اس پر نماز کا اعادہ لازم ہے۔ ﷺ......اور اگر امام کو تین رکعتوں کا یقین ہے تو امام پر مقتدیوں کے ساتھ اعادہ کرنا لازم ہے اور اس شخص پر اعادہ لازم نہیں جسے پوری ہونے کا یقین ہو۔

ﷺ......اگر ایک شخص کو (نماز کی رکعتوں میں) کمی کا یقین ہے اور امام وقوم کو شک ہے تو اگر وقت باقی ہے احتیاطاً سب اعادہ کریں اور اگر اعادہ نہ کیا تو بھی کچھ حرج نہیں۔ البتہ! اگر دو عادل شخصوں کو (نماز کی رکعتوں میں) کمی کا یقین ہو اور وہ بتا بھی دیں تو سب نماز کا اعادہ کریں۔ ''ظَهِيرِيَة'' میں عادل کے خبر دینے پر نماز کا اعادہ کرنے کو اس بات سے مقید کیا ہے کہ وہ وقت کے اندر خبر دے اور ''مُحِيط'' میں یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے جس طرح ''خُلَاصَة'' میں ہے اور ''ظَهِيرِيَة'' میں حضرت سیِّدُنا امام محمد بن حسن شَیبَانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۱۸۹ھ) کا یہ قول بھی ہے کہ ''میں تو بہر صورت ایک عادل شخص کی بات پر بھی اعادہ کروں گا۔''

ﷺ......پھر ''وَاقِعَاتُ النَّاطِفِي'' میں ہے کہ ''امام نماز پڑھا کر چلا گیا بعد میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہو گیا بعض کہتے ہیں: ''ظہر پڑھی۔'' اور بعض کہتے ہیں: ''عصر پڑھی۔'' تو اگر ظہر کا وقت ہو تو ظہر ہے اور عصر کا وقت ہو تو عصر ہے، کیونکہ وقت جس بات کی موافقت کرے اس کا دعویٰ کرنے والے کے لئے ظاہر حال، گواہ ہے اور اگر وقت جاننا مشکل ہو جائے ''عِنَايَة'' میں ہے: یوں کہ بادل چھائے ہوئے ہوں اور ''مُحِيط'' میں ہے کہ ایسی صورت میں ہر فریق کو جو سمجھ میں آئے وہ کرے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے امام کے پیچھے زمین پر خون کا قطرہ گرا، لیکن یہ پتہ نہ چلے کہ کس

شخص سے گرا ہے تو اعادہ واجب نہیں کیونکہ اعادہ واجب ہونے میں شک ہے اور شک سے اعادہ واجب نہیں ہوتا۔''

مذکورہ مسائل کی دیگر مثالیں مُطَوَّلات (یعنی فقہ کی بڑی کتب) میں موجود ہیں۔

''اَلْخُلَاصَة'' کے مسئلہ کا باقی حصہ:

(ماقبل یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر نماز کی ادائیگی میں شک ہو اپس وقت کے اندر ہو تو اعادہ کرے بعدِ وقت شک ہونے کی صورت میں کچھ لازم نہیں پھر فرمایا) اور اگر کسی کو عصر کی نماز میں شک واقع ہو جائے (اور وہ اعادہ کرنا چاہتا ہے لیکن اگر عصر کی نماز درست تھی تو یہ نفل شمار ہوں گے اور عصر کی نماز کے بعد نوافل مکروہ ہیں اس لئے وہ کراہت سے بچنا چاہتا ہے) تو یوں کرے کہ اعادہ کرتے وقت پہلی رکعت میں قراءت کرے (سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملائے یا تین چھوٹی آیات کی تلاوت کرے یا ایک اتنی لمبی آیت کی تلاوت کرے جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو)، اسی طرح تیسری رکعت میں بھی کرے لیکن دوسری اور چوتھی رکعت میں کچھ نہ پڑھے۔''

اب اس کی یہ نماز، نمازِ عصر کے صحیح ہونے کے احتمال پر نفل نہ ہو گی اس لئے کہ نوافل کی ہر رکعت میں قراءت فرض ہے تو جب اس نے (دو میں سے) ایک رکعت میں قراءت نہیں کی تو نوافل کے حق میں وہ شُفَع (دو رکعتیں) باطل ہو گیا جبکہ فرض نماز کی فقط دو غیر معین رکعتوں میں قراءت فرض ہے اور یوں نمازِ عصر کے درست نہ ہونے کے احتمال پر (مذکورہ طریقہ پر دہرائی گئی) یہ چار رکعتیں عصر کے فرض ہو جائیں گے اور فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی تعیین واجب ہے فرض نہیں۔ پس اسے بھول کر ترک کرنا سجدۂ سہو کو لازم کرتا ہے اور جان بوجھ کر ترک کرنے سے نماز میں نقص تو لازم آتا ہے مگر نماز باطل نہیں ہوتی لہٰذا وقت میں اس کا اعادہ واجب ہوگا اور وقت نکلنے کے بعد اعادہ مستحب ہوگا۔ جیسا کہ کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ اپنے مقام پر بیان کیا گیا ہے۔ شریعت نے (فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی تعیین والے) واجب کو ترک کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کیونکہ عصر کی نماز کے بعد نفل نماز کے واقع ہونے کا احتمال تھا (جو کہ بعد عصر مکروہ ہے) اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ عصر کی نماز کی ادائیگی کو صحیح مان لیا جائے اور اگر عصر کی ادائیگی کو دُرست نہ مانا جائے تو نفل، عصر کی نماز سے پہلے ہی واقع ہوں گے اور یہ جائز ہے، اسی وجہ سے جب تک سورج زرد نہ پڑ جائے اس وقت تک نمازِ عصر میں تاخیر کرنا مستحب ہے تاکہ نوافل کی کثرت کی جا سکے۔

بعدِ عصر نفل پڑھنا بدعت ہے:

عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا بدعتِ مکروہہ ہے۔ اس لئے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی حدیثِ پاک میں اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ، مروی ہے کہ حضور نبیٔ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''عصر کے بعد غروبِ آفتاب سے پہلے اور فجر کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے کوئی نماز (جائز) نہیں۔''[1]

بعدِ فجر وعصر کون سی نمازیں پڑھ سکتے ہیں:

یہ کراہت (کَ۔رَا۔ہَتْ)، نمازِ مغرب کی ادائیگی تک باقی رہے گی لہٰذا ان دو وقتوں (بعدِ فجر وعصر وقتِ مکروہ سے پہلے) میں نفل مکروہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نماز بھی مکروہ ہے جس کی منت مانی گئی ہو اور طواف کی دو رکعتیں بھی مکروہ ہیں اور وہ نماز جسے شروع کر کے توڑ دیا تھا وہ بھی مکروہ ہے۔ ہاں! فوت شدہ نماز کی قضاء اگرچہ وتر ہو، نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت مکروہ نہیں۔

''شَرْحُ الدُّرَر'' میں ہے کہ ''اگر کسی نے قعدۂ اخیرہ کیا پھر کھڑا ہو گیا اور یاد نہ آیا حتی کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو ایک رکعت اور ملا کر چھ پوری کر لے، اس کے فرض پورے ہو گئے اگرچہ نماز عصر ہو۔ اس مسئلہ میں (''اگرچہ عصر ہو'' کہہ کر) اس قول کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ ''عصر کی نماز میں مزید رکعت نہ ملائے کیونکہ عصر کے بعد نفل نماز مکروہ ہے۔'' جبکہ ایک قول یہ ہے کہ ''عصر میں بھی ملائے۔'' کیونکہ یہ نفل قصد وارادے سے نہیں اور عصر کے بعد جو نوافل کی ممانعت ہے وہ قصد وارادے سے پڑھنے کے بارے میں ہے لہٰذا بلا قصد وارادہ مکروہ نہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ ایسا ہی حضرت سیِّدُنا امام فخر الدین عثمان بن علی زیلعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۴۳ھ) نے فرمایا۔[2] اور ''غَرَرُ الْاَذْکَار'' میں ہے کہ ''زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر کوئی فجر وعصر میں قعدۂ اخیرہ کے بعد بھول کر ایک رکعت پڑھ لے تو ایک رکعت مزید ملائے اس لئے کہ فجر وعصر کے بعد نوافل کی ممانعت تو جان بوجھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں ہے۔'' اور ''شَرْحُ ابْنِ مَلَک'' میں ہے: فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں کہ ''جب فجر وعصر میں قعدۂ اخیرہ کے بعد

---

1 ......صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب الاوقات التی......الخ، الحدیث: ۱۹۲۳، ص ۸۰۷.

2 ......تبیین الحقائق للزیلعی، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، ج۱، ص ۴۸۲ .

بھولے سے ایک رکعت زیادہ پڑھ لی تو مزید رکعت نہ ملائے کیونکہ ان نمازوں کے بعد نوافل مکروہ ہیں اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ ایک رکعت اور ملائے کیونکہ ان وقتوں میں قصداً (یعنی جان بوجھ کر) نوافل پڑھنے کی ممانعت ہے اور یہ نوافل اس نے قصداً شروع نہیں کئے۔''

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ''اَلْخُلَاصَۃ'' کے حوالے سے جو مسئلہ بیان کیا گیا (کہ جب عصر کی نماز کی ادائیگی میں شک واقع ہو جائے تو عصر کے بعد نوافل کی کراہت سے بچنے کی غرض سے اعادہ کرتے وقت دوسری اور چوتھی رکعت میں قراءت نہ کرے) اس مسئلہ کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ صحیح ترین قول کے مطابق یہ کراہت جان بوجھ کر نفل پڑھنے سے متعلق ہے اور بیان کردہ شک کے مسئلہ میں درپیش صورت ایسی ہے جس میں قصد وارادہ نہیں ہے لہٰذا کراہت بھی نہیں۔ لیکن حضرت مُصنِّف علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے یہ مسئلہ، خاص اس کا حکم بیان کرنے کے لئے ذکر نہیں کیا بلکہ اس لئے ذکر کیا کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ السلام نے اس مسئلہ میں نمازِ عصر کے بعد نفل پڑھنے کی بدعت سے بچنے کے لئے ''واجب قراءت'' کے ترک کو ترجیح دی ہے کیونکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کا یہ قول ان کے اس قول کے معارض (یعنی ٹکرا رہا) ہے کہ ''جب کسی کام کے واجب اور بدعتِ مکروہہ ہونے میں تردد وشک واقع ہو تو واجب پر عمل، بدعتِ مکروہہ کے ترک پر ترجیح رکھتا ہے۔

فقہائے کرام کے قول اور خلاصہ کی عبارت میں تطبیق:

حضرت مُصنِّف علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے ان دونوں اَقوال کے درمیان تطبیق بیان فرمائی جو شرح کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ چنانچہ، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کے اس قول کہ ''واجب پر عمل کرنا، بدعتِ مکروہہ کو چھوڑنے پر ترجیح رکھتا (یعنی مقدم) ہے۔'' اور ''خُلَاصَۃ'' کی اس عبارت، جس کا تقاضا ہے کہ ''بدعتِ مکروہہ کو چھوڑنا، واجب پر عمل کرنے سے مقدم ہے۔'' کے درمیان تطبیق (یعنی مطابقت) یوں ہو سکتی ہے کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام نے جو واجب پر عمل کرنے کو بدعتِ مکروہہ کے ترک پر ترجیح دی ہے، اس میں بدعت مکروہہ سے مراد وہ بدعت ہے جس کے ارتکاب سے حضور نبیٔ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے بالخصوص منع نہیں فرمایا بلکہ ''نھی'' (یعنی ممانعت) کے عام ہونے کی وجہ سے وہ بھی حکم ممانعت میں داخل ہوگئی۔ تو اب '' خُلَاصَۃ'' میں مذکور مسئلہ، اِس کے خلاف نہیں کیونکہ اُس میں جس بدعت مکروہہ کا ذکر ہے اس سے تو خاص طور پر حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمت

صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے منع فرمایا ہے۔

یا پھر فقہاءِ کرام رحمہم اللہ السلام نے جو واجب پر عمل کرنے کو بدعتِ مکروہہ کے ترک پر ترجیح دی ہے، اس میں واجب سے مراد فرضِ اعتقادی ہے یا فرضِ عملی، اور اسے بدعتِ مکروہہ کے ترک پر ترجیح حاصل ہے (لہٰذا تعارض نہ رہا) اور اسی وجہ سے حضراتِ فقہاءِ کرام رحمہم اللہ السلام نے فرمایا کہ فجر و عصر کے بعد فوت شدہ نمازوں کی قضاء مکروہ نہیں کیونکہ یہ فرائض ہیں۔

یا پھر یہ کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کے قول میں واجب سے مراد فرض سے کم درجہ، لیکن مستقل واجب ہے جیسے عیدین کی نماز اور ایک روایت کے مطابق وتر۔ نہ کہ وہ واجب جو کسی کے ضمن میں پایا جاتا ہے جیسے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کو معین کرنا۔ کیونکہ ''ضمنی واجب'' درجہ میں ''مستقل واجب'' سے کم ہوتا ہے حتی کہ ضمنی واجب اگر ترک ہو جائے تو اس کا تدارک سجدۂ سہو سے ہو جاتا ہے لیکن مستقل واجب کا تدارک نہیں ہوتا۔

یا پھر یہ کہ ہو سکتا ہے '' خُلَاصَۃ ''میں بیان کردہ مسئلہ کے بارے میں مجتہد سے دو روایات منقول ہوں، جن میں سے صحیح ترین وہ ہے جسے ہم نے بیان کیا جو کراہت کے نہ ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ اس مسئلہ میں عصر کے بعد مقصود نفل پڑھنا نہیں، تو اس میں کراہت بھی نہیں۔''

وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ کہنے کے متعلق:

آخر میں حضرت مُصنِّف علامہ محمد آفندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۸۱ھ) نے فرمایا: ''وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ یعنی اس معاملے میں جو صحیح اور حق ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی بہتر جانتا ہے۔'' (سیدی عبد الغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں) یہاں ''اَعْلَمُ'' اسم تفضیل کا صیغہ استعمال ہوا جس سے ہمارے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان علم میں ''مشارکت'' مستفاد ہوتی ہے، اس اعتبار سے کہ ہمارا علم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے صادر ہونے والا ایک اثر ہے پس وہ اس کے علم سے اس طرح ہے جیسے ''لَاشَیْ''(یعنی جو کچھ نہ ہو) کو ''شَیْءٌ لَّایَتَنَاھِی''(یعنی غیر محدود شئے) سے نسبت ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ۲۹، الجن: ۲۶،۲۷)

ترجمۂ کنز الایمان: غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس آیت کا تقاضا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے علم غیب عطا فرماتا ہے اور وہ رسول اپنی امت کو اطلاع دیتے ہیں تو اس طرح امت کا علم بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہوا پس اسم تفضیل ''اَعْلَمُ'' معنی کی مشارکت اور زیادت کے ساتھ پایا گیا اور بعض نے اس کو ''الف لام'' کے ساتھ ''اَلْاَعْلَمُ'' بھی استعمال کیا مگر وہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے زیادہ جاننے کی تاکید کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتا اور مشارکت کا معنی باقی ہے[1]۔

اُصولِ شرع کا بیان

اُصولِ شرع پر اعتراض:

ماقبل پہلی فصل ''قرآن وسنت پر عمل کا بیان'' اور اس دوسری فصل کے شروع میں جو کچھ بیان ہوا یہ تمام گفتگو اجمالی اور تفصیلی طور پر دلالت کر رہی ہے کہ دینِ حق کے معاملے میں ہر مکلّف کے لئے قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ہی کافی ہیں، لہٰذا جو کوئی ظاہر و باطن میں دینِ حق پر قائم رہنا چاہے وہ ان دو کے علاوہ کسی اور چیز کی اِتباع اور ان دونوں کے نور کے علاوہ کسی اور سے روشنی حاصل کرنے کا محتاج نہیں۔ نیز گزشتہ گفتگو اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جو چیز ان دونوں سے ثابت نہ ہو وہ بدعتِ مکروہہ اور گمراہی ہے تو پھر فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کا یہ قول کہ ''اصولِ شرع چار ہیں۔'' کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۱۰ھ) نے ''اَلْمَنَار'' میں فرمایا: ''اصولِ شرع تین ہیں (۱) کتاب (یعنی قرآنِ کریم) (۲) سنت اور (۳) اجماعِ امت اور (۴) چوتھی اصل (یعنی اصول) قیاس ہے۔'' اور ''اُصُوْلُ الْاِمَامِ فَخْرِ الْاِسْلَام'' میں اتنا زائد کیا کہ ''چوتھی اصل قیاس ہے جو ان تین اصولوں سے اَخَذ (یعنی حاصل) کی گئی ہے۔'' اور ''شَرْحُ مِرْقَاۃِ الْوُصُوْل'' میں ہے: '' اصول چار ہیں اور وہ کتاب، سنت، اِجماع اور قیاس ہیں اور ان کے چار میں منحصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ احکام کا تعلق یا تو وحی سے ہوگا یا غیر وحی

[1] ......قولہ :ومعنی المشارکۃ باق... امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''معاذ اللہ وانما ھی موافقۃ فی الاسلام فقط کما بینتہ فی الفیوض الملکیۃ. ۱۲ یعنی مَعَاذَ اللہ (اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ) یہ تو فقط اسلام میں توفیقِ الٰہی کا ملنا ہے (یعنی یہ صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے علم کا عطا ہونا ہے نہ کہ علم میں مشارکت، کیونکہ مخلوق کسی بھی صفت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شریک نہیں ہوسکتی) اس کی تفصیل ہم نے ''اَلْفُیُوْضَاتُ الْمَلَکِیَّۃ'' میں کردی ہے۔'' (دیکھئے ''اَلْفُیُوْضَاتُ الْمَلَکِیَّۃ'' ص۵۲، مطبوعہ مؤسسۃ رضا، لاہور پاکستان)

سے۔ پھر وحی کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک وہ جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ قرآنِ پاک ہے اور (۲) دوسری وہ جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور وہ سنت ہے اور (جب احکام کا تعلق غیر وحی سے ہو اور) غیر وحی ایک زمانے کے تمام مجتہدین کا قول ہے تو وہ اجماع ہے ورنہ وہ قیاس ہے (بہر حال جب گزشتہ گفتگو کی دلالت سے ثابت ہوا کہ قرآن و سنت مسلمان کے لئے کافی ہیں تو فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کا شریعت کے اصول چار بتانا اور اجماع و قیاس کا اضافہ کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟)۔

اِجماع پر اعتراض کا جواب:

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں: ''جی ہاں! اصول شرع چار ہیں لیکن ان سب کی اصل قرآنِ کریم اور سنتِ مبارکہ ہے۔ کیونکہ صحیح قول کے مطابق اِجماع کے لئے قرآن و سنت سے کسی ایسی دلیل کا ہونا ضروری ہے جس کی طرف اہلِ اجماع کا قول منسوب ہو۔ اب چاہے وہ دلیل کوئی صریح آیت ہو یا حدیث اگر چہ خبرِ واحد ہی ہو یا پھر وہ دلیل قرآن یا سنت کی طرف راجع (لوٹنے والی) ہو اور وہ قیاس ہے۔ چنانچہ،

''شَرْحُ مِرْقَاةِ الْوُصُوْل''، میں ہے کہ ''اجماع کے لئے کسی ایسی دلیل یا علامت کا ہونا ضروری ہے جس کی طرف اجماع منسوب ہو سکے کیونکہ بغیر کسی داعی کے سب کا کسی ایک بات پر متفق ہونا عادۃً محال ہوتا ہے اور اس لئے کہ وہ حکم جس پر اجماع منعقد ہوتا ہے اگر وہ دلیلِ سمعی سے نہ ہو تو دلیلِ عقلی سے ہوگا حالانکہ یہ بات طے ہے کہ ہمارے نزدیک عقل کا کوئی حکم ثابت نہیں۔''

''شَرْحُ الْمَنَارِ لِابْنِ مَلِک''، میں ایک قول یہ ہے کہ ''اجماع دلیل سے منعقد نہیں ہوتا بلکہ الہام اور توفیقِ الٰہی سے ہوتا ہے، اس طرح کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے اندر علمِ یقینی پیدا فرما دیتا ہے اور انہیں حق بات اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ جیسے بیع تعاطی [1] اور حمام کی اجرت کے جواز پر اجماع ہے۔''

[1] ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1182 صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِ شریعت'' جلد دوم صفحہ 623 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علاّمہ مولٰینا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) ''ہدایہ وغیرہ'' کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''بیع تعاطی جو بغیر لفظی ایجاب و قبول کے محض چیز لے لینے اور دیدینے سے ہو جاتی ہے یہ صرف معمولی اشیاء ساگ، ترکاری وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ بیع ہر قسم کی چیز نفیس و خسیس (یعنی عمدہ و گھٹیا، اچھی اور خراب) سب میں ہوسکتی ہے اور جس طرح ایجاب و قبول سے بیع لازم ہو جاتی ہے یہاں بھی ثمن دیدینے اور چیز لے لینے کے بعد بیع لازم ہو جائے گی کہ بغیر دوسرے کی رضامندی کے رد کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

(الهداية، كتاب البيوع، ج ۲، ص ۲۳ وغيره)

لیکن ہم کہتے ہیں کہ ''یہ قول صحیح نہیں کیونکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام عادل ہیں، ان سے یہ متصور نہیں کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام میں سے کسی حکم پر اندازے سے اجماع کرلیں بلکہ اجماع کی بناء، حدیثِ پاک یا نصوص (یعنی قرآن وسنت) سے ثابت کسی معنی پر ہوتی ہے اور رہی بات بیع تعاطی اور حمام کی اُجرت کی، تو ان دونوں کے بارے میں اِجماع یقیناً کسی دلیل سے ہوا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ دلیل ہم تک نہیں پہنچی اور صرف اجماع ہی پر اکتفا کرلیا گیا۔ ایسا ہی ''جَامِعُ الْاَسْرَار'' میں ہے۔

اِجماع بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں:

حضرت سیِّدُنا علامہ تفتازانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی (متوفی ۷۹۳ھ) نے اپنی کتاب ''اَلتَّلْوِیْح'' میں فرمایا: ''جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کے نزدیک اجماع بغیر کسی دلیل وعلامت کے جائز نہیں کیونکہ دلیل کا نہ ہونا خطا کو لازم کرتا ہے جبکہ دین میں بلا دلیل کوئی حکم دینا خطا ہے اور اُمت کا خطا پر اجماع (اتفاق) ممتنع (ناممکن) ہے، اسی طرح بغیر کسی داعی کے سب کا ایک بات پر متفق ہونا عادۃً محال ہے جیسے ایک ہی کھانا کھانے پر سب کا اتفاق ناممکن ہے اور اجماع کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سند کے پائے جانے کے بعد بحث ختم ہوجاتی ہے، مخالفت ناجائز قرار پاتی اور حکم قطعی ہوجاتا ہے۔ پھر دلیل کے بارے میں بھی اختلاف ہے: **(۱)**......جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کے نزدیک اگر دلیل قیاس ہو تو یہ بھی درست ہے اور یہ واقع بھی ہے جیسے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نماز کی امامت کروانے پر قیاس کرتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت پر اجماع ہوا اور یہاں تک کہا گیا کہ حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جن سے ہمارے دینی معاملہ میں راضی ہیں تو کیا ہم اُن سے اپنے دنیوی معاملہ میں راضی نہ ہوں؟'' **(۲)**......حضرت سیِّدُنا محمد بن جریر طبری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۳۱۰ھ)، شیعہ، اور داوٗد ظاہری کے نزدیک قیاسی دلیل درست نہیں۔

خبر واحد دلیل بن سکتی ہے:

اور اجماع کے لئے خبر واحد دلیل بن سکتی ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے جیسا کہ عام کتابوں میں مذکور ہے۔ البتہ! ''اَلْمِیْزَان'' اور ''اُصُوْلُ الْاِمَامِ السَّرَخْسِی'' میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ ''بیان کردہ لوگوں (یعنی شیعہ وداوٗد ظاہری

وغیرہ) نے اجماع کے لئے ظنی دلیل میں اختلاف کیا ہے خواہ قیاس ہو یا خبر واحد اور وہ اجماع کو بغیر قطعی دلیل کے جائز قرار نہیں دیتے۔ کیونکہ اجماع حکم قطعی ہے اور قطعی کی بنیاد بھی قطعی پر ہوتی ہے کہ ظن، قطعیت کا فائدہ نہیں دیتا؟'' ان کی اس بات کا جواب یہ ہے کہ اجماع کا حجت ہونا اس کی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ اُمتِ مصطفیٰ کی کرامت اور احکامِ شرع کو برقرار رکھنے کی وجہ سے اجماع بذاتِ خود ایک حجت ہے۔ اور ان کے مؤقف کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر دلیل کے قطعی ہونے کی شرط لگا دی جائے تو اجماع بے فائدہ ٹھہرے گا کیونکہ کسی بھی حکمِ قطعی کے ثبوت کے لئے کسی قطعی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔[1]

قیاس پر سوال کا جواب:

جس طرح اجماع کے لئے قرآن وسنت سے دلیل کا ہونا ضروری ہے اسی طرح قیاس کے لئے بھی کسی اصل کا ہونا ضروری ہے جو قرآن یا سنت سے ثابت ہو کیونکہ قیاس تو حکم کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے نہ کہ اس کو ثابت کرنے والا۔ چنانچہ،

''شَرْحُ مِرْقَاةِ الْوُصُوْل'' میں فرمایا: ''قیاس مُظْهِر (یعنی حکم کو ظاہر کرنے والا) ہوتا ہے، مُثْبِت (یعنی حکم کو ثابت کرنے والا) نہیں ہوتا اور ظاہر میں ''مُثْبِت'' (قرآن وسنت سے ثابت) دلیلِ اصل ہوتی ہے اور حقیقت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے۔'' پھر قیاس کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''قیاس کے ذریعے جو حکم لگانا ہے وہ ایسا حکمِ شرعی ہو جو تین اصولِ شرع یعنی قرآن، سنت اور اجماع میں سے کسی ایک سے ثابت ہو۔ اگر وہ حکم، حسی یا لغوی ہو تو قیاس جائز نہیں کیونکہ قیاس سے مطلوب، علت میں برابری کی وجہ سے حکمِ شرعی ثابت کرنا ہوتا ہے اور حکمِ شرعی کا اثبات بغیر قرآن و سنت اور اجماع کے متصور نہیں۔''

حضرت سیِّدُنا علامہ سعد الدین بن مسعود تفتازانی قُدِّسَ سِرُّهُ النُّورَانِی (متوفی ۷۹۳ھ) ''اَلتَّلْوِيح'' میں اس قول کہ ''حکم کا مُثْبِت (یعنی ثابت کرنے والا) اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے۔'' پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ بات مقصود تک پہنچانے والی نہیں کیونکہ اس اعتبار سے تو اصول میں سے کسی کو بھی مُثْبِت (یعنی حکم کو ثابت کرنے والا) بنانا مناسب نہیں بلکہ اسے مُظْهِر (یعنی حکم کو ظاہر کرنے والا) بنانا چاہئے اس اعتبار سے جس کی طرف محققین علمائے کرام رحمہم اللہ السلام گئے ہیں کہ تمام کا مرجع، کلام نفسی ہے اور سب سے زیادہ واضح مفہوم یہ ہے کہ ''فرع (یعنی جس کو قیاس کیا گیا) کا حکم، نص یا اصل

[1] ......التوضیح والتلویح، الامر الخامس، سند الاجماع و مراتب الاجماع، الجزء۲، ص۵۳۴.

میں وارد ہونے والے اجماع سے ثابت ہوتا ہے اور قیاس، فرع میں حکم کے عام ہونے اور اصل کے ساتھ خاص نہ ہونے کو بیان کرتا ہے۔'' اور یہ بات زیادہ واضح ہے۔ [1]

اُصولِ شرع کی ترتیب کی وجہ:

''شَرْحُ الْمَنَارِ لِابْنِ مَلَک'' میں ہے: ''اُصولِ شرع میں قرآن پاک کو اس لئے مقدم کیا کہ یہ ہر اعتبار سے حجت (دلیل) ہے اور اس کے بعد سنت کو رکھا کیونکہ اس کا حجت ہونا قرآن پاک سے ثابت ہے اور اجماع کو مؤخر کیا کیونکہ اس کا حجت ہونا ان دونوں پر موقوف ہے۔'' پھر فرمایا: ''قیاس اپنے حکم کی طرف نسبت کے اعتبار سے اصل اور قرآن وسنت اور اجماع کی طرف نسبت کے اِعتبار سے فرع ہے۔''

سنت کا حجت ہونا قرآن پاک پر موقوف ہے، اس کی وجہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان عالیشان ہے:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ (پ۲۸، الحشر:۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اور اجماع کا قرآن وسنت پر موقوف ہونا اس لئے ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کا ہونا شرط ہے اور وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے ہوگی، اب چاہے وہ دلیل کوئی صریح آیت ہو یا حدیثِ نبوی اگرچہ خبر واحد ہی ہو یا پھر وہ دلیل قرآن یا سنت کی طرف راجع (لوٹنے والی) ہو۔ لہٰذا قرآنِ پاک ہر اعتبار سے اصل ہے جبکہ سنت، اجماع اور قیاس ایک اعتبار سے اصل اور ایک اعتبار سے فرع ہیں۔

اس گفتگو سے ثابت ہوا کہ حقیقت میں تمام احکام شرعیہ کا مرجع اور ان کو ثابت کرنے والے فقط دو ہیں اور وہ قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ہیں، باقی اصول اِنہیں دو کی طرف راجع ہیں۔ چنانچہ،

عرف وتعامل اور اِستِصحاب وتحرّی:

''شَرْحُ مِرْقَاۃِ الْوُصُوْل'' میں ہے کہ ''سابقہ شریعتوں کے احکام، قرآن وسنت سے اور عرف وتعامل [2] اجماع

---

[1] ......التوضیح والتلویح، القیاس وھو یفید غلبۃ الظن، الجزء۲، ص۵۳۷.

[2] ......علامہ زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۷۰ھ) نے فرمایا: ''شرح المغنی للھندی میں ہے: نفوس میں قرار پکڑ جانے والا کام جو بار بار کیا جائے اور طبائع سلیمہ (دانش مند طبیعتوں) کے نزدیک مقبول ہو اسے عادت و عرف کہتے......

سے ملحق ہیں۔ اِسْتِصْحَاب[1] اور تَحَرِّی[2] اُصولِ اَربعہ میں سے کسی ایک کے ساتھ ہی عمل کرنا ہے۔ ظاہر یا اَظْہَر (زیادہ ظاہر) پر اِسْتِصْحَاب پر عمل ہے۔ کسی معاملہ میں احتیاط سے کام لینا اس فرمانِ مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر عمل ہے کہ ''جو چیز تجھے شک میں ڈالے اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کر جو تجھے شک میں نہ ڈالے۔''[3] اطمینان قلبی کے لئے قرعہ ڈالنا سنت یا اجماع پر عمل ہے۔ حضرات صحابۂ کرام اور کبار تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اَقوال واَفعال پر عمل شبۂ حدیث پر عمل ہے (یعنی ان کے اَقوال واَفعال پر حدیث ہونے کا شبہ ہے) یا پھر ان کے اَقوال واَفعال پر عمل، درج ذیل اَحادیثِ مبارکہ پر عمل ہے۔ چنانچہ،

(۱)......سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شمار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے کسی کی بھی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔''[4]

(۲)......نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے، یعنی مَیں جن زمانے والوں میں موجود ہوں اور پھر وہ جو ان سے ملیں گے۔''[5]

ایک سوال اور اس کا جواب:

''شَرْحُ الْمَنَارِ لِابْنِ مَلِک'' میں ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ ''جب سابقہ شریعتوں، لوگوں کے تعامل (یعنی عرف وعادت)، احتیاط پر عمل، تحری اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے آثار سے بھی حکم ثابت ہوتا ہے تو پھر اصولِ

......ہیں۔'' (الاشباہ والنظائر، القاعدۃ السادسۃ: العادۃ محکمۃ، ص۷۹) نیز فتاوی رضویہ شریف میں **الاشباہ والنظائر، القاعدۃ السادسۃ: العادۃ محکمۃ، ص ۸۱** کے حوالے سے ہے: ''اِنَّمَا تُعْتَبَرُ الْعَادَةُ اِذَا اطَّرَدَتْ اَوْ غَلَبَتْ (یعنی عادت وہ معتبر ہے جب وہ عام اور غالب ہو جائے۔)'' نیز **ردالمحتار** وغیرہ سے منقول ہے: ''اَلتَّعَامُلُ هُوَ الْاَكْثَرُ اِسْتِعْمَالًا (یعنی تعامل وہ ہے جس کا استعمال کثیر ہو۔)''

(فتاوی رضویہ، ج۱۹، ص۵۹۳)

[1] ......وہ حکم جو گزشتہ زمانے میں ثابت تھا موجودہ یا آئندہ زمانہ میں بھی اس کو موجود ماننا **اِسْتِصْحَاب** کہلاتا ہے۔ (القاموس الفقھی، ص۲۰۷)

[2] ......دو کاموں میں سے زیادہ لائق وبہتر کی طلب کو **تَحَرِّی** کہتے ہیں (یعنی دو باتوں میں غور وفکر کرنا اور جس پر دل جمے، عمل کرنا)۔

(کتاب التعریفات، ص ٤٠)

[3] ......جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب حدیث اعقلھا وتوکل، الحدیث: ۲۵۱۸، ص۱۹۰۵.

[4] ......مشکوۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب الصحابۃ، الحدیث: ۶۰۱۸، ج۲، ص٤١٤.

[5] ......حلیۃ الاولیاء، الرقم ۲٦٤ زید بن وھب، الحدیث: ۵۲۱۲، ج٤، ص۱۸۹۔
صحیح البخاری، کتاب الشہادات، باب لایشھد علی......الخ، الحدیث: ۲۶۵۱، ص۲۰۹.

شرع کو چار ہی میں منحصر کیوں کیا گیا ہے؟'' تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ''یہ احکام ان چار اصولوں سے خارج نہیں۔ اس طرح کہ سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْنَ، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے سابقہ شریعتوں کے جو احکام ہمیں بیان فرمائے اور ان کا انکار نہ فرمایا وہ اب ہماری شریعت کا حصہ ہیں اور تعامل (یعنی عرف وعادت) یہ ''اجماعِ عملی'' سے ملحق ہے۔ احتیاط پر عمل کرنا قوی ترین اصول پر عمل کرنا ہے جیسا کہ تین اصولوں کا معاملہ ہے، تحری پر عمل کرنا سنت پر عمل کرنا ہے کیونکہ ضرورت کے وقت تحری کا جواز سنت سے ثابت ہے اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے آثار پر عمل کرنا اس فرمانِ مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم پر عمل کرنا ہے کہ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔'' [1]

الغرض مذکورہ تمام احکام شریعت کے چار اصولوں ہی کی طرف لوٹتے ہیں اور سب کا مرجع قرآن وسنت ہے اور سنتِ نبوی قرآنِ پاک کی شرح اور تفصیل ہے، پس یہ قرآنِ پاک کی طرف راجع ہے۔

اُصولِ اربعہ میں حقیقی اصل:

حضرت سیِّدُنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) نے ''اَلْمَدْخَل'' کے شروع میں فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے حبیب، حبیبِ لبیب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کو دین میں یہ مقام عطا فرمایا ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم فرامینِ الٰہی کی مراد بیان فرمائیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آیاتِ مبارکہ سے عام وخاص، فرض ونفل، مستحب ومباح، رشد وہدایت اور وقت وعدد کے اعتبار سے کیا مراد لیا ہے (یعنی ان چیزوں کو حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم واضح فرماتے ہیں)۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

(پ۱۴، النحل: ۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف یہ یاد گار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جو ان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔

پس ثابت ہوا کہ اصولِ اربعہ میں حقیقی اصل قرآنِ پاک ہی ہے، کوئی اور نہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

[1] ......التمهيد لابن عبد البر، زيد بن اسلم مولى عمر بن خطاب، تحت الحديث: ۹۰، ج۲، ص۳۹۵.

بناوٹی صوفیاکی مُذمَّت کا بیان

اے دین میں انصاف پسند اور پرہیزگاروں کے متبع اسلامی بھائی! قرآن وسنت پر عمل، بدعت سے احتراز اور قرآن وسنت کی طرف راجع چار اصولِ شرع کے بارے میں تفصیلی گفتگو سے تمہارے لئے ظاہر ہوگیا کہ ہمارے زمانے کے ''**بعض متصوفہ**'' جن غیر شرعی باتوں کے دعوے کرتے ہیں وہ سب بے دینی اور گمراہی ہے (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

حضرت مصنف سیدی علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے یہاں ''بعض متصوفہ'' کہا جس کا معنی ہے ''تصوف کی طرف منسوب لوگ جو حقیقت میں صوفی نہ ہوں (بلکہ جھوٹے وبناوٹی صوفی ہوں) اور آپ نے ''بعض صوفیا'' نہ کہا تاکہ وہ حقیقی صوفیائے کرام جو اہلسنّت وجماعت کا اصل جوہر ہیں، اُن کی طرف ایسی قبیح وشنیع باتیں منسوب نہ ہوں۔

مُذمت کرنے میں سَلَف صالحین کا طریقہ:

حضرت مصنف سیدی علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے اپنے زمانے کے بناوٹی صوفیوں کا ذکر فرمایا، یہ نویں صدی ہجری کا زمانہ تھا پھر آپ نے اس زمانے کی بعض باتوں کو بیان کیا ہے اور سلف وخلف (اولیا وعلما) رحمہم اللہ تعالیٰ کی اتباع وپیروی میں، کسی شخص کو معین اور خاص کئے بغیر اس زمانے کے کچھ حالات وواقعات کی مذمت بیان فرمائی تاکہ لوگ ایسی باتوں سے بچیں اور نصیحت حاصل کریں۔ بہرحال بغیر تعین کے کسی کی مذمت کرنا بزرگوں سے ثابت ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) نے اپنی کتاب ''**رُوحُ الْقُدُس**'' میں فرمایا کہ ''ایک بار جب مَیں نے بناوٹی صوفیا کے کارنامے حرم شریف (زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًاوَّتَعْظِیْمًا) میں لوگوں کو سنائے اور ان کی مذمت بیان کی تو ایک شخص کو یہ بات ناگوار گزری، تو وہ میرے متعلق کہنے لگا: ''ان کو کس چیز نے یہ باتیں کرنے پر مجبور کیا؟ ان باتوں اور اس جیسے کلام سے تو اعراض کرنا ہی اچھا ہے۔'' یوں میرے (یعنی ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے) نزدیک اس کے اعتراض نے اس بات کو تقویت پہنچائی کہ بے شک میری باتیں حق ہیں کیونکہ یہ اس پر گراں گزری تھیں۔ اور یہ اعتراض کرنے والا ان دلائل سے اندھا وبے خبر ہے جنہیں میں نے اپنے مؤقف پر بطور دلیل پیش کیا تھا

حالانکہ وہ ان کو تسلیم بھی کررہا تھا اور مَیں نے کئی بار یہ باتیں اسے سنائیں مگر اس نے ان بناوٹی وجھوٹے صوفیوں کو ملامت نہ کی بلکہ انہیں اچھا ہی سمجھا۔ پس جب یہ برائی اس کے زمانہ والوں میں موجود تھی تو اس نے ان باتوں کو فضول جانا کیونکہ وہ خود بھی اس زمانے میں تھا اور اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری بھی مذمت نہ کی جائے اور میں غم میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ اور اگر وہ انصاف کرتا تو ضرور اپنا محاسبہ کرتا اور وہ دلائل جنہیں اس گفتگو میں پیش کیا گیا وہ بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ،

آج لوگوں سے امانت اٹھ گئی:

منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن جو بہترین زمانہ تھا امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل میں سے کسی کے گلے سے ہار گم ہو گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افسوس کرتے ہوئے فرمایا: ''آج لوگوں سے امانت اٹھ گئی۔'' اور یوں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ایک مصیبت کا حکم سارے زمانے پر لگایا۔ یہ روایت غزوہ فتح مکہ کے بارے میں لکھی جانے والی کتب میں موجود ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہزادی اُم المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اپنے زمانے کو اور زمانے والوں کے بخل اور برائیوں کو دیکھا تو افسوس کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ لبید پر رحم فرمائے کہ اس نے کہا تھا:

ذَهَبَ الَّذِيْنَ يُعَاشُ فِيْ اَكْنَافِهِمْ وَبَقِيْتُ فِيْ خَلْفٍ كَجِلْدِ الْاَجْرَبِ

ترجمہ: وہ لوگ چلے گئے جن کے پہلوؤں میں زندگی گزاری جاتی تھی اور بعد والوں کے پہلو تو ایسے ہیں جیسے خارش زدہ کی کھال۔[1] پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ''اگر وہ ہمارے اس زمانے کو پا لیتا تو کیا محسوس کرتا۔'' پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے زمانے والوں کی مذمت بیان فرمائی۔

صرف نشانیاں باقی ہیں:

حضرت سیِّدُ نا امام ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) سے ان کے بیٹے اور غانمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کی اور یہ بات، مجھ (ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی) پر اعتراض کرنے والے شخص نے بھی سن رکھی تھی اس

---

(1)......مصنف ابن ابی شیبة ،كتاب الادب ،باب الرخصة فی الشعر ، الحديث: ٣٦، ج٦، ص ١٧٦.

کے باوجود وہ بناوٹی صوفیوں کو اچھا سمجھتا تھا۔ چنانچہ، امام قُشَیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) نے ''اَلرِّسَالَةُ الْقُشَيْرِيَّة'' میں اپنے زمانے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''ہمارے اس زمانے میں محقق اَولیائے کرام کی اکثریت باقی نہ رہی، صرف ان کی نشانیاں باقی ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

اَمَّا الْخِيَامُ فَاِنَّهَا كَخِيَامِهِم وَاَرٰى نِسَاءَ الْحَيِّ غَيْرَ نِسَائِهَا

ترجمه: خیمے تو ویسے ہی ہیں جیسے ان (گذر جانے والوں) کے تھے مگر ان میں قبیلہ کی عورتیں وہ نہیں بلکہ کوئی اور ہی نظر آ رہی ہیں۔'' اب اس راہِ طریقت میں وقفہ حائل ہوگیا ہے۔ بلکہ اب تو یہ راستہ ہی مٹ چکا ہے۔ [1]

اس طرح آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''اَلرِّسَالَةُ الْقُشَيْرِيَّة'' کے شروع میں ان بناوٹی صوفیوں کی بڑی شدت کے ساتھ مذمت فرمائی ہے اور اس کتاب کے لوگوں کے درمیان مشہور و رائج ہونے کی وجہ سے ہم نے حضرت سیِّدُنا امام قُشَیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) کے قول کو بطورِ حکایت بیان کیا ہے۔

پھر دل سخت ہو گئے:

حضرت سیِّدُنا عبدالرحمٰن بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیِّدُنا ہارون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے، وہ حضرت سیِّدُنا ابومعونہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے، وہ حضرت سیِّدُنا اَعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اور وہ حضرت سیِّدُنا ابوصالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب اہلِ یمن کا قافلہ آیا اور انہوں نے قرآنِ پاک سنا تو رونے لگے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بطورِ عاجزی) ارشاد فرمایا کہ ''ہم بھی ایسے ہی تھے پھر دل سخت ہو گئے۔'' [2]

سختیاں دین سے نہ پھیرتی تھیں:

نیز سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا مکہ شریف میں اسلام کے سبب ستائے جانے والوں کو تنبیہ فرمانا بھی اسی امر کی وضاحت ہے۔ چنانچہ، اسلام کی خاطر ستائے جانے والوں میں سے ایک حضرت سیِّدُنا خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جنہوں نے اپنے اسلام کی وجہ سے بے انتہا تکلیفیں اٹھائیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے

1 ......الرسالة القشيرية، مقدمة المؤلف، جماعة الصوفية، ص٨.

2 ......حلية الاولياء، الرقم ١ ابوبكر صديق، الحديث: ٧٥، ج١، ص٦٨.

ہیں کہ ''ایک بار ہم نے مشرکین کے جور وستم کی شکایت کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کیوں نہیں کرتے، ہمارے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مدد کیوں نہیں مانگتے۔'' یہ سن کر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بیٹھ گئے، پھر ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! تم سے پہلے جو مسلمان تھے ان میں سے کسی آدمی کو پکڑا جاتا اور دو ٹکڑے کر دیا جاتا لیکن یہ چیز اسے دین سے نہیں پھیرتی تھی یا کسی کا لوہے کی کنگھی سے گوشت ادھیڑ دیا جاتا مگر یہ چیز اسے دین سے نہ پھیرتی تھی۔''[1]

(کتاب ''رُوْحُ الْقُدُس'' سے امام ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا کلام یہاں ختم ہوا۔)

زمانے کے تمام لوگوں کی مذمت جائز نہیں:

بہر حال ہر دور کے ہر طبقہ میں قابلِ مذمت اور قابلِ تعریف دونوں طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں اور خیر وشر قیامت تک باقی رہیں گے۔ لہٰذا اگر کسی نے لوگوں میں سے ایک قسم کے افراد کی مذمت کی تو اس کی مراد، ان میں سے شریر افراد ہوتے ہیں اور واقعی ایسے افراد پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ایک قسم کے افراد کی تعریف کرتا ہے تو اس سے مراد بھلائی والے افراد ہوتے ہیں اور وہ بھی پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ کسی زمانے میں ایک فریق اپنے مقابل کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہوجائے، پس دونوں فریق (یعنی اچھے اور برے لوگ) ہر دور میں باقی رہیں گے۔ مگر کسی بھی زمانے کے تمام ہی لوگوں کی مذمت جائز نہیں۔ چنانچہ،

حدیثِ پاک میں ممانعت:

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخْزنِ جود وسخاوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ''جب کوئی شخص یہ کہے کہ تمام لوگ ہلاک ہوگئے تو وہ خود ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔''[2]

---

[1] ......حلیۃ الاولیاء، الرقم ۲۳ خباب بن الارت، الحدیث: ۴۷۳، ج۱، ص ۱۹۵۔

[2] ......صحیح مسلم، کتاب البر، باب النھی عن قول ھلک الناس، الحدیث: ۶۶۸۳، ص ۱۱۳۵۔

حدیثِ پاک کی شرح:

حضرت سیِّدُ نا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) اس حدیثِ پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: ''حدیث شریف (کے عربی متن) میں وارد لفظ ''اَھْلَکُھُمْ'' میں ''کاف'' پیش (ُ) اور زَبر (َ) دونوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے لیکن مشہور پیش کے ساتھ (اَھْلَکُھُمْ) ہے اور اس کا معنی ہے ''وہ خود ان سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔'' اور اگر اس کو زَبر کے ساتھ (اَھْلَکَھُمْ) پڑھیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس نے ان کو ہلاک ہونے والا بنایا جبکہ حقیقت میں وہ ہلاک نہیں ہوئے۔'' علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ وعید و مذمت اس شخص کے بارے میں ہے جو لوگوں کو عیب لگانے، انہیں حقیر سمجھنے، اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے اور ان کو برا جانتے ہوئے یہ بات (کہ لوگ ہلاک ہوگئے) کہتا ہے۔ کیونکہ وہ مخلوق کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رازوں کو نہیں جانتا۔ علمائے کرام رحمہم اللہ السلام مزید فرماتے ہیں اگر کوئی یہ بات (کہ لوگ ہلاک ہوگئے) اپنی اور لوگوں کی دینی معاملات میں کوتاہی پر افسوس کرتے ہوئے کہتا ہے تو اس میں حرج نہیں۔ جیسے کوئی امت کی بداعمالیوں پر افسوس کرتے ہوئے کہے کہ ''میں اُمتِ مصطفیٰ میں کوئی بھلائی نہیں جانتا سوائے یہ کہ وہ سارے نماز پڑھتے ہیں۔'' حضرت سیِّدُ نا امام مالک علیہ رحمۃ اللہ الخالق (متوفی ۱۷۹ھ) نے اس کی شرح یوں ہی بیان فرمائی اور دیگر نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اتباع کی ہے۔ حضرت سیِّدُ نا امام خطابی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۳۸۸ھ) فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص ہمیشہ لوگوں کے عیوب اور برائیاں بیان کرتا رہے اور ''لوگ بگڑ گئے، لوگ ہلاک ہوگئے۔'' وغیرہ وغیرہ باتیں کرتا پھرے۔ پس جب وہ ایسا کرتا ہے تو وہی سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔ یعنی لوگوں کی غیبت اور مذمت کرنے کی وجہ سے ملنے والے گناہ کے سبب اس کی حالت سب سے زیادہ بری ہے۔ نیز ایسی باتیں اکثر خود پسندی اور خود کو لوگوں سے بہتر سمجھنے (یعنی تکبر) میں مبتلا کر دیتی ہیں۔''(1)

کسی کام کے خلافِ شرع ہونے کی شرط:

یہاں بات ہورہی ہے بناوٹی صوفیا کے خلافِ شرع امور کا مرتکب ہونے کی اور خلافِ شرع امور سے مراد وہ

(1)......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب البر والصلة، باب النهی عن قول هلك الناس، ج۱٦، ص ۱۷۵.

کام ہیں جن کے خلافِ شرع ہونے پر مجتہدین کا اجماع (یعنی اتفاق) ہے جیسے زنا، شراب، چوری، ترکِ نماز اوران جیسے دیگر کام اوراگر وہ کام ایسے نہ ہوں تو وہ مُنْکَر (یعنی بُرا کام) نہیں۔ چنانچہ،

حُجَّةُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ ھ) **"اِحْیَاءُ الْعُلُوْم"** میں فرماتے ہیں: ''کسی کام کے مُنْکَر (یعنی برا ہونے) کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ برائی اجتہاد کے بغیر معلوم ہو اور ہر وہ برائی جو اجتہاد کے ذریعے معلوم کی جائے اس میں احتساب نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شافعی گوہ،[1] بجو[2] یا ایسی شئے کھا رہا ہو جس پر بوقتِ ذبح **بِسْمِ اللّٰہ** نہ پڑھی گئی تھی[3] تو کسی حنفی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ یوں ہی اگر کوئی حنفی نشہ نہ دینے والی نَبِیْذ[4] پیے تو کوئی شافعی اس پر اعتراض نہیں کرسکتا۔[5]

---

[1] ......مفسر شہیر حکیم الأمت **مفتی احمد یار خان نعیمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۹۱ھ) **مراۃ المناجیح، ج5، صفحہ 662** پر گوہ سے متعلق حدیث شریف کے تحت فرماتے ہیں: ''اس حدیث کی بنا پر امام شافعی و دیگر ائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ ''گوہ حلال ہے۔'' امام اعظم قُدِّسَ سِرُّہُ کے نزدیک ممنوع۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ ''اگر حرام ہوتی تو حضورِ انور (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) کے سامنے نہ کھائی جاتی۔'' امام اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث منسوخ ہے۔'' اس کی ناسخ حدیث آگے آرہی ہے، **جب اباحت (یعنی جائز ہونے) اور ممانعت میں تعارض (یعنی ٹکراؤ) ہو تو ترجیح (یعنی فوقیت) ممانعت کی ہوتی ہے۔** (**ناسخ حدیث یہ ہے:** حضرت سیِّدُنا عبدالرحمٰن ابن شِبْل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِّ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے **گوہ** کھانے سے منع فرمایا۔)

(سنن ابی داود، کتاب الطعمة، باب فی اکل الضب، الحدیث: ۳۷۹۶، ص ۱۵۰۳)

[2] ......صدرالشریعہ، بدرالطریقہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) **''دُرِّمختار''** کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: ''کُنْچلے والا جانور جو کُنْچلے سے شکار کرتا ہو حرام ہے۔ جیسے شیر، گیدڑ، لومڑی، **''بجو''**، کتا وغیرہ۔'' (بہارشریعت، ج ۲، حصہ ۱۵، ص ۷۹) (کُنْچلے سے مراد: گوشت خور جانوروں کے وہ دونوں بڑے دانت جن کے ذریعے سے وہ گوشت کاٹتے یا شکار پکڑتے ہیں۔) (فیروز اللغات)

[3] ......صدرالشریعہ، بدرالطریقہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) **''ھِدَایَة''** کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: ''ذبح کرنے میں قصداً (جان بوجھ کر) ''بِسْمِ اللّٰہ'' نہ کہی جانور حرام ہے اور اگر بھول کر ایسا ہوا جیسا کہ بعض مرتبہ شکار کے ذبح میں جلدی ہوتی ہے اور جلدی میں ''بِسْمِ اللّٰہ'' کہنا بھول جاتا ہے اس صورت میں جانور حلال ہے۔'' (بہارشریعت، ج ۲، حصہ ۱۵، ص ۷۵)

[4] ......**احناف کے نزدیک:** نبیذ یعنی کھجور یا منقے کو پانی میں بھگو یا جائے وہ پانی نشہ پیدا ہونے سے پہلے پیا جائے یہ جائز ہے۔ احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔ (بہارشریعت، ج ۲، حصہ ۱۷، ص ۸)

[5] ......احیاء علوم الدین، کتاب الامر بالمعروف والنهی عن المنکر، الباب الثانی، شرط رابع، ج ۲، ص ۴۰۰.

اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَر کی تین شرائط:

حضرت سیِّدُ نا امام لاقانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۱۰۷۸ھ) "جَوْهَرَةُ التَّوْحِيْد" کی شرح میں فرماتے ہیں: تمام علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کے نزدیک اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَر (یعنی نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے منع کرنے) کے لئے تین شرائط ہیں: (۱)......**پہلی شرط:** جس چیز کا حکم دینا ہے یا جس سے منع کرنا ہے اسے صحیح طرح جانتا ہو۔لہٰذا جسے اس معاملہ میں شریعت کا حکم معلوم نہیں اسے اس چیز سے منع کرنا یا حکم دینا جائز نہیں۔حضرت سیِّدُ نا علامہ سعدالدین تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۷۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام الحرمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۷۸ھ) نے فرمایا کہ اگر حکم شرعی کو عام وخاص دونوں سمجھتے ہوں تو اس میں عالم اور غیر عالم دونوں کے لئے اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَر جائز ہے اور اگر اس حکم کا جاننے والا اجتہاد کے ساتھ خاص ہو تو اس میں عوام کے لئے امر و نہی (یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا) جائز نہیں ہے بلکہ اس میں حکم مجتہدین کے سپرد ہوگا۔ پھر ایک مجتہد کے لئے جائز نہیں کہ بذریعہ اجتہاد ثابت ہونے والے مسئلہ میں زجر و توبیخ کے ساتھ دوسرے مجتہد پر اعتراض کرے۔کیونکہ ہمارے (اہلسنّت وجماعت کے) نزدیک ہر مجتہد فروعی مسائل میں مُصِیب (یعنی دُرُست رائے والا) ہے اور جس نے کہا کہ ''فروعی مسئلہ میں مُصِیب صرف ایک مجتہد ہوتا ہے۔'' تو وہ ایک اس کے نزدیک غیر متعین ہے۔[1] (۲)......**دوسری شرط:** نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے منع کرنے والے کو اس بات کا اطمینان ہو کہ سامنے والا میری بات سے ایسا انکار نہیں کرے گا جو اسے کسی بڑی برائی کی طرف لے جائے۔(۳)......**تیسری شرط:** اسے غالب گمان ہو کہ اس کا برائی سے منع کرنا اس برائی کے خاتمے کا سبب بنے گا۔

بناوٹی صوفیا کے باطل اَقوال اور ان کا حکم شرعی

پہلا قول: علمِ ظاہر میں حرام اور علمِ باطن میں حلال:

(۱)......جب کوئی صاحب علم بناوٹی صوفیوں کو ان کے بعض خلافِ شرع امور سے منع کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ''اس برے فعل کا حرام ہونا صرف علم ظاہر سے ثابت ہے۔لہٰذا یہ صرف علمِ ظاہر والوں پر حرام ہے جبکہ ہم صوفی علمِ

[1] ......شرح المقاصد للتفتازانی، المبحث الخامس عشر الامر بالمعروف......الخ، ج۳، ص۴۱۲.

باطن [1] والے ہیں۔

پہلے قول کا حکمِ شرعی:

ایسی بات کہنا اور اس پر راضی رہنا صریح (یعنی کھلا ہوا) کفر ہے۔ کیونکہ اس میں ایسی بات کا انکار ہے جو ضروریاتِ دین سے ثابت ہے اور اس پر مجتہدین کا اجماع ہے۔ چنانچہ،

''شَرْحُ الدُّرَر'' میں ہے کہ ''جس نے حلال کے حرام ہونے اور حرام کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھا اس نے کفر کیا۔ جبکہ وہ چیز بعینہٖ حرام ہو (جیسے شراب و مردار وغیرہ) اور اگر وہ شئے کسی غیر کی وجہ سے حرام ہو (جیسے عید کے دن روزہ رکھنا) تو اگرچہ اس کے حلال ہونے کا اعتقاد بھی رکھے، کفر نہیں اور کفر اسی وقت ہوگا جب اس شئے کا حرام ہونا قطعی دلیل سے ثابت ہو اور اگر اس کا ثبوت خبرِ واحد سے ہو تو کفر نہیں۔

''جَامِعُ الْفَتَاوٰی'' میں ہے: ''علمائے علم کلام اور فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''اگر کوئی شخص قرآنِ مجید، حدیثِ متواتر [2] یا اجماعِ قطعی سے ثابت شدہ حکمِ شرعی کا انکار کرے (جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور حیض و جنابت کے بعد غسل یا حدث کے بعد وضو) تو وہ کافر ہے اور اس کفر پر ڈٹ جانے کی صورت میں قتل کر دیا جائے۔ اس کی تاویل قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کی جہالت و لاعلمی عذر ہوگی کیونکہ فرضِ عین تو مسلمانوں میں مشہور و معروف ہوتا ہے لہٰذا اس کا جاہل و لاعلم ہونا عذر شمار نہ ہوگا۔ البتہ! اگر کوئی مسئلہ ایسا پیچیدہ و غیر معروف ہو کہ باریک بینی اور کامل غور و فکر کے ساتھ ہی سمجھ آئے گا تو اس وقت جہالت و لاعلمی عذر شمار ہوگی۔''

دوسرا قول: اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بلا واسطہ پوچھنا:

(۲)...... بناوٹی صوفیا کہتے ہیں: ''تم اپنے تمام عقائد و اعمال کے احکام قرآنِ پاک سے سیکھتے ہو اور ہم علمِ باطن والے

---

[1] ......حضرت سیِّدُنا **عبدالغنی نابلسی** علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اسی مقام پر علمِ باطن کی تعریف یوں فرمائی: ''یہ دل کا علم ہے، جس کے ذریعہ دل کے احوال کی پہچان اور اس کے تقاضوں کے مطابق امور کے جاری ہونے کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔''

[2] ......**حدیث متواتر کی تعریف:** ''وہ حدیث جس کو روایت کرنے والے شروع سے لے کر آخر تک اتنے زیادہ ہوں جن کا جھوٹ پر جمع ہونا عادۃً محال ہو، اس کی انتہائے سند پر کوئی امر مشاہد یا امر مسموع ہو (یعنی سب سے پہلا راوی یوں کہے: میں نے دیکھا یا سنا) نیز وہ حدیث علمِ یقینی کا فائدہ دے۔''
(نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر، ص٤٣)

اپنے تمام احکام صاحبِ قرآن، حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے سیکھتے ہیں۔ جب ہمیں کسی مسئلہ میں مشکل درپیش ہوتی ہے تو اس کے بارے میں رسولِ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے پوچھ لیتے ہیں۔ اگر تشفی (تَ۔شَفْ۔فِیْ: یعنی اطمینان) ہو جائے تو ٹھیک، ورنہ ہم بلا واسطہ ذاتِ الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کسی دوسرے سے نہیں پوچھتے کیونکہ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کی کیفیت کو جانتے ہیں اور یہ اس لئے کہ وہ ہم سے ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ پس ہم بغیر کسی واسطہ کے (DIRECT) اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس مسئلہ کا حکم پوچھ لیتے ہیں۔''

دوسرے قول کا حکمِ شرعی:

جاہل و بناوٹی صوفیا کا یہ قول بالاجماع کئی وجوہات کی بناء پر قطعی کفر ہے۔ (۱)...... **پہلی وجہ:** مکلّف ہونے کی شرائط مثلاً عاقل و بالغ ہونا، دعوتِ اسلام پہنچ جانا اور دارالاسلام میں سکونت وغیرہ کے باوجود ایسی باتیں کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ اپنے آپ کو کتاب و سنت کے احکام کے مکلّف نہیں سمجھتے (اور یہ صریح کفر ہے)۔ (۲)...... **دوسری وجہ:** ان کا اس بات کی صراحت کرنا ہے کہ اگر رسولِ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کوئی حکمِ شرعی بتا دیں پھر بھی انہیں اختیار ہے، چاہے قبول کریں یا رد کر دیں (یہ بھی کھلا کفر ہے)۔ (۳)...... **تیسری وجہ:** اس میں نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو وسیلہ بنائے بغیر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے احکامِ شرعیہ لینے کا دعویٰ ہے اور یہ دعوئ نبوت ہے (لہٰذا یہ بھی کفر ہے)۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۷۹۳ھ) ''**شَرْحُ الْعَقَائِد**'' میں امام نسفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۵۳۷ھ) کے قول کہ ''بندہ کسی ایسے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ احکامِ شرع اس سے ساقط ہو جائیں (جبکہ عاقل و بالغ ہو)۔'' کے تحت فرماتے ہیں: ''یہ اس لئے ہے کہ اسلام کے تمام احکام (امر و نہی) عام ہونے کی وجہ سے ہر ہر مکلّف (عاقل و بالغ) پر لاگو ہوتے ہیں اور اس پر مجتہدین کا اجماع ہے۔ جواز کے قائل بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''جب کوئی بندہ محبت کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا، اسے دل کی صفائی حاصل ہو جاتی، اور وہ کفر پر ایمان کو بغیر منافقت کے اختیار کر لیتا ہے تو اس سے شرعی احکام ساقط ہو جاتے ہیں اور کبیرہ گناہ کرنے کے باوجود اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے جہنم میں داخل نہ فرمائے گا۔'' اور بعض کہتے ہیں کہ ''ان سے ظاہری عبادات ساقط ہو جاتی اور ان کی عبادت محض تفکر (یعنی کائنات میں غور و فکر) ہوتی

ہے۔‘‘اور یہ کفر و گمراہی ہے کیونکہ ایمان و محبت میں سب سے زیادہ کامل و اکمل حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ہیں بالخصوص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم، اس کے باوجود ان کے حق میں مکلّف ہونا اتم و اکمل ہے۔ اور یہ فرمانِ مصطفٰی صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کہ ’’جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔‘‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے گناہوں سے محفوظ فرمالیتا ہے اور گناہوں کا ضرر اسے نہیں پہنچتا۔‘‘ [1]

یعنی اس شخص کے لئے ظاہر و باطن ہر حال میں توبہ کرنا آسان ہوجاتا ہے حتی کہ افعالِ ظاہری تو دور کی بات ہے وہ مستقبل میں بھی گناہ کے سرزد ہونے اور دل کی لغزشوں سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتا رہتا ہے۔ پس اس کے لئے توبہ کرنا مشکل و دشوار نہیں رہتا۔

تیسرا قول: گوشہ نشینی اور شیخ کی توجہ:

(۳)...... بناوٹی صوفیا کہتے ہیں: ’’ہم تو علمِ باطن رکھنے والے گوشہ نشینی اور اپنے شیخ [2] کی توجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں انتہائی قرب اور کامیابی سے نوازے جاتے ہیں۔ پس ہمارے لئے تمام علوم ظاہر کردیئے جاتے ہیں، ہم ان میں سے جو چاہتے ہیں احکام اختیار کرتے ہیں پھر ہمیں قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ ہی قرآنِ پاک اور دیگر علوم سیکھنے کے لئے کسی استاذ کی حاجت ہوتی ہے۔

تیسرے قول کا حکمِ شرعی اور شیخِ کامل کی اہمیت:

جاہل صوفیوں کا یہ قول محض جھوٹ اور اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بہتان ہے اور اس کی بارگاہ میں بہت بڑی جرأت ہے اس اعتبار سے کہ انہوں نے اپنے پہلے قول کے صریح کفر ہونے کے باوجود یہ گمان کیا ہوا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں اپنی معرفت تک پہنچائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾ (پ۶، المائدۃ:۶۷) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔ رہی بات مرشدِ کامل کی توجہ کی تو یہ درست ہے کہ جو شیخ، صادق و عارف ہو، مراتبِ علم و عمل میں کامل ہو

---

[1] ......شرح العقائد، لایبلغ ولی درجۃ الانبیاء، ص۱۶۶.

[2] ......صاحب حدیقہ ندیہ حضرت سیّدنا عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس مقام پر شیخ (یعنی پیرومرشد) کی تعریف یوں فرمائی: ’’وہ بزرگ جس سے اس کی باتوں کی پیروی پر عہد کیا جائے اور وہ اپنی موجودہ حالت کے مطابق اقوال وافعال کے ذریعے مریدوں کی تربیت کرے اور ظاہری تقاضوں کے مطابق اس کا دل بغیر کسی کوتاہی کے ہمیشہ مراتبِ کمال کی طرف متوجہ رہے۔‘‘

اور ظاہری و باطنی علوم کا جامع ہو تو اس کی توجہ (اور تربیت) مریدین کے لئے کافی ہے اور یہی توجہ انہیں مطالعہ کتب اور دیگر علوم میں مشغول ہونے سے بے پرواہ کر دیتی ہے کیونکہ شیخِ کامل کی انتہائی توجہ اور غیرتِ الٰہیہ، مریدین کو کسی حکمِ شرعی سے جاہل نہیں رہنے دیتی اور جب وہ شیخِ کامل کی تربیت میں آجاتے ہیں تو وہ شیخ ہی ان کے لئے کتاب ہوتا ہے بلکہ اس سے زائد ہوتا ہے کیونکہ شیخِ کامل کے پاس کتاب میں موجود وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کی ان مریدوں کو حاجت ہوتی ہے اور کبھی مریدوں کا شیخِ کامل کے علاوہ کسی اور استاذ سے پڑھنا، مطالعہ کرنا اور سیکھنا شیخ کی باتوں پر عمل کرنے سے رکاوٹ بنتا ہے حالانکہ وہ شریعت محمدیہ کے مطابق ان کے احوال کی اصلاح کر رہا ہوتا ہے۔ پس ایسی صورتِ حال کے پیشِ نظر وہ ان کو ایسا علم حاصل کرنے سے منع کرتا ہے جس پر وہ عمل نہ کریں اور ان کے دل صرف علم کی زیادتی کے عادی ہو جائیں۔ پھر ایسا علم، شیخ پر حجت (یعنی اعتراض) بن جاتا ہے جبکہ شیخِ کامل ان کو نفع بخش علم تھوڑا تھوڑا کر کے سکھاتا ہے کیونکہ وہ ان کی مصلحتوں کو ان سے زیادہ جانتا ہے۔

اور اگر ان کا شیخ ناقص اور جاہل ہو کہ خود پر اور مریدوں پر لازم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام و حقوق نہ جانتا ہو مگر پھر بھی وہ انہیں ان باتوں کا حکم دے تو ایسا شیخ خود بھی گمراہ ہے اور انہیں بھی گمراہ کرنے والا ہے۔

چوتھا قول: علمِ ظاہر و شریعت کا ترک:

(۴)...... بناوٹی صوفیا کہتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک علمِ ظاہر اور شریعت کو مکمل طور پر ترک نہ کر دیا جائے۔''

علمِ ظاہر اور شریعت کی تعریف:

علمِ ظاہر وہ علم ہے جو کتاب و سنت کے اُن معانی سے حاصل کیا جاتا ہے جن کا تعلق عقائد و اعمال سے ہوتا ہے۔ اور شریعت وہ بیانِ الٰہی ہے جو حضراتِ انبیائے کرام و مقدس ملائکہ عَلَیۡهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کی زبانوں پر تمام مُکَلَّفِین کے لئے بطورِ خطاب وارد ہو۔

چوتھے قول کا حکمِ شرعی:

اگر کہنے والے نے علمِ ظاہر اور شریعت کے ترک سے ''اس کا نہ سیکھنا، اسے اہمیت نہ دینا اور اس سے منہ موڑ لینا''

مراد لیا ہے یوں کہ اس علمِ ظاہر اور شرع کی کوئی حاجت نہیں۔ یقیناً اس قائل نے کلامِ الٰہی کو احمق بتایا اور حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کو بے وقوف ٹھہرایا اور رسولوں عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بھیجے جانے اور کتابوں کے اتارنے کی طرف لغو اور بے کار ہونے کی نسبت کی پس اس کے کفر میں کوئی شک نہیں اور یہ شدید وسخت تر کفر ہے۔

اور اگر علمِ ظاہر وشرع کو ترک کرنے سے اس کی مراد یہ ہو کہ ''مشاہدۂ حق تعالٰی اور ہر حال میں اسی کی بارگاہِ اقدس میں حاضر رہا جائے اور علمِ ظاہر وشرع میں مشغولیت ترک کر دی جائے۔'' تو اگر اس شخص کی طرف گزشتہ (تین) اقوال منسوب نہ ہوں تو یقیناً یہ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ کیونکہ جو اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہو وہ اس تک نہیں پہنچ سکتا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علمِ ظاہر اور شرع بھی ذاتِ الٰہی کا غیر ہیں پس جو کوئی ان میں سے کسی شئے میں مشغول ہوا اور اسی کو مقصود بالذات گمان کر لیا تو اس کی یہ مشغولیت اسے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے سے روک دے گی بالآخر ایسا شخص اپنے تمام کاموں میں دھوکے اور محرومی کا شکار ہو جائے گا جیسے کوئی دن رات طہارت میں مشغول اور ہمہ تن مصروف رہے یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہی مقصود بالذات ہے اور اس سے اس کے غیر (یعنی نماز وغیرہ) کی طلب نہ کرے تو اس کا یہ فعل گمراہی اور خسارہ بن کر رہ جائے گا۔

اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کا راستہ:

حضرت سیِّدُنا شیخ تاج الدین بن عطاء اللّٰہ سکندری علیہ رحمۃ اللّٰہ القوی (متوفی ۷۰۹ھ) اپنی کتاب ''لَطَائِفُ الْمِنَن'' میں حضرت سیِّدُنا شیخ ابو الحسن شاذلی علیہ رحمۃ اللّٰہ الولی (متوفی ۶۵۶ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ولی اس وقت تک اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تک نہیں پہنچ سکتا حتی کہ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کی خواہش بھی اس سے منقطع ہو جائے۔'' نیز آپ رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ''ولی ہرگز اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اس میں کوئی بھی خواہش، تدبیر یا اختیار باقی ہو۔''

حضرت سیِّدُنا شیخ تاج الدین بن عطاء اللّٰہ سکندری علیہ رحمۃ اللّٰہ القوی (متوفی ۷۰۹ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا شیخ ابو الحسن شاذلی علیہ رحمۃ اللّٰہ الکافی (متوفی ۶۵۶ھ) کے اس کلام (ولی اس وقت تک اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تک نہیں پہنچ سکتا حتی کہ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کی خواہش بھی اس سے منقطع ہو جائے) میں منقطع ہونے کا مطلب اس طریقہ کا ختم ہونا ہے جس میں عقلِ انسانی

کو دخل ہو۔اس بے چینی کا خاتمہ مراد نہیں جو اپنا معاملہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سپرد کرنے اور اس کی مرضی کے مشاہدہ کی بنیاد ہے پس وہ خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنے نفس کو عیبوں سے پاک کر کے اس کی بارگاہ میں پیش کر دیتا ہے اور وہ اپنے مولیٰ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ کسی شئے کو پسند و اختیار نہیں کرتا کیونکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ کسی اور کو اختیار کرنے کی آفات و نقصانات کو جانتا ہے۔''

آج نہیں تو کل راستہ کھل جائے گا!

حضرت سیِّدُنا شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ سکندری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۰۹ھ)، انہی حضرت سیِّدُنا شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۶۵۶ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ مَیں اور میرا ایک رفیق کسی غار میں مقیم تھے ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کی طلب میں تھے۔ایک بار ہم کہہ رہے تھے کہ ''آج نہیں تو کل ہم پر یہ راستہ کھل جائے گا۔'' اچانک ایک بارُعب شخص ہمارے پاس آیا۔ہم نے اس سے کہا: ''آپ کون ہیں؟'' جواب دیا: ''میں عبدالملک ہوں۔'' ہم سمجھ گئے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اولیا میں سے ہیں۔'' ہم نے پوچھا: ''آپ کیسے ہیں؟'' انہوں جواب دیا: تمہارا کیا حال ہے؟ تمہارا کیا حال ہے؟ اور اُس شخص کا کیا حال ہے جو کہتا ہے: ''آج نہیں تو کل مجھ پر یہ راستہ کھل جائے گا؟ یہ نہ ولایت ہے نہ ہی فلاح و کامیابی، اے نفس! تُو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے لئے اس کی عبادت کیوں نہیں کرتا؟'' حضرت سیِّدُنا شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں: ''ہم سمجھ گئے کہ یہ کہاں سے ہمارے پاس تشریف لائے ہیں؟ پس ہم نے توبہ و استغفار کی تو ہم پر یہ راستہ کھل گیا۔''

اعلیٰ بصیرت پر فائز ہستیاں:

اور انہی حضرت سیِّدُنا شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۶۵۶ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ''پرہیز گاری ان کے لئے اچھی راہ ہے جنہوں نے اپنے حصے کے لئے جلدی کی اور ثواب حاصل کرنا چاہا۔ یقیناً پرہیز گاری نے انہیں اس مقام تک پہنچا دیا کہ اب وہ روشن دلیل اور اعلیٰ بصیرت پر فائز ہو کر اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی سے لیتے، اسی سے سیکھتے، اسی کی بات کرتے، اسی کے لئے عمل کرتے اور اسی کے فرمان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ پس وہ اپنے تمام اوقات اور تمام احوال میں نہ تدبیر کرتے ہیں، نہ اپنی مرضی پر چلتے ہیں، نہ اپنی چاہت کو دخل دیتے ہیں، نہ

تفکر میں پڑتے ہیں، نہ کسی کو دیکھتے ہیں، نہ کسی سے بولتے ہیں، نہ پکڑتے ہیں، نہ چلتے ہیں اور نہ ہی کوئی حرکت کرتے ہیں سوائے یہ کہ جس کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حکم فرمایا اور جس میں اس کی رضا ہو اس حیثیت سے کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ علم نے ان کو حقیقت امر پر لا کھڑا کیا ہے۔ تو وہ سب ''حقیقتِ کُل'' میں اکٹھے ہیں اور اعلیٰ و ادنیٰ ہونے میں جدا جدا نہیں۔ جبکہ ادنیٰ ترین چیزوں سے اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں از روئے ثواب کے روک دیتا ہے اس لئے کہ وہ تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ خود پر لازم شرعی حدود کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور جس کے علم و عمل کے لئے کوئی حصہ نہ ہو تو وہ دنیا کے پردہ میں ہے یا وہ دعویٰ میں مصروف ہے اور اس کا حصہ مخلوق پر بڑائی جتانا، اپنے ہم مثل پر تکبر چاہنا اور اپنے علم کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ پر جرأت کرنا ہے اور یہی کھلا نقصان ہے۔ ہم اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتے ہیں۔ عقلمند لوگ ایسے تقویٰ سے بچتے اور اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں اور جس شخص کے علم و عمل سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عاجزی اور مخلوق کے لئے انکساری نہ بڑھے تو وہ شخص ہلاک ہونے والا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے کثیر نیکوکاروں کو نیکیوں کے سبب ان کی اصلاح کرنے والوں سے الگ کر دیا جس طرح بہت سے مفسدین کو فساد کے سبب ان کے مقصد سے جدا کر دیا۔ تو تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگو کہ بے شک وہ ہی سننے اور جاننے والا ہے۔''[1]

پانچواں قول: بلا واسطہ دین سیکھنے کا دعویٰ:

(۵)...... بناوٹی صوفیا کہتے ہیں: ''اگر تمہارے گمان کے مطابق ہمارے عقائد واَعمال باطل ہوتے تو ہمیں کبھی یہ بلند و روشن احوال حاصل نہ ہوتے کہ ہم دین کے احکام رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے بلا واسطہ سیکھتے ہیں، اگر کسی مسئلہ میں مشکل پیش آئے تو ہم نبئ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے پوچھ لیتے ہیں پھر بھی تشفی نہ ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف رجوع کرتے اور ہم گوشہ نشینی اور شیخ کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچ جاتے ہیں تو ہمارے لئے تمام علوم منکشف ہو جاتے ہیں، یوں ہمیں پڑھنے، مطالعہ کرنے اور کسی اُستاذ کی ضرورت نہیں رہتی اور ہماری شان تو یہ ہے کہ ہمیں لوگوں کی پہنچ سے بلند کرامات[2] و بزرگیاں حاصل ہیں یوں کہ ہم رحمانی قربتوں کے ساتھ نازل ہونے والے ملکوتی

---

[1] ......لطائف المنن للشیخ تاج الدین سکندری علیہ رحمۃ اللہ القوی.

[2] ......صاحب حدیقہ ندیہ حضرت سیِّدُنا عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی یہاں کرامت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''کرامت اس خلاف عادت کام (مثلاً: مردہ زندہ کر دینا وغیرہ) کو کہتے ہیں جس کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے مقرب بندے کو دنیا میں عزت عطا فرماتا ہے۔''

انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہم رات کو سوتے ہوئے اور دن کو جاگتے ہوئے دلوں اور آنکھوں سے بڑے بڑے مرتبوں والے انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی زیارت کرتے ہیں۔

پانچویں قول کا حکمِ شرعی:

ایسا کلام کرنے والا جھوٹا، اللہ عَزَّوَجَلَّ، انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور اپنے آپ پر افترا کرنے والا ہے کیونکہ ماقبل بیان کردہ باطل باتیں کرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا منکر ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ، وسوسوں اور لغو وبیہودہ باتوں میں مبتلا کافر شخص کو کیسے دُنیا یا آخرت میں بھلائی سے نوازے گا، کس طرح اسے ملکوتی انوار کے مشاہدہ کی ہدایت دے گا اور کیونکر اسے حضرات انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی زیارت سے شرف یابی کا تحفہ عطا فرمائے گا۔ بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے چھوڑ دیتا ہے کہ دھوکا وفریب اور استدراج (یعنی جادو) کے سمندروں میں پھنسا رہے۔ وہ پانی کو چھوڑ کر سَرَاب (یعنی دور سے پانی محسوس ہونے والی چمکتی ریت) کی طرف جاتا ہے اور میٹھے کو چھوڑ کر کڑوے کو اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ،

حُجَّۃُ الۡاِسۡلَام حضرت سیِّدُنا امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) ''اِحۡیَاءُ الۡعُلُوۡم'' میں بناوٹی صوفیوں کے دھوکا کے بیان میں فرماتے ہیں: ''ان میں سے ایک گروہ والے معرفت، مشاہدۂ حق اور مقامات واحوال میں گفتگو کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں، نیز ہر وقت مشاہدۂ حق میں رہنے اور قربِ الٰہی تک رسائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ ان اُمور کو نہیں جانتے بس ان کے ناموں اور الفاظ سے واقف ہیں۔ یوں کہ وہ عمدہ الفاظ میں سے کچھ کلمات سیکھ کر دہراتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ چند کلمات اولین وآخرین کے علم سے بھی اعلیٰ ہیں۔ عوام کا تو شمار ہی کیا وہ جلیل القدر فقہا، مفسرین، محدثین اور علمائے کرام کو بھی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ کسان کاشتکاری چھوڑ کر اور جُلاہا (جُ۔لا۔ہا) کپڑا بننا چھوڑ کر چند دن ان کے ساتھ رہ کر کچھ گمراہی کے کلمات سیکھ لیتا ہے اور ان کو بار بار ایسے دہراتا ہے گویا وحی کے ذریعے کلام کر رہا ہو اور پوشیدہ رازوں سے پردے اٹھا رہا ہو اور وہ اس کے سبب تمام عبادت گزاروں اور علما کو حقیر وذلیل سمجھتا ہے۔ عبادت گزار بندوں کے متعلق کہتا ہے: ''یہ تو مزدور ہیں جو محنت کر رہے ہیں۔'' اور علمائے کرام کے بارے میں کہتا ہے: ''یہ اپنے کلام کے باعث اللہ عَزَّوَجَلَّ سے پردے میں ہیں۔'' اور اپنے

لئے دعویٰ کرتا ہے کہ ''وہ حق تعالیٰ تک پہنچا ہوا ہے اور مقربین بارگاہ سے ہے۔'' حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک وہ فاسق منافقین اور اہلِ دل کے نزدیک بیوقوف جاہلوں میں سے ہوتا ہے۔ وہ علم واخلاق اور عمل سے عاری ہے اور اپنے دل کی طرف توجہ کرنے کے بجائے خواہشات کی اتباع میں پڑا ہوا ہے۔ بس بیہودہ باتیں سیکھنے اور یاد کرنے میں لگا ہوا ہے۔

ایک فرقہ ایسا ہے جو ''اباحت'' میں پڑ گیا ہے۔ انہوں نے بساطِ شریعت کو لپیٹ دیا، احکام کو چھوڑ دیا اور حلال وحرام کو برابر کر دیا ہے۔ ان میں سے کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ ''جب اللہ عَزَّوَجَلَّ میرے عمل سے مستغنی ہے تو میں اپنے نفس کو کیوں تھکاؤں۔'' اور بعض کہتے ہیں کہ ''لوگوں کو اپنے دلوں کو خواہشات اور دنیوی محبت سے پاک کرنے کا مُکَلَّف بنایا گیا ہے اور یہ بات محال ہے پس انہیں ناممکن بات کا مُکَلَّف بنایا گیا اور اس سے غیر تجربہ کار ہی دھوکا کھائے گا جبکہ ہم نے تو تجربہ کیا اور جان لیا کہ یہ بات محال ہے۔'' لیکن بیوقوف یہ نہیں جانتے کہ لوگوں کو اس بات کا مُکَلَّف نہیں بنایا گیا کہ شہوت وغصہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں بلکہ ان دونوں کی صفائی واصلاح کا حکم دیا گیا ہے اس حیثیت سے کہ یہ دونوں (غصہ وشہوت) عقل اور شریعت کے تابع ہو جائیں۔

ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ''اعضاء کے ساتھ اعمال کا کوئی وزن نہیں بلکہ دلوں کو دیکھا جاتا ہے اور ہمارے دل محبتِ الٰہی سے سرشار ہیں اور معرفت الٰہی حاصل کر چکے ہیں۔'' اور یہ لوگ (اپنے زُعمِ فاسد میں) اپنا درجہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے درجہ سے بھی بلند سمجھتے ہیں کیونکہ وہ حضرات تو راہِ حق میں اپنی ایک لغزش بھی دُرُست خیال نہ فرماتے حتی کہ اُس پر سالوں سال روتے (جبکہ یہ گمراہ لوگ خرمنِ عصیاں کے بار تلے دبے ہونے کے باوجود خوش وخرم ہیں)۔ صوفیا سے مشابہت اختیار کرنے والے اہلِ عبادت کئی قسم کے دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان تمام کی بنیاد وسوسوں اور مغالطہ آمیز باتوں پر ہوتی ہے جو شیطان ان کے دلوں میں ڈالتا ہے، اس لئے کہ وہ علم حاصل کرنے سے پہلے ہی مجاہدہ (مُ۔جا۔ہَ۔دَہ: نفس کشی وریاضت) میں مشغول ہو جاتے ہیں اور کسی علم وعمل میں ماہر اور لائقِ اقتدا شیخِ کامل کی اقتدا نہیں کرتے۔'' [1]

فریب اور دھوکے میں مبتلا لوگ:

حضرت سیِّدُنا امام محاسبی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۲۴۳ھ) اپنی کتاب ''الرِّعَایَة'' کے ''بَابُ الْغِرَّة'' میں فرماتے

[1] ......احیاء علوم الدین، کتاب ذم الغرور، بیان اصناف المغترین......الخ، الصنف الثالث، ج۳، ص ٤٩٦، بتغیرٍ قلیلٍ.

ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ سے فریب (یعنی غفلت) میں مبتلا ہوجانا کفار، بعض گنہگار مسلمانوں، درویشوں اور علما میں پایا جاتا ہے۔ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شے کے دھوکا وفریب میں مبتلا ہوا حتی کہ اس نے حکمِ الٰہی کو ضائع کیا اور اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ڈر اور خوف کم ہوگیا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے فریب دینے والی باتیں:

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے فریب میں رہنا یہ نفس کا دھوکا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندے پر احسانات، بخشش کی امید، عبادت وریاضت یا علم کی وجہ سے بندہ اس فریب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ، بہت سے بندوں کو ان میں سے کسی نہ کسی شے نے فریب دیا اور حالت یہ ہوجاتی ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کررہا ہوتا ہے مگر خود کو اچھائی کرنے والا سمجھتا ہے یا اللہ عَزَّوَجَلَّ سے کفر کر بیٹھتا ہے مگر پھر بھی خود کو ہدایت یافتہ خیال کرتا ہے یا فریب میں مبتلا ہوکر جان بوجھ کر گناہ و نافرمانی کرتا ہے مگر اس کے باوجود خود کو بخشا ہوا اور عذاب سے نجات یافتہ سمجھتا ہے اور کفار کا فریب میں مبتلا ہونا یہ ہے کہ وہ ظاہری دُنیا کے سبب آخرت سے اپنے نفس اور دُشمن (یعنی شیطان) سے دھوکا کھائے بیٹھے ہیں۔

اچھا گمان رکھنے کی نصیحت:

حضرات علمائے اہلسنّت رحمہم اللہ تعالٰی نے اپنی تصانیف میں اِن فریب زدہ لوگوں کی اقسام کے بارے میں بہت زیادہ کلام فرمایا اور ان کے ٹیڑھے پن کو ظاہر کیا تاکہ ان کے سبب دیگر مسلمان دھوکا وفریب کا شکار نہ ہوں اور اُن کی طرح اس کا معاملہ نہ بگڑے۔مگر یہ یاد رہے کہ حضرات علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے ان میں سے کسی ایک فرد یا مخصوص گروہ کو معین نہیں کیا۔لہٰذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ بگڑے ہوئے گمراہ لوگوں کے بارے میں بغیر خاص کئے جو کلام حضرت مصنف (علامہ محمد آفندی صاحب طریقہ محمدیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ متوفی ۹۸۱ھ) اور ہم (یعنی سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی متوفی ۱۱۴۳ھ) نے کیا ہے وہ کلام کسی مخصوص گروہ پر محمول (یعنی ان کے لئے گمان) کرے کہ فلاں گروہ والوں میں مذکورہ برائی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ جب وہ ایسا کرے گا تو ان کے بارے میں برا گمان رکھے گا اور اس کی وجہ سے انہیں اذیت پہنچائے گا۔ بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ اُمت محمدیہ میں سے جس فرد کا بھی حال اس پر واضح نہ ہو تو اس سے حسن ظن (یعنی اچھا گمان) رکھے اور مسلمان بھائی کے بارے میں شیطان جو برائی دل میں ڈالے اسے نکال باہر کرے۔ کیونکہ شیطان انسان کا

کھلا دشمن ہے اور کسی مسلمان کے متعلق جو برائی بھی سنے اس کو اس پر محمول کرے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اپنے بندوں کے احوال کو بہتر جانتا ہے اور اپنے اندر ایسی باتوں کے پائے جانے سے بچے نیز اپنے دل کو کسی معین فرد کی تہمت میں پڑنے سے بچاتے ہوئے دوسروں کو بھی ان باتوں سے پرہیز کی نصیحت کرتا رہے اور اس نصیحت میں بھی کسی کو خاص نہ کرے۔ نیز **تَجَسُّس** (یعنی ٹوہ میں پڑنے) اور بدگمانی سے بچتا رہے۔ حضرت مصنف علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) اور دیگر علما پر جھوٹ نہ باندھے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بیان کردہ باتوں سے مخصوص گروہ پر حکم لگایا ہے۔ اس لئے کہ اس طرح وہ اپنے زمانے والوں کو محض بدگمانی اور تجسس کی بنا پر ڈرائے گا اور علمائے کرام کے کلام کا غلط معنی بیان کرے گا۔ کیونکہ دین میں "نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَر" (یعنی برائی سے منع کرنے) کا حکم عمومی وارد ہے (یعنی بغیر تعین کے برائیوں سے منع کیا گیا ہے) اور خاص و معین کرنا یہ اُن بناوٹی فقہا کی سوچ کا نتیجہ ہے جو اپنی بدنیتی و بری عادت کے سبب دین میں ادھورے ہیں اور جو وہ کہہ رہے ہیں ان باتوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذمہ ہے۔

چھٹا قول: خواب میں تنبیہ:

(۶)...... بناوٹی صوفیا کہتے ہیں: "جب بھی ہم سے ظاہر یا باطن میں کوئی مکروہ یا حرام کام سرزد ہو جائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نیند میں بذریعہ خواب اس مکروہ یا حرام فعل پر ہمیں تنبیہ فرما دیتا ہے اور وہ خواب اللہ عَزَّوَجَلَّ ہماری اہمیت، ہمارے کاموں کی درستی اور ہماری شان بڑھانے کے لئے دکھاتا ہے پس ہم اس خواب کے ذریعے احکامِ شرع میں سے حلال و حرام کو پہچان لیتے ہیں۔ اے علمائے ظاہر! تم ہمارے جن خلافِ شرع اُمور کو حرام کہتے ہو اگر واقعی حرام ہوتے تو ہمیں اللہ عَزَّوَجَلَّ خواب میں ضرور اُن پر تنبیہ فرماتا اور جب اس نے تنبیہ نہیں فرمائی تو یہ کام ہمارے لئے حلال ہیں۔"

(**مَعَاذَاللہ** عَزَّوَجَلَّ)

چھٹے قول کا حکمِ شرعی:

ان کا یہ قول ان پر جہالت کے غلبہ اور ان کی عقلوں کے فساد کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ اپنی شریعت کے احکام میں، خواب میں دیکھے جانے والے شیطانی خیالات و نفسانی وسوسوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور حلال و حرام کو اہمیت نہیں دیتے اور اسلامی قوانین کو بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اہلسنّت و جماعت کے طریقہ پر کاربند

اپنے بعض خاص بندوں کو تنبیہ فرمادے اور نیند میں بعض اہم معاملات کے مباح وغیر مباح (یعنی جائز و ناجائز) ہونے کی طرف رہنمائی فرمادے اس حیثیت سے کہ وہ بندہ نینداور اونگھ میں بھی کامل مؤمن ہو۔ پس جب وہ پھسلتا اور لغزش کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے محفوظ فرمالیتا ہے اور اس پر نظرِ عنایت کرتے ہوئے غلطی پر تنبیہ فرمادیتا ہے اس لئے کہ وہ مسلمانوں میں سے خاص بندہ ہے۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا حارث محاسبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۴۳ھ) کا بیداری میں معاملہ تھا کہ اگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس مشکوک کھانا لایا جاتا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے تو کھانے کے اندر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی انگلی حرکت کرنے لگتی اور ہمارے بعض مشائخِ کرام رحمہم اللہ السلام حرام کھانے کی صرف مکروہ بو سونگھ کر آگاہ ہوجاتے تھے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات نینداور بیداری کی حالت میں باعمل علمائے کرام رحمہم اللہ السلام سے رونما ہوئے اور اس خصوصیت سے ان لوگوں کے احوال خالی ہیں جو منکر، گمراہ، اسلامی قوانین واحکام کے دشمن ہیں اور ماقبل مذکور قبیح باتوں پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

تمام اَقوال اِلحاد و گمراہی ہیں:

بناوٹی صوفیوں کے مذکورہ تمام اَقوال جو شریعت کی بنیادوں کو منہدم کردیتے اور اسلام کے احکام کو اٹھا دیتے ہیں اور ان جیسی باطل خیالات واوھام پر مبنی تمام لغویات اِلحاد (یعنی بے دینی) اور گمراہی ہیں۔

اِلحاد و گمراہی کی تعریف:

اِصطلاحِ شرع میں اِلحاد کی تعریف یہ ہے: ''بغیر کسی ضرورتِ داعیہ کے کتاب وسنت کے ظاہر سے عدول کرنا۔'' اور گمراہی، ہدایت کی ضد (Opposition) ہے اور اس کی تعریف یہ ہے: ''دین میں تردد کرنا اور مؤمنین کے راستے سے ہٹ جانا۔''

اِلحاد و گمراہی ہونے کی وجوہات:

بناوٹی صوفیوں کی ان باتوں کے اِلحاد و گمراہی ہونے کی درج ذیل وجوہات ہیں:

(۱)......پہلی وجہ: ان کے اَقوال میں شریعت حنفیہ کی تحقیر پائی جاتی ہے۔ حنفیہ کا معنی ہے باطل سے جدا اور حق کی طرف مائل۔ چنانچہ، حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان ذیشان ہے:

''مجھے شریعتِ حَنفِیَّہ سَمُحَہ کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔''[1] شرح کرمانی میں ہے:''ملتِ سمحہ اسے کہتے ہیں جس میں لوگوں پر کوئی حرج اور تنگی نہ ہو۔''[2] اور''اَلْمَغْرِب''نامی کتاب میں ہے:''حنیف اسے کہتے ہیں جو ہر باطل دین سے جدا ہوکر دین حق کی طرف مائل ہو۔''اور''القاموس''میں ہے:''حنف کا معنی ہے''استقامت''اور حنیف کا معنی ہے اسلام کی طرف مائل اور اس پر قائم رہنے والا۔''بہرحال بناوٹی صوفیوں کے اقوال میں سے شریعت حنفیہ کی تحقیر اس قول سے ہے کہ''ہم قرآن سے نہیں بلکہ صاحبِ قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے احکام سیکھتے ہیں اور جب کسی مسئلہ میں مشکل درپیش ہوتو ہم حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے پوچھ لیتے ہیں اور اگر چاہیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بھی پوچھ لیتے ہیں۔''ان کے اس قول میں شریعت محمدیہ کی تحقیر ہے۔

(۲)......دوسری وجہ: ان اَقوال میں قرآن وسنت کی تحقیر پائی جاتی ہے اور یہ ان کے اس قول کے اعتبار سے ہے کہ''ہم گوشہ نشنی اور شیخ کی توجہ سے، اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچ جاتے ہیں۔لہٰذا ہمیں قرآنِ پاک،مطالعہ اور کسی اُستاذ کے پاس پڑھنے کی حاجت نہیں۔''اور بلاشبہ یہ کتاب وسنت کی تحقیر ہے۔

(۳)......تیسری وجہ: ان کا قرآن وسنت پر اعتماد نہ کرنا ہے۔کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ''علمِ ظاہر اور شریعت کو چھوڑے بغیر اللہ عَزَّوَجَلَّ تک نہیں پہنچا جاسکتا۔''ان کی یہ بات واضح کرتی ہے کہ انہیں کتاب وسنت پر اعتماد نہیں۔

(۴)......چوتھی وجہ: بناوٹی صوفیوں کی باتوں کے الحاد وگمراہی ہونے کی چوتھی وجہ ان کا قرآن وسنت کے الفاظ ومعانی میں خطاء و بطلان کو جائز قرار دینا ہے۔اس لئے کہ وہ کہتے ہیں:''اگر ہم باطل پر ہوتے!''اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ''اے قرآن وسنت پر عمل کرنے والو! بے شک تم ہی باطل پر ہو۔''(معلوم ہوا کہ انہیں قران وسنت میں خطاء وبطلان نظر آتا ہے۔مَعَاذَاللہ عَزَّوَجَلَّ)

کفر سننے والے پر اس کی تردید فرض عین ہے:

ہم بناوٹی صوفیوں کی ان نقصان دہ فاسد وباطل باتوں سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتے ہیں۔لہٰذا ہر مکلّف مسلمان جو اس قسم کی باطل باتوں میں سے کوئی بات سنے اس پر فرضِ عین ہے کہ کسی طرح کا شک وشبہ اور تردد وتوقف کئے بغیر

[1]......المسند للامام احمد بن حنبل،مسند الانصار،الحدیث: ٢٢٣٥٤،ج٨، ص ٣٠٣.

[2]......البخاری بشرح الکرمانی، کتاب الایمان ،باب الدین یسر،ج١،ص١٦٠.

ایسی بات کہنے والے کا رد کرے اور جزم ویقین کے ساتھ اس بات کے بطلان کو واضح کرے کیونکہ باطل کا انکار حق ہے جیسے حق کا انکار باطل ہے اور جو باطل ہے وہ قطعی طور پر باطل ہے اور اگر اس نے شک وشبہ کیا یا تَرَدُّد وتوقف کا مظاہرہ کیا اس حیثیت سے کہ کہنے والے کی بات کو ثابت رکھے، اس باطل بات میں ان کی پیروی کرے اور اس بات میں ان کی تصدیق کرے وہ بھی انہیں میں شمار کیا جائے گا اور ان سب پر زندیق ومرتد (یعنی دینِ حق سے پھرنے والے) کا حکم لگے گا۔ یعنی ایسی بات کرنے والے اور اس بات کے ثبوت وتحقق اور مشاہدہ کے بعد ان سے اتفاق کرنے والے اگرچہ شک وشبہ اور تردد وتوقف کے ساتھ ہو، ان سب پر ایک ہی حکم ہے۔

ہاں! اگر کسی تک ان لوگوں کے مردود اقوال پہنچے لیکن اسے پختہ یقین نہیں کہ واقعی ان لوگوں نے یہ باتیں کی ہیں اور نہ اس نے خود دیکھا بس کسی نے ان کے متعلق خبر دی ہے اور کوئی شرعی ثبوت پیش نہ کیا اور اگر شرعی ثبوت پیش کر بھی دیا تو اب بھی گواہی کے جھوٹے ہونے کا احتمال موجود ہے کیونکہ حاکم کے حکم کا مدار سچی گواہی پر ہے اور اگر گواہی جھوٹی ہو تو اس معاملہ میں باطنی طور پر کوئی پختگی وقطعیت نہیں ہوگی۔ لہٰذا ایسی صورت میں سننے والے پر حکمِ کفر نہیں لگائیں گے۔

حضرت سیِّدُنا شیخ عبدالوہاب شعراوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۷۳ھ) کی کتاب "مِیْزَانُ الذُّرِیَّۃ فِیْ عَقَائِدِ الطَّائِفَۃِ الْعُلِیَّۃ" کے خاتمہ اور "شَرْحُ الشِّرْعَۃ الْمُسَمّٰی بِجَامِعِ الشُّرُوْح" میں ہے: "حضرت سیِّدُنا فقیہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۳۷۳ھ) فرماتے ہیں: "لفظ "زندیق" مشہور ومعروف ہے اور زندیق ہونا یہ ہے کہ وہ آخرت پر ایمان نہ رکھے اور خالقِ حقیقی کی وحدانیت (یعنی ایک ہونے) کا منکر ہو۔" اور ثعلب سے منقول ہے کہ "لفظ "زندیق" کلامِ عرب سے نہیں ہے اور عوام کے استعمال کے اعتبار سے اس کا معنی "ملحد" اور "دہری"[1] ہے اور ابن درید کہتے ہیں کہ "زندیق، فارسی لفظ ہے جسے عربی بنایا گیا ہے اور اس کی اصل لفظ "زندہ" ہے اور اس کا معنی وہ شخص جو زمانہ کی بقا کا قائل ہو۔"

"اَلْقَامُوْس" میں ہے کہ "کسرہ (یعنی زیر) کے ساتھ لفظ "زِندیق" سے مراد ثنویہ فرقہ[2] سے تعلق رکھنے والا یا نور و ظلمت (یعنی دو خداؤں) کا قائل ہے یا جو شخص آخرت اور ربوبیت (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رب ہونے) پر ایمان نہ رکھے یا جو اپنے کفر کو چھپائے اور خود کو صاحبِ ایمان ظاہر کرے یا یہ لفظ "زَنْدَیْن" (یعنی عورت کا مہر) سے عربی بنایا گیا ہے۔"

1 ...... "ملحد" کا معنی ہے بے دین اور "دہری" کا معنی ہے آخرت پر یقین نہ رکھنے والا اور زمانہ کی بقا کا قائل، اسے دہریہ بھی کہتے ہیں۔

2 ...... ثنویہ فرقہ والوں کا عقیدہ ہے کہ "خیر کا خالق اللہ (عَزَّوَجَلَّ) ہے اور شر کا خالق بندہ ہے۔ (مَعَاذَ اللہ عَزَّوَجَلَّ)

''اِلہام''کی شرعی حیثیت کا بیان

بناوٹی صوفیا کا چھٹا قول الہام وخواب سے متعلق ہے لہٰذا یہاں ان دونوں کی شرعی حیثیت بیان کی جاتی ہے۔ چنانچہ، متکلمین وفقہائے کرام رحمہم اللہ السلام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ''الہام''شرعی احکام کی معرفت کے اسباب میں سے نہیں (یعنی الہام سے کوئی حکمِ شرعی ثابت نہیں ہوتا)۔

اِلہام خیر اور شر دونوں میں ہوتا:

''اَلْقَامُوْس'' میں ہے:''کہا جاتا ہے اَلْھَمَهُ اللّٰهُ خَيْرًا یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے خیر کا الہام کیا۔''مطلب یہ کہ اسے خیر سکھائی۔ نیز الہام خیر اور شر دونوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ ترجمۂ کنزالایمان: پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔ (پ۳۰،الشمس:۸)

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

حضرت سیِّدُنا امام ابوحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی توفیق سے دل میں تقویٰ اور بے یار ومددگار چھوڑ کر اس کا فسق وفجور دل میں ڈال دیا۔'' اور ابراہیم بن سری بن سہل، المعروف امام زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) نے''الہام'' کو توفیق اور بے یار ومددگار چھوڑنے پر محمول کرنے میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور الہام کی تفسیر میں یہی مفہوم صاف وواضح دکھائی دیتا ہے کیونکہ تَبْیِیْن (یعنی بیان کرنا)، تعلیم (یعنی سکھانا) اور تعریف (یعنی واقف کرانا) یہ تینوں الہام کا غیر ہیں اور الہام یہ ہے کہ انسان کے دل میں کوئی بات ڈالی اور پیدا کی جاتی ہے۔ پس جب اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے کسی بندے کے دل میں کوئی چیز ڈالتا ہے تو وہ چیز اس پر لازم کر دیتا ہے۔ ایسا ہی حضرت سیِّدُنا سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے اور اس مسئلہ میں یہ صریح وواضح ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مومن میں اس کا تقویٰ اور کافر میں اس کا فسق وفجور پیدا فرماتا ہے۔

نبی کا اِلہام وحی ہوتا ہے:

''شَرْحُ مِرْقَاةِ الْوُصُوْل'' میں ہے کہ''نبی (عَلَیْہِ السَّلَام) کا الہام وحی ہوتا ہے بایں طور کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں اپنے

نور سے وہ دکھاتا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ترجمۂ کنزالایمان: کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔ (پ۵،النساء:۱۰۵)

اور الہام، نبی (عَلَیْہِ السَّلَام) کی طرف سے ان کی امت کے لئے حجت (یعنی دلیل) ہوتا ہے۔ لہٰذا امت پر اس الہام کی اتباع و پیروی لازم ہے، البتہ! اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام کا الہام دوسروں کے لئے حجت نہیں ہوتا۔''

حضرت سیِّدُنا امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی قُدِّسَ سِرُّہُ الرَّبَّانِی (متوفی ۷۹۳ھ) ''شرح عقائد'' میں فرماتے ہیں کہ الہام جس کی تفسیر ''بطریقِ فیض دل میں کوئی معنی ڈالنے'' سے کی گئی ہے، اہلِ حق کے نزدیک کسی شئے کی صحت کے لئے اسبابِ معرفت میں سے نہیں اور زیادہ بہتر تھا کہ مصنفِ عقائد نسفیہ (عمر بن محمد نجم الدین نسفی علیہ رحمۃ اللہ القوی۔ متوفی ۵۳۷ھ) یہ فرماتے کہ ''الہام کسی شئے کے لئے اسبابِ علم میں سے نہیں۔'' تاہم وہ اس بات پر تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ہماری مراد علم اور معرفت سے ایک ہی ہے۔ ایسا نہیں جس طرح بعض حضرات نے علم کو مرکبات یا کلیات کے ساتھ اور معرفت کو بسائط یا جزئیات کے ساتھ خاص کرنے پر اصطلاح قائم کرلی۔ البتہ! لفظ ''صحت'' کو بالخصوص ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور ظاہر ہے کہ مصنف کی مراد یہی ہے کہ ''الہام ایسا سبب نہیں جس سے عام لوگوں کو علم حاصل ہو اور غیر پر لازم ہونے کی صلاحیت رکھے۔'' ورنہ اس بات میں شک نہیں کہ کبھی اس سے بھی علم حاصل ہوتا ہے اور یہ بات حدیثِ پاک میں بھی آئی ہے اور کثیر سلف صالحین سے اس بارے میں کلام منقول ہے۔ (1)

اَولیائے کرام کے باطنی علوم:

اہل اللہ میں سے گروہِ محققین کے تمام علوم جن پر وہ اپنے دین میں اعتماد کرتے ہیں اِلْھَامِی اور وَھْبِی (یعنی عطائی) ہوتے ہیں اور اِکتسابی علوم (جو محنت سے حاصل ہوں) ان کے نزدیک الہام کے مقام کو حاصل کرنے کا آلہ و ذریعہ ہیں۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' کی شرح ''فَیْضُ الْقَدِیْر'' میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا امام مالک علیہ رحمۃ اللہ الخالق (متوفی ۱۷۹ھ) نے ارشاد فرمایا: ''باطنی علم کو صرف

......شرح العقائدالنسفيه،الالهام ليس من اسباب المعرفة......الخ،۴۳.

وہ ہی پہچان سکتا ہے جو علمِ ظاہر کو پہچانتا ہو، پس جب کوئی علمِ ظاہر کو سیکھ کر اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر علمِ باطن کو کھول دیتا ہے اور علمِ باطن دل کے کھلنے اور روشن ہونے سے آتا ہے۔'' نیز ارشاد فرمایا: ''روایت کی کثرت کا نام علم نہیں بلکہ علم تو وہ نور ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ دل میں ڈالتا ہے اور وہ علمِ باطن کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔'' [1]

علم سیکھنا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو:

حضرت سیِّدُنا امام محمد بن احمد شاذلی تونسی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی ۸۸۲ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عارف علی وفا علیہ رحمۃ اللہ المولٰی اور حضرت سیِّدُنا امام بُلْقِیْنِی علیہ رحمۃ اللہ الغنی ایک جگہ جمع ہوئے تو حضرت سیِّدُنا عارف علی وفا علیہ رحمۃ اللہ المولٰی نے ان سے ایسے علوم کے ساتھ کلام کیا کہ وہ حیران رہ گئے اور کہنے لگے: ''اے علی! آپ کو یہ علوم کہاں سے ملے۔'' ارشاد فرمایا: ''اس فرمانِ الٰہی سے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ (پ۳، البقرۃ: ۲۸۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔'' پس وہ خاموش ہو گئے۔ [2]

اپنے دل سے پوچھو:

حضرت سیِّدُنا عارف باللہ سَہل بن عبداللہ تُستَری علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ ''علما، تارکینِ دُنیا اور عابدین، دُنیا سے اس حال میں جاتے ہیں کہ ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوتے ہیں اور صرف صدیقین اور شہدا کے دل کھلتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ قلبی ادراک اسی شخص کو حاصل ہوتا جس کے پاس نورِ باطنی سے معمور دل ہو جو علمِ ظاہر پر حاکم ہوتا ہے۔ جیسا کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ یعنی اپنے دل سے پوچھو۔'' پس قرآنِ پاک کے اَسرار میں سے کتنے ہی دقیق معانی ہیں جو صرف ذکر وفکر کے لئے فارغ دل میں آتے ہیں، کتبِ تفاسیر ان معانی سے خالی ہیں اور بڑے بڑے مفسرین اور محقق ومعتبر فقہا بھی ان پر مطلع نہیں ہوتے۔'' [3]

عالم کون؟

''اَلطَّبَقَاتُ لِلشَّعْرَانِی'' میں حضرت سیِّدُنا شیخ علی خواص علیہ رحمۃ اللہ الرزاق کے حالات میں ہے، آپ فرمایا کرتے

[1] فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۵۷۱۱، ج۴، ص ۵۱۰.
[2] فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۹۹۱، ج۱، ص ۶۳۳.
[3] المرجع السابق، ص ۵۱۱.

تھے کہ ''ہم صرف اسی شخص کو عالم کہتے جس کا علم نقل اور صدر (یعنی سینہ) سے حاصل نہ ہو یوں کہ وہ ''خضری مقام'' والا ہو اور جو ایسا نہیں وہ تو محض دوسرے کے علم کو اٹھانے والا ہے اور اس کے لئے علم اٹھانے کا اجر ہے حتی کہ اسے آگے پہنچا دے۔ نہ کہ عالم کا اجر'' وَاللّٰہُ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' پس جو کوئی یقینی طور پر کسی شک کے بغیر علم میں اپنا مرتبہ دیکھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ اپنے یاد کئے ہوئے ہر قول کو اس کے قائل کی طرف لوٹائے پھر اپنے علم کو دیکھے تو جو کچھ اپنے ساتھ پائے وہی اس کا علم ہے اور میرا گمان ہے کہ اس کے پاس معمولی سی شئے بچے گی جس کی وجہ سے اسے عالم نہیں کہا جاسکتا۔'' (1)

جب تم نے مذکورہ باتیں سمجھ لیں تو یہ بھی جان لو کہ علمائے ظاہر اور علمائے باطن کے نزدیک ''الہام'' اس حیثیت سے حجت نہیں کہ ''اس سے احکام شرعیہ ثابت ہوں اور اس الہام کے سبب وہ قرآن وسنت سے مستغنی و بے نیاز ہوجائیں۔'' بلکہ علمائے باطن میں سے محققین کے نزدیک قرآن وسنت سے اجتہاد کے ذریعے سمجھے گئے معانی کے مطابق عمل کو درست کرنے کے بعد ان معانی کو سمجھنے کا ایک صحیح راستہ ''الہام'' ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ الہام شیطانی وسوسہ ہے جس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ،

علمِ لدنی رحمانی اور علمِ لدنی شیطانی:

شارح بخاری حضرت سیِّدُنا امام احمد بن محمد قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) ''اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّیَّة'' میں فرماتے ہیں: ''اتباعِ سنت اور بدعت سے پرہیز کے بغیر کسی شخص پر معمولی سا نورِ ایمان بھی ظاہر نہیں ہوتا پس جو شخص قرآن وسنت کو چھوڑ دے اور مشکوٰۃِ رسول سے علم حاصل نہ کرے مگر پھر بھی اپنے لئے علمِ لدنی کا دعویٰ کرے تو ایسا علم نفس وشیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ کیونکہ علمِ لدنی روحانی (2) کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ حضرت سیِّدُ الانبیا، محمد مصطفٰی، احمد مجتبٰی صلّی

(1) ......الطبقات الکبری المسماۃ بلواقح الانوارفی طبقات الاخیارللشعرانی، الجزء الثانی، ص ۲۰۸.

(2) ......**قولہ: نوعان لدنی روحانی ولدنی شیطانی.** امام اہلسنّت، مجددِ اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''(لفظ المواھب ج۶، ص ۳۶۰) رحمانی بالنسبة الی الرحمٰن عزوجل وھو الاوفق الاصح. ۱۲ یعنی المواھب اللدنیة، ج۶، ص۳۶۰ (دار الکتب العلمیۃ کے نسخے مطبوعہ 1996ء کے مطابق ج۲، ص۴۹۲) پر روحانی کے بجائے رحمانی ہے اور رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی طرف نسبت کے اعتبار سے یہ ہی زیادہ صحیح اور مناسب ہے۔'' (لہٰذا آگے ہر جگہ رحمانی کر دیا ہے۔ علمیہ)

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہو۔لہٰذا علمِ لدنی کی دو قسمیں ہوئیں: (۱)......علم لدنی رحمانی (۲)......علم لدنی شیطانی۔اور رحمانی صرف وحی ہے [1] اور حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے بعد کوئی وحی نہیں اور جہاں تک حضرت سیِّدُنا موسیٰ علٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور حضرت سیِّدُنا خضر عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا (قرآنِ پاک کی سورۃ الکہف میں مذکور) واقعہ ہے اس کا تعلق اس بات سے جوڑنا کہ ''علمِ لدنی'' مل جانے سے بندہ ''علمِ وحی'' سے بے نیاز ہوجاتا ہے، یہ کفر و بے دینی ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والا اسلام سے خارج اور اس کا قتل جائز ہے (کیونکہ وہ مرتد ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو حضرت سیِّدُنا خضر عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی حضرت سیِّدُنا خضر عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو اُن کی متابعت (یعنی پیروی) کا حکم دیا گیا اور اگر اِن کو متابعت کا حکم ہوتا تو اِن پر حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف ہجرت کرنا اور اُن کے ساتھ ہونا، واجب ہوتا۔ چنانچہ، اسی لئے حضرت سیِّدُنا خضر عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے پوچھا: ''کیا آپ بنی اسرائیل کے نبی موسیٰ (عَلَیْہِ السَّلَام) ہیں؟'' تو انہوں نے فرمایا: ''ہاں۔'' (یہ تو ان کا معاملہ تھا) جبکہ حضرت سیِّدُنا محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تمام جنّوں اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے پس آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی رسالت ہر زمانے کے جِنَّات اور انسانوں کو شامل ہے اور اگر حضرت سیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور حضرت سیِّدُنا عیسیٰ روح اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام اس زمانے میں ہوتے تو وہ بھی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع کرنے والوں میں ہوتے۔''

پس جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ اسی طرح ہے جس طرح حضرت سیِّدُنا خضر عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام، حضرت سیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام

[1] ......﴿**قولہ: فالروحانی ھو الوحی..** امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''لفظ المواھب ''والمحک ھو الوحی الخ.'' وھو الاصح بل الصحیح فان العلم اللدنی للرحمٰن لا ینحصر فی الوحی کما یفصح بھا آخر ھذا الکلام یعنی المواھب اللدنیۃ میں: ''فالروحانی ھو الوحی کے بجائے والمحک ھو الوحی (یعنی اور معیار صرف وحی ہے......الخ) مذکور ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے بلکہ یہی صحیح ہے کیونکہ علم لدنی رحمانی، وحی میں منحصر نہیں جیسا کہ کلام کے آخر سے ظاہر ہوتا ہے۔''﴾

کے ساتھ تھے۔'' یا وہ امت کے کسی فرد کے لئے ایسی بات کو درست قرار دے تو اس پر اپنے ایمان کی تجدید اور سچی گواہی لازم ہے۔ ایسے شخص کا خاص اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام میں سے ہونا تو بہت دور کی بات ہے وہ تو دین اسلام ہی سے باہر ہو گیا بلکہ ایسا شخص تو شیطان کے ساتھیوں، چیلوں اور نائبوں میں سے ہے۔

الغرض ''علمِ لدنی رحمانی'' عبادتِ الٰہی اور اتباعِ رسول کا نتیجہ و ثمرہ ہوتا ہے جس کے ذریعے ہر اس معاملہ میں قرآن وسنت کی فہم (یعنی سمجھ) حاصل ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ شخص خاص ہوتا ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم سے سوال ہوا: ''کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے آپ (یعنی صحابۂ کرام) کو کوئی خاص بات بتائی ہے جو دوسروں کو نہ بتائی ہو؟'' آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: ''نہیں۔ سوائے وہ فہم جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندے کو اپنی کتاب کے سلسلے میں عطا کرتا ہے۔'' پس یہی حقیقی علمِ لدنی ہے اور حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع، دلوں کی جِلا، آنکھوں کا نور، سینوں کی شفا، نفوس کے باغات، روحوں کی لذت، وحشت زدہ لوگوں کے لئے اُنسیت کا سامان اور حیرت زدہ لوگوں کے لئے رہنما ہے۔[1]

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اچھی عادتوں کی نصیحت

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **43** صفحات پر مشتمل کتاب ''**امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وصیتیں**'' **صَفْحہ 27** پر حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے ایک شاگرد کو یوں نصیحت فرمائی: ''تم ہر شخص کو اس کے مرتبے کے لحاظ سے عزت دینا، شُرَفا کی عزت اور اہلِ علم کی تعظیم و توقیر کرنا، بڑوں کا ادب واحترام اور چھوٹوں سے پیار و محبت کرنا، عام لوگوں سے تعلق قائم کرنا، فاسق و فاجر کو ذلیل و رُسوا نہ کرنا، اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا، سلطان کی اہانت کرنے سے بچنا، کسی کو بھی حقیر نہ سمجھنا، اپنے اخلاق و عادات میں کوتاہی نہ کرنا، کسی پر اپنا راز ظاہر نہ کرنا، بغیر آزمائے کسی کی صحبت پر بھروسا نہ کرنا، کسی ذلیل و گھٹیا شخص کی تعریف نہ کرنا۔''

[1] ......المواھب اللدنیۃ للقسطلانی، المقصد السابع، الفصل الاول فی وجوب محبتہ واتباع سنتہ......الخ، ج۲، ص۴۹۲.

خواب کی شرعی حیثیت کا بیان

خواب کے متعلق متکلمین کی رائے:

الہام کی طرح نیند میں دیکھے جانے والے خواب (خا-ب) بھی شرعی احکام کی معرفت کا سبب نہیں۔ چنانچہ، ”شَرحُ الْمَوَاقِف“ میں ہے کہ ”متکلمین (علمائے علم کلام) کے نزدیک خواب ایک باطل خیال ہے۔“ اس کے حاشیہ ”حَاشِیَۃ حَسَن چَلْبِی“ میں ہے: ”خواب سے احکامِ شرع کے ثبوت میں تفصیل ہے کیونکہ صحیح احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے اچھے خواب کو نبوت کے ٹکڑوں میں سے چھیالیسواں ٹکڑا قرار دیا ہے۔[1] اور آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نزولِ وحی سے قبل چھ مہینے تک خوابوں پر ہی عمل فرماتے تھے تو پھر یہ ایک باطل خیال کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ! یوں کہا جائے کہ ”معتزلہ کے نزدیک خواب مطلقاً باطل ہے۔“ اور سویا ہوا شخص بذریعۂ بصارت جس خیال کا ادراک کرتا ہے اسے خواب اور بذریعۂ سماعت جس خیال کا ادراک کرتا ہے اسے سمع کہتے ہیں اور اسی طرح دوسرے حواس ہیں۔ نیز بحالتِ نیند حاصل ہونے والے علم کو ”باطل خیال“ کہنا اور نیند کو علم کی ضد کہنا یہ صرف عام لوگوں کے اعتبار سے ہے اور ہمارے اصحاب کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ یہ ساری گفتگو عام لوگوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے اس لئے کہ انہوں نے خواب کے باطل خیال ہونے کی جو وجہ بیان فرمائی کہ ”سوئے ہوئے شخص میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ادراک پیدا کرنے کی عادت جاری نہیں۔“ وہ اِس کی تائید کرتی ہے کیونکہ یہ ”وجہ“ بطریق خرق عادت اس کے جائز و درست ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ تمام معجزات اور کرامات ہیں۔[2]

خواب کا سبب:

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرء وف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) کی کتاب ”فَیْضُ الْقَدِیْر شَرْحُ الْجَامِعِ الصَّغِیْر“ میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا حکیم ترمذی علیہ رحمۃ اللہ الغنی بیان فرماتے ہیں: ”خواب کا سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان جب سوتا ہے تو اس کے نفس کا نور پھیلتا ہے حتی کہ دنیا میں گھومتا ہوا ملکوت کی طرف بلند ہوجاتا ہے۔ اشیاء کا معائنہ کرتا ہے

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحۃ، الحدیث: ٦٩٨٩، ص ٥٨٤.

[2] ......شرح المواقف ومعہ حاشیتا السیالکوتی والجلبی علی شرح المواقف، ج٣، جزء٦، ص١١٧.

پھر واپس اپنی اصل جگہ لوٹ آتا ہے۔ پھر اگر وہ نور موقع پاتا ہے تو اپنا مشاہدہ عقل پر پیش کرتا ہے اور عقل اسے یاد رکھنے کے لئے اس کی حفاظت کرتی ہے۔'' [1]

خواب دیکھنے والے کا مذاق نہ اڑایا جائے:

''فَیۡضُ الۡقَدِیۡر شَرۡحُ جَامِعِ الصَّغِیۡر'' ہی میں ہے کہ بعض علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے فرمایا: ''اچھا خواب وحی کی اقسام میں سے ہے پس سویا ہوا شخص معرفتِ الٰہی میں سے جس شئے سے ناواقف ہوتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کو اس پر مطلع فرماتا ہے اور اس کا وقوع وظہور حالتِ بیداری میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الۡعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم جب صبح کرتے تو حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے استفسار فرماتے: ''کیا آج کی شب تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا؟'' اور یہ اس لئے تھا کہ اچھا خواب سب کا سب آثارِ نبوت میں سے ہے۔ پس امت کے سامنے اسے ظاہر فرمانا لازم ٹھہرا اور لوگ اس مرتبہ سے بالکل ناواقف ہیں جسے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اہمیت دیتے اور اس کے متعلق روزانہ دریافت فرماتے۔ جبکہ اکثر لوگ، خواب دیکھ کر اس پر اعتماد کرنے والے کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ [2]

حدیثِ پاک میں خواب کی اہمیت:

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبیوں کے سلطان، سرورِ ذیشان، محبوبِ رحمٰن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ غیب نشان ہے: ''اِذَا اقۡتَرَبَ الزَّمَانُ لَمۡ تَکَدۡ رُؤۡیَا الۡمُؤۡمِنِ تَکۡذِبُ وَاَصۡدَقُکُمۡ رُؤۡیَا اَصۡدَقُکُمۡ حَدِیۡثًا وَرُؤۡیَا الۡمُسۡلِمِ جُزۡءٌ مِنۡ خَمۡسَةٍ وَّاَرۡبَعِیۡنَ جُزۡءًا مِنَ النُّبُوَّةِ یعنی جب زمانہ قریب آئے گا مومن کا خواب جھوٹا نہ ہوگا اور تم میں اس شخص کا خواب زیادہ سچا ہوگا جو بات کہنے میں زیادہ سچا ہوگا اور مسلمان کا خواب نبوت کے پینتالیس (45) ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ [3]

---

[1] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ٤٤٩٣، ج٤، ص ٥٩.

[2] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ٣١٤١، ج٣، ص ٢٦٢.

[3] ......صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب فی کون الرؤیا من اللہ ...... الخ، الحدیث: ٥٩٠٥، ص ١٠٧٩.

قربِ قیامت میں خواب سچے ہوں گے:

حضرت سیّدُ نا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے ''شَرحِ مُسلِم'' میں حدیثِ پاک کے اس حصہ: ''اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَکَدْ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ تَکْذِبُ یعنی جب زمانہ قریب آئے گا مومن کا خواب جھوٹا نہ ہوگا۔'' کے تحت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدُ نا امام ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب خطابی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۳۸۸ھ) اور دیگر نے فرمایا: ایک قول یہ ہے کہ ''قربِ زمانہ سے مراد وہ وقت ہے جس میں دن اور رات قریب قریب برابر ہوتے ہیں (یعنی موسمِ بہار کے رات دن جن میں طبیعتیں اعتدال پر ہوتی ہیں)۔'' اور ایک قول یہ ہے کہ ''قربِ زمانہ سے مراد قیامت کے قریب کے اَیام ہیں[1]۔''

علمِ تعبیر والوں کے نزدیک پہلا قول زیادہ مشہور ہے جبکہ ایک حدیثِ پاک میں ایسا بھی آیا ہے جو دوسرے قول کی تائید کرتا ہے[2]۔''

سچے آدمی کا خواب سچا ہوتا ہے:

''شَرحِ مُسلِم'' ہی میں حدیث شریف کے اس حصہ: ''وَاَصْدَقُکُمْ رُؤْیًا اَصْدَقُکُمْ حَدِیْثًا یعنی اور تم میں

---

[1] ......شارحِ بخاری، فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۴۲۱ھ) اس کی شرح میں یوں رقم طراز ہیں: ''علامہ خطابی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۸ھ) نے اس کی دو توجیہیں کیں کہ اس سے مراد دن رات کا قریب قریب برابر ہونا ہے یعنی وہ ایام جن میں دن بھی تقریباً بارہ گھنٹہ کا ہوتا ہے اور رات بھی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب سورج خطِ استواء پر یا اس کے قریب ہوتا ہے۔ ہمارے دیار میں ماہِ ستمبر اور مارچ میں دن رات قریب قریب برابر ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت جن عناصر اربعہ سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے وہ معتدل ہوتے ہیں۔ دوسری توجیہ یہ کی ہے کہ اس سے مراد قیامت کے قریب کے ایام ہیں جب زمانہ قریب الختم ہوگا۔ ابن بطال نے فرمایا کہ دوسرا قول صحیح ہے۔ علامہ داؤدی نے فرمایا اس سے مراد قربِ قیامت کے وہ ایام ہیں جو بہت تیزی سے گزرتے محسوس ہوں گے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا اس سے مراد حضرت سیّدُ نا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دجال کے قتل ہونے کے بعد حضرت سیّدُ نا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کے ساتھ رہیں گے۔'' (نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب التعبیر، ج۵، ص ۸۵۱)

[2] ......حضرت سیّدُ نا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان عبرت نشان ہے: ''جب زمانہ قریب ہوگا تو علم اٹھ جائے گا۔'' حضرت سیّدُ نا امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے قطعی طور پر قیامت کا قریب ہونا مراد ہے۔'' (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب التعبیر، تحت الحدیث: ۷۰۱۷، ج۱۳، ص۳۴۶)

اس شخص کا خواب زیادہ سچا ہوگا جو بات کہنے میں زیادہ سچا ہوگا۔'' کے تحت دو باتیں مرقوم (یعنی لکھی) ہیں (۱)......حدیثِ پاک کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیثِ پاک اپنے اطلاق پر ہے۔ (۲)......حضرت سیِّدُنا قاضی عیاض علیہ الرحمۃ اللہ الوہاب (متوفی ۵۴۴ھ) اس کی شرح میں بعض علمائے کرام رحمہم اللہ السلام سے نقل کرتے ہیں: ''یہ آخری زمانہ میں ہوگا جب علم اٹھ جائے گا اور علمائے کرام اور صلحا فوت ہو جائیں گے اور اس وقت جس شخص کے قول و فعل سے راہنمائی وروشنی حاصل کی جائے گی اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اسے ناگزیر، (علما کا) بدل اور لوگوں کو تنبیہ کرنے والا بنادے گا۔'' پہلی بات (یعنی حدیثِ پاک کا اپنے اطلاق پر ہونا) زیادہ واضح ہے کیونکہ جو اپنی بات میں سچا نہیں ہوگا اس کی روایت وحکایت میں خلل ہوگا۔

خواب سے متعلق احادیثِ مبارکہ:

حضرت سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) نے حدیثِ پاک کے اس حصہ: ''رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ خَمْسَۃٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّۃِ یعنی مومن کا خواب نبوت کے پینتالیس (45) ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔''[1] کے تحت مزید کئی احادیثِ مبارکہ نقل فرمائی ہیں۔ چنانچہ،

(۱)......ایک روایت میں یوں ہے کہ ''مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس (46) ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔''[2] [3]

---

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب فی کون الرؤیامن اللّٰہ......الخ، الحدیث: ۵۹۰۵، ص۱۰۷۹۔

[2] ......صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصحالحۃ ......الخ، الحدیث: ۶۹۸۷، ص ۵۸۳۔

[3] ...... حضرت سیِّدُنا امام ابن احمد بن علی بن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۸۵۲ھ) حضرت سیِّدُنا علامہ حلیمی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ ''نبوت کے چھیالیس (46) ٹکڑوں سے نبوت کے چھیالیس (46) خصائص مراد ہیں۔'' پھر انہوں نے وہ خصائص درج ذیل ترتیب سے بیان فرمائے: (۱)...بغیر کسی واسطہ کے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ سے کلام کرنا (۲)...بغیر کلام کے الہام، یوں کہ کسی حس اور استدلال کے بغیر اپنے دل میں کسی چیز کا علم پانا (۳)...فرشتے کے ذریعہ وحی ہونا کہ اسے دیکھ کر اس سے کلام کریں (۴)...فرشتے کا دل میں کوئی بات ڈالنا اور یہ ایسی وحی ہے جو دل کے ساتھ خاص ہے، سماعت کو اس میں دخل نہیں۔ حضرت سیِّدُنا حلیمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ''کبھی فرشتہ کسی نیک آدمی کے دل میں بھی کوئی بات ڈالتا ہے مگر اس طرح کہ دشمن پر غلبہ کی خواہش دلائے، کسی شئے کی رغبت دے اور کسی چیز سے ڈرائے وغیرہ، پس اس کے سبب اس نیک آدمی سے شیطانی وسوسہ زائل ہو جاتا ہے اور یہ اس طرح نہیں ہوتا کہ اس سے احکام، وعدہ اور وعید کے علم کی نفی ہو جائے کیونکہ یہ تو نبوت کے خصائص میں سے ہے۔'' (۵)... عقل کا کامل ہونا پس اس میں انہیں کوئی عارضہ اصلاً لاحق نہیں ہوتا (۶)... باکمال قوت حافظہ یہاں تک کہ لمبی سورت یکبارگی سن کر یاد کر لینا کہ پھر اس کا ایک حرف بھی نہ بھولے (۷)...اجتہاد میں خطاء سے محفوظ ہونا (۸)... عقل وفہم کی......

(۲)......ایک روایت اس طرح ہے کہ ''اچھا خواب نبوت کے چھیالیس (46) ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔''[4]

......غیر معمولی ذہانت ہونا جس کے ذریعے مسائل کے استنباط میں انہیں مہارت ہوتی ہے(۹)...بصارت کا قوی ہونا حتی کہ زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی چیز دیکھ لینا(۱۰)... سماعت ایسی مظبوط ہونا کہ زمین کے ایک کنارے کھڑے ہوکر دوسرے کنارے کی آوازوں کو سن لینا جو دوسرے نہ سن سکیں(۱۱)... سونگھنے کی غیر معمولی قوت ہونا جیسے حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کا بہت دور سے حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی قمیص لائے جانے پر ان کی خوشبو سونگھ لینے کا واقعہ ہے(۱۲)... جسم کی بہت زیادہ قوت، حتی کہ تیس راتوں کی مسافت ایک رات میں طے کرلینا(۱۳)... آسمانوں کی طرف تشریف لے جانا(۱۴)... گھنٹی کی آواز کی مثل وحی نازل ہونا(۱۵)... بکریوں کا ان سے کلام کرنا(۱۶)... نباتات(۱۷)... درخت کے تنے(۱۸)...اور پتھروں کا ان سے بات کرنا(۱۹)... بھیڑیے کے چیخنے کو سمجھنا کہ اس کے لئے کوئی حصہ مقرر کیا جائے(۲۰)...اونٹ کے بلبلانے کو سمجھنا(۲۱)... متکلم کو بغیر دیکھے اس کی بات سن لینا(۲۲)... جنات کو دیکھنے پر قادر ہونا(۲۳)...غائب اشیاء کی مثال (یعنی نقشہ) ان کے سامنے ظاہر کردیا جانا جیسا کہ معراج کی صبح بیت المقدس کا نقشہ حضور نبیٔ اَکرم صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کے سامنے کیا گیا(۲۴)... کسی بھی حادثہ کی وجہ جان لینا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے اونٹنی کے بیٹھنے کی وجہ جان لی اور فرمایا تھا کہ ''ابرہہ کے ہاتھی کو روکنے والی ذات نے اسے روک دیا۔''(۲۵)... نام سے کام پر استدلال کرنا جیسا کہ سہیل بن عمرو حاضرِ خدمت ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ''اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہارا معاملہ آسان کردیا۔''(۲۶)... آسمان کی کوئی چیز دیکھ کر زمین پر واقع ہونے والے کام پر استدلال کرنا جیسے ایک بار بادل کو دیکھ کر آپ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''یہ بادل بنوکعب کی مدد کے لیے برس رہا ہے۔''(۲۷)... پشت کے پیچھے کے حالات ملاحظہ فرمالینا (جیسا کہ دورانِ نماز ایک شخص کو داڑھی سے کھیلتے ہوئے ملاحظہ فرمایا)(۲۸)... وصال کرجانے والے کے متعلق کسی بات کی اطلاع دینا جیسا کہ حالتِ جنابت میں جامِ شہادت نوش کرنے والے صحابی حضرت سیِّدُنا حنظلہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کے متعلق خبر دی کہ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ ملائکہ اسے غسل دے رہے ہیں۔''(۲۹)... کسی شئے کے ظہور سے مستقبل کی فتح پر استدلال کرنا جیسا کہ غزوۂ خندق کے دن ہوا(۳۰)... دنیا میں رہتے ہوئے جنت ودوزخ کا مشاہدہ فرمانا(۳۱)... فراست (یعنی ظاہر سے باطن کو جان لینا)(۳۲)... درخت کا اطاعت کرنا حتی کہ ایک درخت جڑوں اور ٹہنیوں سمیت ایک جگہ سے دوسری جگہ آیا اور پھر واپس اپنی جگہ چلا گیا(۳۳)... ہرن کا قصہ اور اس کا اپنے چھوٹے بچے کی حاجت کی شکایت حضور رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم سے کرنا(۳۴)... خواب کی تعبیر ایسی بیان کرنا جس میں خطاء کا ذرا سا بھی احتمال نہ ہو(۳۵)... درخت پر موجود پکی کھجوروں کا اندازہ کرکے بتادینا کہ ''ان سے اتنے اتنے وزن کے چھوہارے بنیں گے۔'' اور بغیر کمی بیشی کے ویسا ہی وقوع ہونا(۳۶)...احکام کی ہدایت دینا(۳۷)... دینی ودنیاوی سیاست کی طرف رہنمائی فرمانا(۳۸)... عالَم کی ہیئت اور اس کی بناوٹ کی طرف ہدایت فرمانا(۳۹)... اصلاحِ بدن کے لئے طب کے مختلف طریقوں کی طرف رہنمائی فرمانا(۴۰)... عبادت کے طریقوں کی طرف رہنمائی کرنا(۴۱)... نفع بخش صنعتوں کی طرف ہدایت فرمانا(۴۲)... مستقبل کے حالات پر مطلع ہونا(۴۳)... گذرے ہوئے حالات کی خبر دینا کہ جن کو آپ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم سے پہلے کسی نے بیان نہ کیا تھا(۴۴)... لوگوں کے رازوں اور پوشیدہ باتوں پر انہیں مطلع کرنا(۴۵)... استدلال کے طریقے سکھانا(۴۶)... زندگی گزارنے کے سنہرے اصولوں سے آگاہ فرمانا۔'' (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب رؤیاالصالحین، ج۱۳، ص۳۱۳)

......صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصحالحة ......الخ،الحدیث: ٦٩٨٩، ص ٥٨٤.

(۳)......اس طرح بھی مروی ہے کہ ''نیک آدمی کا خواب نبوت کے چھیالیس (46) ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔''[1]

(۴)......ایک حدیث پاک میں یوں بیان فرمایا: ''اچھا خواب نبوت کے سَتَّر (70) ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔''[2]

حضرت سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٧٦ھ) فرماتے ہیں: یہاں تین مشہور روایات حاصل ہوئیں: (۱)......پینتالیسواں ٹکڑا (۲)......چھیالیسواں ٹکڑا اور (۳)......سَتَّرھواں ٹکڑا اور مسلم شریف کے علاوہ دیگر کتبِ احادیث میں درج ذیل عدد بیان ہوا۔

(۵)......حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں چالیس (40) کا ذکر ہے۔[3]

(۶)......(حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عَمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی) روایت میں اُنچاس (49) کا عدد ہے۔[4]

(۷)......حضرت سیِّدُنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں پچاس (50) کا ذکر ہے۔[5]

(۸)......حضرت سیِّدُنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں چھبیس (26) کا عدد ہے۔[6]

(۹)......حضرت سیِّدُنا عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں چوالیس (44) کا ذکر ہے[7]۔[8]

......صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب فی کون الرؤیا من اللّٰہ ......الخ، الحدیث: ٥٩١٣، ص ١٠٧٩.

......صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب فی کون الرؤیا من اللّٰہ ......الخ، الحدیث: ٥٩١٦، ص ١٠٧٩.

......مسند ابی یعلی الموصلی، مسند العباس بن عبد المطلب، الحدیث: ٦٦٧٦، ج٦، ص٧.

......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبداللّٰہ بن عمر بن العاص، الحدیث: ٧٠٦٥، ج٢، ص ٦٨٣.

......البحر الزخار بمسند البزار، مسند العباس بن عبد المطلب، الحدیث: ١٢٩٨، ج٤، ص١٢٧.

......التمہید لابن عبد البر، اسحاق بن عبد اللّٰہ بن ابی طلحۃ، تحت الحدیث: ١٥، ج١، ص٢٣٧، عن انس.

......مجددِ اعظم، سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام **احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ١٣٤٠ھ) نے خواب سے متعلق ایسی احادیثِ مبارکہ کا ترجمہ یوں فرمایا: ''مسلمان کی خواب نبوت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔'' پھر اس پر حاشیہ میں فرماتے ہیں: ''حدیثیں اس بارے میں مختلف آئیں، چوبیسواں، پچیسواں، چھبیسواں، چالیسواں، چوالیسواں، پینتالیسواں، چھیالیسواں، پچاسواں، سترھواں، چھہترواں ٹکڑا سب وارد ہیں، لہٰذا فقیر (یعنی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ) نے مطلق ایک ٹکڑا کہا، اور اکثر احادیث میں چھیالیسواں ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَم۔ ١٢ منہ۔''

(فتاوی رضویہ، ج٢٢، ص ٢٧١)

......التمہید لابن عبد البر، اسحاق بن عبد اللّٰہ بن ابی طلحۃ، تحت الحدیث: ١٥، ج١، ص٢٣٥.

احادیثِ مبارکہ کی شرح:

حضرت سیِّدُ نا امام قاضی عیاض علیہ رحمۃ اللہ الرزاق (متوفی ۵۴۴ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا امام محمد بن جریر طبری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۳۱۰ھ) نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ''روایتوں کا مختلف ہونا خواب دیکھنے والے کے حال کے مطابق ہے۔ پس مومن صالح (نیک مسلمان) کا خواب چھیالیسواں (46) ٹکڑا ہے اور فاسق (یعنی گناہگار) کا خواب سَتَّرھواں (70) ٹکڑا ہے۔'' ایک قول یہ ہے کہ ''جو خواب خَفِی (یعنی پوشیدہ) ہوتا ہے وہ سَتَّرھواں (70) ٹکڑا اور جو جَلِی (یعنی واضح) ہوتا ہے وہ چھیالیسواں (46) ٹکڑا ہے۔''

حضرت سیِّدُ نا امام ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب خطابی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۳۸۸ھ) اور دیگر نے نقل فرمایا کہ بعض علمائے کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں کہ ''مکی مدنی سلطان، رحمتِ عالمیان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر تیئیس 23 (تے۔ اِیس) سال تک وحی نازل ہوتی رہی۔ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ (زَادَھُمَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا) میں اور اس سے چھ مہینے قبل سچے خواب دکھائے گئے اور یہی چھیالیس (46) ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے (یعنی جب چھ ماہ کی نسبت 23 سال کی طرف کی تو وہ اس کا چھیالیسواں حصہ بن گیا)۔''

حضرت سیِّدُ نا امام محمد بن علی بن عمر مأزِری مالکی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۳۶ھ) بیان فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے: ''اس سے مراد یہ ہے کہ خوابوں کے لئے ایک طرح سے چھیالیسویں (46) ٹکڑے کے ساتھ وحی کی مشابہت ہے اور وہ نبوت کا امتیازی وصف ہیں۔''

اعتراض:

حضور نبیٔ اَکرم، شفیعِ معظَّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے خوابوں میں چھ ماہ کی قید لگانا درست نہیں کیونکہ اعلانِ نبوت سے قبل آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے خوابوں کی مدت چھ ماہ مقرر کرنا ثابت نہیں۔ نیز یہ کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے نبوت کے بعد بھی بہت سارے خواب دیکھے ہیں پس انہیں بھی چھ ماہ کے ساتھ ملایا جائے گا اور ملانے کی صورت میں چھ ماہ کی نسبت برقرار نہیں رہے گی؟

جواب:

حضرت سیِّدُ نا امام مـأزِرِی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۵۳٦ھ) اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''انہوں نے اعلانِ نبوت کے بعد خوابوں پر جو اعتراض کیا ہے وہ باطل ہے۔ کیونکہ نزولِ وحی کے بعد فرشتے کے ذریعے آنے والے خواب وحی میں شامل ہیں ان کو الگ شمار نہیں کیا جائے گا۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ اس میں یہ مراد ہونے کا بھی احتمال ہے کہ جس خواب میں غیب کی خبر ہو وہ نبوت کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے اور یہ نبوت کے ضمن میں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ شرائع کو جاری کرنے اور احکام کو بیان کرنے کے لئے کسی نبی کو بھیجے اور وہ کبھی کوئی غیبی خبر نہ دے۔'' اور غیب کی خبر نہ دینا نبوت کے منافی ہے نہ نبوت کے مقصود پر اثر انداز ہوتا ہے اور نبوت کا یہ جز (یعنی خواب) غیب کی خبر دینا ہے کہ جب بھی واقع ہوگا سچا ہوگا۔

امام خطابی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کا مؤقف:

حضرت سیِّدُ نا امام ابو سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب خطابی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۳۸۸ھ) فرماتے ہیں: ''یہ حدیث شریف خواب کے معاملہ کو مؤکد اور اس کے مقام و حیثیت کو ثابت کرتی ہے۔'' مزید فرماتے ہیں: ''خواب کا نبوت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہونا صرف حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے حق میں ہے ان کے علاوہ کے حق میں نہیں۔ کیونکہ حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو جس طرح بیداری میں وحی کی جاتی ہے اسی طرح خواب میں بھی کی جاتی ہے۔'' نیز امام خَطَّابی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۳۸۸ھ) نے بعض علمائے کرام رحمہم اللہ السلام سے حدیثِ پاک کا ایک معنی یہ بھی نقل کیا ہے کہ ''خواب نبوت کی موافقت پر آتے ہیں نہ یہ کہ وہ نبوت کا باقی رہ جانے والا ٹکڑا ہے[1]۔'' اِنْتَهٰی كَلَامُ النَّوَوِی.[2]

---

(1)......قولہ: لانها جزء باق من النبوة.. امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُ نا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: اقول ولكن ورد في حديث ان النبوة قد انقطعت الا رؤيا صالحة يراها المؤمن أو ترى له. او لفظ هذا معناه. ۱۲ یعنی میں کہتا ہوں: لیکن حدیث میں یہ وارد ہے کہ ''بے شک نبوت کا دروازہ بند ہوگیا مگر سچی خواب باقی ہے کہ مؤمن خود دیکھے یا اس کے لئے دیکھی جائے۔'' یا ٹکڑے کی نفی سے قائل نے اس کے معنی کا ارادہ کیا ہے (یعنی اب کوئی جزوی طور پر بھی نبی نہیں ہوسکتا)۔

(2)......شرح صحيح مسلم للنووی، كتاب الرؤيا، ج۱۵، ص ۲۰ تا ۲۲.

خلاصۂ کلام:

مذکورہ تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ خواب الہامِ روحانی کے مرتبہ میں ہے، احکامِ شرعیہ کی معرفت کے اسباب میں سے نہیں ہے۔ البتہ! دیندار اور نیک لوگوں کے حق میں الہام اور خواب، نبوت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا اور وحی کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اور اہلِ تقویٰ بدعت و گناہ سے بچتے ہوئے قرآن وسنت کے مطابق اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کے بعد ان دونوں (الہام وخواب) پر اعتماد کرتے ہیں۔ پس ان کے ذریعے جو ربانی حکمتیں، رحمانی حقائق، معرفت کی باریکیاں اور اسرار کے لطائف ان سے پوشیدہ ہوتے ہیں وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ حضرات اعتقادی یا عملی احکام میں سے کسی بھی حکم کے ثبوت کے لئے خواب والہام کی اتباع نہیں کرتے۔ البتہ! زندیق و بے دین لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ ''قرآن وسنت کے بغیر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام پر عمل کے لئے الہام وخواب کافی ہیں۔'' اور یقیناً یہ تو دعویٔ نبوت ہے کیونکہ الہام اور خواب وحی کی اقسام میں سے دو قسمیں ہیں اور جو نبی ہوتے ہیں وہ ان سے ایسے شرعی احکام لیتے ہیں جن کا اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں اور ان کی امت کو پابند بناتا ہے۔ اس لئے کسی ولی کے لئے یہ خصوصیت ماننا اسے نبی قرار دینا ہے۔ (مَعاذَاللہ عَزَّوَجَلَّ)

ولی کے الہام وخواب کا حکم:

ولی کے لئے اس معاملہ (یعنی الہام وخواب) میں اتنا حصہ ہے کہ جو احکام اس کا نبی اس کی طرف لے کر آیا وہ اس نے بیداری کی حالت میں قبول کئے اور اب وہ احکام خواب میں بھی اس پر ظاہر کر دیئے گئے تو وہ ان کو قبول کر لیتا ہے۔ پس الہام وخواب، اس کے لئے پوشیدہ بات کو ظاہر کرنے والے ہیں، ایسا نہیں کہ وہ کسی ایسی بات کو ثابت کرتے ہیں جس کا وہ انکار کرتا ہے۔'' وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَاب (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی درست وحق بات کی توفیق دینے والا ہے)۔

الہام اور خواب احکامِ شرعیہ کی معرفت کے اسباب میں سے نہیں، بالخصوص جب وہ قرآن وسنت کے تقاضوں کے خلاف ہوں (جیسا کہ بناوٹی صوفیوں کا ماقبل مذکور چھٹا قول ہے) تو بدرجہ اولیٰ اسباب میں سے نہیں ہوں گے کیونکہ وحی کے منقطع اور نبوت کے ختم ہونے کی وجہ سے ولی نئی شریعت بنانے یا شریعتِ محمدی عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ شریعت کو نبوت ہی ثابت کرتی ہے اور اسے منسوخ بھی اس کی مثل

شریعت کرسکتی ہے۔

(یہاں تک بناوٹی صوفیوں کے اقوال اوران کا تفصیلی رد ہوا، اوراب شریعت کے بغیر طریقت پر چلنے کا دعویٰ کرنے والے ان جھوٹے اور بناوٹی صوفیوں کے رد میں حقیقی صوفیائے کرام رحمہم اللہ السلام کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ''شریعت کو چھوڑ کر طریقت پر عمل نہیں ہوسکتا اور شریعت سے طریقت جدا نہیں۔'' نیز ساتھ ساتھ ان صوفیائے کرام کے کلام کی شرح بھی بیان ہوگی۔ علمیہ)

شریعت اورطریقت کے ایک ہونے پر حقیقی صوفیائے کرام رحمہم اللہ السلام کے فرامین اوران کی شرح

(1)......حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کا فرمان:

گروہِ صوفیا کے سردار، **طریقت وحقیقت** کے امام حضرت سیِّدُنا ابوقاسم جنید بن محمد **بغدادی** علیہ رحمۃ اللہ الہادی فرماتے ہیں: ''**اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچانے والے تمام راستے ہر شخص پر بند ہیں** سوائے اس شخص کے جو حضور نبیِّ اَکرم، شفیعِ مُعَظَّم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے **طریقہ کی اتباع وپیروی کرے۔**'' نیز ارشاد فرمایا کہ ''**جس نے قرآنِ پاک کو یاد نہ کیا اور حدیثِ نبوی کو** (کتاب یا دل میں) **جمع نہ کیا اس کی اقتدا وپیروی نہ کی جائے۔** کیونکہ ہمارا یہ علم اور (طریقت کا) راستہ[1] **قرآن وسنت کا پابند ہے۔**''[2]

صوفیا کوصوفیا کہنے کی وجہ:

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کو گروہِ صوفیہ کا سردار کہا گیا ہے۔ لفظ ''صوفیہ'' تصوف سے بنا ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف

---

[1]......**قولہ: ومذھبنا ھذا..** امامِ اہلسنّت، مجددِ اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) اس پر حاشیہ میں فرماتے ہیں: ''**لیس فی الرسالۃ القشیریۃ لفظ ومذھبنا ھذا. ۱۲** یعنی رسالہ قشیریہ میں ''ومذھبنا ھذا'' کے الفاظ نہیں ہیں۔''

[2]......الرسالۃ القشیریۃ، ابو القاسم الجنید بن محمد، ص ۵۱.

''اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّہ''میں فرماتے ہیں:''یہ نام (صوفیا) اس گروہ پر غالب آ گیا ہے۔لہٰذا ایک شخص کو''صوفی''اور گروہ کو''صوفیہ''کہا جاتا ہے اور جو شخص صوفیا کی شکل اختیار کر کے خود کو اس گروہ سے ملانا چاہتا ہے اسے''مُتَصَوِّف'' اور ان کے گروہ کو''مُتَصَوِّفُوْن''(یعنی متصوفہ) کہا جاتا ہے (صوفی وصوفیا نہیں کہا جاتا)۔عربی زبان میں اس لفظ (صوفی) کے استعمال میں نہ تو قیاس کو دخل ہے اور نہ ہی یہ کسی دوسرے لفظ سے نکال کر بنایا گیا ہے۔زیادہ واضح وظاہر معاملہ یہ ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے اور جس نے یہ کہا کہ''صوفی لفظ''صوف''سے بنا ہے کیونکہ صوف کا لباس پہننے پر عربی میں''تَصَوَّف''(یعنی اس نے صوف کا لباس پہنا) کا لفظ کہا جاتا ہے جیسے قمیص پہننے پر''تَقَمَّصَ''(یعنی اس نے قمیص پہنی) کہا جاتا ہے۔''پس اس کہنے والے نے ایک وجہ بیان کی ہے مگر یہ نفوسِ قدسیہ یعنی صوفیائے کرام رحمہم اللہ السلام،صوف کا لباس پہننے کے ساتھ خاص نہیں ہیں اور جن لوگوں نے کہا کہ''مسجد نبوی کے چبوترے''صُفَّہ''کی طرف نسبت کے سبب صوفی کہا جاتا ہے''تو یہ نسبت درست نہیں کیونکہ''صُفَّہ''کی نسبت سے صوفی نہیں (بلکہ صفی) بنتا اور جو لفظِ صوفی کو لفظ''صفاء''سے مشتق (نکالا ہوا) مانتے ہیں یہ لغت کے لحاظ سے بعید ہے اور بعض نے یہ کہا کہ''لفظِ صوفی''صف'' سے بنا ہے کیونکہ یہ حضرات اپنے دلوں کے ذریعے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کے اعتبار سے پہلی صف میں ہیں۔''یہ معنی تو درست ہے لیکن صف سے صوفی کی نسبت لغت کے مطابق نہیں۔بات دراصل یہ ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ اپنے مقام ومنصب کے اعتبار سے اتنے زیادہ مشہور ہو چکے ہیں کہ ان کے لئے استعمال ہونے والے لفظ کی اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ اس لفظ میں قیاس کیا ہے اور یہ کس لفظ سے نکالا گیا ہے اور علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے اس بارے میں بڑا کلام کیا ہے کہ تصوُّف کا کیا معنی ہے اور صوفی کون ہوتا؟ ہر ایک نے اپنی سوچ اور ذوق کے مطابق اس کی تشریح کی ہے۔''[1]

طریقت وحقیقت کی تعریف:

نیز حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کو طریقت وحقیقت کا امام کہا گیا،طریقت وحقیقت کسے کہتے ہیں؟ (سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں)''اخلاقِ نفس،صفاتِ قلب اور اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کے لئے منازل

[1] ......الرسالۃ القشیریۃ،باب التصوف،ص ۳۱۲.

طے کرنے کی کیفیت کو جاننے اور پہچاننے کو ''طریقت'' کہتے ہیں، اس میں شریعت بھی داخل ہے اور شریعت صحیح عقیدے اور عملِ صالح کی کیفیت کو اجمالاً جاننے کا نام ہے۔ شریعت، طریقت میں اس لئے داخل ہے کہ وہ طریقت سے پہلے ہے اور جس کے لئے کوئی شریعت نہیں اس کے لئے کوئی طریقت بھی نہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہوئے ربوبیت کے مشاہدے اور مخلوق کو مکلّف بنانے میں جو کچھ وارد ہے اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے اصل پر آگاہی کو ''حقیقت'' کہتے ہیں[1]۔''

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کا مختصر تعارف:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو (عراق کے دارالخلافہ) بغداد شہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے بغدادی کہا جاتا ہے۔ بغداد ایک معروف شہر ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آباء واجداد کا اصل وطن نَہاوَنْد ہے جبکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پیدائش و پرورش عراق میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدِ محترم (حضرت سیِّدُنا محمد بن جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کانچ (شیشہ) کی تجارت کرتے تھے اسی وجہ سے ان کو ''قواریری'' بھی کہا جاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیِّدُنا امام ابوثور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر فقیہ تھے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیِّدُنا سری سقطی، حضرت سیِّدُنا حارث بن اسد محاسبی اور حضرت سیِّدُنا محمد بن علی قصاب رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی صحبت میں رہے اور وصال شریف ۲۹۷ ھ کو ہوا (مزار فائض الانوار شونیزیہ ''بغداد شریف'' میں ہے)۔[2]

﴿اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ان پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔ اٰمِین بِجاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم﴾

---

[1] ......مجددِ اعظم، امام اہلسنّت، سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے ارشاد فرمایا: ''شریعت حضور اَقدس سیِّدِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم کے اقوال ہیں، اور طریقت حضور (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم) کے افعال، اور حقیقت حضور (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم) کے احوال، اور معرفت حضور (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم) کے علوم بے مثال۔ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ الی مالا یزال۔''

(فتاوی رضویه، ج ۲۱، ص ٤٦٠)

[2] ......حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے مزید حالات جاننے کے لئے ''مکتبۃ المدینہ'' کی مطبوعہ 215 صفحات پر مشتمل کتاب ''شرح شجرہ قادریہ رضویہ عطّاریہ'' کے صفحہ 72 تا 75 کا مطالعہ فرمالیجئے۔

پہلے فرمان کی شرح

تمام راستے بند ہونے سے مراد:

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے فرمان کہ ''**تمام راستے بند ہیں**'' اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے راستوں پر چل کر اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنا ممکن نہیں کیونکہ یہ راستے اللہ عَزَّوَجَلَّ تک نہیں پہنچا سکتے۔اس کا سبب، ان پر چلنے والے کا منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی رک جانا اور پلٹ آنا ہے اور راستوں سے مراد تمام شریعتیں، ادیان اور مخالف مذاہب ہیں کیونکہ آج ان کے پیروکاران راستوں پر اسی لئے چلتے ہیں کہ یہ انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچا دیں۔ نیز ان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف لے جانے والے راستے کہنا ان کے پیروکاروں کے گمان کے اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں یہ راستے نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے ان کے متعلق فرمایا: ''**یہ تمام راستے بند ہیں۔**'' اور جو بند ہوتا ہے وہ کوئی راستہ نہیں، مگر انجان آدمی اسے بھی راستہ گمان کرتا ہے۔پس جب جاہل کسی راستے پر چلتا ہے اور ایسی جگہ پہنچتا ہے جہاں سے آگے وہ راستہ بند ہوتا ہے تو اس وقت اسے پتا چلتا ہے کہ یہ تو راستہ نہیں ہے۔ چنانچہ، وہ واپس اسی جگہ لوٹ آتا ہے جہاں سے چلا تھا حالانکہ اولاً اس نے اسے راستہ ہی گمان کیا تھا مگر بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ تو کچھ اور ہے۔

بارگاہِ الٰہی تک پہنچانے والا راستہ:

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے فرمان کہ ''**تمام راستے ہر شخص پر بند ہیں** سوائے اس شخص کے جو حضور نبیٔ اکرم، نورِ مجسم، شاہ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے **طریقہ کی اتباع و پیروی کرے۔**'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچانے والے راستوں پر اسی طرح چلے جس طرح آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے عمل فرمایا۔پس اس وقت یہ راستے اس پر بند نہیں ہوں گے بلکہ اس کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے اور وہ ایک خاص طریقہ پر چل کر ان راستوں کے ذریعے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جاتا ہے اور اس خاص طریقہ کو اہل باطل نہیں جانتے اور ہمارے شیخ قطبِ ربانی، شہبازِ لامکانی، غوثِ صمدانی حضرت سیِّدُنا شیخ عبد القادر جیلانی حضور غوثِ اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے اپنے اشعار میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ان اشعار کا پہلا مصرع یہ ہے:

مَا فِی الْمَنَاھِلِ مَنْھَلٌ مُسْتَعَذَّبٌ　　اِلَّاوَلِیٌّ فِیْہِ الْاَلَذُّالْاَطْیَبُ

ترجمہ: منزلوں میں کوئی منزل خوش گوار نہیں، مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ولی کی منزل، کہ وہ لذیذ ترین و پاکیزہ تر ہے۔[1]

اور اسی طرح حضرت سیِّدُ نا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) کا ایک شعر ہے:

عَقَّدَ الْخَلَائِقُ فِی الْاِلٰہِ عَقَایِدًا　　وَاَنَا اِعْتَقَدْتُّ جَمِیْعَ مَااِعْتَقَدُوْہُ

ترجمہ: مخلوق نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں بہت سے عقائد پختہ کر لئے اور میں نے ان تمام عقائد کو جان لیا۔[2]

پس بلاشبہ باطل عقائد رکھنے والوں کے تمام باطل عقیدے حق تعالیٰ کی تجلیات کے ظاہر ہونے کی جگہوں کے اعتبار سے وقوع پذیر ہوئے اس حیثیت سے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے افعال کا ظہور وہاں سے ہوا۔ ایسے عقائد والے اپنے اس دعویٰ کے سبب کفر میں مبتلا ہوگئے کہ ''ان افعال کی تجلیات کا یہ مظہر وہی ذاتِ حق تعالیٰ ہے جو غیبِ مطلق میں ہے۔'' حالانکہ یہ خطائے محض، جہالت اور کفر ہے اور یہی وہ بات ہے جس کے سبب وہ تمام راستے بند ہوگئے اور یہ راستے صرف محمدی اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام کے لئے کھلے جنہوں نے ان سے لذیذ ترین اور پاکیزہ تر منزل کو حاصل کیا اور وہ ظہورِ افعالِ الٰہیہ کی تجلیات کا مشاہدہ ہے اور ان حضرات نے وہ تمام دعوے ترک کر دیئے جن کی وجہ سے یہ راستے بند ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا حضرت سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے اس فرمان میں غور کرو کہ ''سردارِ دوجہان، رحمت عالمیان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے طریقے کی اتباع و پیروی کے بغیر اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کے لئے یہ راستے سالک کے لئے نہیں کھلتے۔'' اس میں یہ اشارہ ہے کہ حق کا راستہ ان راستوں سے کوئی منفرد و معین راستہ نہیں اور نہ ہی ان میں سے ایک راستہ ہے بلکہ یہ ایسا کھلا ہوا راستہ ہے کہ جو بھی اس پر چلتا ہے یہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچا دیتا ہے اور یہ تمام راستے کہ جب بھی ان میں سے کوئی کھل جائے تو وہی حق کا راستہ ہے اور جو بند رہے تو وہ باطل کا راستہ ہے اور راستے کا کھلنا یہ ہے کہ وہ سمیع و بصیر ذات کہ اس جیسا کوئی نہیں اس کے علاوہ کسی اور شئے کی طرف بالکل راغب نہ ہوا جائے اور اس کے علاوہ کسی اور شئے کی طرف راغب ہونا ہی راستے کا بند ہونا ہے۔

---

[1] ...... کشف الظنون، باب القاف، ج۲، ص۳۰۳.

[2] ......الفتوحات المکیة، الباب الخامس والثلاثون وثلثمائة، ج۵، ص۲۵۵ "وفیہ عقایدا واعتقدت" بدلہ "عقائدا وشھدت".

ناواقف کی پیروی نہ کی جائے:

حضرت سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے یہ بھی فرمایا: ''**جس نے قرآن پاک کو یاد نہ کیا اور حدیث نبوی کو (کتاب یا دل میں) جمع نہ کیا تو اللہ** عَزَّوَجَلَّ **تک پہنچنے کے عظیم معاملہ میں اس کی اقتدا و پیروی نہ کی جائے۔**''اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک کو کلمات و معانی، حدود و احکام، ظاہر و باطن، معارف وحقائق اور اسرار کے ساتھ یاد نہ کیا اور حدیثِ نبوی کو لفظ و معنی، ظاہر و باطن اور اسرار و انوار کے ساتھ کتاب یا دل میں جمع نہ کیا تو کسی سالک کے لئے جائز نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کے عظیم الشان معاملہ میں قرآن وحدیث کا علم نہ جاننے والے کی پیروی کرے۔

ہر ولی مرشد نہیں ہوسکتا:

حضرت سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے اس فرمان میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مذکورہ صفات نہ ہونے کے سبب جب اس کی اقتدا و پیروی نہیں کی جائے گی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سرے سے ہی باطل پر ہے۔ کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ لوگوں میں سے کسی ایسے شخص کا دل کھول دے جو پڑھتا ہو نہ لکھتا ہو اور نہ قرآن وحدیث جانتا ہو مگر وہ تجلیات الٰہی اور حقائق ربانی کا عارف ہو اور جب اس کے سامنے قرآنِ پاک یا حدیثِ مبارکہ پڑھی جائے تو ان کے معانی میں ایسی گفتگو کرے جس سے عقلیں دنگ (یعنی حیران) رہ جائیں اور یہ کمال کسی سے سن کر یا روایت سے حاصل شدہ نہیں بلکہ محض اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے دل کھول دیئے جانے کے سبب ہے اور بلاشبہ اس صفت کے حامل بہت سارے اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام پائے جاتے ہیں مگر اس کی اقتدا کرنا اور رہنمائی کرنے اور راہِ سلوک کے لئے اسے امام بنانا ٹھیک نہیں اگرچہ وہ ولی ضرور ہوتا ہے لیکن مرشد (یعنی رہنما) نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ (پ ۱۵، الکھف: ۱۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جسے گمراہ کرے تو ہرگز اس کا کوئی حمایتی راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے۔ (1)

......﴿**قولہ: ومن یضلل فلن تجد لہ ولیاً مرشدًا...**

امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُ نا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**یرید الاحتجاج بالایۃ ان الولی قد لایکون مرشدا لان اللہ تعالی قید فی النفی الولی بالمرشد. ۱۲** یعنی سیدی عارف باللہ......

کیونکہ رہنمائی کرنا اور راہ دکھانا، قرآن وسنت کے احکام نیز ترغیب وترہیب اور امر ونہی وغیرہ امور میں قرآن وسنت کے اُسلُوب (یعنی طریقہ کار) کا محتاج ہے۔ جیسے کسی شخص کی آنکھیں کپڑے سے باندھ کر کسی گھر میں داخل کر دیا جائے تو اسے معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس راستے سے داخل ہوا ہے۔ اس لئے وہ کسی دوسرے کی رہنمائی کر کے اسے اس کمرے تک نہیں پہنچا سکتا، بخلاف اس شخص کے جس کی آنکھیں کھلی ہوں تو وہ اسے گھر تک پہنچانے والے راستہ کو پہچان لے گا۔ لہٰذا وہ دوسروں کو بھی اس تک پہنچانے میں رہنما بن سکتا ہے۔

طریقت کا راستہ قرآن وسنت کا پابند ہے:

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کے معاملہ میں قرآن وسنت سے ناآشنا شخص کی پیروی سے ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی: ''کیونکہ ہمارا یہ علم اور طریقت کا راستہ قرآن وسنت کا پابند ہے۔'' یعنی حقائق الٰہیہ اور معارفِ ربانیہ سے متعلق ہمارا یہ علم نیز ہمارا یہ طریقت کا راستہ جو سلف صالحین وپرہیزگار متاخرین کا راستہ ہے، قرآن وسنت کا پابند ہے۔ اس علم اور راہِ طریقت میں بالکل کوئی شئے بھی ایسی نہیں جو کتاب وسنت کے تقاضوں کے خلاف ہو۔ اگرچہ یہ علم، کتاب اور مشائخ کرام رحمہم اللہ السلام سے سنے بغیر محض فیض اور کشف سے حاصل ہوا ہو مگر اس کا کتاب وسنت کے تقاضوں کے موافق ہونا ضروری ہے۔ جب کوئی عارف (پہچان رکھنے والا) اس علم کی تحقیق کرے گا تو اسے قرآن وسنت کے مطابق ہی پائے گا اور وہ لوگ جو اس علم اور قرآن وسنت کے مابین مطابقت کو سمجھنے پر قادر نہیں، ان میں صرف بدبخت اور ہلاکت میں پڑنے والا ہی اس علم سے جاہل رہے گا اور اس علم کے اہل کا انکار کرے گا۔

ولی کا علم قرآن وسنت سے خارج نہیں:

حضرت سیِّدُنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) اپنی شہرۂ آفاق کتابِ مستطاب ''اَلْفُتُوْحَاتُ الْمَکِّیَّة'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''پھر تمہیں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جب اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام اپنے پختہ ارادوں کے زینوں پر چڑھتے ہیں تو ان کی منزل وانتہا اپنے مطلوب اسماء الٰہیہ تک پہنچنا ہوتا ہے پس جب یہ

......علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی اس آیت مبارکہ سے استدلال فرمانا چاہتے ہیں کہ کبھی ولی، مرشد نہیں بھی ہوتا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں ایسے حمایتی کی نفی فرمائی ہے جو راہ دکھانے والا بھی ہو۔''

اپنے پختہ ارادوں کے زینوں کے ذریعے ان اسمائے مبارکہ تک پہنچ جاتے ہیں تو جس استعداد و صلاحیت کو لے کر وہاں پہنچتے ہیں اسی قدر ان پر علوم وانوار کی بارش برستی ہے۔ چنانچہ، وہ استعداد و صلاحیت کے حساب سے ان علوم وانوار کو لے لیتے ہیں اور اس معاملہ میں وہ کسی فرشتہ اور رسول کے محتاج نہیں ہوتے کیونکہ یہ علوم شریعت نہیں ہیں بلکہ یہ تو محض انوار ہیں اور یہ انوار وہی ہوتے ہیں جو رسول اپنی وحی یا خود پر نازل کردہ کتاب یا صحیفہ میں لایا ہوتا ہے، اس کے علاوہ نہیں ہوتے۔ پھر برابر ہے کہ وہ ولی اس کتاب کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور اس میں جو تفصیلات ہیں وہ اس نے نہ سنی ہوں۔ مگر اس ولی کا علم، رسول عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے لائی ہوئی وحی، کتاب اور صحیفہ سے خارج نہیں ہوتا اور ہر ولی کے لئے لازم ہے کہ وہ اس امت کی طرف مبعوث ہونے والے رسول عَلَیْہِ السَّلَام کی تصدیق کرنے والا ہو کیونکہ اولیا جس حیثیت سے ہر رسول اور نبی کی تصدیق کرتے ہیں اسی حیثیت سے ان کو ہر نبی کی وحی، کمالات، کتاب اور صحیفہ کے تقاضوں کے مطابق علم، کشف اور فیضِ الٰہی ملتا ہے اور اسی سبب سے وہ دیگر اولیائے امت پر فضیلت پاتے ہیں پس علومِ الٰہیہ میں ولی کا کشف اُس سے تجاوز نہیں کرسکتا جو اس کے نبی کی وحی اور کتاب اسے عطا کرتی ہے۔ اسی مقام پر حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے ارشاد فرمایا کہ "ہمارا یہ علم قرآن وسنت کا پابند ہے۔" اور ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمایا کہ "جس کشف کی شہادت قرآن وسنت نہ دیں تو وہ کوئی شئے نہیں۔" لہٰذا ولی کو صرف قرآنِ پاک کی سمجھ کے بارے میں ہی کشف ہوتا ہے۔ چنانچہ، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (پ۷، الانعام: ۳۸) ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے اس کتاب میں کچھ اُٹھا نہ رکھا۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ علٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی الواح کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ (پ۹، الاعراف: ۱۴۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں لکھ دی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل۔

پس ثابت ہوا کہ ولی کا علم کسی بھی اعتبار سے قرآن وسنت سے خارج نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کچھ خارج ہو تو وہ علم ہی نہیں اور نہ ہی وہ ولایت کا علم ہے بلکہ اگر تم تحقیق کرو تو اسے جہالت کے سوا کچھ نہ پاؤ گے اور جہالت عدم (یعنی نہ ہونا) ہے اور عدم کے لئے وجود ثابت نہیں۔"[1]

[1] ......الفتوحات المکیۃ لابن عربی، الباب الرابع عشر وثلثمائۃ فی معرفۃ مزل الفرق......الخ، ج۵، ص۱۰۴.

ترجمانِ حق کے وارثین:

یہی حضرت سیِّدُ نا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) اسی کتاب ''اَلْفُتُوحَاتُ الْمَکِّیَّة'' میں ''قربِ الٰہی کے درجات میں سے مقامِ تکلم کے مطالب بیان کرنے کے علم'' کے بارے میں فرماتے ہیں: جان لو کہ بلاشبہ جس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں اپنی محکم ومتشابہ آیاتِ مقدسہ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، یہ اسی ربُّ العٰلمین عَزَّوَجَلَّ کے ترجمان، شریعت بنانے والے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کے علم کی معرفت کا نام ہے اور ہمیں ان کی ہر بات کو قبول کرنا چاہئے۔ تو اگر ہم نے ان کی کسی بات میں خود سے تاویل کر دی اگرچہ نَفْسُ الْاَمر (یعنی حقیقت) میں ان کی مراد بھی وہی ہو جو ہم نے تاویل کی۔ پھر بھی ہم سے درجۂ ایمان زائل ہو جائے گا۔ کیونکہ دلیل (یعنی تاویل کرنا) خبر پر حکم لگانا ہے، پس یہ حکم ایمان کو معطل کر دیتا ہے جبکہ مؤمن کا علمِ صحیح اس دلیل (یعنی تاویل کرنے) والے سے یہ کہتا ہے: ''اگر تمہاری طرف سے یہ بات قطعی ہے کہ تمہاری نظر وفکر نے تمہیں جو بات سمجھائی ہے وہی شارع عَلَیْہِ السَّلَام کے بیان کرنے کا مقصد ہے تو پھر یہ نری جہالت اور علمِ صحیح کا فقدان ہے اگرچہ اتفاقاً عام علم آگیا ہے اور تم سے ایمان زائل ہو گیا۔'' پھر یہ کہ سعادت مندی ایمان اور (عام علم سے جدا) علمِ صحیح کے ساتھ مربوط (یعنی بندھی ہوئی) ہے اور علمِ صحیح وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ ایمان باقی رہے۔ لہٰذا ایک عارف پر یہ لازم ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اس کی مخلوق میں بطورِ نیابت، راہِ سعادت کو واضح وروشن کرے جیسے روشنی پہنچانے میں چاند کو سورج کی نیابت حاصل ہے۔ پس انبیاء ومرسلین عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام حق تعالیٰ کے ترجمان ہیں اور ان کے وارثین (علما واولیا) اُتنا ہی درجات ومراتب پر فائز ہوتے ہیں جتنا اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں رسول عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی لائی ہوئی کتاب وسنت کا فہم عطا فرماتا ہے۔[1]

میزانِ شریعت پیر کے ہاتھ میں:

نیز انہی حضرت سیِّدُ نا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) نے ''شَرْحُ الْوَصِیَّةِ الْیُوسُفِیَّة'' میں فرمایا: تربیت کے خواہش مند کے پاس میزانِ شریعت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اس شیخ کے پاس ہوتی ہے جو اس کی تربیت کرتا ہے۔ لہٰذا مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنا مقصد اور خیال شیخ کو بتا دے اور شیخ اس معاملہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عطا

---

[1] ......الفتوحات المكية لابن عربی، الباب الثانی والتسعون ومائتان فی معرفة منزل اشتراك عالم الغيب......الخ، ج٤، ص٥٤٦.

کردہ علم کے ساتھ غور وفکر کرے اور یہاں ''میزان'' (یعنی پرکھنے کا ذریعہ) وہی ہے جو حضرت سیِّدُ نا شیخ جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے اپنے قول کہ ''**ہمارا یہ علم قرآن وسنت کا پابند ہے۔**'' سے مراد لیا اور اس بارے میں اس کا معنی یہ ہے کہ ''یہ حضرات اپنے باطن میں جو علم اور پختہ ارادہ وغیرہ پاتے ہیں وہ صرف قرآن وسنت پر عمل کا نتیجہ ہے۔'' اور اس کا سبب وہ امور ہیں جو علوی ارواح (یعنی فرشتوں) کی طرف سے نفوس پر منکشف ہوتے ہیں (علوی ارواح کو شریعت میں ملائکہ ''یعنی فرشتے'' اور قدما کے نزدیک فعال عقول کہا جاتا ہے)۔ یہ فرشتے ان امور کے ساتھ اس وقت نفوس پر وارد ہوتے ہیں جب وہ اپنی طبعی شہوات وخواہشات کو ترک کر دیتے ہیں نیز جب وہ ان خواہشات کی قید سے چھٹکارا حاصل کر کے ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے باطن کی صفائی کر لیتے ہیں اور اپنے باطنی آئینوں کو خوب چمکا لیتے ہیں جس کے سبب عالَم میں موجود ہر شئے ان میں نقش ہوجاتی ہے۔ تو وہ غیب کی باتوں سے آگاہ ہوجاتے ہیں اور وہ جان لیتے ہیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے اور کس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور برابر ہے کہ یہ نفوس ایمان لانے کے اعتبار سے خاص شریعت کے ساتھ مقید ہیں یا نہیں۔ کیونکہ ان کی باطنی صفائی انہیں یہ سب کچھ عطا کر دیتی ہے یعنی انہیں ان کے اصل کے ساتھ ملا دیتی ہے جس سے یہ صادر ہوئیں۔ تو یہ صرف اسی کی خبر دیتی ہیں جو انہیں مقام ومرتبہ عطا کیا گیا ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے ارشاد فرمایا کہ ''ہمیں اور اہل اللہ کو حاصل ہونے والے مقام میں ہمارا طریقہ قدما والا نہیں یعنی نفوس کی اصلِ خلقت یا لائق اصل میں تفکر کی نظر سے حاصل کیا گیا ہو بلکہ ہم اس پر چلے جو ہمیں شارع (یعنی حضور نبیٔ اَکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) نے ارشاد فرمایا اور ہم اس پر ایمان لائے اور اسی کے ذریعے حق تعالٰی تک پہنچنے کے طریقے حاصل کئے اگرچہ کشف ونتیجہ میں مشارکت ہوجائے کیونکہ ذوق والے، ادراک کرنے والوں کے مابین ذوق کو واضح کرنے والا فرق تلاش کر لیتے ہیں۔

پھر یہ کہ ایمان پر کاربند اہل اللہ کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ایک لقائے خاص (یعنی ملاقات) ہوتی ہے جس تک وہ شخص کبھی نہیں پہنچ سکتا جس کا راستہ ایمان والا نہ ہو۔ اس گفتگو سے بھی دونوں قسموں (یعنی سچے اور بناوٹی صوفیوں) میں فرق ہوجاتا ہے اور یہی بات حضرت سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی کہ ''ہمارا یہ علم قرآن وسنت کا پابند ہے۔'' مطلب یہ کہ ہمیں یہ علم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قرآن اور اس کے پیارے رسول، رسولِ

مقبول صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنتوں پر عمل کرنے کی بدولت ہی حاصل ہوا ہے۔[1]

ولی کو بذریعہ کشف وفیض علم حاصل ہوتا ہے:

(عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) جب تم نے یہ ساری باتیں جان لیں تو تمہارے لئے ظاہر ہوگیا کہ بلاشبہ ولی کا علم بارگاہِ الٰہی سے کشف والہام اور فیض کے ذریعے ہوتا ہے۔ سیکھنے، علما ومشائخ (مَ۔شَا۔ئِخ) سے پڑھنے اور کتب بینی سے نہیں ہوتا لیکن اس علم کی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت کے اس علم کے مطابق ہو جس کے حق ہونے پر مجتہدین کا اجماع (اتفاق) ہے۔ البتہ! وہ علم جس میں مجتہدین کے نزدیک حق بات متعین نہ ہونے کے سبب اختلاف ہو ولی کا علم کبھی کبھار اس علم کے خلاف ہوتا ہے اور یہی معنی ہے حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے اس فرمان کا کہ ''**ہمارا یہ علم قرآن وسنت کا پابند ہے۔**'' اس کا وہ معنی نہیں جو پردے میں پڑے اہلِ غفلت کے نزدیک ہے کہ ''ولایت کے لئے علما ومشائخ کے پاس پڑھنا اور وہ علومِ ظاہرہ جو فہم وفراست کی بنیاد ہیں ان کا سیکھنا شرط ہے۔'' یہ معنی درست نہیں جیسا کہ اس کتاب اور دیگر کتابیں پڑھنے والے بہت سے لوگوں نے گمان کیا اور وہ ان اہلِ کشف واہلِ فیض، اُمّی اولیائے کرام کے کمالات کا انکار کرتے ہیں جو لکھتے اور پڑھتے نہیں یا جو ان کی مثل ہیں[2] کہ پڑھتے اور لکھتے تو ہیں مگر علمِ ظاہر کی طلب میں مشغول نہیں ہوتے۔ ہاں! رہنمائی کرنے اور لوگوں کا

---

[1] ......شرح الوصیة الیوسفیة للشیخ ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی.

[2] ......**قولہ: من الامیین الذین لا یقرأون ولا یکتبون ونحوھم.** اِمامِ اہلسنّت، مجدِّدِ اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''کالشیخ حماد الدین والشیخ ابراھیم المتبولی والشیخ علی الخواص والشیخ عبدالعزیز المغربی والشیخ عبدالرزاق البانسوی والشیخ داؤد الکبیربن ما خلا، التراجم فی الطبقات الکبرٰی، ص ۱۸۸ وجناب شیخ الاسلام احمد النامقی الجامی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کما فی نفحات الانس ص ۴۴۸ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم وکان **الاول** من شیوخ سیِّدُنا شیخ الانس والجن والمَلَک الغوث الاعظم رضی اللّٰہ تعالی عنہ و **الثانی** شیخ الامام احمد بن الخطیب القسطلانی شارح بخاری وصاحب المواھب اللدنیة و **الثالث** شیخ الامام العلامة عبد الوھاب الشعرانی و **الرابع** شیخ العلامة احمد سجلماسی صاحب کتاب الابریز و **الخامس** شیخ بحر العلوم ملک العلماء عبد العلی اللکنوی وابیہ ملا نظام الدین و **السادس** شیخ سیدی محمد وفی الشاذلی رحمھم اللّٰہ تعالی فسبحان من یعطی من یشاء ما یشاء. یعنی جیسے شیخ حماد الدین، شیخ ابراہیم متبولی، شیخ علی خواص، شیخ عبدالعزیز مغربی، شیخ عبدالرزاق بانسوی، شیخ داؤد کبیر بن ماخلا، (ان کا ذکر) ''التراجم فی الطبقات الکبری صفحہ 188'' (دارالفکر کے نسخے ''مطبوعہ 1999ء'' کے مطابق صفحہ 261 پر موجود ہے) اور جناب شیخ الاسلام احمد نامقی جامی رضی......

مقتدا بننے کے لئے ظاہری علوم کا سیکھنا شرط ہے تاکہ اسے قرآن وسنت سے مطابقت کا یقین ہوجائے اور اپنے کام میں صاحبِ بصیرت ہوجائے کیونکہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف دعوت دینے والے کی حالت ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ (پ۱۳،یوسف:۱۰۸) ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں۔

توفیق کا معنی ومفہوم:

باقی رہے وہ اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام جن کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے **دعوت اِلَى الله** (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف بلانے) کے کام پر مقرر نہیں فرمایا۔ اگر لوگ ان کی اجازت سے نہیں بلکہ اپنے اغراض ومقاصد کے لئے انہیں مشائخ بنانے پر متفق ہوجائیں تو پھر ان کے اولیا ہونے کے لئے قرآنِ پاک کے کلمات یاد کرنا اور احادیثِ نبویہ لکھنا شرط نہیں۔ بلکہ ان کے کشفی علوم (یعنی کشف سے حاصل شدہ علوم) کا علمِ ظاہر کے موافق ومطابق ہونا کافی ہے، جن کے موافق ہونے کی انہیں بھی خبر ہو اور اس کو بھی جو کشفی علم اور ظاہری علم میں موافقت کی پہچان رکھتا ہو اور کوئی جاہل وقاصر شخص انکار کرے تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ قرآن وسنت سے مقصود ان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے نہ کہ صرف ان کا علم حاصل کرنا۔ تو جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سکھانے سے اس ولی نے مقصود کو پالیا تو مرادِ الٰہی حاصل ہوگئی۔ لہٰذا علمِ باطن کی معرفت کے لئے علومِ قرآن وسنت میں مہارت کو فرض قرار دے کر دھوکا میں پڑ جانے والے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ''محض قرآن وسنت کے ظاہری علوم سیکھنے اور خود کچھ عمل کئے بغیر دوسروں کو نصیحت کرنے کے سبب صرف وہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے امر ونہی کو بجا لانے والے ہیں۔'' اور ایسے لوگ اگر کچھ عمل کر بھی لیتے ہیں تو احکامِ شرع میں زیادتی یا کمی کی بدعت کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ بہر حال ایسا گمان کرنے والے تاریکی کے وقت محض اپنی اغراض کو سلجھانے میں اپنے لئے رخصتوں کی

......اللہ تعالٰی عنہ ورضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں۔ جیسا کہ نفحات الانس صفحہ 448 (شبیر برادرز کے مترجم نسخے ''مطبوعہ دسمبر 2002ء'' کے مطابق صفحہ 390) میں ہے اور پہلے بزرگ حضرت سیِّدُنا شیخ الانس والجن والملک غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مشائخ میں سے ہیں۔ دوسرے صاحبِ **مواھب لدنیہ** و شارح بخاری امام احمد بن خطیب قسطلانی کے شیخ ہیں اور تیسرے حضرت علامہ امام عبدالوھاب شعرانی کے، چوتھے صاحبِ کتاب ''الابریز'' حضرت علامہ احمد (بن مبارک) سجلماسی کے، پانچویں بزرگ بحر العلوم ملک العلما حضرت علامہ عبدالعلی لکھنوی اور ان کے والدِ محترم ملا نظام الدین کے اور چھٹے حضرت سیِّدُنا محمد وفی شاذلی رحمہم اللہ تعالٰی اجمعین کے شیخ ہیں۔ **فسبحان من يعطى من يشاء ما يشاء**. یعنی پاک ہے وہ ذات جسے چاہے جو چاہے عطا کرے۔''

راہیں ہموار کرتے ہیں اوران نفوس قدسیہ کے منکر ہو جاتے ہیں جو علومِ قولیہ میں مشغول ہوئے بغیر محض اللہ عَزَّوَجَلَّ کی توفیق ، الہام اور کشف کے سبب اعمالِ صالحہ کے پابند ہیں۔ نیز یہ علمِ ظاہر والے ان چیزوں کے وجود کو محال سمجھتے ہیں سوائے یہ کہ ان ظاہری علوم کو ان سے سیکھا اور حاصل کیا جائے اور ان کی سیرت پر چلا جائے تو یہ سب مراتب حاصل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لفظ ''توفیق'' تو پڑھا مگر بندوں میں اس کے معنی کا انکار کر دیا کیونکہ توفیق کا معنی یہ ہے کہ '' اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عنایت سے بندوں میں ایسی اطاعت کا پیدا ہو جانا جو انہیں حق اور درست کے موافق کر دے۔ جیسا کہ سید التابعین حضرت سیِّدُنا اویس قرنی علیہ رحمۃ اللہ الغنی اور ان دیگر نفوسِ قدسیہ کا معاملہ ہے جو پڑھنا اور لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کو اولیا بنایا اور انہیں استاذ اور سیکھنے کے بغیر قرآن وسنت کے مطابق اعمالِ صالحہ کی توفیق دی اور یہ منکر لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں پر تجسس [1] کرتے ہیں حالانکہ تجسس کا حرام ہونا جانتے ہیں اور یہ مسلمانوں کی پردہ دری کرتے ہیں جبکہ اس کے حرام ہونے سے واقف ہیں۔ اور یہ بظاہر خطا کا احتمال رکھنے والے مؤمنین کے اَقوال واَفعال میں تاویل نہیں کرتے حالانکہ جس علم کے بل بوتے پر یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں پر تکبر کرتے ہیں اُس علم میں انہیں تاویل کا حکم دیا گیا ہے اور یہ منکرین اس علم کے سبب قیامت کے دن اپنی نجات اور جو ان کے علم کو نہ سیکھے اس کی ہلاکت کا یقین رکھتے ہیں۔

نیز حضرت مصنف (علامہ محمد آفندی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۸۱ھ) نے اس مقام پر اور دیگر مصنفین رحمہم اللہ المبین نے اپنی کتب میں شریعت کی خلاف ورزی کرنے اور اس کے احکام کو پس پشت ڈالنے والوں کی بغیر تعیین (یعنی بغیر خاص کئے) واضح طور پر برائی بیان کی ہے اور یہ منکرین ان کے اس کلام کے ساتھ بدگمانی کرتے ہیں اس طرح کہ انہوں نے تو اپنے کلام سے کسی کو خاص نہیں کیا مگر تم دیکھو گے کہ یہ منکرین ان کے کلام کو کسی مخصوص گروہ کے ساتھ خاص کر کے ان پر تہمت باندھتے، ان پر لعنت کرتے اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں اور اپنے اس عمل کو کتابوں کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''فلاں نے اپنی کتاب میں اس طرح کہا اور فلاں نے اپنی کتاب میں اس طرح کہا۔'' حالانکہ اُس ''فلاں'' نے تو ایسے شخص کے بارے میں کہا جو ان باتوں سے متصف ہوگا جبکہ حقیقتاً اس مصنف کے نزدیک سارے عالم کے لوگ ان باتوں سے بری ہوتے ہیں اور اگر کسی مصنف نے یوں کہا: ''ایسا برا شخص جو ہمارے زمانے میں موجود ہے۔''

[1] ......**تَجَسُّس کی تعریف:** لوگوں کے عیبوں اور چھپی ہوئی باتوں کے متعلق سوال اور تفتیش کرنے کو تجسس کہتے ہیں۔ (الحدیقۃ الندیۃ، ج۲، ص۳۰۰)

مگر حقیقتاً اسے نہیں جانتا تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں اور اسی طرح قرآن وسنت میں برائیوں اور گناہوں کی مذمت بغیر تعیین کے کی گئی ہے، کسی کو خاص کر کے نہیں کی گئی کیونکہ خاص کر دینا رسوائی، پردہ دری، بدگمانی اور تجسس ہے اور یہ ساری باتیں منکرین کے اُس علم میں حرام ہیں جس پر قائم ہونے کا وہ گمان کرتے ہیں۔

(2)......حضرتِ سیِّدُنا سَرِی سَقَطی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا فرمان:

حضرتِ سیِّدُنا ابوالحسن سری بن مغلس سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۵۳ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''(حقیقی صوفیائے کرام کے نزدیک) تصوُّف تین معانی (وصفوں) کا نام ہے **(۱)**......اس (صوفی) کا نورِ معرفت اس کے نورِ وَرَع کو نہ بجھائے **(۲)**......باطن سے کسی ایسے علم میں بات نہ کرے کہ ظاہرِ قرآن (یا ظاہرِ سنت)[1] کے خلاف ہو **(۳)**......کرامتیں اسے ان چیزوں کی پردہ دری پر نہ لائیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حرام فرمائیں۔''[2]

حضرتِ سیِّدُنا سَرِی سَقَطی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا مختصر تعارف:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرتِ سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے ماموں اور استاذ ہیں اور حضرتِ سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے مرید وشاگردِ رشید ہیں اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، تقویٰ و ورع، بلند رتبہ اَحوال اور علومِ توحید میں اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے[3]۔

دوسرے فرمان کی شرح

پہلے معنی کی وضاحت:

حضرتِ سیِّدُنا سَرِی سَقَطی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے تصوف کا پہلا معنی یہ ارشاد فرمایا کہ ''صوفی کا نورِ معرفت اس کے نورِ

---

1 ......﴿**قولہ: ضّ علیہ ظاھر الکتاب**... امامِ اہلسنّت، مجددِ اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''فی رسالۃ بعدہ والسنۃ. ۱۲ یعنی رسالہ قشیریہ میں اس کے بعد والسنۃ کا لفظ بھی ہے۔''﴾ (اس لئے ہلالین میں ''ظاہرِ سنت'' کا اضافہ کر دیا ہے۔علمیہ)

2 ......الرسالۃ القشیریۃ ،ابو الحسن سری بن المغلس السقطی، ص۲۸.

3 ...... حضرت سیِّدُنا **ابوالحسن سری بن مغلس سقطی** علیہ رحمۃ اللہ القوی کے مزید حالات جاننے کے لئے **''مکتبۃ المدینہ''** کی مطبوعہ **215** صفحات پر مشتمل کتاب **''شرح شجرہ قادریہ رضویہ عطّاریہ''** کے صفحہ **70** تا **72** کا مطالعہ فرمائیں۔

ورع کو نہ بجھائے۔'' وَرَع سے مراد یہ ہے کہ وہ بہر صورت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام کو بجالائے اور اس کی منع کردہ باتوں سے اِجتناب کرے۔ چنانچہ،

حضرتِ سیِّدُنا امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّہ'' میں فرماتے ہیں: ''وَرَع، شبہات کو ترک کرنے کا نام ہے۔'' (1)

حضرتِ سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ علیہ رحمۃ اللہ الوہاب فرماتے ہیں: ''ورع یہ ہے کہ انسان بغیر تأویل (یعنی کسی حیل وحجت کے بغیر) علم کی حد تک رہے۔'' (2)

صوفی کے دونوروں کا کمال:

صوفی وہی ہوتا ہے جو مذکورہ دونوروں کے ساتھ قائم ہو کیونکہ دل میں موجود ''نورِ معرفت'' کے ذریعے کائنات کے اَجسام واَعراض کے حقائق کھلتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حضوری کے مقامات اور اس کے اسماء وصفات کی تجلیات پر اِطلاع ملتی ہے اور جسم میں موجود ''نورِ وَرَع'' کے سبب بندہ پورے طور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکامات کو بجا لاتا ہے اور اس کی منع کردہ باتوں سے مکمل اِجتناب کرتا ہے۔ پس جب دونوں نوروں کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ ایک کی طرف توجہ کی جائے اور دوسرے سے غفلت برتی جائے تو اس وقت تصوُّف کا معنی فوت ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقت زائل ہو جاتی ہے۔

حُجَّۃُ الْاِسْلَام حضرتِ سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۵۰۵ھ) اپنی کتاب ''مِشْکٰوۃُ الْاَنْوَار'' میں ارشاد فرماتے ہیں: دل ایک گھر ہے جو فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہے اور غصہ وشہوت، حسد وتکبر وغیرہ جیسی بری صفات بھونکنے والے کتے ہیں۔ پس فرشتے کیونکر اس دل میں داخل ہوں گے جبکہ یہ (ایسے) کتوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ، تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نبوَّت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ''بے شک فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں کتا اور تصویر ہو۔'' (3)

(1) ......الرسالۃ القشیریۃ، باب الورع، ص۱۴۶.

(2) ......الرسالۃ القشیریۃ، باب الورع، ص۱۴۷.

(3) ......المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی طلحۃ زید بن سھل الانصاری، الحدیث: ۱۶۳۶۹، ج۵، ص۵۱۳.

(حضرتِ سیِّدُ نا امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں) مَیں یہ نہیں کہتا کہ لفظ ''گھر'' سے مراد دل اور کتے سے مراد غصہ اور دیگر بری صفات ہیں بلکہ مَیں کہتا ہوں کہ یہ اس بات پر آگاہ کرنا اور ظاہری معنی کو برقرار رکھتے ہوئے ظاہر سے باطنی معنی مراد لینا ہے۔ پس اسی قضیہ سے ہمارے اور فرقہ باطنیہ[1] والوں کے درمیان فرق ہوگیا۔ یہی عبرت حاصل کرنے کا طریقہ اور ائمہ ابرار (ہمارے پیشواؤں) کا مسلک ہے اور عبرت حاصل کرنے کا معنی یہ ہے کہ ''اس سے نصیحت پکڑو جو کسی دوسرے کے لئے بیان کیا جائے اور اسے اس کے ساتھ خاص نہ سمجھو۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں: بطورِ مثال بیان کی گئی اس بات سے یہ گمان نہ کرنا کہ ''میری طرف سے ظاہری معنی کو چھوڑنے کی اجازت ہے اور مَیں اس کو باطل قرار دینے کا عقیدہ رکھتا ہوں۔'' میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ''حضرتِ سیِّدُ نا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے پاس نعلین (جوتے) نہیں تھے اور انہوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان: ''فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ (پ۱۶، طٰہٰ:۱۲) ترجمۂ کنزالایمان: اپنے جوتے اتار ڈال۔'' پر عمل نہیں کیا۔'' اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ! مَیں ان باتوں سے بری ہوں کیونکہ ظاہری معنی کو باطل جاننا ''فرقہ باطنیہ'' کی رائے ہے اور اَسرار (یعنی باطنی معانی) کو باطل سمجھنا ''فرقہ حشویہ'' کا طریقہ ہے۔ لہٰذا جو شخص صرف ''ظاہر'' پر قائم رہے وہ حشوی اور جو محض ''باطن'' پر عامل ہو وہ ''باطنی'' ہے اور جو ظاہر و باطن دونوں کو جمع کرلے وہ کامل ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ ''قرآن پاک کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن اور ایک حد (یعنی مرادِ الٰہی کی انتہا) ہے اور ایک مطلع (یعنی معرفتِ الٰہی کا ذریعہ) ہے۔''[2] بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضرتِ سیِّدُ نا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام نے سمجھا کہ دونوں جوتے اتارنے کے حکم کا مطلب دونوں جہان کو خود سے دور کرنا ہے۔ تو آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام نے دونوں جوتے اتار کر ظاہری حکم پر عمل فرمایا اور دونوں جہان کو خود سے دور کر کے باطن پر عمل فرمایا۔ اسی کو اعتبار کہتے ہیں کہ ایک شے سے دوسری شئے تک جانا یعنی ظاہر سے باطن کی طرف جانا۔ اور ان دو افراد کے درمیان فرق ہے جن میں ایک اس فرمانِ مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کہ ''جس گھر میں کتا ہو فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔'' کو سننے کے باوجود اپنے گھر میں کتا رکھے اور یہ کہے کہ ''یہاں حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ دل کے گھر کو غضب کے کتے سے پاک رکھا جائے کیونکہ غضب اس معرفت سے رکاوٹ ہے

[1] ......شیعوں کا ایک فرقہ جو ظاہر قرآن کو چھوڑ کر اس کا باطن معنی لینے کے قائل ہیں۔ (حدوث الفتن و جهاد اعيان السنن(مترجَم)، ص۴۳)

[2] ......مسند ابی یعلی الموصلی، مسند عبداللّٰه بن مسعود، الحديث: ۵۱۲۷، ج۴، ص ۳۹۵.

جو ملائکہ کے انوار سے حاصل ہوتی ہے۔اس لئے کہ غضب عقل کو زائل کر دیتا ہے۔''

جبکہ دوسرا وہ شخص ہے جو اس حدیثِ پاک کے ظاہری حکم پر عمل بھی کرے اور پھر یہ کہے کہ ''یہاں کتے کی ممانعت اس کی ظاہری صورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی درندگی اور خونخواری کی وجہ سے ہے۔لہٰذا جو گھر جسم و بدن کی قیام گاہ ہے جب اسے کتے کی ظاہری صورت سے بچانا واجب ہے تو جو دل کا گھر، ذاتِ حقیقی کی تجلیات کا مرکز ہے اسے کتے کی بری خصلتوں سے بچانا بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔'' پس جس نے ظاہر و باطن دونوں کو جمع کیا وہی کامل ہے اور صوفیا کے اس قول کہ ''کامل وہ ہے جس کا نورِ معرفت اس کے نورِ وَرَع کو نہ بجھائے۔'' کا یہی معنی ہے۔[1]

مذکورہ ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ظاہری شریعت اور باطنی حقیقت دونوں کو جمع کرنا ہی کمال ہے اور حضرتِ سیِّدُ ناسَرِی سَقَطی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۵۳ھ) کے مبارک فرمان میں تصوُّف کا پہلا معنی یہی ہے۔

دوسرے معنی کی وضاحت:

حضرتِ سیِّدُ ناسَرِی سَقَطی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے تصوُّف کا دوسرا معنی یہ بیان فرمایا کہ ''باطن سے کسی ایسے علم میں بات نہ کرے کہ ظاہرِ قرآن (یا ظاہرِ سنت) کے خلاف ہو۔'' مطلب یہ ہے کہ صوفی پر لازم ہے کہ وہ اپنے نورانی علوم میں سے کسی علم میں ایسا کلام نہ کرے کہ وہ قرآنِ پاک کے ان معانی کے خلاف ہو جو ہر مکلّف پر ظاہر ہیں۔پس اگر ایسا کلام کیا جو قرآنِ پاک کے ظاہر کے خلاف نہ ہو تو وہ صحیح تصوُّف ہے اور اگر خلاف ہو تو وہ فاسد تصوُّف ہے۔پھر یہ کہ تصوُّف کی کون سی بات قرآن وسنت کے خلاف ہے اس کی پہچان ہر ایک کا کام نہیں، اس کا اہل صرف وہی ہے جو علمِ ظاہر اور علمِ باطن دونوں کا محقق ہو۔اس لئے کہ اگر دونوں علموں میں درجہ کمال سے قاصر کسی شخص نے تصوُّف کی باتوں اور قرآن وسنت میں اختلاف ثابت کیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اسے باطنی حقائق اور شریعت کے ظاہری احکام میں تطبیق دینے کی پہچان حاصل نہیں ہوتی۔خاص طور پر جب وہ صوفیائے کرام کی گفتگو اور موقع کی مناسبت سے استعمال کی جانے والی اصطلاحات سے ناواقف ہو۔مثال کے طور پر حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کا یہ قول کہ ''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ'' (ترجمہ آگے حاشیہ میں ملاحظہ کیجئے۔)[2] اگر کسی ایسے شخص کے سامنے پیش کیا جائے

---

[1] ......مجموعة رسائل الامام الغزالی،مشکاة الانوار،الفصل الثانی فی بیان مثال المشکاة والمصباح ......الخ، ص۲۸۳۔

[2] ......قوت القلوب،ج۲،ص۱٤٤. احیاء علوم الدین،کتاب العلم،الباب الخامس فی......الخ،ج۱،ص۷٤.

جو صوفیائے کرام کی اصطلاحات نہ جانتا ہو اور نہ ہی علمِ ظاہر و باطن میں کوئی تحقیق رکھتا ہو تو اس کے نزدیک یہ قول قرآن کے ظاہر کے خلاف ہوگا کیونکہ وہ یہی سمجھے گا کہ یہ خدائی کا دعوٰی ہے (مَعَاذَاللہ عَزَّوَجَلَّ)۔ جبکہ حضرتِ سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّس سِرُّہُ الرَّبَّانی عارفِ ربّانی اور کاملِ صَمَدانی تھے۔ لہٰذا اس قول کے معنی کی ایسی شرح و وضاحت کے لئے جو ظاہرِ قرآن کے خلاف نہ ہو، ایسے عالم کا ہونا ضروری ہے جو ظاہر و باطن دونوں علوم کا محقق ہو اور دونوں فریقوں کی اِصطلاحات سے خوب واقف ہو۔

سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ کا معنی و مفہوم:

حضرتِ سیِّدُنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) کی بعض کتب میں ہے: ''اس کا معنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی حد درجہ پاکی بیان کرنا ہے اور یہ پاکی پر پاکی ہے۔ پس جب انہوں نے اپنی طرف سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پاکی اور تسبیح بیان کرنے کو از روئے مخلوق ہونے کے اپنی استعداد کے مطابق بہت بلند دیکھا جبکہ حق تعالیٰ اعظم و اجل ہے۔ تو انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ان کی حسبِ استعداد، حق تعالیٰ نے ان کے لئے ظہور فرمایا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ حق مطلق کی بارگاہِ تجلی میں ان کی استعداد ان کے لئے ظاہر ہوئی تو انہوں نے جان لیا کہ ان کا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پاکی بیان کرنا، تجلی مطلق کے آئینے میں ان پر ظاہر ہونے والی استعداد کی انتہا کی طرف راجع ہے۔ تو انہوں نے اس تسبیح کو فی نفسہ اپنی استعداد کی طرف لوٹا دیا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پاکی بیان کرنے کے معاملہ میں تسبیح سے رک گئے۔ اور یہ کہا: ''سُبْحَانِیْ'' پھر جب انہوں نے تجلی مطلق میں تمام پاکی بیان کرنے والوں کی استعداد کو دیکھا اور اپنی استعداد کو سب سے بڑھ کر اور کامل پایا تو کہا: ''مَا اَعْظَمَ شَانِیْ'' اور اس اعتبار سے حضرتِ سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّس سِرُّہُ النُّوْرَانِی کا قول قرآنِ پاک کے موافق ہے، اس کے خلاف نہیں[1] اور ان کے کلام کی وضاحت کے لئے اس مقام کے مناسب اتنی گفتگو کافی ہے۔

---

[1] ...... مجددِ اعظم، سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) اس کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''حضرتِ سیِّدُنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال و نظائر (یعنی ان جیسے دیگر اولیا) رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقت وُرُودِ تجلّیٔ خاص (یعنی خاص تجلی وارد ہونے کے وقت) شجرۂ موسیٰ ہوتے ہیں سیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم کو درخت میں سے سنائی دیا: ''یٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (یعنی) اے موسیٰ! بیشک میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا۔'' کیا یہ ہر پیڑ (یعنی درخت) نے کہا تھا؟ حاشا للہ (یعنی ہرگز نہیں) بلکہ واحد قہار (اللہ عَزَّوَجَلَّ) نے جس درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی کیا ربُّ العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب ''بایزید'' پر نہیں؟ نہیں نہیں! وہ ضرور تجلّیٔ رَبانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم (یعنی کلام فرمانے والا)......

معلوم ہوا کہ جب زمانے کے عارفین میں سے کوئی اس طرح کا کلام کرے تو چاہئے کہ اس کا کلام اُن اہلِ معرفت کے سامنے پیش کیا جائے جو ظاہر و باطن دونوں علموں کے جامع ہوں ۔ بے شک یہی حضرات اس کے ایسے معنی جانتے ہیں جو قرآنِ پاک کے خلاف نہیں ہوتے اور رسمی علم رکھنے والے وہ علما جو صرف ظاہری علوم ہی جانتے ہیں اور باطنی معنی سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اگر ان کے نزدیک صوفیائے کرام کا کلام بظاہر قرآنِ پاک کے خلاف بھی ہو تو ان کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ لوگ صوفیائے کرام کے اشارات اور عرفانی کمالات والوں کی عظمت و بزرگی سے بے خبر ہیں ۔ ان ظاہر بین علما کے علم کی انتہا یہی ہے کہ کلمات کو اعراب کے مطابق ادا کر کے لغوی معنی کے اعتبار سے بات کر لیں ۔ مگر وضع خاص جسے اصطلاح کہتے ہیں، کو جاننے سے محروم ہیں اور یوں کامل ہستیوں کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں حالانکہ خود ناقص وادھورے ہوتے ہیں اور اہلِ حق کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہوتے ہیں جبکہ خود شعور نہیں رکھتے ۔ کیونکہ ہر میدان کا ایک خاص طریقہ ہوتا ہے اور ہر طریقہ کے لئے خاص لوگ ہوتے ہیں اور اس کی ایک مثال حضرتِ سیِّدُ نا شیخ ابوالغیث بن جمیل علیہ رحمۃ اللہ الوکیل کے کلام میں ملتی ہے ۔ چنانچہ،

ایک مرتبہ حضرتِ سیِّدُ نا شیخ ابوالغیث بن جمیل علیہ رحمۃ اللہ الوکیل کے پاس فقہا کی ایک جماعت آئی تو آپ رحمۃ اللہ

......اللہ عَزَّوَجَلَّ تھا، اسی نے وہاں فرمایا: یٰمُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (ترجمہ: اے موسیٰ! میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا ۔ ت) اسی نے یہاں بھی فرمایا: ''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ (ترجمہ: میں پاک ہوں اور میری شان بلند ہے ۔ ت) ۔''

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''حضرت مولوی قُدِّسَ سِرُّہُ الْمَعْنَوِی نے ''مثنوی شریف'' میں اس مقام کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور تسلطِ جن سے اس کی توضیح کی ہے کہ انسان پر ایک جن مسلط ہو کر اس کی زبان سے کلام کرے اور رب عَزَّوَجَلَّ اس پر قادر نہیں کہ اپنے بندے پر تجلی فرما کر کلام فرمائے جو اس کی زبان سے سننے میں آئے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور معترض کا اعتراض باطل ۔ اس کا فیصلہ خود حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہو چکا ظاہر بینوں بے خبروں نے ان سے شکایت کی کہ ''آپ ''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ'' کہا کرتے ہیں ۔'' فرمایا: ''حاشا (یعنی ہرگز) میں نہیں کہتا ۔'' کہا: ''آپ ضرور کہتے ہیں ہم سب سنتے ہیں ۔'' فرمایا: ''جو ایسا کہے واجب القتل (یعنی اسے قتل کرنا واجب) ہے ۔ مَیں بخوشی تمہیں اجازت دیتا ہوں جب مجھے ایسا کہتے سنو بے دریغ خنجر مار دو ۔'' وہ سب خنجر لے کر منتظر وقت رہے ۔ یہاں تک کہ حضرت پر تجلی وارد ہوئی اور وہی سننے میں آیا: ''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ (یعنی) مجھے سب عیبوں سے پاکی ہے میری شان کیا ہی بڑی ہے ۔'' وہ لوگ چار طرف سے خنجر لے کر دوڑے اور حضرت پر وار کئے جس نے جس جگہ خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا اور حضرت پر خط (یعنی خراش) بھی نہ آیا ۔ جب افاقہ ہوا دیکھا لوگ زخمی پڑے ہیں ۔ فرمایا: ''میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا بجا ۔'' وَاللّٰهُ اَعْلَم

(فتاوی رضویه، ج ۱٤، ص ٦٦٥ ـ ٦٦٦)

تعالیٰ علیہ نے ان سے فرمایا: ''میرے غلام کے غلاموں کو خوش آمدید۔'' اس بات پر فقہا نے سخت اعتراض کیا اور ظاہری و باطنی علوم کے ماہر عالم حضرتِ سیِّدُنا شیخ اسماعیل حضرمی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے پاس جا کر اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے ارشاد فرمایا: ''ابوالغیث نے سچ فرمایا کیونکہ تم خواہش کے غلام ہو اور خواہش ان کی غلام ہے۔''

تیسرے معنی کی وضاحت:

حضرتِ سیِّدُنا سَرِی سَقَطی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے تصوُّف کا تیسرا معنی یہ ارشاد فرمایا کہ ''کرامتیں اسے ان چیزوں کی پردہ دری پر نہ لائیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حرام فرمائیں۔'' اس کی وضاحت یہ ہے کہ صوفی وہی ہوتا ہے جو کرامات کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ اشیاء کا اِرتکاب نہ کرے کیونکہ یہ کسی بات کے کرامت ہونے کے لئے شرط ہے پس اگر ان کے ذریعے کسی حرام شے میں جا پڑا تو یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے خفیہ تدبیر اور استدراج ہے نہ کہ کرامات۔ نیز ان کے سبب کسی حرام میں مشغول ہونے کو کسی صاحبِ تحقیق کی دقیق نظر ہی پہچان سکتی ہے۔ اس میں واصلین کے مقاصد سے قاصر لوگوں کے غور و فکر کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کامل ہستیوں کے افعال کو جاہلوں سے پوشیدہ فرما دیتا ہے اور کاملین کو اس اِرادے میں کوئی دخل نہیں ہوتا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ جو چاہے کرتا ہے۔

(3)......حضرتِ سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی کا فرمان:

حضرتِ سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے حضرتِ سیِّدُنا عمی بسطامی کے والد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما سے فرمایا: ''چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے خود کو ولایت کے ساتھ مشہور کر رکھا ہے۔'' وہ ایسا شخص تھا جس سے حصولِ برکت کی خاطر ہر طرف سے لوگ آتے تھے نیز وہ زہد و تقویٰ سے مشہور تھا۔ چنانچہ، زیارت اور حصولِ برکت کے لئے ہم بھی وہاں گئے۔ اس وقت وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف نکلا۔ قبل اس کے کہ کوئی بات ہوتی اتفاقاً اس نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ یہ دیکھ کر حضرتِ سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فوراً واپس آ گئے اور اسے سلام تک نہ کیا اور ارشاد فرمایا: ''یہ شخص رسولِ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے آداب میں سے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں تو پھر جس ولایت کا دعویٰ کرتا ہے اس پر کیا امین ہو گا۔''(1)

---

(1)......الرسالۃ القشیریۃ ،ابو یزید بن طیفور بن عیسی البسطامی، ص۳۸.

حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی کا مختصر تعارف:

حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید طیفور بن عیسٰی بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامی کے دادا شروع میں مجوسی تھے بعد میں اسلام قبول کرلیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تین بھائی تھے۔ حضرتِ سیِّدُ نا آدم، حضرت سیِّدُ نا طیفور (ابو یزید) اور حضرتِ سیِّدُ نا علی رحمہم اللہ تعالٰی۔ سب کے سب زہد وتقوٰی کی دولت سے مالا مال تھے اور حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید طیفور علیہ رحمۃ اللہ الغفوران سب سے زیادہ مقام ومرتبہ کے حامل تھے۔ ایک قول کے مطابق آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی وفات ۲۶۱ھ میں اور دوسرے قول کے مطابق ۲۳۴ھ میں ہوئی۔

تیسرے فرمان کی شرح

سوال:

کیا حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید علیہ رحمۃ اللہ المجید کے اُس شخص کے متعلق اس فرمان (اس نے خود کو ولایت سے مشہور کر رکھا ہے) میں مذمت تو ظاہر نہیں ہوتی نیز وہاں جا کر اسے دیکھنے میں تجسس تو نہیں پایا جا رہا؟

جواب:

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا فرمانا کہ ''اس نے خود کو ولایت سے مشہور کر رکھا ہے۔'' یہ مریدین کی تربیت کر کے انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف بلانے سے ''کنایہ'' ہے۔ پس اگر حقیقت میں یہ بلا ناحق و درست تھا تو قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہے اور اگر باطل تھا یعنی حق کے ساتھ نہ تھا تو قابلِ مذمت ٹھہرا اور جب دونوں احتمال موجود ہیں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید علیہ رحمۃ اللہ المجید نے اس شخص کی مذمت بیان کی۔ کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی برائی کا اِرادہ نہیں کیا تھا۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ خفیہ عبادت کو بہت زیادہ پسند کرتے اور شہرت آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے طریقہ کے خلاف تھی، اس لئے ایسا کلام فرمایا۔ نیز آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو اس شخص کے بارے میں وہ تجسس نہ تھا جس کی شریعت میں ممانعت ہے۔ کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس شخص کی صحبت اور ملاقات سے نفع اٹھانے کی خاطر اس کے کمالات کے ظہور کا ارادہ فرمایا تھا۔ اس کے عیبوں کو ظاہر کرنے کا اِرادہ نہیں تھا۔

ولی ہر حکمِ شرع کی حفاظت کرتا ہے:

حضرتِ سیِّدُنا ابو یزید بسطامی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے اس شخص کے قبلہ کی طرف تھوکنے پر ارشاد فرمایا کہ ''یہ شخص حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے آداب میں سے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں۔'' یہ اس لئے فرمایا کہ اس شخص نے قبلہ (یعنی خانہ کعبہ) کی توہین کی کہ جس کی طرف رخ کرنے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نماز کے صحیح ہونے کی شرط قرار دیا۔ حدیثِ پاک میں پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا گیا۔ حضرات علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے بوقتِ نینداور بحالتِ بیداری اس کی طرف پاؤں پھیلانے کو مکروہ فرمایا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کا طواف اور اُس طواف کے لئے طہارت کو واجب فرمایا اور عظمت و شرف عطا کرنے کے لئے اسے ''بَیْتُ اللّٰہ'' (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا گھر) قرار دیا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حضور نبی رحمت، شفیع امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے آداب یہی ہیں کہ جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عزت بخشی اسے عزت دی جائے اور جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ذلیل کیا اسے عزت نہ دی جائے۔ جیسے کفر، کُفّار اور ان کی باطل عبادات کی جگہیں (مثلاً: گرجا، مندر، گردوارہ اور بت خانہ) وغیرہ۔

آدابِ شریعت کا پہرہ:

حضرتِ سیِّدُنا شیخ محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ ھ) ''شَرحُ الْیُوسُفِیَّۃ'' میں فرماتے ہیں: جب ہم امت میں کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو یہ دعویٰ رکھتا ہو کہ وہ بصیرت پر قائم رہ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف دعوت دینے کے مقام پر فائز ہے۔ اگرچہ اس سے خلافِ عادت باتیں ظاہر ہوں جو عقلوں کو حیران کر دیں اور وہ کہتا ہو کہ ''یہ معاملہ میرے ساتھ خاص ہے۔'' مگر وہ شریعت کے آداب میں سے کسی ایک ادب سے خالی ہو تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ ایسا شخص نہ تو حق پر ہے اور نہ ہی پیروی کے لائق۔ کیونکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اسرار (یعنی رازوں) پر امین نہیں۔ اس کے اسرار پر امین وہی ہو سکتا ہے جس کے علم و عمل پر آدابِ شریعت کا پہرہ ہو۔ لیکن اس کے لئے عقل کا سلامت ہونا شرط ہے۔ تو اگر کسی شخص کی عقل زائل ہو جائے تو اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اس کی پیروی نہ کی جائے اور وہ سعادت مند ہے کیونکہ وہ عقل کے سلب ہونے کے وقت اس بوڑھے کی طرح ہوتا ہے جسے موت آ گئی۔ تو جس طرح اس بوڑھے کی روح اس کی موجودہ حالت پر قبض ہوئی ہے ایسے ہی اس شخص کی عقل موجودہ حال پر سلب کر لی گئی۔

لہٰذا اس کی سعادت مندی، میت کی سعادت مندی کی طرح باقی رہتی ہے اور اذیت و تکلیف کے خاتمے کے سبب اس کے نفسِ ناطقہ کے لئے جسم میں کوئی تدبیر نہیں رہتی اور وہ دیگر حیوانات کی مثل ہو جاتا ہے جسے اس کی حیوانی روح گھماتی پھراتی ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے مکلّف (یعنی شریعت کا پابند) نہیں بنایا جس طرح مردے کو مکلّف نہیں بنایا چہ جائیکہ وہ سعادت مند ہوتے ہیں۔

مجذوب بزرگوں کے متعلق عقیدہ:

پس جو باتیں ہم نے بیان کی ہیں انہیں سمجھ کر سعادت مند بن جاؤ۔ اس لئے کہ یہ وہ حال و مقام ہے کہ اکثر اہلِ طریقت بھی اس سے ناواقف ہیں تو پھر عام فقہا کی کیا حالت ہوگی۔ جب یہ فقہا ہماری بیان کردہ باتوں کی معرفت حاصل کرلیں گے تو انہیں انکار کی گنجائش نہ رہے گی۔ یہ اس کی طبعی حرکات مثلاً کھانے، پینے اور نکاح وغیرہ کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ''جب یہ کھانا، پینا، سونا اور ان جیسے دیگر امورِ بشریہ سرانجام دیتا ہے تو اسے نماز بھی پڑھنی چاہئے۔'' ایسا کہنے والوں نے اس کی ظاہری صورت دیکھ کر حکم لگایا اور یہ نہیں جانتے کہ یہ انسانی صورت میں حیوان ہے اور مُردوں کی طرح اس کا نفسِ ناطقہ بھی برزخ کی طرف منتقل ہو گیا ہے اگرچہ اس نفس کا اپنے جسم سے کچھ تعلق ہے۔ لہٰذا جو اُس مدتِ معینہ تک پہنچ جاتا جو ہر حیوان میں موجود روحِ حیوانی کے لئے مقرر ہے تو اسے موت آجاتی ہے کیونکہ موت تو صرف حیوان کے لئے ہے نہ کہ انسان کے لئے سوائے یہ کہ وہ انسان حیوان ہو۔ اس بات کو خوب سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ مجذوب بزرگوں کے اہل اللہ ہونے کا اعتقاد رکھا جائے گا اور ان کی اقتدا و پیروی نہیں کی جائے گی۔ صرف ان اہل اللہ کی اقتدا و پیروی جائز ہے جن کی عقل سلامت ہو۔ (1)

اسرارِ الٰہی پر امین کون ہوتا ہے؟

حضرتِ سیِّدُنا ابویزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے اس شخص کے قبلہ کی طرف تھوکنے پر فرمایا کہ ''یہ شخص رسولِ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے آداب میں سے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں تو پھر جس ولایت کا دعویٰ کرتا ہے اس پر کیا امین ہوگا۔'' یہ اس لئے فرمایا کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے اسرار و انوار پر صرف اسی کو امین بناتا ہے جس کو پہلے اچھے

---

(1)......شرح الیوسفیة للشیخ محی الدین ابن العربی علیه رحمة الله القوی.

اخلاق اور آدابِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِہَاالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام پر امین بنایا ہو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ خوب جانتا ہے کہ کسے اپنی ولایت عطا فرمانی ہے۔ نیز شے کو اس کی جگہ میں رکھنا حکمت کہلاتا ہے اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے افعال کو لازم ہے کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور حرمت کو پامال اور ادب کو ترک کرنے والے شخص کو ولایت وکمال عطا کرنا ہرگز حکمت نہیں بلکہ حکمت تو ایسے شخص کے لئے بجائے ثواب کے سزا کا تقاضا کرتی ہے یا بجائے تعریف کے اس سے درگذر کا تقاضا کرتی ہے۔

سوال:

ممکن ہے کہ اس شخص کا قبلہ رخ تھوکنا جان بوجھ کر نہ ہو بلکہ غلطی اور غفلت کی وجہ سے ہو تو حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے اس کی ولایت کا انکار کیوں فرمایا اور اس کے فعل کو اچھی بات پر محمول کیوں نہ کیا جبکہ شریعت میں ثابت ہے کہ غفلت پر گناہ نہیں ہوتا؟

جواب:

مَیں (یعنی علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی) کہتا ہوں کہ حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے اس کی ولایت کا انکار کیا مگر آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس پر گناہ اور فسق کا حکم نہیں لگایا اور نہ ہی اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ ''اس نے مکروہ عمل کیا۔'' اور یہ اسی لئے کہ ہوسکتا ہے اس سے خطا وبھول ہوئی ہو جس پر مؤاخذہ نہیں نیز مسلمان کے قول وفعل کو جہاں تک ہوسکے اچھائی پر محمول کرنا چاہئے اور حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے تو صرف اس شے کی نفی فرمائی جس کا وہ زبانِ حال سے دعویٰ کرتا تھا کہ **''وہ ولایت ومقامِ قرب سے لوگوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف بلاتا ہے۔''** اور یہ نیکی وتقویٰ اور دیانت سے اوپر ایک زائد شے ہے جس کا ثبوت ایسی علامت سے ہوتا ہے جو اس زائد شے پر دلالت کرتی ہو اور حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی کے نزدیک اس شخص میں ایسی علامت نہیں پائی گئی تو آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے طعن وتشنیع اور نقص نکالے بغیر اسے اُس ولایت کی طرف منسوب نہ کیا جس کی وہ شہرت رکھتا تھا اور آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا فرمانا کہ ''یہ شخص رسولِ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے آداب میں سے ایک ادب پر امین نہیں ہے۔'' یہ تو ایک بات سے آگاہ کرنا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسے حقیر جانا اور اس کی خامی

تلاش کی اور حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی جیسے عظیم بزرگ سے کسی مسلمان کی تحقیر ہر گز متصور نہیں۔''

﴿اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ان پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو، امین بجاہ النبی الامین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم﴾

(4)......حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی کا فرمان:

حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید طیفور بن عیسٰی بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے ہی ایک موقع پر ارشاد فرمایا: ''اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ کرامات دیا گیا ہو حتی کہ وہ ہوا پر چارزانو بیٹھ جائے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی (یعنی فرض وواجب اور حرام ومکروہ)، حدودِ الٰہی اور آدابِ شریعت[1] کی حفاظت میں اس کا حال کیسا ہے۔''[2]

چوتھے فرمان کی شرح

محض کرامات ولایت کی دلیل نہیں:

حضرتِ سیِّدُ نا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ''اے لوگو! اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو ولی ہونے کا دعویدار ہو اور وہ کرامات دیا گیا ہو مثلاً پانی پر چلتا ہو، مردوں کو زندہ کرتا ہو، طویل ترین سفر قلیل وقت میں طے کر لیتا ہو اور ہوا پر چارزانو بیٹھ جاتا ہو جو کہ پانی پر چلنے سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔ الغرض محض ان کرامات کے سبب اس سے فریب نہ کھانا یعنی ان کاموں کو دیکھ کر اسے ولی نہ سمجھ بیٹھنا اور نہ ہی اسے بارگاہِ الٰہی میں بلند رتبہ خیال کرنا۔ کیونکہ ہوسکتا ہے یہ اس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر ہو یا استدراج ہو۔ اس حیثیت سے کہ وہ بھی اس سے بے خبر ہو اور تمہیں بھی علم نہ ہو۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ (پ۹، الاعراف: ۱۸۲)

ترجمۂ کنزالایمان: جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی۔

---

[1] ......﴿**قولہ: واداء ش...** یہاں عربی متن میں ''**اداء الشریعۃ**'' کے الفاظ ہیں۔ چنانچہ، امام اہلسنّت، مجددِ اعظم سیِّدُ نا اعلٰی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''**الظاھر عندی انہ آداب عطفا علی الحدود لکن کذلک ھو فی نسختی الرسالۃ القشیریۃ اداء بالھمزۃ. ۱۲** یعنی میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ یہاں لفظ ''اداء'' کے بجائے ''آداب'' ہے اور اس کا عطف (ماقبل مذکور) لفظ ''**الحدود**'' پر ہے۔ لیکن ''**الرسالۃ القشیریۃ**'' کے دونسخوں میں یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ ''اداء'' ہی ہے۔''﴾ (اس لئے ''**اداء الشریعۃ**'' کے بجائے ''**آداب الشریعۃ**'' کا ترجمہ کیا ہے۔ علمیہ)

[2] ......الرسالۃ القشیریۃ، ابو یزید بن طیفور بن عیسی البسطامی، ص۳۸ "تربع" بدلہ "یرتقی".

یا ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اس کے ساتھ استہزا اور **سخریہ** ہو (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰہُ یَسْتَہْزِئُ بِہِمْ وَ یَمُدُّہُمْ فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ ﴿۱۵﴾ (پ۱، البقرۃ:۱۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

﴿۲﴾

سَخِرَ اللّٰہُ مِنْہُمْ ۫ (پ۱۰، التوبۃ:۷۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا۔

حدودِ الٰہی سے مراد:

ولایت کا دعویٰ رکھنے والے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حدود کی پاسداری بھی لازم ہے اور حدود سے مراد وہ مقداریں ہیں جن کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے مکلّف بندوں کے لئے عبادات اور معاملات میں مقرر فرمایا ہے۔ مثلاً طہارت کے لئے پانی اور وضو و غسل میں دھوئے جانے والے اعضاء کی مقدار، نماز کے اوقات اور اس کی حرکات (یعنی رکوع و سجود وغیرہ) کی تعداد اور تمام عبادات اور ان کے اوقات۔ نیز جائز و ناجائز معاملات کی مقداریں اور عقائد، واقعات اور مواعظ کی کیفیات وغیرہ۔ ان تمام چیزوں میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور کرامات دکھانے والے مدعیٔ ولایت کے لئے پابندِ شریعت ہونا بھی لازم ہے۔ اس طرح کہ ہر وہ بات جو علم و عمل یا امر و نہی یا خبر دینے میں سچا ہونے کے اعتبار سے شریعت میں مطلوب ہو بجالائے۔ پس جب تک کہ تم ایسے شخص کو نگاہِ یقین اور انتہائی تحقیق کے ساتھ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی، حدودِ الٰہی کی حفاظت اور شریعت پر عمل میں اس کا حال کیسا ہے تو اسے ولی نہ سمجھو۔

مدعیٔ ولایت کی تحقیق:

ولایت کا دعویٰ رکھنے والے کی تحقیق اصل کے اعتبار سے ہو اور وہی درست ہوتی ہے کیونکہ وہ یقین اور کھلا ہوا حق ہے جس میں کوئی شک یا وسوسہ نہیں ہوتا پس مومن یقینی طور پر مومن ہے اور کافر یقینی طور پر کافر اور اسی طرح فاسق یقینی طور پر فاسق ہے اور صالح یقینی طور پر صالح اور اس بات میں صرف کمزور دل، بصیرت سے محروم اور ٹیڑھے پن اور کوتاہیوں کے شکار افراد ہی کو شک و تردد ہوتا ہے۔ لہٰذا جس شخص سے فسق کو لازم کرنے والی مخالفت جو تاویل کا احتمال

نہ رکھتی ہو اگر پورے طور پر ظاہر نہ ہو اور اس میں کسی قسم کا تجسس نہ کیا گیا ہو تو وہ فاسق نہیں بلکہ وہ صالحین میں سے اہلِ عافیت یا اہلِ تہمت کے زمرے میں ہوتا ہے۔

تحقیق میں احتیاط:

ولایت کا دعویٰ رکھنے والے کو نگاہِ یقین سے دیکھنے اور تحقیق کرنے میں یہ لازم ہے کہ تم اس کے بارے میں تجسس کو ترک کر دو اور ان شیطانی وسوسوں سے خود کو بچائے رکھو جو شیطان اس شخص کے متعلق تمہارے دلوں میں ڈالتا ہے نیز صرف لوگوں سے سن کر فیصلہ نہ کرو۔ سوائے یہ کہ حاکمِ شرعی کے ہاں شرعی تقاضوں کے ساتھ اس کا ثبوت پیش کر دو تو اس صورت میں تم اس کے ظاہر سے تو واقف ہو جاؤ گے مگر حقیقت تک نہیں پہنچ پاؤ گے لہٰذا اس وقت صرف ظاہر کا انکار کرو، حقیقت کا انکار نہ کرو۔

ہر شخص تحقیق نہیں کرسکتا:

حضرتِ سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے یہ جو فرمایا کہ ''کرامات دکھانے والے سے فریب نہ کھانا جب تک اس کے اعمال کو شرعی لحاظ سے نہ دیکھ لو۔'' اس سے مراد ہر کسی کا دیکھنا اور تحقیق کرنا نہیں بلکہ صرف وہی شخص تحقیق کرسکتا ہے جو موجودہ زمانے میں پائے جانے والے چاروں مذاہب (یعنی فقہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) اور ان کے علاوہ تمام صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والوں کے اجماعی اور اختلافی تمام مسائل کا علم رکھتا ہو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے وہ ولی اپنے اس عمل میں کسی ایسے مذہب (یعنی فقہ) کی تقلید (یعنی پیروی) کرتا ہو جس میں وہ مسئلہ اپنی جمیع شرائط کے ساتھ ثابت ہو۔ تو اس نے اس پر عمل کیا۔ پس اس عمل کا انکار جائز نہیں [1]۔ چنانچہ،

[1] ......مجددِ اعظم، سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ)، حضرت سیِّدُنا امام عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کی کتاب ''اَلْمِیْزَانُ الْکُبْرٰی'' سے نقل فرماتے ہیں: ''یعنی مقلد پر واجب ہے کہ خاص اسی بات پر عمل کرے جو اس کے مذہب (یعنی فقہ) میں راجح ٹھہری (یعنی فوقیت رکھتی) ہو ہر زمانے میں علماء کا اسی پر عمل رہا ہے **البتہ جو ''ولی اللہ'' ذوق و معرفت کی راہ سے اس مقامِ کشف تک پہنچ جائے کہ شریعت مطہرہ کا پہلا چشمہ (یعنی جہاں سے شریعت جاری ہوئی) جو سب مذاہب ائمہ مجتہدین کا خزانہ ہے، اسے نظر آنے لگے وہاں پہنچ کر وہ تمام اقوال علما کو مشاہدہ کرے گا کہ ان کے دریا اسی چشمے سے نکلتے اور اسی میں پھر آ کر گرتے ہیں ایسے شخص پر تقلیدِ شخصی لازم نہ کی جائے گی کہ وہ تو آنکھوں (سے) دیکھ رہا ہے کہ سب مذاہب چشمہ اولیٰ سے یکساں فیض لے رہے ہیں۔**'' (المیزان الکبری، فصل فان قالقائل......

حضرتِ سیِّدُنا شیخ عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی۱۰۳۱ھ) ارشادفرماتے ہیں: حضرتِ سیِّدُنا امام فخر الدین رازی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی۶۰۶ھ) نے اس بات پر علمائے محققین کا اجماع نقل فرمایا ہے کہ عوام کو سربرآوردہ بڑے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تقلید منع ہے۔ البتہ! اگر فقہا میں سے کوئی عالی مرتبہ خود اپنے کسی عمل میں ائمۂ اربعہ (یعنی امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے علاوہ کسی اور کی تقلید کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہو کہ ''اس مسئلہ کی نسبت اس کی طرف درست ہے جس کی تقلید کر رہا ہے۔'' اور یہ بھی شرط ہے کہ ''اُس نے اس تقلید کے جائز ہونے کی تمام شرائط کو اپنے اندر جمع کرلیا ہو۔''[1]

اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ہوسکتا ہے وہ ولی خود مجتہد ہو اور ایسے دلائل کو جانتا ہو جن کو اس کے علاوہ دوسرے نہ جانتے ہوں اور اجتہاد تو قیامت تک باقی ہے۔ نیز جس میں اجتہاد کی شرائط جمع ہو جائیں اس پر ان شرائط کو بیان کرنا لازم نہیں اور اللہ والے عارفین رحمہم اللہ المبین کے نزدیک اجتہاد کی شرائط، ان شرائط سے جدا ہیں جو علمائے ظاہر میں سے اہلِ اصول کی شرائط ہیں جیسا کہ مَیں (یعنی علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی) نے اپنی کتاب ''**لَمَعَاتُ الْبَرقِ النَّجدِی شَرحُ تَجَلِّیَاتِ مَحمُود آفَندِی**'' میں نقل کیا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی یقینی طور پر ولی اللہ سے شریعت کی مخالفت کو نہیں پہچان سکتا اور ولی نے جو عمل نہیں کیا ہوتا جاہل محض اپنی جہالت کے سبب اس کو برا کہتا ہے اور یوں جس بات کی پہچان نہیں رکھتا اس میں پڑنے کی وجہ سے اور مجتہد کا وہ حکم جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے باقی رکھا اس کے انکار کی وجہ سے گناہگار ٹھہرتا ہے۔ جبکہ ولی کو ثواب دیا جاتا ہے اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

...... فھل یجب......الخ، ج۱، ص۱۱ ملخصًا) اس کے بعد سیّدی اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحْمَۃُ رَبِّ الْعِزَّت نے فرمایا: ''یہاں سے ثابت کہ جو پایۂ اجتہاد نہ رکھتا ہو نہ کشف وولایت کے اس رتبۂ عظمیٰ (یعنی بلند مقام) تک پہنچا اس پر تقلیدِ امامِ معین (یعنی خاص ایک امام کی تقلید) قطعاً واجب ہے اور اسی پر ہر زمانے میں علما کا عمل رہا، یہاں تک امام حُجَّۃُ الْاِسْلَام محمد غزالی قُدِّسَ سِرُّہُ الْعَالِی (متوفی۵۰۵ھ) نے کتاب مستطاب ''کیمیائے سعادت'' میں فرمایا: ''مخالفت کردن صاحب مذہب خویش نزدیک ہیچکس روا نبود۔ (ترجمہ) اپنے صاحبِ مذہب (یعنی اپنے فقہی امام) کی مخالفت کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔'' اور اس پر حاشیہ میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) میں کہتا ہوں: ان کی مراد تقررِ مذاہب (یعنی چاروں فقہ کے مقرر ہونے) اور ظہورِ تقلیدِ معین ائمہ (یعنی چار اماموں کی تقلید کے ظاہر ہونے) کے بعد کا اجماع ہے کیونکہ یہی صحیح ہے عام لوگوں اور اصحابِ مذاہب کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہے جیسا کہ واضح ہے اور دعویٔ اتفاق (یعنی کسی بات پر سب کے متفق ہونے کے دعوی) میں شاذ و نادر (یعنی جو کم ہو اس) کا اعتبار نہ کرنا کثیر و مشہور ہے جیسا کہ صاحبِ بصیرت (یعنی عقلمند آدمی) پر مخفی (یعنی پوشیدہ) نہیں۔'' (فتاوی رضویہ، ج۶، ص۷۰۴۔۷۰۵)

[1] ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۲۸۸، ج۱، ص ۲۷۲.

کامل پیر پر اعتراض فیض سے محروم کر دیتا ہے:

حضرتِ سیِّدُ نا شیخ محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) اپنی کتاب ''شَرْحُ الْوَصِیَّۃِ الْیُوْسُفِیَّۃ'' میں فرماتے ہیں: اور مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کامل (یعنی کامل پیر) کے بارے میں جو بُرے خیالات اس کے دل میں آتے ہیں ان کو دور کرنے کی پوری کوشش کرتا رہے تا کہ اپنے شیخ کے فیض اور نفع سے محروم نہ رہے۔ کیونکہ شیطان مرید کے دل میں اس کے کامل پیر کے متعلق نفرت پیدا کرنے والے خیالات مسلسل ڈالتا رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فیض سے محروم بعض مریدین جب اپنے شیوخ یعنی پیرانِ عظام کا کوئی ایسا فعل دیکھتے ہیں تو ان پر اعتراض کرتے ہیں، بالخصوص اس وقت جب اس فعل پر ظاہرِ شریعت کا کوئی مقررہ حکم انہیں معلوم ہو اور خاص طور پر وہ شخص اعتراض کرتا ہے جو مذاہبِ اربعہ میں اس فعل کے حکم سے واقف ہو۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھتا کہ شیخ کامل سے یہ محال و ناممکن ہے کہ کوئی حکمِ شریعت بتانے یا مرید کی رہنمائی کے لئے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ شے کو حلال یا حلال کردہ شے کو حرام قرار دے یا جس شے کا حکم اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نہیں فرمایا اس کا حکم دے اور شیخ سے یہ بھی محال و ناممکن ہے کہ وہ کوئی ایسا کام حلال سمجھ کر کرے جس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی زبانِ اقدس کے ذریعے حرام فرمایا۔ کیونکہ ان نفوسِ قدسیہ (یعنی پیرانِ عظام) کے نزدیک وہ فعل حضور نبیِّ رحمت، شَفِیْعِ اُمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے کشف کے ذریعے بالمشافہ یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے الہام فرمانے یا ان کے دلوں میں القا فرمانے سے ثابت ہوتا ہے اور یہ القا اسی طریقہ کے مطابق ہوتا ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ان کے لئے مقرر ہے۔ یوں کہ ''اس معاملہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے جو حکم فرمایا ہے وہ اس طرح ہے نہ کہ اس طرح جیسا کہ چاروں فقہ یا ان کے علاوہ کسی اور فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔'' اگرچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس مجتہد اور اس کے مقلدین (یعنی پیروکاروں) کے لئے (ان کی فقہ میں موجود) متعلقہ مسئلہ کا حکم برقرار رکھتا ہے۔

مَیں (سیِّدُ نا شیخ اکبر علیہ رحمۃ اللہ الاکبر) خواب میں شہنشاہِ مدینہ، صاحبِ معطر پسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی زیارت سے مشرف ہوا تو عرض کی: ''یا رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! ایک عورت کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو کیا حکم ہے؟'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''وہ طلاقیں تین ہی ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ

باری تعالیٰ ہے: فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ (پ۲،البقرۃ: ۲۳۰) ترجمہ کنزالایمان: تواب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔''مَیں نے حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ اقدس میں عرض کی: ''قرآن وسنت کے ظاہر پر عمل کرنے والوں کی ایک جماعت کے نزدیک تو یہ ایک طلاق ہے۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''انہوں نے اس بات کا حکم دیا جواُن تک پہنچی اور وہ درست ہیں اور میرا حکم اس مسئلہ میں وہی ہے جو تم سے اس طویل خواب [1] میں بیان کر دیا۔'' پس مَیں (یعنی محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی) اس وقت سے تین طلاقوں کے بارے میں حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف سے یہی حکم بیان کرتا ہوں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''اور اس کشف کے ہوتے ہوئے شیخ کامل پر لازم نہیں کہ کسی امام کی اس کے اجتہاد میں تقلید کرے۔ جیسے کسی مسئلہ میں اپنے اجتہاد کے ہوتے ہوئے ایک مجتہد پر لازم نہیں کہ دوسرے مجتہد کی تقلید کرے اور کسی مجتہد کے لئے جائز نہیں کہ کسی بات کے واقع ہونے سے پہلے ہی بذریعہ اجتہاد اس کے متعلق حکم لگائے یعنی اس کا وقوع فرض کر کے حکم لگانا درست نہیں۔ پس جب واقع ہوگا تو مجتہد کی طرف سے وہ حکم متعین ہو جائے گا جو اس کا اجتہاد بتائے گا۔ پھر اگر وہ معاملہ دوبارہ پیش آئے اور اس کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کے حکم میں نیا اجتہاد ہوگا۔ اگر یہ پہلے حکم کے موافق ہو تو اس نئے اجتہاد سے اسی حکم پر فتویٰ دے اور اگر موافق نہ ہو یوں کہ پہلی بار کوئی اور حکم لگایا تھا تو اب وہ حکم لگائے جو دوسری بار ظاہر ہوا ہے، پہلا حکم لگانا جائز نہیں۔ باوجود یہ کہ اپنے وقت میں پہلا حکم صحیح و درست تھا لیکن اِس وقت میں درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتِ سیِّدُنا امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۷۹ھ) سے جب کسی مسئلے کا حکم پوچھا جاتا تو استفسار فرماتے: ''کیا یہ مسئلہ وقوع پذیر ہو چکا ہے؟'' اگر عرض کیا جاتا: ''جی ہاں۔'' تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس میں غور و فکر فرما کر فتویٰ ارشاد فرما دیتے اور اگر کہا جاتا کہ ''واقع تو نہیں ہوا مگر ہم نے فرض کیا ہے کہ اگر واقع ہو تو کیا حکم ہوگا؟'' تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بارے میں کوئی فتویٰ نہ

[1] ......﴿**قولہ: فی رؤیا طویلۃ..** امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) اس پر حاشیہ میں فرماتے ہیں: ''**فی آخرها انه لما كرر ذاك غضب رسول الله صلَّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم وقال استحلوا الفروج او كما قال صلَّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم. ۱۲** یعنی اس طویل خواب کے آخر میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے بار بار (ایک مجلس میں تین طلاقوں کا حکم) پوچھا تو رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم نے جلال میں آ کر ارشاد فرمایا: ''انہوں نے شرم گاہوں کو حلال ٹھہرا لیا ہے۔'' **اوکما قال** صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم۔﴾

دیتے۔سوائے یہ کہ وہ مسئلہ وقوع پذیر ہو جاتا۔پس اس امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوچ کو دیکھ کیسی اعلیٰ ہے۔

الغرض جب تم کسی مرید کو دیکھو کہ اپنے اجتہاد یا کسی امام کی تقلید میں اپنے نزدیک مقرر،شریعت کے پیمانے میں اپنے شیخ اور اس کے افعال کو تولتا ہے تو جان لو کہ وہ مرید کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔اسی وجہ سے حضرتِ سیِّدُنا شیخ علی کردی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اپنی وصیت میں حضرتِ سیِّدُنا یوسف بن ابراہیم شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کی زبانی یہ ارشاد فرمایا کہ ''یہ بات بھی گھٹیا خیالات میں شمار ہوتی ہے کہ (بندہ کہے) یہ تو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے میں لگا رہتا ہے۔''اور یہ کہنا کہ ''شیخ گناہ نہیں کرسکتا''تو یہ ایسی بات ہے جو کسی کے بھی حق میں قطعی طور پر نہیں کہی جاسکتی نہ شیخ کے حق میں اور نہ ہی اس کے غیر کے حق میں۔

حضرتِ سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی [1] سے عرض کی گئی:''کیا عارف گناہ کرسکتا ہے؟''تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:''اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کام مقرر تقدیر ہے۔''

لہٰذا مرید کو چاہئے کہ وہ شیخ کی صحبت اختیار کرتے وقت اسے گناہوں سے معصوم نہ سمجھے (کہ یہ انبیاء وملائکہ عَلَیْہِمُ السَّلَام کا خاصہ ہے) بلکہ محض اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے کا علم حاصل کرنے کے لئے صحبت اختیار کرے اور اس کے اَقوال و اَحکام میں نظر کرے نہ کہ اس کے افعال میں اور اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ حکم تو ارشاد فرمایا:''فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ (پ۱۴، النحل:۴۳) ترجمۂ کنزالایمان: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو۔''مگر ہمیں یہ حکم نہیں فرمایا کہ ان کے افعال کی پیروی کرو کیونکہ وہ گناہوں سے معصوم نہیں اور چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو گناہوں سے معصوم بنایا ہے،اس لئے ان کے تعلق سے ارشاد فرماتا ہے:

﴿۱﴾

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ۲۸،الممتحنۃ:۶) ترجمۂ کنزالایمان: بیشک تمہارے لئے ان میں اچھی پیروی تھی۔

---

[1] ......فتاوی رضویہ شریف میں یہ سوال جواب سید الطائفہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی کے حوالے سے اس طرح منقول ہے کہ ''وقد سئل سیدالطائفۃ جنیدالبغدادی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ھل یزنی العارف فاطرق ملبیاثم قال وکان امراللّٰہ قدرامقدورا (ترجمہ) سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کیا عارف گناہ کرسکتا ہے؟ آپ تلبیہ کہتے ہوئے چل پڑے اور کہا اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کا امر مقدر و مقرر ہو چکا ہے۔'' (فتاوی رضویہ، ج۶، ص۴۵۹)

﴿۲﴾

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ترجمۂ کنز الایمان: بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

(پ ۲۱، الاحزاب: ۲۱)

پس ہم رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے تمام اَفعال کی پیروی کریں گے سوائے ان اَفعال کے جو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ خاص ہیں۔ ہمیں ان پر عمل کرنا جائز نہیں اور جان لیجئے! یہ بات (کہ جو فعل کسی کے ساتھ خاص ہو غیر کو اس پر عمل جائز نہیں) اس بیماری کے لئے سب سے بڑی دواء ہے جو مرید کو شیطان کی طرف سے لگتی ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ خبیث نفس جب شیخ کو اس قسم کے افعال پر عمل کرتا دیکھتا ہے تو فوراً اس پر عمل کرتا ہے (حالانکہ وہ شیخ کے ساتھ خاص ہے) اور نفس طبعی طور پر کسی کا محکوم بن کر نہیں رہنا چاہتا۔ پس جب شیطان شیخ کے بارے میں کوئی گھٹیا خیال دل میں ڈالتا ہے تو اپنی ہلاکت کے لئے اسے قبول کر لیتا ہے سوائے یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کامل مرید کی حکایت:

ایک مریدِ صادق نے کسی شیخ کی صحبت اختیار کی اور شیخ کی خدمت میں لگ گیا۔ ایک دن اس نے اپنے شیخ کو کسی عورت سے بدکاری کرتے ہوئے دیکھ لیا، اس بات کا علم شیخ کو بھی ہو گیا کہ میرے مرید نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ شیخ نے دیکھا کہ مرید جیسی خدمت پہلے کرتا تھا اب بھی اسی طرح خدمت کر رہا ہے، اس میں کچھ بھی تبدیلی نہیں آئی۔ تو شیخ نے اس سے کہا: ''اے فلاں! مجھ سے جو واقع ہوا اسے دیکھنے کے باوجود تو ثابت قدمی کے ساتھ میری خدمت میں مصروف ہے؟'' تو اس سچے اور کامل مرید نے عرض کی: ''یاسیِّدِی! مَیں نے آپ کی صحبت اس لئے اختیار نہیں کی کہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں بلکہ مَیں نے صرف اس لئے آپ کی صحبت اختیار کی ہے کہ آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس راستے سے واقف ہیں جس میں میری رشد و ہدایت کا سامان ہے اور آپ کا اپنے نفس کے ساتھ معاملہ اسی اعتبار سے ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے لئے مقدر فرمایا ہے۔'' شیخ نے یہ سن کر کہا: ''جو مرید اور خادم ہونے کا دعویدار ہو اسے تیری طرح ہونا چاہئے۔''

حکایت کے متعلق وضاحت:

(حضرت سیِّدُنا شیخ محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ ھ) فرماتے ہیں) ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اس حکایت

کے راوی کا بیان ہے: ''شیخ مذکور کا واقعہ صرف اپنے مرید کے امتحان کے لئے تھا۔حقیقت میں ان سے کوئی بدکاری نہیں ہوئی تھی۔''اور اس طرح کا معاملہ ہمیں بھی اپنے ایک شیخ کی طرف سے پیش آیا اور ہم بھی اس مریدِ صادق کی طرح اپنے شیخ کی خدمت میں ثابت قدم رہے۔اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! شیخ کی اتنی بڑی حرکت اور خاموشی کے باوجود ان کے بارے میں میرے باطن میں کوئی تبدیلی آئی نہ دل میں کوئی تغیر آیا۔کیونکہ میں نے شیخ کی صحبت اس لئے اختیار کی تھی کہ وہ جو باتیں مجھے بتاتے ہیں اس میں میرے لئے نصیحت ہوتی تھی اور مَیں ان کے کلام کی پیروی کرتا ہوں نہ کہ فعل کی اور ہر وہ مرید جو اس معاملہ کو نہیں سمجھتا وہ اس راہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔

پھر تمہیں یہ بھی جاننا چاہئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن سے فرمادیا جاتا ہے: ''**اِفْعَلُوْا مَا شِئْتُمْ** یعنی تم جو چاہو کرو۔''اور ان کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے۔تو تمہیں کیا خبر کہ یہ شیخ بھی انہیں بخشے ہوؤں میں سے ہو اور مرید کا تو معاملہ ہی یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ سے ہر حال میں حسنِ ظن (یعنی اچھا گمان) رکھے اور کسی قسم کی بدگمانی نہ کرے۔نیز یہ بھی یاد رکھو کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے کسی بندے کو کشف عطا فرمائے اور اس کا حال یہ ہو کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں میں سے کسی کے ساتھ بدگمانی کرتا ہو تو یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا اس پر غضب ہے اور یہ ایسا شخص ہے جسے بصیرت سے محروم کردیا گیا اور اگر کوئی (انبیاء وملائکہ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے علاوہ) کسی شخص کو گناہوں سے معصوم سمجھے تو یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے انتہا درجے کی بے خبری ہے اور گناہ مسلمان کو متغیر نہیں کرتے اور نہ ہی وہ ان کو متغیر کرسکتا ہے اور اگر نفرت ہو تو برے فعل سے ہونی چاہئے نہ کہ اس کے کرنے والے سے۔پس خود کو نصیحت کرنے والے کو چاہئے کہ مسلمانوں اور موجودہ کافروں کے بارے میں آنے والے گھٹیا خیالات سے اپنے باطن کی حفاظت کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس وقت جو کافر ہے اس کا خاتمہ کفر پر ہی ہوگا (مگر اس کے کافر ہونے کا عقیدہ ضرور رکھے)۔لہٰذا کفر کو باعتبارِ کفر برا سمجھا جائے نہ کہ اس معین کافر کو[1]۔جب یہ معاملہ ہے تو پھر مسلمان کے بارے میں گھٹیا خیال کتنا برا ہوگا اور ہر وہ شخص جو اللہ عَزَّوَجَلَّ

---

[1] ...... یاد رہے کافر کو برا سمجھنے اور اس کی تعظیم وعزت افزائی میں فرق ہے۔کفار کی تعظیم وتکریم کفر ہے۔چنانچہ، مجددِ اعظم، سیّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) ''فتاوی ظہیریہ، الاشباہ والنظائر اور درمختار'' کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: لَوْسَلَّمَ عَلَى الذِّمِّيِّ تَبْجِيلًا يُكْفَرُ لِاَنَّ تَبْجِيلَ الْكَافِرِ كُفْرٌ وَلَوْقَالَ لِمَجُوْسِيٍّ يَااُسْتَاذُ تَبْجِيلًا كَفَرَ (ترجمہ) اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کافر کو بطورِ عزت و توقیر سلام کیا تو وہ کافر ہوجائے گا کیونکہ کافر کی عزت افزائی کفر ہے، اور اگر کسی نے آتش پرست (یعنی آگ کے پجاری) کو تعظیم کے طور پر ''اے استاذ'' کہا تو وہ کافر ہوگیا۔(فتاوی رضویہ، ج۶، ص۱۹۳) نیز کفار کے ساتھ حسنِ سلوک، کفر اور کفر پر مدد واعانت کے علاوہ دیگر معاملات......

کی کسی مخلوق کے بارے میں یہ برا گمان رکھے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب وعذاب کا شکار ہے تو یہ اس کی محرومی کی علامت اور خسارے کا راستہ ہے۔

چنانچہ، حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''خوشخبری ہے اس کے لئے جس کا عیب اس کو لوگوں کے عیبوں سے بچائے رکھے۔''[1] اور لوگوں کے بارے میں برا گمان رکھنے سے بڑھ کر برا عیب کونسا ہوسکتا ہے اور ایسا صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ محروم شخص ہر وقت لوگوں کی حرکات کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ پس اگر یہ اپنے نفس (کی اصلاح) میں مشغول ہوتا تو دوسروں کے افعال دیکھنے کے لئے فارغ نہ ہوتا جیسا کہ ہمارے ایک شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ''وَفِی النَّفْسِ لِیْ شُغْلٌ عَنِ الْغَیْرِ شَاغِلٌ یعنی میرے لئے اپنے نفس میں ایک شغل ہے جس نے مجھے غیر سے بے پرواہ کر رکھا ہے۔'' اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ان پر رحمت ہو کہ کیسی نصیحت فرمائی۔ بلاشبہ انہوں نے خیر کثیر کی نصیحت فرمائی۔[2]

(5)......حضرتِ سیِّدُنا ابوسلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کا فرمان:

حضرتِ سیِّدُنا ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: ''بارہا میرے دل میں تصوف کا کوئی نکتہ کئی کئی دنوں تک آتا رہتا ہے، مگر جب تک دو عادل گواہ یعنی قرآن اور سنت (یعنی حدیثِ پاک) اس کی تصدیق نہیں کرتے میں اسے قبول نہیں کرتا۔''[3]

......میں ہوسکتا ہے مثلاً مشرک پڑوسی کے ساتھ حق پڑوس کی ادائیگی اور کافر باپ کی غیر کفریہ معاملات میں اطاعت وغیرہ، ورنہ کفار سے موالات (یعنی میل جول) ناجائز وحرام ہے۔ چنانچہ، سیِّدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''قرآنِ عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات (یعنی میل جول، باہمی اتحاد، آپس کی دوستی) قطعاً حرام فرمائی، مجوس (آگ کے پجاری) ہوں خواہ یہود ونصاریٰ (یہودی وعیسائی) ہوں، خواہ ہُنُود (ہندو) اور سب سے بدتر مُرتدانِ عُنُود (دینِ حق سے بغاوت کرنے والے مرتدین) (فتاوی رضویہ، ج۱۵، ص۲۷۳)، ہاں! دنیوی معاملات مثلاً خرید وفروخت وغیرہ (اس کی شرائط کے ساتھ) جس سے دین پر ضرر (یعنی نقصان) نہ ہو مرتدین کے علاوہ کسی سے ممنوع نہیں (فتاوی رضویہ، ج۲۴، ص۳۳۱ مُلَخَّصًا) مزید تفصیل کے لئے فتاوی رضویہ شریف کے مذکورہ مقامات کا مطالعہ فرمالیجئے۔

[1] ......شعب الایمان للبیهقی، باب فی الزهد وقصر الامل، الحدیث: ۱۰۵۶۳، ج۷، ص۳۵۵.

[2] ......شرح الوصیة الیوسفیة......

[3] ......الرسالة القشریة ،ابو سلیمان عبد الرحمٰن بن عطیة الدارانی، ص۴۱.

دارانی کہنے کی وجہ:

دارانی ''داریا'' کی طرف منسوب ہے۔ یہ (ملکِ شام کے شہر) دمشق کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ حضرتِ سیِّدُ نا ابوسلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کی وفات ۲۱۵ھ کو اسی گاؤں میں ہوئی۔

﴿اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ان پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔ امین بجاہ النبی الامین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم﴾

پانچویں فرمان کی شرح

لفظ ''نکتہ'' کی لغوی تحقیق:

امام ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری (متوفی ۳۹۳ھ) کہتے ہیں: نُکْتَۃٌ کا لفظ نَکْتٌ سے بنا ہے، جس کا معنی ہے لکڑی سے زمین کریدنا یعنی زمین پر اس طرح مارنا کہ اس میں اثر کرے۔ نُکْتَۃٌ کا تلفظ نُقْطَۃٌ کی طرح ہے۔'' اور لغت کی کتاب اَلْقَامُوْس میں ہے کہ لفظ نُکْتَۃٌ میں نون پر پیش ہے جیسے نُقْطَۃٌ میں اور اس کی جمع نِکَاتٌ آتی ہے جیسے بِرَامٌ ۔ (حضرت مصنف سیِّدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) گویا کہ نُکْتَۃٌ کو نُکْتَۃٌ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ''وہ دل کو کریدتا ہے یعنی اپنے حسن بیان کی نزاکت کے سبب دل میں اثر انداز ہوتا ہے۔''

تصوُّف میں نکتہ سے مراد:

محققین صوفیائے کرام رحمہم اللہ السلام کے نزدیک تصوُّف میں نکتہ ان معارف واسرارِ الٰہیہ کے کشف کو کہتے ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ بطریقِ فیض والہام صوفیا کے دلوں میں ڈالتا ہے۔

سیِّدُ نا ابوسلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کے تردد کی وجہ:

حضرتِ سیِّدُ نا ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی اپنے دل میں کئی کئی دنوں تک آنے والے تصوُّف کے نکتہ کو قبول اور رد کرنے میں متردد ہو جاتے اور اس کو رد کرنے کی طرف متوجہ ہونا اس لئے ہوتا کہ اتباعِ شریعت کی محافظت کی جائے اور بدعت میں پڑنے سے خود کو بچایا جائے۔

قرآن وسنت دو عادل گواہ:

حضرتِ سیِّدُ نا ابوسلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے یہ بھی فرمایا کہ ''جب تک دو عادل گواہ یعنی قرآن اور سنت اس (نکتۂ تصوُّف) کی تصدیق نہیں کرتے میں اسے قبول نہیں کرتا۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے قرآن وسنت کو عادل گواہ فرمایا۔ پہلا گواہ قرآنِ پاک ہے جو تواتر سے ثابت ہے، اس کی سند میں کوئی ضعف نہیں سوائے شاذ قراءتوں اور غیر معروف تفاسیر کے اور دوسرا گواہ سنت نبویہ ہے اور اس میں صحیح اور غیر صحیح دونوں ہیں (غیر صحیح میں ضعیف حدیث بھی داخل ہے)۔ چنانچہ،

ضعیف اور موضوع حدیث کا حکم:

حضرتِ سیِّدُ نا احمد بن محمد بن عماد بن علی مقدسی المعروف ابن ہائم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۸۱۵ھ) کی کتاب ''اَلْعَقْدُ النَضِیْدُ فِیْ تَحْقِیْقِ کَلِمَۃِ التَّوْحِیْد'' میں ہے کہ فقہائے کرام ومحدثین عظام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں: ''فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ومستحب ہے مگر موضوع (یعنی گھڑی ہوئی حدیث) پر عمل جائز نہیں۔''

اور تصوف کے نکتہ کی قرآن وسنت سے دو عادل گواہوں کی تصدیق کا معنی یہ ہے کہ قرآن وسنت کے معانی میں جو ان پر منکشف ہوا ان کے مطابق وہ اس نکتہ کو قبول کرتے ہیں اور ولی پر یہ لازم نہیں کہ جو دلیل اس پر منکشف ہوئی وہ بیان کرے اور دوسروں کو سکھائے اور نہ ہی یہ لازم ہے کہ جو کشف اس پر ہوا ہے اسے دوسروں پر منکشف کرے اور حضرتِ سیِّدُ نا ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کے مذکورہ فرمان کا مقصد یہ ہے کہ میرا علم قرآن وسنت کا پابند ہے جیسا کہ (پہلے فرمان میں) سید الطائفہ حضرتِ سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے۔

اہلِ کشف اور قرآن وسنت کا فہم:

کشف والہام والے اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام قرآن وسنت میں ان صحیح معانی اور راجح احکام کو پالیتے ہیں جن تک رسمی علما کی رسائی نہیں کیونکہ وہ اپنی سمجھ سے جس تک پہنچتے ہیں اس پر حکم لگاتے ہیں اور اہلِ کشف کے اُن معانی و احکام تک پہنچنے کی وجہ یہ ہے کہ بصیرت کی پاکیزگی اور نیت کی سلامتی مخفی رازوں کو منکشف کرتی اور دل میں معارفِ الٰہیہ

ڈالتی ہے۔لہٰذا توفیقِ الٰہی سے احوال وواقعات میں غور وفکر کرنے کے اعتبار سے اوران پر مطلع ہونے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا کرنے کے مطابق اپنے احوال کو پرکھنا انہی اہلِ کشف کا حصہ ہے۔ چنانچہ،

(حضرت سیِّدُ نا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ) حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''مؤمن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' (1)

جبکہ اس کشف سے حجاب اور غفلت میں مبتلا اہلِ علم، صرف اپنی پست ذاتوں، محدود بصیرتوں میں غور وفکر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ایمان کمزور اور عقل محدود ہے۔ ان کا بڑے سے بڑا کشف یہی ہے کہ سورج، چانداور ستاروں کی روشنیاں دیکھ لیں۔ پھر یہ کہ ایسے اہلِ علم اپنے اندر اس کمی کے باوجود علوم کے حقائق جاننے کی طمع وخواہش نہیں کرتے۔ اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عدل ہے، اس حیثیت سے کہ یہ لوگ بدگمانی اور چرب زبانی کے ساتھ ان اولیائے کرام پر مسلط ہو گئے جن کو اللہ عَزَّوَجَلَّ علم سکھاتا ہے اوران کے جسم کا ہر ہر عضو یادِ الٰہی میں مشغول ہے۔ وَاللّٰہُ یَفْصِلُ بَیْنَ الظَّالِمِ وَالْمَظْلُوْم یعنی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ظالم اور مظلوم کو الگ الگ فرمانے والا ہے۔

(6)......حضرتِ سیِّدُ نا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی کا فرمان:

حضرتِ سیِّدُ نا ابوالفیض ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کی خاص علامت یہ ہے کہ انسان ظاہر وباطن میں اس کے محبوب، محمد مصطفٰی، احمد مجتبٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اَخلاق، اَفعال، اَحکام اور سنتوں کی اِتباع کرے۔'' (2)

حضرتِ سیِّدُ نا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی کا مختصر تعارف:

حضرتِ سیِّدُ نا ابوالفیض ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی کا اصل نام ''ثوبان بن ابراہیم'' ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا اسمِ گرامی ''فیض بن ابراہیم'' ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ۲۴۵ھ کو وصال فرمایا۔

1......حلیۃ الاولیا، الرقم ۵۶۹، الجنید بن محمد الجنید، الحدیث: ۱۵۲۹۶، ج ۱۰، ص ۲۹۹.

2......الرسالۃ القشیریۃ، ابو الفیض ذو النون المصری، ص ۲۴.

چھٹے فرمان کی شرح

اَخلاقِ مصطفٰی سے مراد:

حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے اخلاقِ کریمہ سے مراد آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی مبارک عادات ہیں کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی عاداتِ مبارکہ سب سے اعلیٰ اور عظیم اخلاق ہیں۔

جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴿۴﴾ (پ۲۹، القلم:۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور بیشک تمہاری خوبو (خلق) بڑی شان کی ہے۔

افعالِ مصطفٰی سے مراد:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے مبارک افعال (یعنی کاموں) سے مراد وہ افعال ہیں جنہیں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم خود پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حقوق اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین کی مدد و نصرت کے لئے لازم کیا کرتے تھے۔

احکامِ مصطفٰی سے مراد:

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے احکام سے مراد وہ ہیں جن کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے کرنے یا ان سے باز رہنے کا حکم فرمایا خواہ وہ قطعی ہوں یا ظنی۔ پس فرائض و واجبات اور حرام و مکروہ کام سب اس میں داخل ہیں۔

سنتِ مصطفٰی سے مراد:

حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَولاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی سنت سے مراد آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کا طریقہ اور سیرتِ طیبہ ہے کہ جس بات کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کو ظاہر میں حکم نہیں فرمایا بلکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے اسے خود اپنایا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کی باطنی وحی فرمائی۔

محبتِ الٰہی کا بیان

حضرتِ سیِّدُنا امام احمد بن محمد قسطلانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی (متوفی ۹۲۳ھ) اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِّیَّۃ'' میں ارشاد فرماتے ہیں: ''جان لو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض محبت (۲) مستحب محبت۔

(۱)......فرض محبت وہ ہے جو بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام کی بجا آوری، گناہوں سے اجتناب اور تقدیر پر راضی رہنے پر آمادہ کرے۔ پس جو شخص حرام کا ارتکاب کر کے یا واجب کو چھوڑ کر گناہ میں مبتلا ہوتا ہے یہ محبت الٰہی میں کمی کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ اس نے اپنی نفسانی خواہش کو محبت الٰہی پر مقدم کیا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں کمی مباح چیزوں میں مبتلا رہنے اور ان کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس سے امیدوں میں وسعت کا تقاضا کرنے والی غفلت پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کا اقدام کرتا ہے۔

(۲)......مستحب محبت یہ ہے کہ انسان نوافل پر ہمیشگی اختیار کرے اور شبہات میں پڑنے سے بچتا رہے۔ عام طور پر اس صفت سے بہت کم لوگ متصف ہوتے ہیں۔

محبتِ الٰہی پانے کا طریقہ:

حضرتِ سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جتنا میرا قرب حاصل کرتا ہے اس کی مثل کسی دوسرے عمل سے حاصل نہیں کرتا [ایک روایت میں یوں ہے: میرا بندہ کسی ایسی شے سے میرا قرب نہیں پاتا جو فرض کو ادا کرنے سے زیادہ پسند ہو] اور میرا بندہ نوافل (کی کثرت) سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب مَیں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو مَیں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے پس وہ میرے انوار سے سنتا، میرے انوار سے دیکھتا، میرے انوار سے پکڑتا اور میرے انوار سے چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی کام میں تردد نہیں جیسے میں کرتا ہوں۔ میں کسی کام کے کرنے میں کبھی اس طرح تردد نہیں

کرتا جس طرح جانِ مؤمن قبض کرتے وقت تردد کرتا ہوں کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کے مکروہ سمجھنے کو برا جانتا ہوں۔'' (1) (2)

سب سے زیادہ پسندیدہ عمل:

مذکورہ حدیثِ پاک میں ارشاد ہوا ''میرا بندہ کسی ایسی شے سے میرا قرب نہیں پاتا جو فرض کو ادا کرنے سے زیادہ پسند ہو'' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل فرائض کو ادا کرنا ہے۔

سوال: نوافل کے نتیجہ میں محبت حاصل ہوتی ہے لیکن فرائض کے نتیجہ میں محبت حاصل نہیں ہوتی (حالانکہ ان کی ادائیگی

......صحیح البخاری، کتاب الرقائق، باب التواضع، الحدیث: ۶۵۰۲، ص ۵۴۵.

......استاذ العلما عمدۃ الاذکیا حضرت علامہ مفتی ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی اپنی مایہ ناز تصنیف ''کوثر الخیرات'' میں اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) نے ''تفسیر کبیر'' میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) نے ''شرح فتوح الغیب'' میں اور قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ۔رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) نے ''شفاء شریف'' میں اس حدیث پاک کا معنی ومقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ جب بندہ اپنے آپ کو اللہ ربُّ العزت کے عشق ومحبت والی آگ میں جلا کر فنا کر دیتا ہے اور نفسانیت وانانیت والا زنگ اور میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور انوارِ الٰہیہ سے اس کا بدن منور ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے انوار ہی سے دیکھتا ہے اور انہی کی بدولت سنتا ہے، اس کا بولنا انہی انوار کے ذریعے ہے اور اس کا چلنا پھرنا اور پکڑنا مارنا انہی سے ہوتا ہے۔ امام رازی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۰۶ھ) کے الفاظ میں حدیثِ قدسی کا معنی اور منصبِ محبوبیت کی عظمت کا بیان سنئے، فرماتے ہیں: ''اِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ لَہٗ سَمْعًا سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَ الْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ لَہٗ بَصَرًا رَأَی الْقَرِیْبَ وَ الْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذَالِکَ النُّوْرُ یَدًا لَہٗ قَدَرَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِی الصَّعْبِ وَ السَّھْلِ وَ الْقَرِیْبِ وَ الْبَعِیْدِ (ترجمہ) اللہ ربُّ العزت کا نورِ جلال جب بندۂ محبوب کے کان بن جاتا ہے تو وہ ہر آواز کو سن سکتا ہے نزدیک ہو یا دور، اور آنکھیں نورِ جلال سے منور ہو جاتی ہیں تو دور و نزدیک کا فرق ختم ہو جاتا ہے اور ہر گوشۂ کائنات پیشِ نظر ہوتا ہے اور جب وہی نور بندہ کے ہاتھوں میں جلوہ گر ہوتا ہے تو قریب وبعید اور مشکل وآسان میں اسے تصرف کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔'' (التفسیر الکبیر، پ ۱۵، الکہف، تحت الآیۃ: ۱۲، ج ۷، ص ۴۳۶) **(اس کی مثالیں ملاحظہ کیجئے) (1)**......حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور ان کے لشکر کو نہاوند کے مقام پر مدینہ منورہ سے چودہ سو **(1400)** میل کی مسافت (یعنی دُوری) سے دشمنوں کے نرغہ (یعنی گھیرے) میں آتے ہوئے دیکھ کر فوراً رہنمائی فرمائی اور آواز دی: **یَاسَارِیَۃُ الْجَبَل** ''اے ساریہ! پہاڑ کا خیال کرو'' ادھر انہوں نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سن کر دشمن سے اپنے آپ کو بچا لیا۔ **(2)**......حضرتِ سیِّدُنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں **نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ** (ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔) اور فرماتے ہیں ''نَظَرِ مَن درلوحِ محفوظ اَست'' (میری نظر لوح محفوظ پر ہے۔) **(3)**......حضرتِ سیِّدُنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریائے نیل کو اپنے رُقعہ (یعنی ایک چھوٹے خط) سے جاری فرما دیا جو اس وقت......

سب سے پسندیدہ عمل ہے)؟

پہلا جواب: یہاں نوافل سے مراد وہ ہیں جو فرائض کے ساتھ ہوں، فرائض پر مشتمل ہوں اور ان کی تکمیل کرنے والے ہوں۔اس بات کی تائید اس حدیثِ قدسی سے بھی ہوتی ہے۔چنانچہ،

حضرتِ سیِّدُ نا ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''اے ابن آدم! جو کچھ میرے پاس ہے اسے تم اسی وقت پاسکتے ہو جب اس کام کو کرو جو میں نے تم پر فرض کیا ہے۔''[1]

دوسرا جواب: اس کا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نوافل کی ادائیگی محض محبت کی وجہ سے ہے۔اس خوف سے نہیں کہ ترک کرنے پر عذاب ہوگا جبکہ فرائض کا معاملہ اس کے برعکس ہے (یعنی ان کے ترک پر عذاب ہے)۔

تیسرا جواب: حضرتِ سیِّدُ ناعلامہ فاکہانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی فرماتے ہیں: ''اس حدیثِ پاک کا معنی یہ ہے کہ جب بندہ فرائض کو ادا کرتا ہے اور نفلی نماز و روزے اور دیگر نفلی عبادات پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو یہ عمل اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت تک پہنچا دیتا ہے۔

سوال: اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کے کان اور آنکھ وغیرہ کیسے بن سکتا ہے؟

پہلا جواب: یہ بات مثال کے طور پر فرمائی گئی ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ'' میں اپنے حکم کو بجالانے کے معاملہ میں بندے کے کان اور آنکھ ہوجاتا ہوں۔تو وہ میری اطاعت اور میری عبادت کو اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح اپنے ان

......تک پانی سے لبریز نہیں ہوتا تھا جب تک اس میں نوجوان لڑکی کو نہ پھینکا جاتا تھا۔حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حکم دیا کہ ''اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو بے شک خشک رہ جا، ہمیں تیری ضرورت نہیں ہے اور اگر تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے چلتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری فرمائے۔ چنانچہ، جب آپ کا رقعہ جس پر یہ الفاظ درج تھے، دریا میں ڈالا گیا تو وہ فوراً طغیانی پر آگیا اور لبالب بھر گیا۔**(4)**......مدینہ طیبہ میں آگ لگ گئی جسے کسی طرح بھی بجھایا نہ جاسکا تو حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاغذ کے ایک پرزہ (یعنی ٹکڑے) پر اُسْکُنِیْ یَانَارُ ''اے آگ! ٹھہر جا۔'' لکھ کر خادم کو دیا۔اس نے وہ پُرزہ آگ میں پھینکا تو یوں معلوم ہوا کہ یہاں آگ لگی ہی نہ تھی۔**(5)**......ایک دفعہ زلزلہ آیا اور مکانات لرزنے لگے اور بہت بڑی تباہی کا خطرہ پیدا ہوگیا تو حضرتِ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا دُرہ زمین پر زور سے مارا اور فرمایا: ''اے زمین! ٹھہر جا۔'' آج تک وہاں زلزلہ نہیں آیا۔ (کوثر الخیرات لسیدالسادات علیه افضل الصلوات واکمل التحیات، ص ۳۴۲)

[1] ......المعجم الکبیر ،الحدیث: ۷۸۸۰، ج۸، ص ۲۲۱.

اعضا کو پسند کرتا ہے۔''

دوسرا جواب: حدیثِ قدسی کا معنی یہ ہے کہ ''بندہ مکمل طور پر میری ذات میں مشغول رہتا ہے تو اس کے کان اسی طرف متوجہ رہتے ہیں جہاں میری رضا ہوتی ہے اور وہ اپنی آنکھ سے اسی شے کو دیکھتا ہے جسے دیکھنے کا میں نے حکم دیا ہے۔''

تیسرا جواب: اس کا معنی یہ ہے کہ ''مَیں دشمن کے خلاف اپنے بندہ کی مدد میں گویا اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہوتا ہوں۔''

چوتھا جواب: یہاں حدیثِ پاک میں ایک لفظ ''**حَافِظٌ**'' (یعنی حفاظت کرنے والا) محذوف (یعنی حذف کر دیا گیا) ہے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ ''میں اس کے کانوں کی حفاظت کرتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے پس وہ صرف وہی بات سنتا ہے جس کا سننا جائز ہو اور اسی طرح اس کی آنکھوں کی حفاظت کرتا ہوں۔'' آخر تک یہی معنی ہوگا۔

پانچواں جواب: حضرتِ سیِّدُنا علامہ عمر بن علی فاکہانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۷۳۴ھ) فرماتے ہیں: یہاں ایک اور معنی کا بھی احتمال ہے جو ماقبل مذکور معانی سے زیادہ دقیق ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں لفظ ''**سَمْعٌ**'' (یعنی سماعت) ''**مَسْمُوْعٌ**'' (یعنی جو سنا گیا) کے معنی میں ہے۔ اس لئے کہ کبھی مصدر مفعول کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''**فُلَانٌ اَمَلِی**'' جو ''**فُلَانٌ مَأْمُوْلِی**'' (یعنی فلاں میری امیدگاہ ہے) کے معنی میں ہے۔ اب حدیثِ قدسی کا معنی یہ ہوگا کہ ''وہ بندہ صرف میرا (اللہ عَزَّوَجَلَّ کا) ذکر سنتا اور صرف میری کتاب (یعنی قرآنِ پاک) کی تلاوت سے لطف اندوز ہوتا ہے اور وہ میری بارگاہ میں مناجات پر اعتماد کرتا ہے اور وہ صرف میری بادشاہی کے عجائب دیکھتا ہے اور وہ اپنے ہاتھ اور پاؤں اسی طرف بڑھاتا ہے جہاں میری رضا ہو۔

چھٹا جواب: حضرتِ سیِّدُنا علامہ فاکہانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۷۳۴ھ) کے علاوہ دیگر نے بیان کیا کہ وہ علمائے کرام جن کے فرامین کی پیروی کی جاتی ہے ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیثِ قدسی میں وارد یہ بات مجاز کے طور پر ہے اور بندے کی مدد، تائید و حمایت، اور اعانت سے کنایہ (یعنی ان کی طرف اشارہ) ہے گویا کہ جن چیزوں سے مدد لی جاتی ہے ان کی جگہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس محبوب بندہ کے لئے مددگار ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک روایت میں ہے کہ ''پس وہ بندہ میری مدد اور انوار سے سنتا ہے۔ میری مدد سے دیکھتا ہے۔ میری مدد سے پکڑتا اور میری مدد سے چلتا ہے۔''

ساتواں جواب: حضرتِ سیِّدُنا امام خطابی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۸۸ھ) ارشاد فرماتے ہیں: یہاں دعا کی جلد قبولیت

اور مطلب ومقصد میں جلد کامیابی حاصل ہو جانے کو اس فرمان (یعنی میں اپنے بندہ کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں ہو جاتا ہوں) سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ اس لئے کہ انسان کی تمام کوششیں ان ہی اعضاء کے ساتھ ہوتی ہیں۔

آٹھواں جواب: حضرتِ سیِّدُ نا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۵۸ھ) نقل فرماتے ہیں کہ حضرتِ سیِّدُ نا ابوعثمان سعید بن اسماعیل بن منصور نیشاپوری حیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۹۸ھ) جو ائمہ طریقت میں سے ایک امام ہیں ارشاد فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ مَیں اپنے اس محبوب بندہ کے کان کے سننے، آنکھ کے دیکھنے، ہاتھ کے چھونے اور پاؤں کے چلنے سے زیادہ جلدی اس کی حاجات کو پورا فرماتا ہوں۔'' [1]

(حضرتِ سیِّدُ نا امام قسطلانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کا کلام ختم ہوا)

قربِ الٰہی کی برکتیں:

مَیں (یعنی علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی) نے اس حدیثِ قدسی سے قریب ہونے میں جو معنی سب سے اچھا پایا وہ ہے جس کو میں نے حضرتِ سیِّدُ نا ابوطیب بن محمد بن محمد غزی عامری دمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۴۲ھ) کی تحریر میں پڑھا اور وہ یہ ہے: ''اگر یہ کہا جائے کہ مخلوق، خالق کی صفات سے کیسے متصف ہو سکتی اور ان دونوں کے درمیان کوئی حلول [2] ہے نہ اتصال؟'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''غور کرو کہ آگ برتن کے ذریعے اپنی صفت (یعنی جلانے) کو پانی میں کیسے منتقل کرتی ہے پس وہ شکل وصورت میں پانی لگتا ہے اور حقیقت میں آگ ہوتا ہے اور جلانے میں آگ کی طرح کام کرتا ہے حالانکہ آگ نے پانی میں حلول کیا نہ ہی اس سے متصل ہوئی نیز آگ پانی کے اندر داخل ہوئی نہ ہی اس کی ہم جنس ہے۔ پس آگ صفات کے اعتبار سے متصل (یعنی ساتھ) اور ذات کے اعتبار سے منفصل (یعنی جدا) ہے اور یہ محض پانی کے آگ سے قرب کے سبب ہوتا ہے کہ آگ اپنی صفت پانی میں منتقل کر دیتی ہے اور یوں پانی جلانے کا کام کرتا ہے۔ پس اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ قرب کے واسطے بندے پر لطف اور توجہ فرماتا ہے اور بغیر کسی حلول واتصال کے اپنی صفتِ باقی کی تجلی اس پر ڈال دیتا (اور حدیثِ قدسی میں اس فرمان کہ ''میں اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں'' کا یہی

[1] ......الزهد الكبير للبيهقي، الجزء الثالث من كتاب الزهد الكبير، الحديث: ٧٠٠، ص ٢٧٠۔
المواهب اللدنية للقسطلاني، المقصد السابع، الفصل الاول في وجوب محبته ......الخ، ج ٢، ص ٤٨٦ تا ٤٨٨.

[2] ......دو جسموں کا اس طرح متحد ہونا کہ ایک کی طرف اشارہ بعینہٖ دوسرے کی طرف بھی اشارہ ہو۔ جیسے پھول میں عرق۔ (التعریفات، ص ٦٧)

معنی ہے) اور اللہ عَزَّوَجَلَّ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں وہ سمجھیں۔

اور پھر آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اشعار میں اس معنی کو یوں بیان فرمایا:

سَلِّمْ اِذَاذَكَـرَاتِّـحَـادًاعَـاشِقُ وَافْـطَـنْ فُطُـوْرَالْـمَـرْءِ لَيْـسَ يَـزِيْـد

فَـالـنَّـارُيَـدْخُلُهَـاالْـحَدِيْدُفَيَتَغَذّٰى نَـارًاوَذَاكَ مُـعَـايَـنٌ مَشْهُـوْد

فَـاِذَاتَـخَلّٰـى عَنْ مَقَامِ وِصَالِهَا فَـالـنَّـارُنَـارٌوَالْـحَدِيْدُحَدِيْد

ترجمہ: (۱)...... جب کوئی عاشق ایک ہونا بیان کرے تو اسے تسلیم کر اور اس بات کو سمجھ کہ انسان کی گنجائش بڑھتی نہیں۔

(۲)...... کیونکہ جب لوہا آگ میں چلا جائے تو وہ آگ میں پرورش پاتا ہے اور یہی حضوری وقرب کا مشاہدہ ہے۔

(۳)...... پس جب لوہا آگ کے مقامِ وصل سے الگ ہوجاتا ہے تو آگ، آگ رہتی ہے اور لوہا، لوہا ہوتا ہے۔

محبتِ الٰہی کے جلوے:

"اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّيَّة" میں ہے: "یہ حدیثِ قدسی جس کا معنی اور مراد سمجھنا سخت طبیعت اور سخت دل پر حرام ہے اس نے محبت الٰہی کو دو چیزوں میں منحصر کر دیا: (۱) فرائض کو ادا کرنا اور (۲) نوافل سے قرب الٰہی حاصل کرنا۔

اور اس میں شک نہیں کہ بندہ نوافل کی کثرت پر ہمیشگی اختیار کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا محبوب بن جاتا ہے پس جب وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا محبوب بن جاتا ہے تو یہ محبتِ الٰہی اس کے لئے ایک دوسری محبت پیدا کرتی ہے جو پہلی محبت سے بڑھ کر ہوتی ہے پس یہ محبت اس کے دل کو محبوب کے علاوہ ہر شے کے فکر و ارادہ سے الگ کر دیتی ہے اور اس کی روح اسی محبوب کی ہو کر رہ جاتی ہے اور اس میں محبوب کے علاوہ کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ پس ذکرِ محبوب اور محبت محبوب اور بلند شان اس بندے کے دل کی لگام کی مالک ہو جاتی ہے اور اس کی روح پر اس کا غلبہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح محبوب اپنے سچے محبّ پر اس کی محبت میں غالب ہوتا ہے جس میں اس کی تمام قوتوں کا محور و مرکز محبوب ہوتا ہے اور اب بلاشبہ معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سنتا ہے تو محبوب کے انوار کے ساتھ۔ دیکھتا ہے تو محبوب کی طاقت کے ساتھ۔ اگر نظر کرتا ہے تو اسی کے ذریعے۔ اگر چلتا ہے تو اسی کی مدد کے ساتھ۔ پس وہ اس کے دل و جان میں ہوتا ہے اور اس کا انیس اور مصاحب ہوتا ہے اور اس حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا "فَبِیْ يَسْمَعُ وَبِیْ يُبْصِرُ . . الخ" یہاں لفظ

''بِیْ'' میں جو ''بَا'' ہے وہ مصاحبت کی ہے اوراس مصاحبت کی کوئی مثال نہیں اور نہ ہی محض خبر دینے اور اسے جان لینے سے اس کا اِدراک ہوسکتا ہے۔ پس یہ محض علمی مسئلہ نہیں، اس کا تعلُّق وِجدان وحال کے ساتھ ہے۔

اور جب بندے کی طرف سے رب عَزَّوَجَلَّ کے ہاں محبت میں موافقت پائی جاتی ہے تو بندے کو اپنی حاجات و مطالب میں موافقت الٰہی حاصل ہوتی ہے یعنی وہ اس کی حاجات کو پورا فرماتا ہے۔ لہٰذا اس حدیثِ قدسی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ ارشاد فرمایا: ''اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔'' یعنی جس طرح وہ میرے اَحکام بجالا کر میری چاہت میں مجھ سے موافقت کرتا اور میری محبت سے میرا قرب حاصل کرتا ہے تو مَیں اس کی رغبت و چاہت میں اس کی موافقت کرتا ہوں اور بندہ کی رغبت یہ ہے کہ وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں، پناہ طلب کرے تو اسے پنا دوں۔

اور اس موافقت کا معاملہ دونوں جانب سے مضبوط ہوتا ہے حتی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس محبوب بندے کو موت دینے میں تردُّد فرماتا ہے۔ اس لئے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اس شے کو ناپسند فرماتا ہے جس کو بندہ ناپسند کرے اور وہ اسے تکلیف دینا نہیں چاہتا تو وہ اس اعتبار سے اسے موت دینا نہیں چاہتا لیکن اس کی مصلحت اسے موت دینے میں ہے۔ پس وہ اسے دوبارہ زندگی عطا فرمانے کے لئے موت دیتا ہے۔ اسے صحت دینے کے لئے بیمار کرتا ہے۔ اسے غنی کرنے کے لئے محتاج کرتا ہے۔ اسے عطا فرمانے کے لئے روک دیتا ہے اور اسے بہترین اَحوال کے ساتھ جنت کی طرف لوٹانے کے لئے اس کے باپ (یعنی حضرتِ سیِّدُنا آدم صفی اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کی صلب میں جنت سے اتارا۔ لہٰذا اس کے سوا کوئی دوسرا حقیقی محبوب نہیں۔''

حدیثِ قدسی میں مذکور ''تردُّد'' کی دوتاویلیں:

حضرتِ سیِّدُنا امام ابوسلیمان اَحمد بن محمد بن اِبراہیم بن خطاب خطابی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۳۸۸ھ) نے اِرشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں ''تردُّد'' کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں اور اس کے حق میں اس عقیدہ کی بھی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ ''اسے پہلے سے بندوں کے معاملات کا علم نہیں ہوتا بعد کو معلوم ہوتا ہے۔'' لیکن حدیثِ قدسی میں مذکور ''تردُّد'' کی دوتاویلیں ہیں:

پہلی تاویل:

زندگی میں بعض اوقات بندہ کسی بیماری یا فاقہ کی وجہ سے ہلاکت کے بالکل قریب ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے شفا دے دیتا ہے اور اس سے ناپسندیدہ شے کو دور فرما دیتا ہے۔ پس اس کا یہ فعل اس شخص کے تردد کی طرح ہے جو کسی کام کا ارادہ کرتا ہے پھر اس کے لئے کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو وہ اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس سے اعراض کرتا ہے۔ لیکن جب اس کے لئے لکھی ہوئی موت کا وقت آ پہنچتا ہے تو اب اس سے ملاقات لازم ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی مخلوق کے لئے ''فنا'' لکھ دی ہے اور ''بقا'' صرف اپنے لئے رکھی ہے۔

دوسری تاویل:

دوسری تاویل یوں ہے کہ اس حدیثِ قدسی کا معنی یہ ہے کہ ''مَیں جس کام کو کرنا چاہتا ہوں اس سے اپنے بھیجے ہوئے فرشتوں کو نہیں پھیرتا (یعنی واپس نہیں لوٹاتا) جس طرح ان کو اپنے محبوب بندۂ مومن کی روح قبض کرتے وقت پھیرتا ہوں جیسا کہ حضرتِ سیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا واقعہ مروی ہے کہ آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے موت کے فرشتے (یعنی حضرت سیِّدُنا ملک الموت عَلَیْہِ السَّلَام) کی آنکھ تھپڑ مار کر نکال دی (تو وہ واپس بارگاہِ الٰہی میں لوٹ گئے) اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں دوبارہ حضرتِ سیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف لوٹایا[(1)]۔

حضرتِ سیِّدُنا امام خطابی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۸۸ھ) فرماتے ہیں: ''دونوں تاویلوں کے مطابق معنی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندے پر لطف و کرم فرماتا ہے اور اس پر شفقت کرتا ہے۔

......حضرتِ سیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا یہ واقعہ بخاری شریف میں حضرتِ سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ ''حضرتِ سیِّدُنا ملک الموت عَلَیْہِ السَّلَام کو حضرتِ سیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف بھیجا گیا، جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ان کو طمانچہ مارا (جس سے ان کی آنکھ نکل گئی)۔ تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں حاضر ہو کر عرض کی: تونے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔'' اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی آنکھ ٹھیک کر دی اور ارشاد فرمایا: ''ان کے پاس دوبارہ جاؤ اور کہو کہ ''وہ اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھیں، جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے انہیں ہر بال کے بدلے ایک سال زندگی عطا کی جائے گی۔ حضرتِ سیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے عرض کی: ''اے رب عَزَّوَجَلَّ! پھر کیا ہوگا؟'' ارشاد فرمایا: ''پھر موت۔'' عرض کی: ''پھر تو ابھی آجائے۔'' (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من احب الدفن فی الارض المقدسة او نحوها، الحدیث: ۱۳۳۹، ص ۱۰۴، والا لفاظ فی الھلالین لمسلم۔صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیه السلام، الحدیث: ۶۱۴۸، ص ۱۰۹۴)

''تردید'' کو''تردد'' سے تعبیر فرمایا:

حضرتِ سیِّدُنا امام محمد بن ابی اسحاق بن ابراہیم بن یعقوب کلاباذی بخاری حنفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۳۸۰ھ) کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ''یہاں صفتِ فعل کو صفتِ ذات سے تعبیر فرمایا یعنی اس کے متعلق کے اعتبار سے یوں کہ ''تَرْدِیْد'' کو ''تَرَدُّد'' سے تعبیر کیا ہے اور تردید کا متعلق بندے کے احوال کمزوری وتھکاوٹ وغیرہ کے مختلف ہونے کو بنایا گیا ہے حتی کہ اس کی زندگی سے محبت، موت کی محبت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اس حال میں اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔'' مزید فرماتے ہیں: ''اور کبھی اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے پاس موجود نعمت کی رغبت، اپنے دیدار کا شوق اور اپنی ملاقات کی محبت بندے کے دل میں پیدا فرما دیتا ہے جس سے وہ موت کا شوق رکھتا ہے بجائے اس کے کہ موت کی ناپسندیدگی اس سے دور کرے (یعنی وہ موت کو تو پسند کرتا ہے، صرف موت کی سختیوں سے گھبراتا ہے)۔ ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت الٰہی اور محبت رسول کے بغیر دل کی کوئی زندگی نہیں اور اہلِ محبت کے سوا کسی کی کوئی حیات نہیں کہ جن کی آنکھیں اپنے محبوب سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اس کے پاس ان کی جانوں کو سکون اور دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس کے قرب سے اُنس پاتے ہیں اور اس کی محبت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پس دل میں ایک ایسی جگہ ہوتی ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت ہی پُر کرتی ہے اور جو اس سے محروم ہوتا ہے اس کی تمام زندگی غم، تکلیف اور حسرت بن کر رہ جاتی ہے۔''

بلند مرتبہ تک پہنچانے والی شے:

''مَدَارِجُ السَّالِکِیْن''، میں ہے: ''بندہ اس وقت تک اس بلند وبالا مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل نہ کرے، اس تک پہنچانے والے راستے کی ہدایت نہ پائے اور طبیعت کی تاریکیوں کو بصیرت کی شعاعوں سے جلا نہ دے۔ پس پھر اس کے دل میں شواہدِ آخرت میں سے ایک شاہد کھڑا ہوگا اور یہ بندہ مکمل طور پر آخرت کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے، فانی تعلقات سے بے رغبت ہو کر سچی توبہ اختیار کرتا ہے اور ظاہری وباطنی احکام پر عمل اور ظاہری وباطنی ممنوعات سے اجتناب کرتا ہے۔ پھر یہ اپنے دل کا محافظ بن جاتا ہے اس طرح کہ کسی بھی ایسے وسوسے اور خیال سے غافل نہیں ہوتا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناپسند ہو اور نہ ہی نفع سے خالی کسی فضول خیال کی طرف متوجہ ہوتا

ہے اوراس کے لئے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے ذکر، اس کی محبت اور اس کی طرف متوجہ ہونے کے سبب اس کا دل پاک وصاف ہو جاتا ہے اور وہ اپنی طبیعت ونفس کے گھروں سے نکل کر اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے قرب اور اس کے ذکر کی فضا میں چلا جاتا ہے۔ پس اس وقت اس کا دل، خیالات اور دل کی بات اپنے مولیٰ عَزَّوَجَلَّ کی چاہت وطلب اور اس کے شوق پر جمع ہو جاتے ہیں۔تو اگر وہ اس میں سچا ہوتا ہے تو اسے حضور نبیٔ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت عطا کی جاتی ہے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی روحانیت اس کے دل پر غالب آ جاتی ہے۔ چنانچہ، وہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو اپنا امام، استاذ، معلم، شیخ اور پیشوا بناتا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو اس بندے کا نبی، رسول اور ہادی وراہنما بنایا ہے۔

پس یوں وہ محبوب بندہ حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سیرت، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے بنیادی امور اور نزولِ وحی کی کیفیت کا مطالعہ کرتا اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی صفات واخلاق، آداب وعبادات، جنبش وسکون، بیداری ونینداور آل واصحاب کے ساتھ زندگی گزارنے کا عمل وغیرہ جو کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو عطا فرمایا، ان سب چیزوں کی پہچان حاصل کرتا ہے حتی کہ وہ ایسا ہو جاتا ہے، گویا کہ وہ حضور نبیٔ رحمت، شفیع امت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے بعض اصحاب میں سے ہے۔ جب اس کے دل میں یہ بات راسخ (یعنی مضبوط) ہو جاتی ہے تو اس پر بارگاہِ الٰہی سے حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر نازل شدہ وحی کو سمجھنے کے لئے اس طرح کشف ہوتا ہے کہ وہ جب کوئی قرآنی سورت پڑھتا ہے تو اس کا دل مشاہدہ کرتا ہے کہ اس سورت میں کیا نازل ہوا اور اس سے کیا ارادہ فرمایا گیا ہے نیز وہ یہ مشاہدہ بھی کرتا ہے کہ اس سورت میں برے افعال وعادات کی صفائی وستھرائی کے لئے میرے لئے کیا حصہ خاص کیا گیا ہے پس وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اس طرح کوشش کرتا ہے جس طرح کوئی خوف زدہ، مرض سے شفا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔[1]

گناہ گار بھی محبِّ رسول:

حضور نبیٔ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم، محبوبِ ربِ عظیم عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے محبت کی علامات بہت زیادہ ہیں

---

1 ......المواھب اللدنیۃ للقسطلانی، المقصد السابع ،الفصل الاول فی وجوب محبتہ ......الخ ،ج۲، ص۴۸۹تا ۴۹۱.

جو شخص ان تمام علامات وصفات سے متصف ہو وہ محبتِ خداو مصطفٰی میں کامل ہوتا ہے اور جو ان میں سے بعض کی مخالفت کرتا ہے وہ محبت میں ناقص ہوتا ہے (یعنی محبت میں کمی ہوتی ہے) لیکن وہ اس نام (یعنی محبّ ہونے) سے نہیں نکلتا۔ اس کی دلیل وہ حدیثِ پاک ہے جس میں بیان ہوا کہ ''ایک شخص کو (دوسری بار) شراب کی حد لگائی گئی تو کسی نے اس پر لعنت کی اور کہا: ''یہ کتنی دفعہ لایا گیا ہے۔'' تو رحمۃٌ لِّلعٰلمین، شَفِیعُ الْمُذْنِبِین، اَنِیسُ الْغَرِیبِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اس پر لعنت مت بھیجو (مَیں تو یہ جانتا ہوں کہ) یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے محبت کرتا ہے۔'' (1)

گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں:

مذکورہ حدیث شریف میں حضور نبیٔ اکرم، نورِ مجسم، شاہِ بنی آدم، رسولِ محتشم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا باوجود گناہ کبیرہ صادر ہونے کے اس شخص کے متعلق یہ فرمانا کہ ''یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے محبت کرتا ہے۔'' اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو گمان کرتے ہیں کہ ''گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔'' کیونکہ اس شخص پر لعنت سے روکنا اور اس کے لئے دعا کا حکم (حدیثِ پاک سے) ثابت ہے۔ نیز اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ممنوع شے کا اِرتکاب اور محبتِ خداو مصطفٰی کے ثبوت میں کوئی منافات نہیں (یعنی گناہ پایا جائے تو محبت نہیں پائی جاسکتی، ایسا نہیں) اور جس شخص سے گناہ کا تکرار ہو جائے اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسولِ مقبول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت الگ نہیں کی جاتی (2)۔ (3)

......صحيح البخاری، كتاب الحدود، باب مايكره من......الخ، الحديث: ٦٧٨٠، ص ٥٦٦.

......شارح بخاری حضرتِ سیِّدُنا احمد بن محمد قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''ہوسکتا ہے کہ گنہگار کے دل میں محبتِ خداو مصطفٰی کا باقی رہنا اس بات سے مقید ہو جبکہ وہ گناہ واقع ہونے پر نادم و پشیمان ہو یا جبکہ اس پر حد قائم کردی گئی تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے۔ البتہ! وہ شخص جس کا یہ معاملہ نہ ہو (یعنی گناہ پر نادم نہ ہو یا حد نہ لگے) تو اندیشہ ہے کہ گناہ کے تکرار کے سبب اس کے دل پر مُہر لگ جائے حتی کہ اس سے وہ محبت سلب کرلی (یعنی چھین لی) جائے۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے عفو وکرم، اس کی رحمت واحسان سے حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنت پر ثابت قدمی کا سوال کرتے ہیں۔ (امین بجاہ النبی الامین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم)۔

(المواهب اللدنية، المقصد السابع، الفصل الاول فی وجوب محبتة......الخ، ج۲، ص۵۰۲)

......المواهب اللدنية للقسطلانی، المقصد السابع، الفصل الاول فی وجوب محبتة......الخ، ج۲، ص۵۰۱.

عوام اور خواص کی محبت میں فرق:

حضرت سیِّدُنا علی بن محمد بن اقبرس شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۸٦۲ھ) کی کتاب ''فَتْحُ الصَّفَا شَرْحُ الشِّفَاء'' میں جہاں یہ بیان ہوا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ ورسول صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی محبت میں یہ لازم ہے کہ سنتِ نبویہ کی اقتدا اور تمام احکامِ شرعیہ کی اتباع کی جائے۔'' وہاں آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: ''یہاں لازم ہونے سے مراد ان اہلِ محبت کے لئے لازم ہونا ہے جو اپنی محبت میں مقامِ فناء کی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں اور قربِ محبوب میں اختیار سلب ہو جاتا ہے۔ پس یہی وہ محبت ہے جو اقتدا و اتباع کو لازم کرتی ہے اور یہ خواص (یعنی خاص لوگوں) کی محبت ہوتی ہے جبکہ عوام (یعنی عام لوگوں) کی محبت میں شدت وضعف (یعنی اتار چڑھاؤ) آتا رہتا ہے حتی کہ عوام کی محبت ایک ذرہ تک بھی پہنچ جاتی ہے جس کی طرف حدیث پاک میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ،

(حضرت سیِّدُنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ) شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، صاحبِ معطر پسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم سے نکل جائے گا۔''[1]

اور عوام کی محبت کے کم زیادہ ہونے پر وہ حدیث شریف بھی دلالت کرتی ہے کہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے شراب پینے پر ایک شخص کو حد لگائی۔ لوگوں نے اس پر لعنت کی تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے لعنت سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ''یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے محبت کرتا ہے۔''[2] پس آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اس گناہ کے باوجود اس کے لئے محبت ثابت فرمائی اور اگر تم سوال کرو کہ پھر اس فرمانِ مصطفٰی کہ ''زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں رہتا اور چور چوری کرتے وقت مومن نہیں رہتا۔''[3] کا کیا معنی ہے؟'' تو میں (یعنی ابن اقبرس) جواب دوں گا کہ ''یہ کمالِ ایمان پر محمول ہے (یعنی حدیث کا معنی یہ ہے کہ ''وہ کامل مومن نہیں رہتا۔'') اور بالخصوص ان حضرات کے نزدیک جو ایمان کا اطلاق اعمال پر کرتے ہیں۔''[4]

1 ......جامع الترمذی، ابواب صفة جهنم، باب منه قصة آخر اهل النار خروجا، الحديث: ٢٥٩٨، ص ١٩١٣.

2 ......صحيح البخاری، کتاب الحدود، باب مايكره من لعن شارب الخمر، الحديث: ٦٧٨٠، ص ٥٦٦.

3 ......المرجع السابق، باب السارق حين يسرق، الحديث: ٦٧٨٢.

4 ......فتح الصفا شرح الشفاء لابن اقبرس.

(7)......حضرت سیِّدُنا بشر حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کا فرمان:

حضرتِ سیِّدُنا ابونصر بشر بن حارث حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی فرماتے ہیں: ”مَیں ایک بار خواب میں حضور نبیِّ کریم، رَءُوف رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”اے بشر! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہیں تمہارے ہم عصر اولیا سے زیادہ بلند مرتبہ کیوں عطا فرمایا؟“ مَیں نے عرض کی: ”یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! میں اس کا سبب نہیں جانتا۔“ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اس وجہ سے کہ تم میری سنت کی پیروی کرتے ہو۔ صالحین کی خدمت کرتے ہو۔ اپنے اسلامی بھائیوں کی خیر خواہی (یعنی انہیں نصیحت) کرتے ہو اور میرے صحابۂ کرام اور میرے اہلِ بیت اَطہار (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سے محبت کرتے ہو۔ یہی سبب ہے کہ جس نے تمہیں ابرار کی منازل تک پہنچا دیا ہے۔“ (1)

حضرت سیِّدُنا بشر حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کا مختصر تعارف:

حضرتِ سیِّدُنا ابونصر بشر بن حارث حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی ”مرو“ کے رہنے والے تھے اور بغداد شریف میں سکونت اختیار فرمائی اور بغداد شریف ہی میں ۲۲۷ ھ کو وفات پائی۔ (2) (3)

......الرسالۃ القشیریۃ، ابو نصر بشر بن الحارث الحافی، ص۳۱.　　......المرجع السابق، ص۳۰.

......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1548 صفحات پر مشتمل کتاب، ”فیضانِ سنّت“ صفحہ 105 تا 106 پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیِ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ، حضرتِ سیِّدُنا ابونصر بشر بن حارث حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کی توبہ کا واقعہ کچھ یوں تحریر فرماتے ہیں: ”حضرت سیِّدُنا بشر حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی توبہ سے قبل بہت بڑے شرابی تھے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ شراب کے نشے میں دُھت کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کاغذ پر نظر پڑی جس پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم لکھا ہوا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعظیماً اٹھالیا اور عطر خرید کر مُعَطَّر کیا پھر اسے ایک بلند جگہ پر ادب کے ساتھ رکھ دیا۔ اسی رات ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے، ”جاؤ! بشر سے کہہ دو کہ تم نے میرے نام کو مُعَطَّر کیا، اس کی تعظیم کی اور اسے بلند جگہ رکھا ہم بھی تمہیں پاک کریں گے۔“ ان بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دل میں سوچا کہ بشر تو شرابی ہے۔ شاید مجھے خواب میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے وضو کیا، نفل پڑھے اور پھر سو رہے۔ دوسری اور تیسری بار بھی یہی خواب دیکھا اور یہ بھی سنا کہ ”ہمارا یہ پیغام بشر ہی کی طرف ہے۔ جاؤ! انہیں ہمارا پیغام پہنچا دو!“ چنانچہ وہ بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرتِ بشر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تلاش میں نکل پڑے۔ ان کو پتا چلا کہ وہ شراب کی محفل میں ہیں تو وہاں پہنچے اور بشر کو آواز دی۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو نشے میں بدمست ہیں! انہوں نے کہا، انہیں جا کر کسی طرح بتا دو کہ ایک آدمی آپ کے نام کوئی پیغام لایا ہے اور وہ باہر کھڑا ہے۔ کسی نے جا کر اندر خبر دی۔ حضرتِ سیِّدُنا بشر حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے فرمایا، اس سے پوچھو......

ساتویں فرمان کی شرح

اس خواب میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرتِ سیِّدُنا ابونصر بشر بن حارث حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کی چار خصلتیں بیان فرمائیں جن کے سبب انہیں بلند رتبہ عطا فرمایا گیا (۱)......اِتباعِ سنت (۲)......صالحین کی خدمت (۳)......اسلامی بھائیوں کو نصیحت اور (۴)......حضرات صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت۔ ان چاروں کی مختصر شرح بیان کی جاتی ہے:

(۱)......اِتباعِ سنت:

حضرتِ سیِّدُنا ابونصر بشر بن حارث حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی، حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی سنتوں کی پیروی ظاہر و باطن میں اخلاص اور یقین کے ساتھ کرتے تھے۔ یہی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بلند رتبہ کا پہلا سبب بیان ہوا۔

(۲)......صالحین کی خدمت:

بلند مرتبہ تک پہنچنے کا دوسرا سبب صالحین کی خدمت تھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نیک لوگوں کی خدمت اس طرح کرتے کہ دل میں ان سے عقیدت رکھتے، اعضاء سے ان کے کام آتے، اپنی زبان سے ان کی حمایت و تعریف کرتے اور ان حضرات کی جو باتیں خطا کا احتمال رکھتی تھیں ان میں تاویل کرتے۔ صالحین خواہ خاص ہوتے یا عام۔

صالح کی تعریف:

ہر وہ شخص جس کا فسق اور گناہ ثابت نہ ہو اسے صالح کہتے ہیں اور اس میں کسی فاسق کے فوری شک اور بدگمانی کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز اسی طرح مسلمانوں کی ٹوہ میں پڑنے والے اور اپنے مسلمان بھائی کی رسوائی چاہنے والے اور

......کہ وہ کس کا پیغام لایا ہے؟ دریافت کرنے پر وہ بُزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمانے لگے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کا پیغام لایا ہوں۔ جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ بات بتائی گئی تو جھوم اٹھے اور فوراً ننگے پاؤں باہر تشریف لے آئے پیغامِ حق سن کر سچے دل سے توبہ کی **اور (ولایت کے) اس بلند مقام پر جا پہنچے کہ مشاہدۂ حق عَزَّوَجَلَّ کے غلبہ کی شدت سے ننگے پاؤں رہنے لگے۔** اسی لئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **''حافی''** (یعنی ننگے پاؤں والا) کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ (تذکرۃ الاولیاء، ٦٨) اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اُن پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔

اہلِ ایمان میں برائی پھیلانے والے کا حکم ہے کہ اس بارے میں ان کے اقوال اور گواہیوں کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

صالحین کی حمایت کا صلہ:

حضرتِ سیِّدُ نا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٣٨ ھ) اپنی کتاب "رُوْحُ الْقُدُس" میں فرماتے ہیں: "اَلْحَمْدُلِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ! مَیں ہمیشہ صوفیائے کرام کے حق میں ظاہری فقہا سے سچا جہاد کرتا رہا، ان سے اعتراضات کو دور کرتا رہا اور ان کی حمایت کرتا رہا اور اسی عمل کے وسیلہ سے مجھے کشف کی دولت نصیب ہوئی اور جو شخص ان نفوسِ قدسیہ کی مذمت کے درپے ہوتا ہے اور معین وخاص کر کے ان کی برائی کرتا ہے وہ نرا جاہل ہے اور وہ کبھی بھی فلاح و نجات نہیں پاسکتا۔"

حضرتِ سیِّدُ نا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٣٨ ھ) نے یہاں "معین وخاص کر کے صوفیائے کرام کی برائی کرنے" والے کو جاہل فرمایا، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بغیر خاص کئے عمومی طریقے (Generally speaking) پر ان کی برائی ہوسکتی ہے یعنی آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بغیر خاص کئے ان میں موجود (بناوٹی صوفیوں) کے فاسد گروہ سے خبردار کیا ہے تاکہ مکلّف (یعنی جس پر شرع کی پابندی لازم ہے) جان لے کہ یہ بناوٹی بھی اس اچھے گروہ میں گھسے ہوئے ہیں اور یوں وہ ان سے بچے اور ہوشیار رہے اور اکثر متقدمین فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کی یہی عادتِ مبارکہ تھی (یعنی بغیر خاص کئے مذمت و برائی بیان کرتے) اور اس کتاب "اَلطَّرِیْقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃ" کے مصنف (حضرتِ سیِّدُ نا علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی متوفی ٩٨١ ھ) بھی انہی فقہا میں سے ہیں۔ جبکہ ہمارے زمانے کے فقہا کا حال یہ ہے کہ یہ پہلے والوں کے عمومی کلام کے ساتھ اپنے زمانے کے مخصوص فقرا پر حکم لگاتے ہیں۔ پس یہ لوگ بدگمانی میں مبتلا ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرتِ سیِّدُ نا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٣٨ ھ) نے ایسا کرنے والے شخص کے بارے میں فرمایا: "وہ نرا جاہل ہے اور کبھی بھی فلاح ونجات نہیں پاسکتا۔"[1]

(٣)......اسلامی بھائیوں کو نصیحت:

حضرتِ سیِّدُ نا ابونصر بشر بن حارث حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کو بلند رتبہ ملنے کا تیسرا سبب ان کا اپنے اسلامی بھائیوں کو

---

[1] ......روح القدس للشیخ محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللّٰہ القوی...

نصیحت کرنا تھا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت سنت کے مطابق ہوا کرتی اس طرح کہ کسی فرد کو معین کئے بغیر ان کے عقائد واَعمال اور اَقوال واَحوال کی دُرُستی کی کوشش فرماتے اور یہ اس اَندیشہ کے سبب کہ ہوسکتا ہے اگر خاص فرد کو معین کر کے جس برائی پر نصیحت کی جائے وہ برائی ہی اس میں نہ ہو اور یہ نصیحت کرنا اس کے لئے اَذِیَّت وتکلیف کا باعث بن جائے۔ نیز معین کئے بغیر نصیحت کا طریقہ قرآن وسنت کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔

(۴)......محبتِ صحابہ واہلِ بیت:

حضرتِ سیِّدُنا ابو نصر بشر بن حارث حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے بلند مرتبہ کا چوتھا سبب یہ بیان ہوا کہ وہ حضور نبیٔ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے صحابۂ کرام اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اہلِ بیتِ اَطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے محبت کرتے تھے اور ہر صحابی سے اس طرح محبت ہونی چاہئے کہ اس کی ذات میں ہر طرح کے طعن وتشنیع سے پرہیز کیا جائے اور ان کے باہمی جھگڑوں اور جنگوں وغیرہ سے خاموشی اختیار کی جائے کیونکہ ان سے صادر ہونے والی ایسی تمام باتیں ان کا دین میں اجتہاد کرنا تھا جس پر ثواب ملتا ہے اگرچہ ان میں سے بعض خطا پر ہوں (کیونکہ اِجتہاد میں خطا کرنے والے کو بھی ایک ثواب ملتا ہے) اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اہلِ بیت اَطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مراد آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ذُرِّیت اور اَقربا ہیں اور یہ حضرتِ سیدتُنا فاطمہ، امیر المؤمنین حضرتِ سیِّدُنا علی المرتضیٰ، حضرتِ سیِّدُنا جعفر، حضرتِ سیِّدُنا عقیل، حضرتِ سیِّدُنا عباس اور حضرتِ سیِّدُنا حمزہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اولادِ امجاد ہیں۔ بہرحال ان چار باتوں (اتباعِ سنت، خدمتِ صالحین، اسلامی بھائیوں کو نصیحت اور محبتِ صحابہ واہلِ بیت) کے سبب حضرتِ سیِّدُنا بشر حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کو اتنا بڑا رُتبہ عطا فرمایا گیا۔

(8)......حضرتِ سیِّدُنا ابو سعید خراز علیہ رحمۃ اللہ الغفّار کا فرمان:

حضرتِ سیِّدُنا ابو سعید احمد بن عیسیٰ خراز علیہ رحمۃ اللہ الغفّار ارشاد فرماتے ہیں: ''ہر وہ باطنی اَمر باطل ومردُود ہے جس کی ظاہر (یعنی شریعت) مخالفت کرے۔''[1]

[1] ......الرسالة القشيرية، ابو سعيد احمد بن عيسى الخراز، ص٦١.

حضرتِ سیِّدُ نا ابو سعید خراز علیہ رحمۃ اللہ الغفّار کا مختصر تعارف:

حضرتِ سیِّدُ نا ابو سعید احمد بن عیسیٰ خراز علیہ رحمۃ اللہ الغفّار اہلِ بغداد میں سے ہیں اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۲۷۷ھ کو وصال فرمایا[1]۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ان پر رحمت ہو (اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔ امین)۔

آٹھویں فرمان کی شرح

باطنی امر سے مراد وہ ہے جو علمِ باطن سے معلوم ہو اور وہ حقائقِ الٰہیہ اور معارفِ ربانیہ کا علم ہے اور ظاہر سے مراد وہ ہے جس کا تعلق علمِ ظاہر سے ہو اور وہ قوانینِ نبوی اور احکاماتِ محمدی کا علم ہے۔ پس جو باطنی معاملہ ظاہری علم یعنی علمِ شریعت کے خلاف ہو وہ مردود ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ جب اس نے ظاہر کی مخالفت کی تو وہ شیطانی وسوسہ اور نفس کی بناوٹ ہے اور اس مخالفت کو علمِ ظاہر اور علمِ باطن کے محققین کے علاوہ کوئی نہیں پہچانتا۔ لہٰذا اس مخالفت کی پہچان کے لئے کم علم لوگوں کے علم کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ بعض اوقات یہ اچھے کام کو مخالفت گمان کرتے ہوئے انکار کر دیتے ہیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو ان نفوسِ قدسیہ، حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ السلام کی اصطلاحات، وجدان اور ذوق سے ناواقف ہوں، ایسے لوگوں کے علم کا کوئی اعتبار و بھروسا نہیں۔

(9)......حضرتِ سیِّدُ نا محمد بن فضل بلخی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا فرمان:

حضرتِ سیِّدُ نا ابو عبد اللہ محمد بن فضل بلخی علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں: ''چار باتوں کے سبب چار قسم کے لوگوں سے اسلام چلا جاتا ہے: (۱) اپنے علم پر عمل نہیں کرتے (۲) جس کا علم نہیں اس پر عمل کرتے ہیں (۳) جو عمل کرتے ہیں اس کا علم نہیں سیکھتے اور (۴) وہ لوگ جو دوسروں کو علم حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔''[2]

[1] ......شیخ المشائخ، مخدوم الاولیا، حضرتِ سیِّدُ نا داتا علی بن عثمان ہجویری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی مابین ۴۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''حضرتِ ابو سعید خراز علیہ رحمۃ اللہ الغفّار اہلِ توکل و رضا کا سفینہ، راہِ فنا پر گامزن، مریدوں کے احوال کی زبان اور وقت کے طالبانِ حق کی برہان و دلیل ہیں۔ سب سے پہلے فنا و بقا کے راستوں کی لفظوں میں تعریف بیان کرنے والے ہیں اور آپ کے مناقب، عمدہ ریاضتیں اور ان کے نکات مشہور و معروف ہیں۔ آپ کا کلام رموز و اشارات کی بلندی کو چھو رہا ہے اور آپ حضرتِ سیِّدُ نا ذوالنون مصری، حضرتِ سیِّدُ نا بشر حافی اور حضرتِ سیِّدُ نا سری سقطی رحمہم اللہ تعالیٰ کے صحبت یافتہ ہیں۔ (کشف المحجوب، ص ۱۵۰)

[2] ......الرسالة القشيرية، ابو عبد الله محمد بن الفضل البلخى، ص۵۶.

حضرتِ سیِّدُ نا محمد بن فضل بلخی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا مختصر تعارف:

حضرتِ سیِّدُ نا ابوعبداللہ محمد بن فضل بلخی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے سمرقند میں سکونت اختیار فرمائی اور اصل تعلق ''بلخ'' سے تھا جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں سے نکالے گئے تو سمرقند تشریف لے گئے اور ۳۱۹ھ میں وہیں وفات پائی۔

نویں فرمان کی شرح

چار قسم کے لوگوں سے اسلام کے نکل جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں اسلام کی رسومات وطور طریقے کمزور ہو جاتے ہیں اور عمل کرنے والوں کے دلوں سے اسلام کے انوار نکل جاتے ہیں۔اس طرح کہ اسلام کا صرف نام باقی رہتا اور یہ شریعت کے بجائے طبیعت ہوکر رہ جاتا ہے تو اس وقت آدمی وہی کرتا ہے جسے اپنی رائے اور عقل سے اچھا سمجھتا ہے اور اپنی جہالت پر قناعت کرتے ہوئے شریعت سے حاصل کردہ علم کو چھوڑ دیتا ہے اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب زمانہ انحطاط پذیر (یعنی خیر کی کمی کا شکار) ہو اور اہلِ ایمان کے علمِ نافع کا انکار ہونے لگے۔(اب نویں فرمان میں مذکور چار باتوں کی وضاحت کی جاتی ہے)

نورِ اسلام کو ختم کرنے والی چار باتیں:

حضرتِ سیِّدُ نا ابوعبداللہ محمد بن فضل بلخی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے چار باتیں ارشاد فرمائیں کہ ان کے سبب چار قسم کے لوگوں سے اسلام چلا جاتا ہے۔ان کی وضاحت درج ذیل ہے:

پہلی بات: اپنے علم پر عمل نہیں کرتے۔کیونکہ وہ صرف اس لئے علم سیکھتے ہیں کہ اس کے ذریعے عوام سے ممتاز ہو جائیں اور اس علم کو دنیا کے حلال وحرام مال جمع کرنے کا ذریعہ بنائیں اور وہ عمل کرنے کے لئے علم نہیں سیکھتے پس اپنے مذموم مقاصد کے تحت کوشاں رہتے ہیں۔انہیں کہا تو ''اہلِ علم'' جاتا ہے مگران کے کام جاہلوں بلکہ اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ مذاق کرنے والوں کی طرح ہوتے ہیں گویا کہ انہوں نے دین اس لئے سیکھا تا کہ اسے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ پر حجت بنائیں۔تو تم ان کو دیکھو گے کہ جان بوجھ کر کبیرہ گناہوں میں پڑتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھے ہوئے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ غفورٌ رَّحیم (غَ۔فُو۔رُر۔رَ۔حیم) ہے اور ہم نے اس کے دین کا جو تھوڑا بہت علم حاصل کیا ہے اس کے سبب وہ ہم سے ضرور درگزر فرمائے گا۔'' اور یوں اپنے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور وہ یہی

سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کرنے والے ہیں[1]۔

دوسری بات: جس کا علم نہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ اپنے عقائد، عبادات اور معاملات کے متعلق یا ان میں سے بعض کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام کا علم نہیں رکھتے اور ان باتوں کے معاملہ میں صرف اپنی عقلوں کی پیروی کرتے ہیں اور جہاں ان کی رائے انہیں لے جائے اور ان کے نفس جسے اچھا سمجھیں صرف اس کی اتباع کرتے ہیں اور نہ صرف خود عمل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے ہیں اور اس پر اپنی مخالفت کرنے والوں سے جھگڑتے اور جنگ کرتے ہیں (جیسے ہر دور کے خارجیوں کا طریقہ ہے) اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ''جو ہم کرتے ہیں وہی حق و درست ہے۔'' اور حد تو یہ ہے کہ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بڑے ثواب کی امید لگائے ہوئے ہیں۔

تیسری بات: جو عمل کرتے ہیں اس کا علم نہیں سیکھتے۔ یعنی جو عقائد، اقوال اور افعال انہوں نے اپنا رکھے ہوتے ہیں ان کے متعلق مشائخ و اساتذہ یا کتابوں سے علم حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی ان میں ایسی خالص نیت اور پاکیزہ بصیرت ہوتی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ (بغیر واسطہ) انہیں علم عطا فرما دے، انہیں اپنی محبت و رضا والے کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور انہیں شیخ اور کتاب کی طرف محتاج نہ کرے۔ جیسا کہ (بغیر واسطہ علم عطا فرمانے کے بارے میں) اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

﴿۱﴾

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴿۴﴾ (پ۲۷، الرحمٰن: ۱ تا ٤)

ترجمۂ کنزالایمان: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ما کان وما یکون کا بیان اُنہیں سکھایا۔

---

[1] ...... حجۃ الاسلام، حضرت سیِّدُنا امام ابو حامد محمد بن محمد شافعی غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص ایمان کے بیج کو طاعات وعبادات کا پانی نہ دے یا دل کو بری عادات واخلاق سے گندہ ہونے کے لئے چھوڑ دے اور دنیاوی لذتوں (یعنی گناہوں) میں منہمک ہو کر مغفرت و بخشش کا انتظار کرے تو ایسا انتظار محض بیوقوفی اور دھوکا ہے۔ چنانچہ، حضور نبیِّ اکرم، رسولِ محتشم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: اَلْاَحْمَقُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْجَنَّةَ یعنی وہ شخص احمق ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے چلائے اور اللہ تعالٰی سے جنت کی خواہش رکھے۔'' اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ۙ﴿۵۹﴾ (پ ۱۶، مریم: ۵۹) ترجمۂ کنزالایمان: تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے اور ارشاد فرماتا ہے: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ (پ ۹، الاعراف: ۱۶۹) ترجمۂ کنزالایمان: پھر ان کی جگہ ان کے بعد وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے اس دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے اب ہماری بخشش ہوگی۔ (احیاء علوم الدین، کتاب الخوف والرجاء، ج٤، ص۱۷۵)

﴿۲﴾

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ (پ۳،البقرۃ۲۸۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔

بلکہ ان کے باطن گندگیوں اور خبائث سے بھرے ہوئے ہیں اور ظاہر طرح طرح کے ملبوسات سے مزین ہیں یعنی ایسے حال میں ہیں کہ کوئی صاحبِ ایمان ان کے غرور وتکبر اور بری عادتوں کے سبب ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ ان میں سے ایک آدمی دن رات میں ہزار چہرے بدلتا ہے اور ان میں سے کسی کا بھی کوئی قابلِ اعتماد دوست نہیں ہوتا کیونکہ وہ پیٹھ پیچھے لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی دشمن ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے ان کی چاپلوسی کرتے ہیں۔

چوتھی بات: دوسروں کو علم حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔ یعنی اس علمِ نافع سے روکتے ہیں جو دنیا میں بدعت سے پاک عملِ صالح کی پہچان کرواتا، آخرت میں جہنم سے نجات دلاتا، جنت کی دائمی نعمتوں اور ہمیشہ کی خوشیوں کے حصول کا سبب بنتا اور انعام یافتہ اہلِ ایمان کے ساتھ سر کی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کی عظیم نعمت سے سرفراز کرواتا ہے۔ مگر اسلام کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے یہ لوگ جس پر بھی قدرت پاتے ہیں اسے علمِ نافع سے خوف دلا کر یا جو علمِ نافع سیکھ رہا ہو اس کے حوالے سے ڈرا کر[1] یا دُنیا و آخرت میں نقصان دہ علم کو اس کے لئے مزین کر کے نفع بخش علم سے روکتے ہیں اور ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ دنیا میں نہ بکنے والا سامان رائج کریں اور متقین کا راستہ چھپا دیں۔ ان کے دلوں میں دنیا کی محبت گھر کر چکی ہے اور اپنے پاس موجود مال و دولت میں مگن ہیں۔ پس یہ لوگ علومِ شرعیہ کو حقیر جانتے ہیں اور عقلی خرافات کو عظیم سمجھتے ہیں اور ہمارے (یعنی سیدی عبدالغنی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے) زمانے کے اکثر لوگوں کی یہی حالت ہے اور ہم کسی کو معین وخاص کر کے یہ بات نہیں کہتے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ، ظالموں

---

[1] ......جیسے اس پرفتن دور میں علمِ دین سیکھنے والے سے کہا جاتا ہے: ''دیکھو! فلاں نے علمِ دین پڑھا مگر وہ معاشی طور پر کمزور ہے۔'' یہ محض ایک شیطانی بات ہے۔ ایسا کہنے والے اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ جو شخص رضائے الٰہی پانے اور حبیبِ خدا، احمدِ مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خوشنودی کے لئے علمِ دین حاصل کرتا ہے اور علم کو دنیاوی مال و دولت جمع کرنے کا ذریعہ نہیں بناتا، ایسا شخص ہی علم کی روح اور دنیا و آخرت میں کامیابی پاتا ہے۔ یاد رہے! عالمِ دین کبھی بھوکا نہیں مرتا بلکہ اخلاص کے ساتھ علمِ دین حاصل کرنے والوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ غیب سے رزق عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِّ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جو شخص دین کی سمجھ (یعنی علم) حاصل کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے غموں میں کافی ہو جاتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔'' (جامع بیان العلم وفضلہ، باب ماجاء فضل العلم، الحدیث:۱۹۸، ص٦٦)

کو خوب جانتا ہے۔

تذکرۂ رسالہ قشیریہ:

مصنفِ طریقہ محمدیہ حضرت سیدی علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۹۸۱ھ) فرماتے ہیں: ''سید الطائفہ (یعنی گروہِ صوفیا کے سردار) حضرتِ سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے پہلے فرمان سے لے کر یہاں (نویں فرمان) تک تمام فرامین حضرتِ سیِّدُ نا عارف باللہ امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) کی شہرہ آفاق تصنیف ''اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّۃ'' [1] سے نقل کئے گئے ہیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ کتاب اسلامی ممالک کے صوفیہ کی جماعت کے لئے ٤٣٧ھ میں لکھی۔

حق کے طلب گار کو نصیحت:

اے عقلمند! اے پہچان کر عمل کرنے کے لئے حق کے طلب گار! تعصب اور بے راہ روی چھوڑ کر بنظر انصاف دیکھ کہ یہ تمام نفوسِ قدسیہ (یعنی سید الطائفہ جنید بغدادی، سری سقطی، ابو یزید بسطامی، ابوسلیمان دارانی، ذوالنون مصری، بشر حافی، ابوسعید خراز اور محمد بن فضل رحمہم اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) عظیم ترین مشائخ طریقت [2] اور انوارِ الٰہی کے مشاہدہ وکشف کی راہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچے ہوئے، حقیقت آشنا [3] عظیم پیشوا ہیں، یہ سب کے سب شریعتِ محمدیہ اور طریقۂ مصطفویہ کی ظاہر و باطن سے تعظیم کر رہے ہیں اور کیوں نہ کریں کہ یہ حضرات ان بلند و بالا مقامات اور درجات تک اسی تعظیم اور سیدھی راہِ شریعت پر چلنے کے سبب پہنچے ہیں۔ان بزرگانِ دین اور ان کے علاوہ دیگر صوفیائے کاملین میں سے کسی

---

[1] ...... حضرتِ سیِّدُ نا ابونصر عبدالوہاب بن علی عبدالکافی سبکی المعروف تاج الدین سبکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۷۱ھ) ''اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّۃ'' کے متعلق فرماتے ہیں: ''یہ وہ مشہور و معروف کتاب ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جس گھر میں ہو وہاں کوئی مصیبت و آفت نہیں آتی۔''

(طبقات الشافعية الكبرى،الطبقة الرابعه،عبدالكريم بن هوازن،٥،٩٩ـالمكتبة الشاملة)

[2] ......حضرت سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس مقام پر ''طریقت'' کی تعریف یوں فرمائی ہے: ''علم وعمل کے جامع صوفیائے کرام رحمہم اللہ السلام کا وہ راستہ جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہو اسے ''طریقت'' کہتے ہیں۔''

[3] ......اور یہاں ''حقیقت'' کی تعریف اس طرح فرمائی کہ ''افعالِ عُبُودِیت (یعنی اطاعت وفرمانبرداری) میں ربوبیت کا مشاہدہ کرنے اور اسباب میں رہتے ہوئے حجابات کے اٹھ جانے کو ''حقیقت'' کہتے ہیں۔''

ایک سے بھی منقول نہیں کہ اس نے شریعت مطہرہ کے کسی حکم کی تحقیر کی ہو یا اس کو قبول کرنے سے باز رہا ہو بلکہ یہ سارے بزرگ ہر حکمِ شریعت کو تسلیم کرنے، اس پر ایمان لانے، اس کا علم رکھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں اور جو شخص ان عظیم ہستیوں میں سے کسی کے بارے میں طعن و تشنیع کرتا ہے وہ یقیناً ان کے مقام کی معرفت سے بے خبر ہے اور وہ جہالت و بے خبری کے ہاتھوں ایسا کرنے پر مجبور ہے۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ دلوں کی بات جانتا ہے۔ نیز یہ حضرات قرآن وسنت کے معانی سے متعلق کشفِ ربانی والہامِ رحمانی کے ذریعے حاصل ہونے والے اپنے باطنی علوم کی بنیاد سیرتِ محمدی پر اور ہر باطل سے جدا ملتِ حنفیہ پر رکھتے ہیں کہ یہی ملتِ اسلام ہے اور ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کسی عارف اور سالک کے نزدیک ان نفوسِ قدسیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہ باطنی علوم، شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہوں۔ البتہ! جاہل اور دھوکے میں پڑا ہوا شخص اس کے مخالفِ شرع ہونے کا دعوی کرتا ہے اور وہ جاہل وفریب خوردہ، علم اور ذوقِ سلیم سے عاری ہونے کی وجہ سے زبردستی اس معاملہ میں دخل اندازی کرتا ہے حالانکہ وہ ان راہوں سے بالکل ناواقف ہے۔

پس جب تو نے جان لیا کہ یہ بابرکت ہستیاں یعنی حضرات صوفیائے کرام، شریعت کے احکام کو مضبوطی سے تھامنے والے اور قریب ترین ذریعے سے قرب الٰہی حاصل کرنے والے ہیں تو خیال کرنا کہ کہیں ان جاہلوں کی حد سے گزری ہوئی باتیں اور دین کو نقصان پہنچانے والے کام تجھے دھوکے میں نہ ڈالیں کہ بغیر علم ومعرفت سالک وعابد بنے بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ عقائدِ اہلسنّت سے ناواقفی، خلاف شرع باتوں، جہلِ مرکب کے سبب باطل اعمال اور خود کو ہدایت پر سمجھنے کے اعتبار سے خود بگڑے اور دوسروں کو بھی بگاڑتے ہیں۔ آپ گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ شریعتِ مستقیم سے ہٹ کر بدمذہبی اور بے دینی کی طرف مائل ہیں۔ سیدھی راہ کو چھوڑ کر جہنم کی راہ چلتے ہیں۔ علمائے شریعت کی راہ سے الگ ہیں کیونکہ یہ اپنی کمزور عقلوں اور بیہودہ رائے کے حکموں پر عمل کرتے ہیں جبکہ علمائے شریعت قرآن وسنت، اجماعِ امت اور پختہ قیاس کے احکام پر چلتے ہیں۔ نیز یہ جاہل لوگ، مشائخِ طریقت کے مسلک سے بھی خارج ہیں کیونکہ یہ آدابِ شریعت سے روگردانی کئے ہوئے ہیں اور اس کے مستحکم قلعوں میں پناہ لینے کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ پس وہ انکارِ شریعت کے سبب کافر ہیں اور دعوے یہ کرتے ہیں کہ ہم اس کے انوار سے روشن ہیں۔

مشائخِ طریقت آدابِ شریعت پر قائم ہیں اور تمام مخلوق پر لازم احکامِ الٰہی کی تعظیم کا عقیدہ رکھتے ہیں اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں مقاماتِ محبت میں قدسی کمالات کا تحفہ عطا فرمایا جبکہ خرافات کے دھوکے میں پڑے ہوئے اور عار کے لباس میں ملبوس یہ جاہل لوگ ظاہر میں مسلمان اور حقیقت میں کافر ہیں۔ یہ ہمیشہ اپنے فاسد خیالات کے بتوں کے سامنے جم کر بیٹھے رہتے ہیں اور شیطان جو وسوسے ان کے خیالات وافکار میں ڈالتا ہے انہیں پر فریفتہ ہیں۔ پس ان کے لئے پوری خرابی ہے اس لحاظ سے کہ یہ اس مقام پر اپنی حالت پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اس کو برا نہیں سمجھتے کہ اس سے رجوع کرلیں اور نہ ہی انہیں اپنے جاہل ہونے کا خیال آتا ہے کہ دوسروں سے ایسا علم حاصل کریں جو انہیں اس بری حالت سے نفرت دلائے اور ان کے لئے بھی ہر طرح سے خرابی ہے جو دنیا وآخرت میں رسوائی کا سبب بننے والی ان کی قبیح حالت اور سیرت کی پیروی کرتے ہیں یا ان کے کاموں کو اچھا جانتے ہیں۔ پس یہ جاہل لوگ، عابدین کے حق میں راہِ خدا کے راہزن (یعنی لٹیرے) ہیں اس طرح کہ جو شخص عبادت وطاعت اور اخلاص وتقویٰ کی راہ پر چلنا چاہتا ہے یہ لوگ اسے اپنی بناوٹی باتوں، تکبرانہ اعمال، ناقص احوال، اور غلط آراء کے ذریعے اس راہ سے روکتے ہیں اور احکامِ شرع کا انکار کرکے ہر دینی کام میں حق کو باطل کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے بندوں کے لئے جو حق (یعنی دین اسلام) حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم لائے ہیں اسے جان بوجھ کر چھپاتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف اپنے لئے دین کے معاملہ کو آسان بنانا اور کمالات کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے اور حال یہ ہے کہ نرے جاہل اور دین کے اصول وفروع کو ضائع کرنے والے ہیں۔

اسلامی اندازِ نصیحت:

یاد رکھو! اس مقام پر جن لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، حضرت مصنف (یعنی صاحبِ طریقہ محمدیہ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو کسی خاص گروہ کے ساتھ خاص اور معین نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے صرف اس شخص کے متعلق خبردار فرمایا ہے جو ان برائیوں میں ملوث ہو۔ پس یہ ضروری نہیں کہ ہمارے اس زمانے اور ہمارے شہروں میں ایسے لوگ پائے بھی جاتے ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ایسے جاہل لوگ موجود نہ ہوں۔ لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ کسی خاص ومعین شخص کے متعلق بدگمانی نہ کریں۔ اپنے اسلامی بھائیوں کی پردہ پوشی کے لئے ان کے اقوال اور اعمال میں (جہاں تک شریعت اجازت

دے) تاویل کریں۔ان کی خامیوں کی ٹوہ (یعنی تلاش وجستجو) میں نہ لگے رہیں۔انہیں نصیحت عمومی طریقے (generally speaking) پرکریں اس طرح کہ انہیں برائی سے منع کرتے ہوئے بالکل یہ گمان نہ کریں کہ یہ برائی ان میں موجود ہے چہ جائیکہ صراحت کی جائے کہ ''یہ برائی ان میں موجود ہے۔'' اورہمیں چاہئے کہ ہم نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے معاملہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ اوراس کے پیارے رسول، رسولِ مقبول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک طریقہ کی پیروی کریں (یعنی عمومی طور پر نصیحت کریں) وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ یعنی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کوسنوارنے والے سے۔

موجودہ واعظین کا اندازِ نصیحت:

ہم پرلازم ہے کہ موجودہ زمانے کے علمااور واعظین کی اس عادت وانداز کی مخالفت کریں کہ اپنے وعظ سے مخصوص لوگوں کونصیحت کرنے کا قصدوارادہ کرتے ہیں۔سب کے سامنے لوگوں کورسوا کرتے ،جھڑکتے اورڈانٹتے ہیں اور ہرخاص وعام کی ٹوہ میں پڑتے اوران کے متعلق بدگمانی کرتے ہیں اوراپنے اس فعل کوطاعت ونیکی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بدترین گناہ ہے وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم (یعنی نیکی کی توفیق اورگناہ سے بچنے کی طاقت، عظیم وبرتر اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے ہےاوروہ سب کچھ جانتا ہے)۔

مدعیٔ ولایت کے احترام کا صلہ:

حضرتِ سیِّدُنا شیخ محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٣٨ھ) ''شَرْحُ الْیُوْسُفِیَّۃ'' میں فرماتے ہیں: ''میں نے خواب میں رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم یا کسی اور نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی زیارت کی وَاللّٰہُ اَعْلَم (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ بہتر جانتا ہے) پس انہوں نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تو جانتا ہے کہ تجھے بارگاہ الٰہی سے یہ اعلیٰ مقام کس وجہ سے ملا؟'' میں نے عرض کی: ''نہیں۔'' ارشادفرمایا: ''تیرے اس شخص کا احترام کرنے کی وجہ سے جواپنے اہل اللہ (یعنی ولی) ہونے کا دعوی کرتا ہے اگرچہ حقیقت میں وہ اپنے دعوی میں سچا ہو یا نہ ہو۔پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تجھ پرکرم کیا اور تیرا یہ عمل قبول فرما کر تجھے یہ اعلی مقام عطا فرمادیا جوتو دیکھ رہا ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مزید فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کچھ بندے اور بندیاں ایسے ہیں جن کی خِلقت میں اللہ

عَزَّوَجَلَّ نے صرف خیر و بھلائی کو رکھا ہے۔وہ ہر شخص کے ساتھ حسن ظن (یعنی اچھا گمان) ہی رکھتے ہیں بلکہ ان کے دلوں میں کوئی گھٹیا خیال تک نہیں آتا اور یہی وہ دل ہیں جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے خیر ہی کے لئے محفوظ رکھا تو وہ ہر ایک سے نفع اٹھاتے ہیں۔لہٰذا جو کوئی اس چیز کو اپنی ذات میں پائے وہ اس عطیہ خداوندی پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرے۔اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے کرم واحسان سے ہمیں اور ہمارے اسلامی بھائیوں کو ان بندوں میں رکھے جو اولیائے کرام بلکہ عام مسلمانوں میں بھی عیب نکالنے اور ان کی برائی اور غیبت کرنے سے محفوظ رہتے ہیں۔(امین بجاہ النبی الامین صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

تین پیسے کا وبال

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1548** صَفحات پر مشتمل کتاب، ''**فیضانِ سنّت**'' صَفحہ**900** پرشیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا **ابو بلال محمد الیاس عطّار** قادری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: میرے آقا اعلیٰ حضرت، امام اہلسنّت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے قرضے کی ادائیگی میں سستی اور جھوٹے حِیل (ح۔یَ۔لْ) وحجت کرنے والے شخص زید کے بارے میں استفسار ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''زید فاسق وفاجر، مرتکب کبائر، کذاب، مستحق عذاب ہے اس سے زیادہ اور کیا القاب اپنے لئے چاہتا ہے! اگر اس حالت میں مر گیا اور دَین (قرض) لوگوں کا اس پر باقی رہا، اس کی نیکیاں ان (قرضخواہوں) کے مطالبہ میں دی جائیں گی۔ کیونکر دی جائیں گی (یعنی کس طرح دی جائیں گی۔یہ بھی سن لیجئے) تقریباً ''**تین پیسہ**'' دَین (قرض) کے عِوض (یعنی بدلے) **سات سو نمازیں باجماعت** (دینی پڑیں گی)۔جب اس (قرض دبا لینے والے) کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی اُن (قرضخواہوں) کے گناہ اِس (مقروض) کے سر پر رکھے جائیں گے اور آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

(فتاوی رضویہ، ج ۲۵، ص ۶۹ ملخصًا)

تیسری فصل:

اعمال میں میانہ روی کا بیان

کتاب (طریقہ محمدیہ) کے تین ابواب میں سے پہلے باب کی یہ تیسری اور آخری فصل ہے جو اعضاء سے ادا کی جانے والی عبادات میں اعتدال ومیانہ روی اختیار کرنے کے بیان میں ہے۔میانہ روی افراط (یعنی زیادتی) کی ضد ہے اور اس کا معنی ''کمی زیادتی کئے بغیر درمیان میں رہنا'' ہے۔میانہ روی اختیار کرنے پر قرآن وسنت میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔اولاً قرآنِ مجید سے یہاں صرف سات آیاتِ طَیِّبات پیش کی جاتی ہیں۔چنانچہ،

میانہ روی کے متعلق (7) آیاتِ مبارکہ

پہلی آیت مبارکہ:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘ (پ ۲، البقرة:۱۸۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ بندوں پر آسانی چاہتا ہے:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''اَلْیُسْر'' کہتے ہیں ''سہولت وآسانی'' کو جیسا کہ جب کوئی معاملہ آسان ہوجائے تو کہا جاتا ہے: تَیَسَّرَ هٰذَا الْاَمْرُ (یعنی یہ کام آسان ہوگیا)۔

حضرت سیِّدُنا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس عبادت (یعنی روزے) میں تم پر آسانی چاہتا ہے اور وہ آسانی مسافر[1]

[1]......یہاں مراد شرعی مسافر ہے۔چنانچہ، دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 499 صفحات پر مشتمل کتاب، ''نماز کے احکام'' صفحہ 301 پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطّاؔر قادری دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَہ ''فتاویٰ رضویہ، ج۸، ص۲۷۰'' سے نقل فرماتے ہیں: ''شرعاً مسافر وہ شخص ہے جو ساڑھے 57 میل (تقریباً 92 کلومیٹر) کے فاصلے تک جانے کے ارادے سے اپنے مقامِ اقامت مثلاً شہر یا گاؤں سے باہر ہوگیا۔'' مزید معلومات کے لئے اسی کتاب کے باب ''مسافر کی نماز'' کا مطالعہ فرمالیجئے۔

اور مریض کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے[1] ۔''[2]

''تفسیر بغوی'' میں ہے کہ حضرت سیِّدُ نا امام ابو عمرو عامر بن شراحیل شعبی حمیری رضی اللہ تعالٰی عنہ (متوفی ۱۰۳ھ) نے ارشاد فرمایا: ''کسی آدمی کو دو کاموں کے کرنے میں اختیار دیا گیا اور اس نے دونوں میں سے آسان کو اختیار کیا تو وہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔''[3]

اللہ عَزَّوَجَلَّ بندوں پر دشواری نہیں چاہتا:

حضرت سیِّدُ نا امام ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) مذکورہ پہلی آیت مبارکہ کے حصے ''وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ'' کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا۔''[4]

حضرت سیِّدُ نا امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تم پر شدت اور تنگی نہیں فرمائی۔''

حق سے قریب ترین عمل:

حضرت سیِّدُ نا امام ابو عمرو عامر بن شراحیل شعبی حمیری رضی اللہ تعالٰی عنہ (متوفی ۱۰۳ھ) فرماتے ہیں: ''جب باہم دو مختلف کام تم پر لازم ہو جائیں تو ان میں جو آسان ہو وہی حق کے زیادہ قریب ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالٰی ہے: ''یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ'' ترجمۂ کنز الایمان: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔'' اور حدیثِ پاک میں ہے کہ مومنین پر رحم و کرم فرمانے والے رسول کریم، رَءُوْفٌ رَّحِیْم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو معلوم ہوا

---

[1] ......جن وجوہات کے سبب روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے ان کی تفصیل جاننے کے لئے **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1250** صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِ شریعت، جلد اوّل صفحہ **1002** تا **1008**'' اور ''فیضانِ سنت، باب فیضانِ رمضان، ص **1067** تا **1080**'' کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ

[2] ......تفسیر الخازن، پ۲، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۸۵، ج۱، ص۱۲۲.

[3] ......تفسیر البغوی، پ۲، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۸۵، ج۱، ص۱۰۸.

[4] ......تفسیر البیضاوی، پ۲، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۸۵، ج۱، ص ٤٦٦.

کہ ایک شخص مسجد میں لمبی نماز پڑھ رہا ہے تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے کندھوں کو پکڑ کر ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس امت کے لئے آسانی کو پسند اور دشواری کو ناپسند فرمایا۔'' اور یہ بات تین بار ارشاد فرمائی پھر فرمایا کہ ''اور یہ شخص دشواری کو اختیار کرتا اور آسانی کو چھوڑتا ہے۔'' (1)

دوسری آیت مبارکہ:

یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾ (پ۵، النساء:۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا۔

احکامِ شرع میں تخفیف:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٨٥ھ) مذکورہ آیت مبارکہ کے حصے ''یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہارے لئے نرم و آسان شریعت مُتَعَیَّن فرمائی اور دُشواریوں میں تمہیں رخصت دی۔'' (2)

حضرت سیِّدُنا امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۵۱٦ھ) فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ ''شرعی احکام میں وہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور اس نے آسانی فرما بھی دی۔ جیسا کہ اللہ ربُّ العالمین عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ''وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ (پ۹، الاعراف:۱۵۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور ان پر سے وہ بوجھ اتارے گا'' اور تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخْزنِ جود و سخاوت، پیکرِ عظمت و شرافت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''مجھے آسان شریعت دے کر بھیجا کیا گیا۔'' (3)

احکام میں سختی نہیں فرمائی:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٤٦٨ھ) اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

(1)......المعجم الکبیر، الحدیث: ۷۰۷/۷۰٤، ج۲۰، ص۹۸۔۹۷۔۲۹٦.

(2)......تفسیر البیضاوی، پ۵، النساء، تحت الآیة: ۲۸، ج۲، ص۱۷٦.

(3)......تفسیر البغوی، پ۵، النساء، تحت الآیة: ۲۸، ج۱، ص ۳۳۱.

''احکامِ شرع اور ہر وہ عمل جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمارے لئے آسان کر دیا اور جس میں ہمارے لئے سہولت رکھی ان میں اللہ عَزَّوَجَلَّ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور اس نے بنی اسرائیل کی طرح ہم پر احکام میں سختی نہیں فرمائی۔''

حضرت سیِّدُنا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر شریعت کے احکام کو آسان فرماتا ہے اور یہ بات ہر حکمِ شرعی نیز ہر اس عمل کو شامل ہے جسے اس نے اپنے فضل واحسان اور لطف وکرم سے ہمارے لئے آسان فرما دیا اور اس میں ہمیں سہولت عطا فرمائی۔''(1)

آسانی وتخفیف کی وجہ:

حضرت سیِّدُنا امام شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۱۲ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ تم سے عبادت وبندگی کے بوجھ کی تخفیف اس لئے چاہتا ہے کہ وہ تمہاری کمزوری وجہالت کو خوب جانتا ہے۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''تم نے اپنی جہالت کے سبب جس ''عظیم امانت''(2) کو اٹھا لیا اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر تخفیف چاہتا ہے۔''

انسان کمزور بنایا گیا ہے:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور دوسری آیت مبارکہ میں یہ بھی ارشاد ہوا: ''وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾ یعنی: اور آدمی

1...... تفسیر الخازن، پ٥، النساء، تحت الآیۃ: ٢٨، ج١، ص٣٦٩.

2...... امانت سے مراد وہ ہے جس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ (پ٢٢، الاحزاب: ٧٢) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی، بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔''

مفسر شہیر، صدرالافاضل حضرت سیِّدُنا مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) ''خزائن العرفان شریف'' میں اس کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ ''امانت سے مراد طاعت وفرائض ہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں پر پیش کیا، انہی کو آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں پر پیش کیا تھا کہ اگر وہ انہیں ادا کریں گے تو ثواب دیئے جائیں گے، نہ ادا کریں گے عذاب کئے جائیں گے۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ ''امانت نمازیں ادا کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، خانہ کعبہ کا حج، سچ بولنا، ناپ اور تول میں اور لوگوں کی ودیعتوں (یعنی امانتوں) میں عدل کرنا ہے۔'' بعضوں نے کہا کہ ''امانت سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن......

کمزور بنایا گیا۔'' یہاں لفظ انسان سے جنسِ انسان مراد ہے یعنی مرد وعورت دونوں اس میں داخل ہیں۔

حضرت سیِّدُ نا امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴٦٨ھ) اس آیت کے تحت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ''اکثر مرد جماع سے صبر کے معاملہ میں کمزور ہوتے ہیں اور عورتوں سے صبر نہیں کرتے اور انسان عورتوں کے معاملہ میں دیگر چیزوں کے مقابلہ میں زیادہ کمزور واقع ہوا ہے کہ ان سے صبر نہیں کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے لونڈیوں سے مباشرت (یعنی ہم بستری) کو جائز ومباح قرار دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ انسان کی خواہش وشہوت اسے مائل کر لیتی ہیں پس وہ اس معاملہ میں کمزور ہے۔''[1]

حضرت سیِّدُ نا امام ابومحمد حسین بن مسعود بغوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۵١٦ھ) اس کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا امام حسن بن عبداللہ بصری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ١١٠ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو بے قدر و کمزور پانی سے پیدا فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ (پ ٢١، الروم: ٥٤) ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ہے جس نے تمہیں ابتدا میں کمزور بنایا۔''[2]

تمام چیزوں سے بہتر 8 آیاتِ مبارکہ:

حضرت سیِّدُ نا امام ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٨٥ھ) مذکورہ آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: انسان خواہشات سے بچ پاتا ہے نہ ہی عبادتوں کی مشقت برداشت کرتا ہے۔ حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

......کا حکم دیا گیا اور جن کی ممانعت کی گئی۔'' حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کہ ''تمام اعضاء کان ہاتھ پاؤں وغیرہ سب امانت ہیں اس کا ایمان ہی کیا جو امانت دار نہ ہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ''امانت سے مراد لوگوں کی ودیعتیں اور عہدوں کو پورا کرنا ہے تو ہر مومن پر فرض ہے کہ نہ کسی مومن کی خیانت کرے نہ کافر معاہد کی، نہ قلیل میں نہ کثیر میں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امانت اعیانِ سموات وارض وجبال (یعنی آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں) پر پیش فرمائی پھر ان سے فرمایا: ''کیا تم ان امانتوں کو مع اس کی ذمہ داری کے اٹھاؤ گے۔'' انہوں نے عرض کیا: ''ذمہ داری کیا ہے؟'' فرمایا کہ ''اگر تم انہیں اچھی طرح ادا کرو تو تمہیں جزا دی جائے گی اور اگر نافرمانی کرو تو تمہیں عذاب کیا جائے گا۔'' انہوں عرض کیا: ''نہیں! اے رب (عَزَّوَجَلَّ)! ہم تیرے حکم کے مطیع ہیں نہ ثواب چاہیں نہ عذاب۔'' اور ان کا یہ عرض کرنا براہ خوف وخشیت تھا اور امانت بطورِ تَخْیِیر پیش کی گئی تھی یعنی انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنے میں قوت وہمت پائیں تو اٹھائیں ورنہ معذرت کر دیں، اس کا اٹھانا لازم نہیں کیا گیا تھا اور اگر لازم کیا جاتا تو وہ انکار نہ کرتے۔

[1] ......تفسیر القرطبی، پ٥، النساء، تحت الآیة: ٢٨، الجزء الخامس، ج٣، ص ١٠٤.

[2] ......تفسیر البغوی، پ٥، النساء، تحت الآیة: ٢٨، ج١، ص ٣٣١.

عنہما ارشاد فرماتے ہیں: ''سورۂ نساء کی یہ آٹھ آیات اس امت کے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر ہیں جن پر سورج طلوع و غروب ہوتا ہے:

(۱)

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَ یَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶﴾ (پ۵، النسآء: ۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لئے بیان کردے اور تمہیں اگلوں کی روشیں بتادے اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

(۲)

وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ ۫ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴿۲۷﴾ (پ۵، النسآء: ۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمانا چاہتا ہے اور جو اپنے مزوں کے پیچھے پڑے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے بہت الگ ہو جاؤ۔

(۳)

یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾ (پ۵، النساء: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا۔

(۴)

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا (پ۵، النسآء: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

(۵)

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾ (پ۵، النساء: ۴۸)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا گناہ کا طوفان باندھا۔

(٦)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ (پ٥، النساء: ٤٠)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔

(٧)

وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ (پ٥، النسآء: ١١٠)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

(٨)

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ (پ٥، النساء: ١٤٧)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ اور اللہ ہے صلہ دینے والا جاننے والا۔[1]

نورِ یقین کی برکت:

حضرت سیِّدُنا امام شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۱۲ھ) طریقہ محمدیہ میں مذکور دوسری آیتِ مبارکہ میں فرماتے ہیں: ”اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ انسان عقل اور رائے میں کمزور ہے۔ سوائے اس کے جس کی نورِ یقین سے تائید کردی جاتی ہے۔ پس یہ اس کی ذاتی قوت نہیں بلکہ نورِ یقین کی برکت ہوتی ہے۔“

تیسری آیتِ مبارکہ:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ (پ٦، المائدۃ: ٦)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے۔

دین میں وسعت:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: ”اس آیت مبارکہ کا معنی

[1] ......تفسير البيضاوی، پ٥، النساء، تحت الآية: ٢٨، ج٢، ص ١٧٦.

یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر دین میں کچھ بھی تنگی نہیں چاہتا بلکہ اس نے دین میں بڑی وسعت رکھی ہے۔'' [1]

چوتھی آیتِ مبارکہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ (پ ۷، المائدۃ: ۸۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

ستھری چیزوں سے مراد:

اس آیتِ مبارکہ میں ''طَیِّبٰتِ'' یعنی ستھری چیزوں سے مراد وہ لذت والی چیزیں ہیں جن کی نفوس خواہش کرتے اور دل اُن کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) نے فرمایا کہ حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں: یہ آیتِ مبارکہ اُن صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے یہ عزم (یعنی پختہ ارادہ) کرلیا تھا کہ'' دنیا کو چھوڑ دیں گے۔ اچھے کھانے اور لذیذ مشروبات اپنے اوپر حرام کرلیں گے (یعنی استعمال نہیں کریں گے)۔ دن کو روزہ رکھیں گے۔ رات کو قیام (یعنی عبادت) کریں گے اور خود کو خصی کرلیں گے۔'' چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی اور جان لو کہ پاکیزہ وستھری چیزوں سے اجتناب مناسب نہیں۔ [2]

حد سے بڑھنے کا مطلب:

حضرت سیِّدُنا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) آیتِ مبارکہ کے حصے ''وَلَا تَعْتَدُوْا یعنی حد سے نہ بڑھو'' کے تحت فرماتے ہیں: '' حلال سے حرام کی طرف تجاوز نہ کرو۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ '' حلال وستھری چیزوں میں اسراف کر کے حد سے نہ بڑھو۔'' [3]

---

[1] ......الوجیز للواحدی، پ۶، المائدۃ، تحت الآیۃ: ۶، ص ۱۵۱.

[2] ......التفسیر الکبیر، پ۷، المائدۃ، تحت الآیۃ: ۸۷، ج۴، ص ۴۱۶.

[3] ......التفسیر الخازن، پ۷، المائدہ تحت الآیۃ: ۸۷، ج۱، ص ۵۲۱.

حضرت سیِّدُ نا امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں: اس آیت میں ''خصا'' یعنی خصی ہونے کو ''اعتداء'' یعنی حد سے بڑھنا کہا گیا ہے۔[1] پس ارشاد فرمایا: وَلَا تَعْتَدُوْا یعنی خود کو خصی نہ کرو۔[2]

حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبیٔ اکرم، رسول محتشم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے اور ہمارے ساتھ ہماری عورتیں نہ تھیں تو ہم نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: ''کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟'' (یعنی اجازت چاہی) تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہمیں اس سے منع فرما دیا۔ پھر یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی۔''[3]

نفس کُشی میں افراط سے ممانعت:

حضرت سیِّدُ نا امام ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٨٥ھ) اس چوتھی آیتِ مبارکہ کا ماقبل سے تعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''چونکہ ماقبل آیاتِ مبارکہ میں رہبانیت اختیار کرنے پر نصاریٰ کی مدح بیان کی گئی ہے (مثلاً ان کا نیک لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کی طمع اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عطا فرما دینا وغیرہ) نیز ان آیات میں نفس کُشی اور شہوات کو چھوڑنے پر ابھارا گیا ہے اس لئے اس کے فوراً بعد اس معاملہ میں افراط (یعنی حد سے بڑھنے) سے منع کر دیا گیا اور حد سے بڑھنے کا مطلب یہ کہ اپنی طرف سے حلال کو حرام بنا کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مقررہ حد سے بڑھ جانا۔ پس ارشاد فرمایا: ''وَلَا تَعْتَدُوْا یعنی حد سے نہ بڑھو۔'' اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہارے لئے حلال فرمایا ہے اس سے تجاوز کر کے اس کی طرف نہ جاؤ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہارے لئے حرام فرما دیا ہے۔ لہٰذا یہ آیتِ مبارکہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانے سے منع کرتی ہے اور ان دونوں کی درمیانی حالت یعنی میانہ روی کی طرف بلاتی ہے (مطلب یہ کہ حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام۔ ''حاشیہ محیی الدین شیخ زادہ، ج۳، ص۱۷۵'')۔''[4]

---

[1] ......الوجیز للواحدی، پ۷، المائدۃ، تحت الآیۃ: ۸۷، ص ١٦٨.

[2] ......زاد المسیر لابن الجوزی، پ۷، المائدۃ، تحت الآیۃ: ۸۷، ج۲، ص٢٥٦.

[3] ......صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ......الخ، الحدیث: ٣٤١٠، ص ٩١٠.

[4] ......تفسیر البیضاوی، پ۷، المائدۃ، تحت الآیۃ: ۸۷، ج۲، ص ٣٥٩.

تجاوز کرنے والے پسند نہیں:

حضرت سیِّدُ نا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) مذکورہ آیت کے آخری حصہ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ'' کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''[1]

پانچویں آیتِ مبارکہ:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ (پ۸، الاعراف: ۳۲)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور پاک رزق تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہے دنیا میں اور قیامت میں تو خاص اُنہی کی ہے ہم یوں ہی مفصل آیتیں بیان کرتے ہیں علم والوں کے لئے۔

برہنہ حالت میں طواف کی ممانعت:

حضرت سیِّدُ نا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''(چونکہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ برہنہ ہو کر بیت اللہ شریف زَادَهَا اللّٰهُ شَرَفًا وَّتَعْظِيْمًا کا طواف کیا کرتے تھے تو) اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے حبیب، حبیب لبیب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے ارشاد فرمایا: ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ یعنی اے محبوب! تم خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرنے والے ان جہلائے عرب سے فرماؤ کہ کس نے حرام کی اللہ تعالٰی کی وہ زینت (یعنی لباس) جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی تاکہ وہ اس سے زینت حاصل کریں اور طواف اور اس کے علاوہ لباس پہنیں۔''

زینت کی تفسیر میں دو اقوال:

حضرت سیِّدُ نا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) مزید فرماتے ہیں: آیتِ مبارکہ میں مذکور لفظ ''زینت'' کی تفسیر میں مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام کے دو اقوال ہیں: (۱)...... پہلا قول جمہور مفسرین رحمہم اللہ المبین کا ہے

[1] ......تفسیر الخازن، پ۷، المائدة، تحت الآية: ۸۷، ج۱، ص ۵۲۱.

کہ یہاں زینت سے مراد وہ لباس ہے جس سے ستر پوشی کی جاتی ہے۔ **(۲)**......دوسرا قول حضرت سیِّدُنا امام فخر الدین رازی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ٦٠٦ھ) کا ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ زینت کی تمام اقسام کو شامل ہے لہٰذا ملبوسات اور زیورات کی تمام انواع واقسام اس کے تحت داخل ہیں اور اگر مردوں کے لئے سونا وریشم کے استعمال کے حرام ہونے کی نص (یعنی حدیثِ پاک) نہ ہوتی تو یہ دونوں بھی اس عمومی حکم میں داخل ہوتے مگر نص صرف مردوں پر حرام ہونے کے متعلق ہے عورتوں کے لئے نہیں۔''

''طیبات'' کی تفسیر میں اقوال:

حضرت سیِّدُنا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) مذکورہ آیت مبارکہ میں ''**وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ**ؕ'' کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی اور کس نے حرام کیا پاک رزق جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے بندوں کے لئے نکالا اور ان کے لئے پیدا فرمایا۔'' مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام نے اس آیت میں مذکور ''طیبات'' کے معنی میں کئی اقوال بیان کئے ہیں:

(۱)......طیبات سے مراد گوشت اور چربی ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ حج کے دنوں میں حج کی تعظیم کرتے ہوئے ان دونوں چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا کرتے تھے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔

(۲)......دوسرا قول حضرت سیِّدُنا ابن عباس اور حضرت سیِّدُنا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے کہ ''طیبات سے مراد وہ (حلال) جانور ہیں جنہیں زمانۂ جاہلیت کے لوگ حرام ٹھہرالیا کرتے تھے جیسے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ[1]۔ حضرت سیِّدُنا

---

[1]......ان جانوروں کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: **مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ(۱۰۳)** (پ۷، المائدۃ:۱۰۳) ترجمۂ کنز الایمان: اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں۔'' مفسر شہیر، صدر الافاضل حضرت سیِّدُنا **مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی** علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) ''خزائن العرفان شریف'' میں اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''زمانہ جاہلیت میں کفار کا یہ دستور تھا کہ جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور آخر مرتبہ اس کے نر ہوتا اس کا کان چیر دیتے پھر نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کو ذبح کرتے نہ پانی اور چارے پر سے ہنکاتے، اس کو بحیرہ کہتے۔ اور جب سفر درپیش ہوتا یا کوئی بیمار ہوتا تو یہ نذر کرتے کہ اگر میں سفر سے بخیریت واپس آؤں یا تندرست ہوجاؤں تو میری اونٹنی سائبہ (بجار) ہے اور اس سے بھی نفع اٹھانا بحیرہ کی طرح حرام جانتے اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے اور بکری جب سات مرتبہ بچے جن چکتی تو اگر ساتواں بچہ نر ہوتا تو اس کو مرد کھاتے اور اگر مادہ ہوتا تو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور ایسے ہی اگر نر مادہ دونوں ہوتے......

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ''رزق وغیرہ اشیاء جن کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حلال فرمایا ہے زمانۂ جاہلیت کے لوگ ان کو حرام کرلیا کرتے تھے۔ جس کا بیان اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: ''قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ'' (پ۱۱،یونس:۵۹) ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لئے رزق اتارا اس میں تم نے اپنی طرف سے حرام اور حلال ٹھہرالیا۔'' لہٰذا (ان کے رد میں) اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ......الآیة''

(۳)......اس آیت کا حکم عام ہے۔ پس کھائی جانے والی ہر لذیذ و پسندیدہ شے اس کے تحت داخل ہے۔ سوائے ان اشیاء کے جن کا حرام ہونا کسی نص سے ثابت ہو۔'' [1]

قہوہ اور تمباکو وغیرہ کی اباحت پر دلیل:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور اس پانچویں آیتِ مبارکہ اور اس کی تفسیر میں قہوہ اور تمباکو وغیرہ اشیاء کی اباحت (یعنی جائز ہونے) پر واضح دلیل ہے کیونکہ یہ بعض طبیعتوں کو مرغوب و پسند ہیں اور وہ ان سے بعض فائدے بھی حاصل کرتے ہیں۔ نیز یہ نشہ آور چیزوں میں سے نہیں ہے اور نہ ہی کسی آیت، حدیث اور قیاس کی نص سے ان کی حرمت ثابت ہے اور میں (یعنی علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی) نے اس کو ماقبل (بدعت عادیہ کی مثالوں میں) بیان کردیا ہے۔''

اشیاء میں اصل اباحت ہے:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس پانچویں آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی اے محبوب! تم فرماؤ کس نے حرام کیا لباس اور ان تمام چیزوں کو جن سے خوبصورتی وسنگھار

......اور کہتے کہ یہ اپنے بھائی سے مل گئی اس کو وصیلۃ کہتے اور جب نر اونٹ سے دس گیا بھ حاصل ہو جاتے تو اس کو چھوڑ دیتے نہ اس پر سواری کرتے نہ اس سے کام لیتے نہ اس کو چارے پانی پر سے روکتے اس کو حامی کہتے (مدارک) بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ بحیرہ وہ ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے روکتے تھے کوئی اس جانور کا دودھ نہ دوہتا اور سائبہ وہ جس کو اپنے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ کوئی ان سے کام نہ لیتا۔ یہ رسمیں زمانہ جاہلیت سے ابتدائے اسلام تک چلی آ رہی تھیں اس آیت میں ان کو باطل کیا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا اس کی طرف اس کی نسبت غلط ہے۔''

[1] ......تفسیر الخازن ،پ۸،الاعراف ، تحت الآیة: ۳۲، ج۲، ص۸۹.

حاصل کیا جاتا ہے۔''ان میں سے بعض کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نباتات مثلاً کپاس اور السی کے پودے (جن سے کپڑا تیار ہوتا ہے) سے نکالا۔ بعض کو جانوروں سے نکالا جیسے ریشم اور اُون اور بعض کو معادن سے نکالا جیسے زرہ (یعنی لوہے کا جنگی لباس)۔''
اور کس نے حرام کیا پاک رزق کو جس سے لذت حاصل کی جاتی ہے جیسے کھانے پینے کی اشیاء اور اس آیت میں دلیل ہے کہ کھائی جانے والی اشیاء، ملبوسات اور وہ تمام چیزیں جن سے خوبصورتی وسنگھار حاصل کیا جاتا ہے ان میں اصل اباحت (یعنی جواز) ہے۔ کیونکہ آیتِ مبارکہ میں وارد لفظ ''مَنْ یعنی کس نے'' میں استفہام، انکار کے لئے ہے۔''

مومنین کے طفیل کُفّار پر نعمتیں:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٨٥ھ) طریقہ محمدیہ کی پانچویں آیتِ مبارکہ میں ''قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی تم فرماؤ کہ وہ (یعنی لباس و پاک رزق) ایمان والوں کے لئے ہے دُنیا میں'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اصل میں یہ نعمتیں ایمان والوں کے لئے ہیں اور اگر کفار دنیا میں ان نعمتوں میں مومنین کے شریک ہوتے ہیں تو یہ مومنین کے طفیل ہے۔'' اور ''خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ یعنی اور قیامت میں تو خاص اُنہی کی ہے'' کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی آخرت میں ان نعمتوں میں مومنوں کا کوئی (کافر) شریک نہیں ہوگا۔''[1]

حضرت سیِّدُنا امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٤٦٨ھ) اس کے تحت فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں ایمان والوں کو یہ نعمتیں مشترکہ طور پر ملتی ہیں لیکن آخرت میں صرف انہی کے لئے ہوں گی۔''[2]

یہ حضرت سیِّدُنا ابن عباس اور دیگر حضرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا قول ہے جس کی وضاحت و مفہوم یہ ہے کہ ''دنیا میں مشرکین پاک رزق میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔ تو وہ دنیاوی زندگی میں پاک کھانے کھاتے، اچھے لباس پہنتے اور بے عیب عورتوں سے نکاح کرتے ہیں لیکن آخرت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ پاک رزق صرف مومنین کو عطا فرمائے گا اور مشرکین کے لئے اس میں سے کچھ نہ ہوگا۔''[3]

حضرت سیِّدُنا نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''خَالِصَة'' کا لفظ ''خَالِصَةٌ'' ہے اور معنی یہ ہوگا کہ تم فرماؤ کہ

---

[1] ......تفسیر البیضاوی،پ٨،الاعراف ، تحت الآیة: ٣٢، ج٣، ص ١٧.

[2] ......الوجیز للواحدی ،پ٨، الاعراف ،تحت الآیة: ٣٢،ص٢١٩.

[3] ......تفسیر الطبری ،پ٨، الاعراف ،تحت الآیة:٣٢،الحدیث:١٤٥٤٧، ج٥،ص ٤٧٤.

یہ زینت و پاک رزق دنیا کی زندگی میں مومنین کے لئے ثابت ہے اور آخرت میں خاص انہی کے لئے ہوگا۔

حضرت سیِّدُنا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) نے ارشاد فرمایا: اس کے معنی میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ''مومنین کو آخرت میں یہ چیزیں ہر طرح کی پریشانی، تکلیف اور غم کے بغیر ملیں گی اس لئے کہ دنیاوی زندگی میں پاک رزق کے حصول میں انہیں پریشانی اور مشکلات درپیش ہوتی ہیں تو اے محبوب! تم انہیں خبر دے دو کہ آخرت میں یہ نعمتیں بغیر کسی پریشانی کے تمہیں حاصل ہوں گی۔'' (1)

احکام کا مفصل بیان:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) طریقہ محمدیہ میں مذکور پانچویں آیتِ مبارکہ کے آخری حصے '' كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ (یعنی ہم یوں ہی مفصل آیتیں بیان کرتے ہیں علم والوں کے لئے) کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی جس طرح ہم نے اس حکم کو مفصل بیان کیا اسی طرح دیگر سارے احکام بھی علم والوں کے لئے مفصل بیان کرتے ہیں۔'' (2)

حضرت سیِّدُنا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم یوں ہی حلال اور حرام کو ان لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جو میرے معبود ہونے اور وحدہ لاشریک ہونے کا یقین رکھتے ہیں تو وہ ہی میرے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتے ہیں۔'' (3)

چھٹی آیتِ مبارکہ:

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ﴿۲﴾ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۱، ۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔

طٰہٰ کی تفسیر میں مختلف اقوال:

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں وارد لفظ ''طٰـہٰ'' کی تفسیر میں مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام کا اختلاف ہے۔ چنانچہ، اس کی

......تفسیر الخازن، سورة الاعراف، تحت الآية: ۳۲، ج۲، ص ۸۹.

......تفسير البيضاوى، پ۸، الاعراف، تحت الآية: ۳۲، ج۳، ص ۱۷.

......تفسير الخازن، پ۸، الاعراف، تحت الآية: ۳۲، ج۲، ص ۸۹.

تفسیر میں درج ذیل اقوال ہیں:

(۱)......اہلِ لغت کہتے ہیں: طٰہٰ ان حروف میں سے ہے جو (بعض قرآنی) سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں۔ جیسے حٰمٓ اور الٓمٓ ہیں اور مروی ہے کہ سید العابدین، رحمۃ للعالمین صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جب نماز ادا فرماتے تو کبھی ایک پاؤں مبارک پر کھڑے ہوتے کبھی دوسرے پر تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا ''طٰہٰ '' یعنی اے محبوب! اپنے دونوں قدموں کو زمین پر رکھئے اور یہ ارشاد فرمایا: ''مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤیۙ۝۲ یعنی ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم ایک پاؤں پر نماز ادا کر کے مشقت میں پڑو۔''[1]

(۲)......ابراہیم بن سری بن سہل، المعروف امام زجاج نحوی (متوفی ۳۱۱ھ) کہتے ہیں کہ ''طٰہٰ '' عربی لفظ نہیں بلکہ یہ عجمی (غیر عربی) زبان سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا معنی ہے: ''اے مرد!''

اس سے آگے کے اقوال حضرت سیِّدُنا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) نے نقل فرمائے ہیں:

(۳)......''طٰہٰ'' قسم کے لئے آیا ہے۔ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے طویل قیام اور ہدایت کی قسم یاد فرمائی ہے۔

(۴)......''طٰہٰ'' اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ناموں میں سے ہے۔ حرف '' طاء '' اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مبارک نام ''طاھر'' اور حرف ''ھاء'' اس کے اسمِ مقدس '' ھادی '' کا ابتدائی لفظ ہے۔

(۵)......اس کا معنی ہے یَا رَجُلُ (یعنی اے آدمی!) اور اس سے مراد حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ذاتِ بابرکات ہے اور اسی طرح اس کا معنی یَا اِنْسَانُ (اے انسان!) بھی ہوسکتا ہے۔

(۶)......''طٰہٰ'' سریانی زبان کا لفظ ہے اور بعض کے مطابق قبطی زبان کا تو اس اعتبار سے عربی زبان اس لفظ میں ان دیگر زبانوں کے موافق ہے۔

(۷)......''طٰہٰ'' کا معنی ہے یَا اِنْسَانُ (اے انسان!) اور یہ ایک عرب قبیلہ ''عک'' کی زبان کا لفظ ہے۔

(۸)......''طٰہٰ'' کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''اے محبوب! اپنے دونوں قدم زمین پر رکھئے۔'' اور یہ حکم حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی نمازِ تہجد کے متعلق ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ صَلَّی اللہ

[1] ......الدر المنثور، پ١٦، طٰہٰ، تحت الآیة: ٢، ج٥، ص ٥٤٩ بتغیرٍ قلیلٍ.

تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم پر مکہ مکرمہ (زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّ تَعْظِیْمًا) میں وحی نازل ہوئی تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم عبادت میں بہت زیادہ کوشش فرمانے لگے یہاں تک کہ نماز میں طویل قیام کی وجہ سے کبھی ایک قدم شریف پر کھڑے ہوتے اور کبھی دوسرے پر اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم ساری ساری رات نماز پڑھتے۔ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کو اپنی جان پر آسانی کرنے کا حکم فرمایا کہ ''طٰهٰ ۚ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤى ۙ﴿۲﴾ یعنی اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مَشَقَّت میں پڑو۔''

(۹)......بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں: ''جب مشرکین نے مکی مَدَنی سلطان، رحمتِ عالمیان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کو عبادت میں بہت زیادہ کوشش کرتے دیکھا تو کہنے لگے: ''اے محمد (صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم)! تم پر قرآن اسی لئے اتارا گیا ہے کہ تم مَشَقَّت میں پڑو۔'' پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے رد میں ارشاد فرمایا: ''طٰهٰ ۚ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤى ۙ﴿۲﴾ یعنی اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مَشَقَّت میں پڑو۔''[1]

قربت واُنسِیَّت کی طرف ہدایت:

(۱۰)......حضرت سیِّدُنا شیخ ابوعبدالرحمٰن سُلَمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۱۲ھ) ''حَقَائِقُ الْقُرآن'' میں فرماتے ہیں: ''طٰهٰ'' کا معنی ہے ''اے محبوب! اپنے دونوں قدم زمین پر رکھئے۔ آپ قربت واُنسیت کی طرف ہدایت دیئے گئے ہیں۔''

(۱۱)......حضرت سیِّدُنا امام واسطی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: لفظ ''طٰه'' ''اَلطَّاھِرُ الْھَادِی'' سے ماخوذ ہے تو معنی یہ ہوگا: اے محبوب! ہم نے آپ کو طاہر بنایا ہے اور آپ لوگوں کو ہماری طرف ہدایت دینے والے ہیں۔

حقیقتِ محمدی کو پوشیدہ رکھا:

(۱۲)......حضرت سیِّدُنا محمد بن عیسی ہاشمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ''طٰـہٰ کا معنی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کائنات کے ہر فرد سے حقیقتِ محمدی کو مخفی و پوشیدہ رکھا اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم خالقِ کائنات عَزَّوَجَلَّ کی ذات میں غور وفکر کی طرف رہنمائی فرمانے والے ہیں۔''

(۱۳)......حضرت سیِّدُنا محمد بن علی ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی ''طٰـہٰ'' کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یعنی

---

[1] ......تفسیر الخازن، پ۱۶، طٰهٰ، تحت الآیۃ: ۱، ج۳، ص ۲۴۸.

اے محبوب! خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے تمہارے ذریعے ہدایت پائی اور ہم تک پہنچنے کے لئے تمہیں وسیلہ وراستہ بنایا۔''

حضرت سیِّدُ نا امام واسطی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ''قرآنِ پاک کو''قرآن'' (یعنی ملاہوا) اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے متکلم (ذاتِ باری تعالیٰ) سے ملا ہوا ہے اور وہ کلامِ پاک کی عظمتِ شان کے باعث اسے اپنے سے جدا نہیں کرتا جیسے سورج کی شعاعیں ہم تک پہنچتی ہیں مگر قُرص (یعنی سورج کی ٹکیا) سے الگ بھی نہیں ہوتیں۔''

سیِّدُ العابدین صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کا جذبۂ عبادت:

حضرت سیِّدُ نا امام ابن عطاء علیہ رحمۃ اللہ المولیٰ چھٹی آیتِ مبارکہ کے حصے ''مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝۲'' کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی اے محبوب! ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم ہماری عبادت میں خود کو تھکا دو۔'' اس آیتِ مبارکہ کے جواب میں حضور سید العابدین، رحمۃ للعالمین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے عبادت وکوشش اور زیادہ فرمادی حتی کہ قدمین شریفین میں ورم آجاتا گویا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے کہ ''اے مالک ومولیٰ عَزَّوَجَلَّ! کیا تیری عبادت کرکے بھی کوئی تھکتا ہے یا مشقت میں پڑتا ہے۔ یہ تو عارفین کے سکون کا مقام ہے اور یہ عبادت تو تیرے قرب، تجھ سے مناجات اور تیری عبادت کی لذت حاصل ہونے پر شکر ادا کرنا ہے۔'' (سیِّدُ نا ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں) اور کیا تم نہیں جانتے کہ جب (کثرتِ استغفار پر) حضور نبیٔ اکرم، نورِ مُجَسَّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ اقدس میں عرض کی گئی: ''آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم یہ کرتے ہیں حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے سبب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اگلوں اور پچھلوں کے تمام گناہ بخش دیئے ہیں؟'' تو رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''[1]

ساتویں آیتِ مبارکہ:

وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ‌ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

(پ ١٧، الحج: ٧٨)

......صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب اکثار الاعمال والاجتهاد فی العبادة، الحدیث: ٧١٢٤، ص ١١٦٩.

دین میں تنگی نہیں رکھی گئی:

ابراہیم بن سری بن سہل، المعروف امام زجاج نحوی (متوفی ۳۱۱ھ) مذکورہ آیتِ مبارکہ کی تفسیر کرتے ہیں: ''حرج سے مراد تنگی ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک وقت میں کوئی کام کرنا دشوار ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے لئے اس سے آسان کام کی رخصت عطا فرمائی ہے۔ جیسے سفر[1] کا روزہ قضا کر کے رکھنے[2] اور نماز میں قصر کرنے کی اور قیام پر قدرت نہ ہو تو

---

[1]......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1548 صَفحات پر مشتمل کتاب، ''فیضانِ سنّت'' جلد اوّل صَفحہ 1068 تا 1069 پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دَامت برکاتھم العالیۃ شرعی سفر کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''دورانِ سفر بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ سَفَر کی مقدار بھی ذِہن نشین کر لیجئے۔ سیدی و مرشدی امام اہلسنّت، اعلیٰ حضرت، مولٰینا شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) کی تحقیق کے مطابق شرعاً سَفَر کی مقدار ساڑھے ستاون میل (یعنی تقریباً بانوے 92 کلومیٹر) ہے جو کوئی اتنی مقدار کا فاصلہ طے کرنے کی غرض سے اپنے شہر یا گاؤں کی آبادی سے باہر نکل آیا، وہ اب شرعاً مسافر ہے۔ اسے روزہ قضا کر کے رکھنے کی اجازت ہے اور نماز میں بھی وہ قصر کرے گا۔ مسافر اگر روزہ رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے مگر چار رکعت والی فرض نمازوں میں اسے قصر کرنا واجب ہے۔ نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور جہالتاً (یعنی علم نہ ہونے کی وجہ سے) پوری (چار) پڑھی تو اس نماز کا پھیرنا بھی واجب ہے (ملخصاً فتاویٰ رضویہ تخریج شدہ ج ۸، ص ۲۷۰) یعنی معلومات نہ ہونے کی بناء پر آج تک جتنی بھی نمازیں سفر میں پوری پڑھی ہیں ان کا حساب لگا کر چار رکعتی فرض قصر کی نیت سے دو دو لوٹانے ہوں گے۔ ہاں مسافر کو مقیم امام کے پیچھے فرض چار پورے پڑھنے ہوتے ہیں۔ سنّتیں اور وِتر لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ قصر صرف ظہر، عصر اور عشاء کی فرض رکعتوں میں کرنا ہے۔ یعنی ان میں چار رکعت فرض کی جگہ دو رکعت ادا کی جائیں گی۔ باقی سنتوں اور وتر کی رکعتیں پوری ادا کی جائیں گی۔ دوسرے شہر یا گاؤں وغیرہ میں پہنچنے کے بعد جب تک پندرہ دن سے کم مدت تک قیام کی نیت تھی مسافر ہی کہلائے گا اور مسافر کے احکام رہیں گے اور اگر مسافر نے وہاں پہنچ کر پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کر لی تو اب مسافر کے احکام ختم ہو جائیں گے اور وہ مقیم کہلائے گا۔ اب اسے روزہ بھی رکھنا ہوگا اور نماز بھی قصر نہیں کرے گا۔ سفر کے متعلق ضروری احکام کی تفصیلی معلومات حاصل کرنے کیلئے بہارِ شریعت حصہ چہارُم کے باب ''نمازِ مسافر کا بیان'' کا مطالعہ فرمائیں۔''

[2]......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1548 صَفحات پر مشتمل کتاب، ''فیضانِ سنّت'' جلد اوّل صَفحہ 1073 تا 1074 پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دَامت برکاتھم العالیۃ ''درمختار'' کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: ''جن لوگوں نے ان مجبوریوں (یعنی سفر، حمل، بچہ کو دودھ پلانا، نقصانِ عقل اور جہاد وغیرہ) کے سبب روزہ توڑا (یا نہ رکھا) ان پر فرض ہے کہ ان روزوں کی قضاء رکھیں اور ان قضاء روزوں میں ترتیب فرض نہیں۔ لہٰذا اگر اُن روزوں کی قضا کرنے سے قبل نفل روزے رکھے تو یہ نفلی روزے ہو گئے، مگر حکم یہ ہے کہ عذر جانے کے بعد آئندہ رمضان المبارک کے آنے سے پہلے پہلے قضاء رکھ لیں۔ حدیثِ پاک میں فرمایا: ''جس پر گزشتہ رمضان المبارک کی قضاء باقی ہے اور وہ نہ رکھے اُس کے اِس رمضان المبارک کے روزے قبول نہ ہوں گے۔'' (مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۴۱۵) اگر وقت گزرتا گیا اور قضاء روزے نہ رکھے یہاں تک کہ دوسرا رمضان شریف آ گیا تو اب قضاء روزے......

نمازی کو بیٹھ کر اور بیٹھنے پر قدرت نہ ہو تو اشاروں سے نماز پڑھنے کی رخصت عطا کی گئی ہے۔ نیز مرد کو چار عورتوں سے نکاح اور اپنی مملوکہ باندیوں (یہ اب نہیں پائی جاتیں) سے وطی کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان میں وسعت رکھی ہے۔''

ہر گناہ سے خلاصی کی راہ موجود ہے:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٤٦٨ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''حرج سے تنگی مراد ہونے پر تو تمام مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام کا اتفاق ہے لیکن تنگی کو دور کس طرح کیا گیا اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ١٢٤ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے گناہ کو مٹانے والی چیزوں کو چھٹکارے کا راستہ بنایا ہے۔'' یعنی جس سے گناہ سرزد ہو گیا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے لئے چھٹکارے کا کوئی نہ کوئی راستہ رکھا ہے۔ جیسے توبہ یا قصاص یا مظلوم کا مطالبہ پورا کرنے یا کوئی بھی گناہ مٹانے والی چیز (نیکی) کے ذریعے خلاصی ہوسکتی ہے۔ الغرض مومن کسی بھی گناہ میں مبتلا ہو جائے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے لئے خلاصی و چھٹکارے کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور رکھی ہے۔

بوقت شبہ یقین پر عمل کا حکم:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور ساتویں آیتِ طیبہ کی تفسیر میں حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ ''یہ آیت رَمَضان المبارک، حج اور عید الفطر وغیرہ کے چاند کے بارے میں ہے جب اس میں لوگوں کو شک ہو (یعنی فرائض کی ادائیگی کے اوقات میں تم پر کوئی تنگی نہیں) یہاں تک کہ یقین حاصل ہو جائے (یعنی جب چاند مشتبہ ہو جائے تو یقین حاصل ہونے تک وسعت و گنجائش ہے)۔ اس لحاظ سے تنگی کو دور کرنا اس طرف راجع ہے کہ شبہ کے وقت ہمیں صرف یقین پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔'' (1)

......رکھنے کی بجائے پہلے اِسی رمضان المبارک کے روزے رکھ لیجئے۔ قضاء بعد میں رکھ لیجئے۔ بلکہ اگر غیرِ مریض و مسافر نے قضاء کی نیت کی جب بھی قضاء نہیں بلکہ اِسی رمضان شریف کے روزے ہیں۔'' (الدرالمختار، ج٣، ص ٤٠٥)

1 ......تفسیر الطبری، پ١٧، الحج، تحت الآیۃ: ٧٨، الحدیث: ٢٥٣٩٦، ج٩، ص ١٩٣.

ہم سے سخت احکام ہٹا دیئے:

حضرت سیِّدُ نا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا: ''کیا چوری وزنا کے معاملہ میں بھی ہم سے تنگی دور کی گئی ہے؟'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''کیوں نہیں! ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ'' تو اس معاملہ میں جو سخت احکام بنی اسرائیل پر لازم تھے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وہ تم سے ہٹا دیئے۔''[1]

بوقتِ ضرورت رخصت پر عمل:

حضرت سیِّدُ نا ابو بسطام امام مقاتل بن حیان نبطی بلخی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی قبل ۱۵۰ھ) اور حضرت سیِّدُ نا امام ابو منذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۲۰۴ھ) نے اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا: ''ضرورت کے وقت رخصت پر عمل جائز ہے جیسے بحالت سفر نماز میں قصر کرنے، پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرنے، اضطرار کی حالت میں مردار کھانے اور بیماری وسفر میں روزہ قضاء کر کے رکھنے کی رخصت ہے۔''[2]

بیماری ومصیبت گناہوں سے معافی کا ذریعہ:

حضرت سیِّدُ نا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''یہاں حرج سے مراد تنگی اور سختی ہے اور تنگی وسختی اس طرح دور کی گئی ہے کہ مومن کسی بھی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے لئے خلاصی وچھٹکارے کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور رکھی ہے۔ بعض گناہ توبہ سے اور بعض دیگر گناہ مٹانے والی چیزوں مثلاً بیماریوں اور مصیبتوں وغیرہ[3] کے ذریعے معاف ہو جاتے ہیں۔ پس توفیق یافتہ بندے کے حق میں کوئی گناہ اور قابلِ

---

(1)...... تفسیر الطبری، پ۹، الاعراف، تحت الآیۃ: ۱۵۷، الحدیث: ۱۵۲۵۲، ج۶، ص۸۶.

(2)...... تفسیر البغوی، پ۱۷، الحج، تحت الآیۃ: ۷۸، ج۳، ص۲۵۳.

(3)...... دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِ شریعت'' جلد اوّل صفحہ 799 تا 800 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولیٰنا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: ''بیماری بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کے منافع بے شمار ہیں، اگرچہ آدمی کو بظاہر اس سے تکلیف پہنچتی ہے مگر حقیقۃً راحت وآرام کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آتا ہے۔ یہ ظاہری بیماری جس کو آدمی بیماری سمجھتا ہے، حقیقت میں روحانی بیماریوں کا ایک بڑا زبردست علاج ہے حقیقی بیماری امراض روحانیہ......

گرفت عمل ایسا نہیں جس سے چھٹکارا پانے کا دین اسلام میں راستہ نہ ہو۔'' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ '' اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس امت کو دو ایسی خصلتیں عطا فرمائیں جو کسی اور کو عطا نہ فرمائیں (۱)......انہیں لوگوں (دیگر امتوں) پر گواہ بنایا اور (۲)......ان پر دین میں کوئی دشواری و تنگی نہ رکھی۔'' [1]

استطاعت کے مطابق عمل کرو:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) طریقہ محمدیہ میں مذکور ساتویں آیتِ مبارکہ '' وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ '' کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی تمہیں کسی ایسے حکم کا مکلّف (پابند) نہیں کیا گیا جس پر عمل کرنا دشوار ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں اس رخصت پر عمل کرنے سے روکنے والا کوئی حکم ہے نہ اسے چھوڑنے کا کوئی عذر یا پھر اس رخصت کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان پر کوئی کام کرنا دشوار ہو جائے تو انہیں دیئے گئے بعض احکام اٹھالئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مکی مدنی سلطان، رحمتِ عالمیان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ

...... ہیں کہ یہ البتہ بہت خوف کی چیز ہے اور اسی کو مرض مہلک سمجھنا چاہیے۔ بہت موٹی سی بات ہے جو ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی کتنا ہی غافل ہو مگر جب مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو کس قدر خدا کو یاد کرتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے اور یہ تو بڑے رتبہ والوں کی شان ہے کہ تکلیف کا بھی اسی طرح استقبال کرتے ہیں جیسے راحت کا۔ ع انچہ از دوست میرسد نیکوست۔ (یعنی وہ چیز جو دوست کی طرف سے پہنچتی ہے، اچھی ہوتی ہے) مگر ہم جیسے کم سے کم اتنا تو کریں کہ صبر و استقلال سے کام لیں اور جزع و فزع کر کے آتے ہوئے ثواب کو ہاتھ سے نہ دیں اور اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ بے صبری سے آئی ہوئی مصیبت جاتی نہ رہے گی پھر اس بڑے ثواب سے محرومی دوہری مصیبت ہے۔ بہت سے نادان بیماری میں نہایت بے جا کلمے بول اٹھتے ہیں بلکہ بعض کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔ معاذاللہ۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف ظلم کی نسبت کر دیتے ہیں، یہ تو بالکل ہی خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ کے مصداق (یعنی دنیا وآخرت میں نقصان اٹھانے والوں کی طرح) بن جاتے ہیں۔'' اس کے بعد صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بیماری کے فوائد کے متعلق احادیث مبارکہ بیان فرمائی ہیں جن میں سے دو یہاں درج کی جاتی ہیں: (۱)......صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ابو ہریرہ و ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی، حضور اقدس صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم فرماتے ہیں: ''مسلمان کو جو تکلیف و ہم و حزن و اذیت و غم پہنچے، یہاں تک کہ کانٹا جو اس کے چُبھے، اللہ تعالٰی ان کے سبب اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ (صحيح البخاري، كتاب المرضى، باب ماجاء في كفارة المرض......الخ، الحديث: ٥٦٤١، ج٤، ص٣) (۲)......صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، کہ حضور (صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم) فرماتے ہیں: ''مسلمان کو جو اذیت پہنچتی ہے مرض ہو یا اس کے سوا کچھ اور، اللہ تعالٰی اس کے سیّآت (گناہوں) کو گرا دیتا ہے، جیسے درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔'' (المرجع السابق، باب وضع اليد على المريض، الحديث: ٥٦٦٠، ص٩)

[1] ......تفسير الخازن، پ١٧، الحج، تحت الآية: ٧٨، ج٣، ص ٣١٩.

رخصت نشان ہے: ''جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اسے بجالاؤ۔''[1]

میانہ روی کے متعلق (10)احادیثِ مبارکہ

میانہ روی (اعتدال) اختیار کرنے پر کئی احادیثِ مبارکہ دلالت کرتی ہیں جن میں سے **10** بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی حدیث شریف:

﴿1﴾...... حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ چند صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم، حضورتاجدارِ مدینہ، قرارِقلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالٰی عنہن کے حجروں (گھروں) کے قریب حاضر ہوئے۔ جب انہیں بتایا گیا تو گویا کہ وہ اسے کم سمجھتے ہوئے کہنے لگے کہ ''ہم رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی معصوم ہستی کے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں کہ خود کو ان پر قیاس کرنے لگے۔ یہ تو وہ ہیں کہ جن کے سبب ان کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے گئے۔ چنانچہ، ان میں سے ایک نے کہا: ''میں اب ہمیشہ ساری رات (نفل) نماز پڑھوں گا۔'' دوسرے نے کہا: ''میں ساری زندگی روزے رکھتا رہوں گا کسی ایک دن بھی روزہ نہ چھوڑوں گا۔'' تیسرے نے کہا: ''میں ہمیشہ عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔'' اسی اَثنا میں حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تشریف لے آئے اور ارشاد فرمایا: ''تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ والا ہوں۔ لیکن میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ (رات میں) نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں تو جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں (یعنی میں اس سے بری ہوں)۔''[2]

(حضرت سیِّدُنا امام بخاری وحضرت سیِّدُنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہمانے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

اور حضرت سیِّدُنا امام احمد بن شعیب نسائی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۰۳ھ) کی روایت میں یہ زائد ہے کہ ان صحابۂ

[1] ......تفسير البيضاوى، پ١٧، الحج، تحت الآية: ٧٨، ج٤، ص ١٤٣۔
صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة فى العمر، الحديث: ٣٢٥٧، ص ٩٠١، ملتقطا.

[2] ......صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب الترغيب فى النكاح، الحديث: ٥٠٦٣، ص ٤٣٨.

کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں سے کسی نے کہا: ''میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔''[1]

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث پاک میں بیان ہوا کہ ''بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم، ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالٰی عنہن سے حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اس سے مراد وہ زائد عبادت ہے جو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اپنے مقدس گھر پر بجالاتے تھے جن کا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو علم نہیں تھا اور غالب طور پر انسان کے پوشیدہ معاملات پر اس کی زوجہ زیادہ مطلع ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے اس زائد عبادت کے متعلق دریافت کرنے کے لئے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم، ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالٰی عنہن کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

نیز بیان ہوا کہ جب انہیں حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی عبادت پر مطلع کیا گیا تو گویا کہ وہ اسے کم سمجھے۔ یعنی ان کی حالت اس شخص کے مشابہ ہوگئی جو اسے قلیل سمجھتا ہے اور ان میں سے بعض نے اس عبادت کو بعض کے حق میں کم سمجھا اور کم سمجھنے کی وجہ یہ تھی وہ اپنی عقلوں کے مطابق اس عبادت کو کثرت میں بڑھا ہوا سمجھتے تھے اور اپنی رائے کے مطابق اس کثرت کو اچھا جانتے تھے اور اس کی بنیاد ان کا یہ اعتقاد تھا کہ کمال کثرت کرنے اور اچھائی اپنی جانوں پر سختی کرنے میں ہے۔ پھر انھوں نے حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی عبادت کے کم ہونے کی وجہ یہ بیان کی کہ ہم اپنی غیر معصوم جانوں کو رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی معصوم ہستی پر قیاس نہیں کر سکتے اور حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا اپنے کمال کے ساتھ عبادتِ الٰہی کا جو معاملہ ہے ہم اس سے خالی ہیں اس لئے ہم اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے حضور ایسی مقام و مرتبہ والی عبادت کا معاملہ نہیں کر سکتے اور کر بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ یہ تو وہ ہیں کہ جن کے سبب ان کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے گئے۔

(اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اس قول ''وَقَدْ غَفَرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ'' کے تحت حضرت سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ) اس سے مراد وہ ہے جو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی رفعتِ شان، عظیم مقام اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے عظمت الٰہی کے ظہور کے پیش نظر ہو ورنہ تمام انبیائے کرام عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام قبل نبوت و بعد نبوت ہر طرح کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی۔

---

[1] ......سنن النسائی، کتاب النکاح، باب النھی عن التبتل، الحدیث: ۳۲۱۹، ص ۲۲۹۵.

سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والے:

''طریقہ محمدیہ''میں مذکور پہلی حدیث شریف میں رحمتِ عالم ،نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے استفسار فرمایا:''تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا۔''اس کے بعد آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے بیانِ حق میں جلدی کرنے کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جواب کا انتظار نہ فرمایا بلکہ فوراً قسم کے ساتھ ارشاد فرمایا:''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والا ہوں۔'' کیونکہ ڈرنا (یعنی خوف وخشیّت) علم کے تابع ہے (یعنی جتنا علم زیادہ اتنا ڈر زیادہ)۔جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:''اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۘ (پ۲۲: فاطر،۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔''یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کا علم ومعرفت رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں اور سردارِ دوجہاں ،محبوبِ رحمٰن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ساری مخلوق سے بڑھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم اور معرفت رکھتے ہیں۔لہٰذا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ساری مخلوق سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والے ہیں۔''

سب سے بڑے متقی:

پہلی حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا کہ''میں تم سب سے زیادہ تقویٰ والا ہوں۔''یعنی گویا کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: جب میں سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہوں اور سب سے بڑا متقی ہوں تو پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ مَیں طاعت وعبادت میں کم ہوں اور وجہ یہ بیان کرتے ہو کہ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میرے سبب میرے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے اس لئے مجھے کثرتِ عبادت کی حاجت نہیں اور تمہارا معاملہ اس کے برعکس ہے اس لئے تم کثرتِ عبادت کے محتاج ہو۔''

مدنی آقا صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے نفلی روزے:

''طریقہ محمدیہ''میں مذکور پہلی حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا:''میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔''یعنی جب میرے لئے بغیر کسی تکلف وبناوٹ کے ظاہر ہوتا ہے کہ روزہ رکھوں تو رکھ لیتا ہوں۔''جیسا کہ حضور نبیٔ مُکَرَّم ،نُورِ مُجَسَّم ،رسولِ اَکرم ،شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اپنے اہل میں سے کسی کے پاس تشریف لے جاتے اور استفسار فرماتے:''کیا آج تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟''اگر جواب ملتا:''نہیں۔'' تو ارشاد فرماتے:

''میں روزہ سے ہوں۔''[1] نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو حکم دیا کہ آپ یوں فرمائیں: ''وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ﴿۸۶﴾ (پ ۲۳، ص: ۸۶) ترجمۂ کنزالایمان: اور میں بناوٹ والوں میں نہیں۔'' اور سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے روزہ چھوڑنے کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ چند احادیثِ کریمہ بیان کی جاتی ہیں:

(۱)......حضرت سیِّدنا اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم پے در پے (نفلی) روزے رکھتے تو کہا جاتا: ''اب روزہ نہیں چھوڑیں گے۔'' اور روزے چھوڑتے رہتے تو کہا جاتا: ''اب روزہ نہیں رکھیں گے۔''[2]

(۲)......حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسولوں کے سالار، دوعالم کے مالک ومختار باذنِ پروردگار، شہنشاہِ ابرار عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کسی مہینے میں روزے رکھنا چھوڑ دیتے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ اب اس مہینے میں کوئی روزہ نہیں رکھیں گے پھر جب روزہ رکھتے حتی کہ ہمیں گمان ہوتا کہ اس مہینے کا کوئی روزہ نہیں چھوڑیں گے۔''[3]

(۳)......حضرت سیِّدُنا مسلم بن حجاج قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۶۱ھ) کی روایت کے مطابق ہے: ''سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نفلی روزہ رکھا کرتے تو کہا جاتا: ''حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم روزے رکھتے ہی جا رہے ہیں۔'' اور روزہ رکھنا چھوڑ دیتے تو کہا جاتا: ''حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم روزے نہیں رکھ رہے، حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم روزے نہیں رکھ رہے۔''[4]

(۴)......حضرت سیِّدُنا ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم روزے رکھتے حتی کہ کہنے والا کہتا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اب روزہ نہیں چھوڑیں گے۔'' اور روزے رکھنا ترک فرما دیتے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اب روزہ نہیں رکھیں گے۔''[5]

---

[1] ......سنن النسائی، کتاب الصیام، باب النیة فی الصیام، الحدیث: ۲۳۲۶، ص ۲۲۳۸)

[2] ......سنن النسائی، کتاب الصیام، باب صوم النبی......الخ، الحدیث: ۲۳۶۱، ص ۲۲۳۹.

[3] ......صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب قیام النبی باللیل من نومه......الخ، الحدیث: ۱۱۴۱، ص ۸۹.

[4] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی فی غیر رمضان......الخ، الحدیث: ۲۷۲۸، ص ۸۶۳.

[5] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی فی غیر رمضان......الخ، الحدیث: ۲۷۲۴، ص ۸۶۳.

عبادت کے ساتھ آرام بھی ضروری ہے:

''طریقہ محمدیہ'' میں بیان کردہ پہلی حدیث شریف میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''میں (رات میں) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ یعنی میں تہجد پڑھ کر سو جاتا ہوں یا (یہ مراد ہے کہ) میں رات کا کچھ حصہ نماز پڑھتا ہوں اور باقی کچھ حصہ سوتا ہوں اور ساری رات نماز نہیں پڑھتا۔'' اس پر درج ذیل فرامین مبارکہ دلالت کرتے ہیں:

(۱)......اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ارشاد فرماتی ہیں: ''**سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن** صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم رات کے ابتدائی حصے میں آرام فرماتے اور آخری حصے میں قیام کرتے۔ نماز پڑھتے پھر اپنے بستر مبارک پر تشریف لے آتے۔ پھر جب اذان کہی جاتی تو اٹھ کر بیٹھ جاتے اور اگر حاجت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر (نماز کے لئے) تشریف لے جاتے۔'' [1]

(۲)......اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ہی ارشاد فرماتی ہیں کہ ''حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کبھی رات کے ابتدائی حصہ میں غسل فرماتے کبھی آخری حصہ میں اور نمازِ وتر کبھی رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کرتے اور کبھی رات کے آخری حصہ میں اور قراٰت کبھی بلند آواز سے کرتے اور کبھی پست آواز سے۔'' [2]

(۳)......اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ارشاد فرمایا کہ ''تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نَبوَّت، مَخزنِ جود و سخاوت، پیکرِ عظمت و شرافت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نماز پڑھتے اور پھر جس قدر نماز پڑھی اتنی ہی دیر سوتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔'' [3]

سرکارِ مدینہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی ازواجِ مطہرات:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور پہلی حدیثِ مبارکہ میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔'' اور

---

1 ......صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب من نام اول اللیل واحیا آخرہ، الحدیث: ١١٤٦، ص ٨٩.

2 ......سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الجنب یوخر الغسل، الحدیث: ٢٢٦، ص١٢٣٨، بتغیرٍ قلیلٍ.

3 ......سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب کیف یستحب الترتیل فی القراءۃ، الحدیث: ١٤٦٦، ص١٣٣٢.

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیب لبیب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے جن عورتوں سے عقدِ نکاح فرمایا ان کی تعداد گیارہ ہے۔جن میں سے چھ کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالٰی عنہا

(۲)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہما

(۳)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہما

(۴)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہما

(۵)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا ام سلمہ بنت ابوامیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا

(۶)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

اور چار ازواج مطہرات عرب سے تعلق رکھتی تھیں جن کے اسمائے کریمہ یہ ہیں:

(۷)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا زینب بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنہا

(۸)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا میمونہ بنت حارث الہلالیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا

(۹)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا اُمُّ المساکین زینب بنت خزیمہ الہلالیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا

(۱۰)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا جویریہ بنت حارث خزاعیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

اور ایک زوجہ مطہرہ کا تعلق غیر عرب بنی اسرائیل سے تھا اور وہ قبیلۂ بنی نضر کی تھیں جن کا مبارک نام یہ ہے:

(۱۱)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

ان میں سے دو یعنی امُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا خدیجہ اور امُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا اُمُّ المساکین زینب رضی اللہ تعالٰی عنہما سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ظاہری حیاتِ مبارکہ ہی میں انتقال فرما گئیں تھیں اور بقیہ نو کا انتقال آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے وصالِ ظاہری کے بعد ہوا۔[1]

سرکارِ مدینہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی باندیاں:

مَحبوبِ رَبُّ العزت، محسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی چار باندیاں تھیں۔جن کے اسمائے شریفہ یہ ہیں:

---

[1]......المواهب اللدنية للقسطلانی ، المقصد الثانی ،الفصل الثالث فی ذکر ازواجه ......الخ ،ج۱ ، ص ٤٠١ .

(۱)......حضرتِ سیِّدَتُنَا ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا (۲)......حضرتِ سیِّدَتُنَا ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ (۳)...... ایک باندی اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنَا زینب بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنہا نے رحمتِ عالم، نورِ مجسّم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو ہبہ (یعنی تحفہ) کی تھی اور (۴)......ایک باندی آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس قید ہو کر آئیں تھیں۔'' [1]

اس کا تفصیلی بیان شارح بخاری حضرت سیِّدُنا امام احمد بن محمد قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) کی کتاب مستطاب ''اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّيَّة'' میں ہے۔

گوشت کے استعمال میں اعتدال:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور پہلی حدیثِ مبارکہ نسائی شریف میں بھی آئی ہے جس میں یہ زائد ہے کہ ان صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں سے کسی نے کہا: ''میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔'' یعنی کسی بھی جانور کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ (جبکہ اعتدال ضروری ہے) چنانچہ، حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) ''فَيْضُ الْقَدِيْر شَرْحُ الْجَامِعِ الصَّغِيْر'' میں نقل کرتے ہیں کہ حُجَّةُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''ہمیشہ گوشت نہیں کھانا چاہئے کیونکہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهُ الْكَرِيْم کا فرمانِ نصیحت بنیاد ہے: ''جو چالیس دن تک گوشت نہیں کھاتا اس کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور جو لگاتار چالیس دن تک گوشت کھاتا ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔'' [2]

رہبانیت کے متعلق 10 صحابۂ کرام کی مشاورت:

''تَفْسِيْرُ الْبَغَوِی'' میں اس آیتِ مبارکہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (پ۷: المائدة: ۸۷) ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں۔'' کے تحت منقول ہے کہ مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ایک بار لوگوں کو نصیحت فرمائی اور قیامت کے احوال بیان فرمائے تو ان پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رونے

---

1 ......المواهب اللدنية للقسطلاني، المقصد الثاني، الفصل الثالث في ذكر ازواجه ......الخ، ج۱، ص۴۱۸

2 ......فيض القدير للمناوي، تحت الحديث: ۴۷۵۷، ج۴، ص۱۶۳۔

احياء علوم الدين، كتاب كسر الشهوتين، بيان طريق الرياضة......الخ، ج۳، ص۱۱۷.

لگے۔اس کے بعد دس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرتِ سیِّدُ نا عثمان بن مظعون جمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جمع ہوئے جن میں امیر المؤمنین حضرتِ سیِّدُ نا ابوبکر صدیق ،امیر المؤمنین حضرتِ سیِّدُ نا علی بن ابی طالب ،حضرتِ سیِّدُ نا عبداللہ بن مسعود ،حضرتِ سیِّدُ نا عبداللہ بن عمر ،حضرتِ سیِّدُ نا ابوذر غفاری ،حضرتِ سیِّدُ نا ابوحذیفہ کے غلام حضرتِ سیِّدُ نا سالم ،حضرتِ سیِّدُ نا مقداد بن اسود ،حضرتِ سیِّدُ نا سلمان فارسی اور حضرتِ سیِّدُ نا معقل بن مقرن رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل تھے۔وہاں انہوں نے مشاورت کی اور اس بات پر تمام متفق ہو گئے کہ آئندہ رہبانیت اختیار کریں گے۔ٹاٹ کا لباس پہنیں گے۔خود کو خصی کر لیں گے۔بلا ناغہ ہمیشہ روزے رکھیں گے۔ساری ساری رات عبادت کریں گے۔بستر پر نہیں سوئیں گے۔گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے۔عورتوں اور خوشبو کے قریب نہیں جائیں گے اور زمین میں سیاحت کریں گے۔''

جب اس بات کی خبر نبیوں کے سلطان ،سرورِ ذیشان ،سردارِ دو جہان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو پہنچی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ،حضرتِ سیِّدُ نا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔اتفاق سے حضرتِ سیِّدُ نا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر موجود نہیں تھے تو حضور نبیٔ کریم ،رَء ُوف رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کی زوجہ بنت حکیم بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ان کا نام خولہ تھا اور یہ عطر بنایا کرتی تھیں) سے استفسار فرمایا:''تمہارے شوہر اور ان کے رفقا سے جو بات مجھ تک پہنچی ہے کیا وہ سچ ہے؟'' تو انہوں نے پسند نہ کیا کہ جھوٹ بولیں اور نہ ہی یہ چاہا کہ اپنے شوہر کے خلاف بات کریں۔چنانچہ،عرض کی:''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم !اگر حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو بتایا ہے تو یہ سچ ہے۔'' پس حضور نبیٔ اکرم ،نورِ مجسم ،شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم واپس تشریف لے آئے۔پھر جب حضرتِ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر آئے تو زوجہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی تشریف آوری اور گفتگو کے متعلق بتایا۔چنانچہ،حضرتِ سیِّدُ نا عثمان بن مظعون اور آپ کے پاس جمع ہونے والے دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ،دو عالم کے داتا ،مکی مدنی مصطفی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو گئے۔آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان سے ارشاد فرمایا:''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم فلاں فلاں باتوں پر عمل کرنے کے لئے متفق ہو گئے ہو؟'' انہوں نے عرض کی:''جی ہاں !یارسول

اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ! اور ہم نے اس سے بھلائی ہی کا ارادہ کیا ہے۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''تم پر تمہاری جانوں کا بھی حق ہے اس لئے تم (نفلی) روزے بھی رکھو اور ناغہ بھی کرو اور رات میں قیام (یعنی عبادت) بھی کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ میں قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ چربی و گوشت کھاتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ پس جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔'' اس کے بعد حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ عورتوں، کھانے، خوشبو، نیند اور حلال لذاتِ دنیا کو خود پر حرام کر لیا۔ یاد رکھو! میں تمہیں (عیسائیوں کی طرح) قِسِّیْسُ (یعنی عالم) اور راہب (یعنی درویش) بننے کا حکم نہیں دیتا کیونکہ میرے دین میں گوشت اور عورتوں کو چھوڑنا روا ہے نہ ہی صَوْمَعُوں (عبادت خانہ) کو اختیار کرنا۔ بے شک میری امت کی سیاحت روزہ اور ان کی رہبانیت جہاد ہے۔ (اے لوگو!) تم اللہ رَبُّ العزت عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ حج و عمرہ بجا لاؤ۔ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ ادا کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھو اور ثابت قدمی اختیار کرو تمہیں ثابت قدم رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ تم سے پہلے کی امتیں شدت و سختی کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔ انہوں نے خود پر سختی کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بھی ان پر سختی ڈال دی۔ گرجوں اور گھروں میں موجود عیسائی انہیں کے باقی ماندہ لوگ ہیں۔'' پس اس موقع پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت مبارکہ (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (پ۷، المائدۃ: ۸۷)) نازل فرمائی۔

اُمّتِ محمدیہ کی رہبانیت:

حضرتِ سیِّدُنا سعد بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرتِ سیِّدُنا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یا رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ! ہمیں خصی ہونے کی اجازت دیجئے۔'' تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیب لبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جو خصی ہوا یا جس نے کسی کو خصی کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ کیونکہ میری امت کے لئے خصی ہونا یہ ہے کہ وہ روزے رکھیں۔'' انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ! سیاحت کی اجازت عطا فرمائیے۔'' ارشاد فرمایا: ''میری امت کی سیاحت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ

میں جہاد کرنا ہے۔'' پھر عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! تو پھر ہمیں رہبانیت کی اجازت مرحمت فرمائیے۔'' توحضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشادفرمایا: ''میری امت کی رہبانیت مسجدوں میں بیٹھ کرنماز کا انتظار کرنا ہے۔''

پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ:

حضرت سیِّدُنا عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کی: ''میں گوشت کھالیتا ہوں تو میرے اندر انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور مجھے شہوت جکڑ لیتی ہے اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کرلیا ہے۔'' تو اس وقت اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں۔'' مطلب یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حلال کردہ پاکیزہ کھانے اور لذیذ مشروبات جن کی نفس خواہش کرتا ہے انہیں اپنے اوپر حرام نہ ٹھہرالو۔''[1]

حرام نہ ٹھہرانے کا مطلب:

حضرت سیِّدُنا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) ماقبل مذکور آیتِ مبارکہ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس آیتِ طیبہ کے ذریعے بندوں کو بتایا کہ لوگوں نے جو پاک ومباح (یعنی جائز) چیزوں کو چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرلیا وہ میرے محبوب نبی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی شریعت نہیں اور یہ روا نہیں کہ پاک ومباح چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔'' نیز آیتِ مبارکہ میں ''لَا تُحَرِّمُوْا یعنی حرام نہ ٹھہراؤ'' کا یہ معنی ہے کہ ''پاک ومباح چیزوں کے حرام ہونے کا اعتقاد نہ رکھو کہ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حلال کردہ چیز کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے۔'' البتہ دنیاوی لذتوں اور شہوتوں سے کنارہ کشی اختیار کرکے ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہنا اور خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادات کے لئے فارغ رکھنا اس طرح کہ نہ اپنی جان کو کوئی نقصان ہو اور نہ ہی کسی دوسرے کے حقوق تلف ہوں تو یہ باعث فضیلت ہے۔ اس کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس کا تو حکم دیا گیا ہے۔[2]

---

[1] ......تفسیرالبغوی، پ۷، المائدة، تحت الآیة: ۸۷، ج۲، ص۴۸.

[2] ......تفسیرالخازن، پ۷، المائدة، تحت الآیة: ۸۷، ج۱، ص۵۲۱.

دوسری حدیث شریف:

﴿2﴾...... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ایک کام کیا اور لوگوں کو بھی اس کے کرنے کی اجازت عطا فرمائی لیکن انہوں نے وہ کام نہ کیا۔ جب یہ بات حضور نبیِّ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تک پہنچی تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے خطبہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد وثناء بیان کی پھر ارشاد فرمایا: ''لوگوں کا کیا حال ہے کہ اس کام سے اجتناب کرتے ہیں جو مَیں کرتا ہوں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں اِن سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم رکھتا ہوں اور ان سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھتا ہوں۔''[1]

(حضرت سیِّدُنا امام بخاری وحضرت سیِّدُنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیث شریف کی شرح:

اس حدیث شریف میں بیان ہوا کہ ''اجازت کے باوجود بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے رخصت پر عمل نہ کیا۔'' اس کا سبب اُن صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ''دنیا سے بے رغبتی'' کو ترجیح دینا اور خود کو خواہشات میں مبتلا ہونے سے روکنا تھا۔ اس اندیشہ کی وجہ سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان مباح چیزوں کو اختیار کئے رہنے سے نفس باغی ہو جائے اور پھر اسے حرام کاموں سے بھی روکنے کی قدرت نہ رہے۔ نیز ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیُوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تو (قبل نبوت وبعد نبوت ہر قسم کے گناہ وخطا سے) معصوم و محفوظ ہیں اور بخشے بخشائے ہیں۔ لہٰذا آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے ان مباح چیزوں کو اختیار کرنے میں کوئی نقصان نہیں۔ پس ہم اپنے آپ کو معصوم و محفوظ نبی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر قیاس نہیں کر سکتے۔

مدنی آقا صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کا اندازِ نصیحت:

''طریقہ محمدیہ'' میں بیان کردہ دوسری حدیث شریف میں رحمتِ عالم، نورِ مجسَّم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے خطبہ میں ان لفظوں سے نصیحت فرمائی کہ ''لوگوں کا کیا حال ہے۔'' یعنی لوگوں کو خاص کر کے بیان نہیں کیا بلکہ عام لفظ ارشاد فرمایا تاکہ دوسرے لوگوں کے نزدیک ان کی رسوائی نہ ہو اور وہ ان کی ذاتوں کو ملامت نہ کریں اور نصیحت سے مقصود ان کی

[1] ......صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من لم یواجه الناس بالعتاب، الحدیث: ٦١٠١، ص ٥١٥.

عادتوں کی مذمت تھی نہ کہ ان کی ذاتوں کی۔

خوفِ خدا میں زیادتی کا سبب:

اسی دوسری حدیثِ پاک کے آخر میں تاجدارِ رِسالت، پیکرِ علم وحکمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! مَیں اِن سب (یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم) سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم رکھتا ہوں اور ان سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھتا ہوں۔'' کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو جاننا اور پہچاننا اس سے ڈرنے کا سبب ہے لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت جس قدر زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے اسی قدر بندے کے خوفِ خدا میں بھی زیادتی ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالٰی ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاؕ (پ۲۲: الفاطر، ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی تشریح:

(صحیح مسلم شریف میں) مذکورہ حدیثِ پاک یوں ہے کہ جب رخصت پر عمل نہ کرنے والی بات حضور نبیٔ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم، صاحبِ کوثر وتسنیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو پہنچی تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے چہرہ انور پر جلال کے آثار ظاہر ہوئے۔ ارشاد فرمایا: ''لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ان باتوں سے اعراض کرتے ہیں جن میں مجھے رخصت دی گئی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں اِن سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم رکھتا ہوں اور ان سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھتا ہوں۔''

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) اس حدیث شریف کے تحت ''صحیح مسلم شریف'' کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اس حدیثِ پاک میں اُمَّت کو اپنے پیارے نبی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اتباع کرنے کی ترغیب، عبادت میں انتہائی مبالغہ کی ممانعت اور مباح (یعنی جائز) کام کے جائز ہونے میں شک کی بنا پر اس مباح کو ترک کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے اور اس میں یہ بھی درس ہے کہ شریعت کی عزت وعظمت کی پامالی کے وقت غضب وغصہ کرنا چاہئے اگرچہ پامالی وخلاف ورزی کرنے والا باطل تاویل کرنے والا ہو۔ نیز اس

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ معاشرے کی بھلائی اور خیر خواہی اسی میں ہے کہ انہیں برائی سے روکنا اور اس پر ڈانٹ ڈپٹ کرنا عمومی اور اجتماعی طور پر ہو اور برائی کرنے والے کو (نام لے کر یا اشارے کنائے سے) مُعَیَّن (یعنی خاص) نہ کیا جائے پس یوں کہا جائے کہ ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔'' یا اس جیسے دوسرے جملے استعمال کئے جائیں اور یہ بھی پتا چلا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب، معرفتِ الٰہی اور خوفِ خدا کی زیادتی کا سبب ہے۔

اور نبیوں کے سلطان، سرورِ ذیشان، محبوبِ رحمٰن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں اِن سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم رکھتا ہوں اور ان سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھتا ہوں۔'' اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ (یعنی بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم) گمان کرتے ہیں کہ میرے طریقہ وعمل سے اعراض کرنا ان کے حق میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک زیادہ قرب والا ہے اور میرا عمل اس کے خلاف ہے۔ حالانکہ جیسا انہوں نے گمان کیا ویسا نہیں ہے بلکہ میں اِن سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم اور ان سب سے زیادہ اس کا خوف رکھتا ہوں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب اور خوف تو حکم کے مطابق عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ دل کے خیالات پر عمل کرنے سے اور نہ ہی ان اعمال کی مشقت برداشت کرنے سے جن کا حکم نہیں دیا گیا۔'' [1]

تیسری حدیث شریف:

﴿3﴾......حضرت سیِّدُنا اَبُوْ جُحَیْفَہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، اَنِیْسُ الْغَرِیْبِیْن، سِرَاجُ السَّالِکِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی اور حضرت سیِّدُنا ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان مواخات (یعنی بھائی چارہ) قائم فرمایا تھا۔ ایک دفعہ حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرت سیِّدُنا ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کے گھر گئے اور حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ درداء (یعنی اُن کی زوجہ) رضی اللہ تعالٰی عنہا کو معمولی لباس میں دیکھ کر فرمایا: ''تم نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟'' تو انہوں نے کہا: ''آپ کے بھائی حضرت سیِّدُنا ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دنیا (کی ظاہری زینت) سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔''

اتنے میں حضرت سیِّدُنا ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لے آئے اور حضرت سیِّدُنا سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے کھانا تیار کروایا اور ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ ''آپ کھانا کھائیے! میں تو روزے سے ہوں۔'' حضرت سیِّدُنا

[1] ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الفضائل، باب علمه ﷺ باللّٰہ تعالٰی وشدة خشیته، ج١٥، ص١٠٦.

سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا: ''جب تک آپ نہیں کھائیں گے، میں بھی نہیں کھاؤں گا۔'' تو حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ نے (مہمان کی غمخواری اور اس کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے) کھانا کھالیا پھر جب رات ہوئی تو حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ نوافل پڑھنے کے لئے جانے لگے تو حضرت سیِّدُ نا سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے کہا: ''سو جایئے۔'' تو وہ سو گئے۔ دوبارہ پھر جانے لگے تو آپ نے پھر کہا: ''ابھی سوتے رہیے۔'' اور جب رات کا آخری حصہ آیا تو حضرت سیِّدُ نا سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے کہا: ''اب اُٹھئے۔'' اور دونوں نے اٹھ کر نماز پڑھی اور حضرت سیِّدُ نا سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے کہا: ''آپ پر اپنے رب عَزَّوَجَلَّ، اپنے نفس اور اپنے اہل کے حقوق لازم ہیں لہٰذا ہر حق والے کا حق ادا کیا کریں۔''

اس کے بعد حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور یہ معاملہ (یعنی حضرت سیِّدُ نا سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول وعمل) بیان کیا۔ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''سلمان نے سچ کہا۔'' (1)

(حضرت سیِّدُ نا امام بخاری وحضرت سیِّدُ نا امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیث شریف میں حضرت سیِّدُ نا سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ درداء رضی اللہ تعالٰی عنہا کو جو یہ فرمایا کہ ''تم نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟'' اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ''تم نے یہ پھٹے پُرانے کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں اور تم اچھے کپڑے کیوں نہیں پہنتیں اور کیوں حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے زینت اختیار نہیں کرتیں۔'' تو انہوں نے جواب دیا کہ ''آپ کے بھائی حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دنیا (کی ظاہری زینت) سے کوئی واسطہ نہیں رہا یعنی وہ خواہشات اور ظاہری زینت میں سے کسی چیز میں رغبت نہیں رکھتے۔''

نماز کے لئے رات کا آخری حصہ:

مذکورہ حدیثِ پاک میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت سیِّدُ نا سلمان فارسی اور حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہما نے

(1) ......صحیح البخاری، کتاب الادب، باب صنع الطعام والتکلف للضیف، الحدیث: ٦١٣٩، ص ٥١٨.

رات کے آخری حصہ میں نفلی نماز پڑھی۔نماز کے لئے رات کے اس حصہ کو اختیار کرنا شاید اس وجہ سے ہو جیسا کہ حضرت سیِّدُ نا امام ابوعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٥٦ھ) ''صحیح مسلم شریف'' کی شرح میں بیان کرتے ہیں: ''رات میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے جس میں منادی ندا کرتا ہے کہ ''جو مجھ سے سوال کرے گا میں اسے عطا کروں گا۔''[1] (یہ حدیث شریف ہے) اور یہ گھڑی رات کے آخری حصہ سے طلوع فجر تک رہتی ہے اور اس وقت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ آسمان دنیا کی طرف (اپنی شان کے لائق) نزول فرماتا ہے۔جیسا کہ یہاں صحیح حدیثِ پاک میں بیان ہوا اور یہ نزولِ معنوی میں تو ظاہر ہے۔مگر اس سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مہربانی، احسان، انعام اور اکرام کا نازل ہونا ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حق:

حضرت سیِّدُ نا سلمان فارسی نے حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پہلی بات یہ بیان کی کہ ''آپ پر اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کا حق ہے۔'' یعنی اس کی ادائیگی لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہو اور حضرت سیِّدُ نا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق کو اس کے اہم تر ہونے کے لحاظ سے مقدم کیا۔

نفس کا حق:

حضرت سیِّدُ نا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسری بات یہ بیان کی کہ ''آپ پر اپنے نفس کا حق ہے۔'' یعنی جس نفس کے سبب تم قائم ہو اور یہ تمہاری سواری ہے جو تمہیں آخرت کی طرف لے جارہی ہے اس کا حق ادا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔کیونکہ سوار کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ اپنی سواری کی حفاظت کرے جو اسے دنیا و آخرت میں حاجات و مقاصد تک پہنچاتی ہے اور نفس کو اہل پر مقدم کیا اس لئے کہ یہ اہل سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس کی نسبت یہ اصل ہے اور جو اس سے پہلے ہے یعنی ذات الٰہی وہ اس نفس کی اصل ہے۔

اہل وعیال کا حق:

حضرت سیِّدُ نا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی کہا کہ ''اور آپ پر اپنے اہل کا حق ہے۔'' یعنی تمہاری زوجہ،

[1] ......صحییح مسلم ،کتاب صلاۃ المسافرین ،باب الترغیب فی الدعاء ......الخ، الحدیث: ١٧٧٣، ص٧٩٧.

بال بچے اور دیگر رشتے دار جن سے دنیا میں تمہاری زندگی کا حسن قائم ہے۔ نیز وہ جو فی الوقت تمہاری کفالت میں ہیں اور جن سے تمہارا سفرِ آخرت وابستہ ہے۔ان تمام کے حقوق کی ادائیگی تم پر لازم ہے۔یوں کہ شب گزاری انہی کے ساتھ ہو اور ان پر خرچ کرنے ،ان کی حمایت ورعایت کرنے ،ان سے صلہ رحمی کرنے اور شفقت ونرمی کا سلوک کرنے میں اچھا برتاؤ کیا جائے۔

الغرض ہر وہ حق دار جس کا واجبی حق شرعاً اور عرفاً تمہارے ذمہ میں متعین ہو جائے اسے ادا کرو اور اس کا حق روک کر اس پر ظلم نہ کرو۔ورنہ اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن تمہاری پکڑ فرمائے گا۔

حدیث شریف سے حاصل شدہ مسائل:

مذکورہ حدیثِ پاک سے درج ذیل فوائد ومسائل معلوم ہوئے:

(۱)......اسلامی بھائیوں کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہیں اور باہم خیر خواہی کا مظاہرہ کریں (۲)......خیر وہدایت والے کاموں میں ایک دوسرے کی اطاعت کے وجوب پر ابھارا گیا ہے۔(۳)......حق جس صورت میں بھی ہو اسے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔(۴)......اگر کسی بڑے آدمی کے سامنے اس سے درجہ میں چھوٹے شخص کا کلام پیش کیا جائے اور وہ کلام حق ہو تو وہ بڑا آدمی اس کی تصدیق کرے اور اس کو درست قرار دے اور اپنے سے چھوٹے مرتبہ والے کی بات قبول کرنے سے انکار نہ کرے۔(۵)......نیک وصالح مسلمانوں کو آپس میں بھائی چارہ قائم رکھنا اور مل جل کر رہنا چاہئے۔(۶)......جن نیک وصالح مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارہ قائم ہو تو وہ بغیر اجازت ایک دوسرے کے گھروں میں داخل ہو سکتے ہیں جبکہ عزت وآبرو، مال ودولت اور بیویوں کی حفاظت ہو سکے (یعنی پردہ وغیرہ کا مکمل انتظام ہو، ورنہ اجازت نہیں) اور (۷)......ایسے بھائی چارہ والے اسلامی بھائی جب ایک دوسرے کے پاس حاضر ہوں اور ملاقات کریں تو وہ اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ ان کی ضیافت اور مہمان نوازی کی جائے۔

چوتھی حدیث شریف:

﴿4﴾......حضرت سیِّدُنا اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیوں کے تاجدار، رسولوں کے سالار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ایک بار مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دو ستونوں کے درمیان ایک رسی کو بندھے ہوئے دیکھا تو استفسار فرمایا: ''یہ

رسی کیسی ہے؟'' لوگوں نے عرض کی: ''یہ اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رسی ہے۔ جب (رات کی نماز میں) تھک جاتی ہیں تو اسے تھام لیتی ہیں۔'' سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''نہیں! (اور) اس رسی کو کھول دو۔ تم میں سے ہر شخص اپنی نشاط بھر (یعنی خوشی، تازگی اور مستعدی کی مقدار رات کی) نماز پڑھے جب تھک جائے تو (اس وقت) عبادت (نماز) سے بیٹھ رہے۔''[1]

(حضرت سیِّدُنا امام بخاری وحضرت سیِّدُنا امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

عبادت میں نشاط وتازگی ضروری ہے:

اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مسجد کے دوستونوں کے درمیان اس لئے رسی باندھی تھی تاکہ خود سے غنودگی کو دور کرنے کے لئے اس سے مدد حاصل کریں۔ لہٰذا جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کی نماز میں تھک جاتیں اور غلبۂ نیند کے سبب اعضاء سست پڑ جاتے تو کچھ دیر اس رسی کو تھام لیتیں تاکہ خود سے غنودگی کو دور کریں اور پھر سے نماز کے لئے چاک وچوبند ہو جائیں۔ مگر حضور نبیٔ رحمت، شفیع امت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا کہ ''نہیں!'' اس ''نہیں'' سے مراد یہ تھی کہ اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسا نہ کرے اور فرمایا کہ ''تم میں سے ہر شخص اپنی نشاط بھر نماز پڑھے۔'' یعنی جتنی دیر مستعدی وتازگی برقرار رہے اس وقت تک نماز پڑھے اور نماز تہجد وغیرہ میں مشقت اختیار کر کے اپنی جان پر بوجھ نہ ڈالے۔ لہٰذا جب تھک جائے اور اپنے اندر سستی و عجز محسوس کرے تو عبادت سے بیٹھ رہے۔''

ماہِ ذوالقعدہ کے نام کی وجہ تسمیہ:

مذکورہ حدیث شریف میں حضور نبیٔ رحمت، شفیع امت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں: **فَاِذَا فَتَرَ فَلْیَقْعُدْ** یعنی جب تھک جائے تو عبادت سے بیٹھ رہے۔ یعنی اس وقت عبادت ترک کر دے اور اسی سے کہا جاتا ہے: **ذُوالْقَعْدَۃِ وَ یَکْسَرُ شَھْرٌ** (یعنی بیٹھنے والا آ گیا اور مہینہ سست پڑ گیا) کیونکہ لوگ اس مہینہ میں سفر سے بیٹھ رہتے یعنی سفر ترک کر دیتے تھے۔

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ، الحدیث: ۱۱۵۰، ص۸۹.

غنودگی و نیند میں نماز کی ممانعت:

مذکورہ حدیث شریف کی مثل نیند کے وقت نماز کی ممانعت اور نماز میں میانہ روی اختیار کرنے پر دیگر احادیث کریمہ بھی دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) کی کتاب ''رِیَاضُ الصَّالِحِیْن'' سے دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱)......اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جب تم میں کسی کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آئے تو اسے سوجانا چاہئے حتی کہ نیند چلی جائے کیونکہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھنے والا نہیں جانتا کہ شاید وہ استغفار (یعنی دعائے مغفرت) کرنے کے بجائے خود کو برا بھلا کہنے لگے۔'' یہ متفق علیہ حدیث ہے (یعنی اس کو حضرت سیِّدُنا امام بخاری وحضرت سیِّدُنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما دونوں نے روایت فرمایا ہے)۔[1]

(۲)......حضرت سیِّدُنا ابوعبداللہ جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ''مجھے نبیوں کے سلطان، محبوب رحمٰن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ نمازیں پڑھنے کا شرف ملتا رہتا تھا۔ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی نماز بھی درمیانی ہوتی اور خطبہ بھی درمیانہ ہوتا۔'' اس حدیث شریف کو حضرت سیِّدُنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے روایت فرمایا ہے۔[2]

(اس حدیث شریف کے عربی متن میں لفظ ''قَصْدًا'' آیا ہے) حضرت سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''قَصْد، طول اور اختصار کی درمیانی کیفیت کو کہتے ہیں۔''[3]

نیند میں نماز سستی اور غفلت کا اظہار ہے:

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں) میرے والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواحد ''شَرْحُ الدُّرَر'' کی شرح میں فرماتے ہیں: ''فقہائے احناف رحمہم اللہ تعالٰی کا یہ قول پہلی حدیث سے مناسبت رکھتا ہے کہ جس شخص پر نیند غالب ہو اسے نمازِ تراویح پڑھنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ ''جَامِعُ الْفَتَاوٰی، اَلْمُجْتَبٰی اور اَلْخَانِیَة'' میں ہے: بلکہ اسے چاہئے کہ نیند سے مکمل

[1] ......صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب امر من نفس فی صلاتہ......الخ، الحدیث: ۱۸۳۵، ص ۸۰۱.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة، الحدیث: ۲۰۰۴، ص ۸۱۳.

[3] ......ریاض الصالحین، باب فی الاقتصاد فی الطاعة، تحت الحدیث: ۱۴۸، ص ۵۲.

بیداری تک نماز موقوف کر دے کیونکہ نیند کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا سستی، غفلت اور بے توجہی کا اِظہار ہے۔'' [1]

پانچویں حدیث شریف:

﴿5﴾......حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، اَنِیْسُ الْغَرِیْبِیْن، سِرَاجُ السَّالِکِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اپنی جانوں پر سختی نہ کرو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر سختی فرما دے کیونکہ ایک قوم (یعنی عیسائیوں) نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اُن پر سختی کر دی گئی۔ تو یہ گرجوں اور گھروں میں اس وقت موجود عیسائی انہیں اگلوں میں سے بچے کچے لوگ ہیں (اس سختی کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یوں بیان فرمایا: وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (پ۲۷، الحدید: ۲۷) ترجمۂ کنزالایمان:)اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مُقَرَّر نہ کی تھی۔'' [2]

(حضرت سیِّدُنا امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی سَنَد کے ساتھ روایت فرمایا)

منافِقِین سے مشابہت:

اس حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ''اپنی جانوں پر سختی نہ کرو۔'' یعنی اے عاقل و بالغ لوگوں کے گروہ! خود کو مَشَقَّت میں ڈالنے اور تھکا دینے والی عبادات اِختیار کر کے معاملہ کو سخت نہ کرو اس حیثیت سے کہ وہ عبادات تمہیں اکتاہٹ وسستی میں مبتلا کر دیں اور جب تم ایسے معاملہ کو شروع کر کے خود پر لازم کر لو گے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر اسے سخت فرما دے گا کیونکہ نوافل شروع کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں اور ان کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالٰی ہے: ''وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ (پ۲۶، محمد: ۳۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔'' نیز اپنی جانوں پر سختی کرنا اکتاہٹ وسستی کی طرف لے جاتا ہے اور عبادت میں اکتاہٹ وسستی کا اِظہار منافقین سے مشابہت ہے جیسا کہ ربِ کائنات عَزَّوَجَلَّ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (پ۵، النساء: ۱۴۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی (دِل) سے۔''

---

[1] ......الفتاوی القاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی اداء التراویح، اولین، ص۱۱۷.

[2] ......سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد، الحدیث: ٤٩٠٤، ص ١٥٨٣ تقدمًا وتاخرًا.

رَهْبَانِيَّت کا بیان

مذکورہ حدیث شریف میں یہ آیتِ مبارکہ بھی بیان فرمائی گئی ہے: ''وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (پ۲۷، الحدید: ۲۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی۔'' مفسرین کرام رحمہم اللہ السلام نے اس آیت مبارکہ کی درج ذیل تفسیر بیان کی ہے۔

رَہْبانِیَّت کی لغوی واصطلاحی تعریف:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالخیرعبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۵ھ) اس کے تحت فرماتے ہیں: ''عبادت وریاضت میں مبالغہ کرنے اور لوگوں سے دور رہنے کو رَهْبَانِيَّت (رَہ۔با۔نی۔یَت) کہتے ہیں۔ یہ ''رَهْبَان'' کی طرف منسوب ہے جو ''رَهِبَ'' سے بنا ہے اور ''رَهْبَان'' کا معنی ہے ''خوف میں بہت زیادہ بڑھا ہوا شخص۔ جیسے ''خَشِيَ'' سے ''خَشْيَان'' بنا ہے اور آیتِ مبارکہ میں وارد لفظ ''رَهْبَانِيَّةً'' ایک قراءت میں پیش کے ساتھ ''رُهْبَانِيَّةً'' ہے گویا یہ ''رُهْبَان'' کی طرف منسوب ہے جو ''رَاهِب'' کی جمع ہے۔ جیسے ''رَاكِب'' کی جمع ''رُكْبَان'' ہے۔''[1]

عیسائیوں کی رَہْبانِیَّت:

مذکورہ حدیث شریف میں موجود آیتِ طیبہ کے حصے ''اِبْتَدَعُوْهَا یعنی یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔'' کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سیِّدُنا امام علی بن محمد خازن شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ عیسائیوں نے رَہْبانِیَّت خود اختیار کی (انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا) اور ان کی رَہْبانِیَّت یہ تھی کہ فتنہ سے دوری کے لئے پہاڑوں، چھوٹے بڑے غاروں اور خانقاہوں میں سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ نفلی عبادت کی کثرت کرکے اور نکاح نہ کرکے اپنی جانوں کو مشقت کا عادی بناتے، نہایت موٹے اور کھردرے کپڑے پہنتے اور ادنی غذا نہایت کم مقدار میں کھاتے۔''[2]

---

[1] ......تفسیر البیضاوی، پ۲۷، الحدید، تحت الآیة: ۲۷، ج۵، ص۳۰۵.

[2] ......تفسیر الخازن، پ۲۷، الحدید، تحت الآیة: ۲۷، ج۴، ص۲۳۳.

رَہبانیَّت کے متعلق (5) احادیث مبارکہ

رَہبانیَّت کا حق:

(۱)......حضرت سیِّدُنا امام ابومحمد حسین بن مسعود بغوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۵۱۶ھ)، حضرت سیِّدُنا امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۲۷ھ) کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مَیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشادفرمایا: ''اے ابن مسعود! تم سے پہلے کے لوگ 72 فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ جن میں سے صرف تین گروہوں نے نجات پائی اور باقی سارے ہلاکت میں مبتلا ہوگئے۔ نجات پانے والا ایک گروہ وہ تھا جو بادشاہوں کے مقابلے پر کھڑا ہوگیا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ روح اللہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے دین پر رہتے ہوئے ان سے جہاد کیا تو بادشاہوں نے انہیں پکڑ لیا اور شہید کردیا اور دوسرا گروہ وہ تھا جو بادشاہوں کے سامنے آکر ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی اُن کے درمیان رہ کر انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین اور حضرت عیسیٰ روح اللہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے طریقہ کی دعوت دینے کی قدرت رکھتا تھا۔ پس یہ لوگ ملکوں اور شہروں میں پھیل گئے اور رہبانیت (یعنی گوشہ نشینی) اختیار کرلی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (پ ۲۷، الحدید: ۲۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی۔'' پھر رسولوں کے سالار، باذنِ پروردگار دوعالم کے مالک ومختار، شہنشاہِ ابرار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشادفرمایا: ''تو جو (ان عیسائیوں میں سے) مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور میری اتباع کی بے شک اس نے رَہبانیَّت کا حق ادا کردیا اور جو مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہی ہلاکت میں مبتلا ہونے والے ہیں۔'' (1)

رَہبانیَّت کا سلسلہ کب شروع ہوا؟

(۲)......حضرت سیِّدُنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ''مَیں ایک مرتبہ حُسنِ اَخلاق کے پیکر،

---

(1)......المعجم الصغیر لطبرانی، الحدیث: ٦٢٥، ج١، ص ٢٢٣-٢٢٤.

نبیوں کے تاجور، مَحْبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پیچھے ایک دراز گوش پر سوار تھا۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''اے اُمِّ عبد کے بیٹے! کیا تمہیں معلوم ہے کہ بنی اسرائیل نے رَہبانیّت کب شروع کی تھی؟'' میں نے عرض کی: ''اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کا رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بہتر جانتے ہیں)۔'' تو حضور نبیٔ غیب دان، مکی مدنی سلطان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت عیسیٰ روح اللہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے بعد بنی اسرائیل میں ایسے ظالم لوگ ظاہر ہوئے جو گناہوں میں پڑے رہتے۔ پس اہلِ ایمان نے غصہ میں آ کر ان سے جہاد کیا تو ایمان والوں کو تین بار شکست ہوئی جس کے نتیجے میں مومنین بہت کم رہ گئے۔ چنانچہ، باقی بچ جانے والوں نے کہا کہ اگر اب ہم ان کے سامنے آئے تو یہ ہمیں بالکل ختم کر دیں گے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف بلانے والا کوئی نہ بچے گا۔ تو آؤ! زمین میں پھیل جائیں یہاں تک اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے اس پیارے نبی (یعنی حضرت سیّدُنا محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) کو مبعوث فرمائے جن کی تشریف آوری کا حضرت عیسیٰ روح اللہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے۔'' پس وہ زمین میں پھیل کر پہاڑوں کی غاروں میں چلے گئے اور یوں انہوں نے ''رَہبانیت'' کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر ان میں سے بعض تو اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہے اور بعض نے کفر کیا۔''

پھر حضور سید عالم، نورِ مجسَّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: ''وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ''

(پ ۲۷، الحدید: ۲۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور راہب بننا[1] تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا[2] تو ان کے ایمان والوں کو ہم

[1] ...... مفسر شہیر صدر الافاضل مفتی سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) اس کے تحت ''خزائن العرفان شریف'' میں فرماتے ہیں: ''پہاڑوں اور غاروں اور تنہا مکانوں میں خلوت نشین ہونا اور صومعہ بنانا اور اہلِ دنیا سے مخالطت ترک کرنا اور عبادتوں میں اپنے اوپر زائد مشقتیں بڑھا لینا، تارک ہو جانا نکاح نہ کرنا، نہایت موٹے کپڑے پہننا، ادنیٰ غذا نہایت کم مقدار میں کھانا۔

[2] ......اس کے تحت تفسیر ''خزائن العرفان'' میں مرقوم ہے: بلکہ اس کو ضائع کر دیا اور تثلیث واتحاد (یعنی اللہ تعالیٰ، عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام اور مریم رضی اللہ عنہا تینوں کو معبود کہنا اور یہ کہ معبود ہونا ان تینوں میں مشترک ہے۔ اس شرک) میں مبتلا ہوئے اور حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام کے دین سے کفر کر کے اپنے بادشاہوں کے دین میں داخل ہوئے اور کچھ لوگ ان میں سے دینِ مسیحی پر قائم و ثابت بھی رہے اور جب زمانۂ پاک حضور سید عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا پایا تو حضور پر بھی ایمان لائے۔ مسئلہ، اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدعت یعنی دین میں کسی بات کا نکالنا اور وہ بات نیک ہو اور......

نے ان کا ثواب عطا کیا۔'' پھر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

''اے اُمِ عبد کے بیٹے (یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ)! کیا تم جانتے ہو میری امت کی رہبانیت کیا ہے؟'' میں نے عرض کی: ''اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کا رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم بہتر جانتے ہیں)۔'' تو ارشاد فرمایا: ''میری امت کی رہبانیت ہجرت کرنا، جہاد کرنا، نماز ادا کرنا، روزہ رکھنا، حج وعمرہ کرنا اور بلند جگہوں پر تکبیر (یعنی اَللّٰہُ اَکْبَر) کہنا ہے۔''

میری اُمت کی رَہبانِیَّت:

(۳)......حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم، نورِ مجسَّم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''ہر امّت کے لئے رہبانیت ہوتی ہے اور میری امت کی رہبانیت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔'' (1)

جنگلات میں خانقاہیں:

(۴)......حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی روح اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے (اپنے پاس موجود) توریت وانجیل کو بدل دیا لیکن ان میں ایسے مومنین بھی موجود تھے جو توریت وانجیل کی تلاوت کرتے اور بادشاہوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین کی طرف دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ، بادشاہوں کو مشورہ دیا گیا کہ ''کاش! تم اپنی مخالفت کرنے والے لوگوں (یعنی مومنین) کو جمع کر کے یا تو انہیں قتل کر ڈالتے یا یہ لوگ اس دین میں داخل ہو جاتے جس میں ہم ہیں۔'' تو بادشاہ نے تمام مومنین کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے دونوں

......اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو تو بہتر ہے۔ اس پر ثواب ملتا ہے اور اس کو جاری رکھنا چاہیے۔ ایسی بدعت کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ البتہ! دین میں بری بات نکالنا بدعتِ سیئہ کہلاتا ہے وہ ممنوع اور ناجائز ہے اور بدعتِ سیئہ حدیث شریف میں وہ بتائی گئی ہے جو خلافِ سنت ہو۔ اس کے نکالنے سے کوئی سنت اٹھ جائے۔ اس سے ہزارہا مسائل کا فیصلہ ہو جاتا ہے جن میں آج کل لوگ اختلاف کرتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی سے ایسے امورِ خیر کو بدعت بتا کر منع کرتے ہیں جن سے دین کی تقویت وتائید ہوتی ہے اور مسلمانوں کو اخروی فوائد پہنچتے ہیں اور طاعات وعبادات میں ذوق وشوق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں ایسے امور کو بدعت بتانا قرآنِ مجید کی اس آیت کے صریح خلاف ہے۔

1......مسند ابی یعلی الموصلی، مسند انس بن مالك، الحدیث: ٤١٨٩، ج٣، ص٤٢٧.

باتیں رکھیں کہ ''وہ قتل کے لئے تیار ہو جائیں یا صرف ہمارے پاس موجود تبدیل کی ہوئی توریت وانجیل پڑھا کریں۔''

ایمان والے بولے کہ ''تم یہی چاہتے ہو تو پھر ہمیں چھوڑ دو! ہم خود کو تم سے دور رکھیں گے۔'' ان میں سے ایک گروہ نے کہا: ''ہمارے لئے ایک (وسیع) مینارہ بنوا کر ہمیں اس پر چڑھا دو اور ہمیں کوئی ایسی چیز دے دو جس کے ذریعے ہم اپنا کھانا پینا اوپر لے جاسکیں پھر ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔'' دوسرے گروہ نے کہا: ''ہمیں زمین میں سیاحت کرنے کے لئے چھوڑ دو، ہم سرگرداں رہیں گے اور ہم اس طرح پئیں گے جس طرح جنگلی جانور پانی پیتے پھرتے ہیں پس اگر تم اپنی زمین (یا بستیوں) میں ہم پر قدرت پاؤ تو ہمیں قتل کر دینا۔'' تیسرے گروہ نے یوں کہا: ''ہمیں جنگلات میں خانقاہیں بنا دو۔ ہم کنوئیں کھود لیں گے اور سبزیاں کاشت کریں گے پھر ہم تمہارے پاس آئیں گے نہ ہی تمہارے پاس سے گزریں گے۔'' چونکہ اس وقت وہاں جتنے قبائل تھے ان میں سے کسی نہ کسی قبیلے میں ان لوگوں کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار یا دوست ضرور تھا (لہٰذا ان کی بات مان لی گئی)۔

حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مزید ارشاد فرمایا: پس انہوں نے ان گروہوں کے مطالبات پورے کر دیئے۔ تو یہ لوگ حضرت سیِّدُنا عیسیٰ روح اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے دین پر چلتے ہوئے گزر گئے اور ان کے بعد ایسی قوم آئی جنہوں نے کتاب (یعنی انجیل) کو بدل کر رکھ دیا۔ آدمی نے یوں کہنا شروع کر دیا کہ ''ہم فلاں جگہ میں اس طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح فلاں عبادت کرتا تھا اور ہم اس طرح سیاحت کرتے ہیں جس طرح فلاں سیاحت کیا کرتا تھا اور ہم اس طرح خانقاہیں بناتے ہیں جس طرح فلاں نے بنائی تھی۔'' حالانکہ یہ بعد والے اپنے شرک پر قائم تھے اور انہیں اُن کے ایمان کا کوئی علم نہ تھا جن کی یہ اتباع کرتے تھے۔ (1)

کیا میرا طریقہ کافی نہیں؟

(۵)......حضرت سیِّدُنا امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۸ھ) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سیِّدُنا امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۲۴ھ) سے روایت کرتے

......سنن النسائی، کتاب آداب القضاۃ، باب تاویل قول اللّٰہ "ومن لم یحکم بما......الخ، الحدیث: ۵۴۰۲، ص ۲۴۳۲۔

تفسیر البغوی، پ۲۷، الحدید، تحت الآیۃ: ۲۷، ج۴، ص ۲۷۴۔

تفسیر الخازن، پ۲۷، الحدید، تحت الآیۃ: ۲۷، ج۴، ص ۲۳۳.

ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان فرمایا کہ ''حضرت سیِّدُ نا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زوجہ (خولہ بنت حکیم بن امیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا) افلاس وناداری کی حالت میں (یعنی پرانے کپڑوں میں ملبوس) اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اُمُّ المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ان سے دریافت فرمایا: ''تمہارا یہ کیا حال بنا ہوا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''میرے شوہر رات بھر قیام کرتے اور دن میں روزہ رکھتے ہیں (اور کماتے کچھ نہیں)۔'' اسی اَثناء میں تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخزنِ جودوسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تشریف لے آئے۔ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے یہ معاملہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں عرض کر دیا۔ پھر جب رحمتِ عالم، نورِ مجسَّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم حضرت سیِّدُ نا عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ملے تو ان سے ارشاد فرمایا: ''اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی تو کیا تمہیں میرا طریقہ کافی نہیں؟'' اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھتا ہوں اور میں ہی تم سب سے بڑھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حدود کا محافظ ہوں۔'' (1)

چھٹی حدیث شریف:

﴿6﴾...... حضرت سیِّدُ نا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان ذیشان ہے: ''یہ دین آسان ہے جو بھی اس پر غالب آنے کی کوشش کرے گا یہ دین اُس پر غالب آجائے گا۔ لہٰذا تم (افراط وتفریط سے بچ کر) درست عمل کرو، قریب تر رہو، خوش ہو جاؤ اور صبح وشام کے اوقات اور کچھ رات کے وقت عبادت سے مدد حاصل کرو۔'' (2)

دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ ''میانہ روی ہی سے تم مقصود تک پہنچو گے۔'' (3)

(حضرت سیِّدُنا امام بخاری وحضرت سیِّدُنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

---

(1)......مصنف لعبد الرزاق، کتاب النکاح، باب وجوب النکاح وفضلہ، الحدیث: ١٠٤١٤، ج٦، ص ١٣٤.

(2)......صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر، الحدیث: ٣٩، ص٥.

(3)......صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، الحدیث:٦٤٦٣، ص٥٤٣.

آسانی کرو، سختی نہ کرو:

اس حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ ''اِنَّ ھٰذَاالدِّیْنَ یُسْرٌ یعنی یہ دین آسان ہے'' یُسْر (یعنی آسان) عُسْر (یعنی تنگی وسختی) کی ضد ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ دین اسلام انتہائی سہل وآسان ہے اس میں کوئی تنگی وسختی نہیں ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُ نا ابوبکر بن اسحاق الکلاباذی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۸۰ھ) کی کتاب ''بَحْرُ الْفَوَائِد'' نیز ''شَرْحُ الْآثَار'' میں حضرت سیِّدُ نا ابوالتیاح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۱۸ھ) سے مروی ہے کہ میں نے حضرت سیِّدُ نا اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیب لبیب، دکھی دلوں کے طبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ نصیحت بنیاد ہے: ''یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَسَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا یعنی آسانی کرو، سختی نہ کرو، سکون پہنچاؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔''[1] (حضرت سیِّدُ نا ابوبکر الکلاباذی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے اس کی شرح میں فرمایا) ''آسانی کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف مائل کر کے ان کا رُخ اس کی طرف پھیرو۔ انہیں طلب حاجات کے معاملہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں بھیجو اور تمام اَحوال میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف بندوں کی راہنمائی کرو کیونکہ ساری آسانیاں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قبضہ میں ہیں۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘ (پ۲، البقرۃ:۱۸۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ (پ٦، المائدہ:٦)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے۔

اور حدیث شریف میں وارد ''سختی نہ کرو'' کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو حاجات طلب کرنے اور ان کے پورا کرنے کے لئے مخلوق کے پاس نہ[2] بھیجو کیونکہ جس معاملہ میں ان کی طرف محتاج ہوا جا رہا ہے وہ تو خود اس میں محتاج ہیں تو

[1] ......صحیح البخاری، کتاب الادب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم......الخ، الحدیث:٦١٢٥، ص٥١٦.

[2] ......مطلب یہ ہے کہ حقیقی طور پر حاجات کو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی پورا فرماتا ہے اور ایک بندۂ مومن کا عقیدہ بھی یہی ہونا چاہئے کہ حقیقۃً کارساز اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے اور یہ مراد نہیں کہ حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام کی بارگاہوں سے حاجات طلب کرنے اور انہیں وسیلہ بنانے کی ممانعت ہے۔ ورنہ احادیثِ مبارکہ میں تعارُض لازم آئے گا۔ کیونکہ اللہ والوں کی بارگاہوں سے حاجات......

گویا کہ یہ سارے ایسی شے کے لئے چھینا جھپٹی کررہے ہیں جسے ہرایک اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے پس تمہارے لئے ایسی شے تک پہنچنا دشوار و مشکل ہوگا جس کے حصول کے لئے باہم چھینا جھپٹی ہو رہی ہے۔

اور حدیث شریف میں جو یہ ارشاد فرمایا: ''سکون پہنچاؤ۔'' اس سے ہماری گذشتہ بات کی تصدیق ہوتی ہے اس لئے کہ سکون کا معنی ہے اطمینان اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾'' (پ ۱۳، الرعد: ۲۸) ترجمۂ کنز الایمان: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔'' پس کسی مومن کا دل اپنی مراد اور آرزو کے حصول میں اس وقت تک چین و قرار نہیں پا سکتا جب تک اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف رجوع نہ کروایا جائے۔ پس یہاں پہنچ کر اس کا اضطراب و بے چینی لازماً دور ہو جاتی ہے۔

نیز حدیث شریف کے آخر میں فرمایا: ''نفرت نہ دلاؤ۔'' اس کا معنی بھی یہی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کی طرف راہنمائی کر کے اور کہیں اور بھیج کر لوگوں کو تقسیم نہ کرو کہ اس طرح اپنی مراد کے حصول میں ان پر راہیں تقسیم و جدا جدا ہو جائیں گی۔ تو معلوم ہوا کہ ''تنافر'' کا معنی جدائی اور ''سکون'' کا معنی جمع کرنا ہے۔ تو حدیث شریف کا معنی یہ ہوگا

......طلب کرنے کے متعلق بہت سی احادیث کریمہ آئی ہیں۔ جیسا کہ مجدد اعظم، امام اہلسنّت، اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اپنے رسالہ مبارکہ ''بَرَکَاتُ الْاِمْدَادِ لِاَهْلِ الْاِسْتِمْدَادِ'' (فتاوی رضویہ، ج۲۱، ص۳۰۱ تا ۳۲۷) میں کئی آیاتِ مبارکہ، بہت سی احادیثِ کریمہ اور اقوال اولیا و علما رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت فرمایا ہے کہ اللہ والوں سے اپنی حاجات طلب کرنا اور ان سے توسل کرنا جائز ہے۔ جن میں سے چار احادیثِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں: (1)......اُطْلُبُوا الْخَيْرَ وَالْحَوَائِجَ مِنْ حِسَانِ الْوُجُوْهِ (ترجمہ) نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۱۱۱۰، ج۱۱، ص۶۷ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ) (2)......اُطْلُبُوا الْفَضْلَ عِنْدَ الرُّحَمَاءِ مِنْ اُمَّتِي تَعِيْشُوْا فِي اَكْنَافِهِمْ فَاِنَّ فِيهِمْ رَحْمَتِي (ترجمہ) فضل میرے رحمدل امتیوں کے پاس طلب کرو کہ ان کے سائے میں چین کرو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔ (المعجم الاوسط، الحدیث: ۴۷۱۷، ج۳، ص۳۲۰۔ فردوس الاخبار للدیلمی، باب القاف، الحدیث: ۴۵۱۶، ج۲، ص۱۴۲ کلاھما عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ) (3)......اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ اِلٰى ذَوِي الرَّحْمَةِ مِنْ اُمَّتِي تُرْزَقُوْا وَتُنْجِحُوْا (ترجمہ) اپنی حاجتیں میرے رحمدل امتیوں سے مانگو رزق پاؤ گے مرادیں پاؤ گے۔ (الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ۱۱۰۶، ص۷۲) (4)......اِذَا ضَلَّ اَحَدُكُمْ شَيْئًا وَّ اَرَادَ عَوْنًا وَهُوَ بِاَرْضٍ لَيْسَ بِهَا اَنِيْسٌ فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِي يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِي يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِي فَاِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَا يَرَاهُمْ (ترجمہ) جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا راہ بھول جائے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہئے یوں پکارے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنھیں یہ نہیں دیکھتا وہ اس کی مدد کریں گے۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: ۲۹۰، ج۱۷، ص۱۱۷، عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ، ماخوذ من العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ، ج۲۱، ص۳۱۲ تا ۳۱۸)

کہ'' آسانی کرو''یعنی بندوں کو آسانی کی طرف پھیرو۔''سختی نہ کرو''یعنی انہیں سختی کی طرف نہ لے جاؤ۔''سکون پہنچاؤ''یعنی انہیں جمع کرو، دور نہ کرو اور''نفرت نہ دلاؤ''یعنی ان میں جدائی نہ ڈالو۔حضور نبی مُکَرَّم،نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان ذیشان ہے:''جس نے اس حال میں صبح کی کہ اسے دنیا کی فکر تھی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا جمع شدہ کام منتشر فرما دیتا ہے اور جس نے اس حال میں صبح کی کہ اسے آخرت کی فکر تھی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا شیرازہ (یعنی بکھرا ہوا کام) جمع فرما دیتا ہے۔''[1]

یہ حدیث شریف اس شخص کے بارے میں ہے جو دنیا اور آخرت کا طلبگار رہے تو پھر اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو دنیا و آخرت کے مالک یعنی اللہ ربُّ العالمین عَزَّوَجَلَّ کا طالب ہے اور اس ساری تشریحِ حدیث کے صحیح ہونے پر درج ذیل حدیثِ پاک دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد حضرت سیِّدُنا عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا:''شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن،اَنِیْسُ الْغَرِیْبِیْن،سِرَاجُ السَّالِکِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان میں سے آسان تر کام کو اختیار فرماتے۔''[2]

اس حدیثِ پاک کا یہ معنی بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضور نبیٔ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس کام کو اختیار فرمایا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے تھا اس لئے جب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا پسندیدہ کام اختیار فرمایا تو بلاشبہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے آسان کام ہی اختیار فرمایا کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ آسانی پسند فرماتا ہے۔[3]

کوئی دین پر غالب نہیں آسکتا:

''طریقہ محمدیہ''میں مذکور چھٹی حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ''جو بھی اس پر غالب آنے کی کوشش کرے گا یہ دین اُس پر غالب آجائے گا۔''یعنی جو دین کا وافر حصہ پانے کے لئے دین کے معاملے میں اپنے نفس پر سختی کرے

......سنن ابن ماجه ، ابواب الزهد، باب الهم بالدنيا،الحديث:٤١٠٥،ص٢٧٢٦ مفهومًا.

......صحيح البخاری ،كتاب الحدود ،باب اقامة الحدود و الانتقام لحرمات الله،الحديث:٦٧٨٦،ص٥٦٦.

......بحرالفوائدالمسمى بمعانی الاخيارللكلاباذی ،حديث آخر:يسروا و لاتعسروا......الخ، ج١،ص٤٠.

گا تو اس حالت میں ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد وہ پھر آسانی اختیار کرلے گا پس دین اس پر غالب رہے گا اور وہ کبھی اس بات پر قادر نہیں ہوگا کہ دین پر غالب آجائے۔

نیز حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا: ''لہٰذا تم (افراط وتفریط سے بچ کر) درست عمل کرو، قریب تر رہو۔'' اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے کاموں کو سیدھا کرو، ان کی اصلاح کرو اور ان کو مضبوط ومحکم کرو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں چلنے اور اس کی عبادت کرنے میں میانہ روی اختیار کرو اس میں مبالغہ نہ کرو اور نہ ہی حد سے بڑھو۔

اور اس ارشاد عالی: ''خوش ہوجاؤ۔'' کا معنی یہ ہے کہ قبولیتِ حسنات اور بلندئ درجات کے سبب خوش ہوجاؤ اور یہ نہ سمجھو کہ یہ انعام میانہ روی ترک کرکے محض عبادات میں مبالغہ کرنے اور حد سے زیادہ بڑھنے سے حاصل ہوگا۔

صبح وشام عبادت سے مدد حاصل کرو:

چھٹی حدیث شریف کے آخر میں فرمایا: ''اور صبح وشام کے اوقات اور کچھ رات کے وقت عبادت سے مدد حاصل کرو۔'' یہاں مدد حاصل کرنے کا معنی یہ ہے کہ ''اعمال کی طرف پہل کرو اور جلدی کرو اور بغیر مؤخر کئے دن کے اعمال میں سبقت کرو اور رات کے (نفلی) اعمال مؤخر کرسکتے ہو۔ اسی لئے یہاں رات کے بجائے ''کچھ رات کے وقت'' ارشاد فرمایا۔

''اَلْغُدْوَۃ'' اور ''اَلرَّوْحَۃ'' سے مراد:

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی حدیث شریف میں وارد لفظ ''اَلْغُدْوَۃ'' اور ''اَلرَّوْحَۃ'' کی شرح میں فرماتے ہیں) پیش کے ساتھ ''اَلْغُدْوَۃ'' سے مراد صبح ہے یا نمازِ فجر اور طلوع آفتاب کا درمیانی وقت مراد ہے۔ اور ''اَلرَّوْحَۃ'' سے مراد شام ہے یا زوالِ آفتاب سے رات تک کا وقت مراد ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا امام عبدالرؤف مناوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۱۰۳۱ھ) کی کتاب ''فَیْضُ الْقَدِیْر شَرْحُ الْجَامِعِ الصَّغِیْر'' میں ہے: ''فتح (یعنی زبر) کے ساتھ ''اَلْغَدْوَۃ'' کبھی لفظ ''اَلْغَدْو'' سے آتا ہے اور اس سے مراد دن کے ابتدائی حصہ سے نصف دن تک کا وقت ہے اور ''اَلرَّوْحَۃ'' کبھی لفظ ''اَلرَّوَاح'' سے آتا ہے اور اس سے مراد زوال سے غروب تک کا وقت ہے۔'' (1)

(1)......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۴۳۹۴، ج۴، ص۱۷.

میانہ روی مقصود تک پہنچاتی ہے:

دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ ''میانہ روی ہی سے تم مقصود تک پہنچو گے۔'' یعنی تم اپنے مقصود تک یا اللہ عَزَّوَجَلَّ جو تم سے چاہتا ہے۔ اس تک میانہ روی ہی سے پہنچو گے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ تم سے چاہتا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کو قبول فرمائے۔ تم سے راضی ہو جائے اور تمہیں جنت الفردوس میں داخل فرما دے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ میانہ روی اختیار کرو۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا ابوبکر بن اسحاق الکلاباذی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۸۰ھ) ''بَحْرُ الْفَوَائِد'' میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوَّت، مَخْزنِ جودوسخاوت، پیکرِ عظمت و شرافت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو مکۃ المکرّمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا میں ایک چٹان پر نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم مکۃ المکرّمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا کی ایک جانب تشریف لائے اور وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد واپس ہوئے تو اس شخص کو اسی حال میں نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ پس آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے مبارک ہاتھوں کو ملایا اور تین بار ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تم پر میانہ روی لازم ہے۔'' اس کے بعد ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ (اجر عطا فرمانے سے) نہیں اکتاتا بلکہ تم (عبادت سے) اُکتا جاتے ہو۔''[1]

''ملال'' کی تحقیق اور میانہ روی کا درس:

علامہ الکلاباذی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۸۰ھ) مذکورہ حدیث شریف کے عربی متن میں وارد الفاظ ''فَاِنَّ اللّٰہَ لَایَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا'' (یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نہیں اکتاتا بلکہ تم اکتا جاتے ہو) کے تحت فرماتے ہیں کہ انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو اسے ملال (یعنی اکتاہٹ) گھیر لیتا ہے جس سے اسے اذیت و تھکاوٹ لاحق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ، وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اس عمل میں تھکاوٹ کو برداشت کرتا ہے حتی کہ پریشان ہو جاتا اور تنگ آ جاتا ہے اور پھر اس عمل کو اپنے لئے بھاری سمجھتے ہوئے چھوڑ دیتا اور پریشانی و تنگی کی وجہ سے اس عمل سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور ملال ایسی کیفیت

---

[1] ......سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب المداومة على العمل، الحديث: ٤٢٤١، ص ٢٧٣٤.

ہے جو کسی شے کو پسند کرنے اور اس میں رغبت کرنے کے بعد طبیعت کو پیش آتی ہے اور یہ انسان کی صفت ہے جسے مختلف طبیعتوں اور اوصاف پر ڈھالا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے۔ لہٰذا ''ملال'' اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں۔ نیز ملال سے متصف ہونے والے انسان کے اوصاف کے اعتبار سے ملال کا جو مفہوم ہمارے نزدیک ہے وہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے جائز نہیں اور یہ صرف انسان کی صفت ہے جسے ایسی طبیعت پر پیدا کیا گیا ہے کہ کوئی معاملہ پیش آئے تو کمزور ہو جاتا ہے اور وہ معاملہ اس پر بوجھ بن جاتا ہے۔ نیز جسے کوئی بھی شے بوجھل کر کے اذیت میں مبتلا کر دیتی ہے۔

لہٰذا حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمان عالیشان ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا'' (یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نہیں اکتاتا بلکہ تم اکتا جاتے ہو) کسی انتہا اور حد بندی کو بیان کرنے کے لئے نہیں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو کسی وقت میں یا کسی دوسرے معاملہ میں اس صفت (یعنی ملال و اکتاہٹ) سے موصوف کر دیا جائے بلکہ یہ فرمان نبوی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اِس صفت کی نفی اور اُس کی ذات کے اس صفت سے مبرا ہونے کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ اس لئے حضور رحمتِ عالم، نورِ مجسم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے فرمان ''حَتّٰی تَمَلُّوا'' کا یہ معنی کیا جا سکتا ہے کہ ''وَتَمَلُّوبَلْ تَمَلُّوا'' (اور تم اُکتا جاؤ گے بلکہ تم ہی اُکتا جاؤ گے) مطلب یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نہ اکتاتا ہے اور نہ ہی اکتائے گا بلکہ تم اکتا جاؤ گے۔

گویا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیب لبیب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرما رہے ہیں کہ ''ملال تمہاری صفت ہے کہ جب تم خود کو اعمال کا پابند کرو گے۔ ان کے بجالانے پر اپنی جانوں کو مجبور کرو گے اور اس پر تھکاوٹ کو برداشت کر کے صبر کرو گے تو یہ صفت (یعنی ملال و تھکاوٹ) تمہیں لاحق ہو جائے گی۔ پھر قریب ہے کہ ان اعمال کی ادائیگی کے سبب تمہاری جسمانی قوتیں کمزور پڑ جائیں گی اور تم ان کو بھاری سمجھو گے اور ان سے پریشان ہو جاؤ گے اور پھر تم ان اعمال کو بوجھ سمجھتے ہوئے، بے توجہ اور بے رغبت ہو کر اور ان کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ دو گے اور دوبارہ ان کی طرف رخ نہیں کرو گے جبکہ اللہ بزرگ و برتر کو یہ آفات نہیں پہنچتیں اور نہ ہی یہ عوارض اسے پیش آتے ہیں۔ پس جن باتوں کا تم خود کو پابند کرتے ہو اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں ان سے نہیں پھیرتا اور (خود پر سختی کرتے ہوئے) جو اعمال تم کرتے

ہوا ن سے منع نہیں کرتا ہے اور نہ ہی وہ تمہارے اوران اعمال کے درمیان رکاوٹ بنتا ہے کہ اسے ایسے اعمال ناپسند ومبغوض ہیں اوراس کے نزدیک یہ تم پر بوجھ ہیں۔ بلکہ یہ آفات وعوارض تمہیں ہی پہنچتے ہیں پس پھر تم اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی عبادت چھوڑ دیتے ہو، تمہیں اپنے مولیٰ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت بوجھ محسوس ہوتی ہے اورتم اپنے پیارے رب عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت وفرمان برداری کوناپسند کرتے ہو۔ چنانچہ،

مَحبوبِ رَبُّ العزت، محسنِ انسانیت صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ نصیحت بنیاد ہے: ''بے شک یہ دین پختہ وپائیدار ہے پس اس میں نرمی کے ساتھ بڑھتے رہو اوراپنے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کوناپسند نہ کرو کیونکہ تیزی سے سفر کرنے والا نہ تو منزل مقصود تک پہنچتا ہے اور نہ ہی سواری باقی چھوڑتا ہے۔''[1]

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) یہاں حدیث شریف میں وارد لفظ ''المنبت'' سے مراد وہ شخص ہے جو (میانہ روی ترک کرکے) تیزی سے سفر کررہا ہو مگر مسافت کے دُور اورطویل ہونے کے سبب منزل مقصود تک نہ پہنچ پائے (اورراہ ہی میں عاجز ہوکر بیٹھ جائے) اورآرام نہ کرنے کے سبب اپنی سواری کوبھی اس قابل نہ رہنے دے کہ اس پر مزید سفر کیا جاسکے۔ یہ (یعنی حدیث شریف میں وارد جملہ: فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَھْرًا اَبْقٰی) عبادت میں مبالغہ کرنے والے اس شخص کے بارے میں (بطورِ مثال) کہا جاتا ہے جو کثرتِ عبادت کے ذریعے اپنے مقصود کی انتہا تک نہ پہنچے اوراسی طرح اپنے سفر پرہمیشگی اختیار کرنے کی قدرت نہ رکھے بلکہ اس کا انجام وانتہا یہ ہو کہ عاجز آجائے اور تھکاوٹ واکتاہٹ کا شکار ہونے کی وجہ سے عمل (یعنی عبادت) چھوڑ کر بیٹھ جائے۔

علامہ الکلاباذی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۸۰ھ) مزید فرماتے ہیں کہ اورشہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال، دافعِ رنج ومَلال صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ ''تم پر میانہ روی لازم ہے۔'' اس میں آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے دین میں مبالغہ اورغلو کوناپسند فرمایا ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم مخلوق کی فطرت وطبیعت کی کمزوری اوران کی طبیعتوں میں موجود ملال واکتاہٹ اور پریشانی وتنگی کوبخوبی جانتے ہیں اوراس وجہ سے بھی ناپسند فرمایا کہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کولوگوں پراس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت سے نفرت نہ کریں، اس کی اطاعت

---

[1] ......الزھد لابن مبارک ،باب فضل ذکر اللہ ، الحدیث: ۱۱۷۸،ص۴۱۵۔

بحرالفوائدالمسمی بمعانی الاخبارللکلاباذی ،تحت الحدیث:۱٦۷،ج۱،ص۲۵۳ .

وفرمانبرداری کو بوجھ نہ سمجھیں اوراس کی عبادت سے اکتانہ جائیں۔ چنانچہ، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کو جسمانی طاقتوں کی بحالی اور پریشانی وتنگی زائل کرنے کے لئے آرام اوراستراحت کاحکم فرمایا تاکہ وہ بحسن وخوبی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت اورمحبت والفت سے اس کی عبادت کریں۔جیسا کہ،

حضور نبیٔ مُکَرَّم،نُورِ مُجَسَّم،شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشادفرمایا:''لیکن میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔(رات میں) نماز پڑھتاہوں اورسوتا بھی ہوں اورعورتوں کے پاس بھی آتا ہوں۔خبردار! جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سےنہیں (یعنی میں اس سے بری ہوں)۔''[1]

(تواے لوگو!) یادرکھو! سنت کی اتباع میں قلیل عمل بدعت کی پیروی میں کثیر عمل سے بہتر ہے۔نیز حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشادفرمایا:''تم پر اللہ عَزَّوَجَلَّ، اپنے جسم اوراپنے اہل کاحق لازم ہے۔''[2]

نیندبھی عبادت ہے:

حضرت سیِّدُ نا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیِّدُ نا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوخط[3] لکھا کہ''میں سوتا بھی ہوں اور قیام (یعنی عبادت) بھی کرتا ہوں اوراپنی نیندکو ویسا ہی سمجھتا ہوں جیسا اپنی عبادت کوسمجھتا ہوں اور میں اپنی نیندکو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت سمجھتا ہوں۔''

حضرت سیِّدُ نا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نیندکو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت وعبادت سمجھتے تھے جیسا کہ وہ اپنی عبادت و

---

[1] ......صحیح البخاری ،کتاب النکاح ،باب الترغیب فی النکاح ، الحدیث: ۵۰۶۳، ص ۴۳۸ "اتزوج" بدلہ "آتی".

[2] ......مجمع الزوائد ،کتاب الفتن ، باب فیما کان بینھم یوم صفین،الحدیث: ۱۲۰۴۷ ج۷، ص ۴۸۲_۴۸۳.

[3] ...... پیارے اسلامی بھائیو!ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے اسلامی بھائیوں کووقتاًفوقتاً نیکی کی دعوت سے بھرپورمکتوب روانہ کرتے رہیں کہ یہ ہمارے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کامبارک طریقہ ہے۔اسی لئے سیدی وسندی شیخ طریقت،امیر اہلسنّت ،بانئ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا **ابوبلال محمد الیاس عطارقادری** دامت برکاتہم العالیہ نے بھی ''اسلامی بھائیوں'' کوعطا کردہ ''72 مدنی انعامات'' کے مدنی انعام نمبر 57 میں ہفتہ میں کم ازکم ایک اسلامی بھائی کومکتوب روانہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔چنانچہ،ارشادفرماتے ہیں:''کیا آپ نے اس ہفتے کم ازکم ایک اسلامی بھائی کومکتوب روانہ فرمایا؟ (مکتوب میں مدنی قافلے اورمدنی انعامات وغیرہ کی ترغیب دلائیں)۔''نیزہم اپنے موبائلز (CELL PHONES) سے بھی بذریعہ SMS اسلامی بھائیوں کونیکی کی دعوت پیش کرسکتے ہیں۔

نماز کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت سمجھتے تھے کیونکہ نیند بدن کا حق ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس حق کو واجب فرما دیا ہے لہٰذا اس حق کی ادائیگی بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت ہے اور اس لئے بھی کہ بندہ کی نیند میں عبادت کے لئے قوت، طبیعت میں بشاشت، اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت پر خود کو ابھارنا اور اپنے نفس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کی محبت دلانا وغیرہ امور پائے جاتے ہیں کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس سے محبت کریں۔ اسی کو ترجیح دیں اور عبادت کے ذریعے اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بندوں کو اعمال (عبادات) کا پابند کیا تاکہ وہ ان میں لگ کر اس کے علاوہ سے بے خبر ہو جائیں۔ ان کے ذریعے اس کی بارگاہ میں حاضری دیں اور ان کی ادائیگی سے اس کی طرف متوجہ ہوں۔ پس اگر وہ اپنی طاقت سے زیادہ ان عبادات سے اختیار کریں گے تو ملال واکتاہٹ کا شکار ہو کر ان کو چھوڑ دیں گے۔ ان کو چھوڑنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضری اور اس کی طرف متوجہ ہونے کو چھوڑنا ہے۔

اور یاد رہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندوں کے افعال سے بے پرواہ ہے کہ نہ بندوں کی اطاعت وعبادت اس (کی شان) کو بڑھا سکتی ہے اور نہ ہی ان کی معصیت و نافرمانی اس کو گھٹا سکتی ہے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ان کی اپنی طرف محتاجی کو ظاہر فرما دے اور وہ اس کے سامنے اپنی لاچاری و عاجزی دیکھ لیں تاکہ وہ ان کو غنی اور طاقتور کر دے اور انہیں ہمیشہ کے لئے بادشاہ بنا دے۔ ایسا غنی کر دے کہ محتاج نہ ہوں اور ایسا مضبوط کر دے کہ کمزور نہ ہوں۔ سُبْحَانَ اللَّطِيْفُ بِعِبَادِهٖ وَالرَّءُ وْفُ بِهِمْ یعنی پاکی ہے اس اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے جو اپنے بندوں پر لطف فرماتا اور ان پر مہربانی فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَايَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا کا دوسرا معنیٰ:

(علامہ الکلاباذی علیہ رحمۃ اللہ الوالی مزید فرماتے ہیں) اور تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نَبُوَّت، مَخْزنِ جود و سخاوت صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان ''اِنَّ اللّٰهَ لَايَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا '' (یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نہیں اکتاتا بلکہ تم اکتا جاتے ہو) کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جو اعمال تم بجالا رہے ہو، اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کو قبول فرما کر نظر کرم کرنا اور ان پر ثواب عطا کرنا ترک نہیں فرماتا بلکہ تم اس کی اطاعت سے اکتا جاتے، اس کی عبادت کو بوجھ سمجھتے اور ناپسند کرنے لگتے ہو۔ گویا کہ حضور نبیٔ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرما رہے ہیں: ''بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر نظر کرم فرماتا رہتا ہے اگرچہ تم عبادت تھوڑی کرو اور وہ تمہارے آسان اعمال قبول فرماتا رہتا ہے اور اس پر بڑا ثواب عطا فرماتا رہتا ہے (اور ایسا اس

وقت تک کرتا ہے) جب تک تم ان اعمال میں رغبت رکھو اور ان کی چاہت رکھو اور اپنی نیتوں کے ساتھ ان کی طرف متوجہ رہو اگرچہ تم اس میں اپنے ارادے اور مقاصد تک نہ پہنچ پاؤ۔ بلکہ وہ اس وقت تمہیں ثواب عطا کرنا، تم پر نظرِ کرم کرنا اور شرفِ قبولیت سے نوازنا ترک فرماتا ہے جب تم اس کی عبادت سے اعراض کرتے اور اکتا جاتے ہو۔'' [1]

رخصت اور عزیمت کا بیان

ساتویں حدیث شریف:

﴿7﴾......حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ مکی مدنی آقا، دوعالم کے داتا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح وہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے عزائم (یعنی فرائض) پر عمل کیا جائے۔'' [2]

(حضرت سیِّدُنا امام بزار، حضرت سیِّدُنا امام طبرانی اور حضرت سیِّدُنا امام ابن حبان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

رخصت کی تفصیل

رخصت کا لغوی معنی:

مذکورہ حدیث شریف کا پہلا حصہ یہ ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے'' اس کے عربی متن میں لفظ ''رُخَصٌ'' آیا ہے۔ چنانچہ ''القاموس'' میں ہے: ''رُخَصٌ''، ''رُخْصَۃٌ'' کی جمع ہے جس کو ''رُخُصَۃٌ'' اور ''رُخْصَۃٌ'' دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اس سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے بندے کو کسی کام میں دی گئی سہولت و آسانی ہے۔''

رخصت کا شرعی معنی:

(حضرت سیِّدُنا امام سعد الدین مسعود تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۷۹۳ھ) کی کتاب) ''اَلتَّلْوِیْح'' میں ہے: سببِ حرمت

......بحرالفوائدالمسمی بمعانی الاخبارللکلاباذی، تحت الحدیث:۱۶۸، ج۱، ص۲۵۴.

......الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، باب ماجاء فی الطاعات وثوابها، الحدیث:۳۵۵، ج۱، ص۲۸۴.

کے موجود ہوتے ہوئے بندوں کے اعذار کی بناء پر جس چیز کی اجازت دے دی جائے اسے رخصت کہتے ہیں۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُ نا ابو الیسر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: ''سببِ حرمت اور حکمِ حرمت کے قائم ہوتے ہوئے ارتکابِ حرام پر اور سببِ وجوب اور حکمِ وجوب کے موجود ہوتے ہوئے ترکِ واجب پر مواخذہ (یعنی سزا) نہ ہونے کو رخصت کہتے ہیں۔'' اور ''اَلْمِیْزَان'' میں ہے: ''عذر والوں (یعنی معذورانِ شرعی) پر مہربانی اور ان کو وسعت دینے کے لئے حکم کو اصل سے تخفیف وسہولت کی طرف پھیر دینے کا نام رخصت ہے۔'' (1)

رخصت کی اقسام:

''مِرآۃُ الْاُصُوْل شَرْحُ مِرْقَاۃِ الْوُصُوْل'' میں ہے کہ رخصت کی چار (4) اقسام ہیں۔ دو (2) حقیقی ہیں مگر رخصت ہونے کے اعتبار سے ان میں ایک دوسری سے اعلیٰ درجہ کی ہے اور دو (2) مجازی ہیں یعنی ان پر رخصت کا نام مجازی طور پر بولا جاتا ہے لیکن مجاز ہونے میں ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ تام ہے یعنی ایک رخصت کی حقیقت سے زیادہ دور ہے۔ چنانچہ،

رخصت کی پہلی قسم، رخصت حقیقی اعلیٰ:

''اَلْمَنَار'' اور پھر اس کی شرح ''شَرْحُ الْمَنَارِ لِابْنِ مَلِک'' میں ہے: ''اعلیٰ درجے کی حقیقی رخصت یہ ہے کہ سببِ حرمت اور حکمِ حرمت دونوں کے موجود ہوتے ہوئے حرام کو مباح (یعنی جائز) کر دیا جائے اور جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں مواخذہ ساقط ہو گیا وہاں جائز والا معاملہ کرے (یعنی مباح کام کی طرح اس پر بھی مواخذہ نہ ہوگا) یہ مطلب نہیں کہ وہ کام ہی جائز ہو جائے گا۔ لٰہذا سقوطِ مواخذہ سے ثبوتِ اباحت لازم نہیں آتا (یعنی کسی حرام کی سزا ساقط ہونے سے وہ جائز نہیں ہو جاتا)۔ کیونکہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو اگر معاف کر دیا جائے تو اب مؤاخذہ نہ ہونے کے باوجود وہ جائز نہیں ہو جاتا۔ رخصت کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱)......اُس شخص کو کلمہ کفر زبان سے جاری کرنے کی اجازت ہے جسے اس طرح مجبور کیا گیا کہ اسے جان جانے یا کسی عضو کے تلف (یعنی ضائع) ہونے کا خوف لاحق ہو گیا تو اب اسے صرف ظاہری طور پر زبان پر کفر جاری کرنے کی

......التلویح ،باب فی الحکم وھو قسمان ،العزیمۃ والرخصۃ ،ج ٢ ،ص٦١٣.

رخصت ہے جبکہ اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ کیونکہ ایسے وقت کفر نہ کرنے کی صورت میں بندے کا حق صورتاً اور معنًا دونوں طرح فوت ہو جائے گا۔ صورتاً اس طرح کہ جسم تباہ و برباد ہوگا اور معنًا اس طرح کہ روح نکل جائے گی اور کفر کرنے کی صورت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حق معناً فوت نہ ہوگا کہ ایمان کا اصل رکن تصدیق ہے (یعنی دل سے ماننا ہے اور وہ یہاں موجود ہے)۔

(۲)......اسی طرح جس روزہ دار کو روزہ توڑنے پر مجبور کیا گیا تو اِس حالت اکراہ[1] میں اسے روزہ توڑنے کی اجازت ہے اس لئے کہ اگر اس نے منع کیا اور قتل ہو گیا تو اس کا حق صورتاً و معناً دونوں طرح فوت ہوگا اور اگر روزہ توڑے گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حق صرف صورتاً فوت ہوگا کیونکہ وہ فوت ہو کر بدل یعنی قضا کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ پس

[1] ......صدرُ الشَّریعه، بدرُ الطَّریقه حضرتِ علّامہ مولٰینا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: اکراہ جس کو جبر کرنا بھی لوگ بولتے ہیں اس کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے ساتھ ناحق ایسا فعل کرنا کہ وہ شخص ایسا کام کرے جس کو وہ کرنا نہیں چاہتا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مُکرِہ نے کوئی ایسا فعل نہیں کیا جس کی وجہ سے مُکرَہ اپنی مرضی کے خلاف کام کرے مگر مُکرَہ جانتا ہے کہ یہ شخص ظالم و جابر ہے جو کچھ یہ کہتا ہے اگر میں نے نہ کیا تو مجھے مار ڈالے گا۔ اس صورت میں بھی اکراہ ہے۔ (الدرالمختار و ردالمحتار، کتاب الاکراہ، ج۹، ص۲۱۷۔۲۱۸) مجبور کرنے والے کو مُکرِہ اور جس کو مجبور کیا اس کو مُکرَہ کہتے ہیں۔ پہلی جگہ رے کو زیر ہے دوسری جگہ زبر۔ مسئلہ: اکراہ کا حکم اس وقت متحقق ہوتا ہے جب ایسے شخص کی جانب سے ہو کہ وہ جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے اس کے کر ڈالنے پر قادر ہو جیسے بادشاہ یا ڈاکو کہ ان کے کہنے کے مطابق اگر نہ کرے تو یہ وہ کام کر گزریں گے جس کی دھمکی دے رہے ہیں (الھدایۃ (آخرین)، کتاب الاکراہ، ج۳، ص۳۳۰) مسئلہ: اکراہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تام اور اس کو مُلجِی بھی کہتے ہیں دوسری ناقص اس کو غَیر مُلجِی بھی کہتے ہیں۔ اکراہِ تام یہ ہے کہ مار ڈالنے یا عضو کاٹنے یا ضرب شدید کی دھمکی دی جائے۔ ضرب شدید کا مطلب یہ ہے کہ جس سے جان یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کسی سے کہتا ہے کہ یہ کام کر ورنہ تجھے مارتے مارتے بیکار کر دوں گا۔ اکراہ ناقص یہ ہے کہ جس میں اس سے کم کی دھمکی ہو۔ مثلاً پانچ جوتے ماروں گا یا پانچ کوڑے ماروں گا یا مکان میں بند کر دوں گا یا ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دوں گا۔ (الدرالمختار و ردالمحتار، کتاب الاکراہ، ج۹، ص۲۱۷۔۲۱۸) مسئلہ: اکراہ کی شرائط یہ ہیں۔ (۱) مکرِہ اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کی وہ دھمکی دیتا ہو (۲) مکرَہ یعنی جس کو دھمکی دی گئی اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر میں اس کام کو نہ کروں گا تو جس کی دھمکی دے رہا ہے اسے کر گزرے گا (۳) جس چیز کی دھمکی ہے وہ جان جانا ہے یا عضو کاٹنا ہے یا ایسا غم پیدا کرنا ہے جسکی وجہ سے وہ کام اپنی خوشی و رضا مندی سے نہ ہو (۴) جس کو دھمکی دی گئی وہ پہلے سے اس کام کو نہ کرنا چاہتا ہو اور اس کا نہ کرنا خواہ اپنے حق کی وجہ سے ہو مثلاً اس سے کہا گیا تو اپنا مال ہلاک کر دے یا بیچ دے اور یہ ایسا کرنا نہیں چاہتا یا کسی دوسرے شخص کے حق کی وجہ سے اس کام کو نہیں کرنا چاہتا مثلاً فلاں شخص کا مال ہلاک کر یا حق شرع کی وجہ سے ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ مثلاً شراب پینا، زنا کرنا۔

(الدرالمختار، کتاب الاکراہ، ج۹، ص۲۱۸۔ بہارشریعت، ج۲، حصہ۱۵، ص۱۴)

اس کا حق راجح ہونے کی وجہ سے اسے روزہ توڑنے کی رخصت ہوگی۔

(۳)...... یوں ہی اگر کسی شخص کو غیر کا مال تلف (یعنی ضائع) کرنے پر مجبور کیا گیا تو اسے ایسا کرنے کی رخصت ہے کیونکہ اس کا حق راجح ہے جبکہ غیر کا حق ضمان ادا کر کے پورا کیا جا سکتا ہے۔

(۴)......اسی طرح جس شخص کو اپنی جان جانے کا ڈر ہو تو اسے بھی **"اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف وَ نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَر"** (یعنی نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے) ترک کرنے کی رخصت ہے۔ کیونکہ ایسے موقع پر **اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف وَ نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَر** کرنے کی صورت میں بندے کا حق صورتاً اور معناً دونوں طرح سے فوت ہوگا اور اگر ترک کرے گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حق صرف صورتاً فوت ہوگا، معناً فوت نہیں ہوگا کیونکہ ترک کی حرمت کا اعتقاد باقی ہے۔

(۵)...... ایسے ہی حالت اکراہ میں مُحرِم (یعنی احرام والے) کو جنایت (یعنی حرم یا احرام کے سبب ممنوع فعل مثلاً شکار یا حرم میں جانور کا قتل) کرنے کی رخصت ہے۔

(۶)...... یوں ہی بھوک کی شدت کے وقت **مُضْطَر**[1] کو غیر کا کھانا کھانے کی اجازت ہے۔ اس لئے کہ آخری دونوں صورتوں میں ضمان دیا جا سکتا ہے۔

رخصت کی پہلی قسم کا حکم:

اعلیٰ درجہ کی حقیقی رخصت کا حکم یہ ہے کہ "سببِ حرمت اور حکمِ حرمت دونوں کے موجود ہوتے ہوئے عزیمت پر عمل کرنا اولیٰ یعنی بہتر ہے۔ حتی کہ اگر کسی شخص نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے صبر کیا، جس چیز کے ذریعہ مجبور کیا گیا اسے برداشت کیا، رخصت کو چھوڑ دیا اور قتل ہو گیا تو وہ شہید ہے کیونکہ اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق کو قائم کرنے کے لئے اپنی جان قربان کر دی۔"

---

[1]...... مفسر شہیر صدر الافاضل **مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی** علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: "**مُضْطَر** وہ ہے جو حرام چیز کے کھانے پر مجبور ہو اور اس کو نہ کھانے سے خوفِ جان ہو خواہ تو شدت کی بھوک یا ناداری کی وجہ سے جان پر بن جائے اور کوئی حلال چیز ہاتھ نہ آئے یا کوئی شخص حرام کھانے پر جبر کرتا ہو اور اس سے جان کا اندیشہ ہو ایسی حالت میں جان بچانے کے لئے حرام چیز کا قدرِ ضرورت یعنی اتنا کھا لینا جائز ہے کہ خوفِ ہلاکت نہ رہے۔ (خزائن العرفان، البقرہ، تحت الایۃ:۱۷۳)

رخصت کی دوسری قسم، رخصت حقیقی ادنیٰ:

رخصت کی دوسری قسم یعنی ادنیٰ درجہ کی حقیقی رخصت یہ ہے کہ ''سببِ حرمت تو موجود ہو لیکن حکمِ حرمت عذر کے زائل ہونے کے وقت تک سبب سے مؤخر ہو جائے۔ لہٰذا سبب موجود ہونے کی حیثیت سے یہ قسم حقیقی ہے اور حکم کے سبب سے مؤخر ہونے اور فی الحال ثابت نہ ہونے کی حیثیت سے پہلی قسم سے ادنیٰ ہے۔ جیسے سببِ حرمت (یعنی ماہِ رمضان) کے موجود ہوتے ہوئے مسافر کو رمضان کا روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے (مگر حکم اختتامِ سفر تک مؤخر کر دیا گیا)، اور سببِ حرمت یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ ترجمۂ کنز الایمان: تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۸۵)

رخصت کی دوسری قسم کا حکم:

ادنی درجہ کی حقیقی رخصت کا حکم یہ ہے کہ ''سبب کے مکمل طور پر پائے جانے کے باعث اس صورت میں عزیمت پر عمل کرنا اولیٰ یعنی بہتر ہے اور (مذکورہ مثال میں) سببِ کامل ماہِ رمضان کا موجود ہونا ہے۔ لہٰذا سفر شرعی میں روزہ رکھنا، روزہ چھوڑنے سے افضل ہے اور اگر روزہ رکھنے سے کمزوری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو اب روزہ چھوڑنا افضل ہے۔ اسی لئے اگر کوئی سفر میں روزہ رکھ کر صبر کرتا رہا حتی کہ (کمزوری کے سبب) مر گیا تو گنہگار ہو گا کیونکہ جب اس نے روزہ کی ادائیگی کے لئے اپنی جان ختم کر دی تو اس نے روزہ کا مقصود حاصل کئے بغیر خودکشی کر لی اور وہ مقصود یہ تھا کہ عبادتِ الٰہی کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا حاصل کی جاتی۔

رخصت کی تیسری قسم، رخصتِ مجازی اَتم:

اتم درجہ کی مجازی رخصت یہ ہے کہ ''وہ سخت اعمال جو بوجھ ہونے کے سبب ہم سے ساقط کر دئے گئے اور ہمارے حق میں مشروع نہیں کئے گئے۔ جیسے توبہ میں خود کو قتل کرنا۔ گناہ کرنے والے اعضاء کو کاٹ کر جسم سے جدا کر دینا۔ مساجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز کی ادائیگی جائز نہ ہونا۔ پانی کے بغیر پاکی حاصل نہ ہونا۔ روزے دار کے لئے سونے کے بعد کھانے کا حرام ہونا۔ گناہوں کے سبب سے حلال و پاک اشیاء کے استعمال کی ممانعت۔ مال میں

چوتھائی حصہ زکوٰۃ ہونا۔ کوئی گناہ کرتا تو صبح اس کے دروازے پر وہ گناہ لکھ دیا جاتا اور وہ سارے سخت احکام جن کو (قرآنِ پاک کی سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ میں) زنجیریں کہا گیا ہے۔ چنانچہ،

مروی ہے کہ ''بنی اسرائیل جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ٹاٹ کا لباس پہنتے اور اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھ لیا کرتے۔ بسا اوقات کوئی آدمی اپنی گردن میں سوراخ کر لیتا اور اس میں زنجیر ڈال کر ستون سے باندھ دیتا اور یوں خود کو عبادت پر مجبور کرتا۔''

اور یہ تمام سختیاں **خَاتَمُ الْمُرْسَلِین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِین** صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کے عزو شرف اور صدقے سے اس امت سے اٹھا لی گئی ہیں۔ لہٰذا ہم سے اگلوں پر واجب بوجھ اور سخت احکام کو ہم سے ساقط و معاف کرنے کا نام بطورِ مجاز رخصت رکھا گیا ہے۔ کیونکہ ان میں اصل عزیمت ہے اور وہ بوجھ اور سخت احکام تھے جو ہم پر واجب نہ رہے اور دوسروں کے اعتبار سے بطورِ تخفیف وہ سختیاں ہم سے ساقط ہو گئیں۔

رخصت کی چوتھی قسم:

رخصت کی چوتھی قسم یہ ہے کہ ''محلِ رخصت میں حکم کو ثابت نہ کرنے کے اعتبار سے سبب کے جاتے رہنے کی وجہ سے جو بات بندوں سے ساقط ہو جائے اور بعض اوقات وہ ساقط بات مشروع بھی ہو۔'' پس اس حیثیت سے کہ وہ محلِ رخصت میں ساقط ہو جاتی ہے تیسری قسم (یعنی رخصتِ مجازی اَتم) کی نظیر ہے اور اپنے مقابل عزیمت کے نہ ہونے کی وجہ سے مجاز ہے اور اس حیثیت سے کہ بعض اوقات سبب اور حکم دونوں مشروع ہوتے ہیں یہ حقیقت کے مشابہ ہے مگر مجاز کی جہت غالب ہے کیونکہ مجاز کی جہت محلِ رخصت کے اعتبار سے ہے جبکہ حقیقت سے مشابہ ہونا غیرِ محل کے اعتبار سے ہے۔ پس جہتِ مجاز قوی ہے۔ چنانچہ،

''**شَرْحُ مِرْقَاۃِ الْوُصُوْل**'' میں ارشاد فرمایا: ''اس کی مثال **مُضْطِر** (یعنی جسے ہلاکت کا خوف ہو) اور **مُکْرَہ** (یعنی جسے مجبور کیا گیا) کے لئے شراب پینے اور مردار کھانے کا جواز ہے۔ کیونکہ ہلاکت کے خوف کے سبب شراب پینے اور مردار کھانے کی حرمت ان دونوں کے حق میں ساقط ہے حتی کہ یہ ہمارے نزدیک مشروع نہیں رہتی اور اباحت (یعنی جائز ہونے) سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اگر کسی نے (بحالتِ اضطرار و اکراہ) ان کی اباحت کا علم ہونے کے باوجود

صبر کیا (یعنی شراب نہ پی یا مردار نہ کھایا) اور مر گیا تو گنہگار ہوگا۔ ہاں! اگر لاعلمی میں ایسا ہوا تو گنہگار نہ ہوگا کیونکہ حرمت کے اٹھ جانے میں ایک طرح کا خفا (یعنی پوشیدگی) ہے پس اسے معذور سمجھا جائے گا جیسا کہ حضرت سیِّدُنا امام اِسْبِیجَابِی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۵۳۵ھ) نے اسے بیان فرمایا ہے۔''

بحالتِ اضطرار حرمت اصلاً ساقط ہو جاتی ہے:

(حضرت سیِّدُنا امام سعد الدین مسعود تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی متوفی ۷۹۳ھ) ''اَلتَّلْوِیح''، میں بحالتِ اضطرار شراب پینے اور مردار کھانے کے متعلق فرماتے ہیں: ''جمہور علما رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مباح ہے اور حرمت ساقط ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ حرام ہی رہتی ہے اور اصل کو باقی رکھنے کے لئے اس میں یوں رخصت دے دی جاتی ہے کہ مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ جیسے بعض علما رحمہم اللہ تعالیٰ کے موقف کے مطابق ''بحالتِ اکراہ زبان پر کلمۂ کفر جاری کرنے اور غیر کا مال کھانے میں حرمت کے باوجود رخصت دی جاتی ہے۔'' (اور یہاں ایسا نہیں) مردار کھانے میں اس لئے (حرمت باقی نہیں رہتی) کہ اسے حرام کرنے والی نص حالتِ اضطرار میں اس کو شامل نہیں کیونکہ وہ مُسْتَثْنٰی (یعنی الگ) ہے لہٰذا وہ بطورِ مباح باقی رہے گی اصل حکم کے ساتھ اور اس فرمانِ باری تعالیٰ کے مطابق: ''خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ (پ۱، البقرۃ: ۲۹)

ترجمۂ کنز الایمان: تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔'' بلکہ اثبات (یعنی مثبت کلام) سے استثنا کی صورت میں نفی کے قائلین کے نزدیک نص، حالتِ اضطرار میں مردار کھانے کے حرام نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ (1)

پھر علامہ تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے اس مسئلہ میں کلام کو پھیلا دیا ہے۔

''شَرْحُ مِرْقَاةِ الْوُصُوْل''، میں اس کی مثالیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جیسے مسافر کا نماز میں قصر کرنا (2)

---

(1) ......التلویح، باب فی الحکم وھو قسمان، العزیمۃ والرخصۃ، ج۲، ص۶۱۵.

(2) ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِ شریعت'' جلد اوّل صفحہ 743 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولیٰنا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) نقل فرماتے ہیں: ''مسافر پر واجب ہے کہ نماز میں قصر کرے یعنی چار رکعت والے فرض کو دو پڑھے اس کے حق میں دو ہی رکعتیں پوری نماز ہے اور قصداً چار پڑھیں اور دو پر قعدہ کیا تو فرض ادا ہوئے اور پچھلی (یعنی آخری) دو رکعتیں نفل ہوئیں مگر گنہگار و مستحق نار ہوا کہ واجب ترک کیا لہٰذا توبہ کرے اور دو رکعت پر قعدہ نہ کیا تو فرض ادا نہ ہوئے اور وہ نماز نفل ہوگئی ہاں اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پیشتر اقامت (یعنی مقیم ہونے) کی نیت کر لی تو فرض باطل نہ ہوں گے مگر قیام و رکوع کا اعادہ کرنا ہوگا اور اگر تیسری کے سجدہ میں نیت کی تو اب فرض جاتے رہے، یوہیں اگر پہلی دونوں یا ایک میں قراءت نہ کی نماز......

کہ یہ ہمارے نزدیک رخصتِ اسقاط ہے۔پس مسافر کا نمازِ فجر کی مانند نمازِ ظہر کو پورا (یعنی چار رکعتیں) پڑھنے کی نیت سے ادا کرنا جائز نہیں اور ظہر و نفل کی نیت سے ادا کرنا اساءت اور اس میں قعدہ اُولیٰ ترک کرنا (فرضوں کے لئے) مفسد ہے۔یوں ہی (اس کی دوسری مثال) موزے پہننے والے کا (موزوں پر) مسح کرنا ہے کیونکہ پاؤں کا دھونا جو عزیمت ہے وہ مسح کی مدت [1] میں بطورِ رخصت ساقط ہو جائے گی اس لئے کہ پاؤں کا موزے سے چھپا ہونا، حدث کے پاؤں تک پہنچنے کو روکتا ہے تو ثابت ہوا کہ دھونے کا حکم ساقط ہے اور مسح ابتدا ہی سے آسانی کے لئے مشروع (یعنی جائز) ہوا ہے۔اس معنی کے اعتبار سے نہیں ہے کہ پاؤں دھونے والا واجب، مسح کر کے ادا ہو جاتا ہے۔کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر موزے پہننے کے وقت پاؤں کا پاک ہونا شرط نہ ہوتا اور نہ ہی یہ شرط ہوتی کہ موزے پہننے کے بعد پہلا حدث کامل طہارت پر طاری ہو جیسے پٹی پر مسح کرنے میں یہ شرائط نہیں۔اس لئے کہ مسح، پاؤں تک پہنچنے والے حدث کو زائل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور شریعت نے وضو توڑنے والے سبب کو پاؤں میں اس وقت تک مؤثر نہیں مانا جب تک وہ موزے سے چھپا ہوا ہو اور اسے پاؤں تک حدث کے سرایت کرنے سے مانع قرار دیا ہے۔

رخصت کی چوتھی قسم کا حکم:

رخصت کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ ''جب تک موزے پہنے ہوں اس وقت تک عزیمت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے تو اگر کسی نے مسح کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کرتے ہوئے مسح نہ کیا تو اسے موزے اتار کر پاؤں دھونے کے اعتبار سے ثواب ملے گا۔''

عزیمت کی تفصیل

عزیمت کا لغوی معنی:

''طریقہ محمدیہ'' میں مذکور ساتویں حدیث شریف کے دوسرے حصہ میں ارشاد فرمایا ''جس طرح وہ (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ

......فاسد ہوگئی۔(الفتاوی الھندیه، ج۱، ص۱۳۹۔ الدر المختار، ج۲، ص۷۳۳، الھدایة، ج۱، ص۸۰) **مدنی مشورہ:** سفر و حضر میں نماز کے مسائل، آسان انداز میں سیکھنے کے لئے شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا **ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رَضوی** دامت برکاتہم العالیہ کی مایہ ناز تصنیف ''**نماز کے احکام**'' مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کا مطالعہ کیجئے۔علمیہ

[1]...... موزوں پر مسح کی مدت مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں ہیں۔(الھدایة، ج۱، ص۳۰)

عَزَّوَجَلَّ) پسند فرماتا ہے کہ اس کے عزائم (یعنی فرائض) پر عمل کیا جائے۔'' اس کے عربی متن میں لفظ ''عَزَائِم'' آیا ہے۔ چنانچہ ''اَلْقَامُوْس'' میں ہے:'' عَزَائِم''، ''عَزِیْمَۃ'' کی جمع ہے اور ''عَزَمَ عَلَی الْاَمْر'' سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی ہے:''اس نے کام کا پختہ ارادہ کرلیا یا اس نے کام کی کوشش کی۔'' اور کہا جاتا ہے:''عَزْمَۃٌ مِنْ عَزَمَاتِ اللہ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حقوق میں سے ایک حق۔'' مطلب یہ کہ اس کے واجب کردہ احکام میں سے ایک واجب حکم اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عزائم سے اس کے فرائض مراد ہیں جن کو اس نے واجب ولازم فرمایا ہے۔

عزیمت کا شرعی معنی:

''شَرْحُ مِرْقَاۃِ الْوُصُوْل'' میں ہے کہ ''عزیمت سے مراد وہ چیز جو شریعت میں ابتدا ہی سے بندوں کے اعذار پر مبنی نہ ہو اور اس میں فرض، واجب، سنت، نفل، حرام، مکروہ اور مباح سب شامل ہیں۔'' اس کی ساری بحث کتب اصولِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے جس کو یہاں بیان کرنا طوالت کا باعث ہے۔

(ساتویں حدیث شریف کا) حاصل یہ ہے کہ جس طرح عزیمتیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام ہیں اسی طرح رخصتیں بھی اس کے احکام ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر حال میں اپنے احکام پر (بندوں کا) عمل کرنا پسند فرماتا ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ نفس، خواہش اور شیطان کے احکام (یعنی باتوں) پر عمل کرکے اس کی مخالفت کی جائے۔ جبکہ رخصتیں نفس وشیطان اور خواہشات کے احکام نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان پر عمل کرنے کو ناپسند فرمائے اگرچہ ان میں بھی نفس کے لئے وسعت وسہولت موجود ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ یہ وسعت وسہولت نفس کی خواہش سے نہیں کہ قابلِ مذمت ٹھہرے بلکہ یہ تو حق تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘ (پ ۲، البقرۃ: ۱۸۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

رخصتوں کو ڈھونڈتے رہنا روا نہیں:

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۱۰۳۱ھ) ''فَیْضُ الْقَدِیْر شَرْحُ الْجَامِعِ الصَّغِیْر''

میں نقل فرماتے ہیں: ''اس طرح رخصت ڈھونڈتے رہنا جائز نہیں کہ جس مذہب (یعنی فقہ) کا جو مسئلہ آسان لگے اسے اختیار کرلیا جائے، اس حیثیت سے کہ مکلّف ہونے کا پٹا ہی گردن سے اتر جائے۔ بخلاف حضرت سیِّدُنا امام ابن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی ۶۶۰ھ) کے، انہوں رخصتوں کی تلاش کو مطلقاً جائز فرمایا ہے اور ان کے کلام کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ بندہ اس وقت تک رخصتوں کو تلاش کرسکتا ہے جب تک اس کی گردن سے مکلّف ہونے کا پٹا نہ اترے۔ نیز کسی مذہب (یعنی فقہ) سے دوسرے کی طرف جانے والے شخص کے بارے میں حضرت سیِّدُنا تقی الدین سبکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں: ''اگر اُس نے کسی پیش آمدہ حاجت یا ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہوکر رخصت کا ارادہ کیا تو جائز ہے اور اگر محض چھٹکارے کا ارادہ ہے تو اسے منع کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دین کی اتباع نہیں بلکہ اپنی نفسانی خواہش کی پیروی ہے اور اگر وہ اکثر ایسا کرتا ہو اور رخصتوں کی پیروی کو اپنی عادت بنالے تو بیان کردہ وجہ اور اس کے زیادہ قبیح ہونے کے سبب اسے منع کیا جائے گا۔[1]

کچھ حیلوں کے بارے میں:

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) تقلید کے مسئلہ میں ہمارا ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام ہم نے ''**خُلَاصَۃُ التَّحقِیق**'' رکھا ہے۔ ہم نے اس میں جائز اور ناجائز تقلید کے بارے میں اپنے مذہب (یعنی فقہ حنفی) کا حکم بیان کیا ہے اور اس رسالہ میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ''حیلہ'' جب کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رہا ہو تو وہ ان رخصتوں میں سے نہیں ہوگا جن پر عمل کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا علامہ ابن العز حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۹۲ھ) نے اس بات کو اپنے اس رسالہ میں بیان فرمایا ہے جو ''اپنے مذہب (یعنی فقہ) کے علاوہ دوسرے امام کی اقتدا'' کے متعلق تصنیف کیا گیا ہے۔ چنانچہ،

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اس میں فرماتے ہیں: حضرات ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ المبین کی مراد کو سمجھنے میں کوتاہی یا دلائل شرعیہ کی سمجھ نہ ہونے کے سبب حرام کو حلال و مباح ٹھہرانے وغیرہ ایسے معاملات میں لوگ حیلوں میں نرمی برتنے لگ جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے حیلوں سے بچنا واجب ہے۔ عوام کا دلائل شرعیہ کو سمجھنے میں کوتاہی کرنا وہ تو ظاہر ہے (یعنی یہ ان کے

[1] ......فتاوی السبکی، کتاب الصلاۃ، ج۱، ص۱۴۷۔
فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث: ۲۸۸، ج۱، ص۲۷۲ ملتقطا۔

بس کی بات نہیں)۔البتہ! ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ المبین کی مراد کو سمجھنے میں کوتاہی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جب کسی امام سے حیلوں کے جواز کی بات سنتے ہیں تو پھر ان کی کثرت وزیادتی کی خواہش کرتے اور جواز کی حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔حالانکہ امام الائمہ،سراج الامہ،کاشف الغمہ حضرت سیِّدُ نا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ١٥٠ھ) کا فرمان ہے:''جو مفتی [1] لوگوں کو حیلے سکھائے اس پر پابندی عائد کر دی جائے۔''

ایک اشکال اور اس کا جواب:

جو شخص حضرت سیِّدُ نا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ١٥٠ھ) کے تعلق سے مذکورہ فرمان سنے گا اسے ایک اشکال ہوگا اور وہ اعتراض کرے گا کہ''لوگوں کو حیلے سکھانے والے پر پابندی عائد کرنے کی بات کیسے کہی جاسکتی ہے جبکہ حیلوں کے جواز (یعنی جائز ہونے) کا قول بھی موجود ہے؟''

[1] ......اس سے مرادفقیہ ماجن یعنی آزاد خیال مفتی ہے۔جیسا کہ **سراج الامہ،کاشف الغمہ حضرت سیِّدُ نا امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم (متوفی ١٥٠ھ) کےحوالہ سے یہ بات منقول ہے کہ''اَنَّہٗ لَا یُجْرِی الْحَجْرَ اِلَّا عَلٰی ثَلَاثَۃٍ:اَلْمُفْتِی الْمَاجِنِ وَالطَّبِیْبِ الْجَاھِلِ وَالْمُکَارِی الْمُفْلِس یعنی حضرت سیِّدُ نا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم (متوفی ١٥٠ھ) تین آدمیوں کے علاوہ کسی پر پابندی عائد نہ فرماتے تھے(١) آزاد خیال مفتی (٢) جاہل طبیب اور (٣) کرایہ پر چوپایہ دینے والا نادار آدمی۔''

حضرت سیِّدُ نا ملک العلما **امام علاؤالدین ابی بکر بن مسعود کاسانی حنفی** علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی ٥٨٧ھ)اس کی وجہ لکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:''لِاَنَّ الْمُفْتِیَ الْمَاجِنَ یُفْسِدُ اَدْیَانَ الْمُسْلِمِیْنَ،وَالطَّبِیْبَ الْجَاھِلَ یُفْسِدُ اَبْدَانَ الْمُسْلِمِیْنَ،وَالْمُکَارِی الْمُفْلِسَ یُفْسِدُ اَمْوَالَ النَّاسِ فِی الْمَفَازَۃِ یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد خیال مفتی مسلمانوں کے دین میں بگاڑ پیدا کرتا ہے اور جاہل طبیب مسلمانوں کے جسم کو تباہ و برباد کرتا ہے اور کرایہ پر چوپایہ دینے والا نادار آدمی چٹیل میدان میں لوگوں کے اموال خراب کر دیتا ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ،کتاب الحجر والحبس،ج٦،ص١٧٢)

نیز **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1182** صفحات پر مشتمل کتاب،''**بہارِشریعت**'' جلد دوم صَفْحَہ **911** پر صدرُ الشَّریعہ،بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولٰینا **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ١٣٦٧ھ) فرماتے ہیں:''حاکم اسلام پر یہ لازم ہے کہ اس کا تجسس کرے کون فتوی دینے کے قابل ہے اور کون نہیں ہے جو نااہل ہو اسے اس کام سے روک دے کہ ایسوں کے فتوے سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن کا اس زمانہ میں پوری طرح مشاہدہ ہو رہا ہے۔'' (الفتاوی الھندیۃ،ج٣،ص٣٠٩)

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:''اگر کسی شخص کے تصرفات کا ضرر عام لوگوں کو پہنچتا ہو تو اس کو روک دیا جائے گا۔مثلاً جاہل مفتی کہ لوگوں کو غلط فتوے دے کر خود بھی گمراہ و گنہگار رہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کرتا ہے۔'' (بہارشریعت،ج٢،ص٤٨٥تا٤٨٦ملخصًا۔ضیاء القرآن)

جواب اس کا یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ یہاں کوئی اشکال نہیں اگرچہ منسوب کرنے والوں نے حضرت سیِّدُنا امامِ اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم (متوفی ۱۵۰ھ) کے تعلق سے حیلوں کے کثیر واقعات بیان کئے ہیں، اپنے اس گمان کی وجہ سے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حیلوں کے اسباب اختیار کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں کیونکہ حضرت سیِّدُنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۵۰ھ) تو یہ فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی نے اس حرام فعل کی مثل کوئی فعل کیا تو اس شخص پر اس کا حکم مرتب ہوگا۔'' ایسا ہرگز نہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتدا ہی سے اس فعل کو جائز کہتے ہوں جیسا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیع فاسد [1] کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اگر کسی نے یہ سودا کیا تو اس پر اس کا حکم مرتب ہوگا بخلاف بیع باطل کے۔'' یہاں بھی ایسا ہرگز نہیں فرماتے کہ ''بیع باطل میں لگ جانا جائز ہے۔'' اور جیسے اذانِ جمعہ کے وقت بیع (یعنی خرید وفروخت) کے بارے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں: ''یہ فعل ناجائز ہے اور اگر کسی نے کیا تو اس پر اس کا حکم مرتب ہوگا اور یہ بیع نافذ ہوجائے گی۔''

اس باب میں حضرت سیِّدُنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۵۰ھ) کا مؤقف مشہور ومعروف ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عین شے میں پائے جانے والے معنی کے سبب شے سے ممانعت اور شے کے غیر میں پائے

---

[1] ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1182 صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِ شریعت'' جلد دوم صفحہ 696 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علاّمہ مولیٰنا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: جس صورت میں بیع کا کوئی رکن مفقود ہو (یعنی پایا نہ جائے) یا وہ چیز بیع کے قابل ہی نہ ہو وہ ''بیع باطل'' ہے۔ پہلی کی مثال یہ ہے کہ مجنون یا لَا یَعْقِل (یعنی ناسمجھ) بچہ نے ایجاب یا قبول کیا کہ ان کا قول شرعاً معتبر ہی نہیں لہٰذا ایجاب یا قبول پایا ہی نہ گیا۔ دوسری کی مثال یہ ہے کہ مبیع مردار یا خون یا شراب یا آزاد ہو کہ یہ چیزیں بیع کے قابل نہیں ہیں اور اگر رکنِ بیع یا محلِ بیع میں (یعنی ایجاب وقبول میں یا مبیع میں) خرابی نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ کوئی خرابی ہو تو وہ ''بیع فاسد'' ہے۔ مثلاً ثمن خمر (یعنی شراب کی قیمت) ہو یا مبیع کی تسلیم پر قدرت نہ ہو (یعنی جو چیز بیچی ہے اس کو کسی وجہ سے خریدار کے حوالے نہ کرسکتا ہو) یا بیع میں کوئی شرط خلاف مقتضائے عقد (یعنی عقد کے تقاضے کے خلاف) ہو۔ (الدر المختار ج۷، ص ۲۳۲-۲۳۲ وغیرہ) مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''مبیع یا ثمن دونوں میں سے ایک بھی ایسی چیز ہو جو کسی دینِ آسمانی (یعنی وہ دین جس کی تعلیمات وحی الٰہی کے ذریعے ہوں، اس) میں مال نہ ہو، جیسے مُردار، خون، آزاد، ان کو چاہے مبیع کیا جائے یا ثمن، بہرحال بیع باطل ہے اور اگر بعض دین میں مال ہوں بعض میں نہیں جیسے شراب کہ اگرچہ اسلام میں یہ مال نہیں مگر دین موسوی وعیسوی (یعنی حضرت سیِّدُنا موسیٰ وحضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِمَا السَّلَام کے دین) میں مال تھی، اس کو مبیع قرار دیں گے تو بیع باطل ہے اور ثمن قرار دیں تو فاسد مثلاً شراب کے بدلے میں کوئی چیز خریدی تو بیع فاسد ہے اور اگر روپیہ پیسہ سے شراب خریدی تو باطل۔''

(الھدایۃ، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد ج۲، ص ۴۳)

جانے والے معنیٰ کے سبب شے کی ممانعت کے درمیان فرق کرتے ہیں اور اسی سے بیع عِیْنَہ[1] اور اس کی مثل معاملات ہیں کیونکہ بیع عینہ مذموم ہے۔

حضرت سیِّدُنا امام حسام الدین سِغْنَاقی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۱۰ھ)[2] ''اَلنِّهَايَة شَرْحُ الْهِدَايَة'' کی ''كِتَابُ الْكَفَالَة'' میں فرماتے ہیں: بیع کی یہ قسم مذموم ہے جسے سودخوروں نے ایجاد کیا ہے اور حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس پر عمل کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ''جب تم بطورِ عینہ خرید وفروخت کرو گے اور بیلوں کی دُم کے پیچھے چلو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔''[3] اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ''عینہ سے بچ کہ اس پر لعنت کی گئی ہے۔'' اور اس حدیث شریف کی سچائی یوں ظاہر ہو رہی ہے کہ ہم مصیبتوں میں مبتلا ہوتے چلے جارہے ہیں اور تَنَزُّلی کے عمیق گڑھے میں گرتے چلے جارہے ہیں کیونکہ ہمارے (یعنی حسام الدین سغناقی یا علامہ ابن العز حنفی رحمہما اللہ تعالیٰ کے) زمانے میں لوگ

---

[1] ......مجدد اعظم، حضرت سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) ''بیع عینہ'' کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ''بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے، کیا ممنوع، ناجائز، حرام، مکروہِ تحریمی؟ حاشا ہرگز نہیں، یہ محض غلط و باطل ہے بلکہ (بیع عینہ) جائز، حلال، روا، درست۔ غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا کہ خلافِ اولیٰ بھی ہے یا نہیں، ہمارے امام اعظم بلا کراہت مانتے ہیں، امام ابو یوسف خود ثواب ومستحب جانتے ہیں، امام محمد احتیاط کے لئے صرف خلافِ اولیٰ ٹھہراتے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔'' **(فتاوی رضویہ، ج۱۷، ص۵۴۷)** بیع عینہ کی تفصیل و تحقیق نیز متن میں مذکور حدیث شریف کی شرح فتاوی رضویہ شریف کی اِسی جلد ۱۷ کے صفحہ ۴۶۴ تا ۴۷۱ پر ملاحظہ فرمائیں اور آسانی سے سمجھنے کے لئے **مکتبۃ المدینہ** سے شائع ہونے والے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ رب العزت کے رسالہ (كِفْلُ الْفَقِيْهِ الْفَاهِمِ فِيْ اَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ) کی تسہیل بنام **''کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات''** (صفحہ ۱۳۶ تا ۱۴۵) کا مطالعہ فرمائیے۔ علمیہ

[2] ......آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پورا نام ''حسام الدین حسین بن علی'' ہے۔ ''صغناقی حنفی'' کے نام سے مشہور ہیں (الاعلام للزرکلی، ج۲، ص۲۴۷ پر صغناقی کے بجائے سین کے ساتھ ''سِغْنَاقِي'' مذکور ہے جو ترکستان کے ایک شہر ''سِغْنَاق'' کی طرف نسبت ہے)۔ **۷۱۰** ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ حضرت سیِّدُنا امام جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب ''**طبقات النحاة**'' کے مطابق یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ''ہدایہ شریف'' کی شرح لکھی اور اس کا نام ''**النهاية**'' رکھا۔ **۷۰۰** ھ میں اس شرح کی تکمیل فرمائی۔ پھر حضرت سیِّدُنا جمال الدین محمود بن احمد بن سراج قونوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۷۰ھ) نے اس شرح کا خلاصہ ایک جلد میں لکھا اور اس کا نام ''**خلاصة النهاية في فوائد الهداية**'' رکھا۔ (كشف الظنون، باب الهاء، تحت اللفظ: الهداية، ج۲، ص۲۰۳۲ ملخصا)

[3] ......فتح القدير شرح الهداية، كتاب الكفالة، باب الكفالة بالمال، ج۷، ص ۱۹۸.

سنن ابی داؤد، كتاب البيوع، باب فی النهی عن العينة، الحديث: ۳۴۶۲، ص ۱۴۸۱ مفهوما.

بیع عینہ میں مشغول ہو کر اس لعنت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور بعض لوگ کاشت کاری وکھیتی باڑی میں لگ گئے [1] پس انہوں نے نقصان دِہ اور قباحت والی زمین پسند کی اور ان کے علما کا حال یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے دروازوں کے قریب ہو گئے ہیں اور انہوں نے کئی طرح کے من پسند کام اختیار کر رکھے ہیں۔ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ ہم تیری بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں:

رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٜ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ (پ۸، الاعراف: ۲۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ برا کیا تو اگر تُو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ (پ۲۵، الدخان: ۱۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اے ہمارے رب ہم پر سے عذاب کھول دے ہم ایمان لاتے ہیں۔

اور حضرت سیِّدُنا امام مرغینانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۹۳ھ) نے ''الفوائد'' میں اسی طرح بیان کیا ہے۔ بالخصوص ہمارے اس زمانے میں کہ بیع عینہ، ہمارے زمانے کی بیوع کی نسبت سے صحیح بیوع کے مرتبہ میں شمار ہونے لگی ہے تو لازمی بات ہے کہ اس زمانے کے افراد اپنے سے پہلے لوگوں کی بنسبت بڑی اور شدید بلا میں گرفتار ہو گئے۔ یہاں تک حضرت سیِّدُنا امام حسام الدین سِغْنَاقی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۱۱ھ) کی عبارت ہے۔

حیلہ کا شرعی حکم:

اگر حیلہ کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرے یا حق کو باطل کرے یا باطل کو ثابت کرے تو یہ بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ! اختلاف اس میں ہے کہ حرام ہونے کے باوجود اگر حیلہ پر عمل کر لیا گیا تو کیا اس کا حکم مرتب ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۱۵۰ھ) اور حضرت سیِّدُنا محمد بن ادریس شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) کے نزدیک اس حیلہ پر حکم مرتب ہوگا۔ جبکہ حضرت سیِّدُنا امام مالک بن اَنس رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۱۷۹ھ) اور حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل علیہ رحمۃ اللہ الاول (متوفی ۲۴۱ھ) کے نزدیک حکم مرتب نہیں ہوگا اور فقہائے کرام میں سے جنہوں نے یہ کہا کہ ''زکوۃ کو ساقط کرنے کا حیلہ مکروہ نہیں کیونکہ یہ تو زکوۃ کے واجب ہونے سے احتراز

---

[1] ...... یہاں غالباً اس روایت کی طرف اشارہ ہے جس میں کاشت کاری کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ، ارشاد فرمایا: ''جب تم بطورِ عینہ خرید وفروخت کرو اور بیلوں کی دُمیں پکڑو اور **کاشت کاری میں پڑ جاؤ** اور جہاد چھوڑ دو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر ذلت ورسوائی مسلط فرما دے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔'' (سنن ابی دائود، کتب الاجارہ، باب فی النھی عن العینة، الحدیث: ۳۴۶۲ ص ۱۴۸۱)

یعنی بچنا ہے نہ کہ واجب ہونے کے بعد اسے ساقط کرنا۔'' پس اگر کوئی شخص سال پورا ہونے سے قبل کسی قابلِ اِعتماد شخص کو اپنے مال کا مالک بنا دے اور سال گزر جانے کے بعد وہی مال واپس لوٹالے تو ظاہر یہی ہے کہ اس طرح کا فعل، حضرت سیِّدُنا امام اَعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم (متوفی ۱۵۰ھ) کی مراد نہیں [1] کیونکہ فقہائے کرام کی مراد تو ''اِمْتِنَاعٌ عَنِ الْوُجُوْب'' (یعنی اپنے اوپر زکوۃ کے واجب ہونے سے بچنا) ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ وہ شخص کمانا ہی چھوڑ دے۔ البتہ، اگر مالکِ نصاب ہونے کے بعد اور سال گزرنے سے پہلے کسی بااِعتماد شخص کو مال کا مالک بنا دیا تو ضرور اس نے سببِ وجوب پائے جانے کے بعد واجب کو ساقط کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ وجوبِ زکوۃ کا سبب نصابِ نامی [2] کا مالک ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کرنے کو جائز رکھا ہے۔ نیز زکوۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلوں کا دروازہ کھولنے میں وہ مصلحت وحکمت فوت ہو جائے گی جس کی وجہ سے زکوۃ کو مقرر کیا گیا ہے اور اسی طرح سود کے حیلے عمل میں لانے سے وہ خرابی ختم نہ ہو گی جس کے سبب سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور

......مجددِ اعظم، فقیہ بے بدل، امام اہلسنّت، شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) مختلف کتب فقہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ''وقایہ واصلاح وایضاح میں ہے: والـلـفـظ لـهـذين لايكـره حيلة اسـقـاط الشـفـعة والزكوة عندابى يوسف خلافا لـمحمدويفتى فى الاول بقول الاول وفى الثانى بقول الثانى (ان دونوں کی عبارت یہ ہے: اسقاطِ شفعہ وزکوۃ کے لئے حیلہ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں لیکن امام محمد کو اس میں اختلاف ہے پہلے (یعنی شفعہ) میں پہلے امام (یعنی ابو یوسف) کے قول پر اور دوسرے (یعنی زکوۃ) میں دوسرے امام (یعنی امام محمد) کے قول پر فتوی ہے۔ ت) امام الائمہ، سراج الامہ حضرت سیِّدُنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کا مذہب (یعنی مؤقف) بھی یہی مذہبِ امام محمد ہے کہ ایسا فعل ممنوع وبد ہے۔ غمز العیون میں تا تارخانیہ سے ہے: كـان ذالک مكـروهـا عندالامام ومحمد (یہ (یعنی حیلہ) امام اعظم اور امام محمد دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔ ت) تو امام کی طرف وہ نسبت تصویب کہ انہوں نے فرمایا۔ (ابو یوسف نے درست فرمایا) خود مذہبِ امام کے صریح خلاف ہے۔'' سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ ربِّ العزت کچھ آگے ارشاد فرماتے ہیں: ''حاصل یہ ہو گا کہ اس حیلہ (اسقاطِ زکوۃ) کے مکروہ و ناپسند ہونے پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے (یعنی زکوۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا کہ زکوۃ ادا نہ کرنی پڑے یہ بالاتفاق مکروہ و ناپسند ہے)۔''

(ماخوذ از فتاوی رضویہ، ج ۱۰، ص ۱۹۰، ۱۹۱)

......یہ زکوۃ واجب ہونے کی ایک شرط ہے جس کا معنی ''بڑھنے والا'' ہے۔ خواہ حقیقۃً بڑھے یا حکماً یعنی اگر بڑھانا چاہے تو بڑھائے یعنی اس کے یا اس کے نائب کے قبضہ میں ہو، ہر ایک کی دو صورتیں ہیں وہ اسی لئے پیدا ہی کیا گیا ہو اسے خلقی کہتے ہیں جیسے سونا چاندی کہ یہ اسی لئے پیدا ہوئے کہ ان سے چیزیں خریدی جائیں یا اس لئے مخلوق (یعنی پیدا کیا گیا) تو نہیں مگر اس سے یہ بھی حاصل ہوتا ہے اسے فعلی کہتے ہیں۔ سونے چاندی کے علاوہ سب چیزیں فعلی ہیں کہ تجارت سے سب میں نمو ہو گا۔ (ماخوذ از بہارِ شریعت، ج ۱، ص ۸۸۲) **زکوۃ کے بارے میں مزید** معلومات کے لئے **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ 150 صفحات پر مشتمل کتاب ''**فیضانِ زکوۃ**'' کا مطالعہ فرما لیجئے۔

یوں ہی استبراء[1] کوساقط کرنے کا حیلہ اختیار کرنے سے وہ مصلحت فوت ہو جائے گی جس کی وجہ سے استبراء کومقرر کیا گیا ہے اور وہ دو آدمیوں کے پانی کے ملنے اور نسب کے مشتبہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

اور اسی طرح حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۱۵۰ھ) کا یہ فرمان بھی ہے: عقود (جیسے بیع ونکاح) اور فسوخ (اقالہ وطلاق) میں جھوٹی گواہی کے ساتھ فیصلہ، ظاہری اور باطنی طور پر نافذ ہو جاتا ہے حتی کہ اگر کسی آدمی نے دو جھوٹے گواہوں سے ثابت کر دیا کہ اس نے فلانی عورت سے نکاح کیا ہے تو باطل سبب اپنانے کی حرمت کے باوجود اس آدمی کو اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے اور گناہ تو باطل سبب کو اپنانے میں ہے مگر جب سبب پایا گیا تو مسبب بھی پایا جائے گا اور ہمارے زمانے کے بعض قاضی حضرات، جو جان بوجھ کر قرض کے ایسے معاملہ (یعنی لین دین) جس میں سود کے عنصر کی وجہ سے شریعت کی مخالفت ہے، کو صحیح و جائز قرار دیتے ہیں تو ان کا یہ عمل بدعت ہے اور نہ ہی شریعت میں اسکی کوئی اصل ہے لہٰذا اس طرح کرنے سے شریعت کی مخالفت ختم نہیں ہو جائے گی۔ چنانچہ، قاضی کو چاہئے کہ ایسے معاملہ کو صحیح و درست قرار دینے کے بجائے باطل قرار دے، کیونکہ حرام کام پر اعانت کرنے سے بڑھ کر اور کیا حکمِ قباحت ہوگا کیونکہ اگر قاضی اپنے اس قول: ''میں نے اس معاملہ کی درستی کا حکم لگایا ہے۔'' سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ کسی شے کو حلال کرنے یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی باطل کردہ کسی چیز کو حق و صحیح بتانے کا ارادہ کرے تو اس قضیہ: ''**وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا** (پ۳، البقرۃ: ۲۷۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔'' میں اس کا حکم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کے خلاف ہوگا اور ان کا یہ قول کہ ''**وَاِنْ قَصَدَبِهَاالْمُدَایَنَةَ** یعنی اگر انہوں نے اس سے قرض کا ارادہ کیا۔'' اس کا معنی یہ ہے کہ ''**وَاِنْ قَصَدَبِهَاالرِّبَا** یعنی اگر انہوں نے اس سے سود کا ارادہ کیا۔'' یہاں الفاظ کا اعتبار نہیں بلکہ معنی کا اعتبار ہے۔

حاصل یہ کہ اگر حیلہ کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام ٹھہرانے یا کسی حق کو باطل کرنے یا کسی باطل کو ثابت کرنے کو ضمن میں لے رہا ہو تو مفتی اس حیلہ (پر عمل) کا فتوی نہ دے اگرچہ عمل کی صورت میں جواز کا حکم اس پر مرتب ہوتا ہو

[1]...... حضرت سیِّدُنا شیخ احمد بن محمد حموی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ''محرر مذہب حضرت سیِّدُنا امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد کے نزدیک استبراء میں حیلہ کرنا مکروہ ہے جبکہ حضرت سیِّدُنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: مکروہ نہیں۔ البتہ فقہائے احناف رحمہم اللہ تعالٰی نے اس مسئلہ میں حضرت سیِّدُنا امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔''

(غمزعیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر، الفن الخامس، تحت الفصل الخامس عشر فی الاستبراء، ج۳، ص۳۱۹)

کیونکہ اس کو حرام فعل پر اعانت کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۲ (پ٦، المائدة:٢)

ترجمۂ کنز الایمان: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اور جو مفتی ایسے حیلہ (پرعمل) کا فتویٰ دیتا ہو اس پر پابندی لگا دی جائے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۵۰ھ) نے فرمایا ہے۔ البتہ! اگر کوئی ایسا فیصلہ مفتی کے پاس آیا اور اسے معلوم نہ ہو کہ یہ کسی حق کو باطل کرنے یا کسی باطل کو ثابت کرنے کا حیلہ ہے اور اس نے اس پر حکم لگا دیا تو وہ معذور ہے کیونکہ اس نے ظاہر پر حکم لگایا ہے اور باطنی امور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سپرد ہیں۔ پس جو فتویٰ دے یا فیصلہ کرے اور اسے حقیقتِ حال کا علم ہو تو اسے جان لینا چاہئے کہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں کھڑا بھی ہونا ہے اور اس سے سوال بھی ہونا ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ سوال کے لئے جواب اور جواب کے لئے صواب (یعنی دُرستی) تیار کرے۔

حضرت سیِّدُنا علامہ ابن العز حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۹۲ھ) کا کلام ختم ہوا۔

(حضرت سیِّدُنا ابن العز حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا) یہ کلام ہر اس شخص کے نزدیک اچھا ہے جو نظرِ انصاف کے ساتھ اس میں غور وفکر کرے۔ نیز یہ کلام مذہب (یعنی فقہ حنفی) کے موافق بلکہ بغیر کسی اختلاف کے دین کی اصل ہے۔ کیونکہ کوئی بھی شخص جو محبتِ دنیا اور کثرتِ اَموال کے نشہ میں مبتلا نہیں اس کے نزدیک یقیناً ایسا حیلہ بہت ہی برا ہے جس میں حرام کو جائز ٹھہرایا جا رہا ہو اور حرمت والی شے کی بے حرمتی کی جا رہی ہو۔

حیلہ اختیار کرنے والوں پر عذاب الٰہی:

خاتمۃ المحدثین حضرت سیِّدُنا شیخ نجم الدین الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۶۱ھ) اپنی کتاب "حُسْنُ التَّنَبُّه فِی التَّشَبُّه" میں فرماتے ہیں: ''بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے اَعمال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اس شے کو کھانے کا حیلہ کرتے تھے جو اُن پر حرام تھی۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ یَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِیْهِمْ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ (پ۹،الاعراف:۱٦۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا کہ دریا کنارے تھی جب وہ ہفتے کے بارے میں حد سے بڑھتے جب ہفتے کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے آتیں اور جو دن ہفتے کا نہ ہوتا نہ آتیں اس طرح ہم انہیں آزماتے تھے ان کی بے حکمی کے سبب۔

نافرمانوں کو بندر بنا دیا گیا:

حضرت سیِّدُنا امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۰۵ھ) صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حِبْرُ الْاُمَّہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ مصحف شریف میں دیکھ کر تلاوت کر رہے تھے اور رو رہے تھے اور یہ ان کی بینائی ختم ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ میں نے عرض کی: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر نثار کرے! آپ کیوں رو رہے ہیں؟'' تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم ''اَیْلَہ'' سے واقف ہو؟'' میں نے عرض کی: ''اَیْلَہ کیا ہے؟'' ارشاد فرمایا: یہ ایک بستی تھی جہاں یہودی آباد تھے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان پر ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حرام فرما دیا تھا۔

حضرت سیِّدُنا امام حاکم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۴۰۵ھ) کی روایت کے علاوہ دیگر روایات میں شکار کی ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی: یہود کو ایک دن (کی تعظیم) کا حکم دیا گیا تھا جیسا کہ تم کو جمعہ کے دن کا حکم دیا گیا ہے۔ پس انہوں نے اسے ترک کر دیا اور ہفتہ کا دن اختیار کیا تو وہ اس دن آزمائش میں مبتلا کر دیئے گئے۔ اس دن میں ان پر شکار حرام کر دیا گیا تھا اور انہیں اس دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا تھا۔ یوں کہ اگر اطاعت کریں گے تو اجر نہیں ملے گا۔ ہاں! نافرمانی کریں گے تو عذاب ضرور دیا جائے گا۔ (1)

اس سے آگے حضرت سیِّدُنا امام حاکم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۴۰۵ھ) کی روایت یوں ہے: ''ہفتہ کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئیں ان کے سامنے آتیں اور ایسی سفید اور موٹی مچھلیاں ہوتیں گویا کہ وہ حاملہ ہیں اور جب ہفتہ

(1)......التفسیر الکبیر، الاعراف، تحت الآیۃ:۱٦۳، ج٥، ص۳۹۱۔

الکشف والبیان فی تفسیر القرآن، الاعراف، تحت الآیۃ:۱٦۳، ص۹۲۸.

کے علاوہ کوئی اور دن ہوتا تو وہ انہیں نہ پاتے اور نہ ہی پکڑ سکتے سوائے یہ کہ بہت شدید محنت اور مشقت کرنی پڑتی۔ چنانچہ، ان میں سے بعض نے بعض سے کہا یا ان میں سے کسی ایک نے کہا کہ ''کیوں نہ ہم ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑ لیں اور ہفتہ کے علاوہ دنوں میں انہیں کھا لیا کریں۔'' تو ان میں سے ایک گھر والوں نے ایسا ہی کیا کہ مچھلیاں پکڑ لیں اور انہیں آگ پر بھون لیا اور جب ان کے پڑوسیوں نے بھوننے کی خوشبو سونگھی تو کہنے لگے کہ ''ہم کیا دیکھتے ہیں کہ فلاں قبیلے والوں نے یہ کیا ہے۔'' اور پھر دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنا شروع کر دیں حتی کہ یہ نافرمانی ان میں پھیل گئی اور بہت بڑھ گئی اور وہ تین گروہوں میں بٹ گئے۔(۱)..... ایک مچھلیاں کھانے والا گروہ (۲)..... دوسرا انہیں منع کرنے والا اور (۳)..... تیسرا وہ گروہ جس نے (دوسرے گروہ سے) یہ کہا: ''لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۨ ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ'' (پ۹، الاعراف: ۱٦٤) ترجمۂ کنز الایمان: کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا۔'' منع کرنے والا گروہ یہ کہتا تھا: ''ہم تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب اور اس کی پکڑ (یعنی عذاب) سے ڈراتے ہیں۔ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے گا یا تم پر پتھروں کی بارش برسائے گا یا پھر اپنے پاس سے کسی اور عذاب میں تمہیں مبتلا فرمائے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ہم تمہیں اسی جگہ چھوڑ جائیں گے جہاں تم اس وقت موجود ہو۔'' یہ کہہ کر وہ شہر سے باہر چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو آکر شہر پناہ کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر کسی نے اندر سے جواب نہ دیا۔

بالآخر وہ ایک سیڑھی لے کر آئے اور اسے فصیل (یعنی دیوار) پر لگایا اور ایک آدمی نے چڑھ کر دیکھا تو تین مرتبہ کہا: ''اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندو! یہ تو بندر بن چکے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ان کی دُمیں لٹک رہی ہیں۔'' پھر اس نے دیوار کی دوسری جانب اتر کر دروازہ کھول دیا اور باقی لوگ بھی اندر آ گئے۔ ان بندروں نے اپنے رشتہ دار انسانوں کو پہچان لیا مگر انسان اپنے رشتہ دار بندروں کو نہ پہچان سکے۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید فرمایا کہ ''جب کوئی بندر اپنے رشتہ دار اور قریبی انسان کے پاس آتا تو اس کے کپڑے سونگھتا اور روتا اور وہ انسان کہتا: ''کیا تو فلاں ہے؟'' وہ اپنے سر کے اشارہ سے جواب دیتا کہ ''ہاں! میں وہی ہوں۔'' اور رونے لگتا۔ یوں کوئی بندریا اپنے رشتہ دار اور قریبی انسان کے پاس آتی تو وہ اس سے کہتا: ''کیا تو فلانی ہے؟'' تو وہ اپنے سر سے اشارہ کر کے کہتی کہ ''ہاں! میں وہی ہوں۔'' اور رونے لگتی۔ پس انسان ان سے کہتے: ''کیا ہم نے تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب اور اس کی پکڑ سے نہیں ڈرایا تھا کہ وہ

تمہیں زمین میں دھنسا دے گا یا تمہارے چہرے بگاڑ دے گا یا پھر اپنے پاس سے کوئی اور عذاب تم پر مسلّط فرما دے گا۔''

پھر حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: ''سنو اور غور کرو! اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ(۱۶۵)

(پ۹، الاعراف: ۱۶۵) ترجمۂ کنزالایمان: پھر جب بھلا بیٹھے جو نصیحت انہیں ہوئی تھی ہم نے بچالیے وہ جو برائی سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو برے عذاب میں پکڑا بدلہ ان کی نافرمانی کا[1]۔'' پھر آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں کہ تیسرے گروہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا (یعنی وہ عذاب سے محفوظ رہا یا نہیں)۔ اور بات یہ ہے کہ ہم بھی کتنے ہی لوگوں کو برائی میں مبتلا دیکھتے ہیں مگر منع نہیں کرتے۔'' حضرت سیِّدُنا عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کی: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے آپ پر فدا کرے! کیا آپ توجہ نہیں فرماتے کہ اس تیسرے گروہ نے بھی ان (نافرمانوں) کے عمل کو ناپسند کیا، یوں کہ جب انہوں نے یہ کہا: ''لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًاؕ (پ۹، الاعراف: ۱۶۴)

ترجمۂ کنزالایمان: کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا۔'' حضرت سیِّدُنا عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: ''میری یہ بات حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بہت پسند آئی اور آپ نے خوش ہو کر مجھے خوبصورت چادروں کا جوڑا عطا فرمایا۔''[2]

آٹھویں حدیث شریف:

﴿8﴾...... حضرت سیِّدُنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال، دافِعِ رنج و مَلال صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''بے شک اللہ تبارک وتعالٰی جس طرح اپنی نافرمانی پر ناراض ہوتا ہے اسی طرح اپنی دی ہوئی رخصتوں پر (اپنے بندوں کے) عمل کو پسند فرماتا ہے۔''[3]

(حضرت سیِّدُنا امام احمد، حضرت سیِّدُنا امام بزار، حضرت سیِّدُنا امام طبرانی (معجم اوسط میں) اور حضرت سیِّدُنا امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

---

[1] ...... حضرت سیِّدُنا امام حاکم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی ۴۰۵ھ) کی بیان کردہ حدیث شریف میں اس آیت مبارکہ کا ابتدائی حصہ ''فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ'' مذکور نہیں۔

[2] ...... المستدرك، كتاب التفسير، تفسير سورة الاعراف، باب قصة بنى اسرائيل ومسخهم قردة، الحديث: ۳۳۰۷، ج۳، ص۵۳.

[3] ......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، الحديث: ۵۸۷۰، ج۲، ص ۴۳۸.

حضرت سیِّدُ ناامام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۳۱۱ھ) کی روایت میں یوں ہے: ''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح گناہ کو چھوڑنے پر راضی ہوتا ہے اسی طرح اپنی دی ہوئی رخصتوں پرعمل کو پسند فرماتا ہے۔'' (1)

''تبارک وتعالیٰ'' کامعنی ومفہوم:

اس حدیث شریف کی ابتدا میں اسم جلالت (یعنی اللہ) کے ساتھ ''تَبَارَکَ وَتَعَالٰی'' کے الفاظ آئے ہیں۔ ''تَبَارَکَ'' کامعنی یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تمام عیبوں سے پاک ہے اوران تمام چیزوں سے مُنَزَّہ ہے جواس کی شان کے منافی ہوں اور یہ صفت وخوبی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ ''اَلْقَامُوْس''میں ہے۔اور''تعالیٰ''کامعنی ہے عقلوں کی رسائی سے بلند ذات۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پسند فرمانے کا مطلب:

مذکورہ حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ''(اللہ عَزَّوَجَلَّ) رخصتوں پر (اپنے بندوں کے) عمل کو پسند فرماتا ہے۔'' اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کسی عمل یا شخص کو پسند فرمانا یہ اس عمل پر کمال رضا اور اس بندے کی مقبولیت سے کنایہ ہے۔حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ جن احکامِ شرع میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے مکلّف بندہ کو رخصت عطا فرمائی ہے یعنی ان کواس پر آسان فرمادیا ہے ان پرعمل کرنے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ راضی ہوتا ہے۔نیز مذکورہ حدیثِ پاک میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''(اللہ عَزَّوَجَلَّ) اپنی نافرمانی پر ناراض ہوتا ہے۔'' نافرمانی وہ ہے جس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نہی (یعنی ممانعت) فرمائی ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: (۱)......حرام اور (۲)......مکروہ تحریمی۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا پسندیدہ بندہ:

بیان کردہ آٹھویں حدیثِ پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو اس کے پسندیدہ اعمال بجالاتا ہے اور اس بندے کو ناپسند رکھتا ہے جو اس کے ناپسندیدہ اِفعال اختیار کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی دی ہوئی رخصت کو اسی طرح پسند فرماتا ہے جس طرح اپنے حکم کو پسند اور ممانعت کو ناپسند فرماتا ہے۔لہٰذا اس نے صغیرہ وکبیرہ ہر طرح کی نافرمانی سے بچنے کو واجب فرمادیا۔''

(1)......صحیح ابن خزیمة ،کتاب الصیام ، باب استحباب الفطر فی السفر......الخ ،الحدیث: ۲۰۲۷ ،ج۳،ص ۲۵۹.

رخصت کے متعلق خلاصۂ کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ بندوں کی آسانی کی خاطر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنے میں وہی حرج جانے گا جو دین حق کو چھوڑ کر اپنی عقل وخواہش کی پیروی کرتا ہے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُ نا امام نجم الدین الغزی علیہ رحمۃ اللہ العلی (متوفی ۱۰۶۱ھ) اپنی مبارک تصنیف ''حُسْنُ التَّنَبُّہ فِی التَّشَبُّہ'' میں فرماتے ہیں کہ ''شیطان لعین کے کاموں میں سے رخصت کو ناپسند رکھنا اور اس پر عمل نہ کرنا بھی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے سے جو چاہتا ہے اس میں اس کی خلاف ورزی ہے۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں بیان کردہ احادیث کی مثل احادیثِ کریمہ ذکر فرمائی ہیں۔ پھر فرمایا کہ حضرت سیِّدُ نا امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۲۳۵ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا ابراہیم نخعی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ ''حضور نبئ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین موزوں پر مسح کیا کرتے تھے۔ پس جس نے اس سے منہ پھیرتے ہوئے اس کو ترک کیا تو وہ شیطان کے طریقہ پر ہے۔'' (1)

رخصت پر عمل کب افضل ہے؟

یہیں سے علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص اپنے دل میں رخصت کی کراہت (یعنی ناپسندیدگی) پاتا ہو تو اس کے لئے عزیمت پر عمل کرنے سے افضل رخصت پر عمل کرنا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جب کبھی رخصت کو اختیار کیا جائے تو لازم ہے کہ کہیں رخصت پر عمل کرنا اسے رخصتوں کی تلاش میں نہ لگا دے یوں کہ وہ ہر فقہ کے آسان مسائل پر عمل کرتا پھرے کیونکہ ایسا کرنا حرام اور شیطان کی پیروی ہے۔'' (2)

نویں حدیث شریف:

﴿9﴾...... حضرت سیِّدُ نا ابودرداء، حضرت سیِّدُ نا واثلہ بن اسقع، حضرت سیِّدُ نا ابوامامہ باہلی اور حضرت سیِّدُ نا اَنس بن مالک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت ہے کہ شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال، دافِعِ رنج ومَلال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''جس طرح گنہگار بندہ اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی مغفرت کو محبوب رکھتا ہے اسی طرح اللہ

(1)......مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الطھارات، باب فی المسح علی الخفین، الحدیث: ۳۳، ج۱، ص ۲۰۷.

(2)......حسن التنبہ فی التشبہ لنجم الدین الغزی علیہ رحمۃ اللّٰہ القوی.

عَزَّوَجَلَّ اپنی طرف سے دی ہوئی رخصت کا قبول کیا جانا محبوب رکھتا ہے۔'' (1)

(حضرت سیِّدُنا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''مؤطا'' میں اور حضرت سیِّدُنا امام طبرانی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے ''معجم الکبیر'' میں اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

حدیثِ پاک کی شرح:

مذکورہ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا: ''بندہ اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی مغفرت کو محبوب رکھتا ہے۔'' مطلب یہ کہ بندہ اپنے گناہ کی بخشش کو پسند رکھتا ہے تاکہ بروزِ قیامت اس کے سبب مؤاخذہ نہ ہو۔ پھر ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی طرف سے دی ہوئی رخصت کا قبول کیا جانا محبوب رکھتا ہے۔'' یہاں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب رکھنے سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کامل رضا ہے یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس عمل سے راضی ہوتا ہے اور رخصت کا قبول کیا جانا یہ ہے کہ بندہ اس رخصت وسہولت پر عمل کرے اور اس کا دل اس سے مُتَنَفِّر نہ ہو جائے کہ اسے اہمیت ہی نہ دے اور جو کام دشوار وسخت ہو اسی پر عمل کرے۔

میانہ روی کے متعلق حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عَمْرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایات

دسویں حدیث شریف:

﴿10﴾......(۱) حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو خبر دی گئی کہ میں کہتا ہوں کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں ساری زندگی دن کو روزہ رکھوں گا اور تمام رات نوافل پڑھا کروں گا۔'' تو رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے (مجھے بلوا کر) استفسار فرمایا: ''کیا تم نے یہ بات کہی ہے؟'' میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان! واقعی میں نے یہ بات کہی ہے۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''تم اس کی طاقت نہیں رکھتے لہٰذا کبھی (نفلی) روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو، نیند بھی کرو اور قیام (رات کی عبادت) بھی کرو اور ہر مہینے تین روزے رکھو اس لئے کہ نیکی پر دس گنا اجر ملتا ہے اور یہ زندگی بھر روزہ رکھنے کی مثل ہے۔'' میں نے عرض کی: ''میں اس سے زیادہ کی

......المعجم الکبیر، الحدیث: ۷٦٦١، ج۸، ص ۱۵۳.

طاقت رکھتا ہوں ۔'' آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''تو پھر ایک دن روزہ رکھو اور دو دن روزہ نہ رکھو یعنی ناغہ کرو۔'' میں نے عرض کی: ''میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں ۔'' تو رحمتِ عالم، نورِ مجسم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑ دو اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نبی حضرت داوٗد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کا طریقہ ہے اور یہ روزوں کا بہترین طریقہ ہے۔'' ایک روایت میں یوں ہے: ''یہ سب سے افضل روزہ ہے ۔''[1] میں نے عرض کی: ''مجھے اس (افضل) سے زیادہ کی طاقت ہے ۔'' آقائے دو جہان، نبیٔ مہربان صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اس سے افضل طریقہ کوئی نہیں ۔''[2]

(حضرت سیِّدُنا امام بخاری و حضرت سیِّدُنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما نے اس حدیث شریف کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا)

(۲)......ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ارشاد فرمایا: ''تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری زوجہ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔''[3]

(۳)......ایک روایت میں یوں ہے کہ مدنی تاجدار، باذنِ پروردگار دو عالم کے مالک و مختار صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ارشاد فرمایا: ''مجھے خبر دی گئی ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھو گے اور ہر رات قرآنِ کریم کی تلاوت کرو گے۔'' فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: ''جی ہاں! یارسول اللہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم! اور اس سے میرا مقصد نیکی و بھلائی ہے۔'' اسی روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''مہینے میں ایک بار قرآنِ مجید ختم کیا کرو۔'' میں نے عرض کی: ''یا نبی اللہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں ۔'' آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''پھر ہفتے میں ایک بار قرآنِ مجید ختم کر لیا کرو اور اس پر زیادہ نہ کرنا۔'' حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما بیان کرتے ہیں: ''پس میں نے خود پر سختی کی تو مجھ پر سختی کی گئی حالانکہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے مجھ سے فرمایا تھا: ''تم نہیں جانتے شاید تمہاری عمر طویل ہو

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم الدھر، الحدیث: ۱۹۷۶، ص ۱۵۴.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر ......الخ، الحدیث: ۲۷۲۹، ص ۸۶۳.

[3] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر ......الخ، الحدیث: ۲۷۳۰، ص ۸۶۴.

جائے۔'' فرماتے ہیں کہ ''میں اسی حالت کو پہنچ گیا جس کے بارے میں رسولِ غیب داں، نبیٔ دو جہاں صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے مجھ سے فرمایا تھا۔ پس جب میں بوڑھا ہوگیا تو پھر میں نے چاہا کہ کاش! مَیں حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی طرف سے دی گئی رخصت قبول کرلیتا۔'' (1)

(۴)......ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ حضور نبیٔ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے تین بار ارشاد فرمایا: ''جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس کا روزہ نہیں۔'' (2)

(۵)......ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما دن کے وقت اپنی زوجہ کو قرآنِ مجید کا ساتواں حصہ سنا دیتے تھے تاکہ دن میں پڑھ لینے کے سبب وہ پڑھا ہوا رات (کی نماز) میں پڑھنا آسان ہو جائے اور جب قوت حاصل کرنے کا ارادہ کرتے تو کئی دنوں تک روزہ نہ رکھتے۔ پھر اُن دنوں کا حساب لگا کر ان کی مثل روزے رکھتے کیونکہ انہیں یہ ناپسند تھا کہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم سے کیے ہوئے عہد میں سے کوئی شے رہ جائے۔'' (3)

(۶)......ایک روایت میں ہے نبیوں کے تاجدار، رسولوں کے سالار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے روزے ہیں اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی نماز ہے۔ وہ آدھی رات آرام کرتے اور رات کا تہائی حصہ نماز پڑھتے اور پھر رات کا چھٹا حصہ آرام کرتے تھے اور وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے۔'' (4)

پہلی روایت کی شرح

دسویں حدیث شریف کی پہلی روایت میں حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کہ ''اللہ

(1)......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر ......الخ، الحدیث: ۲۷۳۰ ص ۸٦٤.

(2)......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر ......الخ، الحدیث: ۲۷۳٤، ص ۸٦٤.

(3)......صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فی کم یقرء القرآن ......الخ، الحدیث: ۵۰۵۲، ص ٤۳۷.

(4)......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر ......الخ، الحدیث: ۲۷۳۹، ص ۸٦٤.

عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں ساری زندگی دن کو روزہ رکھوں گا اور تمام رات نوافل پڑھا کروں گا۔'' ان کا یہ ارادہ صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا پانے، اُس کا قرب حاصل کرنے اور آخرت میں نجات کے حصول کے لئے تھا۔

اِمام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا تبصرہ:

حضرت سیِّدُنا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) مسلم شریف کی شرح میں فرماتے ہیں: ''حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کے مشہور ہونے اور راویوں کی کثرت کی بناء پر اس میں کثیر اختلاف پایا جاتا ہے حتی کہ بے بصیرت (یعنی ناواقف) لوگوں نے اس حدیث کو مُضْطَرِب [1] گمان کرلیا۔ حالانکہ یہ حدیث مُضْطَرِب نہیں کیونکہ جب اس کے اختلاف کا کھوج لگایا گیا اور اس کے بعض حصوں کو دوسرے بعض حصوں سے ملایا گیا تو اس کی صورت مرتب ومنظّم ہوگئی اور اس کا طرز وانداز یکساں ہوگیا اور اب اس میں کسی قسم کا اختلاف، تعارض اور الزام نہ رہا اور اختلاف تو صرف اتنا ہے کہ جس بات کو بعض راویوں نے بیان نہیں کیا اسے دوسرے بعض نے بیان کردیا اور جس بات کو بعض نے اجمالی طور پر بیان کیا تھا اسے دوسروں نے تفصیل کے ساتھ بیان کردیا۔'' اس کے بعد امام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) نے مسلم شریف کی یہ روایت بیان فرمائی کہ ''مجھے خبر دی گئی ہے کہ تم مسلسل روزے رکھتے ہو اور ناغہ نہیں کرتے اور ساری رات نماز پڑھتے رہتے ہو۔'' [2]

پھر ارشاد فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ عمل اپنے اس قول (یعنی ''میں جب تک زندہ رہا دن کو روزہ رکھوں گا اور ساری رات نوافل پڑھوں گا۔'') سے اپنے اوپر لازم کرنے کے بعد کیا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے پس (ان کے عمل شروع کرنے کے بعد) اس کی خبر حضور نبی اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو پہنچی۔

---

[1] ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 175 صَفحات پر مشتمل کتاب، '' نُزْھَۃُ النَّظرفِی تَوْضِیح نُخْبَۃ الفِکْر '' صَفْحَہ 95 پر اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْن فِی الْحَدِیْث حضرت سیِّدُنا امام احمد بن علی بن محمد بن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں: ''اگر سند میں مخالفت، راوی کے بدلنے کی وجہ سے ہو اور ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہ ہو تو اس حدیث کو ''مُضْطَرِب'' کہتے ہیں۔'' اور اس کے حاشیے میں ہے: ''مُضْطَرِب وہ حدیث ہے جس کو ایک یا ایک سے زیادہ راوی، ہم مرتبہ مختلف طرق پر روایت کریں اس طرح کہ نہ تو کسی کو دوسری پر ترجیح دی جاسکے اور نہ ہی دونوں کو باہم جمع کرنا ممکن ہو۔ (اور اس کا حکم یہ ہے کہ) حدیث ''مُضْطَرِب'' ضعیف ہوتی ہے کیونکہ اضطراب کا پایا جانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث اچھی طرح یاد نہیں تھی۔''

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر ......الخ، الحدیث: ۲۷۳٤، ص ۸٦٤.

اسی لئے بعض راویوں نے ان کا عمل بیان کر دیا اور بعض نے ان کا قول ذکر کر دیا۔[1]

تراویح کو تراویح کہنے کی وجہ:

پہلی روایت میں یہ بھی بیان ہوا کہ حضور رحمتِ عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمایا: ''تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔'' یعنی تم اس کو نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ پیدائشی طور پر اپنے اندر پائی جانے والی کمال اطاعت کی کمی کے سبب انسان اُکتا جاتا ہے۔ لہٰذا اطاعت وعبادت میں مشغولیت کے لئے کچھ بدن کی حصہ داری ورعایت ضروری ہے تاکہ اسے سکون واطمینان حاصل ہو اور وہ پھر سے نشاط کے ساتھ عبادت کی طرف آجائے اور اسی لئے نمازِ تراویح میں ہر چار رکعات کے بعد اتنی دیر آرام کے لئے بیٹھنے کا حکم ہے جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئیں[2] اور ''تراویح'' کا نام تراویح اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں ہر چار رکعتوں کے بعد استراحت یعنی آرام کیا جاتا ہے حتیٰ کہ آرام کے لئے نہ بیٹھنا مکروہ (تنزیہی) ہے کیونکہ ایسا کرنے سے غالب طور پر نشاط حاصل نہیں ہوتا (اور سستی آتی ہے)۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور نبیِّ رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ نا عبداللہ

---

[1] ......المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم للامام القرطبی علیه رحمة الله القوی.

[2] ......**دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1548** صفحات پر مشتمل کتاب، ''**فیضانِ سنّت**'' جلد اوّل صفحہ **1121** پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا **ابو بلال محمد الیاس عطّار قادری** دامت برکاتہم العالیہ نقل فرماتے ہیں: ''(نمازِ تراویح میں) ہر چار رکعتوں کے بعد اُتنی دیر آرام لینے کیلئے بیٹھنا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعات پڑھی ہیں۔ اس وقفے کو ''ترویحة'' کہتے ہیں۔''

(فتاوی عالمگیری، ج۱، ص۱۱۵)

اور **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **672** صفحات پر مشتمل کتاب، ''**جَدُّ الْمُمْتَارِ عَلٰی رَدِّالْمُحْتَار**'' الجزء الثانی، صفحہ **428** پر مجددِ اعظم، فَقِیہِ اَفْخَم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت شاہ **امام احمد رضا خان** علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں: ''فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ (ترویحہ کی مقدار بیٹھ کر) دعائیں پڑھنا اگر لوگوں (یعنی مقتدیوں) پر گراں گزرے تو دعائیں ترک کر دے اور اس قدر درود شریف ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد'' پر اکتفا کرے۔ کیونکہ یقینی بات ہے کہ ترویحہ کی مقدار بیٹھنا لوگوں پر بھاری ہوگا۔ لہٰذا میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر عرف (یعنی رواج) کے مطابق ترویحہ پر اکتفا کیا گیا تو یہی کافی ہے۔ **وَاللّٰہُ کَرِیْمٌ یَقْبَلُ الْقَلِیْلَ وَیُجَازِی الْکَثِیْرَ وَلَہُ الْحَمْد** (یعنی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کریم ہے، تھوڑا عمل قبول فرما کر کثیر اجر عطا فرماتا ہے اور اسی کے لئے ہیں تمام تعریفیں)۔

(جدالممتار علی ردالمحتار، فصل فی التراویح، ج۲، ص۴۲۸)

بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ارشاد فرمایا: ''(مجھے خبر ملی ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو) تو ایسا نہ کرو۔''[1]

مسلسل عمل کرنے سے ممانعت کی حکمت:

حضرت سیِّدُنا امام ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''جس عمل کو حضرت سیِّدُنا عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے اوپر لازم کرلیا تھا حضور نبی ٔکریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کو اس کے مسلسل و ہمیشہ (CONTINUALLY) کرنے سے منع فرمایا۔ یہ اس لئے کہ کہیں مسلسل عبادت کی وجہ سے اُس آزمائش میں نہ پڑ جائیں جس پر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے اس فرمان سے انہیں تنبیہ فرمائی کہ ''فَاِنَّکَ اِذَا فَعَلْتَ ذَالِکَ هَجَمَتْ عَیْنَاکَ یعنی اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔''[2] شرح بیان کرنے والوں نے حدیث شریف میں وارد لفظ ''هَجَمَتْ عَیْنَاکَ'' کا معنی یہ بیان کیا کہ ''تمہاری آنکھیں دھنس جائیں گی۔'' اور اس کا تحقیقی معنی یہ ہے کہ ''تمہاری آنکھیں یکبارگی نقصان اُٹھائیں گی۔'' کیونکہ هَجْمٌ کا معنی ہوتا ہے کہ شئے کو اچانک تیزی کے ساتھ لینا اور یہاں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ گزشتہ کثیر شب بیداری کی وجہ سے نیند کے غلبہ کے سبب آنکھیں دھنس جائیں گی پس جس عمل کو اپنے اوپر لازم کیا وہ رک جائے گا اور یوں اس مذموم طریقہ والوں میں شمار ہوگا جنہوں نے رہبانیت ایجاد کی اور اس پر قائم نہ رہے[3]۔ جیسا کہ حضور نبیٔ اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ان سے ارشاد فرمایا: ''اے عبداللہ! تو فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا وہ پہلے رات کو قیام (یعنی عبادت) کیا کرتا تھا پھر اس نے رات کا قیام چھوڑ دیا۔''[4] اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ان سے یہ بھی فرمایا: ''اور تمہارا جسم کمزور ہو جائے۔''[5] یعنی تم اس عمل (یعنی بلا وقفہ مسلسل عبادت) کو بجالانے سے عاجز اور کمزور

---

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر......الخ، الحدیث: ۲۷۴۳، ص ۸٦۵.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر......الخ، الحدیث: ۲۷۳۸، ص ۸٦٤.

[3] ......یہاں قرآنِ کریم کی اس آیتِ مبارکہ کی طرف اشارہ ہے: وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ (پ۲۷، الحدید: ۲۷) ترجمۂ کنز الایمان: اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا۔'' اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر ماقبل صفحہ 672 پر ملاحظہ کیجئے۔

[4] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر......الخ الحدیث: ۲۷۳۳.

[5] ......المرجع السابق، الحدیث: ۲۷۳۸.

ہو جاؤ گے۔ جیسا کہ ایک دوسرے لفظ سے یوں تعبیر فرمایا: ''تم ضعیف ہو جاؤ گے۔'' [1]

کبھی روزہ رکھو اور کبھی ناغہ کرو:

حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ارشاد فرمایا: ''کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو۔'' یعنی جب تم روزے رکھو تو روزے شروع کرتے وقت اپنے دل میں دنوں کی کوئی تعداد مقرر کئے بغیر رکھنا تا کہ تم اپنے نفس کی اطاعت و پیروی کرنے والے نہ بنو بلکہ جتنی قدرت اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں دے اس کے مطابق روزے رکھو تا کہ تم ہر حال میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت وفرمانبرداری میں رہو اور یوں ہی اپنے دل میں دنوں کی کوئی تعداد مقرر کئے بغیر جتنی تمہیں سہولت وآسانی ہو اتنے دن روزوں کا ناغہ کر لینا تا کہ تم نفس کے پیروکار نہ بنو بلکہ اللہ والے کہلاؤ اور تمہارے لئے اپنے مالک ومولیٰ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کا معاملہ آسان ہو پس اس طرح سے خشوع میں زیادتی ہوگی اور یہ سنت کے موافق ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُ نا امام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) نے مسلم شریف کی شرح میں بیان کیا۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُ نا (عبداللہ بن) شقیق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے حضور نبیٔ اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے روزے کے ایام اور تعداد کے بارے میں سوال کیا تو اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ان کو جواب دیا کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم روزے رکھتے حتی کہ ہم کہتے: ''حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم روزے رکھتے ہی جا رہے ہیں۔'' اور روزہ رکھنا چھوڑ دیتے تو ہم کہتے: ''حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم روزے نہیں رکھ رہے، حضور صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم روزے نہیں رکھ رہے۔'' [2]

حضرت سیِّدُ نا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اس کی وضاحت یہ ہے کہ تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخْزنِ جودوسخاوت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جب نفلی روزے رکھتے تو کثرت سے اور پے در پے رکھتے یہاں تک کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ازواج مطہرات اور خاص خاص صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین، آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے روزے سے متعلق گفتگو کرنے لگتے اور یہی

---

[1] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر......الخ، الحدیث: ۲۷۳۶.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان......الخ، الحدیث: ۲۷۱۹، ص۸۶۳.

معاملہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے روزہ نہ رکھنے کا ہوتا۔

اوراسی کی مثل حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی بیان کردہ حدیث شریف ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم روزے رکھتے حتی کہ کہنے والا کہتا: ''اب روزہ نہیں چھوڑیں گے۔'' اورروزے نہ رکھتے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا: ''اب روزہ نہیں رکھیں گے۔'' (1)

اوراسی کی مثل وہ حدیثِ پاک ہے جس میں حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''بلکہ میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں اور رات میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں تو جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں (یعنی میرے طریقہ پرنہیں)۔'' (2)

نیندبھی کرواورقیام بھی کرو:

پہلی روایت میں حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ بھی ارشادفرمایا: ''نیندبھی کرواورقیام (یعنی رات میں عبادت) بھی کرو۔'' مطلب یہ کہ جتنا تم چاہو نیند کرواگرچہ پوری رات ہو اوراسی طرح رات میں جتنی چاہو عبادت کرواگرچہ پوری رات کرو۔ البتہ! ہررات نیند کی کثرت پر ہمیشگی اختیار نہ کرواور نہ ہی ہررات عبادت کی کثرت پر مداومت اپناؤ بلکہ تمہارا مالک ومولیٰ عَزَّوَجَلَّ اپنی مرضی کے مطابق تمہارے لئے جتنی آسانی مہیا فرمائے اسی پر عمل کرو اور تمہارا نفس اپنی منشا سے تمہارے لئے جو اختیار کرے اس کو نہ اپناؤ۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو مکمل طور پر اپنے نفس پر بوجھ ڈالو اور نہ ہی اس کو مکمل طور پر آسانی کا خوگر بناؤ (یعنی اسے مکمل آزاد نہ چھوڑو) بلکہ درمیانی حالت (یعنی میانہ روی) اختیار کروتا کہ تمہارا معاملہ درست رہے اور تمہیں اطاعت وعبادت پر ثابت قدمی حاصل ہو۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٧٦ھ) صحیح مسلم کی شرح میں

---

(1)......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی غیر رمضان ......الخ، الحدیث: ٢٧٢٤، ص٨٦٣.

(2)......صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، الحدیث: ٥٠٦٣، ص٤٣٨ ملخصًا۔

المفہم لمااشکل من تلخیص کتاب مسلم للامام القرطبی علیہ رحمۃ اللّٰہ القوی.

بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اصحاب یعنی شافعی فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ''ہمیشگی کے ساتھ ساری ساری رات نماز پڑھنا ہر شخص کے لئے مکروہ ہے۔'' اورانہوں نے ساری رات نماز پڑھنے اور ہمیشہ روزہ رکھنے کے درمیان ایسے شخص کے حق میں فرق کیا ہے جس کو مسلسل روزے رکھنے سے کسی قسم کا نقصان نہ ہو اور نہ ہی کسی کا حق فوت ہو جبکہ ساری رات نماز پڑھنے میں نقصان کا پایا جانا یقینی ہے۔ (1)

بندہ عمل سے دور ہو جاتا ہے:

اور یہ مذکورہ حکم اس لئے ہے کہ یہ دین آسان ہے اور اس میں کوئی تنگی نہیں۔ جیسا کہ ماقبل بیان کردہ ایک حدیثِ پاک کے اس حصہ ''جو بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا یہ اُس پر غالب آجائے گا۔'' کے تحت حضرت سیِّدُنا امام ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن سعید کرمانی بغدادی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۷۸۶ھ) شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں: ''اس جملے کا معنی یہ ہے کہ جو بھی نرمی و آسانی کو چھوڑ کر دین کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، دین اس پر غالب آجاتا ہے اور گہرائی میں جانے والا عاجز آجاتا ہے اور اپنے تمام یا پھر بعض اعمال سے دور ہو جاتا (یعنی انہیں چھوڑ دیتا) ہے اور اس حدیث شریف کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ لفظ ''دین'' کا اطلاق اعمال پر ہوتا ہے کیونکہ جن کو آسانی اور دشواری سے موصوف کیا جاتا ہے وہ اعمال ہی ہیں (جیسے کہتے ہیں: فلاں عمل آسان ہے اور فلاں دشوار) پھر دین، ایمان اور اسلام ان سب کا معنی ایک ہے۔ مقصود اس سے عمل کرنے والے کو بقدر طاقت، آسانی ومیانہ روی سے وابستگی پر ابھارنا اور اس کے لئے اس پر ثابت قدمی کو ممکن بنانا ہے اور جس شخص نے بھی دین پر غالب ہونے اور اس کی گہرائی میں جانے کی کوشش کی وہ اپنے عمل سے دور ہو گیا اور دین اس پر غالب آگیا اور دین غالب ہی رہے گا اور وہ شخص مغلوب۔'' (2)

ہر مہینے تین روزے رکھو:

پہلی روایت میں حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''ہر مہینے تین دن روزے رکھو اس لئے کہ نیکی پر دس گنا اجر ملتا ہے اور یہ زندگی بھر روزہ رکھنے کی مثل ہے۔'' یعنی ہر وہ مہینہ جس میں تمہارا روزے

(1) ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر......الخ، ج۸، ص ٤١.

(2) ......الکواکب الدراری فی شرح صحیح للبخاری الشھیر بشرح الکرمانی، کتاب الایمان، باب الدین یسر......الخ، ج۱، ص ۱٦۱.

رکھنے کا ارادہ ہو اس میں تین روزے رکھو اور مسلم شریف کی روایت (الحدیث: ۲۷۴۵، ص ۸۶۵) میں ''مِنَ الشَّهْرِ'' کے بجائے ''مِنْ سُرَّةِ الشَّهْرِ'' کے الفاظ ہیں۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) صحیح مسلم کی شرح میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سُرَّةُ الشَّيْ'' کا معنی ہوتا ہے ''شے کا وسط'' (اب حدیث کا معنی ہوگا: ہر مہینے کے وسط میں تین دن روزے رکھو) اور یہ پسندیدہ ہے کہ وہ تین دن ''ایام بیض'' ہوں اور ایام بیض سے مراد ہر مہینہ کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''وہ ہر مہینہ کی ۱۲، ۱۳ اور ۱۴ تاریخ ہے۔'' (علمائے کرام فرماتے ہیں) شاید اس لئے حضور نبی کریم، رَءُوْفٌ رَّحِیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے تین معین دنوں پر ہمیشگی اختیار نہیں فرمائی تاکہ ان کے معین ہونے کا گمان نہ ہو اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے ان مبارک الفاظ ''ہر مہینہ کے وسط'' اور ایام بیض کے متعلق ''ترمذی شریف'' میں موجود اپنے فرمان سے ان تین دنوں کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے۔'' [1]

حضرت سیِّدُنا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں: ''حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تین روزوں کے لئے مہینے کے کوئی مخصوص دن مقرر فرما کر ان پر مستقل عمل نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کبھی مہینے کے شروع میں، کبھی آخر میں اور کبھی درمیان میں یہ روزے رکھا کرتے تھے۔'' [2]

پھر حضرت سیِّدُنا امام قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) نے اس مسئلہ میں گفتگو کو پھیلا دیا ہے۔

تین روزوں پر پورے مہینے کا ثواب:

نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ہر مہینے تین روزے رکھنے پر اس طرح خوشخبری سنائی کہ ''ہر مہینے تین دن روزے رکھو اس لئے کہ نیکی پر دس گنا اجر ملتا ہے اور یہ زندگی بھر روزہ رکھنے کی مثل ہے۔'' یعنی ان تین دنوں میں ہر دن کا روزہ اجر و ثواب میں دس دنوں کے برابر ہے تو یوں مہینہ مکمل ہوگیا اور ہر مہینے پابندی کے ساتھ تین روزے رکھنا اجر و ثواب کے دگنے ہونے کے اعتبار سے زندگی بھر روزوں کی مثل ہے۔'' اور

1 ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة ایام من کل شهر ......الخ، ج۸، ص۴۹.

2 ......المفهم لمااشکل من تلخیص کتاب مسلم للامام القرطبی علیه رحمة الله القوی.

مسلم شریف کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ''ہر دس دنوں میں ایک دن روزہ رکھو۔''[1] اس کے تحت حضرت سیِّدُنا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں: یہ اس روایت کے موافق ہے جس میں ارشاد ہوا: ''ہر مہینے تین دن روزہ رکھو۔''[2] اور اسی طرح ایک دوسری روایت میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمان عالیشان ہے کہ ''ایک دن روزہ رکھو تمہیں باقی دنوں کا اجر بھی ملے گا۔''[3] روایات کا یہ اختلاف اور مشابہ ہونا، نقل بالمعنی (یعنی متن حدیث کو بعینہٖ الفاظ کے بجائے مرادف الفاظ سے بدل کر بیان کرنے) کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ بعض شارحین رحمہم اللہ المبین نے بیان کیا کہ ''اس فرمانِ عالیشان (یعنی تمہیں باقی دنوں کا اجر بھی ملے گا) میں باقی دنوں سے مراد دس دنوں میں سے باقی دن ہیں اور وہ نو 9 ہیں۔'' اور اسی طرح اس فرمانِ نبوی ''دو دن روزہ رکھو تمہارے لئے باقی دنوں کا اجر بھی ہے'' کے تحت فرمایا: ''اس سے مراد بیس دنوں کے باقی یعنی اٹھارہ دن ہیں اور یوں ہی یہ فرمانِ ذیشان ''تین دن روزہ رکھو باقی دنوں کا ثواب بھی ملے گا۔''[4] اس سے مہینے کے باقی یعنی ستائیس دن مراد ہیں اور یہ بہترین تعبیر ہے جس کی بنیاد یہ فرمان ہے کہ ایک نیکی پر دس گناہ اجر ملتا ہے۔[5]

نفلی روزوں میں وقفہ کی مقدار:

جب حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ہر مہینے تین دن روزہ رکھنے کا فرمایا تو انہوں نے عرض کی: ''میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔'' آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: ''تو پھر ایک دن روزہ رکھو اور دو دن روزہ نہ رکھو یعنی ناغہ کرو۔''[6] جبکہ مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''دو دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو یعنی ناغہ کرو۔'' اس کے تحت حضرت سیِّدُنا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں: ''یہ حدیث شریف اس طرح منقول ہے کہ ایک مہینہ میں پہلے تین دن کے روزوں سے چار دن کی طرف، پھر تین دن کے روزوں سے دو دن روزہ اور دو

......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر...الخ، الحدیث: ۲۷۳٤، ص ۸٦٤.

......المرجع السابق، الحدیث: ۲۷٤۳، ص ۸٦٥. ......المرجع السابق، الحدیث: ۲۷٤۲. ......المرجع السابق.

......المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم للامام القرطبی علیه رحمة الله القوی.

......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر...الخ، الحدیث: ۲۷۲۹، ص ۸٦۳.

دن ناغہ کی طرف اور پھر اس سے کم کرکے ایک دن روزہ اور ایک دن ناغہ کی طرف لایا گیا ہے اور یہ اس بات پر محمول ہے کہ حضور نبیٔ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اس طرح ان مراتب میں روزے کی درجہ بندی فرمادی۔ لیکن اس حدیث شریف کے بعض راویوں نے بعض مراتب بیان نہیں فرمائے۔ اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں یا تو بھول کر ایسا کیا یا پھر اس وقت جتنی ضرورت تھی اس پر اکتفا کیا اور کسی دوسرے وقت مکمل حدیثِ پاک بیان فرمادی۔''

سیِّدُنا داوٗد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے روزے:

جب حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دودن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھنے سے بھی زیادہ کی طاقت کا عرض کیا تو سردارِ مکہ مکرمہ، سلطانِ مدینہ منورہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑ دو۔'' اور یہ اس لئے کہ تمہارے ایک دن روزہ رکھنے سے قوت میں جو کمی آئے تم ایک دن ناغہ کرکے وہ کمی پوری کرلو۔ پس یوں ناغہ کرکے تم روزے کے لئے چاک و چوبند ہوجاؤ گے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نبی حضرت داوٗد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا طریقہ ہے۔'' اور مسلم شریف کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ''کیونکہ وہ (یعنی حضرت داوٗد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہیں۔'' (1)

حضرت سیِّدُنا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے روزہ کی ترغیب دلانا اور پھر ان کا یہ وصف بیان کرنا کہ ''وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہیں۔'' یہ اس فرمانِ باری تعالٰی کی وجہ سے ہے: ''وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِۚ-اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ(۱۷)'' (پ۲۳، صٓ:۱۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور ہمارے بندے داوٗد نعمتوں والے کو یاد کرو بے شک وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے۔'' حضرت سیِّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: ''یہاں ''اَلْاَیْدُ'' سے عبادت پر قوت مراد ہے۔ (2) اور ''اَلْاَوَّابُ'' اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی عبادت و تسبیح کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا ہو۔'' (3)

---

1 ......صحیح مسلم، الحدیث: ۲۷۳۰، ص ۸٦٤.

2 ......تفسیر بغوی، صٓ، تحت الآیۃ: ۱۷، ج ٤، ص ٤٤.

3 ......المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم للامام القرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی.

صومِ داؤدی کے افضل ہونے کی وجہ:

''اَلشِّرْعَة'' اوراس کی شرح میں ہے: ''نفلی روزے رکھنے والا افضل روزے کو اختیار کرے اوروہ حضرت سیِّدُ نا داؤد عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا روزہ ہے۔آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ایک دن روزہ رکھتے اورایک دن افطار (یعنی ناغہ) کرتے۔اس روزہ کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ عادت نہ ہونے کی وجہ سے یہ دل پرزیادہ اثر کرتا ہے کیونکہ جس دواء کی عادت پڑ جائے اس کا اثرختم ہوجاتا ہے پھر جب بندہ بیمار ہوتا ہے تواس دواء سے فائدہ نہیں اٹھا پاتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح روزہ رکھنے میں بندہ ایک دن صبر اور ایک دن شکر کے درمیان رہتا ہے۔چنانچہ،امامُ الصَّابِرِیْن،سَیِّدُ الشَّاکِرِیْن،سُلْطَانُ الْمُتَوَکِّلِیْن صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: مجھے دنیاوزمین کے خزانوں کی چابیاں (keys) پیش کی گئیں تو میں نے واپس کردیں اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ''میں چاہتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔جب کھاؤں گا تو تیرا شکراور حمد وثناء بجالاؤں گا اور جب بھوکا رہوں گا تو تیرے حضور گریہ وزاری کروں گا۔''[1]

فضیلت والے دِنوں میں روزے:

حُجَّةُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُ نا امام محمد بن غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) کی شہرہ آفاق تصنیف ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' میں ہے: ''جو شخص نصف زمانہ (یعنی ایک دن چھوڑ کر ایک دن) روزہ رکھنے کی طاقت نہ پائے تو اسے تہائی زمانہ روزہ رکھنے میں حرج نہیں اوروہ یوں کہ ایک دن روزہ رکھے اوردودن ناغہ کرے اوراگرمہینہ کے شروع،درمیان اورآخر میں تین تین دن روزے رکھے تو یہ بھی تہائی زمانہ روزہ رکھنا ہے اور یہ فضیلت والے اوقات یعنی دنوں[2] میں واقع

[1]......جامع الترمذی،کتاب الزھد،باب ماجاء فی الکفاف والصبرعلیه،الحدیث: ۲۳۴۷،ص۱۸۸۸،مفهوما.

[2]......بعض فضیلت والے دن سال میں ایک مرتبہ پائے جاتے ہیں جیسے: یوم عرفہ (۹ ذوالحجہ)، یوم عاشوراء (یعنی محرم الحرام کا دسواں دن)، ذوالحجۃ الحرام کے ابتدائی نو دن،محرم الحرام کے ابتدائی دس دن اور حرمت والے تمام مہینے (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ،محرم اور رجب)۔بعض فضیلت والے دن ہر مہینے میں آتے ہیں اوروہ ہر مہینہ کے ابتدائی، درمیانی اورآخری دن ہیں۔جو روزہ مہینہ کی ابتدا میں رکھا جاتا ہے اسے ''صَوْمُ الْغُرَر'' اور جو مہینہ کے آخر میں رکھا جاتا ہے اسے ''صَوْمُ السَّرَر'' کہا جاتا ہے اور درمیان والے دن ''ایامِ بیض'' کہلاتے ہیں اور بعض فضیلت والے دن ہر ہفتے میں آتے ہیں اوروہ پیر،جمعرات اور جمعہ کے دن ہیں۔(ماخوذ من احیاء علوم الدین مع شرحه اتحاف السادة المتقین،کتاب......

ہوں گے اور اگر (ہر مہینے) پیر، جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھے تو یہ بھی تہائی کے قریب ہے[1]۔''[2]

نفلی روزوں کا بہترین طریقہ:

پہلی روایت میں سرکارِ دو عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے صوم داؤدی کے بارے میں فرمایا: ''هُوَ اَعْدَلُ الصِّیَام '' یہاں لفظ ''اَعْدَلُ'' آیا ہے جو ''عَدْل'' (یعنی انصاف) سے بنا ہے اور ''جَوْرٌ'' (یعنی زیادتی) کی ضد ہے۔ تو اس فرمان کا مطلب یہ ہوا کہ روزے رکھنے کا یہ طریقہ انسانی جسم کے معاملہ میں دوسرے طریقوں سے زیادہ انصاف والا ہے کیونکہ اس میں جسم پر ظلم و زیادتی نہیں پائی جاتی (اور اس انداز میں روزہ رکھنے والا ناغہ کے دنوں میں اپنی جان، اہل اور مہمان وغیرہ کا حق ادا کر لیتا ہے جبکہ مسلسل روزہ رکھنے والا ایسا نہیں کر پاتا۔ فتح الباری، ج۵، ص۱۹۵)۔ اس فرمانِ عالیشان کی شرح کرتے ہوئے حضرت سیّدُنا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں: ''صوم داؤدی کا ''اَعْدَلُ الصِّیَام'' (یعنی بہترین اور زیادہ انصاف والا روزہ) ہونا قوت کی حفاظت اور عبادت کی مشقت کے پائے جانے کی حیثیت سے ہے اور جب یہ روزہ فی نفسہٖ بہترین اور زیادہ انصاف والا ہے تو اللہ

[1] ......اسرار الصوم، الفصل الثالث فی التطوع بالصیام ۔۔الخ، ج٤، ص ٤٢٤ تا ٤٣١) فضیلت والے دنوں کی مزید تفصیل جاننے کے لئے احیاء العلوم (ج۱، صفحہ ۵۹۰ تا ۵۹۳) سے باب ''نفلی روزے اور ان کی ترتیب'' کا مطالعہ فرمالیجئے۔

[2] ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِ شریعت'' جلد اوّل صفحہ 966 تا 967 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) روزے کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''روزے کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) نفل (۴) مکروہِ تنزیہی (۵) مکروہِ تحریمی۔ فرض و واجب کی دو قسمیں ہیں: معیّن و غیر معیّن۔ فرض معیّن جیسے ادائے رمضان۔ فرض غیر معیّن جیسے قضائے رمضان اور روزۂ کفارہ۔ واجب معیّن جیسے نذر معیّن۔ واجب غیر معیّن جیسے نذر مطلق۔ نفل دو ہیں: نفل مسنون، نفل مستحب جیسے عاشورا یعنی دسویں محرم کا روزہ اور اس کے ساتھ نویں کا بھی اور ہر مہینے میں تیرھویں، چودھویں، پندرھویں اور عرفہ کا روزہ، پیر اور جمعرات کا روزہ، شش عید کے روزے صوم داود عَلَیْہِ السَّلَام، یعنی ایک دن روزہ ایک دن افطار۔ مکروہِ تنزیہی جیسے صرف ہفتہ کے دن روزہ رکھنا۔ نیروز و مہرگان کے دن روزہ۔ صومِ دہر (یعنی ہمیشہ روزہ رکھنا)، صومِ سکوت (یعنی ایسا روزہ جس میں کچھ بات نہ کرے)، صومِ وصال کہ روزہ رکھ کر افطار نہ کرے اور دوسرے دن پھر روزہ رکھے، یہ سب مکروہِ تنزیہی ہیں۔ مکروہِ تحریمی جیسے عید (یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) اور ایّام تشریق (یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ، ان پانچ دِنوں) کے روزے۔ (الفتاوی الھندیة، کتاب الصوم، الباب الاول، ج۱، ص۱۹٤۔ الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الصوم، ج۳، ص۳۸۸ تا ۳۹۲)

[3] ......احیاء علوم الدین، کتاب اسرار الصوم، الفصل الثالث فی التطوع بالصیام و ترتیب الاوراد فیه، ج۱، ص ۳۱۹.

عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک بھی سب سے زیادہ افضل اور پسندیدہ ہے اور فضیلت میں اس سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں یہ مبارک الفاظ آئے ہیں اور یہ تمام الفاظ اپنے معنی ومفہوم میں باہم قریب قریب ہیں۔ بلاشُبہ یہ نقل بالمعنی ہے اور ان تمام الفاظ کا مضمون یہ ہے کہ ''بے شک یہ روزہ فِیْ نَفْسِہٖ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ ثواب والا ہے۔'' (1)

اور بخاری شریف کی روایت میں ''وَهُوَاَفْضَلُ الصِّیَام'' (یعنی یہ سب سے افضل روزہ ہے) کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ روزہ (اسی روایت میں) ماقبل مذکور تمام مراتب سے بڑھ کر فضیلت والا ہے۔''

صومِ داوٗدی کی افضلیت میں اختلافِ علما:

جب حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے صومِ داوٗد کو افضل فرمایا تو حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: ''مجھے اس (افضل) سے زیادہ کی طاقت ہے۔'' تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اس سے افضل طریقہ کوئی نہیں۔'' یہاں حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ عرض کرنا، عبادات اور ان کی کثرت میں اپنے نفس کی رغبت پر یقین اور اعتماد کی وجہ سے تھا کہ یہ ان میں رکاوٹ نہیں بنے گا اور یہ فرمانِ ذیشان کہ ''اس سے افضل طریقہ کوئی نہیں۔'' اس میں علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کا اختلاف ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ ھ) صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں: اس بارے میں علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کا اختلاف ہے (کہ مسلسل روزے رکھنا افضل ہے یا ایک دن چھوڑ کر ایک دن؟)۔ ہمارے شافعی فقہائے کرام میں حضرت سیِّدُنا امام متولی علیہ رحمۃ اللہ القوی وغیرہ نے اس حدیث شریف کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھنا، لگاتار روزے رکھنے سے افضل ہے۔'' اور ان کے علاوہ دیگر علمائے کرام رحمہم اللہ السلام لگاتار روزے رکھنے کو افضل بتاتے ہیں اور وہ مذکورہ حدیثِ پاک کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ یہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان جیسی طاقت وکیفیت رکھنے والوں کے حق میں ہے اور مسلسل روزے رکھنے کی افضلیت پر ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم

......المفهم لمااشكل من تلخيص كتاب مسلم للامام القرطبى عليه رحمة الله القوى.

نے حضرت سیِّدُ نا حمزہ (بن عمرو اسلمی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلسل روزے رکھنے سے منع نہ کیا اور نہ ہی انہیں ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا اور اگر سب کے حق میں یہی افضل ہوتا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ضرور انہیں اس طرح روزہ رکھنے کا ارشاد فرماتے کیونکہ بوقت ضرورت بیان میں تاخیر روا نہیں۔'' [1]

دوسری روایت کی شرح

دسویں حدیث پاک کی ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بھی ارشاد فرمایا: ''تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری زوجہ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔'' [2] یعنی جسم کو تقویت پہنچا کر اور اس کی نشو ونما کر کے اس کا حق ادا کرو تاکہ تم اس کے ذریعے دنیا و آخرت کے کاموں میں ثابت قدم رہ سکو جبکہ کثرت سے روزے رکھنے کے سبب بدن کمزور ہو جاتا ہے۔

یہاں حدیثِ پاک ''وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا'' کے الفاظ آئے ہیں یعنی تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ چنانچہ، لغت کی کتاب ''اَلصِّحَاح'' میں ہے: جب یہ کہا جائے ''زَوْجُ الْمَرْأَۃِ'' تو اس سے مراد شوہر ہوتا ہے اور جب کہا جائے ''زَوْجُ الرَّجُل'' تو اس سے مراد بیوی ہوتی ہے۔'' جیسے اس فرمانِ باری تعالیٰ میں ہے: ''اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ'' (پ۱، البقرۃ: ۳۵) ترجمۂ کنز الایمان: تُو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔'' اور زوجہ کا حق یہ ہے کہ تم اپنی اور اس کی پارسائی کے لئے نیز نیک بچے کے حصول کی امید کے ساتھ اس سے جماع کرو تاکہ وہ بچہ اہم اور ضروری کاموں میں تمہاری اور تمہاری زوجہ کی مدد کرے اور تمہاری ملاقات کو آنے والے مہمان کا تم پر حق یہ ہے کہ اس کی خدمت کرو۔ اس کی تعظیم و تکریم کرو اور اس کی اُنْسِیَّت (یعنی محبت ولگاؤ) کا سامان کرو۔''

مسلم شریف کی روایت میں یوں ہے: ''تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔'' [3] اور ایک روایت میں ''حَقًّا'' کی جگہ ''حَظًّا'' (یعنی حصہ) کا لفظ آیا ہے۔'' [4] اس کے تحت حضرت سیِّدُ نا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں: ''مطلب یہ کہ تم ان دونوں (یعنی آنکھ اور جان)

---

[1] ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر......الخ، ج۸، ص ۴۱.

[2] ......صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب حق الاهل فی الصوم......الخ، الحدیث: ۱۹۷۷، ص ۱۵۴.

[3] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، الحدیث: ۲۷۳۰، ص ۸۶۴.

[4] ......المرجع السابق، الحدیث: ۲۷۳۸، ص ۸۶۴.

کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو اور ان کے حق کی رعایت کرو اور ایک روایت میں ''حصہ'' کو ''حق'' کہا گیا ہے کیونکہ یہ اس کے معنی میں ہے اور یہ زائد ہے کہ ''بے شک تمہاری زوجہ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔''[1] اور دوسرے مقام پر ''وَ لِزَوْجِکَ'' (یعنی تمہاری زوجہ) کی جگہ ''وَ لِاَھْلِکَ''(یعنی تمہارے اہل) کے الفاظ ہیں۔ بہر حال زوجہ کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہم بستری کی جائے لیکن جب شوہر مسلسل روزے رکھے گا اور راتوں کو لگاتار عبادت کرے گا تو لازمی بات ہے کہ وہ زوجہ کا حق ادا نہیں کر سکے گا اور مہمان کا حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم وتکریم اور خدمت کی جائے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا جائے تا کہ اسے اُنْسِیَّت حاصل ہو اور (اس فرمان عالیشان ''تمہارے اہل کا بھی تم پر حق ہے'' کی شرح میں فرمایا) یہاں لفظ ''اہل'' سے مراد اولاد اور دیگر رشتے دار ہیں اور ان کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، ان پر خرچ کرے، ان کے ساتھ مل کر کھانا کھائے اور ان کو اُنْسِیَّت پہنچائے اور لگاتار روزے رکھنا اور راتوں کو مسلسل عبادت کرنے پر ہمیشگی اختیار کرنا ان تمام حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ بنتا ہے اور حدیث شریف سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ جب حقوق باہم ٹکرا رہے ہوں تو جس کا حق پہلے بیان ہوا اسے مقدم کرے۔''[2]

تیسری روایت کی شرح

دسویں حدیث شریف کی تیسری روایت کے مطابق مدنی تاجدار، باذن پروردگار دوعالم کے مالک ومختار صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ارشاد فرمایا: ''مجھے خبر دی گئی ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھو گے اور ہر رات قرآنِ کریم کی تلاوت کرو گے۔'' یعنی تم نے پورا سال روزہ رکھنے کا ارادہ کیا ہے کہ کراہت والے دنوں (یعنی عیدالفطر، عیدالاضحیٰ اور ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجۃ الحرام) کے علاوہ روزہ نہیں چھوڑو گے۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کا عزم (یعنی پختہ ارادہ) کر لیا ہے اور یہ عزم والا معنی ان کے اس قول کی وجہ سے ہے جو گزشتہ روایت میں بیان ہوا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں ساری زندگی دن کو روزہ رکھوں گا اور تمام رات نوافل پڑھا کروں گا۔''[3] اور یہ فرمان کہ ''ہر

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب حق الضیف فی الصوم، الحدیث: ۱۹۷۴، ص ۱۵۴.

[2] ......المفهم لمااشکل من تلخیص کتاب مسلم للامام القرطبی علیه رحمة اللّٰه القوی.

[3] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر......الخ، الحدیث: ۲۷۲۹، ص ۸۶۳.

رات قرآنِ کریم کی تلاوت کروگے۔'' یعنی تم نے یہ بھی ارادہ کیا ہے کہ ہر رات نماز میں یا نماز کے علاوہ پورا قرآن کریم ختم کیا کروگے۔ اس پر انہوں نے عرض کی: ''جی ہاں! یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! اور اس سے میرا مقصد نیکی وبھلائی ہے۔'' یعنی میں نے ایسا کہا ہے اور اس پر عمل کا عزم بھی کیا ہے مگر صوم دہر (یعنی ہمیشہ روزوں) اور ہر رات ختم قرآنِ پاک سے میری نیت نیکی وبھلائی ہے۔ (شارح، سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) اور نیکی وبھلائی یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل کیا جائے اور آخرت میں اجروثواب کی امید رکھی جائے نہ کہ ریاکاری، شہرت، خود پسندی اور تعریف کی خواہش کا ارادہ کیا جائے۔''

تلاوتِ قرآنِ کریم کا بیان

قرآنِ کریم کا ختم کتنے دنوں میں کیا جائے؟

اسی روایت میں ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''مہینے میں ایک بار قرآنِ مجید ختم کیا کرو۔'' یعنی ہر مہینے اول تا آخر ایک بار قرآن پاک پڑھ لیا کرو[1]۔ چنانچہ، (حضرت سیِّدُنا مولی یعقوب بن سید علی البروسوی علیہ رحمۃ اللہ القوی، متوفی ۹۳۱ھ) ''شَرْحُ الشِّرْعَۃ'' میں فرماتے ہیں: ''اور ''اَلْقُنْیَۃ'' میں ہے کہ قرآنِ کریم کے ختم کے متعلق مختلف اقوال ہیں اور سب سے اچھا اور بہتر یہ ہے کہ ہر مہینے ایک بار ختم کیا جائے[2] اور ''زَیْنُ الْعَرَب'' میں مروی ہے کہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ارشاد فرمایا: ''مہینے میں ایک بار قرآنِ مجید ختم کیا کرو۔''[3] اور شاید ''اَلْقُنْیَۃ'' میں بیان کردہ اس مسئلہ کا جو واضح مفہوم ہے وہی یہاں مذکور ہے۔

---

[1] ...... دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِ شریعت'' جلد اوّل صفحہ 551 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علاّمہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: گرمیوں میں صبح کو قرآنِ مجید ختم کرنا بہتر ہے اور جاڑوں میں اوّل شب کو، کہ حدیث میں ہے: ''جس نے شروع دن میں قرآن ختم کیا، شام تک فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور جس نے ابتدائے شب میں ختم کیا، صبح تک استغفار کرتے ہیں۔'' اس حدیث کو دارمی نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، تو گرمیوں میں چونکہ دن بڑا ہوتا ہے تو صبح کے ختم کرنے میں استغفارِ ملائکہ زیادہ ہوگی اور جاڑوں کی راتیں بڑی ہوتی ہیں تو شروع رات میں ختم کرنے سے استغفار زیادہ ہوگی۔ (غنیۃ المتملی، القراءۃ خارج الصلوۃ، ص۴۹۶)

[2] ......القنیۃ، کتاب الکراھیۃ، باب القرأۃ والدعاء، ص۲۰۹۔ مخطوطۃ.

[3] ......مفاتیح الجِنان ومصابیح الجَنان الشھیر بـ''شرح الشرعۃ''.

مہینے کی راتوں پر تقسیم:

حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے جب مہینہ میں ایک بار ختم قرآن کا فرمایا تو حضرت سیِّدُ ناعبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما نے عرض کی: ''یا نبی اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔'' تو ارشاد فرمایا: ''پھر ہفتے میں ایک بار قرآنِ مجید ختم کرلیا کرو اور اس پر زیادہ نہ کرنا۔'' یعنی سات دن اور ان کی راتوں میں ختم کر لیا کرو۔ حضرت سیِّدُ ناامام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ ھ) بیان کرتے ہیں: آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے پہلے یہ فرمایا: ''مہینے میں ایک بار قرآنِ مجید ختم کیا کرو۔'' اس کے بعد فرمایا: ''ہر بیس دن میں ایک بار ختم کیا کرو۔'' اور پھر فرمایا: ''سات دن میں ایک بار قرآنِ مجید ختم کرلیا کرو۔'' مسلم شریف کی اکثر روایات میں اسی طرح آیا ہے۔ جبکہ حضرت سیِّدُ نا ابن ابی جعفر اور حضرت سیِّدُ نا ابن عیسیٰ رحمہما اللہ تعالٰی کی کتاب میں اتنا زائد ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: ''تو پھر ہر دس دن میں ایک بار ختم کیا کرو۔'' اور اس کے بعد ان سے فرمایا: ''ہر سات دن میں ایک بار ختم کیا کرو۔'' اور اس روایت کا مقصد آسانی اور سختی کے اعتبار سے ختم قرآن پاک کو مہینے کی راتوں پر تقسیم کرنا ہے۔ لہٰذا آسانی چاہنے والا پورے مہینہ میں ختم کرے، اس سے کم میں نہ کرے اور سختی چاہنے والا سات دن سے کم میں ختم نہ کرے جیسا کہ رحمت دو عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ ناعبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کو ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔'' (1)

ختم قرآنِ کریم کے متعلق علما کے اقوال:

اسی تیسری روایت میں سرکارِ مکۂ مکرمہ، سردارِ مدینۂ منورہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے سات دن سے کم میں ختم قرآنِ پاک سے منع فرمایا ہے۔ حضرت سیِّدُ ناامام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ ھ) فرماتے ہیں: کثیر علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے کہ ''سات دن سے کم میں ختم کرنا ممنوع ہے۔'' اور بعض نے اس کو اختیار کیا ہے کہ ''قرآنِ پاک کا ایک ختم آٹھ دنوں میں ہو۔'' نیز بعض حضرات پانچ دن میں ختم کیا کرتے اور دوسرے بعض چھ دن میں ختم فرماتے اور بعض تو ہر رات میں ایک قرآنِ مجید ختم کیا کرتے تھے اور جن علمائے

......المفہم لمااشکل من تلخیص کتاب مسلم للامام القرطبی علیہ رحمۃ اللّٰہ القوی.

کرام رحمہم اللہ السلام نے سات دن سے کم میں ختم کرنے سے منع نہیں کیا وہ اس حدیثِ پاک کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ ''اس حدیث شریف کا تعلق (امت پر) نرمی اور عمل کے منقطع ہوجانے کے خوف کے ساتھ ہے۔لہٰذا اگر عمل کے منقطع ہونے کا خوف نہ ہو تو سات دن سے کم میں ختم قرآن کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ جو عبادت اور نیکی کثرت سے ہو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو زیادہ پسند ہے۔'' مگر بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کی ظاہر ممانعت پر عمل اور میٹھے میٹھے آقا، مکی مدنی مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کی اقتدا و پیروی کرتے ہوئے سات دن سے کم میں ختم کرنا ترک کر دیا جائے کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم سب سے زیادہ منافع وفوائد کا علم رکھنے والے ہیں مگر اس کے باوجود یہ مروی نہیں ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے ایک رات میں مکمل قرآنِ پاک ختم کیا ہو اور نہ ہی سات دن سے کم میں ختم کرنا مروی ہے اور اجر وثواب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہے۔وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور کبھی تھوڑے عمل پر وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو زیادہ عمل پر عطا نہیں فرماتا۔خاص طور پر اس وقت جب ہمیشگی کے ساتھ کئے جانے والے تھوڑے عمل کا فائدہ اور ناغہ کے ساتھ کئے جانے والے زیادہ عمل کی آفت بیان کی جا چکی ہو۔''

مقدارِ تلاوت میں بُزُرگانِ دین رحمہم اللہ المبین کا معمول:

حضرت سیِّدُنا امام جلال الدین، ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابوبکر مصری سیوطی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۹۱۱ھ) اپنی کتاب ''اَلْاِتْقَان فِیْ عُلُوْمِ الْقُرْاٰن'' میں فرماتے ہیں: ''قرآنِ پاک کی تلاوت کی مقدار میں سلف صالحین و بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین کی عادات مختلف تھیں۔چنانچہ، زیادہ سے زیادہ ان کی کثرت تلاوت کے متعلق جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ بعض حضرات ایک دن اور ایک رات میں آٹھ بار قرآنِ کریم ختم کرلیا کرتے، چار دن میں اور چار رات میں۔ان کے بعد وہ ہیں جو دن اور رات میں چار بار قرآنِ مجید ختم کرتے تھے۔پھر وہ جو دن اور رات میں تین بار ختم کرتے۔بعض، ایک دن اور ایک رات میں دو بار اور بعض ایک بار قرآنِ پاک ختم کیا کرتے تھے اور اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا ابن ابی داوٗد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، حضرت سیِّدُنا مسلم بن مخراق علیہ رحمۃ اللہ الرزاق سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے عرض کی: ''کچھ

لوگ ایسے ہیں جوایک رات میں دو یا تین مرتبہ قرآنِ پاک ختم کرتے ہیں۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا: ''وہ قرآنِ پاک پڑھتے ہیں اور سمجھتے نہیں۔ مَیں (سردیوں کی) طویل ترین رات تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخْزنِ جود وسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ قیام کرتی تھی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء کی تلاوت فرماتے۔ پس جہاں کوئی بشارت وخوشخبری والی آیتِ مبارکہ آتی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم دُعا کرتے اور اس میں رغبت کا اظہار فرماتے اور جب کسی ڈرانے والی آیت پر پہنچتے تو دعا کرتے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتے۔'' [1]

اس کے بعد وہ حضرات ہیں جو دو راتوں میں ایک بار قرآنِ مجید ختم کرتے اور پھر وہ بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین ہیں جو تین دن میں قرآنِ پاک کا ختم فرمایا کرتے اور یہ اچھا طریقہ ہے۔''

تین دن سے کم میں ختمِ قرآن کا حکم [2]:

تین دن سے کم میں قرآنِ حکیم کے ختم کو کئی جماعتوں نے درج ذیل احادیث کریمہ کی وجہ سے مکروہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ،

(۱)......حضرت سیِّدُنا امام ابوداؤد (متوفی ۲۷۵ھ) اور حضرت سیِّدُنا امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما (متوفی ۲۷۹ھ)، حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی مُکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''جس نے تین رات سے کم میں قرآنِ مجید پڑھا اس نے سمجھا نہیں۔'' [3]

(۲)......حضرت سیِّدُنا ابن ابی داؤد اور حضرت سیِّدُنا سعید بن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما، حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن

---

[1]......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ، الحدیث: ۲۴۹۲۹، ج۹، ص ۴۳۱۔

شعب الایمان للبیھقی، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی الاعتراف للہ......الخ، الحدیث: ۲۰۹۳، ج۲، ص ۳۷۶.

[2]......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب، ''بہارِ شریعت'' جلد اوّل صفحہ 551 پر صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ حضرتِ علّامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں: ''تین دن سے کم میں قرآن کا ختم خلافِ اَولیٰ ہے۔ کہ نبیِّ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم نے فرمایا: ''جس نے تین رات سے کم میں قرآن پڑھا، اس نے سمجھا نہیں۔'' اس حدیث کو ابوداود وترمذی ونَسائی نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(سنن ابی داود، کتاب شھر رمضان، باب تحزیب القرآن، الحدیث: ۱۳۹۴، ج۲، ص ۷۹)

[3]......سنن ابی داؤد، کتاب شھر رمضان، باب فی کم یقرء القرآن، الحدیث: ۱۳۹۴، ص ۱۳۲۷.

مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: ''تین دن سے کم میں قرآنِ کریم نہ پڑھو (یعنی ختم نہ کرو)۔'' [1]

(۳)......حضرت سیِّدُنا ابوعبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیِّدُنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین دن سے کم میں پورا قرآنِ مجید پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے۔'' [2]

ختمِ قرآنِ کریم کا معتدل طریقہ:

اس کے بعد وہ سلف صالحین رحمہم اللہ المبین ہیں جو چار دن میں، پھر وہ جو پانچ، چھ اور سات دن میں قرآنِ مجید، فرقانِ حمید کا ختم کیا کرتے تھے اور یہ سب سے اچھا اور معتدل (یعنی میانہ روی والا) طریقہ ہے اور اکثر صحابۂ کرام اور دیگر سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اسی پر عمل تھا۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا ابوعبید اور دیگر محدثین رحمہم اللہ المبین حضرت سیِّدُنا واسع بن حبان علیہ رحمۃ الحنان کی سند سے حضرت سیِّدُنا قیس ابن ابی صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں (اس کی یہی ایک سند ہے) کہ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! میں کتنے دنوں میں قرآنِ پاک کا ختم کیا کروں؟'' تو **شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، اَنِیْسُ الْغَرِیْبِیْن، سِرَاجُ السَّالِکِیْن** صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''پندرہ دن میں۔'' فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: ''میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''تو پھر ایک جمعہ (یعنی سات دنوں) میں پڑھ لیا کرو۔'' [3]

اس کے بعد وہ حضرات ہیں جو آٹھ دن میں ختم کرتے تھے پھر وہ جو دس دن، پھر بیس، پھر مہینہ اور بعض وہ ہیں جو دو مہینے میں قرآنِ کریم ختم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیِّدُنا مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو زیادہ طاقت رکھتے تھے وہ بھی پورا

---

[1]......مصنف لعبد الرزاق ، کتاب فضائل القرآن ، باب اذا سمعت السجدة......الخ، الحدیث: ۵۹۶۷، ج۳، ص۲۱۳

[2]......المرجع السابق، الحدیث: ۵۹۶۹، ج۳، ص۲۱۴.

[3]......المعجم الکبیر ، الحدیث: ۸۷۷، ج۱۸ ، ص ۳۴۴.

قرآنِ حکیم سات دن میں پڑھا کرتے تھے اور بعض ایک مہینے میں، بعض دو مہینے میں اور بعض اس سے بھی زیادہ مدت میں ختم فرمایا کرتے تھے۔''

سال میں کتنی بار قرآنِ حکیم پڑھا جائے؟

حضرت سیِّدُنا ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۳۷۳ھ) اپنی کتاب ''اَلْبُسْتَان'' میں فرماتے ہیں: اگر زیادہ پڑھنے کی قدرت نہ ہو تو پڑھنے والے کو سال میں دو بار تو قرآنِ کریم کا ختم کر ہی لینا چاہئے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا امام حسن بن زیاد علیہ رحمۃ اللہ الجواد بیان کرتے ہیں کہ امام الائمہ، سراج الامہ، کاشف الغمہ، حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۵۰ھ) نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ہر سال دو بار قرآنِ کریم پڑھا اس نے قرآنِ پاک کا حق ادا کر دیا۔ کیونکہ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، صاحبِ معطر پسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے جس سال وصال فرمایا اس میں حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کے ساتھ دو بار قرآنِ پاک کا دور فرمایا۔''[1]

بعض علمائے کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں: ''بغیر کسی مجبوری کے چالیس دن سے زیادہ ختمِ قرآنِ کریم میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ حضرت سیِّدُنا امام احمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد (متوفی ۲۴۱ھ) نے اس پر یہ نص پیش فرمائی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہِ عالی میں عرض کی: ''قرآنِ کریم کتنے دن میں ختم کروں؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''چالیس دن میں۔''[2]

سیِّدُنا امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی رائے:

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) ''اَلْاَذْکَار'' میں ارشاد فرماتے ہیں: ''مختار یہ ہے کہ ختم قرآنِ پاک کی مدت افراد کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ، قرآنِ پاک میں گہری نظر کرنے سے جس شخص پر لطائف ومعارف ظاہر ہوتے ہوں اسے اتنی ہی مقدار پر اکتفا کرنا چاہئے جس

[1] ......القنية، کتاب الکراهة والاستحسان، باب القراءة والدعاء...الخ، ص۲۰۹ مخطوطة.

[2] ......سنن ابی داؤد، کتاب شهر رمضان، باب فی کم یقرء القرآن، الحدیث: ۱۳۹۵، ص۱۳۲۷.

سے تلاوت کیا ہوا حصہ کامل طور پر سمجھ سکے۔ اسی طرح وہ شخص جو علمِ دین کی نشر و اشاعت یا مقدمات کے فیصلوں یا اس کے علاوہ اہم دینی کاموں یا مصالح عامہ (یعنی عوامی مفادات) میں مشغول ہو تو اسے قرآنِ پاک کی تلاوت اتنی مقدار میں کرنی چاہئے جس سے ان معاملات میں نہ خلل واقع ہو اور نہ ہی وہ مکمل طور پر ختم ہو جائیں اور اگر کسی شخص کی ایسی مصروفیات نہ ہوں تو وہ جتنا زیادہ ممکن ہو قرآنِ مجید کی تلاوت کرے۔ البتہ! اتنی زیادہ مقدار نہ ہو جس سے اکتاہٹ پیدا ہو یا ناپسندیدہ طریقہ پر تیزی سے پڑھنا پڑے۔'' [1]

(حضرت سیِّدُنا علامہ جلال الدین سیوطی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۹۱۱ھ) کا کلام ختم ہوا)

۴۰ دن میں ایک بار ضرور ختم کیا جائے:

(حضرت سیِّدُنا مولی یعقوب بن سید علی البروسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۳۱ھ) ''شَرْحُ الشِّرْعَۃ'' میں فرماتے ہیں: ''اور ''اَلْفَتَاوٰی القَاضِیْ خَان'' میں ہے کہ علمائے کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں کہ حافظِ قرآن کو ہر چالیس دن میں ایک بار قرآنِ پاک کا ختم کر لینا چاہئے۔'' [2]

۴۰ دن کی خصوصیت:

یہاں چالیس دن میں ختم قرآنِ پاک کا ذکر ہوا ہے اور خاص چالیس دنوں میں اچھا اور بہتر ہونے کا جو سبب ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ کمال درجہ پورا کرنے کی جو خاصیت چالیس دن میں ہے وہ کسی اور عدد میں نہیں ہے۔ چنانچہ،

(۱)......نبیوں کے سلطان، محبوبِ رحمٰن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمانِ عالیشان بیان فرمایا ہے: ''مَیں نے (حضرت) آدم صفی اللہ (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کے خمیر کو چالیس روز تک چھپائے رکھا۔'' [3]

(۲)......حضور نبیِّ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ''تم میں سے ہر ایک کی خلقت

---

[1] ......الاذکار المنتخبة من کلام سیدالابرارصلی اللّٰه علیه وسلم، کتاب تلاوة القرآن، ص۸۹۔
الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، النوع الخامس والثلاثون: فی آداب تلاوته وتالیفه، ج۱، ص۱۴۸

[2] ......الفتاوٰی القاضی خان، کتاب الصلوة، باب الحدث فی الصلوة، فصل فی قراء ةالقرآن خطاء، مسائل کیفیةالقراء ة، ج۱، ص۷۹

[3] ...... فیض القدیرللمناوی، تحت الحدیث: ۸۳۶۱، ج۶، ص ۵۷۔
مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الصوم، باب لیلة القدر، تحت الحدیث: ۲۰۸۶، ج۴، ص۵۸۵.

(یعنی مادۂ پیدائش) کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک رکھا جاتا ہے۔ پھر چالیس دن تک عَلَقَہ (یعنی خون کی بوند) بن کر رہتا ہے پھر اتنے ہی دن مُضْغَہ (یعنی گوشت کے لوتھڑے) کی شکل میں رہتا ہے۔ (1)

(۳)......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ (پ۹، الاعراف: ۱۴۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے موسیٰ سے تیس (۳۰) رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس (۱۰) اور بڑھا کر پوری کیں تو اس کے رب کا وعدہ پوری چالیس رات کا ہوا۔

(۴)......تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخْزنِ جودوسخاوت صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''جو شخص اخلاص (یعنی سچی نیت) کے ساتھ چالیس دن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتا ہے اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔'' (2)

اور قرآنِ مجید، فرقانِ حمید تمام حکمتوں کا سرچشمہ ہے لہٰذا قرآنِ پاک پڑھنے والا ہر چالیس دن میں اس طرح قرآنِ پاک کا ختم کرے کہ اخلاص کے ساتھ ترتیل کے مطابق (یعنی ٹھہر ٹھہر کر) ہر دن کچھ حصہ تلاوت کرے تا کہ اس کے دل و زبان پر بھی حکمت کے چشمے جاری ہو جائیں۔

اور ہر مہینے میں ایک بار قرآنِ کریم کے ختم کا بہتر ہونا اس لئے ہے کہ قراءت کی سہولت اور ہر مہینہ کے ایک جز یعنی ہر دن کے حساب سے ایک مہینے میں ایک بار قرآنِ کریم ختم کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس بناء پر ایک مہینے سے کم میں ختم کرنا مستحب نہ ہوگا اگرچہ جائز ہے۔ جبکہ صاحبِ قرآن، محبوبِ رحمٰن صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم سال میں ایک بار قرآنِ مجید ختم فرماتے تھے اور جس سال آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلَّم نے وصال فرمایا اس سال دو بار ختم فرمایا۔'' (3)

سال میں ایک بار ختمِ قرآن سنتِ مؤکدہ ہے:

حضرت سیِّدُنا برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۹۳ھ) سے منقول ہے: جس نے سال

(1)......صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ صلوات اللّٰہ علیہم، الحدیث: ۳۲۰۸، ص ۲۶۰.

(2)......الزھد لابن المبارک، باب فضل ذکر اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ، الحدیث: ۱۰۱۴، ص ۳۵۹.

(3)......صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی ﷺ، الحدیث: ۴۹۹۸، ص ۴۳۳.

میں ایک بار قرآنِ حکیم ختم کرلیا وہ قرآنِ پاک کو چھوڑنے والا نہیں کہلائے گا۔ سال میں ایک بار ختم قرآن سنتِ مؤکدہ ہے۔ پھر یہ کہ قرآنِ پاک میں کمال رسوخ اور کمال تدبر کے ساتھ (یعنی کامل مہارت اور کامل غور وفکر کرتے ہوئے) حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا سال میں ایک اور دوبار ختم قرآنِ کریم پر اکتفا فرمانا، دوسروں کے حق میں اس سے زیادہ ختم کرنے کے استحباب کے منافی نہیں۔ کیونکہ دوسروں کے لئے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے یہ فرامین مبارکہ موجود ہیں: **(۱)**......''تم قرآن پاک کو ہمیشہ پڑھتے رہو۔''[1] **(۲)**......''قرآنِ مجید کو بہت زیادہ پڑھا کرو۔''[2] یہ اور ان کے علاوہ دیگر ارشاداتِ عالیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کثرت کے ساتھ تلاوتِ قرآن کرنا مستحب ہے۔

اہل وعیال سے زیادہ محبوب وپسندیدہ:

تیسری روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے فرمایا: ''میں نے خود پر سختی کی تو مجھ پر سختی کی گئی۔'' یعنی اعمال کی کثرت کے معاملہ میں جب میں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میرے اندر کمزوری کو پیدا کر کے مجھ پر سختی فرمادی اور اُن کثیر اعمال پر ہمیشگی سے مجھے عاجز کردیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے ارشاد فرمایا: ''اگر میں نے سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا تین دن روزے رکھنے والا فرمان ذیشان قبول کرلیا ہوتا تو یہ مجھے اپنے اہل اور مال سے زیادہ محبوب وپسندیدہ ہوتا۔''[3] اور (فرماتے ہیں) حالانکہ حضور نبیِّ اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ''تم نہیں جانتے شاید تمہاری عمر طویل ہوجائے۔'' یعنی جب تمہاری عمر طویل ہوجائے گی تو تم ان کثیر اعمال کو بجالانے سے عاجز آجاؤ گے پھر یہ کہ تمہارے عمل میں کمی کے سبب تمہاری امید بھی کم ہوجائے گی اور یوں بارگاہِ الٰہی میں تمہاری قدر ومنزلت کم ہوجائے گی یا (اس فرمان کا یہ معنی ہے کہ) کثیر اعمال آسانی سے بجالانے کے سبب وہ تمہاری عادت بن جائیں گے، پھر تمہاری ذاتی پسند اور توجہ کی کمی کے سبب ان پر عبادات کا ثواب نہیں دیا جائے گا۔

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب استذکار القرآن وتعاھدہ، الحدیث: ۵۰۳۳، ص۴۳۶.

[2] ......المرجع السابق، الحدیث: ۵۰۳۲.

[3] ......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر ......الخ، الحدیث: ۲۷۲۹، ص ۸۶۳.

نیز تیسری روایت کے آخر میں حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمان بھی ہے کہ ''میں اسی حالت کو پہنچ گیا جس کے بارے میں رسولِ غیب داں، نبیٔ دو جہاں صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھ سے فرمایا تھا۔ پس جب میں بوڑھا ہو گیا تو پھر میں نے چاہا کہ کاش! مَیں حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف سے دی گئی رخصت قبول کر لیتا۔'' یعنی وہ رخصت جو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھے میری ابتدائی عمر میں عطا فرمائی تھی تا کہ میں اس پر ہمیشگی اختیار کرتا اور عمر کے آخری حصہ میں میری حالت متغیر نہ ہوتی یعنی مجھے دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُ نا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۵۶ھ) اس کے تحت فرماتے ہیں: ''حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور نبیٔ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں جس رخصت کا فرمایا تھا انہوں نے اس کے مقابلے میں زیادہ کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں (۱)...... یا تو اس اعتبار سے کہ انہوں نے ابتدائی طور پر ہی اس کو یہ کہہ کر لازم کر لیا تھا کہ ''میں ساری زندگی دن کو روزہ رکھوں گا اور تمام رات نوافل پڑھا کروں گا۔'' (۲)...... یا پھر اس اعتبار سے کہ وہ اسی حال میں رہے جس پر مَحبوبِ رَبُّ العزت، مُحسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے چھوڑا (یعنی دنیا سے پردہ فرمایا) تو انہوں نے اس بات کو ناپسند رکھا کہ اس عمل میں کمی کریں جس پر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں چھوڑا تھا۔ لہٰذا اس عمل میں کمی نہ کی اگرچہ انہیں بجالانا دشوار ہو گیا تھا۔''[1]

چوتھی روایت کی شرح

کچھ صوم دہر کے بارے میں:

دسویں حدیث شریف کی چوتھی روایت میں یہ زائد ہے کہ حضور نبیٔ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے تین بار ارشاد فرمایا: ''جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس کا روزہ نہیں۔'' یہاں ہمیشہ روزہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ عمر بھر روزہ رکھنا اور ناغہ بالکل نہ کرنا یا یہ مراد ہے کہ دونوں عیدوں کے دن اور ایامِ تشریق (یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجۃ الحرام) کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھنا اور عورت کے حق میں حیض و نفاس کے دنوں کے علاوہ لگا تار روزے رکھنا اور ''اس کا

---

[1] ......المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم للامام القرطبی علیه رحمة الله القوی.

روزہ نہیں'' سے مراد یہ ہے کہ اسے روزہ دار نہیں کہا جائے اس جہت سے کہ اس کے لئے ممنوع فعل کرنے کی وجہ سے کوئی ثواب نہیں یا پھر یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے والے کے لئے دعا فرمائی کہ اسے روزہ رکھنا آسان نہ ہو اور یہ بات آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے تین بار ارشاد فرمائی تا کہ مخاطب کے لئے ممانعت کا حکم مؤکد (یعنی تاکیدی) ہو اور بات کامل طور پر ہر اعتبار سے واضح ہو جائے۔

روزہ رکھنا ترک کیا:

ہمیشہ روزہ رکھنے کے بارے میں ایک حدیثِ پاک یوں ہے: حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم سے صوم اَبَد [1] کے متعلق سوال ہوا تو ارشاد فرمایا: ''لَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ یعنی اس نے روزہ رکھنا ترک کیا۔'' اس کے تحت حضرت سیِّدُنا امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٥٦ھ) فرماتے ہیں: اس میں احتمال ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے یہ جملہ اس کے خلاف بطورِ دعا فرمایا ہو، نہ کہ بطورِ خبر اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی خبر دی ہو کہ اس نے کچھ عمل نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص لگا تار روزے رکھتا ہے روزہ اس کی عادت بن جاتا ہے اور پھر اسے روزہ رکھنے کی تکلیف ومشقت محسوس نہیں ہوتی تو اس کے لئے (روزہ کے ساتھ) دن گزارنا ایسا ہو

---

[1] ...... فقیہ اعظم ہند، شارح بخاری حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ١٤٢١ھ) فرماتے ہیں: ''صیام ابد۔ اسی کو صیام دہر بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سال بھر تک بلا ناغہ لگا تار روزے رکھے جائیں اور رات میں کھایا پیا جائے اور صوم وصال سے مراد یہ ہے کہ رات میں بھی کچھ کھایا پیا نہ جائے اگرچہ دو چار روز ہی ہو۔ یہ جو ارشاد فرمایا: جس نے صوم ابد رکھا، اس نے روزہ نہیں رکھا۔ اس سے مراد یہ ہے جب وہ لگا تار روزے رکھے گا تو اس کی طبیعت روزے کی عادی ہو جائے گی۔ دن میں کھانے پینے کی خواہش نہ ہو گی۔ روزے میں جو مشقت ہوتی ہے۔ وہ نہ ہو گی۔ تو ایسا ہے گویا اس نے روزہ ہی نہ رکھا۔ یہ خبر ہے اور اگر اس خبر کو نہی کے معنی میں مانیں تو یہ ارشاد ان لوگوں کے لئے ہے کہ جنہیں مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کا ظن غالب ہو کہ اتنے کمزور ہو جائیں گے کہ جو حقوق ان پر واجب ہیں ان کو ادا نہیں کر پائیں گے خواہ وہ حقوق دینی ہوں یا دنیوی۔ مثلاً نماز، جہاد، بچوں کی پرورش کے لئے کمائی اور اگر مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کا ظن غالب ہو کہ حقوق واجبہ تو کما حقہ ادا کر لیں گے۔ مگر حقوق غیر واجبہ ادا کرنے کی قوت نہیں رہے گی۔ ان کے لئے روزہ مکروہ یا خلاف اولیٰ ہے اور جنہیں اس کا ظن غالب ہو کہ صوم دہر رکھنے کے باوجود تمام حقوق واجبہ، مسنونہ، مستحبہ، کما حقہ ادا کر لیں گے ان کے لئے کراہت بھی نہیں۔ بعض صحابۂ کرام جیسے ابو طلحہ انصاری اور حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما صوم دہر رکھتے تھے اور حضور اقدس صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم نے انہیں منع نہیں فرمایا۔ اسی طرح بہت سے تابعین اور اولیائے کرام (رحمہم اللہ السلام) سے بھی صوم دہر رکھنا منقول ہے۔''

(نزھة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، ج٣، ص٣٨٦)

جاتا ہے جیسے دوسروں کے لئے رات تو گویا اس نے روزہ رکھا ہی نہیں کیونکہ اس نے وہ مشقت وتکلیف محسوس نہ کی جو روزہ دار کرتا ہے اور نہ ہی اس نے روزہ ترک کیا کیونکہ بظاہر روزہ کی صورت پائی جارہی ہے۔ اور (عربی متن میں مذکور) لفظ ''لا'' لفظ ''ما'' کے معنی میں ہوگا جیسے اس فرمانِ باری تعالیٰ میں ہے: ''فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾'' (پ۲۹، القیامۃ: ۳۱) (ترجمۂ کنز الایمان: اس نے نہ تو سچ مانا اور نہ نماز پڑھی۔) اکثر علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے اس کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب کوئی ممنوع دنوں کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو۔ پس اگر وہ ممانعت والے دنوں میں ناغہ کرتا ہے (اور باقی تمام سال روزہ رکھتا ہے) تو بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے اور ابو طاہر بن بشیر علیہ رحمۃ اللہ القدیر نے فرمایا: ''یہ مستحب ہے۔'' اور ان کا یہ قول بہت بعید ہے۔

صوم دہر کے متعلق اقوال علما:

حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ھ) مسلم شریف کی شرح میں صوم دہر کی ممانعت والی احادیث کریمہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کا صوم دہر کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہلِ ظواہر کے نزدیک صوم دہر ممنوع ہے۔ جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کے نزدیک صوم دہر اس وقت جائز ہے جب ممنوع ایام میں روزہ نہ رکھا جائے اور وہ دونوں عیدوں کے دن اور ایام تشریق ہیں۔ حضرت سیِّدُنا امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کا مؤقف یہ ہے کہ ''اگر ممانعت والے دنوں میں روزہ کا ناغہ کرے تو صوم دہر (یعنی لگاتار روزہ) رکھنا مستحب ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے اسے کوئی ضرر (یعنی نقصان) ہو نہ کسی کا حق ضائع ہو اور اگر یہ دونوں (یعنی ضرر اور حق تلفی) پائے جائیں تو صوم دہر مکروہ ہے۔ اور یہ حضرات، صحیح بخاری وصحیح مسلم اَدَامَ اللّٰہُ فُیُوْضَھُمَا کی اس حدیثِ پاک کو دلیل بناتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا حمزہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: مَیں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم! میں ہمیشہ روزے رکھتا ہوں تو کیا میں سفر میں بھی روزہ رکھ لیا کروں؟'' حضور نبی کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اگر چاہو تو رکھو۔''(1) لہٰذا اگر صوم دہر مکروہ ہوتا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم انہیں اجازت عطا نہ فرماتے اور وہ بھی

---

(1)......صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر، الحدیث: ۲۶۲۶، ص۸۵۷.

بالخصوص سفر میں ۔مزید یہ کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ،حضرت سیِّدُ نا ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیِّدَ تُنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بہت سے دوسرے مسلمان صوم دہر رکھا کرتے تھے۔انہوں نے اس حدیثِ پاک کہ ''جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس کا روزہ نہیں۔'' کے چند جوابات دیئے ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

(۱)...... یہ حدیثِ پاک اپنی حقیقت پر ہے یعنی یہ اس شخص کے متعلق ہے جو صوم دہر کے ساتھ دونوں عیدوں اور ایامِ تشریق کے روزے بھی رکھے اور یہی جواب ام المؤمنین حضرت سیِّدَ تُنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے۔

(۲)...... یہ حدیث شریف اس شخص کے بارے میں ہے جس کو صوم دہر یعنی لگا تار روزہ رکھنے سے کوئی ضرر پہنچتا ہو یا کسی کا حق ضائع ہوتا ہو۔

(۳)......صوم دہر میں روزہ دار کو مشقت محسوس نہیں ہوتی پس یہ حدیثِ پاک بطورِ خبر ہے نہ کہ بطورِ دعا۔[1]

(حضرت سیِّدُ نا مولی یعقوب بن سید علی البروسوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۳۱ھ) کی کتاب) ''**شَرْحُ الشِّرْعَة**'' میں ہے: کوئی بھی شخص پورے سال کے روزے نہ رکھے کہ یہ مکروہ ہے ۔کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم !اس شخص کا کیا حکم ہے جو پورا سال روزے رکھتا ہے؟'' تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اس نے روزہ رکھا نہ ترک کیا۔''[2] یعنی گویا کہ اس نے روزہ نہیں رکھا کیونکہ یہ روزہ مالکِ شریعت ،مَحبوبِ رَبُّ العزت، محسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اجازت سے نہیں ہوا لہٰذا اس پر اجروثواب بھی نہیں اور ''روزہ ترک نہ کیا'' کا معنی ومفہوم ظاہر ہے۔ البتہ !اگر کوئی ممنوع ایام چھوڑ کر پورا سال روزے رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس طرح صوم دہر رکھا کرتے تھے اور سرکارِ مدینہ ،قرارِ قلب وسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں منع نہیں فرمایا۔

(سیدی عبد الغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ) میرے والدِ ماجد حضرت سیِّدُ نا اسماعیل بن عبد الغنی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے ''**شَرْحُ الدُّرَر**'' کی شرح میں فرمایا: ''صوم دہر مکروہ ہے۔کیونکہ یہ روزہ دار کو کمزور کر دیتا ہے یا اس لئے کہ

[1] ......شرح صحیح مسلم للنووی ، کتاب الصیام ،باب النھی عن صوم الدھر......الخ ، ج۸، ص ۴۰ .

[2] ......صحیح مسلم ،کتاب الصیام ، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام......الخ ، الحدیث:۲۷۴۶،ص ۸۶۵.

لگا تار روزے رکھنے سے وہ طبیعت وعادت بن جاتے ہیں۔جبکہ عبادت کی بنیاد عادت کی مخالفت پر ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔'' (1)

پانچویں روایت کی شرح

دسویں حدیث شریف کی پانچویں روایت میں یہ زائد ہے کہ'' حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کا یہ معمول تھا کہ جومنزل (یعنی قرآنِ پاک کا ساتواں حصہ) رات کو پڑھنی ہوتی وہ دن کے وقت اپنی زوجہ کو سنا دیتے تھے تا کہ رات کو پڑھنا آسان ہوجائے۔''یعنی رات کی نماز میں اس کی تلاوت آسان ہوجائے اوراس میں سے کوئی شے ان پر دشوار نہ ہو۔

حضرت سیِّدُ نا امام محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۷۶ ھ) کی تصنیف ''رِیَاضُ الصَّالِحِیْن'' میں ہے:ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما بیان کرتے ہیں: ''میرے والد ماجد (عمرو بن عاص) رضی اللہ تعالٰی عنہ نے میرا نکاح ایک شریف عورت سے کردیا اور وہ اپنی بہو کا بے حد خیال رکھتے تھے اوراس سے اس کے شوہر کے متعلق سوال کرتے تو وہ جواباً عرض کرتی:'' وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔انہوں نے کبھی میرے بستر پر قدم نہیں رکھا اور جب سے میں ان کے ہاں آئی ہوں انہوں نے میری ضرورت کو نہیں پوچھا۔'' جب طویل عرصہ تک یہی معاملہ رہا تو میرے والد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس بات کا ذکر حضور نبی مُکَرَّم ،نُورِ مُجَسَّم ،رسولِ اَکرم،شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے کیا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:''اس کی مجھ سے ملاقات کراؤ۔'' پھر جب میں حاضرِ خدمت ہوا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھ سے استفسار فرمایا:'روزہ کیسے رکھتے ہو؟'' میں نے عرض کی:''ہر دن رکھتا ہوں۔''استفسار فرمایا:'' قرآن کس طرح ختم کرتے ہو؟''میں نے عرض کی:''ہر رات ختم کرتا ہوں۔''اس کے بعد راوی نے وہی بیان کیا جو پہلے گزر چکا ہے۔حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کا یہ معمول تھا کہ جومنزل (یعنی قرآنِ پاک کا ساتواں حصہ) رات کو پڑھنی ہوتی وہ دن کے وقت اپنی زوجہ کو سنا دیتے تھے تا کہ رات کو پڑھنا آسان ہوجائے۔'' (2)

---

(1)......فتح القدیر شرح الھدایة ،کتاب الصوم ،باب ما یوجب القضاء والکفارة،ج۲،ص۲۷۲.

(2)......ریاض الصالحین للنووی ،باب فی الاقتصاد فی الطاعة تحت الحدیث:۱۵۰، ص ۵۳ تا ۵۴.

اسی پانچویں روایت کے آخر میں ہے: ''اور وہ (حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جب قوت حاصل کرنے کا اِرادہ کرتے تو کئی دنوں تک روزہ نہ رکھتے۔ پھر اُن دنوں کا حساب لگا کر ان کی مثل روزے رکھتے۔'' یعنی بعد والے دنوں میں روزے رکھتے۔ اس طرح گزشتہ اَیام میں ناغہ کرنے والے شمار نہ ہوتے کیونکہ ان کے بدلے کے بعد میں روزے رکھ لیتے۔ پس ان کے قضا روزوں کے دن بھی روزوں میں گزرتے اگرچہ اس موجودہ دن میں ان کا روزہ نہ ہوتا اور ایسا کرنے کی وجہ اس روایت میں یہ بیان ہوئی: ''کیونکہ انہیں کسی ایسی شے (یعنی عبادت) کا چھوڑنا پسند نہیں تھا جس پر سرکارِ مدینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان سے جدا ہوئے تھے۔'' یعنی حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ظاہری حیات کے زمانہ میں اپنے آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ یہ اعمال بجالاتے رہیں گے اور ان میں کوئی کمی نہیں کریں گے کیونکہ اس وقت وہ ایسا کرنے کی بھرپور طاقت رکھتے تھے۔

چھٹی رِوایت کی شرح

دسویں حدیث شریف کی چھٹی روایت میں یہ بھی ہے کہ تاجدارِ مدینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے روزے ہیں۔'' ان کے روزے اس طرح ہوتے تھے کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور یہاں زیادہ پسندیدہ ہونا اس اِرادہ سے فرمایا کہ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور بارگاہِ رب العزت میں ایسا عمل پیش کرنے والے کے دَرجات بلند ہوتے ہیں۔ نیز اس روایت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ''اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی نماز ہے۔ وہ آدھی رات آرام کرتے اور رات کا تہائی حصہ نماز پڑھتے اور رات کا چھٹا حصہ آرام کرتے تھے۔'' یعنی آپ عَلَیْہِ السَّلَام یا تو رات کے نصفِ اَوَّل میں یا نصفِ آخر میں آرام فرماتے۔ یوں ہی تہائی رات نماز نصفِ اَوَّل کے بعد یا اس سے پہلے پڑھتے اور یہی صورت رات کے چھٹا حصہ آرام فرمانے میں ہوتی یعنی رات کے شروع یا آخر میں سے جو وقت بچتا اس میں آرام فرماتے۔ پس آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی کل نیند شریف رات کا دو تہائی ہوتی اور نماز ایک تہائی اور نماز کے شروع یا آخر دونوں وقت میں پڑھنے کا احتمال ہے یا پھر کبھی آرام پہلے فرماتے اور نماز بعد میں پڑھتے اور کبھی جدول (معمول) اس کے برعکس ہوتا۔

فرشتے تم سے مصافحہ کریں!

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کی اس دسویں حدیثِ پاک سے مشابہت رکھنے والی ایک دوسری حدیث شریف وہ ہے جسے حضرت سیِّدُنا امام محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ٦٧٦ھ) نے اپنی کتاب ''رِیَاضُ الصَّالِحِیْن'' میں نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا حنظلہ بن ربیع اسیدی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبیٔ اکرم، نورِ مجسم، شاہ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے کاتبین (یعنی وحی وغیرہ لکھنے والوں) میں سے ایک تھے۔ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: ''اے حنظلہ! کیا حال ہے؟'' میں نے عرض کی: ''حنظلہ تو منافق ہوگیا ہے۔'' آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: ''سُبْحَانَ اللّٰہ! یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے عرض کی: ''ہم جب مدنی آقا، دوعالَم کے داتا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہمارے سامنے جنت ودوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو گویا ہم انہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس سے جاتے ہیں تو بیویوں، اولاد اور کاروبار میں مصروف ہوکر بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔'' اس پر امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ہم بھی اسی حالت میں ہیں۔'' حضرت سیِّدُنا حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ دونوں حضور نبیٔ رحمت، شفیع امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہوئے۔ میں بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوا: ''یا رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم! حنظلہ تو منافق ہوگیا ہے۔'' تو رحمتِ عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''وہ کس طرح؟'' میں نے عرض کی: ''ہم آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہمیں جنت ودوزخ کی یاد دلاتے ہیں گویا ہم جنت ودوزخ کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جب آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو بیویوں، اولاد اور کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔'' آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم ہر وقت اسی حالت پر رہو جس حالت میں میرے پاس

ہوتے ہو اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو تو فرشتے تمہارے بستروں اور راستوں میں تم سے مصافحہ کریں۔ مگر اے حنظلہ! وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔'' اور یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔ (1)

میانہ روی کے متعلق اقوالِ فقہا

فقیہ کی تعریف:

فقیہ اس عالم کو کہتے جو فروعِ عملیہ کے بارے میں مجتہد کے مذہب کو جانتا ہو اور طریقہ محمدیہ کے اس مقام پر فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام سے مراد فقہائے احناف ہیں۔ یعنی اب فقہائے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے وہ اقوال بیان کئے جائیں گے جو عمل میں میانہ روی کے متعلق ہیں اور یہ بہت زیادہ ہیں (ان میں سے چند بیان کئے جاتے ہیں)۔

پہلا قول: (فرائض میں رکاوٹ بننے والی ریاضت جائز نہیں)

(حضرت سیِّدُنا امام عبداللہ بن محمد بن مودود موصلی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۳ھ) اپنی کتاب) ''اَلْاِخْتِیَار شَرْحُ الْمُخْتَار'' میں فرماتے ہیں: ''بندے کا کھانے میں اتنی کمی کر کے ریاضت کرنا جائز نہیں جس سے وہ فرائض کی ادائیگی نہ کر سکے۔ چنانچہ، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا: ''اے معاذ! تمہارا نفس تمہاری سواری ہے لہٰذا اس پر نرمی کیا کرو۔'' (2) اور یہ نرمی نہیں ہے کہ اس کو بھوکا رکھا جائے اور کمزور کر دیا جائے اور یہ اس لئے بھی ناجائز ہے کہ جس طرح فرض و واجب عبادت کو چھوڑ دینا ناجائز ہے اسی طرح جو چیز اس عبادت کو چھوڑنے کا سبب بنے وہ بھی ناجائز ہے۔'' (3)

پہلے قول کی تشریح

ریاضت سے مراد نفس کو اچھے اخلاق سکھانا ہے اور اس طرح کی ریاضت کہ کھانے اور پینے میں اس قدر کمی کر دینا جس کے سبب جسم اتنا کمزور ہو جائے کہ فرائض کی ادائیگی سے بندے کی ظاہری و باطنی قوتیں عاجز آ جائیں۔ اس

---

(1) ......ریاض الصالحین للنووی، باب فی الاقتصاد فی الطاعة، تحت الحدیث: ۱۵۱، ص ۵۴۔

(2) صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرة ......الخ، الحدیث: ۶۹۶۶، ص ۱۱۵۴.

(3) ......المبسوط، کتاب الکسب، ج۱۵، الجزء ۳۰، ص ۳۰۱. ......الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الکراهیة، ج۴، ص ۱۸۵.

اعتبار سے کہ وہ انہیں کھڑے ہوکر سہولت کے ساتھ ادا نہ کر سکے اور خیالات کے فساد کے سبب رکعتوں، سجدوں اور تسبیحات کی تعداد یاد نہ رکھ پائے۔ ایسی ریاضت ناجائز ہے۔ بعض کتبِ فقہ میں یہ قول یوں لکھا ہے کہ ''بندے کا کھانے میں اتنی کمی کے ساتھ ریاضت کرنا جائز نہیں جس سے بندہ عبادت کی ادائیگی نہ کر سکے۔'' اور عبادت کا مفہوم، فرائض سے زیادہ عام (یعنی وسیع) ہے پس یہ نوافل کو بھی شامل ہے۔

نفس کسے کہتے ہیں؟

مذکورہ قول میں بیان کردہ حدیث شریف میں نفس کا ذکر ہے اور نفس وہ ہے جس کے سبب تم دنیاوی زندگی میں موجود ہو اور یہی وہ شے ہے جسے تم ''اَنَا یعنی مَیں'' کہہ کر تعبیر کرتے ہو۔ یہی وہ مکلّف ہے جسے امر اور نہی سے خطاب کیا جاتا ہے۔ یہ جسم میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے جس طرح پھول میں اس کا عرق سرایت کئے ہوئے ہے۔ یہ موت کے سبب جسم سے جدا ہو جاتا ہے۔ جب جدا ہوتا ہے تو جسم اور اس کے اجزاء پر اس طرح پھیل جاتا ہے جس طرح سورج کی روشنی زمین میں پھیل جاتی ہے اور یہ اپنے عالَم میں یا تو نعمتوں میں ہوتا ہے یا دردناک عذاب میں۔

نیز حدیثِ پاک میں نفس کو سواری کہا گیا ہے۔ سواری اس چوپائے کو کہتے ہیں جو تیز چلتا ہو اور انسان کا نفس اس لئے اس کی سواری ہے کہ وہ اسی کے سبب سے قائم ہے اور دنیا میں اس کا وجود اسی وقت تک ہے جب تک نفس نے اس کے جسم کو اٹھایا ہوا ہے اور باوجود یہ کہ انسان نفس کا غیر نہیں، نفس کا اس کی سواری ہونا اس کے عالم و معلوم کی طرف تقسیم ہونے کے اعتبار سے ہے۔ پس معلوم ہونے کی حیثیت سے نفس انسان کی سواری ہے نہ کہ عالم ہونے کی حیثیت سے۔

نفس پر نرمی کا مطلب:

ماقبل حدیث شریف میں نفس پر نرمی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے نفس کی دیکھ بھال کیا کرو اور جن جائز اشیاء سے نفس کی بقا وابستہ ہے وہ بقدرِ حاجت اسے دیتے رہو اور یہ بات نرمی سے تعلق نہیں رکھتی کہ نفس کو بھوکا رکھ کر کمزور اور لاغر کر دیا جائے۔ اس لئے کہ نفس کی تخلیق اس طریقے سے کی گئی ہے کہ وہ فطری و قدرتی مادہ (یعنی کھانے پانی وغیرہ) کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ کوئی فرشتہ نہیں کہ تسبیح، خشوع اور حضورِ قلبی ایسی روحانی و معنوی غذا سے سیر ہو جائے۔ غایت درجہ معاملہ یہ ہے تم اس نفس پر فطری مادہ کی اتنی کثرت نہ کرو کہ یہ حیوانیت پر اتر آئے اور اس کی

رعایت کرنے میں میانہ روی اختیار کی جائے کیونکہ تم عالَمِ تکلیف (یعنی دنیا) میں اپنی بقا کی مدت تک نفس کے محتاج ہو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بھی تمہیں اس کی حفاظت اور اسے بچانے کا حکم دیا۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (پ۲، البقرۃ:۱۹۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

﴿۲﴾

قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا (پ۲۸، التحریم:۶) ترجمۂ کنزالایمان: اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔

اور جب تم اس کی رعایت اور حفاظت کرنا چھوڑ دو گے تو یہ کمزور ہو جائے گا اور اس کی کمزوری کے سبب تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت سے عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔ لہٰذا جب تمہارے لئے اس کے بغیر عبادت کرنا ناممکن ہے تو پھر تم پر اس کے حقوق کی رعایت لازم ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں حضرت سیِّدُنا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں گزرا کہ ''تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔''

کھانا اعظم فرائض میں سے ہے:

کتاب ''اَلْاِخْتِیَار شَرْحُ الْمُخْتَار'' میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ''جو چیز فرض وواجب عبادت کو چھوڑنے کا سبب بنے وہ بھی ناجائز ہے۔'' مطلب یہ کہ نفس کے حقوق کی رعایت نہ کرنا بھی ناجائز ہے۔ چنانچہ،

''اَلشِّرْعَة'' اور اس کی شرح میں ہے: ''کھانا کھانا اعظم فرائض میں سے ہے کیونکہ یہ تمام بھلائیوں کی جان اور بنیاد ہے اس لئے کہ خیر و بھلائی کا حصول بدن کی سلامتی پر موقوف ہے اور بدن کی سلامتی کھائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور کھانے پینے کا علم، عبادت کے علم پر مقدم ہے کیونکہ عبادت ان دونوں چیزوں سے قائم ہوتی ہے۔ جس طرح نماز طہارت کے ذریعے قائم ہے یوں کہ بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں یہ یاد رہے کہ نماز کا کھانے، پینے سے قائم ہونا یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مخلوق میں جاری عادت کے اعتبار سے ہے۔ البتہ عقلی طور پر بغیر کھائے پیئے نماز کی ادائیگی ممتنع نہیں اور باوجود یہ کہ کھانے پینے کا علم عبادات کے علم پر مقدم ہے مگر کتب میں عبادات کی فصول کو کھانے پینے کی فصل پر مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت بذاتِ خود مقصود ہے جبکہ کھانا پینا واسطہ وذریعہ ہیں۔

پہلے کھانے کا طریقہ سیکھو پھر آدابِ عبادت:

منقول ہے کہ ایک شخص نے اِمَامُ الْمُعَبِّرِیْن (یعنی خوابوں کی تعبیر بتانے والوں کے پیشوا) حضرت سیِّدُ نا امام محمد بن سیرین بصری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۱۰ھ) سے عرض کی: ''مجھے عبادت اور اس کے آداب سکھلائیے۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''تم کھانا کس طرح کھاتے ہو؟'' اس نے عرض کی: ''میں کھاتا ہوں حتی کہ سیر ہو جاتا ہوں۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''چوپایوں کی طرح نہ کھایا کرو۔ جاؤ، پہلے کھانے پینے کا طریقہ سیکھو پھر عبادت اور اس کے آداب سیکھنا۔'' اور ایسا ہی ''اَلْخَالِصَة'' میں مذکور ہے۔ (1)

نفس کو بھوکا رکھنے کا جائز طریقہ:

(سیدی عبدالغنی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد نے ''شَـرْحُ الدُّرَر'' کی شرح میں ''اَلْاِخْتِیَار'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہ سب ذکر کرنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: نفس کو اس طرح بھوکا رکھنا کہ وہ عبادات کی ادائیگی سے عاجز نہ آئے یہ مباح (یعنی جائز) ہے اور اس میں نفس کی ریاضت ہے اور اس کے ذریعے کھانا صرف خواہش بن کر رہ جائے گا برخلاف پہلی صورت کے کیونکہ وہ تو نفس کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور اسی طرح وہ نوجوان جسے شہوت کا خوف ہو تو اس کے لئے کھانے سے باز رہنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ وہ بھوک کے ذریعے اپنی شہوت کی کاٹ کرے جیسا کہ (روزے کے بارے میں) حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''یہ شہوت کو توڑنے والا ہے۔'' مگر نوجوان اتنی کمی کرے کہ عبادات کی ادائیگی سے عاجز نہ آئے۔ (2)

دوسرا قول: (کسب کرنا بھی ضروری ہے)

کسب کی اَقسام اور اَحکام کا بیان:

(حضرت سیِّدُ نا امام عبداللہ بن محمد بن مودود موصلی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۸۳ھ) اپنی کتاب) ''اَلْاِخْتِیَار شَرْحُ

---

(1)......مفاتیح الجنان و مصابیح الجَنان الشهیربـ''شرح الشرعة'' لمولی یعقوب،بن سیدعلی البروسوی.

(2)......الاختیارلتعلیل المختار،کتاب الکراهیة ،ج٤،ص١٨٥.

الْمُخْتَار'' میں فرماتے ہیں: کسب یعنی حصولِ رزق کے لئے کوشش، کی کئی اقسام ہیں: (۱)......فرض، کہ اپنے اور اپنے عیال اور قرضوں کی ادائیگی کے لئے بقدرِ کفایت کمانا فرض ہے تو اگر بقدرِ کفایت کمانے کے بعد قدرت کے باوجود کمانا چھوڑ دے تو یہ جائز ہے (۲)......اور اگر بندہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے کسب کر کے (کھانے، پینے اور پہننے کی اشیاء وغیرہ) آئندہ سالوں کے لئے جمع کر رکھے (تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے) تو ایسا کرنا مباح یعنی جائز ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اِمَامُ الصَّابِرِیْن، سَیِّدُ الشَّاکِرِیْن، سُلْطَانُ الْمُتَوَکِّلِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اپنے گھر والوں کے لئے ایک سال تک کی غذا رکھا کرتے تھے (۳)......تیسری قسم مستحب کسب کی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال اس لئے کمائے تاکہ محتاجوں کی غم خواری کرے یا اپنے رشتے داروں کی خیر خواہی کرے۔ ایسا کسب نفلی عبادت میں مشغول ہونے سے افضل و بہتر ہے کیونکہ نفلی عبادت کا نفع صرف اسی کو ملے گا جبکہ بیان کردہ صورت پر مال کمانے کا نفع اسے بھی ہوگا اور دوسروں کو بھی ہوگا۔ چنانچہ، مَحْبُوبِ رَبُّ العزت، مُحسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔''[1]

دوسرے قول کی تشریح

(1)......فرض کسب کی تفصیل:

مطلق کسب سے مراد شرعی طریقہ کے مطابق زندگی گزارنے کے اَسباب کا حصول ہے اور یہاں جو فرمایا کہ ''کسب کی کئی اقسام ہیں'' اس سے مراد چار قسمیں ہیں (چوتھی قسم آگے بیان کی جائے گی)۔ کسب کی پہلی قسم فرض ہے۔ اس حیثیت سے کہ اچھی نیت کے ساتھ اس فرض پر عمل کرنے سے ثواب پائے گا اور عمل ممکن تھا مگر چھوڑ دیا تو چھوڑنے پر پکڑ ہوگی۔ **بقدرِ کفایت** سے مراد اتنا کمانا کہ اسے کافی ہو جائے اور اس کی حاجت پوری کر دے۔ اور **عیال** میں بیوی بچے، ماں باپ اور وہ لوگ داخل ہیں جن کا نفقہ یعنی کھانے پینے اور لباس و رہائش کی ذمہ داری اس پر واجب ہے اور جہاں تک قرض کی ادائیگی کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ ہے کہ اگر ادا کرنے کی قدرت ہو تو مقروض پر قرض کی

[1] ......شعب الایمان للبیہقی، باب فی التعاون علی البر والتقوی، الحدیث: ٧٦٥٨، ج٦، ص١١٧۔
الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الکراھیۃ، ج٤، ص١٨٣۔

ادائیگی فرض ہے اور جو شخص ادا کرنے سے عاجز تھا یعنی ادا کرنے پر قادر نہ تھا اور موت آ گئی پس اس کی نیت تھی کہ قدرت ملتے ہی ادا کر دوں گا تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔ چنانچہ، (حضرت سیِّدُنا امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب الدین المعروف ابن البزاز کردری حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۸۲۷ھ) کی کتاب) ''اَلْفَتَاوٰی الْبَزَّازِیَۃ'' کے ''کِتَابُ الزکٰوۃ'' کی ابتدا میں ہے: ''کوئی شخص فوت ہو گیا اور اس پر قرض تھا پس اگر اس کی ادا کرنے کی نیت تھی تو اس سے بروزِ قیامت اس کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہوگی کیونکہ ٹال مٹول کرنا نہیں پایا گیا۔''[1]

تلاشِ رزق کے فرض ہونے پر دلائل:

(سیدی عبدالغنی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) میرے والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد ''شَرْحُ الدُّرَر'' کی شرح میں فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا محمد بن سماعہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''حصولِ رزق کی کوشش کرنا فرض ہے جس طرح علم دین حاصل کرنا فرض ہے۔'' اور یہ اس حدیث شریف کی رو سے درست ہے جسے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا کہ سیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''حصولِ رزق کی کوشش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''[2] اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''حصولِ رزق کی کوشش کرنا فرض نماز کے بعد ایک اہم فرض ہے۔''[3] یعنی فرض کے بعد فرض ہے اور کسب اس لئے بھی فرض ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اسی کے ذریعے ہوتی ہے تو یہ (یعنی حصولِ رزق کی کوشش) بھی فرض ہوا۔ کیونکہ بدن کی قوت و سلامتی کے بغیر عبادات کو بجا لانا ناممکن نہیں اور بدن کی قوت و سلامتی عادی اور فطری طور پر غذا سے ہی حاصل ہوتی ہے۔[4]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (پ۱۷، الانبیآء:۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے انہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں۔

---

[1] ......الفتاوی البزازیۃ مع الفتاوی الھندیۃ، کتاب الزکاۃ، الاول فی المقدمۃ، ج٤، ص٨٤.

[2] ......احیاء علوم الدین، کتاب الحلال والحرام، الباب الاول فی فضیلۃ الحلال ومذمۃ الحرام، ج٢، ص١١٣

[3] ......شعب الایمان، باب فی حقوق الاولاد والاھلین، الحدیث: ٨٧٤١، ج٦، ص٤٢٠.

[4] ......مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الکراھیۃ، فصل فی الکسب، ج٤، ص١٨٣

یہاں کھانے اور غذا کو بدن کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے اور غذا کا حصول کسب ہی سے ہوتا ہے۔ نیز کسب کا فرض ہونا اس لئے بھی ہے کہ طہارت یعنی پاکی کے حصول میں پانی کے استعمال کے لئے برتن کی ضرورت پڑتی ہے اور یوں ہی نماز کی ادائیگی میں سترِ عورت کے لئے کپڑا درکار ہوتا ہے اور ان کا حصول کسب ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ [1]

کسب کرنا انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی سنت ہے:

حصولِ رزق کے لئے کوشش کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرات انبیائے کرام اور رُسلِ عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام بھی کسب یعنی حصولِ رزق کے لئے کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُنا آدم صفی اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام گندم بوتے، اسے سیراب کرتے، اس کی کٹائی کرتے، اسے گاہتے، پھر اسے پیستے، پھر اس کا آٹا گوندکر روٹی تیار فرماتے۔ منجملہ یہ کہ کھیتی باڑی کا کام کرتے۔ حضرت سیِّدُنا نوح نجی اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام بڑھئی کا کام کیا کرتے۔ حضرت سیِّدُنا ابراہیم خلیل اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کپڑے بُن کر گزارا کرتے۔ حضرت سیِّدُنا داؤد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام زِرہیں بناتے۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کھجور کے پتوں سے ٹوکریاں بنا کر فروخت کیا کرتے تھے اور ہمارے آقا ومولیٰ رسولوں کے سالار، باذنِ پروردگار دوعالم کے مالک ومختار، شہنشاہِ ابرار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اپنی بکریاں چرایا کرتے تھے اور یہ تمام عالی رتبہ حضرات کسب کرکے ہی کھاتے تھے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیشے:

حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرح خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین بھی کسب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ، امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کھالوں کا کام کرتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ تاجر تھے۔ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ خورد ونوش کی اشیاء ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاکر فروخت کرتے اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم مزدوری کیا کرتے تھے۔

---

[1] ......مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الکراهية، فصل فی الکسب، ج٤، ص١٨٣.

توکل کے متعلق ایک غلط نظریہ:

(سیدی عبدالغنی کے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما مزید فرماتے ہیں) بندے کو چاہیے کہ اس جماعت کی طرف بالکل دھیان نہ دے جنہوں نے کسب یعنی حصولِ رزق کے لئے کوشش سے انکار کیا اور مسجدوں میں بیٹھ گئے۔ جبکہ ان کی نظریں لوگوں کی طرف اٹھی رہتی ہیں اور ان کے ہاتھ لوگوں کے مال کی طرف پھیلے رہتے ہیں اور وہ اپنے زعمِ فاسد میں خود کو ''توکل'' والوں میں شمار کرتے ہیں مگر وہ ایسے ہیں نہیں اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان سے دلیل پکڑتے ہیں:

وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ (پ۲۶، الذّٰریٰت:۲۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

ان جاہلوں نے اس آیتِ مبارکہ کا ایسا معنی وتاویل کر کے اپنے لئے حیلہ تراشا ہے کیونکہ اس آیت سے مراد تو بارش ہے جو رزق کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے اور اگر رزق آسمان سے اترتا ہوتا تو پھر ہمیں کمانے اور اسباب اپنانے کا حکم نہ دیا جاتا۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (پ۲۹، الملك:۱۵)

ترجمۂ کنز الایمان: تو اس کے رستوں میں چلو اور اللہ کی روزی میں سے کھاؤ۔

﴿۲﴾ نیز ارشاد فرماتا ہے:

اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (پ۳، البقرة:۲۶۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''اے میرے بندے! ہاتھ تو ہلا روزی میں دوں گا۔''(1)

﴿۳﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم ارشاد فرمایا:

وَ هُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ﴿۲۵﴾ (پ۱۶، مریم:۲۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی۔

1...... كتاب المبسوط للسرخسی، كتاب الكسب، ج۱۵، الجزء ۳۰، ص۲۷۴۔

المستطرف، الباب الخامس والخمسون فی العمل والكسب......الخ، ج۳، ص۱۰۹ مفهوما ومنسوبا الی التوراة۔

حالانکہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ٹہنی کو ہلانے کے بغیر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں رزق عطا فرمانے پر قادر ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں ٹہنی ہلانے کا حکم فرمایا تاکہ بندوں کو سکھائے کہ وہ اسباب کو ترک نہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہے۔

انسان کی چار طریقوں سے تخلیق:

بیان ہوا کہ سبب اختیار کئے بغیر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کو رزق دینے پر قادر ہے۔ مگر وہ بندوں کی تعلیم کے لئے سبب اختیار کرنے کا حکم ارشاد فرماتا ہے اور اس کی مثال انسان کی تخلیق ہے۔ یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ مرد اور عورت کے بغیر انسان کی تخلیق پر قادر ہے جیسے حضرت آدم صفی اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی تخلیق۔ کبھی اللہ عَزَّوَجَلَّ بغیر عورت کے صرف مرد سے پیدا کرتا ہے جیسے حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تخلیق۔ کبھی وہ بغیر مرد کے صرف عورت سے پیدا کرتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ روح اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی تخلیق اور کبھی مرد اور عورت دونوں سے پیدا فرماتا ہے جیسے تمام بنی آدم کی تخلیق لہٰذا جب بندے کا نکاح کے ذریعے اولاد طلب کرنا بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خالق ہونے کے منافی نہیں تو اسی طرح بندے کا اسباب کے ذریعے رزق طلب کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رزاق ہونے کے منافی نہیں۔ الغرض اس بات پر دلائل بہت ہیں اور اس کے بارے میں وارد احادیثِ مبارکہ وافر مقدار میں ہیں اور ان تمام کو بیان کرنے سے ہماری اس کتاب کا دامن تنگ ہے اور جتنا بیان ہوا وہ نتیجہ اور اطمینان کے لئے کافی ہے اور ایسا ہی ''الاختیار'' اور ''جامع الفتاوی'' میں ہے۔''[1]

مَیں (یعنی علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی) کہتا ہوں: یہ انتہائی اچھا کلام ہے اور یہ ان بے کار لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل ہیں اور ان کے باطن لوگوں میں مشغول اور اپنی شہوات کی تکمیل میں مصروف ہیں اور وہ حضرات جن کے دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد میں اور باطن ہر حال میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طلب کے لئے فارغ ہیں اس طرح کہ ان کے دل اور پیشانیاں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں۔ وہ اس سے نہ تو آخرت کی نعمتیں طلب کرتے ہیں اور نہ ہی کسی عذاب سے ڈرتے ہیں۔ وہ صرف اور صرف اسی کے طلب گار ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں۔ اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ چہ جائیکہ دنیا کی عارضی لذتوں میں رغبت رکھنا (یعنی یہ تو بہت دور کی بات ہے)۔ معلوم ہوا کہ فقہا کا یہ کلام

[1] ......الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الکراھیۃ، ج٤، ص١٨١.

ان لوگوں کے بارے میں بالکل نہیں اور ایسی ہستیاں اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تا قیامت لوگوں میں موجود رہیں گی۔

تارکِ کسب پر بدگمانی جائز نہیں:

یاد رہے کہ اگر کوئی، کسی شخص کو مسجد وغیرہ میں دیکھے کہ اس نے توکل کرتے ہوئے حصولِ رزق کی کوشش ترک کر رکھی ہے تو دیکھنے والے کو اس کے بارے میں یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ یہ شخص انہی لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام نے فرض کسب ترک کرنے پر گنہگار ہونے کا حکم لگایا۔ خاص طور پر ایسی حالت میں جب اس کے اہل وعیال، فقر ومحتاجی میں مبتلا ہوں اور وہ عبادت میں مشغول ہے یعنی ایسی صورت میں بھی بدگمانی کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے یہ ان لوگوں میں سے ہو جن کو اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے ماسوٰی سے مستغنی فرما دیا اور پھر بدگمانی تو حرام ہے نیز تجسس بھی حرام ہے۔ بلکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کا کلام اس شخص کے بارے میں اپنی جگہ برقرار ہے جو علمِ الٰہی میں فقہا کے بیان کردہ اوصاف سے متصف ہے اور ہمارا کلام بھی اس شخص کے متعلق اپنی جگہ قائم ہے جو علمِ الٰہی میں ہماری ذکر کردہ صفات سے متصف ہے۔ **وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ** یعنی اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔

﴿2﴾......مباح کسب کی تفصیل:

کسب کی اقسام میں سے دوسری قسم مباح (یعنی جائز) ہے کہ جس میں نہ گناہ ہے اور نہ ہی اس پر ثواب ہے اور صاحبِ طریقہ محمدیہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے دوسری قسم کی طرف اپنے درج ذیل قول سے اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ،

"**اَلْاِخْتِیَار شَرْحُ الْمُخْتَار**" میں ہی فرمایا گیا: "اور اگر بندہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے کسب کر کے (کھانے، پینے اور پہننے کی اشیاء وغیرہ) آئندہ سالوں کے لئے جمع کر کے رکھے (تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے) تو ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ **امام الصَّابِرِیْن، سَیِّدُ الشَّاکِرِیْن، سُلْطَانُ الْمُتَوَکِّلِیْن** صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اپنے گھر والوں کے لئے ایک سال تک کی غذا جمع رکھا کرتے تھے۔"[1]

---

[1] ......الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الکراھیة، ج٤، ص١٨٣۔
صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنة علی اھله......الخ، الحدیث: ٥٣٥٧، ص٤٦٢، مفھومًا۔

”اَ لْاِ خْتِیَار“ میں مذکورحدیثِ پاک کی شرح:

اگرآئندہ کے لئے جمع کر کے رکھنا مکروہ ہوتا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ایسا ہرگز نہ کرتے۔حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے ”اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر“ کی شرح میں ذکرفرمایا کہ ”حضرت سیِّدُنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مؤقف یہ ہے کہ ”ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا حرام ہے۔““[1] جبکہ حضور نبی ٔکریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا عمل مبارک (یعنی ایک سال تک کی غذا رکھنا) اس مؤقف کی تردید کرتا ہے اور حضرت سیِّدُنا سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول ہے کہ ”انسان، چیونٹی، چوہے اور کوّے کے سوا کوئی جاندار اپنی غذا کو ذخیرہ نہیں کرتا۔“[2]

آرائش کے لئے مال کمانے کا حکم:

زیب وآرائش کے لئے ضرورت سے زیادہ مال کمانا کسبِ مباح میں سے ہے (یعنی جائز ہے)۔ چنانچہ، (حضرت سیِّدُنا امام عیسٰی بن محمد قرشہری حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی مابعد ۷۳۴ھ) کی تصنیف) ”اَلْمُبْتَغٰی“ میں ہے: زینت وآرائش اور خوش حالی کے لئے جو کسب کیا جائے وہ مباح یعنی جائز ہے۔حتی کہ عمارتیں بنانا، دیواروں پر نقش ونگار کرنا اور لونڈی وغلام خریدنا (یہ اب نہیں پائے جاتے) یہ سب مباح ہے۔اس فرمانِ مصطفٰی کی رُو سے کہ ”اچھا مال نیک آدمی کے لئے اچھا ہے[3]۔“[4]

خیال رہے کہ کسب کی یہ قسم اس وقت مباح یعنی جائز ہے جبکہ مال کمانا تکبر، لوگوں پر فخر اور بڑائی جتانے کے لئے نہ ہو ورنہ یہ قسم حرام میں سے ہوگا اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور اس معاملہ میں جتنا ممکن ہو لوگوں سے حسن ظن رکھا جائے۔ان پر کسی قسم کی بدگمانی نہ کی جائے اور نہ ہی ان کی ٹوہ میں پڑا جائے۔

[1] ......عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج٦، ص ٣٤١ ـ فیض القدیر للمناوی ،تحت الحدیث: ٢٣٣٣، ج٢، ص٥٩٩ اشارة.

[2] ......حیاة الحیوان الکبری ،باب الفاء ،الفار ، ج٢، ص٢٧٢ .

[3] ...... خیال رہے خراب پیٹرول مشین خراب کر دیتا ہے اسی طرح خراب غذا انسان کے دل ودماغ، خیال، نیت سب کو خراب کر دیتی ہے۔(مراۃ المناجیح، ج٥، ص٣٩١)

[4] ......شعب الایمان للبیهقی ،باب التوکل والتسلیم ، الحدیث: ١٢٤٨، ج٢، ص٩١.

﴿3﴾......مستحب کسب کی تفصیل:

تیسری قسم مستحب کسب کی ہے (یعنی اس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ نہیں) اور اس کی صورت یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال اس لئے کمائے تاکہ محتاجوں کی غم خواری کرے یا اپنے رشتے داروں کی خیر خواہی کرے۔ ایسا کسب نفلی عبادت میں مشغول ہونے سے افضل و بہتر ہے کیونکہ نفلی عبادت کا نفع صرف اسی کو ملے گا جبکہ بیان کردہ صورت پر مال کمانے کا نفع اسے بھی ہوگا اور دوسروں کو بھی۔ چنانچہ، مَحْبوبِ رَبُّ العزت، مُحسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔'' [1]

محتاجوں اور رشتہ داروں کی خیر خواہی:

بیان ہوا کہ محتاجوں کی غم خواری کے لئے ضرورت سے زیادہ کمانا مستحب ہے اور محتاجوں کی غم خواری یہ ہے کہ ان کی ایسی خدمت کرے کہ ان کی ضرورت پوری ہو جائے اور وہ لوگوں سے مستغنی و بے پرواہ ہو جائیں۔ تو اگر کوئی بچی ہوئی اشیاء محتاجوں کو دے گا تو یہ غم خواری نہیں کہلائے گی اور یہاں اپنی ضرورت سے اوپر کا مال کمانا مراد ہے حتیٰ کہ وہ اس سے کمزوروں کی غم خواری کرے۔ پھر محتاج خواہ مرد ہو یا عورت یا پھر مخنث (یعنی ہیجڑا)، خواہ قریب کا ہو یا دور کا، سب کی غم خواری اس میں شامل ہے اور یہ بھی ذکر ہوا کہ رشتہ داروں کی خیر خواہی کے لئے زائد از ضرورت کمانا مستحب ہے۔ اس میں مفلس و کنگال اور دور کے تمام عزیز و اقارب داخل ہیں اور اس کو صلہ رحمی کہتے ہیں اور تحفہ وغیرہ کے ذریعے اس پر عمل ہوسکتا ہے اور ''**مُلْتَقَی الْاَبْحُر**''[2] میں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ ''رشتہ دار سے صلۂ رحمی کرنے کے لئے ضرورت سے زیادہ کسب کرنا مستحب ہے۔''

مسلمانوں کو نفع پہنچانے کی 7 صورتیں:

''**اَلْاِخْتِیَار شَرْحُ الْمُخْتَار**'' میں یہ حدیث شریف بھی بیان ہوئی کہ ''لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں

---

[1] ......شعب الایمان للبیهقی، باب فی التعاون علی البر والتقوی، الحدیث: ۷۶۵۸، ج۶، ص۱۱۷۔

الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الکراهیة، ج۴، ص۱۸۳.

[2] ......ملتقی الابحر مع شرحه مجمع الانهر، کتاب الکراهیة، ج۴، ص۱۸۴.

کونفع پہنچائے۔''اور نفع پہنچانے کی کئی صورتیں ہیں:(۱)......مسلمان پر مال صدقہ کرے یا(۲)......اسے حق بات بیان کرے یا(۳)......اس کے ساتھ نیک عمل اپنانے یا(۴)...... براعمل ترک کرنے پر تعاون کرے یا(۵)...... اسے نفع بخش علم سکھائے یا(۶)......اس کے لئے دعا کرے یا(۷)......اس کے لئے استغفار کرے۔

﴿4﴾......مکروہ کسب کی تفصیل:

چوتھی قسم مکروہ کسب کی ہے اور وہ ہے فخر وتکبر کے لئے مال جمع کرنا اگرچہ مال، حلال ہو۔ چنانچہ، شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال، دافِعِ رنج و مَلال، صاحبِ جُود و نوال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ''جو شخص تکبر اور بڑائی جتانے کے لئے مال و دولت حاصل کرتا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اِس پر غضب ناک ہوگا۔''[1]

''اَلْاِخْتِیَار شَرْحُ الْمُخْتَار'' میں (کتاب الکراھیۃ، ج٤، ص١٨٤ پر) تو اسی طرح ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ جبکہ ''مُلْتَقَی الْاَبْحُر'' میں اسے حرام کہا گیا ہے کیونکہ یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے اور محررِ مذہبِ حنفی حضرت سیِّدُنا امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد (متوفی ۱۸۹ھ) کے نزدیک ''مکروہ تحریمی بھی حرام ہوتا ہے۔''[2]

کسب کے متعلق عقائد اور ان کے احکام:

''شَرْحُ الشِّرْعَة'' میں ہے: اور یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ کسب، رزق میں مؤثر نہیں۔ جیسے سیری (یعنی پیٹ بھر جانا) کھانے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے۔ یعنی جب کوئی کھانا کھاتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کھانے والے کے لئے سیری کو تخلیق فرما دیتا ہے اور کئی بار کا کھانا ایسا ہوتا ہے کہ وہ کھانا کھانے والے کو سیر نہیں کرتا کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کھانے میں پیٹ بھرنے کی قوت وصلاحیت پیدا نہیں فرماتا اور کہا جاتا ہے کہ کسب کے متعلق عقیدہ کے اعتبار سے لوگوں کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱)......جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ رزق کسب ہی سے ملتا ہے (اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے نہیں) تو وہ کافر ہے۔

---

[1] ......شعب الایمان للبیہقی، باب فی الزھد وقصر الامل، الحدیث: ١٠٣٧٥، ج٧، ص ٢٩٨.

[2] ......ملتقی الابحر مع شرحہ مجمع الانہر، کتاب الکراھیۃ، ج٤، ص١٧٧.

(۲)......جس کا عقیدہ یہ ہو کہ رزق، اللہ عَزَّوَجَلَّ عطا کرتا ہے اور کسب، حصولِ رزق کا سبب ہے نیز وہ کسب کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی نہیں کرتا وہ مخلص مومن ہے۔

(۳)......جو عقیدہ تو یہ رکھے کہ رزق، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی عطا فرماتا ہے مگر کسب کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کرے اور کسب کا حق ادا نہ کرے تو وہ شخص فاسق (گناہگار) ہے۔

(۴)......جو یہ عقیدہ رکھے کہ رزق، اللہ عَزَّوَجَلَّ اور کسب دونوں کی طرف سے ہے (یعنی رزق کے معاملہ میں کسب، اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شریک ہے) تو ایسا شخص مشرک ہے۔

(۵)......اور جس کا اعتقاد تو یہ ہو کہ رزق، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی عطا فرماتا ہے لیکن یہ نہ جانے کہ اس کا رب عَزَّوَجَلَّ اسے رزق دے گا یا نہیں، تو وہ شک کرنے والا منافق ہے۔

یہ سارا کلام ''مِشْکَاۃُ الْاَنْوَار'' اور ''تَنْبِیْہُ الْغَافِلِیْن'' میں بیان کیا گیا ہے۔

زراعت افضل ہے یا تجارت؟

''اَلْخُلَاصَۃ'' میں ہے: جمہور علمائے کرام اور فقہائے عظام رحمہم اللہ السلام کے نزدیک مباح وجائز ہونے کے معاملہ میں کسب کی تمام اقسام (یعنی ذرائع) برابر ہیں۔ البتہ! مشائخ عظام رحمہم اللہ السلام کا اس میں اختلاف ہے کہ زراعت افضل ہے یا تجارت۔ بعض نے فرمایا: ''تجارت افضل ہے۔'' جبکہ ہمارے مشائخ کرام میں سے اکثر کے نزدیک زراعت یعنی کھیتی باڑی افضل ہے۔

تیسرا قول

(نفلی عبادت کے سبب حلال چیزیں چھوڑ دینا مکروہ تحریمی ہے)

(حضرت سیِّدُنا علامہ عالم بن علاء انصاری اندریتی علیہ رحمۃ اللہ الولی متوفی ۷۸۶ھ) ''اَلْفَتَاوٰی التَّاتَارْخَانِیَۃ'' میں فرماتے ہیں: ''لوگوں کا کسی جگہ (یعنی مسجد وغیرہ میں) جمع ہو کر عبادت کرنا اور خود کو اسی میں مشغول رکھنا اور حلال وطیب چیزوں کو ترک کر دینا مکروہ ہے حالانکہ رزقِ حلال کمانا اور شہروں میں نماز جمعہ اور دیگر نمازوں کی جماعتوں کی پابندی کرنا اس ترک سے زیادہ پسندیدہ اور زیادہ لازم ہے۔''

تیسرے قول کی تشریح

یہاں مکروہ سے مرادمکروہ تحریمی ہے کیونکہ جب مطلقاً مکروہ کہا جائے تو اس سے مرادمکروہ تحریمی ہوتا ہے۔حلال وطیب چیزوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے نفع ولذت حاصل کی جائے مثلاً کھانے ،مشروبات ،ملبوسات ،رہنے کے گھر ،نکاح اور گھوڑے وغیرہ سواریاں اور خودکو اسی (عبادت) میں مشغول رکھنے سے مراد یہ ہے کہ دن رات صرف عبادت ہی کرتے رہیں اورکسی وقت بھی کسی مباح وجائز شے میں مشغول نہیں ہوتے ۔پس رزقِ حلال کی طلب ترک کردیتے ہیں اوراپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ جمعہ اور جماعت میں شامل نہیں ہوتے ۔بلاشبہ ایسا کرنے کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ حضرت سیِّدُ ناعبداللہ بن عمرو بن عاص وغیرہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی روایت کردہ حدیث شریف میں گزر چکا ہے اوراپنی ذات پر اوراپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے اورزائدازضرورت کوصدقہ کرنے کے لئے رزقِ حلال کمانا اور جمعہ وجماعت کی پابندی اس لئے زیادہ پسندیدہ اورزیادہ لازم ہے کیونکہ من جملہ بندے پرفرض ہونے کے لحاظ سے یہ زیادہ لازم ہے۔

آسمان سونا چاندی نہیں برساتا:

''شَرْحُ الشِّرْعَة'' میں ہے کہ امیرالمؤمنین حضرت سیِّدُ ناعمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشاد فرماتے ہیں:تم میں سے کوئی رزق کی طلب چھوڑ کر یہ نہ کہتا پھرے:''اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے رزق عطا فرما۔'' کیونکہ تم خوب جانتے ہو کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا۔[1]

کمانے والا بڑا عبادت گزار!

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُ ناعیسٰی روح اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام نے ایک شخص کو دیکھا تو استفسار فرمایا:''تم کیا کرتے ہو؟''اس نے عرض کی:''عبادت کرتا ہوں۔''آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے پھر سوال فرمایا:''تمہیں خوراک کون مہیا کرتا ہے؟''عرض کی:''میرا بھائی۔''تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا:''تمہارا بھائی تم سے بڑا عبادت گزار ہے۔''[2]

---

1 ......احیاء علوم الدین ،کتاب آداب الکسب والمعاش، الباب الاول فی فضل الکسب والحث علیہ ،ج۲،ص۸۰.

2 ......احیاء علوم الدین ،کتاب آداب الکسب والمعاش ،الباب الاول فی فضل الکسب والحث علیہ ،ج۲،ص۷۹۔۸۰.

سوال:

جو کچھ یہاں تک بیان ہوا اس میں اور جو سلف صالحین رحمہم اللہ المبین سے منقول ہے اس میں تعارض وٹکراؤ ہے۔ جیسے سخت ریاضت، کثرتِ مجاہدہ، مختلف عبادات میں بھرپور کوشش، صوم دہر وصوم وصال، ساری رات نماز پڑھنا، من پسند اور حلال چیزوں سے اجتناب اور ایک دن میں ایک یا دو بلکہ کئی کئی بار ختمِ قرآنِ پاک کرنا بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین سے منقول ہے۔ الغرض دونوں باتوں میں تعارض وٹکراؤ ہے؟

سوال کی وضاحت:

سوال کی وضاحت یہ ہے کہ ریاضت، کثرتِ مجاہدات اور رزقِ حلال ترک کرنے کی ممانعت کے متعلق ماقبل جو احادیثِ مبارکہ اور فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کے فرامین بیان ہوئے وہ علمِ طریقت (تصوُّف) کے بارے میں لکھی گئی کتب میں بیان کردہ سلفِ صالحین رحمہم اللہ المبین کی کھانے پینے وغیرہ میں کمی کے ذریعے سخت ریاضتوں سے ٹکراتے ہیں۔

سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کی سخت ریاضتیں:

(حضرت سیِّدُ نا مولی یعقوب بن سید علی البروسوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۳۱ھ) ''مفاتیح الجنان ومصابیح الجنان'' المعروف) ''شَرۡحُ الشِّرۡعَة'' میں فرماتے ہیں: ''راہِ طریقت وارادت کے بعض مسافر (یعنی سلف صالحین رحمہم اللہ المبین) ایسے ہوئے ہیں جو کئی کئی دن بھوکے رہ کر (یعنی فاقہ کر کے) ریاضت کرتے تھے۔ حتی کہ ان میں سے بعض تیس دن اور چالیس دن تک جا پہنچے۔ نیز حضرات علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کے ایک گروہ نے بھی اس کو اختیار کیا اور انہوں نے فرمایا: ''جو چالیس دن کھانا چھوڑ دیتا ہے اس پر بعض اَسرارِ الٰہیہ منکشف (ظاہر) ہو جاتے ہیں۔'' (1)

عیسائی راہب نے اسلام قبول کرلیا:

انہی ریاضت کرنے والوں میں سے ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی عیسائی راہب کے پاس سے گزرے تو اس سے اس کے حال کے بارے میں گفتگو کی اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت پیش کی۔ وہ اس سے کافی دیر تک گفتگو (یعنی بحث ومباحثہ) کرتے رہے حتی کہ راہب نے ان سے کہا کہ ''حضرت سیِّدُ نا عیسیٰ روح اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ

(1)……احیاء علوم الدین، کتاب کسر الشہوتین، بیان طریق الریاضۃ فی کسر شہوات البطن، ج۳، ص۱۱۲.

وَالسَّلَام کا معجزہ تھا کہ 40 دن تک کچھ نہیں کھاتے تھے اور یہ کمال فقط اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سچے نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ہی کو حاصل ہوسکتا ہے۔'' اس پر ان صوفی بزرگ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: ''اگر میں 50 دن تک بھوکا رہ جاؤں تو کیا تم کفر چھوڑ کر اسلام قبول کرلو گے؟'' راہب نے جواب دیا: ''ہاں۔'' چنانچہ، وہ بزرگ اس کے یہاں ٹھہر گئے اور ایسی جگہ بیٹھ گئے جہاں سے وہ راہب ہر وقت انہیں دیکھتا رہتا۔ یہاں تک کہ انہوں نے 50 دن تک کچھ نہیں کھایا۔ پھر اس راہب سے فرمایا: ''میں تمہارے لئے اس میں اور اضافہ کرتا ہو۔'' پھر مزید 10 دن تک بھوکے رہے یوں انہوں نے 60 دن کا فاقہ کیا۔ وہ راہب یہ (کرامت) دیکھ کر بڑا متعجب ہوا اور بولا: ''میں خیال نہیں کرتا تھا کہ کوئی (اس سلسلہ میں) حضرت سیِّدُنا عیسیٰ روح اللہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے بڑھ جائے گا۔'' پھر وہ مسلمان ہوگیا اور یوں یہ کرامت اس کے اسلام قبول کرنے کا سبب بن گئی[1]۔[2]

بعض بزرگوں کی بھوک:

حضرتِ سیِّدُنا عارف باللہ امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''اَلرِّسَالَةُ الْقُشَیْرِیَّة'' میں بیان فرمایا: ''حضرت سیِّدُنا سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ پندرہ دن میں صرف ایک بار کھانا تناول فرماتے تھے اور جب ماہ رمضان آتا تو جب تک (عید کا) چاند نہ دیکھ لیتے کھانا نہ کھاتے اور آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہر رات خالص پانی سے روزہ افطار کرتے۔''

......**دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1548** صفحات پر مشتمل کتاب، ''**فیضانِ سنّت**'' **صفحہ 832** پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا **ابو بلال محمد الیاس عطار** قادری دامت برکاتہم العالیہ اس حکایت کے تحت فرماتے ہیں: ''میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو! اس حکایت سے ہرگز کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ بزرگ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، **معاذ اللہ** عَزَّوَجَلَّ، حضرت سیِّدُنا عیسیٰ روح اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے بڑھ گئے۔ اسلام کا یہ **مسلّمہ عقیدہ** ہے کہ کسی بھی نبی عَلَیْہِ السَّلَام سے کوئی غیر نبی **افضل** ہو ہی نہیں سکتا اور جو غیر نبی کو نبی عَلَیْہِ السَّلَام سے **افضل** مانے وہ کافر ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اسلام آوری سے قبل وہ راہب یہ سمجھتا تھا کہ حضرت سیِّدُنا عیسیٰ روح اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد اب کوئی غلام مصطفٰے صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلَّم **40** دن کا فاقہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اُس بزرگ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کرامت دکھا کر اُس کی غلط فہمی دور کردی کہ **40** دن کا فاقہ حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا خاصہ نہیں، غلامانِ مصطفٰے صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلَّم **40** دن کُجا **60** دن بھی بھوکے رہنے کے باوجود جی سکتے ہیں۔''

چاہیں تو اشاروں سے اپنے کایا ہی پلٹ دیں دنیا کی ۔۔۔ یہ شان ہے خدمتگاروں کی سرکار کا عالم کیا ہوگا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلَّم

......احیاء علوم الدین، کتاب کسر الشہوتین، بیان طریق الریاضة فی کسر شہوات البطن، ج۳، ص۱۱۲.

حضرت سیِّدُ نا ابوتراب نخشبی علیہ رحمۃ اللہ القوی بصرہ کے جنگل کے راستے سے، مکۃ المکرّمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّ تَعْظِیْمًا میں داخل ہوئے تو حضرت سیِّدُ نا احمد بن یحییٰ بن جلا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے ان کے کھانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا: ''بصرہ سے نکلا تو میں نے مقامِ نباج اور پھر ذاتِ عرق (جگہ کا نام) میں کھانا کھایا تھا اور ذاتِ عرق سے تم تک پہنچا ہوں۔'' یعنی انہوں نے محض دو بار کے کھانے سے جنگل کا سفر طے فرما لیا۔

حضرت سیِّدُ نا ابوعثمان مغربی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرمایا کرتے: ''ربّانی (یعنی اللہ والا) 40 دن میں ایک بار اور صمدانی 80 دن میں ایک بار کھانا کھاتا ہے۔''[1]

تیس تیس دن تک کچھ نہ کھاتے:

حضرت سیِّدُ نا شیخ نجم الدین الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۶۱ھ) اپنی کتاب ''حُسْنُ التَّنَبُّہ فِی التَّشَبُّہ'' میں فرماتے ہیں: ''اور کئی کئی دن تک کھانا نہ کھانے والے بزرگوں میں یہ حضرات بھی شامل ہیں جن کا ذکر حضرت سیِّدُ نا شیخ محمد بن علی بن عطیہ حارثی المعروف ابوطالب مکّی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۳۸۶ھ) نے ''قُوْتُ الْقُلُوْب'' میں اور حُجَّۃُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُ نا امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' میں کیا ہے۔ چنانچہ، مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھ دن تک کچھ تناول نہ فرماتے تھے۔ حضرت سیِّدُ نا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات دن تک فاقہ فرماتے تھے۔ حضرت سیِّدُ نا سفیان ثوری علیہ رحمۃ اللہ القوی اور حضرت سیِّدُ نا ابراہیم بن ادہم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے بارے میں منقول ہے کہ ''یہ دونوں تین دن تک بھوکے رہتے تھے۔'' اور حضرت سیِّدُ نا محمد بن عمرو قرنی، حضرت سیِّدُ نا عبدالرحمٰن بن ابراہیم، حضرت سیِّدُ نا رحیم، حضرت سیِّدُ نا ابراہیم تیمی، حضرت سیِّدُ نا حجاج بن فرافصہ، حضرت سیِّدُ نا حفص العابد مصیصی، حضرت سیِّدُ نا مسلم بن سعید، حضرت سیِّدُ نا زہیر البانی، حضرت سیِّدُ نا سلیمان خواص، حضرت سیِّدُ نا سہل بن عبداللہ تستری اور حضرت سیِّدُ نا ابراہیم بن احمد خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ سب حضرات تیس تیس دن تک بھوکے رہا کرتے تھے۔''[2]

---

[1] ......الرسالۃ القشیریۃ، باب الجوع وترک الشھوۃ، ص۱۷۷۔۱۷۸.

[2] ......احیاء علوم الدین، کتاب کسر الشھوتین، بیان طریق الریاضۃ فی کسر شھوات البطن، ج۳، ص۱۱۲.

حیران کن فاقے:

(۱)......ریاضت کے بارے میں سب سے زیادہ حیران کن معاملہ حضرت سیِّدُنا سہل بن عبداللہ تستری علیہ رحمۃ اللہ القوی کا ہے۔ان کے بارے میں منقول ہے کہ''آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تین درہم سے تین سال گزار لیا کرتے تھے۔''[1]

(۲)......اور حضرت سیِّدُنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ھ) کے متعلق آتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ محرم الحرام کی ابتدا میں بادام کی ایک گری کھاتے پھر عید الفطر تک کچھ نہ کھاتے (یعنی 9 مہینے تک بادام کی صرف ایک گری کھانے پر اکتفا فرماتے)۔''

سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے کثیر مجاہدات:

سلفِ صالحین رحمہم اللہ المبین کی سخت ریاضت کی طرح،ان کے کثرت مجاہدہ کا بھی معاملہ ہے۔یہ نفوسِ قدسیہ بہت زیادہ مجاہدے فرماتے تھے اور مجاہدہ کہتے ہیں کھانے اور دیگر اشیاء کی لذتوں سے خود کو روک دینے کو۔چنانچہ،

40سال کا مجاہدہ:

حضرتِ سیِّدُنا عارف باللہ امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف''اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّۃ''میں بیان فرمایا کہ''حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن شیبان علیہ رحمۃ اللہ المنان (متوفی ۳۳۷ھ) سے منقول ہے،آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:''میں 40 سال سے چھت کے نیچے اور کسی ایسی جگہ نہیں سویا جس پر تالا لگا ہو اور مجھے کئی بار پیٹ بھر کر مسور کی دال کھانے کی خواہش ہوئی مگر یہ نہ ہوسکا۔''

اور حضرت سیِّدُنا سرّی سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۵۷ھ) کے بارے میں منقول ہے،آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرمایا کرتے:''میرا نفس 30 یا 40 سال تک مجھ سے مطالبہ کرتا رہا کہ میں کھجور کے شیرے میں گاجر ڈبو کر کھاؤں لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی۔''[2]

---

[1] ......قوت القلوب ،الفصل التاسع والثلاثون ،ذکر ریاضۃ المریدین......الخ ،ج۲،ص۳۴۳.

[2] ......الرسالۃ القشیریۃ ،باب مخالفۃ النفس وذکر عیوبھا ، ص۱۹۰.

اپنی ذِلت کوترجیح دی:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُ نا عصام بن یوسف بلخی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۱۵ھ) نے حضرت سیِّدُ نا حاتم اصم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے پاس کوئی چیز بھیجی تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قبول فرمالی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی گئی: ''آپ نے یہ چیز کیوں قبول فرمائی؟'' تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''اس چیز کے قبول کرنے میں میری ذلت اور اُن (عصام بن یوسف) کی عزت تھی اور نہ قبول کرنے میں میری عزت اور اُن کی ذلت تھی لہٰذا میں نے اسے قبول کر کے اُن کی عزت کو اپنی عزت پر اور اپنی ذلت کو اُن کی ذلت پر ترجیح دی ہے۔'' (1)

انہی نفوسِ قدسیہ میں سے ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے عرض کی: ''میں سب سے جدا ہو کر حج کرنا چاہتا ہوں۔'' تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ''پہلے اپنے دل کو بھول سے، نفس کو فضول کام اور زبان کو فضول بات سے جدا کرو اور پھر جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔'' (2)

انجیر منہ سے نکال دیا:

حضرت سیِّدُ نا جعفر بن نصیر علیہ رحمۃ اللہ القدیر (متوفی ۳۴۸ھ) بیان کرتے ہیں کہ سید الطائفہ حضرت سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۲۹۷ھ) نے مجھے ایک درہم دے کر فرمایا: ''اس سے میرے لئے وزیری انجیر خرید لاؤ۔'' میں خرید لایا۔ جب افطار کا وقت ہوا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک انجیر لے کر منہ میں رکھا تو فوراً باہر نکال دیا اور رونے لگے پھر ارشاد فرمایا: ''اسے اٹھالو۔'' میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: ''میرے دل میں غیبی آواز آئی کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے ایک خواہش کو میری خاطر چھوڑ دیا مگر پھر اس کی طرف لوٹ آئے۔'' (3)

سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کی عبادات میں بھرپور کوشش:

سخت ریاضت اور کثرتِ مجاہدہ کی مثل یہ حضرات عبادات میں بھرپور کوشش فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ،

---

(1) ......الرسالة القشيرية ،باب مخالفة النفس وذكر عيوبها ، ص ۱۹۱.

(2) ......المرجع السابق ،ص ۱۹۱.

(3) ......المرجع السابق ،ص ۱۹۱.

فرشتوں جیسی عبادت:

حضرت سیِّدُ نا شیخ نجم الدین الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۶۱ھ) اپنی کتاب ''حُسْنُ التَّنَبُّہ فِی التَّشَبُّہ'' میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا اویس قرنی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں ضرور فرشتوں کی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کروں گا۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک رات قیام میں، ایک رات سجدہ میں اور ایک رات رکوع کی حالت میں گزارتے تھے۔''

حضرت سیِّدُ نا نجم الدین الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۶۱ھ) فرماتے ہیں: ''اس واقعہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عالَمِ بشریت کے اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے عزائم وہمتیں، فرشتوں کے ساتھ مشابہت، ان کی اقتدا اور عبادات کے معاملہ میں ان سے برابری کو پہنچ جاتی ہیں۔

سیڑھی کے نیچے 30 سال عبادت:

حضرتِ سیِّدُ نا عارف باللہ امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) بیان فرماتے ہیں کہ سید الطائفہ حضرت سیِّدُ نا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی ۲۹۷ھ) سے کسی نے عرض کی: ''حضور! آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے گھر میں ایک سیڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اس سیڑھی کے نیچے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں 30 سال تک بیٹھ کر یہ علم حاصل کیا۔''[1]

یقیناً آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ علم، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کثرت کے ساتھ عبادت کی وجہ سے حاصل ہوا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر روز اپنی دکان میں داخل ہوتے اور پردہ لٹکا کر 400 نوافل ادا کرتے اور پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔''[2]

20 سال تک روزہ:

حضرت سیِّدُ نا ابوالحسین نوری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۹۵ھ) کے بارے میں منقول ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر روز اپنے گھر سے نکلتے تو اپنے ساتھ روٹی لے جاتے اور راستے میں اسے صدقہ کر دیتے پھر مسجد میں داخل ہو کر ظہر کے

[1] ......الرسالۃ القشیریۃ، ابو القاسم الجنید بن محمد، ص ۵۱.

[2] ......المرجع السابق

قریب تک نماز ادا فرماتے۔ اس کے بعد اپنی دوکان کا دروازہ کھولتے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روزہ رکھا کرتے تھے لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس انداز سے گھر والے سمجھتے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بازار میں کھانا کھاتے ہوں گے اور بازار والے یہ خیال کرتے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے گھر میں کھانا تناول فرماتے ہوں گے۔ 20 سال تک آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی معمول رہا۔[1]

حضرت سیِّدُنا یوسف بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۳۰۴ھ) فرماتے ہیں: ''جب تم راہِ سلوک کے کسی طالب کو رخصتوں[2] پر عمل کرتے دیکھو تو جان لو کہ اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''[3]

حضرت سیِّدُنا ابو حمزہ خراسانی قدس سرہ النورانی (متوفی ۲۹۰ھ) فرماتے ہیں: ''مَیں حالتِ احرام میں ایک ہی چوغہ میں رہا اور ہر سال ایک ہزار فرسخ (یعنی 4827 کلومیٹر سے زائد) سفر کرتا۔ سورج مجھ پر طلوع اور غروب ہوتا اور جب بھی احرام سے باہر ہوتا دوبارہ احرام باندھ لیتا۔''[4]

شیخ کامل کی صحبت میں ریاضت:

امام الوقت، حضرت سیِّدُنا ابو علی محمد بن عبد الوہاب ثقفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۳۲۸ھ) نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی شخص تمام علوم حاصل کرلے اور لوگوں کے کئی گروہوں کی صحبت بھی پالے تو پھر بھی وہ کامل مَردوں کے مقام پر نہیں پہنچ سکتا۔ سوائے یہ کہ وہ کسی شیخ کامل، پیشوا یا کسی ادب سکھانے والے ناصح کی تربیت میں رہ کر ریاضت کرے (یعنی اس ریاضت سے وہ مرتبہ حاصل ہوگا) اور جو شخص کسی ایسے استاذ سے ادب نہیں سیکھتا جو اسے اعمال کی خامیاں اور نفس کی بے احتیاطیاں دکھائے تو معاملاتِ اخلاق کی درستی کے لئے ایسے شخص کی اقتدا و پیروی جائز نہیں۔''[5]

ایک رکعت میں دس ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص:

حضرت سیِّدُنا ابو عبد اللہ محمد بن خفیف شیرازی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''میں اپنے ابتدائی دور

---

1 ......الرسالة القشيرية ،ابو الحسين احمد بن محمد النورى ،ص۵۳.

2 ......احکام دو طرح کے ہوتے ہیں، رخصت اور عزیمت۔ ان دونوں کی تفصیل پیچھے صفحہ 687 تا 708 پر گزر چکی ہے۔ وہاں سے ملاحظہ کیجئے۔

3 ......الرسالة القشيرية ،يوسف بن الحسين ،ص۶۰.

4 ......المرجع السابق ،ابو حمزة الخراسانى ،ص۷۰.

5 ......المرجع السابق ،ابو علی محمد بن عبد الوهاب الثقفی ،ص۷۳.

میں بسا اوقات ایک ہی رکعت میں 10 ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتا تھا اور کبھی ایک رکعت میں پورا قرآنِ پاک پڑھ لیا کرتا تھا اور بعض اوقات صبح سے عصر تک ایک ہزار رکعات نوافل پڑھتا تھا۔'' [1]

سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے شب وروز:

یوں ہی بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین رات دن عبادت وریاضت میں گزارتے تھے۔ جیسا کہ صوم دہر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنا اور صوم وصال یعنی بغیر افطار کئے لگاتار روزے رکھنا اور ہر رات قیام کرنا یعنی نماز پڑھنا۔ چنانچہ،

ساری رات قیام:

حضرتِ سیِّدُنا عارف باللہ امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) نے ''اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّۃ'' میں نقل فرمایا کہ حضرت سیِّدُنا سہل بن عبداللہ تستری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۸۳ھ) فرماتے ہیں: ''میں چھ یا سات برس کا تھا کہ میں نے قرآن مجید حفظ کرلیا اور ہمیشہ روزہ رکھتا۔ اس وقت میری غذا جو کی ایک روٹی تھی۔ یہاں تک کہ میری عمر بارہ سال ہوگئی۔ پھر میں نے یہ عزم کرلیا کہ ایک رات کھاؤں گا اور تین راتیں بھوکا رہوں گا۔ پھر ایک رات چھوڑ کر پانچ راتوں تک بھوکا رہنا شروع کیا۔ پھر سات راتوں تک اور پھر پچیس راتوں تک کچھ نہ کھاتا۔ 20 سال تک میرا یہی معمول رہا۔ پھر میں کئی سالوں تک زمین میں سیاحت کرتا رہا۔ پھر ''تُسْتَر'' (ایران کے شہر) لوٹ آیا اور میں ساری رات نماز پڑھتا تھا۔'' [2]

35 سال تک مجاہدہ:

حضرت سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قدس سرہ السامی (متوفی ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں: ''میں بارہ سال تک اپنے نفس کا لوہار اور پانچ سال تک اپنے دل کا آئینہ رہا اور پھر ایک سال تک ان دونوں کے درمیان نظر کرتا رہا تو میں نے ظاہر میں اپنی کمر پر زُنّار بندھا دیکھا۔ تو میں نے بارہ سال اسے توڑنے کے لئے عمل کیا۔ پھر میں نے دیکھا تو میرے باطن میں زُنّار موجود تھا۔ تو اسے توڑنے کے لئے پانچ سال عمل کیا۔ میں غور وفکر کرتا کہ اسے کیسے کاٹا جائے تو پھر مجھے کشف ہوا۔

[1] ......الرسالة القشيرية ،ابو عبد الله محمد بن خفيف الشيرازى ،ص۸۲.

[2] ......المرجع السابق ،ابو محمدسهل بن عبدالله التسترى، ص۴۰.

لہٰذا میں نے مخلوق کی طرف نظر کی تو ان کو مردہ پایا پس میں نے ان پر چار تکبیریں کہیں۔'' [1]

اِخلاص کی عمدہ مثال:

ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی سال تک مسجد کی پہلی صف میں نماز ادا کرتے رہے۔ایک دن وہ پہلی صف میں نہ پہنچ پائے تو انہوں نے آخری صف میں نماز ادا کی۔ پھرایک عرصہ تک وہ دکھائی نہ دیئے۔جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا:''میں نے اتنے اتنے سال جو نمازیں ادا کی تھیں ان کو قضا کررہا تھا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ میں ان میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے مخلص تھا یعنی رضائے رب الانام کے لئے نماز پڑھتا تھا مگر جس دن مجھے آخری صف میں جگہ ملی تو مجھے بڑی شرم محسوس ہوئی کہ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں۔پس میں نے جان لیا کہ اتنا عرصہ پہلی صف کے حصول کے لئے میری چُستی وکوشش لوگوں کو دکھانے کے لئے تھی لہٰذا میں نے اپنی وہ نمازیں قضا کیں۔'' [2]

سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کا حلال چیزوں سے اِجتناب:

اسی طرح سلف صالحین رحمہم اللہ المبین من پسند اور حلال چیزوں سے اِجتناب فرماتے یعنی نفوس جن چیزوں کی خواہش کرتے ہیں اور جن سے نفع ولذت حاصل کی جائے، یہ حضرات ان سے دور رہا کرتے۔مثلاً لذیذ کھانے، مشروبات، اعلیٰ ملبوسات، عمدہ مکانات، نکاح اور اعلیٰ اقسام کی سواریاں وغیرہ۔جیسا کہ ہم نے ابھی بعض بزرگوں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات ذکر کئے۔

سلف صالحین رحمہم اللہ المبین اور ختمِ قرآنِ کریم:

یوں ہی بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین ایک دن میں ایک یا دو بار از اول تا آخر پورا قرآنِ کریم ختم فرما لیتے تھے جیسا کہ ماقبل بیان ہو چکا۔ بلکہ بعض نفوسِ قدسیہ ایک دن میں کئی کئی بار قرآنِ پاک کا ختم فرماتے۔ چنانچہ،

دن رات میں پندرہ ختمِ قرآنِ کریم:

حضرت سیِّدُنا امام عبدالرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' کی شرح میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا امام شہاب الدین احمد قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) نے فرمایا: مجھے حضرت سیِّدُنا شیخ الاسلام

[1] ......الرسالۃ القشیریۃ، باب المجاھدۃ، ص ۱۳٤.
[2] ......الرسالۃ القشیریۃ، باب المجاھدۃ، ص ۱۳۵.

برہان بن ابی شریف علیہ رحمۃ اللہ الکریم نے بتایا کہ ”وہ ایک دن رات میں پندرہ قرآنِ پاک پڑھا کرتے تھے[1]۔“ اور ”ارشاد“ میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا نجم اصبہانی قدس سرہ النورانی نے ایک یمنی آدمی کو دیکھا کہ وہ ایک ہی مجلس یا سات مجلسوں میں قرآنِ پاک ختم کرلیتے تھے اور یہ محض فیض ربانی اور مددِ رحمانی سے ہی ممکن ہے۔“ اور مجھے بعض قابلِ اعتماد لوگوں نے خبر دی کہ ہمارے شیخ حضرت سیِّدُنا عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی (متوفی ۹۷۳ھ) مغرب سے عشاء کے درمیان دو بار پورا قرآنِ مجید پڑھ لیا کرتے تھے۔“[2]

تین لاکھ ساٹھ ہزار ختمِ قرآنِ کریم:

حضرت سیِّدُنا امام مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) مزید فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا شیخ علی مرصفی علیہ رحمۃ اللہ

---

1 ......﴿**قولہ.انہ کان یقرء خمسۃ عشر...** امام اہلسنّت، مجددِ اعظم، فَقِیْہِ اَفْخَم ، سیِّدُنا اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ” **اقول فیہ سقط فان برھان یرویہ عن الشیخ ابی الطاھر القدسی لانہ یحکیہ عن نفسہ راجع ارشاد الساری، ج۵،ص ۳۱۹ من بدء الخلق ۱۲ .لکن قال فی الارشاد: لقدرأیت ابا الطاھر بالقدس الشریف سنۃ سبع وستین وثمان مائۃ وسمعت عنہ اذ ذاک انہ کان یقرء فیھا (ای فی اللیل والنھار) اکثر من عشر فمات ثم قال بل قال لی شیخ الاسلام البرھان بن ابی شریف ادام اللہ نفع علومہ عنہ انہ کان یقرء خمسۃ عشر فی الیوم واللیلۃ اہ، فالظاھر رجوع فجر عنہ الی الشیخ ابی الطاھر وقد احتمل رجوعہ الی شیخ الاسلام البرھان ای کان یحکی عن بنفسہ واللہ تعالیٰ اعلم. ۱۲** یعنی میں کہتا ہوں: اس میں غلطی ہے کیونکہ شیخ الاسلام برہان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ بات شیخ ابوطاہر قدسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے بارے میں بیان فرمایا کرتے تھے اور یہاں وہ خود اپنے متعلق بیان فرمارہے ہیں۔ دیکھئے! ارشاد الساری، **باب من بدء الخلق**، ج۵، ص۳۱۹۔ لیکن امام قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) ”**اِرْشَادُ السَّارِی**“ ہی میں فرماتے ہیں کہ ”میں نے ۸۶۷ ہجری میں شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بیت المقدس شریف میں دیکھا اور ان کے بارے میں سنا۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دن رات میں دس سے زیادہ مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے تھے، پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ہوگیا۔“ اس کے بعد امام قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں: ”بلکہ شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف ”اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے علوم کا نفع دائمی کرے“ نے ان کے متعلق مجھے بتایا کہ ”شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دن اور رات میں 15 مرتبہ قرآنِ پاک ختم کرتے تھے۔“ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فی کم یقرأ القرآن، ج ۱۱، ص ۳۷۴) **امام قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) کی عبارت کا ظاہر تو رجوع ہے یعنی انہوں نے پندرہ مرتبہ ختمِ قرآنِ پاک** کی نسبت شیخ برہان علیہ رحمۃ اللہ المنان سے پھیر کر شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف کردی ہے اور یہاں شیخ الاسلام برہان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف رجوع کا احتمال بھی موجود ہے جو ختمِ قرآنِ پاک کی بات اپنی ذات کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔ **وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَم**.﴾

2 ......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث ۱۳۳۲ ، ج۲، ص ۷۸.

الولی[1] نے ہمیں خبر دی کہ ''انہوں نے اپنے ایامِ سلوک میں ایک رات دن میں تین لاکھ ساٹھ ہزار (3'60'000) قرآنِ پاک ختم فرمائے۔ یوں کہ ہر درجہ (یعنی مقامِ معرفت) میں ایک ہزار (1000) قرآنِ کریم پڑھے۔''[2]

یہ بات اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ولیوں کے لئے کوئی مشکل نہیں کیونکہ ان کی روحانیت، ان کی جسمانیت پر غالب ہوتی ہے اور روح، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم میں سے ایک چیز ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم تو گویا پلک جھپکنا ہے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ پاک میں اس کی خبر دی ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ﴿۵۰﴾ (پ۲۷، القمر: ۵۰) ترجمۂ کنز الایمان: اور ہمارا کام تو ایک بات کی بات ہے جیسے پلک مارنا۔) اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کسی ولی کی زبان پر پلک جھپکنے میں قرآنِ پاک کا اپنے معانی کے ساتھ جاری ہو جانا کوئی بعید و مشکل نہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سب کچھ کر سکتا ہے۔''

خلاصۂ سوال:

(میانہ روی کے متعلق ماقبل احادیثِ مبارکہ اور اَقوالِ فقہا میں بیان ہوا کہ سخت ریاضت اور مجاہدہ کی کثرت کرنا اور رزقِ حلال کی طلب ترک کر دینا ممنوع ہے جبکہ یہ ساری باتیں سلف صالحین رحمہم اللہ المبین سے منقول ہیں لہٰذا اس تعارض کا کیا جواب ہے؟)

جواب:

صاحب ''طریقہ محمدیہ'' حضرت سیِّدُنا محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۹۸۱ھ) نے اس سوال کے تین جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔ یہ جوابات شرح کے ساتھ ترتیب وار بیان کئے جاتے ہیں۔

پہلا جواب:

پہلا جواب تو یہ ہے کہ وحی اور غیر وحی میں کوئی معارضہ وتعارض نہیں۔ یعنی مکلّف بندہ کے اَعمال میں میانہ روی اِختیار کرنے کے متعلق آیات واحادیث میں جس وحیٔ قرآنی اور وحیٔ نبوی کا بیان گزرا، اس میں اور سلف صالحین رحمہم اللہ المبین سے منقول سخت ریاضت وکثرتِ مجاہدہ میں کسی قسم کا تعارض وٹکراؤ نہیں۔ کیونکہ وحی، مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہ (یعنی ہر

......[1] ﴿قولہ اخبرنا الشیخ علی المرصفی... امام اہلسنّت، مجدد اعظم سیِّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس پر حاشیہ میں فرمایا: ''کذا حدث عنہ الامام الشعرانی فی المیزان ۱۲ یعنی جیسا کہ حضرت سیِّدُنا امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی نے اپنی کتاب ''اَلْمِیْزَان'' میں ان سے روایت کیا۔''﴾

......[2] فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث ۱۳۳۲، ج۲، ص ۷۸۔

اعتبار سے) زیادہ قوی ہے اور قوی وضعیف میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی ۔ نیز معصوم اور غیر معصوم کے اقوال باہم متعارض نہیں ہوتے اس لئے کہ دو باتوں کے متعارض ہونے کے لئے ان دونوں کا ہم پلہ و برابر ہونا ضروری ہے اور یہاں یہ چیز نہیں پائی جارہی ۔ لہٰذا سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے معاملات کا جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں ۔ کیونکہ غیر شارع کی بات شارع عَلَیْہِ السَّلَام کی بات سے معارض اور اس کے مقابل نہیں ہوسکتی اور ہم شارع عَلَیْہِ السَّلَام کی اِتباع کے مکلّف و پابند ہیں نہ کہ غیر شارع کے ۔

سلف صالحین رحمہم اللہ المبین پر طعن و تشنیع نہ کرو:

اے مکلّف ! تم اس بات پر عمل کرو جو دین محمدی میں قرآن وسنت سے ثابت ہے ۔ یعنی وحی قرآنی ونبوی کے متعلق گفتگو کرو ۔ اسے یاد کرو اور جتنا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تم پر لازم کیا ہے اس پر عمل کرو ۔ تا کہ تم بری الذمہ ہو جاؤ اور سلف صالحین رحمہم اللہ المبین سے منقول سخت ریاضتوں اور کثیر مجاہدات میں گہری غور وفکر کو چھوڑ دو ۔ کیونکہ وہ نفوس قدسیہ اپنے اَعمال کو تم سے زیادہ جانتے تھے اور وہ اپنے اَحوال پر جتنا مطلع تھے تم اس سے بے خبر ہو ۔ لہٰذا جس عمل کے زیادہ راجح ہونے کو تم نہیں جانتے اس کے پیچھے مت پڑو بلکہ ان بزرگوں کے بارے میں بساطِ گفتگو لپیٹتے ہوئے اس عمل کے متعلق بحث کرنے سے خاموش رہو ۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾

(پ ١، البقرۃ: ١٤١)

ترجمۂ کنز الایمان: وہ ایک گروہ ہے کہ گزر گیا ان کے لئے ان کی کمائی اور تمہارے لئے تمہاری کمائی اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی ۔

پس تم ان بزرگوں پر طعن و تشنیع اور ان کے متعلق ایسے اعتقاد سے خود کو بچاؤ کہ وہ تمہارے علم کے مطابق قرآن وسنت کی مخالفت کرتے ہیں ۔ کیونکہ یہ حضرات قرآن وسنت کا علم اور ان کے معانی کا فہم وادراک ، تم اور تمہارے جیسوں سے زیادہ رکھتے ہیں ۔ اس لئے کہ ان کا دور ، زمانۂ نبوت سے زیادہ قریب تھا اور ان کی عقلیں معرفتِ الٰہی ، بھرپور اِتباعِ سنت ، اِخلاص ، یقین ، توحید اور زہد (یعنی دنیا سے بے رغبتی) کے سبب ایسی روشن ومنور تھیں کہ تم اور تمہارے جیسوں کو اس کا خیال بھی نہیں آسکتا ۔

اورحضرت سیِّدُ نا ابن وردی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۷۴۹ھ) نے اپنے بیٹے کونصیحت کرتے ہوئے کیا ہی خوبصورت بات کہی ہے۔ چنانچہ، ارشادفرمایا:

لَاتَخُضْ فِیْ حَقِّ سَادَاتٍ مَضَوْا　　　اِنَّھُمْ لَیْسُوْا بِاَھْلٍ لِلزَّلَل

ترجمہ: تم سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے حق میں نہ پڑنا۔ کیونکہ وہ لغزشوں سے محفوظ ہیں۔

کم علم فقیہ کونصیحت:

اے عاجز فقیہ! تمہارے پاس تو اَعمالِ شریعت کی کیفیت کا معمولی سا حصہ ہے اوراس کی پہچان بھی تم نے دن رات اپنے پیٹ وشرم گاہ کی خواہشات میں مشغول رہ کر حاصل کی ہے اورتم اس معمولی حصہ پر بڑے خوش ہو اور سمجھتے ہو کہ اس کے سبب تم اکابر علما میں شامل ہوگئے ہو اور اُن متقدمین، سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے برابر ہوگئے ہو جو الہامی و وہبی علوم سے مالا مال تھے اور رضائے رب الانام والے ایسے اعمالِ صالحہ بجالانے والے تھے جو اطاعت گزار روحوں، پاکیزہ نفسوں اورحرام وشبہات سے پاک، حلال غذا پانے والے جسموں کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگرتم نصیحت چاہتے ہوتو جو تمہارے لئے ظاہر ہے، اس پر عمل کرو اوراس شخصیت کے اعمال میں نہ پڑو جو تم سے اعلیٰ وافضل اور بلند ہمت لوگوں میں سے ہے غورتو کرو! چڑیا گدھ کا کھانا کیسے کھاسکتی ہے؟ کیونکہ اس کا پوٹا (یعنی معدہ) چھوٹے چھوٹے دانوں کا عادی ہوتا ہے جو گدھ کے اس معدے کی مانند نہیں ہوسکتا جس کو صرف بڑے بڑے لقمے ہی بھر سکتے ہیں۔ (ارشادباری تعالیٰ ہے:) قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ؕ (پ۱، البقرۃ: ۶۰) ترجمۂ کنزالایمان: ہرگروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔'' مطلب یہ کہ میٹھا وکھاراہونا پہچان لیا اور (دوسرے مقام پر ارشادفرمایا:) لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا ؕ (پ۶، المائدۃ: ۴۸) ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے تم سب کے لئے ایک ایک شریعت اورراستہ رکھا۔''

دوسرا جواب:

میانہ روی کے متعلق وارد احادیث واَقوال فقہا اوراَعمالِ صالحین کے درمیان تعارض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ المبین سے عبادات وریاضات میں شدت وکثرت کی جو روایات منقول ہیں، ہم ان کی روایت کی صحت کو نہیں مانتے۔ اس لحاظ سے کہ ہمارے نزدیک یہ قرآن وسنت کے ظاہری اَحکام کے مخالف ہیں جیسا کہ بیان ہو

چکا اور صحتِ روایت کو نہ ماننا اس لئے ہے کہ جن علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے سلف صالحین کے ان سخت اَعمال کو اپنی کتب میں نقل فرمایا ہے انہوں نے ان کے متعلق کسی قسم کی بحث وتفتیش نہیں فرمائی ۔ اگرچہ بعض واقعات، صحیح سند پر مشتمل ہیں مگر اکثر سند سے خالی ہیں ۔ جبکہ قرآنِ مجید اب تک تواتر سے ثابت ہے اور احادیثِ مبارکہ کی اسناد، محدثین کرام رحمہم اللہ السلام کی بہت زیادہ تفتیش وتحقیق سے درجہ صحت تک پہنچی ہوئی ہیں ۔ لہٰذا جب دونوں کے منقول ہونے میں برابری نہیں یعنی اعمالِ صالحین میں سے اکثر کی سند تفتیش وتحقیق نہ ہونے کے سبب متصل نہیں جبکہ احادیثِ مبارکہ، تحقیق وتفتیش کے سبب متصل اور ان کے راوی عادل ہیں ۔ پس جب نقل میں برابری نہیں تو پھر اعتراض کا تصور بھی نہیں ہوسکتا اور جب ایسا ہے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی اس کو حجت بنا کر قرآن وسنت کے ظاہر سے دلیل لینا چھوڑ دے ۔

پہلے دو جوابات پر علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا تبصرہ:

صاحبِ طریقہ محمدیہ حضرت سیِّدُنا امام محمد آفندی رومی برکلی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۹۸۱ھ) کے مذکورہ دونوں جواب، تیسرے جواب (جو کہ آگے آرہا ہے) سے زیادہ قوی ومضبوط نہیں ۔ کیونکہ سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے حوالے سے منقول سخت اَعمال، ریاضتیں اور مجاہدات دین محمدی عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام میں سے کسی شے کے اصلاً (یعنی بالکل بھی) مخالف نہیں ۔ بلکہ ایسے اَعمال بھی دین اسلام کا حصہ ہیں ۔ جس طرح کوئی شخص سخت اَعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو اور اسے (سخت عمل مسلسل بجالانے کے سبب) اکتاہٹ ونفرت کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے قرآن وسنت میں اَعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم ہے ۔ اسی طرح جس شخص کو ایسے سخت اَعمال بجالانے کی قدرت حاصل ہو اور وہ ان کے لئے فارغ بھی ہو تو اس کے لئے قرآن وسنت میں ایسے اَعمال کرنے کا بیان موجود ہے ۔ البتہ! یہ اعمال اس پر واجب نہیں کیونکہ یہ اس پر لازم باتوں کے علاوہ ایک زائد نفلی عبادت ہے جس پر اسے ثواب ملے گا اور دین اسلام میں آسانی اور سختی دونوں باتیں ہیں ۔ چنانچہ،

دین میں آسانی وسختی دونوں ہیں:

﴿1﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (پ ٤، اٰل عمران:١٠٢) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

﴿۲﴾……دوسرے مقام پرارشادفرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (پ۲۸ ،التغابن:۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔

سیِّدُ نا وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ اسلام:

ایک تیسرے مقام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سید الشُّہَدا حضرت سیِّدُ نا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل، حضرت سیِّدُ نا وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بعد میں اسلام لے آئے تھے) کے حق میں یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝۷۰ (پ۱۹ ،الفرقان: ۷۰)

ترجمۂ کنزالایمان: مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیتِ مبارکہ سن کر حضرت سیِّدُ نا وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: ''اس آیت میں تو بہت سی شرائط ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ میں انہیں پورا نہیں کر پاؤں گا اور مجھ میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ نیک اعمال کروں۔ اے محمد (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم)! کیا آپ کے دین میں اس سے زیادہ آسانی ونرمی موجود ہے؟'' اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (پ ۵ ،النسآء: ۴۸)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔

جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت سیِّدُ نا وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: ''میں نہیں جانتا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مشیت میں ہوں یا نہیں۔ ہاں! اگر آیتِ مبارکہ صرف اس قدر ہوتی: وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ یعنی اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے معاف فرما دیتا ہے اور یہ نہ فرمایا ہوتا: لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ یعنی جسے چاہے۔ تو پھر بات بنتی۔ کیا آپ کے پاس اس سے زیادہ وسعت والی کوئی اور شے ہے؟'' اس پر یہ فرمانِ باری تعالیٰ نازل ہوا:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝۵۳ (پ۲۴ ،الزمر: ۵۳)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اس پر حضرت سیِّدُنا وحشی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: ''اگر معاملہ ایسا ہے تو ٹھیک ہے۔'' اور اسلام قبول کرلیا۔[1]

بلاشک وشبہ (حضرت سیِّدُنا وحشی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں نازل شدہ تین آیات میں سے) پہلی اور دوسری آیتِ مبارکہ، تیسری آیتِ مقدسہ سے سخت ہیں کیونکہ ان دونوں میں بعض شرائط ہیں جبکہ تیسری میں ایسا نہیں اور ان تینوں آیاتِ طیبہ کے نازل ہونے کا سبب اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام ہے۔ یعنی نازل تو حضرت سیِّدُنا وحشی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں ہوئی ہیں مگر اس کا حکم ان کے ساتھ ساتھ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے ہے (جیسا کہ المعجم الکبیر، ج ۱۱، ص ۱۵۸ پر روایت کردہ حدیث: ۱۱۴۸۰ کے آخر میں ہے)۔

تیمّم[2] کے بارے میں مطلق ومقید آیات:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تیمّم کے بارے میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡہِکُمۡ وَ اَیۡدِیۡکُمۡ مِّنۡہُ ؕ (پ ۶، المائدۃ: ۶)

ترجمۂ کنز الایمان: تو پاک مٹی سے تیمّم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔

اس آیتِ طیبہ میں مٹی کا جزء (یعنی کچھ مٹی) لے کر اسے چہرے اور ہاتھوں پر لگانے کو لازم قرار دے کر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سختی فرمائی ہے۔ جبکہ دوسرے مقام پر یہ ارشاد فرمایا:

فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡہِکُمۡ وَ اَیۡدِیۡکُمۡ ؕ (پ ۵، النساء: ۴۳)

ترجمۂ کنز الایمان: تو پاک مٹی سے تیمّم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اور یہاں لفظ: ''مِنۡہُ یعنی اس (مٹی) سے'' ارشاد نہ فرمایا۔ تو اس مقام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آسانی ہے۔ کیونکہ اس میں مٹی کا جزء لینے کو لازم نہیں کیا اور فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام نے تیمّم کے متعلق اس کو برقرار رکھا ہے۔ اس اعتبار سے کہ انہوں نے تیمّم میں مطلق (حکم) کو مقید پر محمول نہیں کیا جیسا کہ فقہ حنفی کا اصول ہے۔

---

[1] ......المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۱۴۸۰، ج ۱۱، ص ۱۵۷، ۵۸.

[2] ...... تیمّم کی تفصیلی معلومات کے لئے دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 496 صفحات پر مشتمل کتاب ''نماز کے احکام'' صفحہ 126 تا 135 کا مطالعہ فرمائیے۔

اَعمال میں سختی ونرمی کے متعلق احادیثِ مبارکہ:

حضرت سیِّدُ نا امام شعراوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۷۳ھ) نے اِختلافِ مذاہب کے بیان میں ایک کتاب ''اَلْمِیْزَان'' تصنیف فرمائی اوراس میں وہ باتیں ذکر کی ہیں جن میں ازروئے احکام، شارع عَلَیْہِ السَّلَام نے سختی اور آسانی فرمائی ہے۔ چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ کیجئے:

(۱)......حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضورنبیٔ کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو پیش کش ہوئی کہ آپ کے لئے مکہ کی وادی کو سونا بنادیا جائے تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے انکار فرمادیا۔[1] پس آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے خود پر سختی فرمائی اوردینِ حق کی مدداور کفار کا شر دور کرنے کی خاطر بھی اس پیش کش میں سے کچھ اختیار نہ فرمایا حالانکہ ابتدائے اسلام میں اس چیز کی ضرورت بھی تھی۔

(۲)......مروی ہے کہ جب تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نبوت، مَخْزنِ جودوسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے غزوۂ تبوک کا عزم فرمایا تو اس دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جو شخص ''جیشِ عسرت'' (یعنی تنگی والے لشکر) کو (ضروریاتِ جہاد کے لئے) سامان مہیا کرے گا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔'' چنانچہ، حضرت سیِّدُ نا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس لشکر کو ساز وسامان فراہم کیا[2]۔ [3] تو اس موقع پر آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے طلبِ دُنیا (جوکہ آخرت کے لئے تھی) کے لئے خود پر آسانی فرمائی کہ اس کے سبب آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا درجہ بلند ہو۔

(۳)......یوں ہی شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، اَنِیْسُ الْغَرِیْبِیْن، سِرَاجُ السَّالِکِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے صومِ وصال (یعنی بغیر افطار مسلسل روزہ رکھنے) اور بھوکا رہنے کی کثرت بھی مروی ہے حتی کہ بھوک کے سبب اپنے شکمِ اطہر پر پتھر

---

[1] ......جامع الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی الکفاف والصبر علیہ، الحدیث: ۲۳۴۷، ص۱۸۸۷۔

[2] ......امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتنا اور کیا سامان فراہم کیا؟ اس کی تفصیل جاننے کے لئے قبلہ شیخ طریقت امیر اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا **ابوبلال محمد الیاس عطار قادری** دامت برکاتہم العالیہ کی **107** صفحات پر مشتمل منفرد کتاب ''**چندے کے بارے میں سوال جواب**'' کے صَفْحَہ 16 کا مطالعہ فرمالیجئے۔

[3] ......صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب اذا وقف ارضا او بئرا......الخ، الحدیث: ۲۷۷۸، ص۲۲۳۔

باندھ لیا کرتے تھے۔[1] نیز یہ بھی مروی ہے کہ رحمتِ عالم، نُورِ مُجَسَّم، شاہ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم رات کو اتنا زیادہ قیام فرماتے کہ مبارک قدموں میں ورم آجاتا اور جب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے اس بارے میں عرض کی گئی (کہ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟) تو ارشاد فرمایا: ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔'' جیسا کہ ''صحیح مسلم'' اور اس کی شرح ''شَرْحُ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ لِلنَّوَوِی، بَابُ اِکْثَارِ الْاَعْمَالِ وَالْاِجْتِھَادِفِی الْعِبَادَةِ'' میں آیا ہے کہ ماہِ نُبُوَّت، مہرِ رِسالت، مَنْبَعِ جود وسخاوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے (رات کو) اس قدر نماز پڑھی کہ قدمین شریفین (یعنی پاؤں مبارک) سوج گئے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے عرض کی گئی: ''آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں، حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے سبب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔'' تو ارشاد فرمایا: ''کیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔'' اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ''مبارک قدم پھٹ گئے۔''[2]

(۴)......اسی طرح میٹھے میٹھے آقا، مکی مدنی مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ازواج مطہرات، امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارے میں بھی کثرت سے روزہ رکھنا اور قیام کرنا مروی ہے جیسا کہ ام المؤمنین، حضرت سیِّدَتُنا زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں گزر چکا ہے کہ ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (رات کی نماز کے لئے) دوستونوں کے درمیان رسی باندھ رکھی تھی۔ جب قیام سے تھک جاتیں تو اس کو تھام لیتیں۔''[3] اور اگر ایسا کرنا گناہ ہوتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہرگز ایسا نہ کرتیں اور حضور خاتَمُ الْمُرْسَلِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے جو اس رسی کو کھولنے کا حکم ارشاد فرمایا وہ ان پر شفقت کی وجہ سے تھا کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان ہیں اور اسی لئے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ جب حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اُنہیں عبادت کی کثرت سے منع فرمایا تو اس وقت وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ ایسا کرنا معصیت

---

[1] ......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند جابر بن عبداللّٰہ، الحدیث: ۱۴۲۲۴، ج۵، ص۲۴.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب اکثار الاعمال والاجتھاد فی العبادۃ، الحدیث: ۷۱۲۴/۷۱۲۶، ص۱۱۶۹۔
شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب صفات المنافقین، باب اکثار الاعمال والاجتھاد فی العبادۃ، ج۱۷، ص۱۶۲.

[3] ......سنن ابی داؤد، کتاب التطوع، باب النعاس فی الصلاۃ، الحدیث: ۱۳۱۲، ص۱۳۲۰.

میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ بلکہ جب وہ بوڑھے ہوگئے تو انہوں فرمایا: ''پھر میں نے چاہا کہ کاش! مَیں حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف سے دی گئی رخصت قبول کر لیتا۔''[1] پس حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْ لاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیّدُ نا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما کو جس چیز کا حکم ارشاد فرمایا انہوں نے اس کا نام ''رخصت'' رکھا اور جس پر انہوں نے عمل کیا اسے ''عزیمت'' کا نام دیا اور انہوں نے صرف اسی کو ''دین'' قرار نہیں دیا جس کا آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں حکم دیا تھا۔

لہٰذا جو شخص (میانہ روی کے متعلق) ماقبل بیان کردہ تمام آیاتِ مقدسہ اور احادیثِ مبارکہ میں غور وفکر کرے گا وہ جان لے گا کہ ''یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی طرف سے امتِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام پر رحمت ومہربانی اور مؤمنین کو رخصت وگنجائش دینا ہے اور دین میں ان پر کچھ تنگی وسختی نہیں۔ کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا جو یہ فرمان ہے کہ لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ''(پ ۷، المائدۃ ۸۷) ترجمۂ کنز الایمان: حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''حلال وستھری چیزوں میں تمہیں جو رخصت دی گئی ہے اس کے انکار سے تم ان کے حرام ہونے کا عقیدہ نہ رکھو۔ لہٰذا جو ان کو حرام نہ ٹھہرائیں اور صرف فانی شے سے بے رغبتی کے لحاظ سے ان کو کھانا چھوڑ دیں تو ان کے عمل میں کسی طرح کا گناہ نہیں۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمانِ عالیشان بھی اسی طرح ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (پ ۸، الاعراف: ۳۲) ترجمۂ کنز الایمان: تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی۔

اور یوں ہی ماقبل بیان کردہ حدیثِ پاک کے آخر میں جو فرمانِ مصطفٰی ہے کہ ''جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔''[2] اس فرمانِ عبرت نشان کا معنی بھی یہی ہے کہ جو کام میں نے کئے اور میں نے جن کاموں میں رخصت دی اگر کوئی ان کے ناجائز ہونے کا اعتقاد رکھ کر اس سے زیادہ عمل کرے تو وہ ہم میں سے نہیں اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمان، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی اس بات کے مقابلہ میں تھا کہ ''ہم رسول اللہ صلَّی

[1] ......صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب النهى عن صوم الدهر......الخ، الحديث: ۲۷۳۰، ص ۸٦٤.

[2] ......صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب الترغيب فى النكاح، الحديث: ٥٠٦٣، ص٤٣٨.

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی معصوم ہستی کے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں کہ خود کو ان پر قیاس کرنے لگے۔ یہ تو وہ ہیں جن کے سبب ان کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرما دیئے گئے ہیں۔'' یہ بات انہوں نے شرعی رخصت کو باطل سمجھتے ہوئے کہی تھی تو اس پر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مذکورہ بات ارشاد فرمائی۔

اور ماقبل گزرنے والی ایک حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح وہ پسند فرماتا ہے کہ اس کی عَزِیْمَتوں پر عمل کیا جائے۔''[1] یہ فرمانِ ذیشان تو ہمارے بیان کردہ مؤقف کے بارے میں واضح وصریح ہے۔

خود پر سختی اور عوام الناس پر نرمی:

مذکورہ گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ المبین شرعی رخصتوں کے درست ہونے کے معترف تھے اور چونکہ وہ نفوسِ قدسیہ بلند ہمتوں اور پختہ ارادوں کے مالک تھے لہٰذا اپنے لئے عزیمتوں (سختیوں) پر عمل کرنا اختیار فرماتے اور عام لوگوں کو رخصتوں پر ہی عمل کا فتویٰ دیتے اور ان کو بجالانے کی ترغیب دیتے تھے۔ جیسا کہ حضور نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بعض اوقات ایسا کیا کرتے تھے کہ (صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو) رخصتوں پر عمل کرنے کا حکم دیتے اور خود عزیمتوں پر عمل فرماتے۔ جیسا کہ،

صوم وصال کا معاملہ ہے کہ جب (بعض) صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی طرح بغیر افطار پے در پے روزے رکھنا شروع کر دیئے تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان پر شفقت ومہربانی کرتے ہوئے انہیں صوم وصال سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا: ''میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں[2]۔ میں تو اپنے

---

[1] ......الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ،الحدیث:۳۵۵،ج۱،ص۲۸۴.

[2] ...... مفسر شہیر حکیم الامت، مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۹۱ھ) اس کی شرح میں فرماتے ہیں: (اس) میں صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور تمام انسانوں سے خطاب ہے یعنی تم میں مجھ جیسا کوئی نہیں۔ جب صحابہ حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی مثل نہ ہو سکے (تو) اور کسی کا کیا منہ ہے جو ان سے ہمسری کا دعوے کرے۔'' مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''رب تعالیٰ کے فرمان ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں)'' میں خالص بشریت میں تشبیہ ہے جس میں الوہیت کا خلط نہ ہو یعنی میں تمہاری طرح خالص بشر ہوں، نہ خدا، نہ خدا کا ساجھی۔ پھر میری بشریت سے نبوت کا خلط ہوا جسے (مذکورہ آیت کے اگلے حصہ) ''یُوْحٰٓى اِلَیَّ (ترجمہ کنزالایمان: مجھے وحی آتی ہے)'' نے بیان کیا لہٰذا یہ حدیث، قرآن کی اس آیت کے خلاف نہیں، تمام جہان کے اولیاء ایک صحابی کی مثل نہیں......

ربعَزَّوَجَلَّ کے پاس اس طرح رات گزارتا ہوں کہ وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے[1]۔"[2]

خود پر سختی اور عوام پر آسانی کے متعلق بعض اَقوال:

سلف صالحین اور باعمل علمائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ "وہ نفوسِ قدسیہ (اَعمال میں)

......ہوسکتے جس نے ایمانی نگاہ سے ان کا چہرہ ایک آن دیکھا۔اُن کی ذات تو بہت اعلیٰ ہے۔" (مراۃ المناجیح،ج۳،ص۱۵۲)

......علمانے اس کھلانے پلانے کی بہت توجیہیں کی ہیں۔بعض نے کہا کہ "اس سے قوت برداشت مراد ہے۔" بعض نے فرمایا کہ "اس سے روحانی غذائیں مراد ہیں۔" بعض نے فرمایا کہ "اس سے معنوی فیضان اور مناجات کی لذتیں مراد ہیں۔" بعض نے فرمایا کہ "اس سے بھوک پیاس کا نہ ہونا مراد ہے۔" وغیرہ۔مگر حضرت عشق کا فتویٰ یہ ہے کہ حدیث اپنے بالکل ظاہری معنے پر ہے اور اس میں حضورانور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے رب تعالیٰ کی تین نعمتوں کا ذکر فرمایا،ایک یہ کہ تم سب اپنے بیوی بچوں کے پاس رات گزارتے ہو اور میں اپنے رب کے پاس: **شعر**

فرشی وبراوج عرش منزل   امی وکتاب خانہ دردل

امی ودقیقہ دان عالم   بے سایہ وسائبان عالم

دوسرے یہ کہ میں رب تعالیٰ کے پاس رہ کر خودنہیں کھاتا پیتا بلکہ مجھے رب تعالیٰ کھلاتا پلاتا ہے۔کھلانے والا اس کا دست کرم،کھانے والا میں۔تیسرے یہ کہ رب تعالیٰ مجھے وہ روزی کھلاتا پلاتا ہے،جس سے نہ روزہ ٹوٹے،نہ روزوں کا تسلسل جائے یعنی جنت کے میوے اور سلسبیل تسنیم وغیرہ کے شربت،اس جملہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(۱) ایک یہ کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضورانور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی مثل نہیں ہوسکتا جب انسان کو ناطق (یعنی گفتگوکرنے والا) کی قید نے تمام حیوانیات سے ذاتی امتیاز دے دیا تو نبوت اوروحی کی صفتوں نے بھی حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو تمام انسانوں سے ذاتی ممتاز کردیا۔(۲) دوسرے یہ کہ اگر حضورانور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بہ نیت عبادت کھانا پینا چھوڑیں تو خواہ ہفتوں نہ کھائیں ضعف وکمزوری بالکل طاری نہ ہوگی اور اگر بطور عادت کھانا ملاحظہ نہ کریں تو ضعف بھی نمودار ہوگا اور شکم پاک پر پتھر بھی باندھے جائیں گے کیونکہ حضورانور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نور بھی ہیں اور بشر بھی عبادت میں نورانیت کا ظہور ہے اور عادت میں بشریت کی جلوہ گری لہٰذا یہ حدیث حضرت جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضورانور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے دووقت کھانا نہ کھانے پر دو پتھر پیٹ سے باندھے۔(۳) تیسرے یہ کہ جنتی میوے (یعنی پھل) کھانے اور وہاں کا پانی پینے سے روزہ نہیں جاتا جیسے رب تعالیٰ سے کلام کرنے اور حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو سلام کرنے سے نماز نہیں جاتی۔بعض اولیا خواب میں کھاپی لیتے ہیں کہ کھانے کی خوشبو بیداری کے بعد ان کے منہ میں پائی جاتی ہے مگر ان کا روزہ قائم رہتا ہے،دیکھو! احتلام سے ہمارا روزہ نہیں جاتا۔(۴) چوتھے یہ کہ بعض بندوں کو اسی زندگی میں جنتی میوے ملتے ہیں حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنتی میوے کھانا قرآنِ پاک سے ثابت ہے۔(۵) پانچویں یہ کہ حضورانور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا ہر کام ہمارے لئے سنت نہیں بلکہ وہ کام سنت ہے جو ہمارے لئے لائق عمل ہو۔خصوصیات مصطفوی ہمارے لئے سنت نہیں۔روزہ وصال،9 بیویاں نکاح میں جمع فرمانا ہمارے لئے نہ سنت ہیں،نہ لائق عمل۔سنت وحدیث میں یہی فرق ہے۔ (مراۃ المناجیح،ج۳،ص۱۵۲)

......صحیح البخاری،کتاب الصوم،باب الوصال،الحدیث:۱۹۶٤،ص۱۵۳۔

الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان،کتاب التاریخ،باب من صفتہ واخبارہ،الحدیث:۶۳۷۹،ج۸،ص۱۰۹.

خود پر تو سختی فرماتے مگر اپنے علاوہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں پر نرمی و آسانی فرماتے اور یہ لوگوں پر شفقت و مہربانی کے سبب اور اس خوف سے کہ کہیں وہ اَعمال میں کوتاہی و سستی کا شکار نہ ہو جائیں۔

حضرتِ سیِّدُنا عارف باللہ امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) نے "اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّۃ" میں نقل فرمایا کہ حضرت سیِّدُنا رُویم بن احمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد (متوفی ۳۰۳ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''حکیم (یعنی دانا شخص) کی حکمت میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اسلامی بھائیوں پر احکام میں وسعت و نرمی پیدا کرے اور خود پر تنگی و سختی کرے۔ اس لئے کہ دوسروں پر وسعت، علم کی اتباع ہے اور خود پر سختی، وَرَع (پرہیزگاری)[1] کے حکم میں ہے۔''[2]

تصوف کی بنیاد:

حضرت سیِّدُنا ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۶۹ھ) نے ارشاد فرمایا: ''تصوُّف کی اصل (یعنی بنیاد) قرآن و سنت پر پابندی سے عمل کرنا، نفسانی خواہشات اور بدعتوں سے اجتناب کرنا، مشائخ عظام رحمہم اللہ السلام کی حرمتوں (یعنی عہد وغیرہ) کی تعظیم و احترام کرنا، بندوں کے عذروں (یعنی مجبوریوں) پر نظر رکھنا اور اوراد و وظائف کی پابندی کرنا اور رخصتوں اور تاویلوں کے اِرتکاب سے پرہیز کرنا ہے۔''[3]

سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کی ورع و پرہیزگاری:

سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے بارے میں منقول ہے کہ ان حضرات کی ورع ایسی تھی کہ وہ 70 قسم کے حلال کاموں کو محض اس خوف سے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں کسی ایک حرام کام میں نہ پڑ جائیں اور یہ ان کے حق میں گناہ نہیں ہوتا تھا بلکہ محض عزیمت کو اختیار کرنے کی وجہ سے ایسا کرتے۔ چنانچہ،

حضرتِ سیِّدُنا عارف باللہ امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) نے "اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّۃ" کے ''باب الورع'' میں نقل فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''ہم 70

[1]...... "اَلرِّسَالَۃُ الْقُشَیْرِیَّۃ" میں ہے: ''وَرَع، شبہات کو ترک کرنے کا نام ہے۔ ایسا ہی حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے بیان فرمایا کہ ''وَرَع، ہر شبہ والی چیز کو ترک کرنا ہے۔'' (الرسالۃ القشیریۃ ،باب الورع ، ص ۱۴۶)

[2]......الرسالۃ القشیریۃ ،ابو محمد رویم بن احمد ،ص۵۵.

[3]......المرجع السابق،ابوالقاسم ابراھیم بن محمد النصر اباذی ،ص۸۶.

قسم کے حلال کاموں کو ترک کر دیا کرتے تھے، اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں کسی ایک حرام کام میں مبتلا نہ ہو جائیں۔'' [1]

سب سے بڑا عبادت گزار:

حضرت سیِّدُنا امام قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۴۶۵ھ) نے یہ حدیثِ پاک بھی نقل فرمائی کہ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، صاحبِ معطر پسینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ارشاد فرمایا: ''ورع اختیار کرو سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔'' [2]

علامہ نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے تبصرے کا خلاصہ:

ورع (یعنی شبہات سے بچنے) کے معاملہ میں متقدمین ومتاخرین صالحین رحمہم اللہ المبین کے واقعات ومعاملات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا اور ان میں سے کوئی بھی واقعہ یا عمل گناہ نہیں اور نہ ہی وہ عمل میں میانہ روی واعتدال سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ دین صرف اعتدال ومیانہ روی میں منحصر نہیں کہ اس سے (اَقوالِ فقہا اور معاملاتِ اولیا میں) تعارض وٹکراؤ پیدا ہو۔ بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (پ۲۲، فاطر: ۳۲)

ترجمۂ کنز الایمان: پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میانہ روی کو دین کی ایک نوع (یعنی قسم) فرمایا ہے اور میانہ روی اختیار کرنے والوں کو اپنے چنے ہوئے بندوں میں سے ''بعض'' قرار دیا ہے (یعنی میانہ روی اختیار کرنے والوں کے علاوہ بھی چنے ہوئے بندے ہیں جیسے سخت عبادات کرنے والے بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین)۔ نیز کھانے (وغیرہ) میں کمی کے ذریعے ریاضت کے مکروہ ہونے کے متعلق فقہائے احناف اور دیگر علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے جو کلام فرمایا ہے وہ اس ریاضت کے

[1] ......الرسالة القشيرية، باب الورع، ص ١٤٦.

[2] ......سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب الورع والتقوى، الحديث: ٤٢١٧، ص ٢٧٣٣۔
الرسالة القشيرية، باب الورع، ص ١٤٦.

بارے میں ہے جو بندے کو ہلاکت میں مبتلا کردے ۔جبکہ سلف صالحین رحمہم اللہ المبین اس بات سے باخبر تھے کہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے اور جس روحانی غذا کے سبب وہ عادات سے آگے نکل جاتے ہیں (یعنی کرامات کا ظہور ہوتا ہے) وہ روحانی غذا اس سے بھی زیادہ پر قدرت رکھتی ہے اور یہی معاملہ ہر اس شخص کا ہے جو ان جیسا ہو۔ **وَاللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ** (یعنی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے) اور یہ بھی یاد رہے کہ احناف کا مؤقف ونظریہ، سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے نظریات کے خلاف نہیں **وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق** (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے)۔

تیسرا جواب:

تیسرا جواب یہ ہے کہ گذشتہ آیات واحادیث نیز ارشاداتِ فقہا رحمہم اللہ تعالیٰ سے بظاہر عبادات میں سختی کی جو ممانعت وارد ہے۔ شرع محمدی میں اس کی دو علتیں (یعنی دلیلیں) ہیں۔

(۱)......علتِ لِمّی (۲)......علتِ اِنّی [1]

حضرات علمائے کرام رحمہم اللہ السلام کے نزدیک یہ دونوں دلیلیں اس ممانعت کا سبب ہیں۔ چنانچہ،

[1] ......دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 149 صفحات پر مشتمل کتاب، ''نصاب المنطق''، صفحہ 138 اور 139 پر ہے: قیاس برہانی کی دو قسمیں ہیں: (۱)۔ دلیل لمی (۲)۔ دلیل انی۔(۱)......دلیل لمی: جس قیاس میں حدِ اوسط نتیجے کے جاننے کیلئے علت بننے کے ساتھ حقیقت میں بھی نتیجے کیلئے علت ہو اسے دلیل لمی کہتے ہیں۔ جیسے گھر میں آگ جل رہی ہے۔ جہاں آگ جلتی ہے وہاں دھواں اٹھتا ہے۔ پس گھر سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ اس مثال میں آگ (جو حد اوسط ہے) سے ہمیں دھواں کے اٹھنے کا علم ہوا اسی طرح حقیقت میں بھی آگ دھواں کیلئے علت ہے لہٰذا یہ قیاس دلیلِ لمی ہے۔(۲)......دلیل انی: جس قیاس میں حد اوسط نتیجے کے جاننے کیلئے تو علت بن رہی ہو لیکن حقیقت میں وہ نتیجے کیلئے علت نہ ہو اسے دلیل انی کہتے ہیں۔ جیسے گھر سے دھواں اٹھ رہا ہے جہاں دھواں اٹھتا ہے وہاں آگ جلتی ہے۔ پس گھر میں آگ جل رہی ہے۔ اس مثال میں دھواں (جو حد اوسط ہے) سے ہمیں آگ کے جلنے کا علم ہوا لیکن حقیقت میں دھواں آگ کے جلنے کی علت نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے یعنی آگ کا جلنا دھواں کیلئے علت ہے۔ لہٰذا یہ قیاس دلیلِ انی ہے۔

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مجدد دین وملت، پروانۂ شمع رسالت، عاشق ماہ نبوت، حضرت علامہ ومولانا شاہ **امام احمد رضا خان بریلوی** علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمہارا ظہور...... لِمْ ہے یہ، وہ اِنْ ہوا، تم پہ کروڑوں درود

فائدہ: دلیل لمی وانی کی تعریف یوں بھی کی جاتی ہے۔ علت سے معلول کو سمجھنا دلیل لمی جبکہ معلول سے علت کو سمجھنا دلیل انی کہلاتا ہے۔ جیسے آگ سے دھواں کو سمجھنا دلیل لمی جبکہ دھواں سے آگ کو سمجھنا دلیل انی ہے۔ (نصاب المنطق، سبق نمبر ۵۶، ص ۱۳۸)

﴿1﴾......دلیلِ لِمّی:

پہلی دلیل یعنی دلیل لمی اس طرح ہے کہ جب مکلّف بندہ کوئی سخت عمل کر رہا ہوتا ہے تو پھر اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں وہ سخت عمل اس کے لئے کسی حکمِ شریعت پر عمل میں رکاوٹ نہ ڈال دے۔ اگرچہ یہ خوف بعض کے حق میں ہوتا ہے اور بعض کے حق میں نہیں۔ وہ یوں کہ نفلی عبادات میں سختیوں کی وجہ سے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑ جاتا ہے یا اپنے اوپر واجب کسی غیر کا حق ضائع کر دیتا ہے یا (فرض) عبادت کو ترک کر دیتا ہے یا پھر نفلی عبادت پر ہمیشگی کو چھوڑ دیتا ہے (معلوم ہوا کہ نفلی عبادات میں سختی سے نااہل کو یہ باتیں لاحق ہوجاتی ہیں۔ لہٰذا اسے سخت عبادت نہ کرنی چاہئے)۔

(۱)......اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنے کی وضاحت:

علت لمی کے اعتبار سے پہلی بات یہ بیان ہوئی کہ نفلی عبادات میں سختیوں کی وجہ سے بندہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۖ (پ۲، البقرۃ:۱۹۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

بغیر مرشد سخت ریاضت نہیں ہوسکتی:

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں بیان کردہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو عبادت و ریاضت کی سختیوں کا بوجھ اس لئے برداشت نہیں کر پاتا کہ وہ کسی ایسے شیخ و مرشدِ کامل کی اتباع و پیروی نہیں کرتا جو اپنے مرید کے مزاج اور حال کو جانتا ہو۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص خود بخود ایسی حد سے بڑھی ہوئی ریاضت (یعنی کھانے میں کمی) شروع کر دے حتی کہ ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ نہ تو اس ریاضت پر ہمیشگی اختیار کر سکے اور نہ ہی پہلی حالت پر دوبارہ آسکے۔ کیونکہ گرمی کی شدت اور خشکی کی کثرت کی وجہ سے اس کا معدہ خراب ہوجاتا ہے اور آنتیں جل جاتی ہیں اور بسا اوقات ایسے شخص کے دماغ کی رطوبت خشک ہوجاتی ہے اور اس کا خیال (یعنی اشیاء کا تصور کرنے والی قوت کا نظام) بگڑ جاتا ہے اور عقل و شعور کی قوتیں کمزور پڑ جاتیں ہیں۔ یہ ہے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا جس سے مذکورہ آیتِ مبارکہ میں منع فرمایا گیا ہے اور یہ ہے خود ریاضت کرنے کا انجام جبکہ مرشدِ کامل اپنے مرید کو ان نقصان دہ اشیاء سے بچاتا ہے کیونکہ

وہ شرعی و طبعی علاج کی معرفت رکھتا ہے۔ پس وہ دین اور بدن دونوں کا طبیب ہوتا ہے اور وہ نائب رسول ہوتا ہے اور ایسے افراد سے کوئی بھی زمانہ خالی نہیں ہوتا (یعنی ہر دور میں کامل مرشد مل سکتا ہے)۔''

مرشدِ کامل کی صحبت کا فائدہ:

پھر جب کوئی مرید خود کو کسی مرشدِ کامل کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کی صحبت بابرکت میں رہ کر ظاہر و باطن کے آداب سیکھتا ہے تو مرشدِ کامل اسے اس کے نفس کی حاجت سے آگاہ کرتا اور اسے درجہ بدرجہ شرعی ریاضت کی راہ پر چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے اور گمان و عقل کی تیزی سے آنے والے وسوسوں سے چھٹکارا حاصل کر لیتا تو اس وقت یہ سختیاں اسے ہلاکت کی طرف نہیں لے کر جاتیں۔ کیونکہ اب وہ اس سخت ریاضت میں خود داخل نہیں ہوا بلکہ مرشد کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اس کا یہ عمل سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے عمل کی طرح ہے۔ اس لحاظ سے کہ ان نفوسِ قدسیہ نے بھی اس راہ کا سفر، کامل مرشدوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر طے کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی منقول نہیں کہ ''انہوں نے سخت عبادت و ریاضت کے سبب کچھ نقصان اٹھایا ہو۔'' بلکہ انہوں نے اس سے دینی معاملات میں نفع ہی حاصل کیا۔ **اور مرشدِ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس راہ پر چلنا ہمیشہ سے سالکین کا طریقہ رہا ہے** اور حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام نے جو سخت ریاضت سے منع فرمایا ہے۔ اس سے ان کا مقصود عمومی طریقہ پر اس سے باز رکھنا ہے۔ جیسا کہ تمام معاملات میں ان کی یہی عادت ہے تاکہ تمام مکلفین کو فائدہ پہنچایا جائے۔

(۲)......واجب حق کے ضائع ہونے کا مطلب:

دلیل لِمِّی کے اعتبار سے دوسری بات یہ بیان ہوئی کہ نفلی عبادات میں سختیوں کی وجہ سے بندہ اپنے اوپر واجب کسی غیر کا حق ضائع کر دیتا ہے اور اس غیر میں سب سے پہلے اس کا نفس ہے یعنی اپنی جان کا حق ہے کیونکہ اپنے نفس کو باقی رکھنا اور اس کے حواس کی بقا بندے پر لازم ہے۔ پھر بیوی بچوں اور دیگر گھر والوں (یعنی والدین وغیرہ) کے حقوق اس پر واجب ہیں۔ اس طرح کہ ان کی دیکھ بھال، تربیت، خدمت اور حفاظت میں مشغول رہے اور ان کے مصالح کا پورا خیال رکھے۔ **مسئلہ:** اگر اس شخص کے یہ تمام حقوق کوئی اور شخص پورے کر دیتا ہو یا وہ شخص ان حقوق سے مستغنی ہو یعنی

بیوی بچے اور دیگر گھر والے نہ ہوں تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی مرشد کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کی صحبت میں رہتے ہوئے سخت عبادات بجالائے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ صورت نہ ہو (یعنی بیوی بچوں اور والدین وغیرہ موجود ہوں یا ان کے حقوق پورا کرنے والا کوئی اور نہ ہو) تو اس کے لئے سخت عبادات (اور مجاہدات وغیرہ) میں لگ جانا منع ہے۔ اگر کرے گا تو گنہگار ہوگا (اسے چاہئے کہ ان کے حقوق پورے کرے)۔

(۳)......عبادت ترک کرنے سے مراد:

دلیل لمی کے لحاظ سے تیسری بات یہ بیان ہوئی کہ نفلی عبادات میں سختیوں کی وجہ سے بندہ (فرض) عبادت کو ترک کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ نفلی عبادت سے لاحق ہونے والی کمزوری کی وجہ سے فرض عبادت کی ادائیگی سے عاجز آ جاتا ہے اور اپنی اس نیت کی خرابی کے سبب فرض عبادت چھوڑ دیتا ہے جس کے ساتھ اس عبادت میں مصروف ہے اور ہر وہ شے جس سے فرض چھوٹے وہ حرام ہے (لہٰذا ایسی نفلی عبادت جائز نہیں جس سے فرض چھوٹ جائے)۔

(۴)......عبادت پر ہمیشگی کو چھوڑنے کی وضاحت:

دلیل لمی کے لحاظ سے چوتھی چیز یہ بیان ہوئی کہ نفلی عبادات میں سختی کی وجہ سے بندہ ان پر ہمیشگی کو چھوڑ دیتا ہے۔ یعنی شروع شروع میں تو نفلی عبادت پر ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے لیکن مستقبل میں کمزوری کا شکار ہو کر اور نیت میں فساد آنے کی وجہ سے اس عبادت پر استقامت پانے سے محروم ہو جاتا ہے (لہٰذا ایسے شخص کو نفلی عبادات میں سختی نہیں کرنی چاہئے)۔

نفلی عبادت پر استقامت پانے کا طریقہ:

بیان ہوا کہ اپنے طور پر کسی نفلی عبادت میں سختی اختیار کر کے اس پر استقامت پانا مشکل کام ہے۔ بلکہ وہی سختی اس عمل پر استقامت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ البتہ! اگر ابتدا ہی سے کسی مرشدِ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر (ان کے عطا کردہ طریقہ کے مطابق) نفلی عبادت میں سختی اختیار کی جائے تو کسی قسم کی کمزوری اور فسادِ نیت کے سبب استقامت سے محرومی نہیں ہوگی کیونکہ مرشدِ کامل کی صحبت میں بدن اور دین دونوں کی سلامتی ہے اور ایسے بندے (یعنی مرید) پر اللہ عَزَّوَجَلَّ یہ احسان و مہربانی فرماتا ہے کہ اسے اپنی معرفت اور قربِ خاص سے نوازتا ہے اور خلقتِ آدمیت اور طبیعتِ انسانیت میں اس کی مثل لوگوں سے ممتاز فرما دیتا ہے۔

﴿2﴾......دلیلِ اِنّی:

دوسری دلیل یعنی دلیلِ اِنّی اجمالی طور پر یوں ہے کہ حضور نبیٔ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو تائیدِ الٰہی حاصل ہے جس کے سبب آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہر اس کام پر قدرت وطاقت رکھتے ہیں جسے کوئی بھی امتی نہیں کرسکتا۔ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ ذاتِ الٰہی کا علم رکھنے والے ہیں۔ پس آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے دین میں افضل واکمل باتوں کو بیان کرنے کے معاملہ میں کسی قسم کا بخل، ترکِ نصیحت، کمزوری، سستی اور لاعلمی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا جس راستہ پر حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ امت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہیں اگر عبادت و قربِ الٰہی کے لئے کوئی راستہ اس سے افضل اور زیادہ فائدہ والا ہوتا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ضرور اس کو اپناتے یا اس کو امت کے لئے بیان فرماتے اور انہیں اس راستہ پر چلنے کے لئے ابھارتے۔ ثابت ہوا کہ یقیناً قطعاً وہ راستہ جس پر حضور نبیٔ پاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہیں وہی ہر راستہ سے افضل، زیادہ نفع بخش اور معرفتِ الٰہی اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ قریب ہے۔

دلیلِ اِنّی کی تفصیل ووضاحت:

دلیلِ اِنّی تفصیلی طور پر اس طرح ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمارے پیارے آقا، دوعالم کے داتا، مدینے والے مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ چنانچہ،

﴿۱﴾ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴿۱۰۷﴾ (پ۱۷، الانبیاء:۱۰۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

﴿۲﴾

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری

رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ (پ ۱۱، التوبة:۱۲۸) بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

مہربان آقا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم کی مہربانیاں:

بیان کردہ آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم، عالمین کے لئے رحمت اور مسلمانوں پر مہربان وشفیق ہیں اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی لوگوں پر رحمت میں سے ان پر مہربانی وشفقت فرمانا بھی ہے نیز آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں جس بات کا بھی حکم دیا یا جس بات سے منع کیا اس میں ان پر تخفیف وآسانی فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ معراج کی رات آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ سے امت کے لئے (فرض نمازمیں) تخفیف (یعنی کمی) کا سوال کیا اور بار بار اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوئے یہاں تک پچاس نمازیں کم ہوکر پانچ رہ گئیں۔ نیز جب صحابۂ کرام علیہم الرضوان ایسے احکام کے بارے میں پوچھتے جوان پر مقرر نہیں ہوئے تھے تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم جلال میں آجاتے۔ اس لئے کہ کہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے متعلق کوئی ایسا حکم نازل نہ فرما دے جو ان کے لئے سخت ومشکل ہو اور ہمارے پیارے آقا، مکی مدنی مصطفٰی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرمایا کرتے: ''تم (کسی شے کے متعلق سوال کے معاملہ میں) اس وقت تک مجھے چھوڑ رکھو جب تک میں تمہیں چھوڑ رکھوں[1]۔''[2]

حتی کہ اس معاملہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ بھی نازل فرمائی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡیَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ ۚ (پ۷، المائدة:۱۰۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو جوتم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔

یوں ہی فرمانِ مصطفٰی ہے کہ ''اگر میری امت پر شاق (یعنی سخت) نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا (یعنی لازم کردیتا)۔''[3] اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیثِ مبارکہ ہیں جن میں امت پر شفقت و مہربانی کا بیان ہے۔ الغرض حضور نبیٔ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا دین میں سختیوں سے منع فرمانا امت پر کمال مہربانی اور شفقت کی بنا پر ہے تاکہ امت کو دین کی کسی بات پر عمل میں تنگی ودشواری نہ ہو۔

---

[1]......یعنی جب تک میں تمہیں کسی شے کے کرنے یا اس سے رکنے کا حکم نہ دوں تم اس کے بارے میں سوال نہ کیا کرو۔ (فیض القدیر، ج۳، ص۷۵۲)

[2]......جامع الترمذی، ابواب العلم، باب فی الانتهاء عما نهی عنه رسول اللہ ﷺ، الحدیث:۲۶۷۹، ص۱۹۲۲.

[3]......جامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب ماجاء فی السواك، الحدیث:۲۳، ص۱۶۳۲.

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے تائید وتقویت:

رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو رب تبارک وتعالٰی کی طرف سے تائید وتقویت بھی حاصل ہے یوں کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عنایت ہیں اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم حقوق کی ادائیگی میں کمی اور عبادت میں تھکاوٹ وسستی سے محفوظ ہیں۔ اس تائید وتقویت کے باعث آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ایسی عبادت وطاعت پر قادر ہیں جس پر کسی بھی امتی کو قدرت حاصل نہیں۔ حتی کہ صوم وصال (یعنی بغیر افطار لگا تار روزے) کے معاملہ میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے واضح فرمادیا کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم صوم وصال رکھنے میں امت سے زیادہ قوت رکھتے ہیں کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو اس سے منع فرما دیا تھا۔ چنانچہ، ارشاد فرمایا: ''میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ میں تو اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے پاس اس طرح رات گزارتا ہوں کہ وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔''(1)

نیز شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال، دافِعِ رنج ومَلال صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ایسی بے شمار خصوصیات جو علیحدہ تصنیف کی متقاضی ہیں وہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اس جسمانی وروحانی قوت پر دلالت کرتی ہیں جو کسی اور میں نہیں پائی جاتیں۔

سب سے زیادہ خوف وخشیت:

پھر یہ کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم تمام لوگوں سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خشیت اور اس کا خوف رکھنے والے ہیں نیز سب سے زیادہ ذاتِ الٰہی کا علم ومعرفت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں مروی ہے اور اس کا بیان گزر چکا ہے تو پھر حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم پر ایمان لانے والا مسلمان یہ تصوُّر بھی نہیں کرسکتا کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اعلیٰ وکمال درجے کی عبادات وطاعات کو بیان نہ کرکے یا امت کے حق میں کسی کمال کو چھپا کر بخل کیا اور نہ ہی کوئی مومن یہ خیال کرسکتا ہے کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے امت کے لئے نفع بخش باتوں کی نصیحت ترک فرمادی یا زیادہ نفع والی باتوں کو بیان کرنے میں کمزوری وبے ہمتی اور سستی سے کام لیا اور نہ ہی یہ تصوُّر ہوسکتا ہے

---

(1)......المسند للامام احمد بن حنبل، مسند انس بن مالك بن النضر، الحديث: ۱۳۲۸۱، ج٤، ص٤٣٥.

کہ دین کے معاملہ میں علم وعمل کے لحاظ سے امت کے حق میں زیادہ نفع بخش باتوں کا انہیں علم نہ تھا۔ کیونکہ جس راستہ پر حضور نبی اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہیں اگر عبادت وقربِ الٰہی کے لئے کوئی راستہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک اس سے افضل اور زیادہ فائدہ والا ہوتا تو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ضرور اس کو اختیار فرماتے یا اس کو امت کے لئے بیان فرماتے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں کو اس راستہ پر چلنے کی ترغیب ارشاد فرماتے اس لئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو بندوں کی طرف اسی لئے بھیجا تاکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ان کو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی فرمائیں اور اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پیارے حبیب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ (پ ۶، المائدۃ:۶۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا۔

سب سے افضل واکمل طریقہ:

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یقیناً قطعاً وہ طریقہ جس پر حضور نبی پاک صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہیں یعنی آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اقوال، افعال اور احوال یہ دیگر تمام طریقوں سے افضل، زیادہ نفع بخش اور معرفت الٰہی اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

دیگر طریقوں سے مراد تمام لوگوں کے قیامت تک طریقے ہیں یعنی آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک زمانے سے لے کر یومِ حشر تک ہر زمانے کے لوگوں کے طریقوں سے حضور نبی اکرم، نورِ مجسم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا مبارک طریقہ افضل واکمل اور سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کا مبارک طریقہ:

سَیِّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا طریقہ وہی ہے جو بیان ہو چکا کہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے امت کو اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے اور احوال میں افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کا حکم ارشاد فرمایا ہے جیسا کہ بطورِ عادتِ مبارکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی سیرتِ پاک ہے تاکہ اُمت آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی اقتدا

وپیروی (آسانی کے ساتھ) کر سکے اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم سے اپنے دین کے متعلق ارشادات نقل کر سکے۔ چنانچہ،

(۱)......تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوَّت، مَخْزنِ جودوسخاوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے اپنی سعادت منداونٹنی پر طواف کرتے وقت ارشاد فرمایا: ''مجھ سے اپنے احکامِ حج سیکھ لو۔'' [1]

(۲)......شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، صاحبِ معطر پسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کا فرمانِ باقرینہ ہے: ''نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو۔'' [2]

حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی سیرتِ عامہ اور خاصہ:

یہاں جس قدر بیان ہوا یہ حضور نبیٔ رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی سیرتِ عامہ ہے جس پر اہلِ نقل اور اہلِ روایت علمائے ظاہر مطلع ہوئے۔ رہی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی سیرتِ خاصہ اور شریعت کی باطنی باتیں ان پر زمانۂ نبوی میں اور بعد میں منافقین قائم نہ تھے اور نہ ہی وہ ان کو پہچان سکے۔ اس لئے کہ وہ ظاہر میں مؤمنین کے شریک نہ ہو جائیں یہ وہ امور تھے جن کو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے اپنے خاص وممتاز صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے پوشیدہ رکھا اور انہوں آگے اپنے خاص اصحاب کے لئے پوشیدہ رکھا کیونکہ یہ اہم اُمور، سچے اَحوال اور ان اَعمال سے حاصل ہوتے ہیں جو اخلاص، تقویٰ، خشوع اور حضورِ قلبی پر مبنی ہوں۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ (پ۳، البقرۃ: ۲۸۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔

اور یہ وہ پوشیدہ علوم اور مخفی معارفِ الٰہیہ لدنیہ ہیں جن کی طرف نبیوں کے سلطان، سرورِ ذیشان، محبوبِ رحمٰن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے اپنے اس فرمانِ ذیشان میں اشارہ فرمایا ہے کہ ''بعض علوم پوشیدہ ہیں جنہیں صرف معرفتِ الٰہی رکھنے والے علما ہی جانتے۔ جب وہ اس علم کو بیان کرتے ہیں تو صرف وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں دھوکے کا شکار رہیں۔'' [3]

---

1 ......صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر راکبا......الخ، الحدیث: ۳۱۳۷، ص۸۹۳۔
السنن الکبری للبیھقی، کتاب الحج، باب الایضاع فی وادی محسر، الحدیث: ۹۵۲۴، ج۵، ص۲۰۴.

2 ......صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافرین اذا کانو جماعۃ......الخ، الحدیث: ۶۳۱، ص ۵۱.

3 ......فردوس الاخبار للدیلمی، باب الالف، الحدیث: ۷۹۹، ج۱، ص ۱۲۶.

اور دھوکے کے شکار لوگوں سے مراد وہ ہیں جن کا شریعت محمدیہ کے ظاہری علم والے علما انکار کرتے ہیں اور ظاہری علم وہ ہے جس کو زمانۂ نبوی اور بعد کے مومن ومنافق سب پہچانتے ہیں تو یوں اس پر عمل میں بظاہر دونوں فریق برابر ہو جاتے ہیں اور (سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) ہم نے ایک رسالہ بنام ''اَلتَّنْبِیْہُ مِنَ النَّوْمِ فِیْ حُکْمِ مَوَاجِیْدِ الْقَوْم '' لکھا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ ''علمِ ظاہر'' کی طرح ''علمِ باطن'' اور ''علمِ کراریس واوراق'' کی طرح ''علمِ اذواق'' بھی کتاب وسنت سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ،

مدنی آقا صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے مبارک علوم:

شارح بخاری امام احمد بن محمد قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۹۲۳ھ) ''اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِّیَّۃ ''میں نیز دیگر محدثین رحمہم اللہ المبین حدیثِ معراج بیان کرتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ''میرے رب عَزَّوَجَلَّ نے مجھ سے سوال کیا تو میں جواب نہ دے سکا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنا دستِ قدرت میرے کاندھوں کے درمیان رکھا (اس دستِ قدرت کی کیفیت وحد بندی نہیں کی جا سکتی) تو میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے اولین اور آخرین کا علم عطا فرمایا اور مجھے مختلف علوم عطا فرمائے۔ جن میں سے ایک علم کو چھپانے کا مجھے حکم دیا۔ کیونکہ میرے سوا کوئی اور اس علم کو اٹھانے پر قدرت نہیں رکھتا اور ایک علم میں مجھے اختیار دیا ہے (یعنی چاہے ظاہر کروں چاہے چھپاؤں) اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے قرآنِ پاک سکھایا۔ حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام مجھے یاد دلایا کرتے۔ نیز ایک علم ایسا عطا فرمایا جسے امت کے عام وخاص تک پہنچانے کا مجھے حکم دیا۔''[1]

تو غور کیجئے! حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ''صحیح علم'' کو صرف اس علم کے ساتھ خاص نہیں فرمایا جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہر عام وخاص تک پہنچانے کا حکم دیا اور وہ ''علم احکام'' ہے جس میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم ہے اور اعتدال ومیانہ روی اس علم میں ہے جسے علمائے ظاہر جانتے ہیں جیسا کہ باطنی علوم سے قاصر اہل ظاہر نے عمل کیا۔ حالانکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے یہاں خبر دی ہے کہ یہاں دو علوم اور بھی ہیں اور وہ بھی صحیح وحق ہیں بلکہ کئی مختلف علوم ہیں جیسا کہ حدیثِ پاک میں ارشاد ہوا۔

1 ......جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ صٓ، الحدیث ۳۲۳۳، ص ۱۹۸۲۔
المواھب اللدنیۃ للقسطلانی، المقصد الخامس الاسراء والمعراج، ج۲، ص۳۸۱.

''علمِ نبوت'' چھپانے کا حکم:

اور وہ علم جسے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو چھپانے کا حکم دیا گیا وہ ''علمِ نبوت'' ہے، اس کو صرف ''نبی'' ہی جانتا ہے۔ اسی لئے تو اس کے بارے میں حضور نبیِّ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ ارشاد فرمایا: ''کیونکہ میرے سوا کوئی اور اس علم کو اٹھانے پر قدرت نہیں رکھتا۔'' اس فرمان سے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اسے چھپانے کے حکم کی وجہ بیان فرما دی اس لئے کہ اسے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اس حیثیت سے کہ کوئی اس علم کو اٹھانے یعنی جاننے و سمجھنے پر قادر نہیں کیونکہ اسے جاننے پر صرف ''نبی'' کو قدرت ہوتی ہے اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے بعد کوئی نبی نہیں (یعنی حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰے صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم آخری نبی ہیں) لہٰذا جب بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تو چھپانے کا حکم دیا۔

''علمِ وِلایت'' میں اختیار:

اور وہ علم جس میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو اختیار دیا گیا وہ ''علمِ ولایت'' ہے اور یہ شریعت کا باطن، اس کے اسرار اور اس کی حقیقت ہے اور یہ علم، تقویٰ اور بارگاہِ الٰہی میں اپنے معاملہ کی درستی سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ حضرت سیِّدُنا خضر عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے متعلق درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ سے اس مبارک علم کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ،

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ (پ۱۵، الکھف: ۶۵) ترجمۂ کنز الایمان: اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔

اور ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ (پ۳، البقرہ: ۲۸۲) ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔

اور سیِّدِ عالم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا اور دین کا شعور الہام فرماتا ہے۔''(1)

---

(1)......جامع الترمذی، ابواب العلم، باب اذا راد اللہ بعبد......الخ، الحدیث: ۲۶۴۵، ص ۱۹۱۸۔

الجامع الصغیر، الحدیث: ۹۱۰۴، ص۵۴۶.

اور یہ ''علمِ ولایت'' معرفتِ الٰہی رکھنے والے علما کو حضور رحمتِ عالمیان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے باطن سے عطا ہوتا ہے اور یہ ان الہامی سندوں اور کامل کشفی ذرائع سے ملتا ہے جو مکی مدنی آقا، دوعالم کے داتا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے قلبِ اطہر اور باطنی حال تک پہنچتے ہیں جیسے وہ علم جسے بندوں تک پہنچانے کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا وہ علم بھی شاہِ موجودات، معلمِ کائنات صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ سے ملتا ہے اور یہ راویوں کی سندوں اور باعتماد مشائخ کے واسطوں سے حاصل ہوتا ہے جو پیارے آقا صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک منہ اور ظاہری عمل تک پہنچتے ہیں۔

ظاہری و باطنی علم کے جامع:

معرفتِ الٰہی رکھنے والے علما جن کو ظاہری و باطنی ہر دو قسم کا علم بارگاہِ رسالت سے عطا ہوتا ہے ان میں ایک ہستی حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بھی ہے۔ چنانچہ،

(حضرت سیِّدُنا سعید مقبری علیہ رحمۃ اللہ القوی سے مروی ہے کہ) حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے نبیوں کے سلطان، سرورِ ذیشان، محبوب رحمٰن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم سے (علم کے) دو تھیلے سیکھے۔ ایک کو تو میں نے عام کر دیا اور اگر دوسرے کو عام کروں تو میرا یہ نرخرہ (یعنی حلق) کاٹ دیا جائے۔''[1]

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مراد یہ ہے کہ ''لوگ مجھ پر کفر کا حکم لگا کر قتل کر دیں گے۔ اس وجہ سے کہ میں معانی کے جن ''حقائق'' اور شریعتِ مطہرہ کے جن ''اَسرار'' کی طرف اپنے کلام میں اشارہ کروں گا لوگ اسے سمجھ نہ پائیں گے۔'' پس علم کا وہ تھیلا جسے حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عام کیا وہ ''علمِ ظاہر'' ہے یعنی شریعت محمدیہ کے احکام ہیں جس کی معرفت حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام رکھتے ہیں اور علم کا وہ تھیلا جسے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عام نہیں فرمایا وہ ''علمِ باطن'' ہے یعنی شریعت محمدیہ کے حقائق کا علم ہے جس کی معرفت مقربین بارگاہ الٰہی اولیائے کرام وصدیقین عظام ہی رکھتے ہیں۔

حاصلِ گفتگو:

اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ''علمِ تقویٰ'' جو ریاضت ومجاہدہ اختیار کر کے نیز رب عَزَّوَجَلَّ کے دیکھنے اور قلبی طور پر

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم، الحدیث: ۱۲۰، ص۱۳.

اس کی بارگاہ میں حاضری کے تصور سے خواہشاتِ نفس سے رک کر حاصل ہوتا ہے یہ بھی ''صحیح علم'' ہے اور بارگاہِ رسالت سے عطا ہوتا ہے اور اس علم کے اہل یعنی اسے جاننے والے علمائے عظام رحمہم اللہ السلام کے پاس قرآن وسنت، مصطفٰی جانِ رحمت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک اعمال، آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے فرامین کے اشارات اور صحابۂ کرام، تابعین وسلف صالحین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے احوال سے اس علم پر دلائل موجود ہیں۔ جیسا کہ ''علمِ ظاہر'' جو مشائخ عظام (یعنی محدثین) کے سامنے حدیث پڑھ کر، ان سے اس کی روایت کرکے اور کتب سے یاد کرکے حاصل ہوتا ہے یہ بھی ''صحیح علم'' ہے اور اس علم کے علما کے پاس قرآن وحدیث، شمع بزمِ ہدایت صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے مبارک فرامین ومقدس اعمال اور حضرات صحابۂ کرام، تابعین وسلف صالحین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اَقوال واَفعال سے اس علم پر دلائل موجود ہیں۔

علمائے ظاہر وباطن سے زمین کبھی خالی نہ ہوگی:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ان دونوں (ظاہری وباطنی) علموں کے جاننے والے علمائے کرام رحمہم اللہ السلام سے زمین کبھی خالی نہیں رہی اور نہ ہی اِنْ شَاءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کبھی خالی ہوگی کہ یہ علمائے عظام رحمہم اللہ السلام، حضور خَاتَمُ الْمُرْسَلِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے نائب اور مکلّف بندوں پر حجت ہونے کی حیثیت سے ان علوم کو قائم رکھتے ہیں۔ البتہ ان دونوں علموں کے علما میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جو رضائے الٰہی اور بندوں کی خیر خواہی کے لئے اپنے علم کو قائم رکھتے ہیں اور بعض ان میں سے فاسد ومفسد، گمراہ وگمراہ گر اور نیکوں کا لبادہ اوڑھے ہوتے ہیں جبکہ وہ ان میں سے نہیں ہوتے۔ وہ تو محض جھوٹا لبادہ اوڑھنے والے ہوتے ہیں۔ پس جس طرح بعض صوفی فاسق، بے دین اور جاہل ہوتے ہیں اسی طرح بعض فقہا فاسق، فاجر اور خبیث ہوتے ہیں۔ مگر ان بعض کے فساد وخرابی کی وجہ سے اس قسم کے تمام افراد فاسد وخراب نہیں ہوتے بلکہ وہ طریقہ خراب ہوتا ہے جس کو قائم رکھنے کا وہ فاسد وگمراہ لوگ گمان کئے ہوتے ہیں۔

جب ہم نے یہ ساری باتیں جان لیں تو اب یہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ان دونوں فریقوں یعنی ظاہری علم اور باطنی علم کے جاننے والوں میں سے بُرے افراد کے متعلق تجسس میں پڑیں یا کسی مُعَیَّن شخص

(یعنی PARTICULAR) کے بارے میں بدگمانی کریں۔لیکن ہم کسی معین شخص کی برائی کئے بغیر علی العموم ظاہر کے معاملہ میں محتاط وہوشیار رہیں گے، باطن کے معاملہ میں نہیں۔وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ یعنی اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کوسنوارنے والے سے۔

سلف صالحین سے منقول سختیوں اور مجاہدوں کے محمل:

''دلیلِ لِمّی''اور''دلیلِ اِنّی'' سے معلوم ہوگیا کہ اگر دین میں میانہ روی واعتدال سے بڑھ کر کوئی افضل واکمل عمل ہوتا توسیّدُ الْمُبَلِّغِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس عمل کوضرور بیان فرماتے۔تو اب سلف صالحین رحمہم اللہ المبین سے منقول سختیاں اور مجاہدے جو بظاہر حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے حال کے خلاف ہیں نیز یہ، اعمال میں جس میانہ روی کا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حکم دیااور ہر عام وخاص تک اس کو پہنچایا اس کے بھی معارض ہیں۔ان سختیوں کودرج ذیل باتوں پرمحمول کریں گے۔

﴿1﴾...... پہلا محمل:

اسلاف کرام رحمہم اللہ السلام کی یہ سختیاں اور مجاہدے،غفلت ودُنیا کے دھوکے سے بیمار ہوجانے والے دلوں کے علاج کے لئے ہوتے ہیں تاکہ انہیں دوبارہ صحت وعافیت کی طرف لایا جائے۔کیونکہ جس طرح اجسام بیمار ہوتے ہیں دل بھی بیمار ہوتے ہیں۔جیسا کہ اس ارشادِ باری تعالیٰ میں اس کی طرف اشارہ ہے: ﴿ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ﴾ (پ۱،البقرۃ:۱۰)

ترجمۂ کنز الایمان: ان کے دلوں میں بیماری ہے ۔ اور جن لوگوں کے دل بیمار ہوتے ہیں انہیں ان بیماریوں کے علاج کی حاجت ہوتی ہے اور یہ وہ اہل علم ہیں جوظاہری علم رکھتے ہیں جنہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور نفسانی خواہشات ان کے ساتھ ایسا کھیل کھیلتی ہیں کہ ان کو راہِ حق سے اندھا کردیتی ہیں توان کے لئے ایسی سختیاں برداشت کرنا ضروری ہوجاتا ہے تاکہ ان کی روحیں صحیح راہ پر آجائیں اور رضائے الٰہی کے باغات میں وصولِ الٰہی کے اشجار کے درمیان چلنے والی دھیمی وخوشگوار قبولیت کی ہواؤں سے ان کے نفوس ہوش میں آجائیں۔چنانچہ،

کون سے علماوارثین انبیا ہیں؟

حضرت سیِّدُنا شیخ عبدالرءُوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۱۰۳۱ھ)''فَیْضُ الْقَدِیْر شَرْحُ الْجَامِعِ الصَّغِیْر''

میں صاحبِ ''قُوْتُ الْقُلُوْب''،حضرت سیِّدُ نا شیخ ابوطالب محمد بن علی بن عطیہ حارثی مکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۳۸۶ھ) سے نقل کرتے ہیں انہوں نے ارشادفرمایا: ''علمِ ظاہراورعلمِ باطن دونوں اصل ہیں جوایک دوسرے سے مستغنی نہیں اور اسلام وایمان کی طرح ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے جسم اور دل کہ ان میں ایک، دوسرے سے جدانہیں ہوتااورایک قول یہ بھی ہے کہ علمِ باطن دل سے ظاہر ہوتا ہےاورعلمِ ظاہرزبان سے نکلتا ہے پس علمِ ظاہر کانوں سے تجاوزنہیں کرتا اور محض علمِ ظاہر والوں کوایسے علمانہیں کہا جاسکتا جوانبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کے وارث ہیں کیونکہ ان کے وارثین تووہ باعمل، نیک اور پرہیزگار علما ہیں جنہیں موروثی علم اسی صفت کے ساتھ ملتا ہے جس صفت پر وہ مُورِث یعنی اس کے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس تھا۔وہ علم والا وارث نہیں جس کا علم اس کے خلاف حجت بن جائے اوراس کے دل میں ''نورِعلم'' پہنچنے میں بری نیت،خبث باطنی اورنفسانی خواہشات کی پیروی رکاوٹ ڈالے اورعلم کی حقیقت کو چھپادے اوروہ اس وعید کا مستحق ہوجائے کہ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ (پ۱۲، ھود:۹۸)

ترجمۂ کنزالایمان: توانھیں دوزخ میں لا اتارے گا اور وہ کیا ہی برا گھاٹ اترنے کا۔

موجودہ اہلِ علم کی حالت:

ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشادفرمایا کہ ''یہ حالت ہمارے زمانے کے اہلِ علم کی ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اہلِ علم اپنی شکل وصورت،لباسِ فاخرہ اور پرکشش سواریوں کی سجاوٹ وخوبصورتی میں لگے رہتے ہیں۔اگران کے باطن پرنظرڈالی جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ جس طرح کسی پہاڑ کے گرنے سے موت کا خوف ہوتا ہے ان کے دلوں میں اسی طرح رزق اورمخلوق کا خوف بھرا ہوا ہے اورانہیں یہ ڈر بھی لگا ہوا ہے کہ کہیں لوگوں کے دلوں سے ہماری عزت ومقام کم نہ ہوجائے۔نیز اپنی تعریف پرخوشی ومسرت،اقتدار کی محبت، بلندی چاہنا،ظالموں اور مالداروں کی خوشامدکرنا، غریبوں کوحقیر جاننا،فقر سے دور بھاگنا، مقامِ حق میں بڑائی مارنا،اپنے مسلمان بھائی سے کینہ اوربغض وعداوت رکھنا، ذلت کے خوف سے حق وسچ کوچھوڑ دینااور بولنے میں اپنی خواہش کے پیچھے چلنا،دنیا کی رغبت اورحرص ہونا،بخل و کنجوسی کرنا،لمبی امیدیں باندھنا،اترانا واکڑنا، دل میں کھوٹ ہونا،دھوکا دہی،فخر کرنا،ریاکاری،شہرت چاہنا،مخلوق کی عیب جوئی،چاپلوسی کرنا،خود پسندی،مخلوق کے لئے زیب وزینت،شیخی بگھارنا(یعنی ڈینگ مارنا) تکبر کرنا،دل کے

دھوکے اور سختی و بے رحمی کا شکار ہونا، اکھڑ مزاج ہونا، سختی و بداخلاقی سے پیش آنا، تنگ دل ہونا، مال ملنے پر خوش اور جانے پر غمگین ہو جانا، قناعت اختیار نہ کرنا، دوسرے کے کلام میں طعن کرنا، معاملات میں تلخی و سختی اپنانا، اوچھا و کم ظرف ہونا (یعنی غیر سنجیدہ ہونا اور بیہودگی کرنا)، عجلت پسند ہونا، شدت و غصہ کرنا، رحمت و شفقت کی کمی ہونا، محض اپنی عبادت پر بھروسا کرنا اور نعمتوں کے چھن جانے سے بے خوف ہونا، فضول گفتگو کرنا، مخفی خواہشات کا شکار ہونا (جن کو صرف عقل و بصیرت والے ہی پہچانتے ہیں)، عزت و مرتبہ کی خواہش ہونا، مسلمانوں کو بظاہر بھائی کہنا اور دل میں عداوت رکھنا، اپنی بات ٹھکرائے جانے پر غصہ ہو جانا، لوگوں کے لئے مبالغہ کی تلاش میں رہنا، صرف اپنی فتح و جیت کی کوشش کرنا، مخلوق سے اُنسیت ہونا جبکہ حق تعالیٰ سے وحشت ہونا، غیبت، حسد، چغلی، ظلم اور زیادتی کرنا۔ یہ گندگی اور کوڑے کے وہ ڈھیر ہیں جن میں ان کے باطن ملوث ہیں اور ان کے ظاہر کو دیکھو تو نماز روزہ، دنیا سے بے رغبتی اور اچھے اعمال کی بہت اقسام نظر آتی ہیں۔ پس جب بارگاہِ الٰہی میں ان امور سے پردہ اٹھے گا تو یہ ایک کوڑا خانہ کی مانند ہوں گے جس کو مرداروں سے ڈھانپ دیا جائے تو وہ بدبودار ہو جاتا ہے۔ یہ ہے وہ ریاکار و چاپلوس علم والا جو اپنی خواہشات کے لئے تصنع و بناوٹ اختیار کرتا ہے اور ایسا شخص اپنے عمل میں مخلص نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا نفس شہوت کی آگ میں جکڑا ہوا اور دل نفسانی خواہشات سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور یہ تمام کے تمام عیب ہیں اور غلام میں اگر عیبوں کی کثرت ہو جائے تو اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔'' (1)

﴿2﴾......دوسرا محمل:

اسلاف کرام رحمہم اللہ السلام کی یہ سختیاں اور مجاہدے اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ یہ حضرات نفس کو مسلسل عبادت کی مشق کرواتے ہیں اور اس میں وہ نہ تو کسی کا خود پر واجب حق ضائع کرتے ہیں اور نہ ہی استقامت کو ترک کرتے ہیں بلکہ پوری زندگی اس عمل پر قائم رہتے ہیں اور ایسا کرنے سے یہ کثیر عبادت ان کی عادت و طبیعت بن جاتی ہے پھر انہیں ان سخت اَعمال کو بجالانے پر مشقت نہیں ہوتی۔ جیسے تندرست بدن والے انسان کے لئے غذا کا معاملہ ہے، وہ اپنی صحت کو برقرار رکھنے کی غرض سے اپنے بدن میں غذا سے نفع اٹھاتا ہے اور وہ قبول کرنے اور خواہش رکھنے والے نفس کے

---

(1)......فیض القدیر للمناوی، تحت الحدیث:۵۷۱۷، ج۴، ص۵۱۳.

ذریعے اس غذا سے اپنا حصہ لیتا ہے تو جس طرح تندرست بدن والا غذا سے لذت پاتا ہے اسی طرح یہ قدسی حضرات رحمہم اللہ تعالٰی بھی کثیر عبادت سے لطف وسرور پاتے ہیں۔ چنانچہ،

قبر میں نماز پڑھنے والے بزرگ:

حضرت سیِّدُ نا امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ''بُشْرَی الْکَئِیْب بِلِقَاءِ الْحَبِیْب'' میں نقل فرمایا کہ حضرت سیِّدُ نا ثابت بُنَانِی قدس سرہ النورانی یوں دعا کیا کرتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ إِنْ کُنْتَ أَعْطَیْتَ أَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ الصَّلاۃَ فِیْ قَبْرِہٖ فَأَعْطِنِیْھَا یعنی اے اللہ عزوجل! اگر تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو اُس کی قبر میں نماز اَدا کرنے کا شرف بخشے تو یہ سعادت مجھے عطا فرمانا۔'' اور یہ دعا صرف اس لئے کیا کرتے تھے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ عبادتِ الٰہی میں کمال درجہ کی لذّت وسرور پاتے تھے۔[1] حتی کہ حضرت سیِّدُ نا امام ابونعیم اَحمد بن عبداللہ اَصْفَہانی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۴۳۰ھ) ''حِلْیَةُ الاوْلِیَاء وَطَبَقَاتُ الْاَصْفِیَاء'' میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا سَعِید بن جُبَیْر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں نے اور حضرت سیِّدُ نا حُمَیْد الطویل علیہ رحمۃ اللہ الوکیل نے حضرت سیِّدُ نا ثابت بُنَانِی قدس سرہ النورانی کو لحد میں اُتارا جب ہم نے قبر کی اِینٹیں درست کیں تو ایک اینٹ گر گئی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت سیِّدُ نا ثابت بُنَانِی قدس سرہ النورانی اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔''[2]

نبیٔ کریم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے عمل سے اپنے عمل کو افضل جاننا کفر ہے:

اس بات کو خاص طور پر جاننا چاہیے کہ جو بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین اپنے نفس پر سختیاں کرتے ہیں اور مجاہدات اختیار کرتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ بالکل بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس عمل سے افضل عمل کر رہے ہیں جو عمل میانہ روی اختیار کرتے ہوئے حضور نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے کیا یا اس سے افضل عمل کر رہے ہیں جس عمل کو آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے امت کے لئے بیان فرمایا، کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ **''جو شخص اپنے عمل کو حضور سید الانبیاء والمرسلین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے عمل سے افضل جانے وہ کافر ہے۔''** اور طریقت کے اماموں

---

[1] ......بشری الکئیب بلقاء الحبیب مع شرح الصدور، ذکر صلوة الموتی فی قبورھم، ص ۵۱۔۳۵۰.

[2] ......حلیة الاولیاء، ثابت البنانی، الحدیث: ۲۵۶۸، ج ۲، ص ۳۶۲.

اور معرفتِ الٰہی رکھنے والے پیشواؤں رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے بارے میں ہرگز ہرگز ایسا خیال نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ تو اپنے اعمال میں چاہے جتنا مبالغہ کرلیں انہیں ناقص ہی سمجھتے ہیں اور ایسے عظیم الشان اعمال بجالانے کے باوجود خود کو گنہگار و عاصی خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا شیخ احمد بن ابراہیم بن علان صدیقی مکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۳۳ھ) نے ''شَرْحُ حِکَمِ اَبِیْ مَدْیَن'' (رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ) میں نقل فرمایا کہ حضرت سیِّدُنا خواجہ بہاءالدین نقشبند علیہ رحمۃ اللہ الصمد (متوفی ۷۹۱ھ) سے ان کی کرامات کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انتہائی عاجزی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اس سے بڑی کرامت کیا ہوگی کہ مَیں کثیر گناہوں کے باوجود زمین کے اوپر چل رہا ہوں۔''

نبیٔ کریم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کمال کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہیں:

بلاشبہ ہمارے آقا و مولا حضرت سیِّدُنا محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کمال کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہیں اور اس درجے کے ہوتے ہوئے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو سخت عبادتوں اور مجاہدوں کی حاجت نہیں مگر اس کے باوجود آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اعلانِ نبوت سے پہلے اور بعد ایسے اعمال اختیار فرمائے ہیں۔ جیسے ''غارِ حرا'' میں عبادت کیا کرتے اور قلبِ مبارک اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتا، بغیر افطار لگاتار روزے رکھتے اور مسلسل قیام فرمایا کرتے اور عبادت کی کثرت میں کوئی امتی بھی حضور نبیٔ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہر اچھی خصلت و خوبی میں سب سے آگے ہیں اور (عبادت و ریاضت میں) سبقت کرنے والے ہر حال میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ہی کی پیروی کرتے ہیں۔

اور جس اعلیٰ ترین درجۂ کمال پر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم فائز ہیں اس کے ہوتے ہوئے مطلقاً کوئی بھی شے مثلاً لوگوں سے گفتگو، کھانا پینا، نیند اور عورتوں (یعنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن) کی قربت وغیرہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے قلبِ اطہر کی بارگاہِ الٰہی کی طرف توجہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی اور بارگاہِ خدا کے قرب کے علاوہ قلبِ مبارک کی عدمِ مشغولیت کے معاملہ میں لوگوں سے میل جول اور ان سے دوری دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ،

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم دورانِ نماز بھی

لشکر کو ہدایات (INSTRUCTIONS) دیا کرتے اور نماز سے غافل بھی نہ ہوتے۔[1]

اور ''اَلْجَامِعُ الصَّغِیْر'' میں حضرت سیِّدُ نا عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (میں نے مدینہ منورہ میں حضور نبیِّ کریم ،رَءُ وفٌ رَّحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سلام پھیرنے کے بعد جلدی سے اٹھے اور اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے حجرے میں تشریف لے گئے۔لوگ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی اس جلدی کو دیکھ کر گھبرا گئے۔پھر حضور نبیِّ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ان کے پاس تشریف لائے تو لوگوں کو اس عجلت سے متعجب دیکھ کر) آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے کچھ ''سونا'' یاد آ گیا (جو ہمارے گھر میں تھا) میں نے یہ ناپسند کیا کہ وہ ہمارے پاس ایک رات بھی گزارے تو میں نے اسے صدقہ کرنے کا حکم دیا۔''[2] اور یہ بات واضح ہے کہ اس عمل کے باوجود آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنی نماز میں خشوع وخضوع ترک نہیں فرمایا۔

بعض اوقات ظاہری عبادات پر اکتفا:

اور خَاتَمُ الْمُرْسَلِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ظاہر حال کے لحاظ سے بعض وقتوں میں بعض ظاہری عبادات میں میانہ روی پر اکتفا اس لئے فرماتے کہ یہ ظاہری عبادات آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی امت کے لئے افضل ہیں اس اعتبار سے کہ امت کا بارگاہِ الٰہی کی طرف مکمل توجہ پر پورا یقین ہے نیز اس لحاظ سے کہ باطنی عبادت جب زیادہ ہوتی ہے تو ظاہری عبادت کم ہو جاتی ہے اور جب ظاہری عبادت کی زیادتی ہوتی ہے تو باطنی عبادت میں کمی آ جاتی ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ''باطنی عبادت، ظاہری عبادت سے افضل ہے۔'' کیونکہ ظاہر، باطن کے تابع ہے اور اعمال کی قبولیت کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر بندے کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔پس ابتدا میں راہِ طریقت کے مسافروں کی ظاہری عبادات زیادہ ہوتی ہیں حتی کہ جب انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو ان کی ظاہری عبادات کم ہو جاتی ہیں اور وہ فرائض وسنن پر اکتفا کرنے لگتے ہیں اور ان کی باطنی عبادات بڑھ جاتی ہیں۔پھر وہ ہر وقت عظمت وبزرگی والے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ رہتے ہیں

---

[1] ......مدارج النبوت، ج۱، ص۳۷۲۔۳۷۳.

[2] ......صحیح البخاری، کتاب العمل فی الصلوۃ، باب تفکر الرجل......الخ، الحدیث:۱۲۲۱، ص۹۵.
الجامع الصغیر، الحدیث:۴۳۳۳، ص۲٦٤۔

اور نبیوں کے سلطان سرورِ ذیشان، سردارِ دو جہان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت سب سے زیادہ ہے۔ لہٰذا آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اعمال میں میانہ روی غالب ہے اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اسی کا حکم دیا اور اسی پر عمل فرمایا۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا **تَلَذُّذ** (یعنی لطف وسرور) دائمی ہے جو ظاہری عبادات کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ راہِ طریقت کے سفر کی ابتدا کرنے والوں کا **تَلَذُّذ** بدنی اعمال اور نفس کے مجاہدات کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ بلکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا **تَلَذُّذ** تو تمام اُمورِ عادیہ اور سارے وجودی احوال میں تجلیاتِ حق تعالٰی کے مشاہدے سے ہے۔ جبکہ آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''میرے دل پر پردہ آتا رہتا ہے اور میں ہر دن 70 بار استغفار کرتا ہوں۔''[1] ایک روایت میں 100 بار استغفار کا ذکر ہے۔[2] یہ فرمانِ ذیشان، مراتبِ شہود میں آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ترقی کے اعتبار سے ہے تو بلند مرتبۂ شہود میں ہوتے ہوئے آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم اس مرتبہ کے علاوہ ہر شے کو پردہ پاتے ہیں۔

زندیق اور صدیق:

بعض کامل مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی بھی اس مقام تک پہنچ گئے۔ اس طرح کہ بطورِ وراثت انہیں بھی حضور سیّدِ عالم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے اس درجہ سے کچھ حصہ ملتا ہے کیونکہ علما، حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے وارث ہیں حتی کہ انہی بزرگوں میں سے ایک کامل ہستی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: ''جو مجھے اس (یعنی مشاہدۂ حق تعالٰی کے) وقت دیکھے گا وہ زندیق ہو جائے گا اور جس نے مجھے اس سے پہلی (یعنی عام) حالت میں دیکھا تو وہ صدیق ہو جائے گا۔''

صدیق وزندیق ہو جانے کا مطلب:

یہ جو ارشاد فرمایا کہ ''جو مجھے اس (یعنی مشاہدۂ حق تعالٰی کے) وقت دیکھے گا وہ زندیق ہو جائے گا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہوں اور ہر شے میں باری تعالٰی کے مشاہدہ کی لذت وسرور میں مشغول ہوں۔ تو ایسے وقت میں جو مجھے دیکھ لے ''وہ زندیق ہو جائے'' اس لئے کہ باطن، ظاہر سے زیادہ

[1] ......النہایۃ فی غریب الاثر، ج۲، ص ۳۰۲۔ الاحادیث المختارۃ، الحدیث: ۲۴۵۴، ج۷، ص ۵۳.

[2] ......صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ......الخ، الحدیث: ۶۸۵۸، ص۱۱۴۷.

کامل ہے اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا مشاہدہ کرنا، اس سے مناجات کی لذت پانا اور اس کی بنائی ہوئی اشیاء کے حقائق واسرار پر مطلع ہونا ہے تو میں جس وقت باطن میں مشغولیت کی وجہ سے ظاہری عمل پر توجہ اور انہماک کو ترک کئے ہوئے ہوں گا تو دیکھنے والا میری اسی حالت میں میری اقتدا کرے گا پس وہ میرے بارے میں یہ گمان کرے گا کہ ''مَیں جس طرح ظاہری عمل پر توجہ ترک کئے ہوئے ہوں، باطن میں بھی ایسا ہی ہوں۔'' تو وہ بھی ظاہری و باطنی عمل کی پرواہ نہ کرے گا اور یوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین اور احکام کو ہلکا جان کر مقامِ زِنْدِیْقِیَت تک پہنچ جائے گا اور زِنْدِیْقِیَت یہ ہے کہ اصلاً کسی بھی دین میں قائم نہ ہونا اور یہ سب سے بڑا کفر ہے۔

اور اس کامل ہستی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ ''جس نے مجھے اس سے پہلی (یعنی عام) حالت میں دیکھا تو وہ صدیق ہوجائے گا'' اس کا معنی یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے مشاہدہ کی لذت وسرور میں مشغولیت سے قبل عام حالت میں کہ جب مخلوق کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جلوئے پردے میں ہونے اور میرے باطن کے بوارق الٰہیہ اور انوار کی چمک سے خالی ہونے کے سبب جس وقت میں ظاہری عمل میں منہمک ومشغول ہوں اور اس ظاہری عمل کی کثرت کرتا ہوں تو جس نے مجھے اس حالت میں دیکھا وہ صدیق ہوجائے گا۔ کیونکہ وہ اس حالت میں میری اقتدا و پیروی کرتے ہوئے اپنے نفس کو مجاہدہ کا عادی بنائے گا اور عبادات وطاعات کی کثرت کرے گا حتی کہ وہ مقامِ صِدِّیْقِیَت تک پہنچ جائے گا اور یہ مقام، ولایت کا خلاصہ ونچوڑ ہے۔

ان بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمان کی یہ وضاحت بھی ہوسکتی ہے کہ اپنے مذکورہ قول میں انہوں نے اپنی دو حالتوں کو بیان فرمایا ہے: ایک ابتدا اور دوسری انتہا، پس جب وہ اپنے نفس کی مسافت کو طے کر کے بارگاہِ الٰہی میں حضوری کا شرف پا کر حالتِ انتہا کو پہنچ گئے تو انہوں نے ظاہری عبادات کی ہر قسم میں سے صرف فرائض وواجبات اور سنتوں کے بجالانے پر اکتفا کرنا اور ہر قسم کے نوافل ومستحبات کو ترک کرنا شروع کردیا نیز اپنے ظاہر کے لحاظ سے مرغوب وغیر مرغوب کھانا پینا اور عام لوگوں کی طرح سونا شروع کردیا۔

ایمان کا سب سے مضبوط ومستحکم شعبہ:

حضرت سیِّدُنا شیخ نجم الدین الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی۱۰۶۱ھ) اپنی کتاب ''حُسْنُ التَّنَبُّہ فِی التَّشَبُّہ''

میں فرماتے ہیں: ''محقق صوفیائے کرام رحمۃ اللہ السلام کے نزدیک اب اس بات پر اجماع (یعنی اتفاق) ہو چکا ہے کہ عارف باللہ (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھنے والے) کو عمل کی کمی نقصان نہیں پہنچاتی جبکہ وہ قلبی سیر میں رہے ورنہ وہ معرفت حاصل نہیں کر پائے گا اور مَیں (نجم الدین غزی) اس بات پر حدیثِ پاک سے دلیل لانے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس حدیث شریف کو حضرت سیِّدُنا امام طبرانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۳۶۰ھ) نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نَبوّت، مَخْزنِ جود وسخاوت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''اے ابن مسعود! ایمان کا کونسا شعبہ سب سے مضبوط ومستحکم ہے؟'' میں نے عرض کی: ''اَللّٰـهُ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَم یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بہتر جانتے ہیں۔'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''ایمان کا مضبوط ترین شعبہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے دوستی کرنا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر محبت کرنا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے بغض ودشمنی کرنا ہے۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''اے ابن مسعود!'' میں نے عرض کی: ''لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم مَیں حاضر ہوں۔'' ارشاد فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو، لوگوں میں سے افضل کون ہے؟'' میں نے عرض کی: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بہتر جانتے ہیں۔'' ارشاد فرمایا: ''بے شک لوگوں میں سے افضل وہ ہے جو عمل کے لحاظ سے ان میں افضل ہو جبکہ وہ اپنے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر لیں۔'' پھر فرمایا: ''اے ابن مسعود!'' میں نے عرض کی: ''لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم مَیں حاضر ہوں۔'' ارشاد فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے، لوگوں میں سے بڑا عالم کون ہے؟'' میں نے عرض کی: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بہتر جانتے ہیں۔'' آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں میں سے بڑا عالم وہ ہے جو لوگوں کے اختلاف کے وقت حق (یعنی درست بات) کی زیادہ بصیرت رکھتا ہو اگرچہ اس کے عمل میں کمی ہو اور اگرچہ اپنی سرین کے بل گھسٹتا ہو۔'' (1)

الغرض جس وقت ان کی ابتدائی حالت تھی تو اس وقت عبادات وطاعات کی خوب کوشش بھی ہے اور طرح طرح

(1)......المعجم الصغیر للطبرانی، الحدیث: ٦٢٥، ج١، ص٢٢٣.

کی ریاضتیں بھی موجود ہیں۔ لہٰذا جس شخص نے ان کی دن رات عبادات کے لئے کوشش کو دیکھا تو وہ بھی ان کی طرح کوشش کرے گا حتی کہ اس کے سبب صدیق بن جائے گا اور جس نے ان کی حالتِ انتہا کو دیکھا جیسا کہ بیان ہوا تو (ظاہری عبادات کے لئے) کوشش اور طریقت کے احوال کا اصلاً انکار کر بیٹھے گا اور ایسے پر کفر کا خوف ہے۔

ظاہری اعمالِ شریعت کو حق نہ جاننا کفر ہے:

بلکہ ایسا شخص اگر ظاہری اعمالِ شریعت کو حق نہ جانے یا ان اعمال کی یا ان کے سبب عمل کرنے والوں کی توہین وتذلیل کرے تو کافر ہے۔ جیسا کہ میرے والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ الواجد "شَرحُ الدُّرَر" کی شرح میں فرماتے ہیں: "جس نے شریعت یا اس کے مسائل جن کا شریعت سے ہونا یقینی ہے، کی توہین کی اس نے کفر کیا۔" اور "اَلْمُحِیْط" میں ہے: کسی فقیہ (یعنی عالم) نے کوئی علمی بات یا حدیثِ صحیح بیان کی۔ سننے والے نے رد کرتے ہوئے کہا: "یہ کوئی چیز نہیں۔" یا یہ کہا: "اس سے کون سا کام سنورے گا؟ پیسہ ہونا چاہئے کیونکہ آج پیسے ہی کی عزت وعظمت ہے، علم کی نہیں۔" ایسا کہنا کفر ہے[1]۔ کیونکہ یہ ان فرامینِ باری تعالیٰ کے خلاف ہے۔

﴿1﴾......اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (پ۲۸، المنفقون:۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے۔

﴿2﴾

وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَاؕ (پ۱۰، التوبۃ:۴۰)

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ہی کا بول بالا ہے۔

اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ! عنقریب اس کی مثل گفتگو آئے گی۔

دلیلِ لِمّی اور اِنّی کی طرف اشارہ:

اے حق ظاہر ہونے پر قبول کر لینے والے! اس فصل کے شروع میں اعمال میں میانہ روی اپنانے کے متعلق جو ہم

[1]......شریعت کی توہین کے متعلق کفریات کے بارے میں مزید معلومات کے لئے، دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 692 صفحات پر مشتمل شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال **محمد الیاس عطار قادری** دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَۃ کی عظیم الشان کتاب، "**کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب**" کے صفحہ 328 تا 341 کا مطالعہ فرمالیجئے۔

نے آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور اَقوالِ فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ بیان کئے ہیں ان میں اور جو سلف صالحین رحمہم اللہ المبین سے سخت عبادات اور طرح طرح کے مجاہدات منقول ہوئے ان میں اگر تم بنظر انصاف وتسلیم غور وفکر کرو تو تمہیں ان میں سے اکثر میں (اگرچہ تمام میں نہ ہو) اس معنی کی طرف اشارہ ملے گا جو تیسرے جواب میں بیان ہوا۔ تیسرا جواب وہ جو دوعلتوں (یعنی دلیلوں، دلیلِ لِمِّی اور دلیلِ اِنِّی) کے ساتھ دیا گیا ہے۔ پس اگر تم اس فصل کے ابتدا میں غور کروگے تو تمہیں اس میں پہلی علت (یعنی دلیلِ لِمِّی) کی طرف اشارہ ملے گا اور جب تم سلف صالحین رحمہم اللہ المبین سے منقول حالات میں غور کروگے تو تم دوسری علت (یعنی دلیلِ اِنِّی) کی طرف اشارہ پاؤ گے۔ الغرض جب تم یہ جان لوگے اور اس کی حقیقت معلوم کرلوگے تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ سلف صالحین رحمہم اللہ المبین سے جو سخت عبادات اور مجاہدوں کے ذریعے اپنے نفسوں پر شدت منقول ہے وہ ان دوعلتوں سے خالی نہیں بلکہ لازمی طور پر ان سختیوں کا سبب دونوں میں سے ایک علت ہوگی یا پھر دونوں علتیں ایک ساتھ ان کا سبب ہوں گی اور وہم کی بیماری سے محفوظ سمجھ داروں کے واسطے اس مسئلے میں تحقیق یہی ہے کہ بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین سے منقول حالات وواقعات کا صحیح محمل اور واضح حق یہی ہے۔ ایسا واضح حق جو ہر قسم کے شک وشبہ کو ختم کر دیتا ہے۔

امام نجم الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا جواب:

جس اشکال اور اس کے جواب کی طرف (اَلطَّرِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّة کے) مصنف حضرت علامہ محمد آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے اشارہ فرمایا ہے اس جیسے اشکال کا ایک دوسرا جواب حضرت سیِّدُنا شیخ نجم الدین الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۶۱ھ) نے اپنی کتاب ''حُسْنُ التَّنَبُّه فِي التَّشَبُّه'' میں بھی دیا ہے۔ چنانچہ، ''اَلتَّخَلُّقُ بِاَخْلَاقِ الْمَلَائِكَة'' (یعنی فرشتوں جیسی عادات اپنانے) کی بحث میں ''ذِكْرُ الله'' کو غذا بنانے کے متعلق فرماتے ہیں: ''یہ روزہ رکھنے سے بڑھ کر ہے اور یہ ان صمدانی اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام کا حال ہے جو خلافِ عادت ہونے کی حیثیت سے چالیس چالیس دن یا کم وبیش بھوکے رہتے ہیں۔ یہ حضرات کھانا اور پانی چھوڑ کر صرف ذکر وفکر پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ سب خلافِ عادت اُمور سے تعلق رکھتا ہے اور اس اچھی عادت میں فرشتوں کے ساتھ ملنا ہے۔ چنانچہ، ایک عالم باعمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ''میں اپنے ذکر کے ورد (یعنی وظیفہ) سے اسی طرح غذا حاصل کرتا ہوں جس طرح کھانے اور پانی سے حاصل کرتا ہوں۔''

بھوک کی سوزش کہاں جاتی ہے؟

عارف باللہ حضرت سیِّدُنا شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۶ھ) "عَوَارِفُ الْمَعَارِف" شریف میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تستری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۸۳ھ) سے عرض کی گئی: "کوئی شخص چالیس بلکہ اس سے زیادہ دنوں میں صرف ایک بار کھانا کھاتا ہے، اس کی بھوک کی سوزش کہاں چلی جاتے ہیں (یعنی اسے بھوک کیوں نہیں لگتی)؟" تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: "(مشاہدے کا) نور بھوک کی سوزش کو ختم کر دیتا ہے۔" شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۶ھ) فرماتے ہیں: میں نے بھی ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس (یعنی بھوک نہ لگنے) کے متعلق سوال کیا تو اس پر انہوں نے جو گفتگو فرمائی اس کا مفہوم یہ تھا کہ "وہ شخص اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کے جلووں سے ایسی فرحت وخوشی پاتا ہے جس سے بھوک کا احساس ختم ہو جاتا۔" مزید فرماتے ہیں: "اور اس طرح کے واقعات تو انسانوں کے ساتھ عام پیش آتے ہیں جیسے کوئی شخص بھوکا ہو اور اچانک وہ کوئی خوشخبری سنے تو خوشی کے مارے اس کی بھوک جاتی رہتی ہے۔ یہی معاملہ خوف وڈر کی حالت میں ہوتا ہے یعنی خوف اور ڈر کے سبب بھی انسان کی بھوک ختم ہو جاتی ہے۔"[1]

سوال:

بیان کردہ باتیں اس حدیثِ مبارکہ کے خلاف ہیں کہ جب حضور نبئ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے بغیر افطار پے در پے روزے رکھنے سے منع فرمایا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں عرض کی گئی: "آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تو اس طرح روزے رکھتے ہیں۔" اس پر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: "میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ بے شک میرا ربّ عَزَّوَجَلَّ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔"[2]

جواب:

حدیث شریف میں بیان کردہ ممانعت تمام لوگوں کے لئے دعوتِ عام اور شرعی احکام بیان کرنے کے موقع پر فرمائی گئی ہے۔ نیز اگر ممانعت نہ فرمائی جاتی تو صوم وصال (بغیر افطار مسلسل روزے) کو سنت جاریہ کے طور پر اختیار کر لیا

1 ......عوارف المعارف، الباب الثامن والعشرون فی کیفیة الدخول فی الاربعینیة، ص۱۳۳۔

2 ......صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الوصال، الحدیث: ۱۹۶۱/۱۹۶۴، ص۱۵۳۔

جاتا اور قدرت رکھنے والا اور عاجز (یعنی قدرت نہ رکھنے والا) ہر ایک اسے اپنانے کی کوشش کرتا جس سے عاجز کو تکلیف اٹھانا پڑتی۔ البتہ! جو شخص صرف ذکرِ الٰہی کو اپنی غذا بنالے اور کھانے پینے سے بے پرواہ ہو جائے تو فقط اسی کے حق میں صومِ وصال کی اجازت ہے اور اسی بنیاد پر ماقبل بیان کردہ سلف صالحین رحمہم اللہ المبین کے احوال اس ممانعت سے نکل جائیں گے۔

صومِ وصال کے متعلق اقوالِ فقہا:

حضرت سیِّدُنا قاضی عیاض علیہ رحمۃ اللہ الوہاب (متوفی ۵۴۴ھ) بیان فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا ابن وہب، حضرت سیِّدُنا اسحاق بن راہویہ اور حضرت سیِّدُنا احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ''صوم وصال'' کو جائز فرمایا ہے۔'' [1]

ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) نے کہا کہ ''مالکی حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے حضرت سیِّدُنا ابن وضاح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسلسل چار دن بغیر افطار روزہ رکھا کرتے تھے۔'' اور اکثر فقہائے شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ صوم وصال کو مطلقاً مکروہ فرماتے ہے مگر ان کے نزدیک اس مکروہ میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی اور زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد مکروہِ تحریمی ہے [2] اور حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) کے کلام کا ظاہر یہی ہے۔ چنانچہ، صوم وصال سے ممانعت والی حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی ۲۰۴ھ) نے فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پیارے حبیب، حبیب لبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اور دیگر بندوں کے درمیان بہت سارے معاملات کا فرق رکھا ہے کہ وہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے جائز ومباح ہیں اور دوسروں کے لئے ممنوع۔''

کشف الغمہ، سراج الامہ، امام الائمہ حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) اور امام دارالہجرۃ حضرت سیِّدُنا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما (متوفی ۱۷۹ھ) کا بھی یہی مذہب ہے (یعنی ان کے نزدیک بھی صوم وصال مکروہ ہے)۔

حضرت سیِّدُنا حافظ عراقی علیہ رحمۃ اللہ الباقی (متوفی ۸۰۶ھ) ''شرح الترمذی'' میں فرماتے ہیں: ''صوم وصال کے حرام نہ ہونے پر جن دلائل سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سب سے زیادہ صحیح یہ حدیث شریف ہے جسے حضرت سیِّدُنا امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۲۷۵ھ) نے اپنی صحیح سند کے ساتھ حضرت سیِّدُنا عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ علیہ رحمۃ اللہ

[1] ......شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض، کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال فی الصوم، ج٤، ص٣٨ وفیہ "من سحرالی سحر".

[2] ......شرح صحیح مسلم للنووی، ج٤، جزء ٧، ص٢١١.

الاعلی سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ، وہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے پچھنے لگوانے اور صومِ وصال رکھنے سے منع فرمایا مگر اپنے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر شفقت فرماتے ہوئے ان دونوں کو حرام بھی نہیں کیا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں عرض کی گئی: یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! ''آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تو سحری تک روزہ ملاتے ہیں۔'' ارشاد فرمایا: ''واقعی میں سحری تک روزہ ملاتا ہوں مگر مجھے میرا رب عَزَّوَجَلَّ کھلاتا اور پلاتا ہے۔''[1]

ایک مضبوط اور اچھوتا اصول:

(حضرت سیِّدُنا شیخ نجم الدین الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی۱۰۶۱ھ) فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہاں ایک مضبوط واچھوتا اصول بھی ہے اور وہ یہ کہ کھانا اور پانی پیٹ میں پہنچانا اصل کے اعتبار سے مباح وجائز ہے اور جب کسی انسان کو اس سے قوت یا زندگی کے تحفظ کی حاجت درپیش ہو تو اس وقت کھانا پینا مندوب یا لازم ہوتا ہے تو جس انسان نے اپنی حاجت وکفایت کے مطابق کھا پی لیا اس کے حق میں ضرورت سے زیادہ کھانا پینا اچھا نہیں بلکہ اگر کھا پی کر خوب سیر ہوگیا (کہ اب مزید کھائے گا تو ضرر ہوگا) تو اب ہلاکت سے بچنے کے لئے ضرورت سے زیادہ کھانا حرام ہے جیسے ہلاکت سے بچنے کے لئے بوقتِ ضرورت کھانے اور پانی کا استعمال لازم ہے۔ پس اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں میں کوئی ایسا ہو جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آسودگی (یعنی پیٹ بھرنے) کی حالت کی طرح کوئی اعلیٰ حالت عطا فرمائی ہو۔ اس حیثیت سے کہ اس حالت کے ہوتے ہوئے بدن میں کمزوری پیدا ہو نہ اعضاء میں ضعف آئے اور نہ ہی کھانے کی ایسی حاجت پیش آئے جو ذکر اور عبادت سے غافل کردے تو اس قیاس کا ظاہر یہ ہے کہ اس حالت کے سبب جب تک وہ بندہ کھانے پینے کا محتاج نہ ہو ہم اسے اس وقت تک کھانے پینے کی اشیاء کا مکلَّف نہیں ٹھہرائیں گے جب تک اسے ان کی حاجت نہ ہو۔ جیسا کہ ہم پیٹ بھرے ہوئے اور سیراب شخص سے ان اشیاء کا مطالبہ نہیں کرتے۔ بلکہ دنیا جس کے کھانے اور پینے کی چیزوں میں اصل اباحت (یعنی جائز ہونا) ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے لو لگانے والے کا اس میں مشغول ہونا فضول وبے کار کام میں مشغول ہونا ہے اور جس راستے پر وہ گامزن ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ بلاضرورت اور بغیر مجبوری اس سے کچھ نہ لے۔ لہٰذا جب بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے اس (یعنی کھانے پینے) سے بے پرواہ کردے گا وہ اسے بالکل

[1] ......سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، باب فی الرخصۃ فی ذلک، الحدیث: ۲۳۷۴، ص۱۳۹۹.

بھی اختیا نہ کرے گا۔

الغرض جس بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایسی حالت سے نواز دیا جو اسے کھانے اور پانی سے بے پرواہ کردے اور اس سے وہ تکلیف دور کردے جو کھانے اور پانی سے دور کی جاتی ہے تو ضروری ہے کہ ہم ایسے بندے کو کھانے اور پینے کا مکلّف (یعنی پابند) نہ ٹھہرائیں اگرچہ وہ ساری زندگی صوم وصال میں گزار دے۔ نیز بھوکا رہنے والے کو ''اہل اللہ'' (یعنی اولیا) میں سے شمار کریں جبکہ وہ سنت پر عمل کرنے اور اس کی مخالفت سے بچنے کے لئے بوقتِ غروب کوئی نہ کوئی ایسی چیز استعمال کرے جس سے افطار کیا جاسکتا ہو اگرچہ پانی کا ایک قطرہ ہو اور اسی طرح سحری کے وقت سنت پر عمل کرنے نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے فرشتوں کی رحمت سے فائدہ اٹھانے کے لئے سحری کی نیت سے کچھ نہ کچھ ضرور کھائے۔ چنانچہ،

(حضرت سیِّدُنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ) تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نَبوَّت، مَخْزنِ جودوسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔''(1)

زمانۂ دجال میں مؤمنین کا کھانا:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ''دجال کے زمانے میں ایمان والوں کا کھانا، فرشتوں کے کھانے کی طرح تسبیح وتقدیس ہوگا تو اس وقت جس کی گفتگو تسبیح وتقدیس ہوگی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے بھوک دور فرما دے گا۔''(2)

(حضرت سیِّدُنا شیخ نجم الدین الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۶۱ھ) فرماتے ہیں) اس حدیثِ پاک میں ہمارے بیان کردہ کی دلیل موجود ہے کہ بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ کبھی اپنے بعض خاص بندوں کو ایسی اعلیٰ حالت سے نوازتا ہے جو اسے کھانے پینے سے مستغنی یعنی بے پرواہ کردیتی ہے اور فتنۂ دجال کے وقت یہ حالت تمام ایمان والوں کو حاصل ہوگی اور اہل ایمان کو یہ حالت اس لئے حاصل ہوگی کیونکہ دجال کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ جس شہر سے

(1)……الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الصوم، باب السحور، الحدیث:۳۴۵۸، ج۵، ص۱۹۴.

(2)……المستدرک، کتاب الفتن والملاحم، باب الشام صفوۃ اللہ من بلادہ، الحدیث:۸۶۰۸، ج۵، ص ۷۱۶.

گزرے گا وہاں کے باشندوں سے کہے گا: ''میری عبادت واتباع کرو۔'' (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ) لہٰذا اگر وہ لوگ اس کی پیروی کریں گے تو وہ آسمان کو برسنے کا حکم دے گا تو بارش برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا تو سبزہ اُگائے گی۔ جس کے سبب وہ لوگ بڑے آسودہ حال (یعنی فراخی کی زندگی میں) ہوں گے اور اگر وہ دجال کی بات نہیں مانیں گے تو وہ آسمان کو حکم دے گا کہ ''بارش نہ برسائے۔'' اور زمین کو حکم دے گا کہ ''سبزہ نہ اُگائے۔'' چنانچہ، بات نہ ماننے والے تنگدستی کی زندگی میں ہوں گے۔ پس اسی لئے نبیٔ غیب دان، مکی مدنی سلطان، رحمتِ عالمیان صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے غیب کی خبر ارشاد فرمائی کہ جب ایمان والے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تسبیح وتقدیس کریں گے تو یہ فتنہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔ کیونکہ وہ اس ذکرِ الٰہی (کی روحانی غذا) کے سبب آسمان کی بارش اور زمین کے سبزہ سے مستغنی و بے پرواہ ہو جائیں گے۔

(حضرت سیِّدُنا شیخ نجم الدین الغزی الدمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۱۰۶۱ھ) کا کلام ختم ہوا)

حاصلِ کلام:

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ زہد وتقویٰ، ورع وپرہیزگاری اور صبر ومراقبہ جیسی صفات اپنانے والے یہ نفوسِ قدسیہ جو نفس پر سختی وتنگی کر کے ریاضت کرتے ہیں، ان پر اس معاملہ میں کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شریعت کی مخالفت ہے۔ کیونکہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ اذیت ونقصان پہنچانے والی اشیاء کو ترک کر دیا ہے اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین جو (سخت) اعمال بجالاتے ہیں ان میں ان کے حق میں کوئی شے اذیت والی اور نقصان دہ نہیں اگرچہ وہ ان لوگوں کے حق میں تکلیف دہ اور نقصان دہ ہو جو باعث فضیلت اخلاق اور سچے احوال میں ان کے نقشِ قدم پر نہیں ہیں۔

تعظیم اَوْلِیا رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بیان

اولیائے عظام کے حق میں افراط وتفریط سے بچ!

تو اے بندے! تو ان مجاہدات وریاضات کرنے والے بزرگوں کے حق میں افراط وتفریط سے کام نہ لے۔ مطلب یہ کہ ان کی تعریف میں اس قدر افراط (یعنی زیادتی) نہ کر کہ بلندیٔ درجات اور کثرتِ عبادات میں ان کو حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے بڑھا دے۔ کیونکہ کوئی ولی، کسی نبی کے مقام ومرتبہ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ عنقریب

اسی کتاب میں اپنے مقام پر اس کی تحقیق آئے گی۔ **ان شاء اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ۔ اسی طرح ان نفوسِ قدسیہ کے حق میں تفریط (یعنی کمی) نہ کریوں کہ تو ان کی تحقیر اور کسی ہستی کی شان میں کوتاہی کر کے ان کے حق میں کمی کرے خواہ وہ ظاہری حیات سے متصف ہوں یا وصال فرما چکے ہوں۔ خواہ تجھے ان کے حال کا علم ہو یا نہ ہو۔ بلکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ تو اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی پہچان سے قاصر ہونے کے سبب خود کو ملامت کر اور ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی بدگمانی نہ کر۔

صرف اپنے عیبوں کو دیکھو:

حضرت سیِّدُنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۶۳۸ ھ) اپنی کتاب "**شَرْحُ الْوَصِیَّةِ الْیُوْسُفِیَّة**" میں فرماتے ہیں: ''اس بات سے بچو کہ تمہارے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مخلوق میں سے کسی کے متعلق بُرا خیال آئے خواہ وہ مخلوق اچھوں میں سے ہو یا بروں میں سے۔ اس لئے کہ شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال، دافِعِ رنج و مَلال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے: ''اس شخص کے لئے خوش خبری ہے جسے اس کے عیوب (پر نظر) نے دوسروں کی عیب جوئی سے پھیر دیا۔''[1] اور عقلمند آدمی، دوسرے کے لئے فارغ نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے فارغ ہو جائے اور اپنے آپ سے وہ کبھی فارغ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ہر گھڑی اپنے دل کی نگرانی کرتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہر آنے والے سانس میں اس کے دل میں کیا پیدا فرمایا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اس گھڑی اس کے دل میں جو بھلائی القا فرماتا ہے وہ اسی میں مشغول رہتا ہے۔ یہ ہے ایمان والے کی خوش بختی تو پھر اس کی خوش بختی کس قدر ہو گی جو ایمان کے ساتھ ساتھ اتباع کرنے والا بھی ہو۔

حسنِ ظن کی عمدہ مثال:

حضرت سیِّدُنا شیخ ابراہیم بن طریف علیہ رحمۃ اللہ الوکیل مجھ (یعنی شیخ اکبر علیہ رحمۃ اللہ الاکبر) سے فرمایا کرتے تھے: ''پیارے بیٹے! میں اپنی ذات پر نظر کرتے ہوئے دنیا میں ہر شخص کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ولی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے جاننے والا شخص دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو وہ میرے معاملات کی تعریف کرتا ہے یا پھر مذمت۔ پس اگر وہ میری تعریف کرے تو میں کہتا ہوں: ''یہ ولی ہے کہ اس نے مجھے اپنی ہی حالت پر دیکھا جس پر یہ خود قائم ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر

[1] ......الفردوس بماثور الخطاب، الحدیث: ۳۹۲۹، ج۲، ص ۴۴۷.

ہے کہ اس نے مجھے اپنے اولیا میں سے ایک ولی کی زیارت کرائی۔'' اور اگر وہ میری مذمت کرے تو میں کہتا ہوں: ''یہ وہ شخص ہے جس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میرا عیب ظاہر فرما دیا اور ایسا کشف وہ ولی پر ہی فرماتا ہے اور وہ شخص مجھے میری طرف منسوب بات سے ہی پکارتا ہے اور مجھے اس صفت سے بچانے کے لئے نصیحت کرتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں کو نصیحت ولی اللہ ہی کرتا ہے۔''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اعتقاد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے تمام بندوں کے ساتھ تھا۔ لہٰذا ایک مرید کو لوگوں کے ساتھ ایسا ہی اعتقاد رکھنا چاہئے۔ پس جب عام لوگوں کا یہ معاملہ ہے تو پھر اپنے شیخ اور پیر و مرشد کے ساتھ کس قدر حسن ظن ضروری ہوگا۔

بدگمانی، بدترین گناہ:

''تُحْفَةُ الْاَکْیَاس فِی تَحْسِیْنِ الظَّنِ بِالنَّاس'' کے مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا سہل بن عبداللہ تستری علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۲۸۳ھ) کے ملفوظات شریفہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''بدگمانی، بدترین گناہ ہے جبکہ لوگوں کی غالب اکثریت اسے گناہ ہی نہیں سمجھتی اور نہ ہی اس سے توبہ کرتی ہے۔''

اَولیائے عظام رحمہم اللہ السلام سے بدگمانی کا وبال:

حضرت سیدی افضل الدین علیہ رحمۃ اللہ المبین (متوفی ۶۶۷ھ) فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے تمام ولیوں سے حسن ظن رکھے مگر بلا عذر شرعی صرف کسی ایک ولی سے اچھا گمان نہ رکھے تو ایسا حسن ظن اسے بارگاہِ الٰہی میں کچھ فائدہ نہ دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمہیں مقامِ ولایت پر فائز کوئی ولی ایسا نہیں ملے گا جو اپنے ہم عصر تمام اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام کی تصدیق نہ کرتا ہو (یعنی ولی کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے تمام اولیائے عظام کو سچا جانتا ہے) اور اس معاملہ میں کسی دو ولیوں کا بھی اختلاف نہیں جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں کسی دو نبیوں کا اختلاف نہیں تو جس نے بدگمانی کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کسی ولی کو ایذا (یعنی تکلیف) پہنچائی یقیناً اس نے شریعت کی حد سے تجاوز کیا۔''

غضبِ الٰہی کا مستحق:

حضرت سیِّدُنا شیخ ابوالمواہب شاذلی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی ۸۸۱ھ) کے فرامین مبارکہ میں سے یہ بھی ہے کہ ''جو ''اصحابِ وقت'' (یعنی اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام) کی عزت و احترام سے محروم کیا گیا (یعنی اس نے ان کی تعظیم نہ کی تو) بے شک

وہ بارگاہِ الٰہی سے دھتکارے جانے اور غضبِ الٰہی کا مستحق ٹھہرا۔''

حضرت سیِّدُنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی ۶۳۸ھ) نے فرمایا کہ ''اولیائے عظام اور باعمل علمائے کرام رحمہم اللہ السلام سے (ولایت یا علم کی وجہ سے) دشمنی کرنا جمہور علما کے نزدیک کفر ہے۔'' مزید فرمایا: ''جس نے کسی ولی یا باعمل عالم دین یا کسی دینی معزز شخص (مثلاً سید صاحب) سے دشمنی کی بے شک اس نے اپنے ایمان سے دشمنی کی۔''

حضرت سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی ولی یا عالم سے دشمنی کی تو ضرور اس نے اس کی مخالفت کی اور ولی اور عالم کی مخالفت میں گمراہی و ہلاکت ہے۔''

(صاحبِ'' تُحْفَۃُ الْاَکْیَاس'' رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام ختم ہوا)

اور ہم (یعنی علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی) نے اپنی کتاب '' اَلْمَطَالِبُ الْوَفِیَّۃ '' میں اس مقام پر طویل گفتگو کی ہے جو حصولِ مقصد کے لئے کافی ووافی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اولیا ہی باعمل علما ہیں اور جو شخص ان کی ذاتی (ظاہری) حیات کے بجائے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عطا کردہ (حقیقی) حیات کے ساتھ انہیں پہنچانتا ہے اس کے نزدیک یہ تمام زندہ ہیں اور اپنی ذاتی حیات کے اعتبار سے تمام فوت شدہ ہیں اور ان میں سے زندہ یا فوت شدہ کسی ایک کا بھی دل یا زبان سے انکار کرنا گمراہی ہے۔ اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام کا منکر اپنی قلبی سوچ کے مطابق گمان کرتا ہے کہ ''میں نے تو کسی امر باطل اور برے فعل کا انکار کیا ہے۔'' لہٰذا دل میں سوچ کر حکم لگا دیتا ہے کہ ''یہ بات ولی نے کہی ہے یا یہ کام اس نے کیا ہے اور یہ شریعت کے منافی ہے۔'' جبکہ وہ ولی اس قول یا فعل سے بری ہوتا ہے۔ نیز منکر جس قول یا عمل کا انکار کرتا ہے وہ حق و درست، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت وقربت کا ذریعہ اور محض ایمان اور معرفت ویقین کی حقیقت ہوتا ہے۔ مگر منکر محض اپنی جہالت اور بغض وعناد کے سبب اسے شریعت کے منافی سمجھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علومِ اولیا اور معارفِ صدیقین سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس کا دل اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام کی ادراکی قوتوں کی پہچان، ان کے اسرار کے حقائق اور انوار کی روشنیوں کو دیکھنے سے اندھا ہوتا اور اس کی بصیرت زائل ہو جاتی ہے جس کا اسے احساس نہیں ہوتا۔

اور اس پر طرہ یہ کہ وہ انکار کر کے سمجھتا ہے کہ وہ ایمان واطاعت۔ لوگوں کو خطا وگمراہی سے بچانے اور نصیحت و

ہدایت کی طرف رہنمائی کی وادیوں میں سیر کررہا ہے۔ مگر عنقریب اس کی گمراہی اس منکر پر اور انکار میں اس کا ساتھ دینے والے اس جیسے لوگوں پر قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گی جس دن سب لوگ ربُّ العالمین عَزَّوَجَلَّ کے حضور کھڑے ہوں گے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ عدل وانصاف فرمانے والا حاکم ہے۔ وہ مظلوم وظالم اور سچے وجھوٹے کو خوب جانتا ہے۔

انکار سے چھٹکارے کا راستہ:

وہ مسلمان جو اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام کے کلام کی معرفت رکھتے ہیں اور ان کے درست وصحیح احوال پر مطلع ہیں وہ منکرین کو ان کی جہالت (لاعلمی) کے سبب معذور (یعنی قابلِ عذر) نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے پاس **(انکار کے مرض سے) چھٹکارے کا راستہ موجود ہے۔ یوں کہ جس معاملہ کا انہیں علم نہیں (یعنی ولی کی جس خوبی وکمال وغیرہ سے بے خبر ہیں) اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سپرد کر دیں اور اعتراف کر لیں کہ لوگوں کے جن احوال کا انہیں علم نہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کو خوب جانتا ہے۔**

(سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں) ہم کسی کے بارے میں محض گمان کی وجہ سے اور کھوج لگا کر یہ حکم بالکل نہیں لگائیں گے کہ ''فلاں شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام میں سے کسی ولی کا منکر ہے۔'' جیسا کہ ہم کسی کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ ''فلاں شخص فرائض میں سے کسی فرض کا انکار کرتا ہے۔'' اور نہ ہی اس کے متعلق ٹوہ میں پڑتے ہیں۔ لیکن ہم حکم اسی پر لگاتے ہیں جو یقینی وقطعی طور پر ثابت ہو جائے۔ کیونکہ بدگمانی وتجسس (یعنی ٹوہ میں پڑنے) کو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے حرام کر دیا ہے۔ **(دیکھئے! صحیح بخاری، صفحہ ۵۶۲، حدیث نمبر ۶۷۲۴)** تو اگر کسی شخص کے بارے میں بدگمانی یا تجسس سے کام لیا گیا تو (جس کے متعلق بدگمانی یا تجسس کیا گیا) اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام میں سے کوئی حکم جاری نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اگر کوئی چغلخور کسی شخص کی طرف سے (کسی انسان پر) **قذف** (یعنی زنا کی تہمت لگائے جانے) کو نقل (یعنی بیان) کرے تو وہ حرام فعل کا مرتکب ہونے کے باعث اس تہمت کے نقل کرنے سے فاسق ہو گیا۔ لہٰذا اس چغلخور کے کہنے پر اس شخص پر حد قائم کرنے (یعنی حدِ قذف) کا حکم جاری نہیں کیا جائے گا جس کے بارے میں ''تہمت لگانا'' بیان کیا گیا۔ کیونکہ فسق کی وجہ سے ناقل میں نقل

کے ساتھ عدالت [1] (یعنی گواہ بننے کی صلاحیت) نہیں پائی گئی (لہٰذا گواہی معتبر نہ رہی) یا پھر اس لئے کہ نصابِ شہادت (یعنی گواہوں کی تعداد) مفقود ہے۔ پس یہی معاملہ تجسس وبدگمانی کا بھی ہے کہ ان کا مرتکب بھی فاسق ہے۔ پھر اگرچہ اس کے حال سے ناواقف شخص اس کا قول مان لے مگر شریعت میں اس کا قول قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ دیانات (یعنی معاملات) میں ''عدالت'' شرط ہے۔

اولیا کے متعلق راہِ اعتدال:

اے حق کے طلبگارو! تم اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام کے معاملہ میں اعتدال سے کام لو یعنی ان کی تعریف میں افراط (یعنی زیادتی) اور ان کی مذمت میں تفریط کے درمیان ایسی راہ اختیار کرو کہ تمہارے ظاہر و باطن میں اعتدال ہو۔ اس حیثیت سے کہ ان کی مذمت بالکل نہ کرو (یعنی ان پر طعن وتشنیع سے بچو) اور نہ انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں میں سے خارج کرو جو عادت وخلافِ عادت کام میں مطلقاً کوئی ذاتی تاثیر نہیں رکھتے۔ بلکہ کسی بھی شے میں ذاتی تاثیر نہ ہونے کے معاملہ میں یہ حضرات (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اولیا) بھی دیگر مخلوق کی مانند ہیں۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دیگر بندوں پر انہیں یہ فضیلت بخشی ہے کہ اپنے پیدا کردہ عادت وخلافِ عادت کاموں کو ان کی طرف منسوب فرماتا ہے۔ نیز ان حضرات کا درجہ حضرات انبیائے کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام سے ادنی (یعنی کم) ہے اس لئے کہ اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام کی ولایت، حضرات انبیائے کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کی نبوت سے ادنی ہے اور ایمان، ولایت سے ادنی ہے۔ لہٰذا پہلے حضرات انبیائے کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کا درجہ ہے پھر حضرات اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام کا اور پھر عام مؤمنین کا۔

اے مکلّف بندو! اپنے دل اور زبان سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد بیان کرتے ہوئے کہو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ﴾ تشریحی ترجمہ: سب خوبیاں اللہ عَزَّوَجَلَّ کو جس نے ہمیں اِس واضح حق

[1] ......حضرت سیِّدُنا علامہ سید شریف جرجانی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی ۸۱۶ھ) اپنی مشہور ومعروف تصنیف ''کِتَابُ التَّعْرِیْفَات'' کے صفحہ ۱۰۵ پر فرماتے ہیں: ''دین میں ممنوع باتوں سے اجتناب کرتے ہوئے راہِ حق پر ثابت قدم رہنے کو عدالت کہتے ہیں۔'' لہٰذا کبیرہ گناہوں کا مرتکب اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والا فاسق شخص گواہ نہیں بن سکتا۔ البتہ! اس میں تفصیل ہے کہ کن باتوں میں گواہ نہیں بن سکتا۔ یہ تفصیل کتب فقہ مثلاً فتاوی رضویہ اور بہار شریعت وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اور مضبوط و پائیدار کلام کی راہ دکھائی جو اس پوری فصل بلکہ مکمل کتاب میں مذکور ہے اور اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں محض اپنے فضل واحسان سے راہ نہ دکھاتا تو ہم راہ نہ پاتے بلکہ ہم ان لوگوں کی طرح گمراہ ہوجاتے جو ادراک وتکلیف (یعنی واقف و پابندِ شرع ہونے) میں ہمارے برابر ہیں خواہ خسیس ہوں یا شریف۔ **وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الْخَبِیْرِ اللَّطِیْف** اور سب خوبیاں اللہ عَزَّوَجَلَّ کو جو پورا خبردار اور نہایت باطن۔

﴿......کتاب کا پہلا باب ختم ہوا......﴾

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

﴿......سنت کی بہاریں......﴾

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو!

اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خوشنودی کے حصول اور باکردار مسلمان بننے کے لئے ''**دعوتِ اسلامی**'' کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** سے ''**مدنی انعامات**'' نامی رسالہ حاصل کر کے اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کیجئے اور اپنے اپنے شہروں میں ہونے والے **دعوتِ اسلامی** کے ہفتہ وار سنتوں بھرے اجتماع میں پابندئ وقت کے ساتھ شرکت فرما کر خوب خوب ''**سنتوں کی بہاریں**'' لُوٹئے۔ **دعوتِ اسلامی** کے سنتوں کی تربیت کے لئے بے شمار **مدنی قافلے** شہر بہ شہر، گاؤں بہ گاؤں سفر کرتے رہتے ہیں، آپ بھی سنتوں بھرا سفر اختیار فرما کر اپنی آخرت کے لئے نیکیوں کا ذخیرہ اکٹھا کریں۔ **اِنْ شَاءَ اللہ** عَزَّوَجَلَّ آپ اپنی زندگی میں حیرت انگیز طور پر ''**مدنی انقلاب**'' برپا ہوتا دیکھیں گے۔

اللہ کرم ایسا کرے تجھ پہ جہاں میں اے **دعوتِ اسلامی** تیری دھوم مچی ہو!

آیاتِ مبارکہ کی فہرست

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ	349	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا	460
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ	350	وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى	460
يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا	352	فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ	467
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ	356	يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ	467
وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ	356	قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا	470
وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾	367	وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا	497
وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ	367	وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾	500
لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ	370	وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ	500
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا	370	وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ	511
مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ	387	وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا	511
وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	387	عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾	525
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى	417	وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ	532
اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾	420	فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾	554
فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ	420	يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ	632
وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ	439	يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ	634
قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ	450	يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ	637
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾	452	وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ	637
فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا	455	اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ	637
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ	459	اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ	637
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ	460	اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	638
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ	460	وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ	638
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ	460	مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ	638

❁❁❁❁❁❁❁❁

احادیثِ مبارکہ کی فہرست

ضمنی فہرست

دلچسپ معلومات

سنت کی بہاریں

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو!

اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ وصَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کی خوشنودی کے حصول اور باکردار مسلمان بننے کے لئے **''دعوتِ اسلامی''** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** سے **''مدنی انعامات''** نامی رسالہ حاصل کر کے اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کیجئے اور اپنے اپنے شہروں میں ہونے والے **دعوتِ اسلامی** کے ہفتہ وار سنتوں بھرے اجتماع میں پابندیٔ وقت کے ساتھ شرکت فرما کر خوب خوب **''سنتوں کی بہاریں''** لُوٹئے۔ **دعوتِ اسلامی** کے سنتوں کی تربیت کے لئے بے شمار **مدنی قافلے** شہر بہ شہر، گاؤں بہ گاؤں سفر کرتے رہتے ہیں۔ آپ بھی سنتوں بھرا سفر اختیار فرما کر اپنی آخرت کے لئے نیکیوں کا ذخیرہ اکٹھا کریں۔ اِنْ شَاءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ اپنی زندگی میں حیرت انگیز طور پر **''مدنی انقلاب''** برپا ہوتا دیکھیں گے۔

؎ اللہ کرم ایسا کرے تجھ پہ جہاں میں   اے **دعوتِ اسلامی** تیری دھوم مچی ہو!

مبلغین کیلئے فہرست

(17) واقعات وحکایات

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

...... آٹھ (8) روحانی علاج ......

❁......ھُوَاللّٰہُ الرَّحِیْم ۔ جو ہر نماز کے بعد 7 بار پڑھ لیا کرے گا، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ شیطان کے شر سے بچا رہے گا اور اُس کا ایمان پر خاتمہ ہوگا۔

❁......یَامَلِکُ۔ 90 بار جو غریب و نادار روزانہ پڑھا کرے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ غربت سے نجات پا کر مالدار ہوگا۔

❁......یَاقُدُّوْسُ۔ کا جو کوئی دورانِ سفر ورد کرتا رہے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تھکن سے محفوظ رہے گا۔

❁......یَاعَزِیْزُ۔ 41 بار حاکم یا افسر وغیرہ کے پاس جانے سے قبل پڑھ لیجئے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ وہ حاکم یا افسر مہربان ہوجائے گا۔

❁......یَابَارِئُ۔ 10 بار جو کوئی ہر جُمُعَہ کو پڑھ لیا کرے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اُس کو بیٹا عطا ہوگا۔

❁......یَافَتَّاحُ۔ 70 بار جو روزانہ پڑھا کرے گا، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ مستجاب الدعوات ہوگا (یعنی ہر دعا قبول ہوا کرے گی)

❁......یَاحَکِیْمُ۔ 80 بار جو روزانہ پانچوں نمازوں کے بعد پڑھ لیا کرے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کسی کا محتاج نہ ہوگا۔

❁......یَاجَلِیْلُ۔ 10 بار پڑھ کر جو اپنے مال واَسباب اور رقم وغیرہ پر دم کردے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ چوری سے محفوظ رہے۔ **(ہر ورد کے اول وآخر ایک بار درود شریف پڑھ لیجئے)** (فیضان سنت، ج۱، ص ۱۶۸ تا ۱۷۰ ملتقطًا)

عُلَما وشخصیات کے ناموں کی فِہرِست

فقیہ ابوالیث نصر بن محمد سمرقندی علیہ رحمۃ اللہ الولی	٣٧٣ھ	قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٥٤٤ھ
امام محمد بن ابواسحاق کلاباذی بخاری حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی	٣٨٠ھ	امام احمد بن محمد سلفی اصبہانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی	٥٧٦ھ
امام الکبیر علی بن عمر الدار قطنی علیہ رحمۃ اللہ الغنی	٣٨٥ھ	حضرتِ سیِّدُنا امام فخر الدین رازی علیہ رحمۃ اللہ الوالی	٦٠٦ھ
امام ابوسلیمان احمد بن محمد خطابی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی	٣٨٨ھ	شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٦٣٨ھ
امام ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری	٣٩٣ھ	امام ابوعباس احمد بن عمر انصاری قرطبی مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٦٥٦ھ
امام حسین بن حسن بن محمد حلیمی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی	٤٠٣ھ	شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ شاذلی علیہ رحمۃ اللہ الوالی	٦٥٦ھ
امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری علیہ رحمۃ اللہ القوی	٤٠٥ھ	امام عزالدین بن عبدالسلام علیہ رحمۃ اللہ السَّلام	٦٦٠ھ
ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی علیہ رحمۃ اللہ الولی	٤١٢ھ	امام محمد بن احمد قرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٦٧١ھ
امام حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی	٤٣٠ھ	امام یحییٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٦٧٦ھ
امام ابوحسن علی بن خلف المعروف ابن بطال علیہ رحمۃ اللہ الجلال	٤٤٩ھ	امام عبداللہ بن عمر بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی	٦٨٥ھ
امام احمد بن حسین بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٤٥٨ھ	شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ سکندری علیہ رحمۃ اللہ القوی	٧٠٩ھ
امام ابوعمر ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ	٤٦٣ھ	امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی	٧١٠ھ
امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ القوی	٤٦٥ھ	علامہ عمر بن علی فاکہانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی	٧٣٤ھ
امام ابوحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری علیہ رحمۃ اللہ الولی	٤٦٨ھ	امام ابومحمد علی بن محمد بن ابراہیم خازن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ	٧٤١ھ
ابومعالی عبدالملک بن عبداللہ، امام الحرمین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ	٤٧٨ھ	امام حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٧٤٣ھ
شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی	٤٩٠ھ	امام فخر الدین عثمان بن علی زیلعی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٧٤٣ھ
ابوقاسم حسین بن محمد المعروف امام راغب اصفہانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی	٥٠٢ھ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ	٧٤٧ھ
ابوحامد امام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی	٥٠٥ھ	امام تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٧٥٦ھ
امام ابومحمد حسین بن مسعود بغوی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٥١٦ھ	سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی	٧٩٣ھ
امام محمد بن علی بن عمر مازری مالکی علیہ رحمۃ اللہ الوالی	٥٣٦ھ	امام بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی علیہ رحمۃ اللہ الولی	٧٩٤ھ
امام عمر بن محمد نجم الدین نسفی علیہ رحمۃ اللہ القوی	٥٣٧ھ	امام عبداللطیف بن عبدالعزیز بن ملک علیہ رحمۃ اللہ الخالق	٨٠١ھ
قاضی ابوبکر ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ الولی	٥٤٣ھ	امام ابوفضل زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی علیہ رحمۃ اللہ الباقی	٨٠٦ھ

احمد بن محمد بن عماد مقدسی المعروف ابن ہائم علیہ رحمۃ اللہ الدائم	۸۱۵ھ	معین الدین ہروی المعروف ملا مسکین علیہ رحمۃ اللہ المبین	۹۵۴ھ
امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی	۸۵۲ھ	امام محمد ابراہیم بن حلبی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی	۹۵۶ھ
امام بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی	۸۵۵ھ	علامہ زین الدین بن ابراہیم المعروف ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۹۷۰ھ
امام علی بن محمد ابنِ اقبرس شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی	۸۶۲ھ	شیخ عبد الوہاب شعرانی/شعراوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی	۹۷۳ھ
امام محمد بن احمد شاذلی تونسی علیہ رحمۃ اللہ الغنی	۸۸۲ھ	علامہ محمد بن پیر علی برکلی آفندی علیہ رحمۃ اللہ القوی	۹۸۱ھ
علامہ حسن بن محمد شاہ بن محمد شمس الدین چلپی علیہ رحمۃ اللہ الولی	۸۸۶ھ	شیخ عبد الرءوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ القوی	۱۰۳۱ھ
امام سید شریف محمد بن یوسف سنوسی علیہ رحمۃ اللہ الولی	۸۹۵ھ	علامہ شمس الدین میدانی علیہ رحمۃ اللہ الوالی	۱۰۳۳ھ
علامہ کمال الدین ابنِ ابی شریف مقدسی علیہ رحمۃ اللہ القوی	۹۰۶ھ	علامہ شیخ احمد مقری علیہ رحمۃ اللہ القوی	۱۰۴۱ھ
امام عبد الرحمٰن بن ابوبکر، جلال الدین سیوطی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی	۹۱۱ھ	ابوطیب بن محمد بن محمد غزی عامری دمشقی علیہ رحمۃ اللہ القوی	۱۰۴۲ھ
امام احمد بن محمد قسطلانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی	۹۲۳ھ	عبد الرحمٰن محمد المعروف شیخی زادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۰۷۸ ھ
علامہ عبد العلی برجندی علیہ رحمۃ اللہ القوی	۹۳۵ ھ	امام عبد السلام بن ابراہیم لاقانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی	۱۰۷۸ھ
شیخ علوان علی بن عطیہ حموی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی	۹۳۶ھ	امام عبد اللہ بن حسن عفیف کازرونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	بعد ۱۱۰۲
امام محی الدین شیخ زادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۹۵۱ھ	علامہ عبد الغنی بن اسماعیل نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی	۱۱۴۳ھ

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

......مدنی قافلوں اورفکرمدینہ کی برکتیں......

’’**دعوتِ اسلامی**‘‘ کے سنتوں کی تربیت کے’’**مدنی قافلوں**‘‘میں سفراور روزانہ’’**فکرِ مدینہ**‘‘ کے ذریعے’’**مدنی انعامات**‘‘ کا رسالہ پر کرکے ہر مدنی (اسلامی) ماہ کے ابتدائی دس دن کے اندر اندر اپنے یہاں کے (دعوت اسلامی کے) ذمہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنالیجئے۔اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے’’**پابندِ سنت**‘‘ بننے’’**گناہوں سے نفرت**‘‘ کرنے اور’’**ایمان کی حفاظت**‘‘ کے لئے کڑھنے کا ذہن بنے گا۔

ماٰخذومراجع

کتبِ تفاسیر

نام کتاب	مصنف/مؤلف	مطبوعہ
قرآن پاک	کلام باری تعالیٰ	مکتبۃ المدینۃ ۱۴۳۰ھ
تفسیرالبیضاوی	امام ابو سعیدعبداللّٰہ بن عمربیضاوی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۶۸۵ھ	دارالفکر۱۴۲۰ھ
تفسیرروح البیان	امام شیخ اسماعیل حقی البروسوی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۱۱۳۷ھ	کوئٹہ پاکستان
تفسیرالقران العظیم	حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمربن کثیررحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۷۷۴ھ	دارالکتب العلمیۃ۱۴۱۹ھ
تفسیرالطبری	امام ابو جعفر محمدبن جریرطبری رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی ۳۱۰ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۰ھ
تفسیرالبغوی	امام ابومحمدحسین بن مسعودبغوی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۵۱۶ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۴ھ
تفسیرالخازن	امام علامہ علی بن محمد بن ابراھیم خازن رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۷۴۱ھ	صدیقیۃ کتب خانہ
تفسیرالعزبن عبدالسلام	امام عزالدین عبدالعزیزبن عبدالسلام سلمی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۶۶۰ھ	دارابن حزم۱۴۱۶ھ
تفسیرالواحدی	ابوالحسن علی بن احمدواحدی نیسابوری رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۴۶۸ھ	☆☆☆
تفسیرالسلمی	ابوعبدالرحمن محمدبن حسین سلمی نیسابوری رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۴۱۲ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
تفسیرالدرالمنثور	امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی شافعی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۹۱۱ھ	دارالفکر۱۴۰۳ھ
تفسیرالکبیر	امام فخر الدین محمدبن عمررازی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۶۰۶ھ	داراحیاء التراث العربی۱۴۲۰ھ
تفسیرالحسن البصری	امام حسن بن عبداللّٰہ بصری رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی ۱۱۰ھ	جامعۃ عربیۃ احسن العلوم۱۴۱۳ھ
تفسیرعبدالرزاق	امام عبدالرزاق بن ھمام صنعانی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۲۱۱ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
تفسیرالبحر المحیط	محمدبن یوسف الشھیربابی حیان اند لسی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۷۴۵ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۲ھ
تفسیرالکشاف	جاراللّٰہ محمودبن عمر زمخشری متوفّٰی۵۲۸ھ	مکتبۃ الاعلام الاسلامی۱۴۱۴ھ
تفسیرالقرطبی	ابوعبداللّٰہ محمدبن احمدانصاری قرطبی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۶۷۱ھ	دارالفکر۱۴۲۰ھ
حاشیۃ شیخ زادہ	امام محی الدین شیخ زادہ حنفی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۹۵۱ھ	دارالکتب العلمیۃ۱۴۱۹ھ
زاد المسیر فی علم التفسیر	امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمدجوزی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۵۹۷ھ	المکتب الاسلامی۱۴۰۴ھ
ابرازالمعانی من حرزالمعانی	امام شاطبی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی ۵۹۰ھ	☆☆☆
بحرالعلوم	ابو اللیث نصربن محمدبن احمدسمرقندی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۳۷۳ھ	الموسوعۃ العربیۃ العالمیۃ

کتبِ احادیث

نام کتاب	مصنف/مؤلف	مطبوعہ
صحيح البخاری	امام محمدبن اسماعیل بخاری رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۲۵۶ھ	دار السلام رياض ۱۴۲۱ھ
صحيح المسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۲۶۱ھ	دار السلام رياض ۱۴۲۱ھ
سنن ابی داؤد	امام ابوداؤدسلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی۲۷۵ھ	دار السلام رياض ۱۴۲۱ھ
جامع الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللّٰہ علیہمتوفّٰی۲۷۹ھ	دار السلام رياض ۱۴۲۱ھ
سنن النسائی	امام احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللّٰہ علیہمتوفّٰی۳۰۳ھ	دار السلام رياض ۱۴۲۱ھ
سنن ابن ماجة	امام محمد بن یزید القزوینی الشهیربابن ماجة رحمۃ اللّٰہ علیہمتوفّٰی۲۷۳ھ	دار السلام رياض ۱۴۲۱ھ
المؤطأ	امام دارالهجرة امام مالك بن انس اصبحی حمیری رحمۃ اللّٰہ علیہمتوفّٰی۱۷۹ھ	دارالمعرفة ۱۴۲۰ھ
الادب المفرد	امام محمدبن اسماعیل بخاری رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی۲۵۶ھ	ملتان پاکستان
مراسيل ابی داؤد	امام ابوداؤدسلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی۲۷۵ھ	افغانستان
السنن الكبرى	امام احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللّٰہ علیہمتوفّٰی۳۰۳ھ	دارا لکتب العلمية ۱۴۱۱ھ
السنن الكبرى	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۴۵۸ھ	دارا لکتب العلمية ۱۴۲۴ھ
السنن الصغرى	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۴۵۸ھ	دارالفکر ۱۴۲۰ھ
شعب الايمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ
الزهدالكبير	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۴۵۸ھ	موسؤالكتب الثقافية۱۴۱۷ھ
المعجم الكبير	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دار احياء التراث۱۴۲۲ھ
المعجم الاوسط	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دارا لکتب العلمية ۱۴۲۰ھ
المعجم الصغير	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دارا لکتب العلمية۱۴۰۳ھ
المصنف	امام حافظ ابوبکرعبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۲۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ
المصنف	حافظ عبداللّٰہ محمدبن ابی شیبة عبسی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی۲۳۵ھ	دارالفکربیروت۱۴۱۴ھ
المسند	امام ابوعبداللہ احمد بن محمد ابن حنبل رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۲۴۱ھ	دارالفکربیروت۱۴۱۴ھ
الموسوعة	حافظ ابوبکرعبداللّٰہ بن محمدبن عبیدابن ابی الدنیارحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۲۸۱ھ	المكتبة العصرية۱۴۲۶ھ
مسندابی یعلی	امام ابویعلی احمدبن علی موصلی رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی۳۰۷ھ	دارالکتب العلمیہ۱۴۱۸ھ

سنن الدارمی	امام عبد اللہ بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۵۵ھ	دارالکتب العربی ۱۴۰۷ھ
سنن الدارقطنی	امام علی بن عمردارقطنی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۸۵ھ	ملتان پاکستان
المستدرک	امام ابوعبداللّٰہ محمدبن عبداللّٰہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۰۵ھ	دارالمعرفۃ ۱۴۱۸ھ
صحیح ابن حبان	امام حافظ محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۵۴ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۷ھ
مشکاۃ المصابیح	علامہ ولی الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۷۴۲ھ	دارالفکر ۱۴۲۱ھ
شرح السنۃ	امام أبومحمدحسین بن مسعودبغوی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۵۱۶ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۴ھ
البحرالزخاربمسندالبزار	امام ابوبکراحمدبن عمرو بزاررحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۹۲ھ	مکتبۃ العلوم والحکم ۱۴۲۴ھ
الفردوس الاخبار	حافظ شیرویہ بن شہرداربن شیرویہ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۵۰۹ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۰۶ھ
الترغیب والترہیب	امام زکی الدین عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۵۶ھ	دار الفکربیروت ۱۴۱۸ھ
الجامع الصغیر	امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی شافعی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۵ھ
کنزالعمال	علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۷۵ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
ریاض الصالحین	امام حافظ محیی الدین ابوذکریایحیی بن شرف نووی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۶۷۶ھ	دار السلام ریاض ۱۴۲۰ھ
التاریخ الکبیر	امام محمدبن اسماعیل بخاری رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۲۵۶ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۲ھ

کتبِ شروحِ احادیث

نام کتاب	مصنف/مؤلف	مطبوعہ
فتح الباری	امام حافظ ابن حجرعسقلانی شافعی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۸۵۲ ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۵ھ
عمدۃ القاری	امام بدرالدین ابومحمدمحمودبن احمدعینی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۸۵۵ ھ	دارالفکر ۱۴۱۸ھ
البخاری بشرح الکرمانی	یحیی بن محمدشافعی المعروف بابن الکرمانی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۸۳۳ ھ	دارالفکر ۱۴۱۱ھ
صحیح مسلم بشرح النووی	امام حافظ محیی الدین ابوذکریایحیی بن شرف نووی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۶۷۶ھ	دار الکتب العلمیۃ
فیض القدیر	امام محمد عبد الرءُوف مناوی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۱۰۳۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۲ھ
التمہید	امام یوسف بن عبد اللّٰہ محمد بن عبد البررحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
بحرالفوائد	ابوبکرمحمدبن ابی اسحاق ابراھیم الکِلاباذی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۳۸۴ھ	دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۰ھ
المجروحین	امام حافظ محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۵۴ھ	دارالصمیعی ۱۴۲۰ھ

کتبِ عقائد وکلام

مطبوعہ	مصنف/مؤلف	نام کتاب
کراچی پاکستان	امام الائمہ ابو حنیفۃ نعمان بن ثابت رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۱۵۰ھ	الفقہ الاکبرمع شرحہ
دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۲ھ	علامہ مسعودبن عمرسعدالدین تفتازانی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۷۹۳ھ	شرح المقاصد
دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۳ھ	علامہ مسعودبن عمرسعدالدین تفتازانی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۷۹۳ھ	شرح العقائد
دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ	قاضی عضدالدین عبدالرحمن ایجی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۷۵۶ھ	شرح المواقف

کتبِ فقہ واصول فقہ

مطبوعہ	مصنف/مؤلف	نام کتاب
کراچی پاکستان	ابو البرکات عبداللہ بن احمدبن محمودنسفی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۷۰۱ھ	کنزالدقائق
کوئٹہ پاکستان ۱۴۲۰ھ	علامہ زین الدین بن نجیم رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۹۷۰ھ	البحر الرائق
المکتبۃ الغفاریۃ ۱۴۲۱ھ	ابو بکرمحمدبن احمدبن ابی سہل سرخسی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۴۹۰ھ	المبسوط
مرکزاھل السنۃ ۱۴۲۵ھ	امام کمال الدین محمدبن عبدالواحدرحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۶۸۱ھ	فتح القدیرشرح الھدایۃ
دارالمعرفۃ ۱۴۲۰ھ	شیخ شمس الدین تمرتاشی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۱۰۰۴ھ	تنویر الابصار
دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۰ھ	امام فخرالدین عثمان بن علی زیلعی حنفی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۷۴۳ھ	تبیین الحقائق
دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ	عبدالرحمن بن محمد المدعوبشیخی زادہ رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۱۰۷۸ھ	مجمع الانھر
لاھورپاکستان	امام شیخ ابراھیم حلبی حنفی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۹۵۶ھ	حلبی کبیر
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ	بدرالدین ابو محمد محمودبن احمد عینی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۸۵۵ھ	رمزالحقائق
دارالفکر ۱۴۱۰ھ	امام ابوعبدمحمدبن ادریس شافعی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۲۰۴ھ	الام
دارالکتاب العربی ۱۴۱۷ھ	امام علاء الدین عبدالعزیزبن احمد بخاری رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۷۳۰ھ	کشف الاسرار
کراچی پاکستان	عبیداللہ بن مسعودبن تاج الشریعۃ رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۷۴۷ھ	التوضیح والتلویح
دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ	شیخ زین الدین بن ابراھیم الشھیربابن نجیم رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۹۷۰ھ	الاشباہ والنظائر
پشاور	قاضی حسن بن منصوربن محمودداوزجندی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۵۹۲ھ	الفتاوی الخانیۃ
دارالفکر ۱۴۱۱ھ	علامہ ھمام مولاناشیخ نظام رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۱۱۶۱ھ وجماعۃ من العلماء الھند	الفتاوی الھندیۃ

الفتاوی القاضی خان	علامہ حسن بن منصوراوزجندی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۵۹۲ھ	دارالفکر ۱۴۱۱ھ
فتاوی السبکی	امام ابوالحسن تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۷۵۶ھ	دارالفکربیروت
شرح المختصرالوقایۃ	متبحرعلامہ عبدالعلی برجندی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۹۳۲ھ	مکتبۃ العجائب لزاخرالعلوم

کتبِ اَخلاق وسیرت

نام کتاب	مصنف/مؤلف	مطبوعہ
المواھب اللدنیۃ	شیخ احمدبن محمدقسطلانی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۹۲۳ھ	دارالکتب العلمیہ۱۴۱۶ھ
شرح المواھب	محمدزرقانی بن عبدالباقی بن یوسف رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۱۱۲۲ھ	دارالکتب العلمیہ۱۴۱۷ھ
شرح الشفاء	علامہ علی قاری ہروی حنفی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۱۰۱۴ھ	دارالکتب العلمیہ۱۴۲۱ھ
الطبقات الکبری	محمدبن سعدبن منیع ہاشمی بصری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۳۰ھ	دارالکتب العلمیۃ۱۴۱۸ھ
حلیۃ الاولیاء	امام حافظ ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۳۰ھ	دارالکتب العلمیۃ۱۴۱۸ھ
سبل الھدی والرشاد	امام محمدبن یوسف صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۴۲ھ	دارالکتب العلمیۃ۱۴۲۸ھ
کتاب الاذکارالمنتخبۃ	امام حافظ محیی الدین ابوذکریایحیی بن شرف نووی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۶۷۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۰ھ
محاضرۃ الابراومسامرۃ الاخیار	شیخ اکبرمحیی الدین محمدبن علی ابن عربی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۶۳۸ھ	دار الکتب العلمیۃ۱۴۲۲ھ
العھودالمحمدیۃ	امام ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد شعرانی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۹۷۳ھ	☆☆☆

کتبِ تصوُّف

نام کتاب	مصنف/مؤلف	مطبوعہ
الزھد	امام عبداللہ بن المبارک مرزوی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۸۱ھ	دارالکتب العلمیۃ
احیاء علوم الدین	ابوحامد امام محمدبن محمد غزالی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۵۰۵ھ	دارالصادر ۲۰۰۰ ع
اتحاف السادۃ المتقین	علامہ سیدمحمدبن محمدحسینی زبیدی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۱۲۰۵ھ	دار الکتب العلمیۃ
قوت القلوب	شیخ ابوطالب محمدبن علی مکی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۳۸۶ھ	مرکزاھل السنۃ۱۴۲۳ھ
مجموعۃ رسائل	ابوحامد امام محمد بن محمد غزالی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۵۰۵ھ	دارالفکر۱۴۲۴ھ
الرسالۃ القشیریۃ	امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیری رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۴۶۵ھ	دار الکتب العلمیۃ۱۴۱۸ھ
الطبقات الکبریٰ	امام ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد شعرانی رحمۃاللہ علیہ متوفّٰی ۹۷۳ھ	دارالفکر۱۴۱۹ھ

عوارف المعارف	امام شہاب الدین ابی حفص عمربن محمدبغدادی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی ۶۳۲ھ	دار الکتب العلمیة ۱۴۲۶ھ
الفتوحات المکیة	شیخ ابوعبداللّٰہ محمد محیی الدین ابن عربی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی ۶۳۸ھ	دارالفکر ۱۴۱۴ھ
روح القدس	شیخ ابوعبداللّٰہ محمد محیی الدین ابن عربی رحمۃاللّٰہ علیہ متوفّٰی ۶۳۸ھ	☆☆☆☆
لطائف المنن	تاج الدین احمد بن محمد ابن عطاء اللّٰہ سکندری رحمۃ اللّٰہ علیہ متوفّٰی ۷۰۹ھ	☆☆☆☆

کتبِ لغت واَعلام

نام کتاب	مصنف/مؤلف	مطبوعہ
القاموس المحیط	مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی متوفّٰی ۸۱۷ھ	داراحیاء التراث العربی ۱۴۱۷ھ
تهذیب اللغة	ابومنصورمحمد بن احمد بن ازهری هروی متوفّٰی ۳۷۰ھ	☆☆☆
کشف الظنون	مولٰی مصطفٰی بن عبداللّٰہ رومی حنفی متوفّٰی ۱۰۶۷ھ	دارالفکر ۱۴۱۹ھ
معجم البلدان	امام شہاب الدین ابوعبداللّٰہ یاقوت بن عبد اللّٰہ بغدادی متوفّٰی ۶۲۶ھ	داراحیاء التراث العربی

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

...... چھ افراد پرلعنت ......

فرمانِ مصطفٰی: ’’چھ طرح کے لوگوں پر میں لعنت کرتا ہوں اور اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ بھی اُن پر لعنت فرماتا ہےاور ہر نبی کی دعا قبول ہے۔ چھ اشخاص یہ ہیں (۱) کتاب اللّٰہ میں اضافہ کرنے والا (۲) تقدیر کو جھٹلانے والا (۳) میری امت پر ظلم کے ساتھ تسلط کرنے والا کہ اس شخص کو عزت دیتا ہے جسے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے ذلیل کیا اور اس کو ذلیل کرتا ہے جسے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے عزت عطا فرمائی (۴) اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے حرم (یعنی حرمِ مکہ) کو حلال ٹھہرانے والا (۵) میرے اہل بیت کی حرمت جس کا اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا ہے اس کو پامال کرنے والا اور (۶) میری سنت کو چھوڑنے والا۔‘‘

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان،الحدیث:۵۷۱۹،ج۷،ص۵۰۱)

مجلس المد ينة العلمية کی طرف سے پیش کردہ194 کتب ورسائل مع عنقریب آنے والی15 کتب ورسائل

﴿شعبہ کُتُبِ اعلیٰ حضرت علیه رحمة رب العزت﴾

اردو کتب:

عربی کتب:

عنقریب آنے والی کتب

شعبہ تراجمِ کتب

عنقریب آنے والی کتب

شعبہ درسی کتب

عنقریب آنے والی کتب

﴿شعبہ تخریج﴾

عنقریب آنے والی کتب

شعبہ اصلاحی کتب

شعبہ امیر اہلسنت دامت برکاتہم العالیہ

02......مقدس تحریرات کے ادب کے بارے میں سوال جواب (کل صفحات:48)

03......اصلاح کا راز (مدنی چینل کی بہاریں حصہ دوم) (کل صفحات:32) 04......25 کرسچین قیدیوں اور پادری کا قبولِ اسلام (کل صفحات:33)

05......دعوتِ اسلامی کی جیل خانہ جات میں خدمات (کل صفحات:24) 06......وضو کے بارے میں وسوسے اور ان کا علاج (کل صفحات:48)

07......تذکرۂ امیرِ اہلسنّت قسط سوم (سنّت نکاح) (کل صفحات:86) 08...... آدابِ مرشدِ کامل (مکمل پانچ حصے) (کل صفحات: 275)

09......بُلند آواز سے ذکر کرنے میں حکمت (کل صفحات:48) 10......پانی کے بارے میں اہم معلومات (کل صفحات:48)

11......دعوتِ اسلامی کی مَدَنی بہاریں (کل صفحات:220) 12......میں نے مدنی برقع کیوں پہنا؟ (کل صفحات:33)

13...... تذکرۂ امیرِ اہلسنّت قسط (2) (کل صفحات:48) 14......مخالفت محبت میں کیسے بدلی؟ (کل صفحات:33)

15......تذکرۂ امیرِ اہلسنّت قسط (1) (کل صفحات:49) 16......تذکرۂ امیرِ اہلسنّت (قسط4) (کل صفحات:49)

17......چل مدینہ کی سعادت مل گئی (کل صفحات:32) 18......معذور بچی مبلغہ کیسے بنی؟ (کل صفحات:32)

19......عطاری جن کا غسلِ میّت (کل صفحات:24) 20......نومسلم کی دردبھری داستان (کل صفحات:32) 21......قبر کھل گئی (کل صفحات:48)

22...... گونگا مبلغ (کل صفحات:55) 23......گمشدہ دولہا (کل صفحات:33) 24......جنوں کی دنیا (کل صفحات:32)

20......مردہ بول اٹھا (کل صفحات:32) 25......غافل درزی (کل صفحات:36) 26......کفن کی سلامتی (کل صفحات:33)

27......کفن کی سلامتی (کل صفحات:33) 28...... بدنصیب دولہا (کل صفحات:32) 29...... بے قصور کی مدد (کل صفحات:32)

30...... ہیرونچی کی توبہ (کل صفحات:32) 31...... مدینے کا مسافر (کل صفحات:32) 32......خوفناک دانتوں والا بچہ (کل صفحات:32)

33...... فلمی اداکار کی توبہ (کل صفحات:32) 34......ساس بہو میں صلح کا راز (کل صفحات:32) 35......قبرستان کی چڑیل (کل صفحات:24)

36......فیضانِ امیرِ اہلسنّت (کل صفحات:101) 37......حیرت انگیز حادثہ (کل صفحات:32) 38......ماڈرن نوجوان کی توبہ (کل صفحات:32)

39......کرسچین کا قبولِ اسلام (کل صفحات:32) 40......صلوٰۃ وسلام کی عاشقہ (کل صفحات:33) 41......کرسچین مسلمان ہوگیا (کل صفحات:32)

عنقریب آنے والے رسائل

01......V.C.D کی مدنی بہاریں (قسط3) (رکشہ ڈرائیور کیسے مسلمان ہوا؟) 02......اولیائے کرام کے بارے میں سوال جواب

03......دعوت اسلامی اصلاحِ امت کی تحریک

﴿شعبہ مدنی مذاکرہ﴾

01......مقدس تحریرات کے ادب کے بارے میں سوال جواب (کل صفحات:48) 02......وضو کے بارے میں وسوسے اور ان کا علاج (کل صفحات:48)

03......بلند آواز سے ذکر کرنے میں حکمت (کل صفحات:48) 04...... پانی کے بارے میں اہم معلومات (کل صفحات:48)

عنقریب آنے والے رسائل

01......اولیائے کرام کے بارے میں سوال جواب 02......دعوتِ اسلامی اصلاح امت کی تحریک

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُنّت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ تبلیغِ قرآن وسُنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **دعوتِ اسلامی** کے مہکے مہکے مَدَنی ماحول میں بکثرت سُنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں، ہر جُمعرات مغرب کی نماز کے بعد آپ کے شہر میں ہونے والے دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار سُنّتوں بھرے اجتماع میں ساری رات گزارنے کی مَدَنی التجا ہے، عاشقانِ رسول کے مَدَنی قافلوں میں سُنّتوں کی تربیت کے لیے سفر اور روزانہ **"فکرِ مدینہ"** کے ذَریعے مَدَنی اِنعامات کا رِسالہ پُر کر کے اپنے یہاں کے ذِمّہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اِس کی بَرَکت سے پابندِ سُنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی حفاظت کے لیے کُڑھنے کا ذِہن بنے گا۔

ہر اسلامی بھائی اپنا یہ ذِہن بنائے کہ **"مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کرنی ہے۔"** اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اپنی اِصلاح کے لیے **"مَدَنی اِنعامات"** پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کے لیے **"مَدَنی قافلوں"** میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ

مکتبۃ المدینہ کی شاخیں

- کراچی: شہید مسجد، کھارادر۔ فون: 021-32203311
- لاہور: داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ۔ فون: 042-37311679
- سردارآباد (فیصل آباد): امین پور بازار۔ فون: 041-2632625
- کشمیر: چوک شہیداں، میرپور۔ فون: 058274-37212
- حیدرآباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن۔ فون: 022-2620122
- ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ۔ فون: 061-4511192
- اوکاڑہ: کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد، نزد تحصیل کونسل ہال۔ فون: 044-2550767
- راولپنڈی: فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ۔ فون: 051-5553765
- پشاور: فیضانِ مدینہ، گلبرگ نمبر 1، النور اسٹریٹ، صدر۔
- خان پور: دُرانی چوک، نہر کنارہ۔ فون: 068-5571686
- نواب شاہ: چکرا بازار، نزد MCB۔ فون: 0244-4362145
- سکھر: فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ۔ فون: 071-5619195
- گوجرانوالہ: فیضانِ مدینہ، شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4225653
- گلزارِ طیبہ (سرگودھا): فیصل مارکیٹ، بالمقابل جامع مسجد سیدنا ماجد علی شاہ۔ 048-6007128

مکتبۃ المدینہ (دعوتِ اسلامی)

فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)

فون: 021-34921389-93 Ext: 1284

Web: www.dawateislami.net / Email: ilmia@dawateislami.net